أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

# مقالاتِ راشدیہ

## جلد ششم

از قلم شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ
ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ علیہ

اعداد: الشیخ افتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

تقدیم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ علیہ



تمییز الطیب من الخبیث
بجواب
رسالۃ تحفۃ الحدیث



تمييز الطيب من الخبيث
بجواب
رسالة تحفة الحديث



# مقالاتِ راشدیہ

جلد ششم

شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ
ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

تمییز الطیب من الخبیث
بجواب
رسالة تحفة الحدیث

www.KitaboSunnat.com

# مقالاتِ راشدیہ

جلد ششم

شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ
ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ علیہ



نام کتاب

# مقالاتِ راشدیہ

جلد ششم

از قلم

شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ علیہ

اعداد

الشیخ افتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

تقدیم

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ علیہ

باہتمام

حافظ ثناء اللہ خاں (بیرانی)

تاریخ اشاعت

فروری 2014ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

ناشر





e-mail: nomania2000@hotmail.com



أُولَٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

# مقالاتِ راشدیہ

## جلد ششم

از قلم شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ علیہ

اِعداد الشیخ اِفتخار احمد تاجُ الدین الازہری حفظہ اللہ

تقدیم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ علیہ

تمییز الطیب من الخبیث

بجواب

رسالۃ تحفۃ الحدیث




نُعمانی کُتب خانہ

حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور 042 37321865




شروع اللہ کے نام سے

جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

# فہرست مضامین

## تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالہ تحفۃ الحدیث



### مسئلہ نمبر 1

## فاتحہ خلف الامام

## مسئلہ نمبر 2

## مسئلہ رفع الیدین



# تقریظ



شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

## شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

جماعت اہل حدیث کے معروف محقق ماہنامہ ''الحدیث'' کے مدیر محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ گزشتہ دنوں مختصر علالت کے بعد دار فانی سے دار بقاء کے سفر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اللھم اغفر له وارحمه وادخله الجنة الفردوس. حافظ صاحب رحمہ اللہ سے مولانا سرور عاصم حفظہ اللہ مدیر مکتبہ الاسلامیہ اور شیخ ندیم ظہیر حفظہ اللہ کے توسط سے لاہور میں ملاقات ہوئی تھی اس ملاقات میں حافظ صاحب سے میں نے ''تمییز الطیب'' پر مقدمہ تحریر کرنے کے لیے عرض پیش کی تو انھوں نے بڑے فراخ دلی سے قبول فرمایا اور فرمایا میں پڑھ کر لکھوں گا کیونکہ میرے مخالفین میری ہر بات کوڈ کر کے اس کو حوالہ بناتے ہیں لہٰذا میں نے حامی بھر لی کہ جیسے ہی کمپوزنگ مکمل ہو گی آپ کی طرف روانہ کر دوں گا لیکن شاید یہ اللہ کو منظور نہ تھا اور حافظ صاحب گزشتہ دنوں انتقال کر گئے اور وہ یہ مقدمہ نہ لکھ سکے لیکن ہماری کتاب کا ٹائٹل فائنل ہو گیا لہٰذا ہم نے حافظ صاحب کے نام کو ہٹانا مناسب نہ سمجھا اور حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں شاہ صاحب رحمہ اللہ پر ایک مضمون تحریر کیا تھا اس کو من وعن نقل کیا جا رہا ہے۔ (الازہری)

اس مختصر مضمون میں شیخ العرب والعجم حافظ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی سندھی رحمہ اللہ کے بارے میں بعض معلومات پیش خدمت ہیں:

### نام ونسب:

ابو محمد بدیع الدین شاہ بن سیّد احسان اللہ شاہ راشدی سید ابو تراب رشد اللہ شاہ بن پیر رشید الدین شاہ بن پیر محمد یٰسین شاہ پیر جھنڈ و اول بن پیر محمد راشد شاہ الراشدی الحسینی السندھی رحمہ اللہ۔

## ولادت:

آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۲ھ بمقام گوٹھ فضل اللہ شاہ (سابق گوٹھ پیر جھنڈا) نزد نیوسعید آباد تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔

رموزِ راشدیہ (ص ۱۱) میں پیدائش ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء مذکور ہے اور محمد اسحاق بھٹی صاحب نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ دیکھئے برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن (ص ۱۰۲) لیکن شاہ صاحب کے صاحبزادے نور اللہ الراشدی نے ۳/۲/ ۱۳۹۸ھ میں آپ کی پیدائش ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء لکھی ہے۔ (دیکھئے ترجمۃ المؤلف/ توحید خالص ص ۳) پروفیسر محمد یوسف سجاد صاحب نے اسی تاریخ پر اعتماد کیا ہے۔

(دیکھئے تذکرہ علماء اہل حدیث ج ۲، ص ۱۵۶)

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی صاحب نے تاریخ پیدائش ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء لکھی ہے۔

(اصحابِ علم وفضل ص: ۴۴)

اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پوتے محترم نصرت اللہ صاحب سے رابطہ کیا تو انھوں نے بتایا کہ آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء بمطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات تقریباً تین بجے پیدا ہوئے۔

## اساتذہ کرام:

آپ کے چند مشہور اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں: ابو محمد عبدالحق بن عبدالواحد الہاشمی بہاولپوری مہاجر مکی، ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری فاتح قادیان، حافظ عبداللہ روپڑی، ابو اسحاق نیک محمد امرتسری، محب اللہ شاہ راشدی اور بیہقی زمان ابو سعید شریف الدین دہلوی وغیرہم۔

## تصانیف:

سید ابو محمد بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ کی عظیم الشان تصانیف میں سے بعض کا ذکر و تعارف درج ذیل ہے:

## عربی تصانیف:

(۱) **الطوام المرعشة فی بیان تحریفات اھل الرأی المدھشة:** ...اس کتاب میں شاہ صاحب نے تقلیدی حضرات کی تحریفات اور اکاذیب کا پردہ چاک کیا ہے تاکہ عامۃ المسلمین ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ کتاب عظیم محقق مولانا صلاح الدین مقبول احمد حفظہ اللہ کی تحقیق سے کویت سے چھپ چکی ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا قلمی مصور نسخہ بھی موجود ہے۔ والحمد للہ۔

(۲) عين الشين بترك رفع اليدين: ... یہ کتاب ۱۱۲ سے زیادہ صفحات پر مطبوع ہے جس میں ہاشم ٹھٹھوی تقلیدی کا بہترین رد کیا گیا ہے۔

(۳) جلاء العينين بتخريج روايات البخاري في جزء رفع اليدين: ...۱۹۲ سے زیادہ صفحات والی یہ کتاب کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ اور استاذ محترم مولانا فیض الرحمٰن ثوری نے بہترین حواشی کے ساتھ اس کتاب کی مراجعت فرمائی ہے۔ شاہ صاحب نے اس جلیل القدر کتاب میں امام بخاری کی مشہور و ثابت کتاب جزء رفع الیدین کی تحقیق و تخریج کر کے منکرین رفع الیدین کو شکست فاش دے دی ہے۔

(۴) التعليق المنصور على فتح الغفور في تحقيق وضع اليدين على الصدور: ... یہ شیخ محمد حیات السندھی رحمہ اللہ کے رسالے کی تحقیق و تخریج ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نماز میں (مردوں اور عورتوں کو) سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

۱۳۶ صفحات میں اس کی کمپوزنگ ہو چکی ہے جسے برادر محترم ذوالفقار بن ابراہیم الاثری حفظہ اللہ نے مدینہ طیبہ سے راقم الحروف کے پاس برائے مراجعت بھیجا ہے۔ میرے پاس برادرِ محترم عزیز السّلفی (کاتب) کے لکھے ہوئے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ بھی موجود ہے جس کے ۶۸ صفحات ہیں۔

(۵) السمط الإبريز حاشية مسند عمر بن عبد العزيز تاليف ابن الباغندي: ... یہ کتاب مولانا عبد التواب ملتانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۶ھ) کے حاشیے کے ساتھ قدیم خطی انداز میں ۴۷ صفحات پر مطبوع ہے۔ اس کتاب میں محدث ابن الباغندی البغدادی نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی مرویات کو اپنی اسانید کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب ایک متروک و مبتدع محمد عوامہ کی تخریج و تعلیق سے بھی مطبوع ہے۔ دونوں کتابوں کے موازنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوامہ مذکور نے شاہ صاحب کی تحقیقات و تعلیقات کو جابجا چرایا ہے۔ مثلاً:

عبد اللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحلبی نے "ثنا أبي عن مبشر بن إسماعيل عن نوفل" کی سند سے رفع یدین کی ایک حدیث بیان کی ہے۔ (مسند عمر بن عبد العزیز: ۱۰، ۱۱ نسخہ محمد عوامہ: ۱۱، ۱۲۔ معجم شیوخ ابن الاعرابی ۲/۳۵۰ ح ۲۰۶۷، شعار اصحاب الحدیث لابی احمد الحاکم: ۵۱، الارشاد للخلیلی ۲/۴۸۰)

عبد اللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحلبی سے طبرانی، دولابی، ابو عوانہ الاسفرائنی، ابن ابی حاتم، ابن صاعد

اور ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم وغیرہ متاخرین نے روایت بیان کی ہے۔

تاریخ دمشق لابن عساکر (۳۴/ ۱۱۵، ۱۱۶)، الارشاد فی معرفة علماء الحدیث للخلیلی (۲/ ۴۸۰) اور تاریخ الاسلام للذہبی (۲۱/ ۲۰۹ وفیات ۲۸۱ھ تا ۲۹۰ھ) میں اس کے حالات موجود ہیں۔ محدث خلیلی نے کہا: "صاحب غرائب، روی عنه ابن صاعد وأقرانه وأبونعیم الجرجانی وآخر من روی عنه الطبرانی وهو ثقه" صاحب غرائب ہے، اس سے ابن صاعد، ان کے معاصرین اور ابونعیم الجرجانی نے روایت بیان کی ہے اور سب سے آخر میں اس سے روایت کرنے والے طبرانی تھے اور وہ ثقہ تھے۔ (الارشاد: ۲/ ۴۸۰)

ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی۔

(المسند المستخرج طبعه جدیدة ۴/ ۶۱، ح: ۵۸۶۰)

حاکم نے اس کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرك ۳/ ۳۲۳ ح: ۵۴۰۵)

معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کا یہ راوی کم از کم صدوق وحسن الحدیث ہے۔

**تنبیہ**:..... کتاب الجرح والتعدیل میں ایک راوی عبداللہ بن اسامہ ابواسامہ الحلبی کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں ابی حاتم نے کہا: "کتبت عنه مع أبی وهو ثقة صدوق" (۵/ ۱۰ تا ۴۶) واللہ اعلم

شیخ بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ نے ابن ابی اسامہ الحلبی کے بارے میں حافظ ابن حبان کی کتاب المجروحین (۲/ ۵۰) سے جرح نقل کی کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور (امام) بخاری اس پر شدید جرح کرتے تھے۔ (السمط الابریز ص ۱۸)

حالانکہ یہ مجروح راوی الحلبی نہیں بلکہ الاسامی ہے اور الحلبی کے مقابلے میں متقدمین میں سے ہے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ راوی ہیں۔

ابن ابی اسامہ کا والد محمد بن (بہلول) ابی اسامہ الحلبی بھی موثق ہے۔ اس سے ابوزرعہ الدمشقی، یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفة والتاریخ ۲/ ۳۶۴) اور محمد بن عوف الحمصی وغیرہ نے روایت بیان کی ہے اور ابوحاتم الرازی نے کہا: "لیس به بأس" (الجرح والتعدیل ۷/ ۲۰۹)

معلوم ہوا کہ یہ راوی ثقہ وصدوق ہے لیکن شاہ صاحب نے محمد بن اسامہ (مدنی) کے بارے میں میزان الاعتدال سے نقل کیا کہ "لا أعرفه" (السمط الابریز ص: ۱۸)

حالانکہ یہ راوی اور ہے اور مدنی اور ہے۔ مدنی اور حلبی دو مختلف راوی ہیں۔ محمد عوامہ تقلیدی نے شاہ صاحب کی تقلید کرتے ہوئے عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحلبی پر جرح کر دی ہے اور محمد بن ابی اسامہ کے بارے میں لکھا ہے: "ینظر القول فیه" (مسند عمر بن عبد العزیز ص ۵۵)

(۶) **انماء الزکن في تنقید انهاء السکن:** ...اس کتاب میں شاہ صاحب نے ظفر احمد تھانوی دیوبندی کی کتاب "انهاء السکن" کا رد کیا ہے اور یہ کتاب کویت سے "نقض قواعد فی علوم الحدیث" کے نام سے ۴۷۸ صفحات میں مطبوع ہے لیکن مطبوعہ میں کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں کثرت سے ہیں جن سے شاہ صاحب بری ہیں۔

(۷) **زیادة الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع:** ...رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور دونوں عمل جائز ہے اگرچہ ہاتھ چھوڑنا بہتر ہے۔ شاہ صاحب نے اس رسالے میں اول الذکر کو ترجیح دی ہے جبکہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ ثانی الذکر کو ترجیح دیتے تھے۔

اس رسالے کا جواب مبلغ اہل حدیث مولانا عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۱ء) کی طرف سے "ما یجوز فی القیام بعد الرکوع وضع الیدین أم ارسال الیدین" کے نام سے مطبوع ہے۔

(۸) **منجد المستجیز لروایة السنة والکتاب العزیز:** ...یہ رسالہ شاہ صاحب کی اسانید کا مجموعہ ہے جو آپ اپنے شاگردوں اور مستجیزین کو مرحمت فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے دستخطوں اور مہر کے ساتھ ۸/ ۷/ ۱۴۰۶ھ کو یہ اجازت نامہ مجھے بھی عطا فرمایا تھا۔ اس میں ایک مقام پر آپ نے اپنی صحیح بخاری کی سند درج ذیل الفاظ میں رقم کی۔

> "فأخبرنی الشیخ عبد الحق الهاشمی قال: أخبرنا أحمد بن عبد الله بن سالم البغدادي عن عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوهاب عن جده شیخ الإسلام عن عبد الله بن إبراهیم المدني عن عبد القادر التغلبي عن عبد الباقي عن أحمد الوفائی عن موسی الحجازي عن أحمد الشویکی عن العسکري عن الحافظ شمس الدین ابن القیم عن شیخ الإسلام الحافظ تقي الدین أبی العباس ابن تیمیة عن الفحز ابن البخاري عن أبی ذر الهروي عن شیوخه السرخسی والمستملی

والكشميهني عن محمد بن يوسف الفربري عن امام الدنيا أبي عبدالله محمد بن إسماعيل البخاري . " (منجد المستجيز ص ۱۰، ۱۱)

اس سند میں نہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں اور نہ شاہ عبداللہ العزیز و محمد بن اسحاق!

(۹) **القنديل المشعول في تحقيق حديث ((اقتلوا الفاعل والمفعول))**: ...میرے علم کے مطابق یہ غیر مطبوع ہے۔ ان کے علاوہ شاہ صاحب کی اور بھی بہت سی عربی کتابیں ہیں مثلاً: "وصول الالهام لاصول الاسلام" (یہ ساری کتاب غیر منقوط ہے یعنی اس میں نقطوں والا کوئی حرف استعمال نہیں ہوا)

"جزء منظوم في أسماء المدلسين" (یہ الفتح المبین کے آخر میں میری مراجعت سے مطبوع ہے) "توفيق الباري بترتيب جزء رفع اليدين للبخاري" (اس کے آخر میں شاہ صاحب نے لکھا ہے: العبد ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی) مخطوطے کے کل صفحات ۲۱ ہیں۔ "العجوز لهداية العجوز" (بڑی عجیب وغریب کتاب ہے) "اظهار البراء ة عن حديث من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة . " ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن میں بعض کا ذکر پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد کی کتاب تذکرہ علماء اہل حدیث (ج ۲ ص ۲۱۲۔ ۲۱۵) میں ہے۔

**اُردو تصانیف:**

(۱) توحید خالص: ...اپنے موضوع پر یہ عظیم الشان کتاب ہے، جو تقریباً ۶۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ عقیدے پر معلومات کا بہترین خزانہ ہے۔

(۲) امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے۔

(۳) تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید: ... (۴۱۲) صفحات کی یہ لاجواب و مفید ترین کتاب محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی تقلیدی کے جواب میں لکھی گئی جس کے جواب الجواب سے (میرے علم کے مطابق) آلِ تقلید عاجز رہے۔

(۴) تواتر عملی یا حیلہ جدلی: ... یہ مسعود احمد بی ایس سی (تکفیری) کا رد ہے۔

(۵) الٰہی عتاب بر سیاہ خضاب۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ (دیکھئے تذکرہ علماءِ اہل حدیث، ج ۲، ص ۲۱۶، ۲۱۷)

## سندھی تصانیف:

(۱) **بدیع التفاسیر**:...سندھی زبان میں شاہ صاحب نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے بدیع التفاسیر آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب صرف چودھویں پارے تک لکھی جا سکی اور آپ فوت ہو گئے۔

(۲) **تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالۃ تحفۃ الحدیث**:...سندھی زبان میں بڑے سائز اور باریک خط پر ۵۶۶ صفحات کی یہ کتاب مسلک اہل حدیث کی فتح اور آلِ تقلید کی تباہی کی روشن دلیل ہے۔ اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو اردو دان طبقہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔

(۳) **التنقید المضبوط فی تسوید تحریر الملبوط (فقہ و حدیث)**:...اس کتاب کا کچھ حصہ اردو میں چھپ گیا ہے۔

(۴) **الأربعین فی الجھر بالتأمین**۔

(۵) تقریر دلپذیر بنام براءت اہل حدیث۔

آپ نے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب مفیدہ تصنیف فرمائیں۔ مثلاً "**الفتاویٰ البدیعیہ**" وغیرہ۔

## شاہ صاحب کے تلامذہ:

۱: شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھی المدنی رحمہ اللہ۔

میری ملاقات شیخ عبدالقادر سے مدینہ منورہ میں آپ کے گھر میں ہوئی تھی۔ نحیف جسم کے انتہائی علم دوست عالم تھے۔ آپ نے عربی زبان میں بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں۔

۲: حافظ فتحی محمد رحمہ اللہ۔

۳: حمدی عبدالمجید السلفی العراقی۔

۴: بشار عواد معروف۔

۵: شیخ مقبل بن ہادی الوداعی الیمنی رحمہ اللہ۔

۶: ابو سعید الیربوز الترکی۔

۷: الشیخ الصالح عاصم بن عبداللہ القریوتی۔

۸: الشیخ الصالح الامام وصی اللہ بن عباس المدنی المکی حفظہ اللہ۔

۹: ربیع بن ہادی المدخلی۔

۱۰: شیخ عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ۔

۱۱: حافظ عبداللہ ناصر حفظہ اللہ۔

ان کے علاوہ شاہ صاحب کے بے شمار تلامیذ تھے جن میں سے ابوخزیمہ محمد حسین ظاہری اور راقم الحروف کو بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

پروفیسر میاں محمد یوسف صاحب نے شاہ صاحب کے بہت سے مناظروں کا تفصیلی ذکر لکھا ہے۔

## شاہ صاحب علماء حق کی نظر میں:

التعلیقات السلفیہ کے مصنف مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گل سرسبد۔''

(تصدیر تنقید سدید ص ۷، ۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء)

شاہ صاحب کی تعریف وتوثیق پر تمام علمائے حق کا اتفاق ہے اور آپ فی الحقیقت ثقہ امام متقن تھے۔ مولانا محبّ اللہ شاہ راشدی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: "ثقة"

مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز سرگودھوی نے فرمایا: "عالم محقق" میں نے مدینہ میں محمد بن ہادی المدخلی سے ان کے گھر میں یہ فرماتے ہوئے سنا: "ما نسمع عنه إلا خيرًا" ہم ان کے بارے میں خیر ہی سنتے ہیں۔ فالح بن نافع الحربي المدنی نے کہا: "صاحب سنة من أهل الحديث ونفع الله به" آپ اہل حدیث میں سے، صاحب سنت تھے اور اللہ نے آپ کے ذریعے (لوگوں کو) نفع پہنچایا ہے۔ (انوار السبيل فی ميزان الجرح والتعديل ص ٢٦)

## چند یادداشتیں:

شاہ صاحب تصنیف وتالیف (بطورِ خاص تفسیر قرآن) میں مصروفیت کے باوجود طالب علموں کے لیے وقت نکالتے تھے۔ جو کتاب بھی پڑھاتے ایسا معلوم ہوتا کہ زبردست تیاری کے بعد پڑھا رہے ہیں حالانکہ یہ آپ کے حافظے کا کمال تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا تھا۔ مشکل سے مشکل عبارات آپ کی زبان پر موم ہو جاتی تھیں اور کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔ آپ خوارج وتکفیریوں کے سخت مخالف

تھے اور مسلک اہل سنت (اہل حدیث) پر مضبوطی سے گامزن تھے۔ شاہ صاحب کی ہر نماز انتہائی خشوع و خضوع والی ہوتی تھی، یہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ آپ کی آخری نماز ہے۔

راقم الحروف سے آپ کا رویہ شفقت سے لبریز تھا۔ ایک دفعہ آپ ایک پروگرام میں راولپنڈی تشریف لائے تو کافی دیر تک مجھے سینے سے لگائے رکھا۔

آپ بدیع التفاسیر لکھاتے وقت کاتبوں کو فی البدیہ کہتے کہ فلاں کتاب لاؤ اور فلاں جگہ سے لے کر فلاں جگہ تک والا حوالہ لکھو۔ عربیت کے تو آپ امام تھے جس کا ایک واضح ثبوت آپ کی احکام والی کتاب وصول الالہام ہے۔

## وفات:

آپ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء بمطابق ۱۶ شعبان ۱۴۱۶ھ بروز منگل رات تقریباً ۹ بجے مسجد راشدی کے قریب کراچی میں ۷۱ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور (پیر جھنڈا) نیو سعید آباد میں دفن کیے گئے۔ رحمه الله رحمة واسعة آمين.



# ''دفاع حدیث میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمات''

حافظ الحدیث علامہ احمد بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حدیث کی تعریف میں تحریر کرتے ہیں:

"الحديث في عرف الشرع: ما يضاف إلى النبي ﷺ."

(تدريب الراوي ١/ ٤٢)

امام سخاوی رحمہ اللہ مزید تفصیل لکھتے ہیں:

"ما اضيف إلى النبي ﷺ قولاً أو فعلا أو تقريراً أو صفة، ."

''ان تعریفات کا خلاصہ ہے جو بات آپ ﷺ کی طرف منسوب کی جائے چاہے وہ آپ کا قول ہو فعل ہو یا صفت ہو۔'' (فتح المغيث (١/ ٨)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی ہر وہ بات جو آپ کی طرف منسوب ہو اس پر عمل کرنا لازمی اور ضروری ہے کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر : ٧)

''جو اللہ کا رسول آپ دے وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔''

یعنی انسان کو ساری زندگی اللہ اور اللہ کی رسول کی تابعداری اور اطاعت کرنی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر فتنہ من گھڑت احادیث تک ہر کوئی احادیث رسول ﷺ پر عمل کر رہا تھا پھر اس کے بعد موضوع روایت کا دور شروع ہوا جس میں محدثین عظام نے اس کے سد باب کے لیے رات دن کوشش اور سعی کر کے اس فتنہ کو ختم کیا لیکن اس کے باوجود کئی احادیث لوگوں میں عام ہو چکی تھی جس کے لیے محدثین ائمہ جرح و تعدیل نے اسماء الرجال کا علم متعارف کروایا اور حق و باطل، صحیح اور ضعیف و موضوع کے درمیان فرق کا طریقہ اور قانون بنایا جو کہ اُمت مسلمہ پر ان کا بہت بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ ان کی جھود کو قبول و منظور فرمائیں۔ (آمین)

سیّد شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے دفاعِ حدیث میں ساری عمر صرف کی کسی نے بھی ضعیف حدیث کا سہارا لیا یا مسلک حقہ کو بدنام کرنے کی کوشش و جسارت

کی شاہ صاحب پہلے شخص ہوئے تھے جو اس کی سرکوبی کرتے ان کی جو بھی تصنیف دیکھو مثلاً: ''الطوام المرعشة في بيان تحريفات أهل الرأي المدهشة'' [1] اس کتاب میں مسلک ''اہل الرائے'' نے یہودیوں کے طرز پر، ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ﴾ پر کام شروع کیا اور احادیث مبارکہ میں تحریفات کی تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان تمام کا جائزہ لیا اور ان کا ردّ کیا اسی طرح شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب ''تمييز الطيب من الخبيث بجواب رسالة تحفة الحديث'' مسلک حنفیہ کے داعی مولانا عبدالخالق میمن صاحب نے ایک کتاب ''تحفة الحديث'' تحریر کی جس میں انھوں نے مسلک اہل حدیث کے ممتاز عالم دین مولانا محمد عمر جونیجو صاحب رحمہ اللہ کے رد میں لکھ کر ان کے پاس ارسال کی۔ مولانا عمر صاحب رحمہ اللہ نے شاہ صاحب سے ذکر کیا تو شاہ صاحب ضلع تھرپارکر کے شہر ڈیپلو میں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اس پوری کتاب کا خطیبانہ انداز میں تقریر کی اور کہا:

میری نظروں سے یہ کتاب گزری مجھے کوئی نئی چیز اس کتاب میں نظر نہیں آئی وہ ہی پرانی لکیر پیٹی جا رہی ہے، جس چیز کو محدثین کرام نے کئی زمانوں سے مٹا کر ختم کر چکے اس چیز کو نیا رنگ دے کر پیش کیا گیا کتاب کے حجم پر نہ جانا صرف تاویلات، سینہ زوری ضعیف روایات اور غلط حوالہ جات کا مجموعہ ہے جس میں چار مسائل زیر بحث کی گئی ہے۔

۱: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں۔ ۲: رفع الیدین کیا جائے یا نہیں۔

۳: وتر کس طرح پڑھا جائے۔ ۴: تراویح کی رکعات (۸) ہیں یا (۲۰)۔

پوری کتاب پڑھ کر تم میں سے کوئی یہ دکھائے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھو صرف دو لفظ ہوں کہ رکوع کے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین نہ کی ہو۔ پوری کتاب میں ایسے الفاظ نہیں ہیں پوری کتاب میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں دو رکعتوں کے بعد بیٹھے ہوں اور التحیات پڑھا ہو پھر اُٹھے ہوں اور تین رکعتیں پوری کی ہوں، ایسی کوئی حدیث نہیں ہے اور نہ ہی پوری کتاب میں ایسی کوئی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح پڑھنے کے بعد تہجد پڑھی ہو کوئی حدیث نہیں ہے۔ ایک اور بات آپ کو باور کراتا چلوں کہ اس کتاب کا جواب عنقریب کتابی شکل میں سامنے آئے گا دیر کا سوال نہیں ہے میرے جس رسالہ میں میرا اعتراض ہوا ہے اس کو شائع ہوئے ۱۵ سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے اور مولانا محمد عمر

[1] یہ مقالہ مقالات راشدیہ کی جلد نمبر ۸ میں شائع ہوگا۔ (ان شاء اللہ) (الازہری)

صاحب کی لکھی ہوئی کتاب کو بھی ۱۵ سے ۲۰ سال کا عرصہ طویل گزر گیا ہے اتنے سالوں بعد یہ کتاب لائی گئی ہے۔ ہمیں ان شاء اللہ اتنے مہینے بھی نہیں لگیں گے آپ بالکل فکر مت کریں۔

(ماخوذ تقریر لاجواب ص: ۷) [1]

اور پھر جب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کا جواب لکھنا شروع کیا تو چاروں مسائل کو روز روشن کی طرح سامنے رکھ دیا اور عوام کو ظلمات کی حقیقت سے روشناس کر کے نور کی طرف گامزن کر دیا اور تمام ''رطب و یابس'' روایت کی قلعی کھول دی اور پھر یہ کتاب ''جاء الحق وزهق الباطل'' کی مصداق ثابت ہوئی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ محقق اہل حدیث علامہ زبیر علی زئی صاحب رحمہ اللہ نے جب اس کتاب کو دیکھا اور وہ سندھی زبان میں تھی صرف عربی عبارات سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا اور مجلہ ''بحر العلوم'' کی خاص اشاعت میں تحریر کرتے ہیں:

> ''سندھی زبان میں بڑے سائز اور باریک خط پر ۵۶۶ صفحات کی یہ کتاب مسلک اہل حدیث کی فتح اور اہل تقلید کی تباہی کی روشن دلیل ہے اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو اردو طبقہ دان کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔'' (بحر العلوم ص: ۲۸۸)

ان کے علاوہ جس محقق نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا اس نے اپنے علم کے مطابق موتی چنے اللہ تعالیٰ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی قبر کو نور سے منور کریں جنھوں نے دفاع حدیث میں اپنی ساری عمر صرف کر دی اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کریں اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائیں۔ (آمین)

آخر میں تمام ساتھیوں اور اساتذہ بحر العلوم کا شکر گزار ہوں جنھوں نے جلد ششم اور جلد ہفتم کی تیاری میں میری مدد کی اور ناشر کو بھی جس نے اس کی اشاعت میں خطیر رقم لگائی۔ اللہ تعالیٰ تمام بھائیوں کی جھود اور مساعی کو قبول و منظور فرمائیں۔ آمین)

والسلام

افتخار احمد تاج الدین (الازہری حفظہ اللہ)
شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم السلفیہ
میر پور خاص
0332-2819002

12 دسمبر 2013

[1] یہ تقریر کتابی شکل میں مقالات راشدیہ کی جلد نمبر ۷ میں شائع ہوگی۔ ان شاء اللہ (الازہری)




شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ علمی مقالہ مسلک اہل حدیث کے امتیازی مسائل کا ایک حسین مجموعہ ہے، جس میں انہوں نے حنفی مسلک کا ترجمان جناب عبدالخالق میمن کی کتاب ''تحفۃ الحدیث'' کا مسکت جواب دیا ہے جن میں میمن صاحب نے حنفیت مسلک کی حمایت اور اپنے مذہب کے دفاع میں موضوع، ضعیف اور من گھڑت روایت کا سہارا لے کر قرأۃ فاتحہ خلف الإمام کا انکار، رفع الیدین کو منسوخ وتر کا غیر شرعی طریقہ اور تعداد رکعات تراویح پر لایعنی بحث کی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے میمن صاحب کی کتاب کا مکمل جواب صحیح احادیث اور آثار صحابہ سے تحریر کیا گویا کہ یہ مقالہ چار مسائل پر مشتمل ہے (۱) قراءۃ خلف الإمام (۲) رفع الیدین (۳) وتر (۴) تعداد رکعات تراویح ان چار میں سے دو کا اس جلد میں ذکر کیا جائے گا جبکہ باقی دو ''وتر اور تراویح'' کا ذکر جلد نمبر 7 میں ذکر ہوگا۔ ''ان شاء اللہ''

اصل میں یہ کتاب سندھی زبان میں تھی جس کو مولانا عبدالرحمٰن میمن رحمہ اللہ کے کہنے پر مولانا عبدالرحمٰن ثاقب صاحب سکھر والے نے اُردو میں نقل کیا۔

(الازہری)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی قال بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغه فاذا هو زاهق ، فاظهر الحق علی الباطل فهو القاهر الفائق ، ومیز الطیب من الخبیث فتأخر ذا وهذا هو السابق ، والطیب تالد ومقابله هالك وحالق ، فالحق کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء وصاحبه واثق ، وضده کشجرة خبیثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار وصاحبه متحیر بارق ، أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شریك له رب کل شیء وملیکه والخالق ، وأشهد ان محمدا عبده ورسوله المصدوق الصادق شهادة فارقة بین المؤمن المخلص وبین الما ذق المارق ، وأفضل الصلواة والسلام علی سید الخلائق ، الهادی إلیٰ دار السلام و السائق ، وآلهٖ وصحبهٖ ومن تبعهم کل منهم الیٰ سنته مسارع وشائق۔

اما بعد ! اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف آخری رسول محمد کریم ﷺ کو ہدایت کے لیے بھیجا اور آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کا بیان اور تفسیر بھی سمجھائی ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ﴾ (القیامة) اور مسلمان قرآن اور اس کے بیان (حدیث) دونوں کو "منزل من الله" سمجھتے ہیں۔ ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (النساء) اور مخلوق پر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت فرض کی۔ ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النساء، محمد) اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

((ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا کتاب الله وسنة نبیهٖ .))

(المستدرك حاکم، ص: ۹۳ ج ۱)

"میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول کی سنت (حدیث)۔"

اور یہ خبر بھی دی کہ امت میں ایسا وقت بھی آئے گا کہ امت میں قیاس اور رائے کا دور دورہ ہوگا جو مخلوق کی گمراہی کا باعث بنے گا اور فرمایا:

((ان اللّٰه لا ینزع العلم بعد ان اعطاکموه انتزاعاً ولٰکن ینتزعه عنهم مع قبض العلماء بعلمهم فیبقیٰ ناس جهال یستفتون فیفتون برأیهم فیضلون ویضلون .)) (البخاری، ص : ۱۰۸٦ ج ۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو علم عطا کر کے واپس نہ لے گا بلکہ علماء کو اٹھانے (موت دینے) کے ساتھ ان کا علم لے جائے گا۔ باقی جاہل لوگ بچیں گے جن سے فتویٰ طلب کیا جائے گا پھر وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

## اہل الحدیث اور اہل الرائے میں فرق

علماء اہل حدیث ہمیشہ رائے اور قال فلان یا قیل کذا سے دور رہے، صرف قال اللّٰہ اور قال الرسول ﷺ کو اپنے دین کا ماخذ سمجھا، ان کے مقابلے میں فرقہ اہل الرائے وجود میں آیا جس نے قیاس اور رائے کو استعمال کیا۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ "۱۴۸ ج ۱" میں ایک باب "باب الفرق بین أهل الحديث وأهل الرأى" قائم کر کے اہل حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"يكرهون الخوض فى الرأى ويهابون الفتيا والا ستنباط الا لضرورة لا يجدون منها بدا وكان اكبرهم رواية حديث رسول الله ﷺ."

"وہ رائے کو دین میں داخل کرنا ناپسند سمجھتے ہیں اور اسی طرح فتویٰ دینے اور استنباط سے ڈرتے ہیں علاوہ کسی خاص ضرورت کے بلکہ ان کا طرۂ امتیاز یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث جمع کی جائیں۔"

اور اہل الرائے کے متعلق کہتے ہیں:

"لا يكرهون المسائل ولا يهابون الفتيا و يقولون على الفقه بناء الدين فلا بد من اشاعته ويهابون رواية حديث رسول الله ﷺ والرفع اليه."

"نہ تو وہ بہت زیادہ مسائل کو ناپسند کرتے ہیں اور نہ فتویٰ دینے سے ڈرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ فقہ پر دین کی بنیاد ہے، لہٰذا اس کی اشاعت ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرنے سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

امام ابن قتیبہ تأویل مختلف الحدیث صفحہ ۶۲ پر لکھتے ہیں:

"ثم نصير إلىٰ اصحاب الرأى فنجد هم ايضا يختلفون و يقيسون ثم يدعون القياس ويستحسنون ويقولون بالشيءِ ويحكمون به ثم ير جعون."

"اہل الرائے کو دیکھتے ہیں کہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور قیاس کو استعمال کرتے ہیں، پھر اس کو چھوڑ کر استحسان کو استعمال کرتے ہیں اور ایک فیصلہ کر کے پھر اس سے پھرتے اور رجوع

کرتے ہیں۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۶۵ پر امام اسحاق بن راہویہ سے نقل کرتے ہیں:

"کان یقول نبذوا کتاب اللہ تعالیٰ وسنن رسوله ﷺ."

"امام اسحق بن راہویہ کہتے ہیں کہ انہوں (اہل الرائے) نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔"

اور ص ۷۰ پر امام شعبی سے نقل کرتے ہیں:

"قال الشعبی ونظر الیٰ اصحاب الرأی ما حدثك هٰؤلآء عن اصحاب محمد ﷺ فاقبله وما خبروك به عن رايهم فارم به فی الحش."

"امام شعبی فرماتے ہیں کہ اہل الرائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث بیان کریں تو قبول کرلو اور اپنی رائے یا قول بتائیں تو اس کو گندگی میں پھینک دو۔"

پھر صفحہ ۸۸ پر لکھتے ہیں:

"فاما اصحاب الحديث فانهم التمسوا الحق من وجهته وتتبعوه من مطانه وتقربوا من الله تعالیٰ باتباعهم سنن رسول الله ﷺ وطلبهم لآثاره واخباره برا وبحرا وشرقا وغربا يرحل الواحد منهم راجلا مقويا فی طلب الخبر الواحد او السنة الواحدة حتى يا خذ ها من النا قل لها مشا فهة ثم لم يزالوا فی التنقير عن الاخبار والبحث لها حق فهموا صحيحها وسقيمها ونا مخها ومتسوخها وعر فوا من خالقها من الفقهاء الى الرأى فنبهوا على ذالك حتى نجم الحق بعد ان كان عافيا وبسق بعد ان كان دارسا واجتمع بعد ان كان متفرقا وانقاد للسنن من كان عنها معرضا وتنبه عليها من كان عنها غافلا وحكم بقول رسول الله ﷺ بعد ان كان يحكم بقول فلان وفلان وان كان فيه خلاف على رسول الله ﷺ."

"اہل حدیث نے حق کو اس طرف تلاش کیا جہاں وہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی تابعداری کی اور بحروبر مشرق خواہ مغرب میں آپ کی احادیث کو طلب کر کے اپنے رب کا تقرب حاصل کیا۔ حتی کہ ان میں سے ایک شخص ایک حدیث کے حصول کے خاطر پیدل وہاں پہنچا جہاں پر کوئی ذریعہ معاش نہ تھا خاص اس لیے کہ براہ راست اس عالم سے حدیث سنے

اور تحقیق کرکے صحیح حدیث کا انتخاب کرے اور ناسخ و منسوخ کی معرفت حاصل کرے اور جن فقہاء نے حدیث کی مخالفت کی اور رائے کی تابعداری کی ان کا پتہ لگائے اور لوگوں کو خبر دار کرے یہاں تک کہ (ان کی کوششوں سے) حق چمکا اور متفرق سنتیں جمع ہوئیں اور جو ان سے غافل تھے وہ متنبہ ہوئے اور جو سنتوں سے اعراض کرنے والے تھے وہ ان کے سامنے جھکے رائے اور اقوال پر فیصلہ اور فتویٰ دینے والے رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے لگے۔"

شاہ صاحب اور امام ابن قتیبہ کی عبارات سے دونوں جماعتوں کا طریقہ کار معلوم ہوا جب رائے اور استنباط کا دروازہ کھلا تو اس وقت اختلاف کا رونما ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ علماء کے فہم میں درجات ہیں۔ ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ (یوسف) ہر علم والے سے اوپر بڑے علم والا ہے۔ ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾ (الزخرف) ہم نے بعض کو درجات میں اعلیٰ کیا۔ لہٰذا اختلاف کے وقت حکم اللہ کی طرف لوٹے گا۔ کیونکہ وہی حقیقی حاکم ہے ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الانعام، یوسف) اور اختلافی صورت میں صحیح قول وہی ہوسکتا ہے جسے خود حاکم صحیح قرار دے۔ لہٰذا فیصلہ حاکم جل وعلیٰ کی طرف لوٹانا ضروری ہے۔ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوریٰ) اور تم جس چیز میں بھی اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے، لہٰذا اختلاف کے وقت کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے جو اپنی مرضی کے موافق مختلف اقوال میں سے کسی قول کو اختیار کرے۔ یا اپنی پسند پر یا اپنے مذہب کی حمایت میں کسی قول کو ترجیح دے۔ بلکہ اس وقت حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے اور اس لوٹانے کی صورت یہ ہے کہ: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء) "پھر اگر تمہارا کسی چیز میں تنازع ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ (لوٹانا) بہتر ہے اور عمدہ ہے نتیجے کے لحاظ سے۔"

کئی مفسرین جس طرح ابن جریر، قرطبی، ابن کثیر، شوکانی اور بغوی وغیرہم لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ اختلاف کے وقت فیصلہ قرآن و حدیث کی طرف لوٹایا جائے۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر کے صفحہ ۵۱۸ ج ۱ میں لکھتے ہیں:

"قوله: فان تنازعتم فی شی فردوه الی الله والرسول قال مجاهد وغیر واحد من السلف ای الیٰ کتاب الله وسنة رسول وهٰذا امر من الله

عـز وجـل بـان کل شی ء تنازع الناس فیه من اصول الدین وفروعه ان یرد التنـازع فـی ذالك الی الکتاب والسنة کما قال تعالیٰ وما اختلفتم فیه من شـیء فـحکمه الی الله فما حکم به الکتاب والسنة وشهداله بالصحة فهو الـحق وما ذا بعد الحق الا الضلال ولهذا قال تعالیٰ ان کنتم تومنون بالله والیـوم الآخـر ، ای ردوا الـخـصومات والجهلات الی کتاب الله وسنة رسـولـه فتـحـا کموا الیها فیما شجر بینکم (ان کنتم تو منون بالله والیوم الاٰخـر) فـدل عـلـی ان من لم یتحاکم فی محل النزاع الی الکتاب والسنة ولا یـرجـع الیهـمـا فـی ذالك فـلیـس مومنا بالله ولا بالیوم الآخر وقوله (ذالك خیـر) ای التحاکم الیٰ کتاب الله وسنة رسوله والرجوع الیهما فی فـصل النزاع خیر (واحسن تأویلا) ای احسن عاقبة ومآلا کما قاله السدی وغیر واحد وقال مجاهد احسن جزاء وهو قریب .“

”اس آیت ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کے متعلق مجاہد اور دیگر سلف کہتے ہیں کہ اس سے قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ مراد ہے اور یہ اللہ عزوجل کا حکم ہے کہ ہر وہ چیز جس میں لوگ جھگڑا کریں اصول الدین سے ہو یا فروع سے۔ اسی تنازع کو قرآن وحدیث کی طرف لوٹایا جائے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (اور جس چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف ہے) پھر جو فیصلہ کتاب (قرآن) اور سنت (حدیث) کرے اور اس کے صحیح ہونے کی گواہی دیں تو وہ ہی حق ہے اور حق کے سواء گمراہی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ”اگر تمہارا ایمان اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ہے“ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو جھگڑے کے وقت فیصلہ کتاب وسنت کی طرف لوٹاتا اور اس کی جانب رجوع نہیں کرتا تو اس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں ہے اور یہ قول کہ ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ یعنی فیصلہ قرآن وحدیث کی طرف لوٹانا اور جھگڑے کے وقت اس کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے ﴿وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ یعنی انجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔ جس طرح کہ امام سدی اور دیگر کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا کہ بدلے کے لحاظ سے اچھا ہے یہ قول بھی مطلب کے قریب ہے۔“

## اختلافِ امت کا سبب

جب تک مسلمانوں میں یہ طریقہ کار رہا تو وہ اختلاف کے نتائج بد سے محفوظ رہے۔ پھر جب تعصب کا دور آیا تب امت اختلاف کے فتنہ کا شکار ہوگئی اور تعصب کی وجہ سے کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ جس امت کو اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کہا ہے ﴿اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (الانبیاء۔ المومنون) بے شک یہ تمہاری امت ایک جماعت ہے یہ چار فرقوں میں تقسیم ہوگئی اور قرآن وحدیث کی اشاعت کے بجائے باہم دست وگریبان ہوگئے اور ایک ایسی بے اصل روایت "اختلاف امتی رحمة" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) سے اپنے آپ کو بہلانے لگے، حالانکہ یہ روایت باسند کسی بھی کتاب میں مروی نہیں ہے ائمہ حدیث نے اس کے بے اصل ہونے کی تصریح کی ہے (المقاصد الحسنة للسخاوی، ص: ۲۷) بلکہ نص قرآنی اور صحیح حدیث کے خلاف ہے، قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ (ھود) ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تیرا رب رحم فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "الجماعة رحمة والفرقة عذاب" "جماعت رحمت ہے اور گروہ بندی قہر خداوندی ہے۔" (اخرجه الامام ابو بکر بن ابی عاصم فی کتاب السنة ص: ٤٤ ج١ اور ص٤٣٥ ج١ واخرجه احمدفی المسنيد وابنه فی مجمع الزوائد ص: ۲۷۸۔۳۷۵ ج٤) پھر اس بے اصل روایت کے سہارے پر اپنے اختلاف کو مزید فروغ دیتے رہے اور ہر ایک فرقہ کی الگ فقہ مدون ہونے لگی اور ہر ایک فرقہ دوسرے کی تردید کرتا رہا ان کے دلائل اگر چہ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں۔ لیکن ان کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اگر ضعیف ثابت نہ کر سکے تو اس میں رکیک تاویلیں شروع کردیں اور اگر کوئی بھی تاویل نہ بن پائی تو آخر جواب یہ دیا جاتا کہ ہمارے امام کو زیادہ علم ہے۔ ہم نے ان کا فیصلہ لینا ہے۔

## تقلید کی وجہ تسمیہ

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۵۲ تا ۱۵۵ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ:

"اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه قال ابو طالب المكی فی قوت القلوب ان الكتب والمجموعات محدثة و القول بمقالات الناس و الفتيابمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحكايه له من كل شی والتفقه علی

مذهبه لم يكن الناس قديما على ذالك فى القرنين الاول والثانى انتهى (اقول) وبعد القرنين حدث فيهم شيء من التخريج غير ان اهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد والتفقه له والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع بل كان فيهم العلماء والعامة وكان من خير العامة انهم كانوا فى المسائل الاجتماعية التى لا اختلاف فيها بين المسلمين او جمهور المجتهدين لا يقلدون الا صاحب الشرع وكانوا يتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلواة والزكوٰة ونحو ذالك من آبائهم او معلمى بلد انهم فيمشون حسب ذالك واذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها اى مفت وجدوا من غير تعيين مذهب .......... ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم امور (منها) الجدل والخلاف فى علم الفقه ..........فاصبح الفقهاء بعد ان كانوا مطلو بين طالبين وبعد ان كانوا اعزة بالا عراض عن السلاطين اذلة بالاقبال عليهم الامن وفقه الله ........ حاصل (منها) انهم اطمأنوا بالتقليد ودب التقليد فى صدور هم دبيب النمل وهم لا يشعرون وكان سبب ذالك تزا حم الفقهاء وتجادل لهم فيما بينهم فانهم لما وقعت فيهم المزاحمة فى الفتوىٰ كان كل من افتى بشيء نوقض فى فتواه ورد عليه فلم ينقطع الكلام الا بمسير الى تصريح رجل من المتقدمين فى المسألة وايضا جو رالقضاة فان القضاة لما جار اكثر هم ولم يكونوا امناء لم يقبل منهم الا مالا يريب العامة فيه ويكون شيئا قد قيل من قبل وايضا جهل رؤس الناس واستفتاء الناس من لا علم له بالحديث ولا بطريق التخريج كما ترى ذالك ظاهر فى اكثر المتاخرين انتهى مختصرا ."

''واضح رہے کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگ کسی خاص مذہب کی تقلید پر متفق نہ تھے اور شیخ ابو طالب مکی کتاب قوۃ القلوب صفحہ ۳۶۔۳۷ ج ا۔ میں فرماتے ہیں کہ یہ فقہ کی کتب اور مجموعے دین میں نیا کام پیدا کیا ہوا ہے اور لوگوں کے اقوال بیان کرنا یا کسی خاص ایک شخص کے مذہب پر فتویٰ دینا یا اس کو لینا یا نقل کرنا یا اس کی فقہ پر مذہب کی بنیاد رکھنا، یہ سب باتیں پہلی اور دوسری صدی کے لوگوں میں نہ تھیں۔ میں

(شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ دوصدیوں کے بعد تخریج (مسائل نکالنا) کا رواج شروع ہوا، تاہم چوتھی صدی کے لوگ کسی خاص مذہب کی تقلید کرنے یا ان کے مذہب پر فقہ قائم کرنے یا اس کو نقل کرنے پر متفق نہ تھے۔ جس طرح کہ کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ بلکہ ان لوگوں میں (دوقسم) علماء اور عامی تھے اور عامی لوگوں کا یہ حال تھا، جن مسائل میں اختلاف نہ تھا ان میں بغیر کسی کی تقلید کے بلا واسطہ صاحب شریعت ﷺ کی تابعداری کرتے تھے اور عام مسائل مثلاً وضو، غسل، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ اپنے رشتہ داروں اور اپنے شہر کے علماء سے سیکھتے تھے (جو یہ اپنے بڑوں سے سیکھتے رہتے تھے اس طرح سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک قائم تھا گویا کہ ایک سند سے حاصل کرنے کا طریقہ تھا) اور اگر کوئی خاص نیا مسئلہ پیدا ہوتا تو کسی بھی مفتی اور عالم سے پوچھ لیتے تھے۔ کسی خاص شخص یا مذہب کی تعیین نہ ہوتی تھی ............ ان چار صدیاں گزر جانے کے بعد ایسے لوگ ظاہر ہونے لگے جو (اصل صراطِ مستقیم کے بجائے) دائیں بائیں جانے لگے۔ اور ان میں کسی طرح نئے کام پیدا ہونے لگے جن میں سے ایک علم فقہ میں نزاع اور اختلاف کا دروازہ کھلا ............ نتیجہ کے طور پر فقہاء جن کے لوگ طالب تھے کیونکہ وہ بادشاہوں اور امراء سے کنارہ کش تھے اور ان کی عزت تھی ان کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑا اور گھوم پھر کر لوگوں کے خود طالب بنے لیکن علاوہ چند لوگوں کے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال تھی۔...... ان نئے کاموں میں دوسرا نیا کام یہ تھا وہ تقلید پر راضی اور مطمئن ہوگئے اور آہستہ آہستہ چیونٹی کی طرح ان کے سینوں میں تقلید سرایت کرتی اور چلتی گئی جب کہ وہ اس سے نا آشنا تھے۔ اور دوسرا اس تقلید کے سبب فقہاء کا آپس میں اختلاف اور جھگڑا تھا۔ کیونکہ اگر کوئی فتویٰ دیتا تھا تو دوسرے اس پر اعتراض کرتے اور رد کرتے تھے، لہٰذا لوگ ان سے متقدم عالم کے قول پر اختلافی مسئلے کے متعلق فیصلہ کرتے تھے۔ (کیونکہ اس فقہی نزاع سے قبل ایک ہی قول تھا جو کہ قرآن وحدیث سے لیا ہوا تھا، لہٰذا اس پر اعتماد کیا جاتا تھا) اور دوسرا سبب تقلید کا یہ تھا کہ وہ قاضیوں کے ظلم کی وجہ سے ان میں امانت رہی۔ لہٰذا لوگوں نے ان کے صرف اسی فیصلے کو قبول کیا جس میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ ہو اور اس سے قبل (متعلق) کسی نہ کسی عالم کا قول ہو۔ (اس لیے کہ یقین ہو وہ فیصلہ واقعی قرآن وحدیث کے موافق ہے)۔

تقلید کا دوسرا سبب یہ تھا کہ فیصلہ کرنے والے رہنما جاہل تھے اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے جبکہ ان کو نہ حدیث کا علم تھا اور نہ روایت اور سند یا تخریج کے طریقے سے واقف تھے جس طرح کہ آپ متاخرین کا حال دیکھتے ہیں۔

شاہ صاحب موصوف تھوڑا سا آگے چل کر شیخ عزالدین السلام کا قول نقل کرتے ہیں:

”ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف

ماخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مد فعا وهو مع ذالك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والاقيسة الصحيحة لمذهبم جمودا علىٰ تقليد امامه بل يتخيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتاولها بالتاويلات العديدة الباطلة نطّالاً عن مقلده وقال لم يزل الناس يسالون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب ولا انكار على احد من السائلين الى ان ظهرت هٰذه المذاهب و متعصبوها من المقلدين فان احدهم يتبع امامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا فيما قال كانه نبي ارسل وهٰذا نأى عن الحق وبعد عن الصواب لا يرضى به احد من اولى الالباب."

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ مقلد فقہاء میں سے اگر کوئی شخص (کسی مسئلے کے متعلق) اپنے امام کی دلیل کو کمزور بھی جانتا ہے اور اس کی کمزوری کو رفع کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی معقول وجہ بھی نہیں تب بھی اپنی تقلید اور جمود کی وجہ سے اس مسئلے میں امام کی تقلید کرتا ہے اور اس بات کو ترک کرتا ہے جس کے لیے ظاہر قرآن وحدیث کی تائید ہے اور اپنے امام کے لیے جس کی تقلید کرتا ہے، مدافعت کی خاطر قرآن وحدیث (جو قول امام کے خلاف ہے) اس کو دور کرنے کے لیے سوچتا رہتا ہے اور اس میں کئی باطل اور بعید تاویلیں کرتا رہتا ہے۔ نیز (شیخ عزالدین موصوف) فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ اس طریقے پر تھے کہ جو بھی عالم ملا اس سے مسئلہ پوچھ لیا کسی خاص مذہب سے منسلک نہ تھے جب تک کہ یہ مذاہب ظاہر نہ ہوگئے اور متعصب مقلد پیدا نہ ہوگئے، ان میں سے ہر کوئی اپنے امام کی اس طرح تقلید کرتا ہے گویا کہ وہ نبی مرسل ہے۔ اگر چہ اس کا مذہب دلیل سے کس قدر بعید ہو اور یہ طریقہ کار بالکل ناحق اور صواب سے بعید ہے اور کوئی بھی صاحب عقل اسے پسند نہیں کرتا۔

ایسے ہی فتنوں کا رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے:

اخرجه الحاكم في المستدرك ص ١٢٩ ج ١ - عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ ليأتين على امتي ما اتى على بني اسرائيل مثلا بمثل حذو النعل بالنعل حتى لو كان فيهم من نكح امه علانية كان في امتي مثله ان بني اسرائيل افترقوا على احدى وسبعين ملة وتفترق امتي ثلاث وسبعين ملة كلها في النار إلا ملة واحدة؟ فقيل له ما الواحدة قال ما انا

علیه الیوم واصحابی.

امام حاکم مستدرک میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت پر بھی ایسا دور آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا بالکل اس جیسا حتی کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے علانیہ طور پر اپنی ماں سے برائی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا کوئی نہ کوئی شخص ہوگا اور بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک فرقے کے علاوہ سب آگ میں داخل ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ وہ (جہنم سے نجات پانے والی) جماعت کونسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ (جو اس طریقے پر ہوگی) جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیح طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا اور باقی جو بھی طریقے اس کے بعد آج تک ہیں یا اس کے بعد ہوں گے۔ ان سب کے لیے معیار یہی ایک طریقہ ہے۔ لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ مذہبی قید میں جکڑے ہوئے لوگ اس اصول کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اپنے مذہب سے ذرہ برابر پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کتنی ہی احادیث اپنے مذہب کے خلاف ملیں مگر ان کو طرح طرح کے حیلے اور بہانے کر کے رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ ضعیف احادیث جن میں واضح جرح اور ائمہ حدیث کا طعن ہوتا ہے اگر وہ ان کے مذہب کے موافق ہوتی ہیں تو اس سے چمٹ جاتے ہیں۔ نہ جرح کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ قدح کی۔ سب محدثین اور فقہاء ان کو ضعیف کہہ رہے ہوں لیکن پھر بھی ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اس مقام پر نہ سوادِ اعظم کا خیال کرتے ہیں اور نہ جمہور کی پرواہ!

## وجہ تصنیف

کچھ وقت ہوا کہ مولوی عبدالخالق میمن نامی شخص نے ایک کتاب بنام ”تحفۃ الحدیث“ لکھی، جس میں مشہور چار مسائل پر بحث کی ہے، ایک قرأت خلف الامام، دوسرا رفع الیدین، تیسرا وتر کی رکعات اور ترتیب اور چوتھا رکعات تراویح۔ یہ ایسے مسائل ہیں جن پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اہلِ حق کا ان مسائل کے متعلق صحیح پہلو قرآن و حدیث کے عین موافق ہے اور اس کو اچھی طرح اجاگر کیا گیا ہے، لیکن مولوی صاحب نے اپنا نام مصنّفین کی فہرست میں داخل کرنے کے لیے وہی پرانی باتیں جن کا کئی بار مدلل جواب لکھا جا چکا ہے، اس رسالے میں جمع کی ہیں اور رسالے کے نام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لیے کچھ صحیح معتبر احادیث منتخب کر کے تحفہ کے طور پر پیش کیا ہے لیکن پڑھ کر دیکھنے سے بے ساختہ زبان پر یہ الفاظ آ جاتے

ہیں کہ:

وتسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ

کیا ہے؟ صرف ضعیف اور من گھڑت روایات کا مجموعہ، غلط حوالوں سے بھرا ہوا الفاظ کا ہیر پھیر اور جن روایات کو فن اسماء الرجال کا ادنی سا طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ ضعیف ہیں ان کو صحیح اور معتبر روایت کہہ رہا ہے۔ بلکہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایات جن کی صحت پر امت کا اتفاق ہے ان کو ضعیف بنانا اور ان کو ان کے درجے سے کم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ واہ عجیب تحفہ بنایا ہے!

ع برعکس نام زنگی می نہند کافور

رسالہ دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مصنف بیچارا کتب کے مطالعہ سے بالکل عاری ہے۔ صرف چند رسائل کو سامنے رکھ کر رسالہ لکھا ہے۔ اس میں بھی نہ عبارت صحیح ہے نہ موزوں ترتیب۔ بلکہ کئی مقام پر ترجمہ ہی غلط کیا گیا ہے اور اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نہ تو محدثین کی اصطلاحات سے واقف ہے اور نہ فقہاء کے اصول وقواعد سے جب کتاب ہمارے سامنے پیش ہوئی تو اس کو دیکھنے کے بعد یہی دل میں خیال پیدا ہوا کہ بہتر ہوتا اگر مولوی صاحب یہ زحمت گوارہ نہ کرتے تاکہ ان کی علمیت پوشیدہ رہتی۔ ہم سے احباب جماعت اور دوستوں نے اصرار کیا کہ اس کا جواب لکھنا ضروری ہے ہم ایسے مضمون ناموزوں کا جواب تو نہیں لکھنا چاہتے تھے کہ:

آن کسی کہ زقرآن وخبر زونہ رہی
آن ہست جوابش کہ جواب نہ دہی

یقین سے سمجھا کہ کوئی بھی صاحب علم اسے کوئی حیثیت نہ دے گا۔

لیکن یہ خدشہ رہا کہ ناخواندہ اور ان پڑھ جنہیں تمیز اور تحقیق کا کوئی علم نہیں وہ اس سے دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ لہٰذا دوستوں کا کہا مانتے ہوئے اس کے جواب کے لیے تیار ہوئے۔ چنانچہ پہلے اس کا مختصر جواب بتاریخ ۲۵ شعبان سنہ ۱۳۹۵ بمطابق ۳ ستمبر ۱۹۷۵ جامع مسجد اہل حدیث شہر ڈیپلو ضلع تھرپارکر میں تقریر کی صورت میں دیا گیا جو جلد ہی رسالہ کی شکل میں ''تقریر لاجواب'' کے نام سے شایع ہوکر عوام الناس کے ہاتھوں میں پہنچا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کئی عام لوگوں کے ذہن صاف ہوگئے اور کم سمجھ بوجھ والوں کو مولوی صاحب کی کج بحثی اور غلط استدلال کم مائیگی کا پتہ چلا، ہم اللہ تعالیٰ کا بہت شکر کرتے ہیں کہ اب بھی زمین پر ایسے لوگ ہیں جو حق اور باطل کو پہچان سکتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی پیش گوئی حرف بحرف اس کا نمونہ نظر آرہی ہے جو آپ نے فرمایا تھا:

((لا تزال طائفة من امتی ظاهرین حتی یأتیهم امر الله وهم ظاهرون(اخرجه الشیخان من حدیث المغیرة وفی لفظ) لاتزال طائفة من امتی قوامة علی امر الله لایضر من خالفها (اخرجه ابن ماجة من حدیث ابی هریرة وفی لفظ) لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق حتی تقوم الساعة . " (اخرجه الحاکم من حدیث عمر)۔

(الجامع الصغیر للسیوطی ص: ۱۹۹ ج۲)

''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ جب تک کہ اللہ کا امر یعنی قیامت آ جائے۔ اس معنی کی حدیث صحیح بخاری اور مسلم میں مغیرہ بن شعبہ سے اور ابن ماجہ میں ابوہریرہ سے المستدرک للحاکم میں عمر سے مروی ہے۔''

اس مختصر جواب کے بعد بھی دوستوں کا اصرار جاری رہا کہ اس رسالے کا مفصل اور مکمل جواب باصواب لکھا جائے، لیکن دیگر معروضات کی وجہ سے عدم فرصت رہی، جس وجہ سے کچھ وقت تک یہ خدمت انجام دینے سے ''التوار ہا بالآخر'' جو کام کرنا ضروری ہو وہ شروع کرنا ہی پڑتا ہے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اور اس سے توفیق اور تائید کی امید رکھ کر یہ کتاب بنام "تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالہ تحفة الحدیث" لکھنا شروع کی جو کہ الحمد للہ آج قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ مولوی صاحب کی ہر ایک دلیل کی خبر گیری کی گئی ہے اور ان کے طریقہ استدلال کی غلطیاں ظاہر کی گئی ہیں اور ان کے ہر اعتراض کا انتقاض کر کے ان ناجائز افراض کا رد کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اہل علم اور عام لوگ اس سے مستفیذ ہوں گے اور حق اور باطل کا فرق معلوم کریں گے۔ اللهم اهدنا لما اختلف فیه من الحق باذنك فانك تهدی من تشآء الیٰ صراط مستقیم .

والسلام

المصنف

ابومحمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی غفر له الوالدیه



# جماعت اہل حدیث پر بے بنیاد الزامات اور ان کے جوابات

**صفحہ ۲:** ...... مولوی صاحب بنو قریظہ والے واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں میں سے کسی پر بھی سختی نہ کی اور دونوں کو درست سمجھا۔

**جواب:** ...... مولوی صاحب اب بتایئے کہ آپ کے مذہب کے مطابق اس طرح صحیح ہے یعنی آپ کے نزدیک دونوں درست ہیں اگر نہیں تو پھر استدلال غلط ہوا۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''امام'' لفظ کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص کیا اور دوسرے بزرگوں اور علماء کے لیے اس لفظ کا استعمال حرام سمجھا۔

**جواب:** ...... حرام کوئی بھی نہیں کہتا باقی اس قدر ضرور ہے کہ آپ نبی اور امتی کی امامت میں فرق نہیں کرتے اور دونوں کے اقوال کو دلیل مانتے ہو۔

سعید آباد کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اتنا بھی نہیں سوچتے کہ وہ اختلاف کس نے کیا اور حملہ آور کون تھے، حنفی یا اہل حدیث؟ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى۔

**صفحہ ۲:** ...... بالا میں احناف کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کے متعلق شکایت کی ہے۔

**جواب:** ...... ایسی بنیاد پہلے آپ نے ڈالی ہے جو اہلحدیث کے پیچھے نماز پڑھنے کو عیب سمجھتے ہو۔ لکھتے ہیں۔ غیر مقلد بنام اہل حدیث دوستوں نے حضرات احناف کے علماء کو خط میں ایسے نازیبہ الفاظ لکھے پس......

**جواب:** ...... ایسا خط ظاہر ہو تو پتہ چلے کہ وہ کون ہے؟ نیز کسی ایک فرد کی نازیبا حرکت کی وجہ سے نہ مذہب اہل حدیث پر کوئی حرف آ سکتا ہے اور نہ ساری جماعت پر۔ آپ کے حنفی ساتھیوں نے جو اہل حدیثوں کو کم وبیش لفظ کہے ہیں اس کی مثال فیض الباری مصنف سید انور شاہ کشمیری وغیرہ دیکھنی چاہیے۔ مسجد اہل حدیث کے نام پر آپ کو چڑ ہے، مسجد حنفیہ، مسجد نعمان اور مسجد غوثیہ وغیرہ آپ کے خیال میں نام نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اہل حدیثوں کو مسجد سے نکالا گیا اور نماز پڑھنے سے روکا گیا بلکہ نماز پڑھنے والوں کو مارا گیا۔ یہ سب باتیں مولوی صاحب سے مخفی نہیں ہیں۔ ایسی مجبوری میں اہل حدیث کے نام سے مساجد مشہور ہوئیں تا کہ غریب اہل حدیث امن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

لکھتے ہیں: پھر اس کو بہتان کہتے ہیں کہ حنفی رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو نہیں مانتے اور ابو حنیفہ کے قول کو لے کر حدیث رسول کو چھوڑ دیتے ہیں۔

**جواب:** ...... اگر اس طرح نہیں ہے تو پھر جدا فقہ بنانا اور اس کو پڑھنے اور پڑھانے کی کیا ضرورت ہے اور

حنفی کہلانے کی کونسی حاجت......؟

انہیں رسالہ "ضرب الیدین علی منکری رفع الیدین" [1] پر دکھ ہے حالانکہ رفع الیدین کے منکرین کے رد میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ کیا مولوی صاحب رفع الیدین کا منکر ہے؟ بے شمار احادیث کا ایک مسلمان کس طرح انکار کرسکتا ہے۔ انکار اور ترک میں فرق بھی مولوی صاحب نہیں جانتے کیا......؟

**صفحہ ٤**: ...... لکھتے ہیں: "ہم اس وقت سیدھے طریقے سے حضور اکرم ﷺ سے علم حاصل نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ بزرگوں کے واسطے سے وہ علم حاصل کریں۔"

**جواب**: ...... اگر اس سے نقل شدہ روایات مراد ہیں تو پھر سیدھا ان سے دین لینا ہے اور اگر ان بزرگوں کی سمجھ اور فقہ مراد ہے تو پھر اعتراض صحیح اور بجا ہے اور پھر شیر وشکر ہونے کے لیے کہتا ہے لیکن اس کی صورت صرف یہ ہے کہ جو قرآن کریم میں مذکور ہے ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ یعنی صرف دو چیزوں قرآن وحدیث پر فیصلہ کیا جائے تیسری کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

**صفحہ ٥**: ...... کتب کی ترتیب بتاتے ہیں لیکن خود اس کے پابند نہیں رہتے اگر ان کے مذہب کے موافق روایت ہے تو پھر اس کو چمٹ جاتے ہیں۔ اگر چہ نچلے درجے کی ہو اور ضعیف بھی ہو اور پہلے درجے والی روایات کے خلاف بھی ہو اور اگر ان کے مذہب کے خلاف ہے تو پھر اگر چہ اعلیٰ درجے کی صحیح ہو اور پہلے درجے کی کتب میں سے ہو، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتے بقول شاعر ؎

بنے کیوں کر جو ہے سب کار الٹا
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

**صفحہ ٦**: ...... احادیث کی کتب کا ذکر کر کے پھر لکھتے ہیں کہ "ان احادیث سے ماہرین نے دلائل لیے ہیں اور وہ ان احادیث کو قبول کرتے رہے ہیں کہ یہ احادیث دلائل بننے کے لائق ہیں۔

**جواب**: ...... آپ خود کو ان ماہرین میں شمار کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ بھی ماہر ہیں تو پھر تقلید کس کی۔ آپ بھی غیر مقلد ہوئے اور اگر ماہر نہیں تو پھر دوسرے درجے کی کتب سے دلیل نہ لیں حالانکہ آپ کی کتاب کا اکثر حصہ ایسی کتب سے لیا گیا ہے۔

لکھتے ہیں: "اس وجہ سے ان کتب کی احادیث کو اوپر والی احادیث کے لیے شاہد بنایا گیا ہے اور ان سے تائید لی گئی ہے۔"

**جواب**: ...... جس کا معنی کہ ان کتب سے کوئی بھی روایت حجت یا اصول کے طور پر آپ پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ پہلے اوّل درجے کی کتب میں سے کوئی دلیل پیش کریں، پھر دوسری قسم کو شواہد کے طور پر پیش کریں۔

[1] یہ شاہ بدیع الدین صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ ہے مقالاتِ راشدیہ جلد نمبر۲ میں مکمل اُردو میں شائع ہوگیا ہے۔ (الازہری)


مسئلہ
1
فاتحہ خلف الامام

# مسئلہ فاتحہ خلف الامام کا احادیث سے واضح ثبوت اور مولوی صاحب کے اعتراضات کا مفصل جواب

**صفحہ ۷**: ...... آیت ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کی قرأت کی جانب توجہ کریں اور خاموش رہیں۔

**جواب**: ...... یہ دور (قرأت) کرنے کے وقت کا ذکر ہے نہ کہ مدعی کے متعلق یعنی امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔

**صفحہ ۸**: ...... آیت ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ لائے ہیں۔

**جواب**: ...... خود آپ کے حنفی بزرگ اس آیت کو دوسری آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ کے معارض کہہ کر ساقط کہتے ہیں، دیکھیے تلویح (صفحہ ۱۰۴ ج ۲ اور نور الانوار صفحہ ۱۵۷) آپ تو خود ان کے خوشہ چین ہیں اور آپ کو اس سے دلیل اخذ کرنے کا کون سا حق ہے۔

کتاب القراۃ بیہقی کے حوالے سے ابن عباس کا اثر نقل کرتے ہیں۔

**جواب**: ...... اس کی سند اس طرح ہے عن علی بن ابی طلحة عن ابن عباس جو کہ منقطع ہے، کیونکہ علی بن ابی طلحہ کا ابن عباس سے سماع نہیں۔ (کما فی تهذیب التهذیب صفحه ۳۳۹ ج ۷)

**صفحہ ۹**: ...... ابن عباس کی روایت کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ "خاموش رہنا ہے کچھ بھی نہیں پڑھنا۔"

**جواب**: ...... یہ کس کا ترجمہ ہے؟ بلکہ اپنی طرف سے ترجمہ بڑھایا ہوا جملہ ہے اور اس میں صرف سننے کا حکم ہے۔ فاتحہ پڑھنے کی کچھ بھی منع مذکور نہیں ہے۔

اس کے بعد تحریر کرتے ہیں اور ابن مسعود کی روایت لائے ہیں جس میں لفظ ہیں کہ "فسمع اناساً یقرؤن مع الامام" اور ترجمے میں خود لکھتے ہیں: "چند لوگوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا۔"

**جواب**: ...... سمع یا سننے کا لفظ اس کے استدلال کو باطل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تب ہوگا جب مقتدی جہر کے ساتھ پڑھیں اسی وجہ سے اس روایت میں جہر سے منع ہے اصل قرأت سے منع نہیں ہے۔

**صفحہ ۱۰**: ...... ابن مسعود کا اثر نقل کیا ہے۔

**جواب**: ......اسی روایت میں الحمد مراد نہیں کیونکہ اسی کتاب القراءة للبیہقی صفحہ ۶۴ میں ابن مسعود سے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کی روایت مذکور ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں "عن عبداللہ بن زیاد الاسدی قال صلیت الی جنب عبداللہ بن مسعود خلف الامام فسمعته یقرأ فی الظهر والعصر."

فائدے میں پھر آیت کے متعلق لکھتے ہیں۔

**جواب**: ......جن روایات پر یہ بنیاد رکھی تھی ان کا حال معلوم ہو چکا ہے ابن عباس اور ابن مسعود کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان دونوں صحابہ کی تفسیر مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔

**جواب**: ...... یہ دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کے قائل تھے۔جس طرح امام بیہقی کی کتاب القراءة صفحہ ۶۴ میں مروی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ایک اثر گزر چکا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اثر میں یہ الفاظ ہیں: "اقرأ خلف الامام جهرا او لم یجهر."

**صفحہ ۱۱**: ...... کہتے ہیں کہ آیت: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ خطبے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ الخ

**جواب**: ...... ایسی روایات صحابہ اور تابعین سے منقول ہیں کتاب القراءة بیہقی کے "صفحہ ۷۴ اور ۷۵" میں مروی ہیں۔

پھر ابن عباس اور ابن مسعود کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس آیت کو نماز کے بارے میں سمجھ رہے ہیں۔

**جواب**: ...... اس روایت کی صحت معتبر نہیں ہے۔جس طرح اوپر معلوم ہو چکا ہے۔امام احمد کی طرف اجماع کے دعویٰ کی نسبت کی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

**جواب**: ......امام بیہقی نے کتاب القراءة میں صحابہ اور تابعین سے جو روایات اس کے متعلق نقل کی ہیں۔ وہ اس اجماع کے دعویٰ کا رد کرنے کے لیے کافی ہیں۔

**صفحہ ۱۲**: ...... آیت کو مکی ثابت کرتے ہیں۔

**جواب**: ...... پھر ضروری ہے کہ ایسا ثبوت پیش کیا جائے کہ لوگ اس وقت امام کے پیچھے الحمد پڑھتے تھے واذ لیس فلیس.

تیسرے جواب میں جمعہ کے خطبہ کے دوران دو رکعات پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں۔

**جواب**: ...... یہ اعتراض خود حدیث پر ہے کیونکہ صحیح بخاری وغیرہ میں ان دو رکعات کے پڑھنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا صریح حکم مروی ہے۔ بلکہ مخالفت تو آپ خود کرتے ہیں جو خطبہ کے وقت حاضرین کو درود پڑھنے کا حکم دیتے ہو اور مقتدی کو سبحانك اللهم پڑھنے کا فتویٰ بھی دیتے ہو اور فجر کی جماعت

ہوتے ہوئے سنتیں پڑھنے کی اجازت دیتے ہو۔ ایک ہی وقت میں مساجد و مدارس میں مختلف لوگوں کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے ہو اور مردوں پر ختم دیتے ہوئے جماعتیں بنا کر قرآن پڑھتے ہو اور آیت سے آپ کا استدلال ان پر موقوف ہے کہ اس کو عام سمجھا جائے پھر خود ہی اس کو خاص کر کے اپنے ہاتھوں سے اپنی چار پائی الٹی کرتے ہو۔ عام جب خاص ہوگا تو آپ کے پاس بھی حجت نہیں۔ ذرا اپنے اصول کا خیال رکھیں۔

دوسرے اعتراض کے پہلے جواب میں وہی بات لکھی ہے۔

**جواب**: ...... اس کا مدار جس روایت پر رکھا ہے اس کا حال بیان کیا گیا ہے اور اجماع کی حقیقت بھی ظاہر کی گئی ہے۔

**صفحہ ۱۳**: ......مجاہد تابعی کا ذکر کیا ہے۔

**جواب**: ......مجاہد سے ایک روایت میں ہے کہ "فی الصلوٰۃ والخطبۃ" (کتاب القراءۃ صفحہ ۷۴) پر آپ خطبے کے وقت درود کی اجازت کس طرح دیتے ہو؟

سعید بن میتب کا حوالہ دیا ہے۔

**جواب**: ...... یہ روایت کتاب القراءۃ صفحہ ۷۵ میں ہے اس کی سند میں قتادہ راوی ہے جو کہ مدلس ہے "کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی طبقات المدلسین والحافظ سبط ابن العجمی فی التبیین فی اسماء المدلسین" لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں کہلائے گی۔

امام زہری کا حوالہ دیا ہے۔

**جواب**: ......لیکن یہ بھی سری نماز میں ''قرأۃ خلف الامام'' کے قائل ہیں، جس طرح کہ بیہقی (صفحہ ۷۵) میں ذکر کیا ہے۔

حسن بصری کا نام بھی لیا ہے۔

**جواب**: ...... یہ بھی ''قرأۃ خلف الامام'' کے قائل ہیں، جس طرح کہ امام بخاری جزء القراءۃ اور امام بیہقی نے کتاب القراءۃ صفحہ ۷۱ میں نقل کیا ہے۔

بحوالہ ابن کثیر چند تابعین کے نام ذکر کیے ہیں۔

**جواب**: ......شان نزول کے متعلق مختلف آثار وارد ہیں اور کوئی قطعی فیصلہ وارد نہیں، نیز مولوی صاحب خود اسی صفحہ کے آخر میں جواب ۳ کے تحت لکھتا ہے کہ اصول تفسیر کا متفق اور تسلیم شدہ قانون ہے کہ خاص سبب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ انتھی! پھر مولوی صاحب اس آیت کو نماز کے لیے خاص کیوں کہتا ہے؟ خطبے اور تلاوت کے وقت پڑھنے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ نیز فجر کی جماعت کے وقت سنت کی اجازت نہیں دینی

چاہیے اور اگر تخصیص کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا استدلال باطل ہو جائے گا۔

لکھتے ہیں کہ کیا یہ حکم مومنین کے لیے نہیں ہے یعنی یہ قرآن کے پڑھتے ہوئے چاہے شور مچاتے رہیں۔

**جواب:**...... **اولاً:** مسلمان شور شرابا کس طرح کرتے ہیں؟ حاشا وکلا ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں۔

**ثانیاً:**...... شور تو آپ نے بھی تسلیم کیا ہے، پھر شور خارج صلوٰۃ ہوتا ہے نہ کہ نماز میں ہو سکتا ہے۔

**ثالثاً:**...... شور کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اونچی آواز سے پڑھنا منع ہے نہ کہ اصل قراۃ کیونکہ آہستہ الحمد پڑھنے سے کچھ بھی شور نہیں ہوگا۔

کئی ایسے مسائل لکھے ہیں جن میں کافروں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

**جواب:**...... یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ مبحوث فیھا آیت میں قرآن کی تعظیم کا مسئلہ ہے جو کہ ایک مسلمان کے دل میں ہے اور ہر ایک کر سکتا ہے۔

**صفحہ ۱٤:**...... مولوی محمد عمر صاحب [1] پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کبھی کہتا ہے کہ نماز میں باتیں کرنے سے منع ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ خطبے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ انھیں پتہ نہیں کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں؟ اور کیا کہتے ہیں؟ اگر اوپر والی آیت میں کافروں کو شور مچانے سے منع کرنے کا حکم ہے کہ اس وقت وہی حکم مومنین کے لیے نماز میں باتیں کرنے سے منع، سوچیے کہ کس قدر مفاصلہ ہے۔

**جواب:**...... شور مچانا صرف کافروں کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ باقی کلام سے منع تو سب کو ہو سکتی ہے، لہٰذا مولوی محمد عمر صاحب کے کلام میں کوئی بھی تعارض نہیں مولوی عبدالخالق کی کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

**صفحہ ۱۵:**...... قاضی بیضاوی کی عبارت نقل کی ہے۔

**جواب:**...... قاضی صاحب صرف کلام سے سکوت کے متعلق کہتے ہیں نہ کہ قرأت سے۔ مکمل عبارت تفسیر بیضاوی کی سورۂ اعراف کے آخر میں اوپر والی آیت کے تحت اس طرح ہے:

"نزلت فی الصلوٰۃ کانوا یتکلمون فیھا فامروا باستماع قرأۃ الامام والانصات لہ وظاھر اللفظ یقتضی وجوبھما حیث یقرأ القرآن مطلقا وعامۃ العلماء علی استحبابھما خارج الصلوٰۃ واحتج بہ من لا یری وجوب القرأۃ علی المأموم وھو ضعیف انتھٰی."

یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پہلے لوگ نماز میں کلام کرتے تھے، پھر انھیں امام کی

[1] مولانا محمد عمر صاحب ضلع تھرپارکر کے مشہور و معروف شہر ڈیپلو کی ایک عظیم علمی شخصیت تھی جن کی پیدائش ۱۹۰۶ء میں ہوئی اور ۱۹۸۳ء میں وفات پائی۔ (الازہری)

قرات سننے کا حکم کیا گیا ہے اور اس کے لیے خاموش رہنے کا کہا گیا ہے۔ ظاہری الفاظ میں استماع اور انصات کا وجوب ہر حالت کے لیے معلوم ہوتا ہے اور عام علماء نماز سے خارج اس کو مستحب کہتے ہیں لیکن اسی آیت سے جن مقتدیوں کے لیے قرأت واجب نہ ہونے کے متعلق دلیل لی ہے۔ ان کا استدلال کمزور اور ضعیف ہے۔

ثابت ہوا کہ قاضی بیضاوی صاحب اس آیت سے کلام کرنے کے منع کو ثابت کرتے ہیں نہ کہ قرأت سے۔ لہٰذا مولوی محمد عمر صاحب کی عبارت کو صحیح سمجھا ہے۔ ان پر مکمل عبارت نقل نہ کرنے کا جو الزام لگایا ہے وہ غلط ہے، بلکہ وہ گناہ بھی مولوی عبد الخالق صاحب نے کیا ہے جو بیضاوی کا آخری جملہ ذہن میں نہیں لائے۔ جس میں اس نے صاف کہا ہے کہ ان لوگوں کا استدلال ضعیف ہے جو اس آیت سے امام کے پیچھے قرأت کے واجب نہ ہونے کی دلیل لیتے ہیں۔

مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

لکھتے ہیں کہ: باقی رہا لفظ کہ کلام کرتے تھے تو اس کا معنی صرف بولنا نہیں لیکن اس کا معنی قرآن پڑھنا بھی ہوسکتا ہے۔

**جواب**: ...... دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ خود مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ جب لفظ کے کئی معانی ہوسکتے ہیں تو اس وقت اس سے دلیل لینا (تو اس کا یہ معنی ہے اور دیگر سب معنی چھوڑ دینا) صحیح نہیں ہے (تحفۃ الحدیث ص ۳۵) جب یہاں پر تکلم کا لفظ ایک سے زائد معانی میں بقول شما ہے تو پھر آپ کو بھی استدلال کرنے کی کس طرح جرأت ہوئی؟ نیز خطبہ مکمل قرأت کو نہیں کہا جاسکتا بلکہ قرأت اس کے ضمن میں ہوگی اگر ''اذا تکلم الامام'' سے مراد قرأت ہے تو پھر خطبہ میں صرف قرأت کے وقت خاموش رہنا ہے نہ کہ پورے خطبے میں۔ بلکہ آپ کے قاعدے کے مطابق قرأت کے علاوہ کلام وغیرہ سے منع نہ رہا۔ حالانکہ یہ آپ کا مذہب نہیں ہے ایسے دلائل لاتے ہوئے جس سے اپنے مذہب کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہو۔

**صفحہ ۱۶**: ...... آیت ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ لاکر زید بن ارقم کی روایت ذکر کرتے ہیں۔

**جواب**: ...... کیا ایک حکم کے لیے دو آیتیں نہیں آسکتی۔ دونوں روایتیں سلف سے منقول ہیں ایک کو مانتے ہو تو دوسری کو رد کرتے ہو۔

قاضی بیضاوی کے متعلق لکھتے ہیں ''کیا ایسے بزرگ اور بڑے مفسر کو بھی صحیح بخاری کی اس روایت کی خبر نہ ہوگی۔''

**جواب**: ...... قاضی صاحب کی پوری عبارت ہم نے نقل کر دی ہے۔ اب آنکھوں والے انصاف کریں کہ

قاضی صاحب مولوی عبدالخالق اور ان کے ہم نواؤں کو رد کرتے ہیں یا مولوی محمد عمر صاحب اور ان کے ہم خیالوں کو۔

وسوف تریٰ اذا انکشف الغبار
افرس تحت رجلك ام حمار

لکھتے ہیں کہ ”تقریر سے مولوی صاحب کا یہ مقصد ہے کہ آیت کا حکم حضرت ابوہریرہ اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہما کی روایت سے منسوخ ہے۔“

**جواب:**...... مولوی محمد عمر صاحب کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ حضرت ابوہریرہ اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ حنفی علماء اور فقہاء سے قرآن کے زیادہ جاننے والے اور مفسر اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اگر امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا اس آیت میں منع ہوتا تو کبھی بھی اس کے قائل نہ ہوتے۔ حالانکہ ان کے اسلام لانے سے قبل ہی سورۂ اعراف نازل ہوچکی تھی لیکن جب وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہوئے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت اس کے منع کے متعلق نہیں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی ممانعت یا اس کے متعلق کوئی تفسیر سنی ہو۔ اس سے نسخ سمجھنا مولوی صاحب کی کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفته من الفهم السقیم

پھر ابوہریرہ اور عبادہ رضی اللہ عنہما کی روایتوں کو مجہول کہتا ہے۔

**جواب:**...... یہ ان کی علمیت کا حال ہے۔ دونوں روایات کو عام حدیث صحیح اور حسن مانتے ہیں، ابوہریرہ کی روایت صحیح مسلم میں ہے اور عبادہ والی روایت سنن اربعہ میں ہے اور دونوں کو کئی اسناد کے ساتھ امام بیہقی کتاب القرأۃ میں لائے ہیں اور آپ کے حنفی بھائی مولوی عبدالحی لکھنوی ظفر الامانی صفحہ ۳۴۲۔ میں سیّدنا عبادہ والی روایت کو حسن کہتے ہیں، پھر ایسی روایات کو مجہول کہنا مولوی عبدالخالق جیسے مجتہدین کی جرأت ہے جو حدیث پاک کی توہین کرنے سے باز نہیں آتے۔

**صفحہ ۱۷:**...... جابر سے مرفوع روایت لاتے ہیں کہ ”کلامی لاینسخ کلام الله الحدیث۔“

**جواب:**...... یہ روایت ”سنن دار قطنی صفحہ ۴۸۵“ میں مروی ہے اس کی سند میں راوی ”جبرون بن واقد“ ہے جو کہ متہم ہے۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۱۸۰ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ ”جبرون بن واقد الافریقی عن سفیان بن عیینة متهم فانه روی بقلة حیاء عن سفیان من ابی الزبیر عن جابر مرفوعا کلام الله ینسخ کلامی الحدیث وروی عنه محمد بن داوٗد القنطری

ان مخلد بن حسین حدثه عن هشام بن حسان عن محمد عن ابی هریرة مر فوعاً ابو بکر وعمر خیر الاولین الحدیث تفرد به القنطری وبالذی قبله وهما موضوعان واللہ اعلم انتهی اور حافظ ابن حجر لسان المیزان صفحہ ۹۴ ج ۲۔ اور امام ابن عدی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے، پھر ایسے بے حیاء راوی کی روایت کس طرح معتبر ہوگی ؟ اور پھر اس کی روایت موضوع (من گھڑت) اور منکر ہو۔ وہ کس طرح قابل قبول ہوگی۔ اہل حدیث کا مذہب کسی بھی حدیث کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ ایسی من گھڑت روایات آپ کو ہی مبارک ہوں، ایضاً۔ یہاں پر نسخ کا سوال نہیں ہے صرف یہ بات ہے کہ صحابہ قرآن کو آپ سے زیادہ جاننے والے تھے۔

شرح نخبہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ صرف آگے پیچھے ہونے سے روایت منسوخ نہیں ہوسکتی۔

**جواب:** ...... محدثین کا مسلک ہے کہ جمع اور تطبیق نسخ پر مقدم ہے۔ جب تک مختلف دلیلوں میں جمع ممکن ہو تب تک نسخ جائز نہیں۔ اس طرح شرح نخبہ میں بیان ہوا ہے۔ لہٰذا اس مقام پر نسخ کا کوئی سوال نہیں اور نہ ہی اہل حدیث ایسا دعویٰ کرتے ہیں۔ اول تو تعارض ہی نہیں کیونکہ آیت میں نماز یا قرأت فاتحہ کی تصریح نہیں ہے نہ ہی امام کے پیچھے پڑھنے والے کے لیے کوئی واضح منع ہے۔ لہٰذا حدیث کے خلاف نہ کہی جائے گی۔ بصورت دیگر اگر خواہ مخواہ تسلیم کی جائے تو تب بھی تطبیق اور جمع ممکن ہے کیوں کہ آیت میں خاص صریحاً سورۃ فاتحہ سے منع نہیں اور حدیث میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا واضح حکم موجود ہے، لہٰذا بالغرض وتقدیر اگر تسلیم کیا جائے کہ آیت میں قرأت سے خاموش رہنے کا حکم ہے تو بھی اس سے مراد ''ماعدا الفاتحہ'' ہوگی، کیونکہ حدیث میں فاتحہ کا حکم آچکا ہے۔ اور حدیث بھی وحی ہے اور اہل حدیث بحمد اللہ قرآن وحدیث دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور حدیث قرآن کی تفسیر ہے اور آپ کا زور اس بات پر ہے کہ آیت کو عام قرار دیتے ہو، لیکن حدیث اس سے فاتحہ کو مستثنیٰ اور خاص کرتی ہے، اس کو استثناء یا تخصیص کہا جاتا ہے نہ کہ نسخ۔ اصول کی کتب کا مطالعہ کریں پھر ایسے اعتراض کریں۔

## صحابہ کرام پر صریح جھوٹ

**صفحہ ۱۸:** ...... چوتھے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''ابوموسیٰ، ابودرداء، انس اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مروی ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی ممانعت ہے۔

**جواب:** ...... یہ واضح جھوٹ ہے۔ کسی ایک حدیث میں فاتحہ کی ممانعت نہیں ہے۔ مولوی صاحب میں اگر کوئی ہمت ہے تو ایسی کوئی حدیث پیش کریں، مگر قیامت تک (ان شاء اللہ) پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ خود امام

بیہقی نے سنن کبریٰ، صفحہ ۱۷۵ ج ۲ میں ابو درداء اور انس سے فاتحہ پڑھنے کے متعلق فیصلہ کیا ہے، چنانچہ ابودرداء کے یہ الفاظ ہیں۔

"قال لا يترك قرأة فاتحة الكتاب خلف الامام جهرا ولم يجهر ."

"ابو درداء فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت نہیں چھوڑی جائے گی امام کے پیچھے، چاہے امام اونچی قرأت کرے یا آہستہ۔"

اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے:

"عن ثابت عن انس قال كان يا مرنا بالقرأة خلف الامام قال وكنت اقوم الى جنب انس فيقرأ بفاتحة الكتاب وسورة من المفصل ويسمعنا قرأت لنأخذ عنه ."

"ثابت انس سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انس ہمیں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے، کہتے ہیں کہ میں انس رضی اللہ عنہ کے برابر میں کھڑا ہوتا تھا آپ سورۃ فاتحہ اور دوسری مفصل کی سورت پڑھتے تھے اور ہمیں یہ قرأت سناتے تھے کہ ہم یہ حکم لیں یعنی سیکھیں۔"

مسلم شریف کے حوالے سے ابوہریرہ کی روایت کا ذکر کیا ہے "جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

**جواب:** ...... یہ بھی مولوی صاحب کا جھوٹ ہے۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ کی یہ حدیث روایت کی ہوئی نہیں ہے بلکہ ابوموسیٰ کی حدیث روایت کی ہوئی ہے وہ بھی معلق کر کے لائے ہیں نہ کہ مسند، جس طرح کہ اس کی بحث آگے چل کر آئے گی۔ نیز ابوہریرہ کی دوسری روایات ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں۔ ایک میں اطلاق ہے۔ فاتحہ یا غیر فاتحہ کی تعیین نہیں ہے اور دوسری روایت میں فاتحہ کی تعیین اور تصریح ہے۔ لہٰذا ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوگی۔

**صفحہ ۱۹:** ...... لکھتے ہیں کہ "کیا امام فاتحہ نہیں پڑھتا اور وہ قرآن نہیں ہے؟ پھر اس میں تخصیص کس طرح صحیح ہوگی۔"

**جواب:** ...... عام پر خاص کا مقدم ہونا تمام فقہاء کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ خود اپنے اصول حنفی کی کتب کھول کر دیکھیں جس شخص کو عام اور خاص کے متعلق اپنے گھر کی خبر نہیں وہ کتاب تصنیف کرنے کی تکلیف کیوں اٹھاتا ہے؟

پھر لکھتے ہیں کہ "قرآن حکیم کے یقینی حکم کو اس حدیث کے ساتھ کس طرح خاص کیا جاسکتا ہے؟"

**جواب:** ...... حدیث کے ساتھ قرآن پاک کے عموم کو خاص کرنے کے خود آپ کے حنفی بھی قائل ہیں۔ علامہ

عبدالحی لکھنوی حنفی غیث الغمام حاشیہ امام الکلام صفحہ ۲۷۷۔طبع دوم میں لکھتے ہیں کہ:

"ذکر ابن حاجب فی مختصر الاصول والعضد فی شرحه ان تخصیص عام القرآن بالمتواتر جائز اتفاقا واما بالخبر الواحد فقال بجوازه الائمة الاربعة۔ انتهی."

"ابن حاجب مختصر الاصول میں اور عضد اس کی شرح میں ذکر کرتے ہیں کہ عام قرآن کی تخصیص متواتر حدیث سے کرنا بالاتفاق جائز ہے اور خبر واحد کے ساتھ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔"

جس قانون کو مذاہب اربعہ مانتے ہیں اسی پر مولوی صاحب کس طرح اعتراض کرتا ہے؟ نیز درج بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ متواتر حدیث سے قرآن کی تخصیص صرف ائمہ اربعہ میں نہیں بلکہ سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے اور سورۂ فاتحہ کے متعلق روایات متواتر ہیں۔ چنانچہ امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ۴ (مطبوعہ دہلی) میں لکھتے ہیں کہ:

"وتواتر الخبر عن رسول الله ﷺ لا صلوٰة اِلا بقرأة ام القرآن." انتهی

"اور رسول اللہ ﷺ سے متواتر خبر ہے کہ کوئی بھی نماز فاتحہ کی قرأت بغیر نہیں ہوتی۔"

لہٰذا یہ تخصیص بالاتفاق صحیح اور درست ہے مولوی صاحب کا اعتراض لغو اور بے جا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ "جو حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے ہے وہ مقتدی کے لیے نہیں۔"

**جواب:** ...... یہ عبارت حدیث کے کس جملہ کی ہے؟ خدا سے ڈریں اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ نہ کریں، اللہ کے واسطے یہ بتایئے کہ جو حکم آپ نے لگایا ہے وہ حدیث میں ہے، یا آپ یا آپ کے علاوہ کسی کا قول ہے، اگر حدیث میں ہے تو برائے مہربانی دکھایئے اور اگر کسی کا قول ہے تو حجت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ خود دلیل اور حجت کا محتاج ہے۔ مولوی صاحب کا بھی عجیب دماغ ہے جو ایک طرف حدیث سے قرآن کی تخصیص نہیں مانتے حالانکہ دونوں وحی کی قسمیں ہیں اور دوسری طرف وحی یعنی حدیث کو امتی کے قول کے ساتھ خاص کرتا ہے۔

ع ابن چہ بو العجمی است

پھر لکھتے ہیں کہ "خواہ مخواہ حدیث اور قرآن کے دو الگ الگ احکام کو آپس میں مخالف بنانے میں پتہ نہیں ان حضرات کو کون سا مزا آتا ہے۔"

**جواب:**......ٹکرانے والا مسلک تو آپ کا ہے "اذا تعارضا تساقطا" آپ کے اصول کا قانون ہے اہل حدیث تو سب دلائل میں تطبیق دیتے اور جمع کرتے ہیں، کیونکہ جو دلائل آپ پیش کرتے ہیں ان میں سے کسی

ایک میں فاتحہ کی ممانعت نہیں ہے تو پھر کونسا جھگڑا اور تعارض رہا؟

**صفحہ ۲۰:** ......مولوی محمد عمر صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس مسئلے میں دو شخص الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے امام اور مقتدی کی اس مسئلے میں تو کوئی بو بھی نہیں ہے پھر ان کو تخصیص کے حیلے بہانے بنانے کی کون سی ضرورت؟

**جواب:** ......مولوی صاحب بیچارے کو عام اور خاص کی تعریف کی بھی خبر نہیں، عام وہ ہے جو سب افراد کو شامل اور متضمن ہو۔ " واذا قرئ القرآن " کے عام ہونے کے آپ خود مدعی ہیں اور یہی دعویٰ آپ کی دلیل کی اساس اور بنیاد ہے۔

لہٰذا اس میں سب صورتیں داخل ہونی چاہئیں پھر جس وقت بھی، جس حال میں اور جس جگہ پر کوئی شخص قرأت کرے نماز میں وہ یا نماز سے باہر سب صورتیں ﴿إِذَا قُرِئَ﴾ میں داخل ہیں۔ اسی قاعدے کی بناء پر آپ کا استدلال رکھا ہوا ہے۔ جو صورت آپ نے ذکر کی ہے وہ بھی اس میں داخل ہے لیکن آپ اس کو اس حکم سے باہر نکال رہے ہو۔ اس کا نام تخصیص ہے۔ یعنی عام کے حکم سے کسی ایک فرد کو باہر نکالنا آپ خود ایسی تخصیص کر رہے ہیں پھر اس کو برا بھی کہہ رہے ہیں۔

دوسرے مسئلے کے جواب میں لکھتے ہیں کہ آیت کا حکم مقتدی کے لیے ہے۔

**جواب:** ...... یہ بھی آپ کی تخصیص ہے جو آیت کو صرف مقتدی کے لیے خاص کرتے ہو اس کی کوئی بھی دلیل نہیں بلکہ حدیث میں تو مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے، اگر یہ آیت مقتدی کے لیے ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے فاتحہ پڑھنے کا حکم نہ دیتے اور مغالطہ خود مولوی عبد الخالق کو ہوا ہے جو کہ عام کو خاص کر رہے ہیں یا پھر خاص کو عام کر رہے ہیں۔ إِذَا قُرِئَ کو خاص کہتے ہیں یا عام۔ اگر خاص، تو اس کے لیے اس کی کونسی دلیل ہے۔ بلکہ ''اذا'' عموم کے لیے ہوتا ہے اصول فقہ احناف کی مشہور کتاب نور الانوار صفحہ ۱۱۴ میں لکھا ہوا ہے کہ "واذا ومتی یدلان علی عموم الزمان وکلیته...... انتھی " اور اگر عام مانتے ہو تو اس کے لیے دلیل چاہیے اور فجر کی سنت والی حالت کو عام سے خاص کرنے کے لیے کوئی دلیل پیش کرو، ورنہ اس کی اجازت آپ کے اپنے قاعدے کے خلاف ہوگی اور اہل حدیث اس سے مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنا اس وجہ سے خاص کرتے ہیں کہ اس کا حکم حدیث میں ہے، باقی جو آپ نے تخصیص کی ہوئی ہیں ان کے متعلق دلیل یا حدیث سے آپ کے ہاتھ خالی ہیں۔

؎ ببین تفاوت از کجا است تا بکجا

**صفحہ ۲۱:** ......مسبوق کی تکبیر تحریمہ کے متعلق جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اللہ اکبر کہنے کے بعد

مقتدی ہے آگے نہیں۔ آیت کا حکم مقتدی کے لیے ہے لہٰذا اس پر لاگو نہیں ہوتا۔"

**جواب:** ...... جب اقتداء کی نیت کرے، تب تکبیر کہے لہٰذا آپ کا کہنا غلط ہوا نیز یہاں پر مقتدی وغیر مقتدی کا سوال نہیں، کیونکہ آیت میں یہ الفاظ ہیں کہ ﴿اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ یعنی جس وقت بھی قرآن پڑھا جائے، لہٰذا مسبوق جس وقت آتا ہے تو امام قرأت کر رہا ہے اب اگر مسبوق اللہ اکبر کہتا ہے تو آپ کے قاعدے کے موافق حکم "اَنْصِتُوْا" کے خلاف ہوگا اور اگر تکبیر نہیں کہتا تو نماز میں کس طرح داخل ہوگا؟ لامحالہ طور پر اس کو آیت کے عام حکم سے خاص کیا جائے گا۔ مولوی محمد عمر صاحب کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے جس کو آپ سمجھ نہیں سکے۔

انصات بمعنی آہستہ پڑھنے کو غلط کہتا ہے۔

**جواب:** ...... یہ مولوی صاحب کی لاعلمی کی دلیل ہے ورنہ خود حدیث میں الانصات بمعنی ترک الجہر آیا ہے جس طرح کہ امام بیہقی کی کتاب القرأۃ میں روایت موجود ہے کہ:

"عن علی رضی اللہ عنہ قال من السنة ان يقرأ الامام فی الرکعتين الاولیین من صلوٰة الظهر بام الکتاب وسورة سرا فی نفسه وینصتون من خلفه ویقرؤن فی انفسهم ." الحديث"

"علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا سنت طریقہ یہ ہے کہ امام پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور دوسری سورہ آہستہ پڑھے اور پیچھے جو جماعت ہے وہ خاموش رہے اور آہستہ پڑھے۔"

امام بیہقی حدیث کے بعد فرماتے ہیں:

"قوله وینصتون من خلفه ویقرؤن فی انفسهم دلیل علی ان الانصات انما هو ترك الجهر ." انتهی

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ انصات بمعنی ترک الجہر یعنی اونچی آواز سے نہ پڑھنا ہے۔

جب کہ حدیث میں انصات بمعنی آہستہ پڑھنے کے مستعمل ہوا ہے تو پھر مولوی صاحب کا مولوی محمد عمر صاحب پر اعتراض کرنا فضول ہے، یا پھر لاعلمی پر مبنی ہے۔ خود آپ کے احناف نے یہ بات قبول کی ہے، علامہ عینی بنایہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۷۴ ج ا میں لکھتے ہیں کہ:

"فان قلت توجه علیه امران احدهما صلوا علیه وسلموا والامر الآخر قوله تعالیٰ ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ قال مجاهد نزلت فی الخطبة والاشتغال باحدهما یفوت الاٰخر قلت اذا صلی فی نفسه

وانصت ویکون سکت آتیا بموجب الامرین انتھی ."

اگر آپ کہیں کہ دو حکم وارد ہوئے ہیں ایک صلوا علیہ وسلموا (رسول اللہ ﷺ پر) صلوٰۃ وسلام پڑھو اور دوسرا حکم یہ ہے ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (جس وقت قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو) اور یہ آیت بقول امام مجاہد خطبے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اب اگر ان دونوں میں سے ایک پر عمل کریں گے تو دوسرا رہ جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ خاموش رہے اور آہستہ آہستہ درود پڑھتا رہے گا تو دونوں حکموں پر عمل کرنے والا ہوگا۔

**صفحہ ۲۲:** ...... بخاری شریف کی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ ''اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زبان کو نہ ہلاؤ دل میں آہستہ بھی نہ پڑھو بلکہ خاموش رہو۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** جملہ ''دل میں آہستہ بھی نہ پڑھو۔ کس آیت یا حدیث کا ترجمہ ہے؟

**ثانیاً:** اس سے دوسری معنی ترک الجھر کا انکار کس طرح معلوم ہوا؟ کیا ایک لفظ کے ایک سے زائد معانی نہیں ہوتے جب کہ دونوں معنی حدیث میں مذکور ہیں تو پھر ایک کا اقرار اور دوسرے کا انکار کیوں؟

پھر لفظ اسکات پر بھی اعتراض کرتا ہے۔

**جواب:** ...... اسکات بمعنی ترک الجھر (اونچی آواز کو چھوڑنا) بھی حدیث میں مذکور ہے۔ صحیح بخاری صفحہ ۱۰۳ ج ۱ میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ:

"قال كان رسول الله ﷺ يسكت بين التكبير وبين القراءة اسكاته قال احسبه قال هنية فقلت بابي انت وامي يارسول الله اسكا تك بين التكبير وبين القرأة ما تقول قال اقول اللّهم باعد بيني وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقني من الخطايا الخ .

رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے گمان ہے کہ کہا کچھ دیر خاموش رہتے تھے، پھر میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ تکبیر اور قرأت کے درمیان میں خاموش رہ کر کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ دعا پڑھتا ہوں اللهم باعد بيني وبين خطاياي ...... الخ .

اب ناظرین غور کریں کہ ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ تکبیر اولیٰ اور قرأت کے درمیان اسکات کرتے ہیں اس وقت کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے دعا پڑھنے کا ذکر کیا۔

ثابت ہوا کہ اسکات آہستہ پڑھنے کو بھی کہا جاتا ہے اور خود مولوی صاحب بھی اس حدیث کا ترجمہ

کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ اللہ اکبر کہنے اور فاتحہ پڑھنے کے درمیان جو خاموشی اختیار کرتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ تب آپ نے فرمایا کہ میں دعا اللهم باعد بيني وبين خطاياي...... الخ پڑھتا ہوں۔ (تحفة الحديث ٢٤) اب مولوی صاحب اپنے ایمان کی سلامتی کا خیال رکھ کر بتائیں کہ ان کا یہ جملہ "خاموشی اختیار کرتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ لغت کی مشہور کتاب مجمع البحار الانوار صفحہ ۱۲۵ ج ۲ میں ہے:

"قرأ رسول الله ﷺ فيما أمر أي جهر وسكت فيما أمر أي أسر انتهى."

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا جس میں حکم کیا گیا یعنی اونچی آواز سے اور خاموش رہے جس میں حکم کیا گیا کہ یعنی آہستہ پڑھا۔"

نیز اسی مقام پر بخاری کی درج بالا حدیث کے متعلق لکھتا ہے:

"اسكت بمعنى سكت اى ترك الجهر ...... انتهٰى"

سکت بمعنی جہراً نہ پڑھا۔

الغرض! یہ مولوی عبدالخالق کی مسلسل غلطی پر غلطی ہے جو حدیث نبوی اور صحابہ کے قول اور ان کے فقہاء کے قول اور لغت سب سے اغماض کر کے پھر خواہ مخواہ مولوی محمد عمر صاحب پر اعتراض کرتا ہے۔

زید بن ارقم کی روایت بخاری سے نقل کی ہے۔

**جواب:** ...... **اوّلاً:** اس روایت میں کلام کی ممانعت نہیں ہے۔ اور صحیح بخاری کا باب اس طرح سے ہے کہ "باب ماينهٰى من الكلام فى الصلوٰة" قرأت سے خاموش رہنا اس روایت میں مذکور نہیں ہے۔

**ثانیاً:** اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک لفظ کے دو یا زائد معانی ہو سکتے ہیں اگر اس روایت میں خاموش رہنے کا معنی ہے تو پھر اوپر ابوہریرہ والی روایت میں آہستہ پڑھنے والے معنی استعمال ہوئے ہیں۔ آپ ایک کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ دونوں کو حق کہو اور جس مقام پر جس بھی معنی کے لیے قرینہ موجود ہو تو وہ لی جائے۔ اس مقام پر بھی واضح قرینہ موجود ہے جو الحمد پڑھنے کا حکم صراحت سے حدیث میں مذکور ہے۔ لہٰذا اس مقام پر بالکل خاموش رہنے والا معنی لینا درست نہ ہوگا۔ بلکہ ترک الجہر مراد صحیح ہوگی۔

**صفحہ ۲۲:** ...... بڑی جرأت کے ساتھ سکتات کا انکار کرتا ہے کہ ان کا بالکل ثبوت نہیں۔

**جواب:** ...... یہ انکار دوپہر کے وقت سورج کے انکار کے برابر ہے۔ کیونکہ سکتات کا ذکر کئی روایات میں ہے ترمذی شریف صفحہ ۵۷ ج ۴ مع تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ:

"عن ابن جريج عن بن ابى مليكة عن ام سلمة قالت كان رسول الله ﷺ

يقطع قرأته يقرأالحمد لله رب العالمين ثم يقف الرحمن الرحيم ثم يقف وكان يقرأها مٰلك يوم الدين ."

"امّ المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرأت کرتے ہوئے آیات جدا جدا کر کے پڑھتے تھے۔ الحمد لله رب العالمين کہہ کر ٹھہرتے تھے، الرحمن الرحيم کہہ کر ٹھہرتے تھے اور مٰلك يوم الدين پڑھتے تھے۔"

اگر امام ترمذی نے اس روایت پر کچھ کلام کیا ہے لیکن اس کے لیے جواب ہے اوّل امام ترمذی کا اعتراض اس زیادتی پر جو کہ ابن جریج نے ذکر کی ہے یعنی مَلِكِ يوم الدين۔ بغیر الف کے پڑھنا جیسا کہ ان کا کلام اس طرح ہے:

هذا حديث غريب وبه يقرأ ابو عبيد ويختاره هكذا روى يحيىٰ بن سعيد الاموى وغيره عن ابن جريج عن ابن ابى مليكة عن ام سلمة وليس اسناده بمتصل لان الليث بن سعد روى هذا الحديث عن ابن ابى مليكة عن يعلى بن مملك عن ام سلمة انها وصفت قرأة النبىﷺ حرفا حرفا وحديث الليث اصح وليس فى حديث الليث وكان يقرا مَلِكِ يوم الدين انتهى .

**اوّلاً:** ثابت ہوا کہ امام ترمذی کو اس زیادتی پر اعتراض ہے۔

**ثانیاً:** انقطاع کا شبہ قطعی نہیں کیونکہ یہاں پر صرف دو روایتوں کا اختلاف بیان کیا گیا ہے جو کہ ایک روایت ابن ابی ملیکہ اور ام سلمہ کے درمیان یعلی بن مملک کا واسطہ ہے اور دوسری میں نہیں ہے، لیکن یہ انقطاع کے لیے قطعی دلیل نہیں کیونکہ کسی نے بھی اس طرح ذکر نہیں کیا کہ ابن ابی ملیکہ کا ام سلمہ سے سماع یا سننا نہیں ہے اور تحفۃ الاحوذی میں شارح اس روایت کے تحت لکھتا ہے کہ

قلت صرح الحافظ فى تهذيب التهذيب ان ابن ابى مليكة روى عن اسماء وعائشة وام سلمة وفى البخارى قال ابن ابى مليكة ادركت ثلاثين من الصحابة فيجوز ان ابن ابى مليكة كان يروى الحديث اولا عن يعلى عن ام سلمة ثم لقيها فسمعه منها فروى عنها بلا واسطة والله تعالىٰ اعلم انتهى .

الغرض یہ روایت صحیح ہے۔ بلکہ ابو داؤد بلا واسطہ یہ سند صفحہ ۵۵۷ میں لاتا ہے اور اس پر کوئی بھی جرح یا کلام نہیں کرتا اور اس میں لفظ ہیں کہ "يقطع قرأت آية آية" اور حاشیہ میں علامہ نور محمد سنبھلی لکھتے ہیں کہ قوله آية آية اى يقف على كل آية عن الآية الاخرىٰ بوقفة بينهما یعنی خود رسول اللہ ﷺ

ایک ایک آیت کو جدا کر کے پڑھتے تھے اور درمیان میں وقفہ کرتے تھے اس سے مولوی عبدالخالق صاحب کا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ سکتے صرف دو ہیں زیادہ نہیں، کیونکہ اس روایت سے کئی سکتے ثابت ہوئے اور یہ روایت امام حاکم المستدرک صفحہ ۲۳۲ ج ۱ میں لا کر یہ لکھتے ہیں کہ "هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه" انتهىٰ اور امام حافظ ذہبی بھی تلخیص المستدرک میں امام حاکم سے تصحیح میں موافقت کرتے ہیں دوسری روایت امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۶۹ میں لائے ہیں۔

"عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده انهم كانوا يقرؤن خلف رسول الله ﷺ اذا انصت فاذا قرأ لم يقرأ وا واذا انصت قرؤا وكان رسول الله ﷺ يقول كل صلاة لا يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج" انتهى۔

"عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک وہ (صحابہ) نبی ﷺ کے پیچھے پڑھتے تھے جب آپ خاموش ہوتے پھر جب آپ پڑھتے تھے تو ہم نہیں پڑھتے اور جب آپ خاموش ہوتے تو ہم پڑھتے تھے اور رسول اللہ فرماتے تھے کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ادھوری اور نامکمل رہتی ہے۔"

نیز یہی روایت امام بیہقی صفحہ ۸۶ پر بھی لائے ہیں اور عمرو بن شعیب تک دونوں کی سندیں جدا جدا ہیں۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں قرأت کرتے وقت درمیان میں سکتات کرتے تھے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ حکم سن چکے تھے کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نامکمل ہے تیسری روایت مستدرک حاکم صفحہ ۲۳۸ ج ۱ میں مروی ہے کہ:

"عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى صلوٰة مكتوبة مع الامام فليقرأ فاتحة الكتاب فى سكتاته ومن انتهىٰ الى ام الكتاب فقد اجزأه."

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے پس وہ سکتات میں فاتحہ پڑھے اور جس نے پڑھ لی فاتحہ اس کے لیے کافی ہوگی اور حافظ ذہبی نے بھی اس روایت پر کوئی کلام نہیں کیا اسی روایت سے ثابت ہوا کہ سکتات امام کے لیے ضروری ہیں ورنہ رسول اللہ ﷺ مقتدیوں کو سکتات میں پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ اس سے مولوی صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا کہ جو لکھا ہے کہ "پوری امت کا اجماع ہے کہ امام پہ سکتہ واجب نہیں ہے۔ (تحفۃ الحدیث ۲۴) کیونکہ سکتات میں پڑھنے کا حکم وارد ہے اور امر کا حقیقی

معنی وجوب ہے جب تک صاف قرینہ موجود نہ ہو۔ جو اس کو اسکی اصل معنی سے ہٹا کر استحباب کی طرف لائے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ " مالا یتم الواجب الا به فهو واجب "لہٰذا سکتات کے وجوب میں کون سا شک باقی رہا۔ مزید تفصیل آگے چل کر آئے گی۔

چوتھی روایت مصنف عبدالرزاق ۱۳۳ ج ۲ میں ہے کہ:

"عبدالرزاق عن ابن المثنى بن الصباح عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن عبدالله بن عمرو ان النبى ﷺ خطب الناس فقال من صلى مكتوبة او سبحة فليقرأ بام القرآن وقرآن معها فان انتهى الى ام القرآن اجزأت عنه ومن كان مع الامام فليقرأ قبله او اذا سكت فمن صلى صلاة لم يقرأ فيها فهى خداج ثلاثا. "

یعنی نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص فرض یا نفل نماز پڑھے پس وہ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن پڑھے پس اگر فاتحہ پڑھ لے تو اس کے لیے کافی ہوگی اور جو امام کے ساتھ نماز پڑھے پس وہ (فاتحہ) اس سے پہلے یا جب وہ خاموش ہو پڑھ لے پس جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نامکمل ہوگی آپ نے تین بار فرمایا راوی مثنی بن الصباح میں کچھ کلام ہے لیکن دوسرے راوی نے اس کی متابعت کی ہے جس طرح کہ کتاب القرأۃ للبیہقی صفحہ ۵۴ میں روایت دونوں سندوں سے مروی ہے، لہٰذا یہ حدیث حسن درجے کی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح امام عبدالرزاق صحابہ اور تابعین سے بھی اثر نقل کرتے ہیں کہ

عبدالرزاق عن ابن جريج عن عطاء قال اذا كان الامام يجهر فليبادر بأُم القرآن او ليقرأ بعد ما يسكت فاذا قرأ فلينصتوا كما قال الله عزوجل۔ عبدالرزاق عن معمر وابن جريج قالا اخبرنا ابن خيثم عن سعيد بن جبير انه قال لا بد ان يقرأ بام القرآن مع الامام ولٰكن من مضى كانوا اذا كبر الامام سكت ساعة لا يقرأ قدر ما يقرؤن ام القرآن۔ عبدالرزاق عن معمر عمن سمع الحسن يقول اقرأ بام القرآن جهر الامام اولم يجهر فاذا جهر ففرغ من ام القرآن فاقرأ بها انت۔ عبدالرزاق عن ابراهيم بن محمد عن شريك بن ابى نمر عن عروة ابن الزبير قال اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔ قرأت بام القرآن او بعد ما يفرغ من السورة التى

بعدها۔ عبدالرزاق عن معمر عن غير واحد عن الحسن قال كان سمرة بن جندب يؤ م الناس فكان يسكت سكتتين اذا كبر للصلوٰة وإذا فرغ من قرأة امّ القرآن فعاب عليه الناس فكتب اِلىٰ ابى بن كعب فى ذالك ابن الناس عابوا علىَّ فنسيت وحفظوا او حفظت ونسوا ؟ فكتب اِليه ابى بل حفظت ونسوا فكان الحسن يقول اذا فرغ الامام من قرأة ام القرآن فاقرا بها انت۔ عبدالرزاق عن المثنى عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن عبد الله بن عمرو عن النبى ﷺ قال اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضآلين قرأت بام القرآن او بعد ما يفرغ۔ عبدالرزاق عن معمر او غيره عن ابن خيثم؟ عن سعيد بن جبير قال لا بد من ام القرآن ولكن من مضى كانوا اذا كبر الامام سكت ساعة لا يقرأ قدرما يقرؤن بام القرآن .

اور جزء القراءة للبخاری صفحہ ۲۰ سے ۲۷ (طبع دہلی) میں روایت مروی ہے کہ:

ثنا صدقة قال اخبر نا عبدالله بن رجاء عن عبدالله بن عثمان بن خيثم قال قلت لسعيد بن جبير اقرأ خلف الا مام قال نعم وان سمعت قرائته انهم احدثوا مالم يكونوا يصنعونه ان السلف كان اذا اَمَّ احد هم الناس كبر ثم انصت حتى يظن ان خلفه قد قرأ فاتحة الكتاب ثم قرأ وانصتوا وقال حكم بن عتيبة ابدره واقرأه۔ حدثنا محمود قال ثنا البخارى قال ثنا موسىٰ ثنا حماد عن محمد بن عمرو عن ابى سلمة قال للامام سكتتان فاغتنموا القراء ة فيهما بفاتحة الكتاب وزاد هارون ثنا ابو سعيد مولى بنى هاشم قال ثنا حماد عن محمد بن عمر عن ابى سلمة عن ابى هريرة حدثنا محمود قال حدثنا البخارى قال ثنا موسىٰ قال ثنا حماد عن هشام عن ابيه قال يا بنى اقرؤا فيما يسكت الامام واسكتوا فيما جهر ولا يتم صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فصاعدا مكتوبة ومستحبة انتهىٰ .

اور ان میں سے کئی روایات امام بیہقی کتاب القرأۃ میں لائے ہیں ان روایات سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

**الف**:...... رسول اللہ ﷺ کے زمانے بلکہ خاص طور پر صحابہ اور تابعین میں سکتات کا رواج تھا اور مولوی کا

انکار غلط ثابت ہوا۔

ب:...... سکتات کو ضروری سمجھا گیا اور مولوی کا وجوب سے انکار واقع کے خلاف ثابت ہوا۔

ج:...... سکتات خاص اس مقصد کے لیے تھے تاکہ مقتدی ان کے درمیان فاتحہ پڑھ سکیں۔

د:...... ایسا حکم صحابہ خواہ تابعین فرما چکے ہیں۔

ھ:...... بلکہ سکتات کو ترک کرنا یا سکتہ نہ کرنا خود نیا کام ہے اور عمل نبوی اور سلف کے طریقے کے خلاف اور محدث وبدعت ہے جس طرح کہ سعید بن جبیر تابعی کے قول سے ظاہر ہوتا ہے۔

و: مولوی عبدالخالق نے جو سمرہ بن جندب کی دو سکتوں والی روایت نقل کی ہے اس کا راوی حسن بصری تابعی ہے یہ خود روایت لاکر سکتات میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ جس طرح کہ مصنف عبدالرزاق کی اس روایت کے آخر میں گزرا کہ فكان الحسن يقول اذا فرغ الامام من قرأة ام القرآن فاقرأ بها انت۔ " انتھیٰ (یعنی حسن فرماتے تھے کہ جب امام فاتحہ کی قرات سے فارغ ہو جائے تو تم اسے پڑھو) اور قاعدہ ہے کہ "الراوی ادریٰ بمرویه" راوی اپنی روایت کردہ حدیث کو زیادہ مناسب سمجھتا ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ دو سکتے بھی مقتدی کی فاتحہ کے لیے ہیں مولوی صاحب نے جو تاویل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ لکھتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ کے بعد ثنا "سبحانك اللهم" پڑھی جائے، جس طرح کہ حدیث میں ہے۔'' (تحفۃ الحدیث ۲۴) جو حدیث ذکر کرتے ہیں اس میں لمبی دعا اللّٰھم باعد بيني وبين...... الخ ہے جو کہ سورۃ فاتحہ کے برابر ہے۔ لہٰذا مقتدی اس وقفے کے درمیان سبحانك اللهم کے بعد فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے اور اگر کچھ حصہ رہ بھی جائے تو امام کی فاتحہ کے بعد دوسرے سکتے میں پوری کر سکتا ہے اور دونوں سکتے مولوی صاحب نے قبول کیے ہیں اور ان کا یہ کہنا کہ دوسرا سکتہ "غير المغضوب عليهم و لا الضالين" پڑھنے کے بعد ہے، یہ اس کے لیے ہے کہ امام قرأت سے فارغ ہونے کے بعد کچھ سانس لے سکے (تحفۃ الحدیث ص ۲۴) یہ مفید نہیں ہے کیونکہ علی التقدیر خواہ کسی بھی وجہ سے امام سکتہ کر سکتا ہے لیکن مقتدی کو تو فاتحہ پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے اور حکم کی تعمیل کر سکتا ہے جس طرح کہ مرفوع حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ " ومن كان مع الامام فليقرأ قبله واذا سكت" (یعنی جو امام کے ساتھ ہو وہ اس سے قبل یا بعد فاتحہ پڑھ لے) اور امام ابوحنیفہ کے استاد عطاء بن ابی رباح تابعی کا قول ذکر ہوا کہ "اذا كان الامام يجهر فليبادر بام القرآن اوليقرأ بعد ماسكت" یعنی جب امام جہراً پڑھے تو فاتحہ اس سے قبل پڑھ لے یا جب وہ خاموش ہو جائے۔

ز:...... عطاء بن ابی رباح کے قول سے معلوم ہوا کہ آیت میں انصات کا حکم امام کے قرأت کرتے وقت ہے

نہ کہ سکتات کے وقت لہٰذا مولوی صاحب کا اعتراض غلط ہوا۔

**ح**:...... عبداللہ بن عمرو والی روایت میں سکتات پڑھنے کے حکم کے ساتھ یہ لفظ بھی ہیں کہ "فمن صلّی صلاة لم یقرأ فیها فهی خداج ثلاثا" (مصنف عبدالرزاق ۱۳۳ ج ۲) (جس نے نماز پڑھی اور اس میں فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نامکمل ہے۔) ثابت ہوا کہ سکتات میں پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز ناقص ہوگی۔

**ط**:...... یہ ساری تقریر سکتہ کے ضرور اور لازم ہونے کو مستلزم ہے۔ وهو المطلوب .

**ی**:...... نیز یہ حکم رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا لہٰذا یہ حکم خاص مقتدیوں کے لیے زیادہ تاکید والا ہے لہٰذا مولوی صاحب کے لیے اب انکار کی کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔

**ک**:...... اور سعید بن جبیر کے اثر سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض کوئی امام مسنون اور سلف کے طریقہ کو چھوڑ کر نئے اور خود ساختہ باطل طریقے کو لیتا ہے اور درمیان میں سکتے نہیں کرتا تو اس صورت میں بھی مقتدی کو فاتحہ پڑھنی چاہیے اور ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ " ابد من ام القرآن ولکن من مضٰی کانوا اذا کبر الامام سکت ساعة لایقرأ قدر ما یقرؤن بام القرآن " (عبدالرزاق صفحه: ۱۳۵ ج ۲) دوسری روایت میں ہے کہ " وان سمعت قراءته...... الخ . " (جزء القرأة للبخاری صفحه ۲۹) یہ دونوں روایتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ نیز ابو داؤد صفحہ ۱۲۰ میں امام مکحول شامی تابعی سے روایت ہے کہ " فکان مکحول یقرأ فی المغرب والعشاء والصبح بفاتحه الکتاب فی کل رکعة سرا قال مکحول اقرأ فیما جهر به الامام اذا قرأ بفاتحه الکتاب وسکت سرا فان لم یسکت اقرأ بهما قبله ومعه وبعده لا تترکها علی حال۔ انتهٰی (یعنی امام مکحول قرأت کرتے تھے مغرب عشاء اور فجر میں فاتحہ کی سری طور پر ہر رکعت میں۔ امام مکحول فرماتے ہیں کہ قرأت کر جس میں امام جہر کرے جب وہ فاتحہ پڑھے اور خاموش ہو تو سری طور پر۔ پس اگر وہ خاموش نہیں ہوتا تو پھر فاتحہ پڑھ اس سے قبل اس کے ساتھ اور اس کے بعد اور اس کو کسی بھی حال میں نہ چھوڑ۔) یہی تقاضا نبی ﷺ کے گزشتہ فرمان کا ہے کہ من صلی صلاة مکتوبة مع الامام فلیقرأ فاتحة الکتاب فی سکتاته .

(المستدرك ۲۳۸ ج ۱)

(یعنی جو شخص فرض نماز امام کے ساتھ پڑھے پس چاہیے کہ وہ سورت فاتحہ سکتات میں پڑھے) کیونکہ یہ حدیث دو حکموں کو متضمن ہے ایک الحمد امام کے پیچھے پڑھنا اور یہ حکم دوسری کئی روایات میں بھی وارد ہے دوسرا حکم ہے کہ امام کے سکتات کے درمیان میں پڑھا جائے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایک کام بس سے باہر

ہے تو پھر انسان مجبور ہے قرآنی قانون ہے کہ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ ع ۴ پ ۳)
لیکن اس نے دوسرے حکم کی عمداً نافرمانی کرلی ہے۔ مثال مشہور ہے کہ "مالایدرك كله لا يترك كله"
یہ کیسی عقلمندی ہے کہ اگر ایک کام نہیں ہوسکتا تو دوسرا چھوڑ دیا جائے۔

بلکہ یہ قصور امام کا شمار کیا جائے جو مقتدی کو موقع نہیں دیتا اور نبوی طریقے کے مطابق سکتات نہیں کرتا۔ مقتدی کا قصور نہیں اگر امام کام پورا نہیں کرتا تو مقتدی کو اپنا کام پورا کرنا ہے۔ امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ ۴ "طبع دہلی" میں فرماتے ہیں کہ

"وقال ابوهريره كان النبى ﷺ اذا اراد ان يقرأ سكت سكتة وكان ابو سلمة بن عبدالرحمن وميمون بن مهران وغيرهم وسعيد بن جبير يرون القرأة عند سكوت الامام الى نون نعبد لقول رسول الله ﷺ لا صلاة الابفاتحة الكتاب فيكون قرائته فاذا قرأ الامام انصت حتى يكون متبعا لقول الله تعالىٰ "فاستمعوا له وانصتوا" فيستعمل قوله الله تعالىٰ من" يطع الرسول فقد اطاع الله" وقوله" ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى و يتبع غير سبيل المومنين نوله ماتولىٰ ونصله جهنم وسآء ت مصيراً واذا ترك الامام شيئا من الصلاة فحق على من خلفه ان يتموا قال علقمة ان لم يتم الامام اتممنا . انتهى"

(حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب قرأت کا ارادہ کرتے تھے تو آپ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاتے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور میمون بن مہران وغیرہ اور سعید بن جبیر کا خیال تھا کہ قرأت اس وقت ہوگی جب امام نعبد کے نون پر سکتہ کرے گا کیونکہ فرمان رسول ﷺ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ پس جب امام قرأت کرے گا تو مقتدی خاموش ہوجائے گا تاکہ وہ اس فرمان ربانی کا متبع بن سکے۔ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ پس فرمان ربانی اس طرح بھی مستعمل ہوگا۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ وقوله ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ.. الخ﴾

اور جب امام کوئی چیز چھوڑ دے تو پیچھے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کو مکمل کرے اور علقمہ کہتے ہیں کہ اگر امام مکمل نہ کرے گا تو ہم کریں گے اور صحیح بخاری صفحہ ۹۶ ج ۱ میں اس مسئلہ کے لیے خاص عنوان مقرر کیا گیا ہے "باب اذا لم يتم الا مام واتم من خلفه" اور اس میں حدیث مذکور ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال يصلون لكم فان اصابوا فلكم وان اخطا ؤا فلكم وعليهم

(یعنی ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ائمہ تمہیں نماز پڑھاتے ہیں اگر وہ صحیح پڑھائیں تو تمہارے لیے اور اگر خطا کریں تو تمہارے لیے اجر اور ان پر بوجھ) پھر اگر امام سکتات نہیں کرتا تو اس کا گناہ اس پر ہے اور مقتدی کسی بھی طرح پڑھ کر اپنا اجر حاصل کرتا ہے۔ امید ہے کہ مولوی صاحب کو مسئلہ سمجھ آ گیا ہوگا۔

## کیا امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے مخالف تھے؟

**صفحہ ۲۴**: ......امام ابن تیمیہ کے حوالے سے عبارت نقل کرتے ہیں جس میں ہے کہ "وقد اجمعت الامة على ان سكوت الامام غير واجب" الخ۔

**جواب**: ......مولوی صاحب کو اس عبارت کے نقل کرنے میں زبردست دھوکا لگا ہے۔ کیونکہ خود انہوں نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اصل کتاب سے نقل نہیں کیا۔ بلکہ علامہ زکریا سہارنپوری کی کتاب اوجز المسالک شرح مؤطا الامام مالک کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس بزرگ نے بھی براہ راست امام ابن تیمیہ سے نقل نہیں کیا۔ بلکہ کتاب عارضۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور یہ کتاب عارضۃ الاحوذی اس وقت ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہے اس کے صفحہ ۱۱۰ ج ۲ میں یہ عبارت موجود ہے لیکن عارضۃ الاحوذی کا مصنف یہ عبارت امام ابن تیمیہ کی طرف منسوب نہیں کرتا اور نہ ہی ان سے نقل کرتا ہے اور نہ ہی ان کا نام لیتا ہے۔ بلکہ خود اپنی طرف سے کلام کرتا ہے پتہ نہیں یہ دھوکہ مولوی عبدالخالق خود دیتا ہے یا اوجز المسالک کے مصنف سے دھوکہ کھاتا ہے جس نے بھی دھوکہ کیا ہے وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس وقت امام ابن تیمیہ کا ہاتھ ہوگا اور جھوٹے کی گردن ہوگی (اس وقت دنیا احکم الحاکمین کے فیصلے کو دیکھے گی)۔

**ثانیاً**: ......کتاب عارضۃ الاحوذی کا مصنف قاضی ابوبکر ابن العربی محمد بن عبداللہ بن محمد الاشبیلی ہے وہ امام ابن تیمیہ سے کافی وقت قبل کا ہے۔ ابن العربی ۵۴۳ ہجری میں فوت ہوا اور امام ابن تیمیہ ۶۶۱ ھ میں تولد ہوئے۔ جس طرح کہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۲۹۷ ج ۲ اور صفحہ ۱۴۹۶ ج ۳ میں ذکر کیا ہے اب بصارت والے احباب مولوی صاحب کی اس دروغ گوئی پر غور کریں۔ کہ جو شخص یعنی عارضۃ الاحوذی کا مصنف امام ابن تیمیہ کے پیدا ہونے اور دنیا میں آنے سے ایک سو سال سے زیادہ عرصہ قبل دنیا سے وفات کر چکا ہے وہ کس طرح پوری صدی گزرنے کے بعد قبر سے اٹھ کر اس کتاب سے نقل کرتا ہے؟ مولوی صاحب! اندھی تقلید کا یہی نتیجہ ہے آپ نے بے گناہ اہل حدیثوں پر حملے اور طعنہ زنی کی اسی کے نتیجے میں

اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم کا پردہ چاک کیا۔

گر خدا خواہد کے پردہ کسے دارد
ملیش اندر طعنہ ، نیکان برد

آپ کے فقہاء کی نقل میں بے باکی بہت مشہور ہے اس وجہ سے خود آپ کے حنفی ان نقول پر مکمل بھروسہ نہیں کرتے۔ علامہ ملاعلی قاری حنفی موضوعات الکبیر صفحہ ۴۷ میں لکھتے ہیں کہ ثم لا عبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسند والحديث الى احد من المخرجين انتهى اور اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنوی نے الاجوبۃ الفاصلۃ صفحہ ۲۹۔۳۰ (طبع حلب) میں بھی ذکر کیا ہے۔

**ثالثا**: ...... جب کہ احادیث اور آثار سے سکتات کا وجوب اور لزوم ثابت ہے کما مضٰی۔ پھر ایسی واضح اور ظاہر بات کے خلاف شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسا امام الوقت کس طرح اجماع کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ لہٰذا ان کی طرف کی گئی نسبت جھوٹی کہی جائے گی۔

**رابعاً**:...... کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۱۷ میں امام ابوعمرو عبدالرحمٰن الاوزاعی متوفی صفحہ ۱۵۷ سے مروی ہے کہ:

"كان الاوزاعی يقول يحق على الامام ان يسكت سكتة بعد التكبيرة الاولىٰ استفتاح الصلوٰة وسكتة بعد قرأة فاتحة الكتاب ليقرأ من خلفه بفاتحة الكتاب فان لم يكن قرأ معه بفاتحه الكتاب اذا قرأبها واسرع القرأة ثم استمع ."

(یعنی امام اوزاعی فرماتے تھے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ سکتہ کرے تکبیر اولیٰ کے بعد جب نماز شروع کرتا ہے اور فاتحہ مکمل پڑھنے کے بعد تاکہ جو اس کے پیچھے ہے وہ بھی فاتحہ پڑھ لے اگر اس نے اس کے ساتھ قرأت نہیں کی فاتحہ کی جب اس نے پڑھی اور قرأت جلدی شروع ہوگئی تو غور سے سنے)۔

**ناظرین**: ......امام اوزاعی مشہور امام مجتہد امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ہم عصر ہے امام ابن حزم رسالہ اصحاب الفتیا (ملحق بجوامع السیرۃ صفحہ ۳۲۳) میں انہیں شام کے فقہاء میں ذکر کرتے ہیں سب شہروں کے فقہاء کو ذکر کرنے کے بعد آخر میں صفحہ ۳۲۵ میں لکھتے ہیں کہ "فهؤلآءِ اهل الاجتهاد من اهل الغايه والتوفر على طلب علم احكام القرآن وفقه كلام رسول الله ﷺ واجماع العلماء واختلافهم ...... الخ" (یہ تمام لوگ انتہا درجے کے مجتہد اور احکام قرآن کے علم سے مکمل واقفیت رکھنے

والے اور علماء کے اجماع اور اختلاف کو جاننے والے تھے) ثابت ہوا کہ امام اوزاعی مجتہد تھے۔ اس طرح ابواسحاق شیرازی طبقات الفقہاء صفحہ ۷۰ میں ان کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں اور شروع کتاب میں خطبہ کے بعد لکھتے ہیں: "هذا كتاب مختصر في ذكر الفقهاء وانسابهم ومبلغ اعمارهم ووقت وفاتهم وما دل على علمهم من ثناء الفضلاء عليهم وذكر من اخذ عنهم العلم من اتباعهم واصحابهم لا يسع الفقيه جهلة لحاجة اليه في معرفة من يعتبر قوله في انعقاد الاجماع ويعتد به في الخلاف الخ" ثابت ہوا کہ امام اوزاعی ان مجتہدین میں سے ہیں جن کے قول کو معتبر اور اجماع سمجھا گیا ہے۔ لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ امام پر لازم ہے کہ مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے کے لیے سکتات کرتا رہے۔ پھر اجماع کا دعویٰ کسی طرح صحیح ہوگا؟ بلکہ یہ قول ایسے دعویٰ کی کمر توڑنے والا ہے۔ ثابت ہوا کہ امام ابن تیمیہ جیسے متبحر اور وسیع الاطلاع عالم کی طرف ایسی نسبت جھوٹی اور بے بنیاد ہے۔

**خامساً**: ...... اس کے جھوٹے ہونے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے جو خود امام ابن تیمیہ سکتات اور امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ چنانچہ آپ کی کتاب القواعد النورانیۃ الفقہیہ صفحہ ۸۵ میں فرماتے ہیں کہ "ومنهم من يأمر بالقرأة في صلاة السر وفي حال سكتات الامام في صلاته الجهرية وللبعيد الذي لا يسمع الامام واما القريب الذي يسمع قرأة الامام فيأمرونه بالانصات لقرأة امامه اقامة للاستماع مقام التلاوة وهذا قول الجمهور كمالك واحمد وغيرهم من فقهاء الامصار وفقهاء الآثار وعليه يدل عمل اكثر الصحابة وتتفق عليه اكثر الاحاديث (اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو سری نماز میں اور سکتات میں قرأت کا حکم دیتے ہیں جہر نمازوں میں اور وہ شخص جو امام کی آواز دوری کی وجہ سے نہ سنتا ہو اور وہ جو قریب سے امام کی قرات سنتا ہے اس کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ وہ امام کی قرأت کا ملہ توجہ سے سن سکے اور یہ جمہور کا قول ہے۔ جس طرح کہ امام مالک احمد وغیرہ شہروں کے فقہاء سے اور آثار کے فقہاء اور اس پر صحابہ کا عمل ہے اور اکثر احادیث کا اس پر اتفاق ہے)

**ناظرین**: ...... یہ عبارت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اپنی تصنیف کردہ کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ تاکہ مولوی عبدالخالق کی طرح کسی ناقل کے واسطے یا حوالے سے پیش کی گئی ہے۔ اب انصاف کریں کہ جب امام ابن تیمیہ خود سکتات میں فاتحہ پڑھنے کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس کو جمہور کا مذہب بتارہے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ اس طرح سب احادیث میں تطبیق آجاتی ہے اور ان میں اختلاف نہیں رہا بلکہ سب پر عمل ہوجاتا ہے پھر ان کی طرف اوپر والی نسبت کس طرح صحیح ہوسکتی ہے؟ بلکہ آپ کی شان اس سے بالاتر ہے۔ بجائے اس

کے کہ آپ کی طرف ایسی نسبت کی جائے۔

**صفحہ ۲۵**: ...... حافظ ابن قیم ﷺ کا کلام نقل کیا ہے کہ ''حضور اکرم ﷺ سے کسی بھی صحیح یا ضعیف سند سے ثابت نہیں ہے حضور اکرم ﷺ نے قرأت کے بعد اس کے لیے لمبا سکتہ کیا ہو تا کہ مقتدی سورۃ فاتحہ۔ پڑھ لیں۔

## حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا سکتات میں قرأت الفاتحہ کا موقف

**جواب**: ...... **اوّلا**: یہاں پر بھی مولوی صاحب نے نقل کرنے میں عجیب رنگ اختیار کیا ہے ابن قیم کی کتاب زادالمعاد کا حوالہ دیتے ہیں اور مولوی عبدالحق کی کتاب غیث الغمام سے نقل کرتے ہیں اور یہ عبارت زادالمعاد میں بالکل نہیں ہے۔ لیکن ابن قیم کی دوسری تصنیف کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۸۹ میں ہے اور غیث الغمام والے نے بھی کتاب الصلوٰۃ کا حوالہ دیا ہے نہ کہ زاد المعاد کا۔ پتہ نہیں نقل کرتے وقت مولوی صاحب کس استغراق میں تھے؟

**ثانیا**: ...... اگر چہ بعینہٖ وہ لفظ نہ بھی ہوں لیکن وہ مفہوم تو احادیث سے ظاہر ہو۔ جو احادیث اوپر گزری ہیں۔ خاص طور پر مستدرک حاکم والی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے امام کے سکتات میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے باقتضاءِ نص ثابت ہوا کہ آپ ﷺ ان کے لیے سکتات کرتے تھے ورنہ ایسا حکم نہ فرماتے۔ کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق کے باب سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف ہے۔ نیز کتاب القرأۃ للبیھقی کی روایت گزری جس میں یہ لفظ ہیں کہ "انهم كانوا يقرأون خلف رسول الله ﷺ اذا انصت." الحدیث جس سے صاف ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ مقتدیوں کے لیے سکتہ فرماتے تھے۔

**ثالثا**: ...... خود ابن قیم نے اس طرف اشارہ دیا ہے، چنانچہ اپنی کتاب زاد المعاد صفحہ ۵۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ ''وكانت قرأته مدا يقف عنه كل آية ويمد بها صوته فاذافرغ من قرأة الفاتحة قال آمين فان كان يجهر بالقرأة رفع بها صوته وقالها من خلفه وكان له سكتتان سكتة بين التكبير والقرأة وعنها سأله ابوهريرة واختلف في الثانية فروى انها بعد الفاتحة وقيل انها بعد القرأة وقبل الركوع وقيل هي سكتتان غير الاول فتكون ثلاثا والظاهر انما هي اثنتان فقط واما الثالثة فلطيفة جدا لاجل تراد النفس ولم يكن يصل القرأة بالركوع بخلاف السكتة الاولى فانه كان يجعلها بقدر الا ستفتاح والثانية قد قيل

انها لا جل قرأة المأموم فعلى هذا ينبغى تطويلها بقدر قرأة الفاتحة واما الثالثة فللراحة والنفس فقط وهى سكتة لطيفة فمن لم يذكر ها فلقصر ها ومن اعتبر ها جعلها سكتة ثالثة فلا اختلاف بين الروايتين وهذا اظهر ما يقال فى الحديث وقد صح حديث السكتتين من رواية سمرة وابى بن كعب وعمران ابن حصين ذكر ذالك ابو حاتم فى صحيحه وسمرة بن جندب وقد قال تبين بذالك ان احد من روى حديث السكتتين سمرة بن جندب وقد قال حفظت من رسول الله ﷺ سكتين سكتة اذا كبر وسكتة اذا فرغ من قرأه غير المغضوب عليهم ولا الضالين وفى بعض طريق الحديث فاذا فرغ من القرأة سكت وهذا كالمجمل واللفظ الاول مفسر مبين ولهذا قال ابو سلمة بن عبدالرحمن للامام سكتتان فاغتنموا فيهما القرأة بفاتحة الكتاب اذا افتتح الصلاة واذا قال ولا الضآلين .

**ناظرین**:...... اب انصاف کریں کہ کتاب زاد المعاد کی عبارت میں کیا بیان ہوا اور مولوی صاحب ان کی طرف کیا منسوب کر رہے ہیں اس عبارت سے درج ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

۱: رسول اللہ ﷺ ہر آیت پر ٹھہرتے اور وقف کرتے تھے اس طرح جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ترمذی سے سکتات کے بارے میں نقل ہو چکی ہے اور اس کی تصحیح بھی ہو چکی ہے۔

۲: اور آپ سے دو یا تین سکتے بھی منقول ہیں۔

۳: پہلے والے سکتے کے بارے میں کئی علماء کا کہنا ہے کہ یہ مقتدی کے الحمد پڑھنے کے لیے ہے۔

۴: ابن قیم کہتے ہیں کہ اس بناء پر اس سکتہ کو قدر لمبا کرنا چاہیے۔

۵: بلکہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن تابعی سے نقل کرتے ہیں کہ امام کے دو سکتوں میں موقع پا کر ان میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔

**الغرض**:...... حافظ ابن قیم بھی اپنے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرح سکتات میں فاتحہ پڑھنے کا مخالف نہیں ہے بلکہ قائل ہے اس طرح علامہ عبدالحئی لکھنوی حنفی جن کی کتاب غیث الغمام کے حوالے سے ابن قیم کی عبارت نقل کی ہے وہ خود سکتات میں قرأت کا قائل تھا چنانچہ امام الکلام صفحہ ۲۱۵ (طبع جدید) میں لکھتے ہیں کہ " فاذا اظهر حق الظهور ان اقوى المسالك التى سلك عليها اصحابنا هو مسلك استحسان القرأة فى السرية كما هو رواية من محمد بن حسن واختار ها جمع من فقهاء الزمن وهو وان كان ضعيفا رواية لكنه قوى دراية ومن المعلوم

المصرح فی غنیة المستملی شرح منیة المصلی وغیره الاانه لا یعدل عن الروایة اذا وافقتها درایة وارجوا رجاء موثقا ان محمدالما جوز القراء ة فی السریة واستحسنها لا بد عن یجوز القراء ة فی الجهریة فی السکتات عند وجد انها لعد م الفرق بینه بین هٰذا هو مذهب جماعة من المحدثین جزا هم الله یوم الدین .

سبل السلام کی عبارت نقل کی ہے۔

**جواب:** ...... اوّل جب احادیث سے سکتات میں پڑھنے کا ثبوت ذکر کیا گیا تو پھر باقی ایسی عبارتیں نقل کرنے کا مولوی صاحب کو کیا فائدہ پہنچے گا؟

**ثانیاً:** ...... دونوں اقوال میں تطبیق بھی ممکن ہے۔ یعنی مقتدی کو جب سکتات میں پڑھنے کا موقع ملے تو ضرور پڑھے ورنہ ہر حال میں پڑھے اور یہی سبل السلام کے مصنف کی اوپر والی عبارت سے مراد ہے۔ کیونکہ وہ اس کے بعد عبادہ بن صامت والی روایت نقل کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھیں اور آخر میں مکحول کا قول نقل کرتے ہیں کہ سکتات میں پڑھے۔

”فان لم یسکت اقرأ بها قبله معه وبعده لا تتر کها علی حال .“

(سبل السلام صفحہ : ١٧١ ج ١)

”جب امام سکتہ نہ کرے تو امام سے قبل یا بعد یا اس کے ساتھ ہر حالت میں پڑھے اور فاتحہ کسی بھی صورت میں نہ چھوڑے۔“

ثابت ہوا کہ یہ صاحب سکتات میں پڑھنے کا انکار نہیں کرتا بلکہ اس کے کہنے کا مطلب ہے کہ سکتات میں امر ہے اس طرح نہیں سمجھنا چاہیے کہ اگر امام سکتات نہ کرے تو مقتدی فاتحہ نہ پڑھے بلکہ اگر سکتات کا موقع نہیں ملتا تو بھی اس کو ہر حال میں فاتحہ پڑھنی ہے اسی طرح امام شوکانی بھی نیل الاوطار صفحہ ۲۲۴ ج ۲ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر میں لکھتے ہیں۔

## امام محمد بن اسماعیل الیمانی صاحب سبل السلام سے سکتات اور فاتحہ خلف الامام کا ثبوت

**ثالثاً:** ...... سبل السلام کے مصنف الامیر محمد بن اسماعیل الیمانی کی پوری عبارت مولوی صاحب کے لیے سخت مضر ہے، مولوی صاحب نے صرف مختصر ٹکڑا نقل کیا ہے، ورنہ انہوں نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے پر بہت زور دیا ہے۔ بعینہٖ وہی صفحہ دیکھنا چاہیے۔ موصوف کی عبارت سے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) ...... فاتحہ کی ممانعت کے لیے کوئی معتبر یا صحیح دلیل نہیں اور پڑھنے والوں کے لیے دلائل قوی اور مضبوط ہیں۔

(۲)...... خاص طور پر عبادہ بن الصامت کی روایت جس کا آگے ذکر آئے گا: وہ سب پر حجت ہے، وہ مقتدی کو واضح طور پر ہر رکعت میں خاص الحمد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ پھر خواہ وہ جو بھی نماز ہو جہری یا سری۔

(۳)...... آیت ﴿واذا قرئ القرآن﴾ اور دیگر جو بھی روایات حنفی پیش کرتے ہیں ان میں سے کسی میں بھی فاتحہ کا ذکر نہیں ہے اور عبادہ بن الصامت والی حدیث میں خاص فاتحہ کا حکم ہے۔ لہٰذا اس کا حکم احناف کے دلائل سے عام حکم کو خاص کہا جائے گا۔

(۴)...... اگر مقتدی کو امام کے سکتات میں فاتحہ پڑھنے کا موقع نہ ملے تو بھی اس کو ہر حال میں پڑھنی ہے۔

(۵)...... حتی کہ امام کی قرأت بھی سن رہا ہو تب بھی اس کو فاتحہ ضرور پڑھنی ہے۔

(۶)...... جن روایات میں "فما زاد، یا فصاعدا" کا ذکر آیا ہے یعنی فاتحہ سے زیادہ پڑھنا جیسا کہ ایسی بحث مولوی صاحب نے بھی چھیڑی ہے اس پر کلام اپنی جگہ پر آئے گا۔ بقول صاحب سبل السلام یہ حکم منفرد اور اکیلے کے لیے ہے۔ کیونکہ مقتدی کو تو حکم ہے کہ اِلَّا بفاتحه الکتاب" لہٰذا دونوں دلیلوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہوگی۔ خلاصہ کلام کہ سکتات کے مسئلے کے متعلق جو مولوی صاحب نے بہت زور لگایا وہ ایک ہوائی قلعہ تھا جو منہدم ہو گیا جو کچھ خود کلام نقل کیا ہے اس سے ہی ان کا کام تمام ہو گیا۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

فائدہ کے تحت ابن ہمام کی عبارت نقل کی ہے۔

## "اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ" کی ابن ہمام کی تفسیر کیا صحیح ہے؟

**جواب:**...... یہ تفسیر آیت کے مضمون کے خلاف ہے کیونکہ "اِذا قرئ القرآن فاستمعوا لَهُ وانصتوا" میں استماع کا حکم ہے۔ اس کی تعمیل تب ہوگی جب امام قرأت جہری کرے ورنہ یہ حکم متعذر العمل رہے گا اور اذا ظرفی ہے، لہٰذا یہ حکم امام کے پڑھنے کے وقت ہوگا نہ کہ خاموش ہونے کے وقت۔ آپ کا حنفی بھائی لکھنوی غیث الغمام صفحہ ۱۴۸ طبع جدید میں لکھتے ہیں کہ لا يقال الامر بالانصات مطلق لا اختصاص له بحال القرأة لانا نقول الانصات ليس هو السكوت مطلقا بل السكوت للاستماع وعلى تقدير ان يكون عبارة عن السكوت مطلقا لا شبهة في انه معلل بما يلزم الاستماع فلا دلالة للاية على وجوب السكوت حال سكتة الامام۔ خود لکھنوی امام الکلام صفحہ ۱۴۴ طبع جدید تا صفحہ ۱۴۷ میں ابن ہمام کی یہ عبارت نقل کر کے زور شور سے رد

کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: وفیہ نظر وھو ان الامر باستماع القراٰن والسکوت لیس امرا تعبد یا غیر معلل کما ھو ظاھر بل ھو حکم معلل باجماع القیاسین والعللین کوجوب السکوت عند الخطبة والقراہ خارج الصلوٰۃ نحو ذالك ولا تظهر له علته ولو بعد التأمل الا کون القراٰن منزلا لتدبرو التامل وهو لا يحصل بدون الاستماع والانصات ومن المعلوم ان هذا خاص بالجهرية التى يقرأ فيها الامام جهرا فيلزم على المقتدين التدبر فيجب عليهم الانصات واما فى السرية فالامام لا يقرأ الّا سرا بحيث لا يقرع صماخ المقتدين فلا يمكن ان يحصل التد بر لهم فيها وان كانوا منصتين فلا يظهر لوجوب السكوت عليهم فيها وجه معتد به۔ والقول بان وجوب السكوت فى السرية امر تعبدى غير معقول مطالب بالدليل المعقول على ان كثير من اصحابنا وغيرهم اخذوا بعموم الاٰية المذكورة وعدم اختصاصها بالموارد المأثورة حتى فرعوا عليه كون سماع القرآن مطلقا ولو خارج الصلوٰة فرض عين وكفاية فلو كان المأمور به فيها امرين الاستماع والسكوت الاول فى الجهر والثانى فى السر لزم ان يقال بوجوب سكوت من يقرأ عنده خارج الصلاة سرا كفاية او عينا وهو خلاف الاجماع بلا نزاع .

**صفحہ ۲۶**:...... دوسری مثال میں ابوداؤد کی حدیث نقل کی ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے وقت دور والا خاموش رہے۔

**جواب**:...... **اولاً**: یہ روایت صحیح نہیں ہے اور ابوداؤد میں سند اس طرح ہے: ”حدثنی عطاء الخراسانی عن مولی امراته ام عثمان قال سمعت علیا الخ“ اس سند میں دو علتیں ہیں۔ ایک تو عطاء الخراسانی مدلس ہے (کما فی التقریب صفحہ ۲۲۹) ”طبع لاہور“ اور یہ روایت ”عن“ سے نقل کی ہے۔ اس وجہ سے حجت نہ رہی دوسرا اس کا استاد مجہول ہے۔ اسی وجہ سے (امام منذری مختصر سنن ابی داؤد صفحہ ۵ ج ۲) میں اس روایت کو لاکر لکھتے ہیں کہ ”فیه رجل مجهول“ لہٰذا یہ روایت ضعیف کہی جائے گی۔

**ثانیاً**:...... یہاں پر آپ نے نماز کو خطبہ پر قیاس کیا ہے حالانکہ دونوں کے حکم جدا جدا ہیں۔ لہٰذا قیاس مع الفارق کہا جائے گا۔ اس قسم کا قیاس آپ کے فقہاء کے ہاں بھی باطل ہے۔

**ثالثاً**:...... حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ ”فانصت ولم یلغ“ یعنی لغو کلام سے خاموش رہنا ہے نہ کہ قرأت سے۔

**رابعاً**:......خود آپ اس کا معنی اس طرح لکھتے ہیں کہ ”جب قرآن پڑھا جائے تو اس طرف کان لگاؤ اور

خاموش رہو۔'' (تحفۃ الحدیث ص ۲۴) یہ ترجمہ خود بتاتا ہے کہ خاموش رہنے کا حکم پڑھتے وقت ہے نہ کہ خاموشی کے وقت یا سکتات کی حالت میں۔ نیز کان لگا کر سننا اس وقت ممکن ہے جب قرأت جہری ہو نہ کہ سری یا آہستہ پڑھنے کی حالت میں۔

**خامساً**: ...... خود امام نووی سے یہ معنی نقل کرتا ہے استماع کا معنی "الاصغاء صوته من" ہوگا جب قرأت جہری ہو اسی وجہ سے لکھنوی صاحب نے ابن ہمام کو رد کیا ہے جس طرح کہ اوپر گزرا۔

**صفحہ ۲۷** ...... دوسرے باب میں احادیث کا سلسلہ شروع کرتا ہے پہلے ابوموسیٰ کی حدیث لاتا ہے جس میں یہ الفاظ نقل کرتا ہے "واذا قرأ فانصتوا."

## صحیح مسلم کی حدیث کا جواب

**جواب**: ...... اس کے لیے حوالہ صحیح مسلم کا دیا ہے۔ لیکن صحیح مسلم میں اس طرح حدیث ذکر نہیں ہوئی، جس طرح مولوی صاحب نے ذکر کی ہے بلکہ ہم امام مسلم کی پوری عبارت نقل کر کے ظاہر کرتے ہیں کہ امام مسلم کس طرح نقل کرتا ہے اور مولوی عبدالخالق کس طرح دھوکا کرتے ہیں۔ حدثنا سعید بن منصور وقتیبة بن سعید وابو کامل الجحدری ومحمد بن عبدالملك الاموی واللفظ لابی کامل قالوا نا ابو عوانه عن قتادة عن یونس بن جبیر عن حطان بن عبدالله الرقاشی قال صلیت مع ابی موسیٰ الاشعری صلوٰة فلما کان عند القعدة قال رجل من القوم أُقِرَّت الصلواة بالبر والزکواة قال فلما قضی ابو موسیٰ الصلوٰة وسلم انصرف فقال ایکم قائل کلمة کذا وکذا قال فارم القوم ثم قال ایکم قائل کلمة کذا وکذا فارم القوم فقال العلك یا حطان قلتها قال ما قلتها ولقد هبت ان تبکعنی بها فقال رجل من القوم انا قلتها ولم اردبها الاالخیر فقال ابو موسیٰ اما تعلمون کیف تقولون فی صلواتکم ان رسول الله ﷺ خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلواتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤ مکم احد کم فاذا کبر فکبروا واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین فقولوا آمین یجبکم الله فاذا کبر ورکع فکبروا وارکعوا فان الامام یرکع قبلکم ویرفع قبلکم فقال رسول الله ﷺ فتلك بتلك واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد یسمع الله لکم فان الله تعالیٰ قال علی لسان نبیه ﷺ سمع الله لمن حمده واذا کبر و سجد فکبروا واسجدوا فان الامام

يسجد قبلكم ويرفع قبلكم فقال رسول الله ﷺ فتلك بتلك واذا كان عند القعدة فليكن من اول قول احدكم التحيات الطيبات الصلوٰت لله السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله وحدثنا ابو بكر ابن ابى شيبة قال ثنا ابو اسامة قال ناسعيد بن عروبة ح وحدثنا ابو غسان المسمعى قال نا معاذ بن هشام قال نا ابى ح وحدثنا اسحاق بن ابراهيم قال انا جرير عن سليمان التيمى كل هٰؤلآءِ عن قتادة فى هذا الاسناد بمثله وفى حديث جرير عن سليمان عن قتادة من الزيادة واذا قرأ فانصتوا.

اب ناظرین! انصاف کر کہ نیچے دیے ہوئے سوالات پر غور کریں۔

(۱)......جس انداز سے مولوی صاحب نے مسلم سے حدیث کے الفاظ ذکر کیے ہیں اس طرح صحیح مسلم میں ہیں؟

(۲)......سب اسناد سے مسلم نے کسی ایک کے متن میں یہ الفاظ یعنی "اذا قرأ فانصتوا" ذکر کیے ہیں؟

(۳)...... اذا قرأ فانصتوا کو مستقل حدیث بنا کر پیش کیا ہے؟

امید ہے کہ تینوں سوالوں کے جواب میں اہل انصاف اس طرح کہیں گے، ہرگز نہیں حاشاوکلا۔ دراصل امام مسلم یہ جملہ معلقاً لائے ہیں، پہلی سند والی حدیث جملہ عبدہ ورسولہ پر ختم ہوتی ہے اور سند اس طرح ختم کرتے ہیں، قال انا جرير عن سليمان التيمى كل هٰؤلاء عن قتادة فى هذا الاسناد بمثله . یعنی اس حدیث کے الفاظ بعینہٖ وہی ہیں وہ پہلی حدیث میں ہیں جب کہ پہلی حدیث میں یہ جملہ اذا قرأ فانصتوا نہیں ہے۔ تو یقیناً سمجھنا چاہیے کہ اس میں بھی نہیں ہے۔ بلکہ امام مسلم ان دونوں احادیث کو مکمل کرنے کے بعد اس زیادتی کو تعلیقاً ذکر کرتے ہیں اور مکمل سند ذکر نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح مسلم کی شروط پر نہ ہوگی اور نہ اس کو صحیح مسلم کی مسند کی احادیث میں سے شمار کیا جائے گا۔ ایسی وضاحت علم حدیث کے ماہر پہلے ہی کر چکے ہیں۔ امام دارقطنی نے مسلم کی کچھ احادیث پر اعتراض کیے ہیں جن کے جواب میں ان کے ہم عصر ابومسعود الدمشقی نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا قلمی نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ صفحہ ۳ پر اس حدیث کے متعلق امام دارقطنی کا اعتراض نقل کر کے جواب میں صاف بتاتے ہیں کہ امام مسلم نے یہ زیادتی رواۃ کے اختلاف کو بیان کرنے کے لیے ذکر کی ہے نہ کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے، چنانچہ عبارت اس طرح سے ہے کہ الحديث الثانى: قال ابو الحسن [illegible] اسحاق عن جرير عن

التیمی عن قتادة عن ابی غلاب عن حطان عن ابی موسیٰ فی الصلوٰہ والتشھد وفیہ واذا قرأ فانصتوا قال الصواب عن قتادة بروایة ھشام وابو عوانة وسعد وغیرھما لیس فیہ واذا قرأ فانصتوا وقد رواہ معمر والثوری عن التیمی مثل حدیث جریر وری عن عمر بن عامر وسعید قال ابو مسعود وانما اراد مسلم باخراج حدیث التیمی لیبین الخلاف فی الحدیث علی قتادة لا انہ یثبت ولا ینقطع بقولہ عن الجماعة الذین خالفوا التیمی عدم حدیثھم ثم اتبعہ بھذا. نیز امام نووی شرح مسلم صفحہ ۱۷۵ ج۱ میں اس جملے کے لیے لکھتے ہیں کہ "لم یروھا مسندة فی صحیحہ." انتھیٰ۔ پھر جب کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث مسند نہیں تو پھر اس کو صحیح مسلم کی حدیث کہہ کر فخر کرنا مولوی عبدالخالق صاحب جیسے مجتہدین کا وتیرہ اور شان ہے۔

**ثانیاً:**...... یہ زیادتی خود متکلم فیھا ہے۔ جس طرح کہ آگے چل کر آئے گا۔

**صفحہ ۲۸:**...... کتب کے حوالے پیش کیے ہیں۔

**جواب:**...... ان میں سے کئی ایسی کتب ہیں جو اصل روایت کرنے والی نہیں ہیں بلکہ دوسری کتب کے حوالے سے ذکر کی ہیں مثلاً مشکوٰۃ، ابن کثیر شرح بلوغ المرام اور فتح الباری وغیرہ۔ ان کے مصنفین اپنی سند نہیں لاتے بلکہ دیگر اسناد والی کتب کا حوالہ دیتے ہیں ان میں بھی امام بیہقی اس روایت کو غیر ثابت اور معلول کہتے ہیں۔ ان کی کتاب القراۃ صفحہ ۸۷ تا ۹۰ دیکھنی چاہیے اور امام ابو داوٗد بھی اس کو غیر ثابت کہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے بھی ابو داوٗد کا حوالہ دیا لیکن اس زیادتی کے متعلق جو انہوں نے کلام کیا ہے، اس سے چشم پوشی کر گئے۔ حالانکہ صفحہ ۱۴۰ پر یہ الفاظ ہیں کہ قال ابو داوٗد قولہ وانصتوا لیس بمحفوظ لم یجیٔ بہ الا سلیمان التیمی فی ھٰذا الحدیث. (ابو داوٗد فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ "وانصتوا" محفوظ نہیں ہیں۔ کیونکہ سلیمان التیمی کے علاوہ کسی نے بھی اس کو بیان نہیں کیا) اور امام بیہقی السنن الکبری صفحہ ۱۵۶ ج۲ میں فرماتے ہیں کہ اخبر ابو علی الزوز باری انبأ ابو بکر ابن داسہ قال قال ابو داوٗد السجستانی قولہ وانصتوا لیس بمحفوظ ولیس بشیٔ انتھی (ہمیں خبر دی ابو علی الزوز باری نے خبر دی ابو بکر داسہ نے کہتے ہیں کہ فرمایا ابو داوٗد سجستانی نے یہ قول "انصتوا" نہ تو محفوظ ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت ہے) باقی خالی حوالہ جات ذکر کرنا صرف زبانی جمع خرچ ہوگا۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ شرح بلوغ المرام (سبل السلام صفحہ ۱۷۱ ج۱) میں اس طرح عبارت ہے کہ وکذلک قولہ تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا. "حدیث اذا قرأ فانصتوا" فان ھذہ

عـمومات فی الفاتحة وغیرھا وحدیث عبادۃ خاص بالفاتحه فیختص به العامة اُھـ ترجمہ(اوراللہ کا فرمان ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ اورحدیث اذا قرأ فانصتوا یہ فاتحہ میں عمومی ہیں اور حدیث عبادہ بن الصامت خاص ہے۔ فاتحہ کے متعلق پس عام کو اس سے خاص کر دیا جائے گا اور فتح الباری صفحہ ۲۴۲ ج ۲ مطبع سلفیہ میں اس حدیث کے متعلق عبارت ہے۔ ولا دلالة فیـــه لامکان الجمع بین الامرین .........فینصت فیما عدا الفاتحه او ینصت اذا قرأ الامام ویـقرأ اذا سکت وعلی ھذا فیتعین علی الامام السکوت فی الجھریة لیقرأ المأموم لـئلا یوقعه فی ارتکاب النھی حیث لا ینصت اذا قرأ الامام اُھـ ان عبارتوں پر اگر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے ماعدا الفاتحہ منع ہے، نہ فاتحہ کی ممانعت ہے کیونکہ اس کے لیے خاص حدیث وارد ہے۔ نیز امام کے ساتھ پڑھنے کی ممانعت ہے نہ کہ سکتات میں۔ اسی طرح امام ابو داؤد جس کا نام مولوی صاحب نے لیا ہے وہ خود جہری وسری نماز میں فاتحہ خلف الامام کا قائل تھا جس طرح امام ابونعیم الاصبہانی نے تاریخ اصبہان صفحہ ۱۵۱ ج ۲ میں غسان بن زید کے ترجمے میں ان سے نقل کیا ہے کہ ”سـألـت ابـا داؤد عـن القرأۃ خلف الامام فقال تقرأ جھر الامـام اولـم یجھر“ (یعنی میں نے ابوداؤد سے قرأت خلف الامام کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ امام جہری خواہ سری قرأت کرے تو ضرور قرأت کر۔)

**اعتـــراض**: ......اپنی صفائی پیش کرتا ہے کہ حضرات اہل حدیث کا الزام کس قدر بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ حنفی حدیث پر نہیں چلتے بلکہ ابوحنیفہ کے قول پر چلتے ہیں۔“

**جـــواب**: ......آپ ہی کے کلام سے ظاہر ہوا ہے کہ صحیح احادیث کی پر”واہ“ نہیں کرتے اور ضعیف اور غیر ثابت کو اپنے مذہب کی خاطر زبردستی کر ثابت کرتے ہو۔

**صفحہ ۲۹**: ......امام مسلم سے تصحیح ذکر کرتے ہیں۔

**جواب**: ......لیکن کئی اس کے خلاف ہیں لکھنوی صاحب امام الکلام صفحہ ۱۵۵ میں لکھتے ہیں کہ ”واختـلفوا فـی ضـعفه وقوته“ (یعنی اس کے ضعیف اور قوی ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے) امام نووی شرح مسلم صفحہ ۱۷۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ واعـلـم ان ھـذہ الـزیـادۃ وھی قوله واذا قرأ فانصتوا مما اختـلف الـحـفـاظ فـی صـحـتـه فـروی البیھـقـی فی السنن الکبری عن ابی داؤد السـجستانی ان ھذہ اللفظة لیست بمحفوظة وکذالك رواہ عن یحیٰی بن معین وابی حـاتـم الرازی والدارقطنی والحافظ ابی علی النیسابوری شیخ الحاکم ابی عبداللہ

قال البیهقی قال ابو علی الحافظ هٰذه اللفظة غیر محفوظة قد خلف سلیمان التیمی فیها جمیع اصحاب قتادة واجتماع هؤلاء الحفاظ علی تضعیفها مقدم علی تصحیح مسلم لها لا سیما ولم یروها مسندة فی صحیحه والله اعلم۔ یعنی یہ ائمہ کبار جن میں امام مسلم کا استاذ امام الجرح والتعدیل یحیٰی بن معین بھی ہے یہ سب اس زیادتی (اذا قرأ فانصتوا) کو خطأ اور غیر محفوظ کہنے پر متفق ہیں اور ان کا اتفاق امام مسلم کی تصحیح سے زیادہ وزنی اور اس پر راجح ہے۔ نیز امام محمد بن یحیٰی ذہلی اور امام ابن خزیمہ بھی اس زیادتی کو غیر محفوظ اور شاذ کہتے ہیں۔ جس طرح کہ کتاب القرأۃ للبیہقی صفحہ ۹۱ پر ہے: قال ابن خزیمة قال محمد بن یحییٰ الذهلی خبر اللیث اصح متنا من روایة ابی خالد یعنی عن ابن عجلان لیس فی هذه القصة عن النبی ﷺ واذا قرأ فانصتوا بمحفوظ لان الاخبار متواترة عن ابی هریرة بالا سانید الصحیحة الثابتة المتصلة بهٰذا القصة لیس فی شی منها واذا قرأ فانصتوا الاخبر ابی خالد ومن لا یعتد اهل الحدیث بروایته ثم رواها ابن خزیمة من حدیث محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی هریره ومن حدیث الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة ومن حدیث سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هر یرة ومن حدیث سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة ومن حدیث ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة ومن حدیث همام بن منبه وابی علقمة الهاشمی وابی یونس مولٰی ابی هریرة کلهم عن ابی هریرة لیس فی شی من هٰذه الروایات واذا قرأ فا نصتوا.

**ثانیا**: ......سند میں دوسرا راوی قتادہ مدلس ہے جس طرح کہ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین اور تقریب التهذیب میں بیان کیا ہے۔ نیز علامہ ابن الترکمانی الحنفی نے الجوہر النقی صفحہ ۲۰۹ ج ۲ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس طرح امام بخاری نے جزء القرأۃ میں اس زیادتی کو غیر محفوظ ثابت کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ امام مسلم کے علاوہ اس زیادتی کو صحیح سمجھنے والے یہ حضرات ہیں۔

**جواب**: ......جن کے نام لیے ہیں ان میں پہلے امام نسائی ہے حالانکہ ان کی سنن میں کوئی بھی ایسی تصریح نہیں بلکہ یہ جھوٹی نسبت ہے۔ دراصل مولوی صاحب نے احسن الکلام والے سے نقل کیا ہے اور اس کے مصنف نے فتح الملہم سے نقل کیا ہے اور فتح الملہم صفحہ ۲۲ ج ۲ میں بھی تصریح نقل نہیں کی ہوئی۔ بلکہ یہ لفظ ہیں کہ "ثم النسائی من حیث اخرجه ایاه فی مجتباه" اور ہر ایک سمجھدار جانتا ہے کہ یہ لازمی نہیں ہے کہ امام نسائی جو روایت اپنی سنن مجتبیٰ میں لاتے ہیں وہ صحیح بھی ہو بلکہ خود کئی روایات سنن میں لا کر

اس کو خود ضعیف کہتے ہیں۔ مثلاً باب رکعتی الفجر میں دو حدیثیں لاتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ قال ابو عبدالرحمن کلا الحدیثین عند ناخطأ (یعنی یہ دونوں احادیث ہمارے نزدیک خطا ہیں) نیز اس باب کے آخر کے قریب ابن عباس سے روایت لاکر فرماتے ہیں کہ قال ابوعبدالرحمٰن ھذا حدیث منکر (یعنی ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے)۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر کا ذکر کرتے ہیں۔ حافظ صاحب اگرچہ تصریح کرتے ہیں لیکن آپ کے استدلال کو صحیح نہیں کہا۔ چنانچہ فتح الباری صفحہ ۲۴۲ ج ۲ مطبع سلفیہ میں فرماتے ہیں کہ "ولا دلالة فیه لإمکان الجمع بین الامرین فینصت فیما عدا الفاتحة او ینصت اذا قرأ الامام ویقرأ اذا سکت" اور تیسرے نمبر پر حافظ ابن کثیر کو ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے تفسیر میں قطعاً روایت کو صحیح نہیں کہا۔ ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے بلکہ انہوں نے صرف صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کی ہے چوتھے نمبر پر ابن جریر کو نقل کیا ہے۔ لیکن ان کی تصحیح آئمہ جرح وتعدیل مثلاً امام یحیٰی بن معین اور امام ابوداؤد کی جرح وتضعیف کے مقابلے میں کونسا وزن رکھتی ہے۔ اس کے بعد امام ابن حزم بھی اس روایت سے آپ کے استدلال کو غلط ثابت کرتا ہے، چنانچہ المحلی صفحہ ۲۴۰ ج ۳ میں ہے کہ "ھذا خبر اول من تنبغی ان یستغفر الله تعالیٰ عنه ذکر ہ من مخالفة ھذا الحدیث الحنفیون والمالکیون لا نھم مخالفون لا کثر ما فیه فانھم یرون التکبیر اثر تکبیر الامام لا معه للاحرام خاصة ثم یرون سائر التکبیر والرفع والخفض مع الامام لا قبله ولا بعد وھٰذا خلاف امر رسول الله ﷺ فی ھٰذا الحدیث و فیه اذا صلی قاعدا فصلوا قعودا فخالفوه الی خبر کا ذب لا یصح والیٰ ظن غیر موجود فمن العجب ان یحتجوا بقضیة واحدة من قضا یاہ لا حجة لھم فیھا ویتر کون سائر قضایاہ التی لا یحل خلافھا۔ قالٌ علی واما نحن فانه عندناصحیح وبه کله نا خذ لان تالیف کلام رسول الله ﷺ وضم بعضه الی بعض والا خذ بجمیعه فرض لا یحل سواہ وقد قال علیه السلام " اذا قرأ الامام فانصتوا" ولا صلاة لمن لم یقرأ بام القرآن " فلا بد فی جمیع ھذہ الاوامر من احد وجھین لا ثالث لھما۔ اما ان یکون وجه ذالك ان یقول اذا قرأفانصتوا الا عن ام القرآن کما قلنا نحن واما ان یکون وجه ذالك ان یقول لاصلاة لمن لم یقرأ بام القرآن الا ان قرأ الا مام کما یقول بعض القائلین واما ان یکون وجه ذالك ان یقول لا صلاة لمن لم یقرأ بام القرآن الا ان یجھر الا مام کما یقول آخرون۔ امام صاحب کی کلام سے ظاہر ہوا کہ کئی وجوہات کی بناء پر اس

روایت سے آپ کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد امام اسحاق بن راھویہ سے نقل کرتے ہیں حالانکہ یہ نقل بھی غلط ہے۔ کیونکہ الجوہر النقی ص ۱۵۷ ج ۲ (فی ذیل البیہقی) میں عبارت اس طرح سے ہے ابو خالد ثقه اخرج له الجماعة وقال اسحق بن ابراهيم سألت وكيعا عنه فقال وأبو خالد ممن يسال عنه . یعنی امام اسحاق سے صرف ایک راوی ابو خالد احمد کی تعدیل نقل کرتا ہے اور زیادتی "اذا قرأفانصتوا" کی نقل نہیں کرتا۔ یہ نقل کرنے والے کی دیدہ دلیری ہے اسی طرح امام ابن تیمیہ بھی اپنے" فتاویٰ صفحہ ۱۷۰ ج ۲" اپنی طرف سے اس زیادتی کی تصحیح نہیں کرتے۔ بلکہ امام مسلم کا حوالہ دیتے ہیں اور ان کا کلام نقل کرتے ہیں اور اسی طرح ان کا اپنا مسلک اس کے متعلق یوں ہے۔ چنانچہ القواعد النورانیۃ میں فرماتے ہیں ومنهم من يأمربالقرأة فى صلاة السر وفى حال سكتات الامام فى صلاة الجهرية وللبعيد الذى لا يسمع الامام واما القريب الذى يسمع قرأة الامام فيامرونه بالانصات لقرأة امامه اقامة للاستماع مقام التلاوة۔ وهذا قول الجمهور كمالك و احمد وغيرهم من فقهاء الامصار وفقهاء الاثار وعليه يدل عمل اكثر الصحابة وتتفق عليه اكثر الاحاديث . پھر اگر یہ حدیث "مطلق قرأت خلف الامام" سے منع کرتی ہے کما زعمتم تو امام ابن تیمیہ یہ مسلک پیش نہیں کرتا۔ اسی طرح مغنی لابن قدامہ صفحہ ۶۰۱ ج ۱ میں یہ روایت مسلم کے حوالہ سے لائے ہیں۔ لیکن اسکو صحیح نہیں کہا۔ تصحیح کی ان کی طرف نسبت غلط ہے اور خود یہ مسلک بیان کرتے ہیں۔ الاستحباب ان يقرأ فى سكتات الامام وفيما لا يجهر فيه هٰذا قول اكثر اهل العلم۔ (یعنی مستحب ہے کہ قرأت کرے امام کے سکتات میں اور اس نماز میں بھی جس میں جہری قرات نہیں یہی اکثر علماء کا قول ہے) اس کے بعد امام ابن خزیمہ کا نام لیتا ہے، لیکن یہ نسبت بھی غلط ہے۔ بلکہ امام موصوف نے تو اس زیادتی کو غیر محفوظ کہا ہے۔ جس طرح کہ ابھی جزء القرأۃ للبیہقی کے حوالے سے عبارت گذری ہے۔ بالفرض جس کی طرف اس کی تصحیح کی نسبت کی گئی ہے۔ اکثر سے غلط ثابت ہوئی اور بعض اس کی تصحیح کرنے والے اس استدلال کو قبول نہیں کرتے

کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہوا
نامرادی میں ہوا ہے تیر آنا جانا

لکھتے ہیں کہ "سلیمان التیمی کے بارے میں اہل حدیث کہتے ہیں کہ وہ مدلس ہے لیکن اس نے ابوداؤد کی سند میں کہا ہے کہ "حدثنا"

**جواب**: ...... پتہ نہیں کہ مولوی صاحب یہ عبارت لکھتے وقت کس خیال میں تھے؟ درحقیقت اہل حدیث اس

کو مدلس کہتے ہیں۔ جس نے کسی بھی سند میں سماع کی تصریح نہیں کی۔ جو سلیمان التیمی کا استاد ہے اور اس کا مدلس ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں لہٰذا اعتراض اپنی جگہ قائم ہے۔ جب تک تصریح نہ کرے حدثنا وغیرہ جیسے الفاظ سے تب تک اس کی روایت قابل قبول نہیں۔

**صفحہ ۲۰:**...... لکھتے ہیں کہ "سلیمان التیمی ثقہ ہے۔"

**جواب:**...... اس میں بحث نہیں ہے کہ وہ ثقہ ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ جماعت ثقات کی مخالفت کرتا ہے، لہٰذا ان کی یہ زیادتی شاذ ہے۔ اور شاذ روایت غیر معتبر ہوگی اور اس کے مقابل روایت محفوظ کہی جاتی ہے اگر ضعیف ہوتی تو یہ روایت منکر کہلاتی۔ "کما تقرر فی الاصول" مولوی صاحب کو تصنیف علم حدیث میں فیصلہ دیتے وقت اصول حدیث کے قواعد کا خیال رکھنا چاہیے۔

لکھتے ہیں کہ "ثقہ راوی کی زیادتی بالاتفاق قبول ہے۔"

**جواب:**...... امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۹۴ تا ۹۵ میں لکھتے ہیں کہ وذكر محمد بن اسحاق بن خزيمة رحمه الله فصلا فى زيادة من زاد فى هذه الاخبار " واذا قرأ فانصتوا " قال لسنا ندفع ان تكون الزيادة من الاخبار مقبولة من الحفاظ ولكن انما نقول اذا تكأفات الرواة فى الحفظ والاتقان والمعرفة بالاخبار فزاد حافظ متقن عالم بالاخبار كلمة قبلت زيادته۔ لان الاخبار اذا تواترت بنقل اهل العدالة والحفظ والاتقان بخبر فزاد راو ليس مثلهم فى الحفظ والاتقان زيادة ان تلك الزيادة تكون مقبولة اور اس طرح حافظ ابن حجر النکت قلمی صفحہ ۵۵۔۲۵۴ میں امام ابن خزیمہ، امام ترمذی اور حافظ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ فحاصل كلام هؤلاءِ الائمة ان الزيادة انما يقبل من يكون حافظا متقنا حيث يستوى مع من زاد عليهم فى ذالك فان كانوا اكثر عددامنه اوكان فيهم من هو احفظ منه او كان غير حافظ ولو كان فى الاصل صدوقا فان زيادته لا تقبل وهذا مغائز لقول من قال زيادة الثقة مقبولة واطلق والله اعلم۔ واحتج من قبل الزيادة من الثقة مطلقا بان الراوى اذا كان ثقة وانفرد بالحديث من اصله كان مقبولا فكذالك انفراده بالزيادة وهواحتجاج مردود لانه ليس كل حديث تفرد به اى ثقة كان يكون مقبولا كما سبق بيانه فى نوع الشاذ.

تیسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ سلیمان التیمی مسلم کا راوی ہے اور صحیحین میں جو تدلیس ہے وہ دوسری طرف سے سماع پر محمول ہے۔"

**جواب**:...... اوّلاً۔ یہ بحث خارج عن النزاع ہے کیونکہ ہمارا اعتراض سلیمان التیمی کی تدلیس پر نہیں ہے بلکہ قتادہ کی تدلیس پر ہے۔ جس نے کسی بھی سند میں سماع کی تصریح نہیں کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ جزء القرأۃ صفحہ ۲۹ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ " ولم یذکر سلیمان فی ھذہ الزیادۃ سماعا من قتادۃ ولا قتادۃ من یونس بن جبیر وروی ھشام وسعید وھمام وابو عوانۃ وابان بن یزید وعبیدۃ عن قتادۃ ولم یذکروا" اذا قرأ فانصتوا ." اس عبارت میں امام بخاری نے تین اہم باتیں بیان کی ہیں پہلی سلیمان کا قتادہ سے سماع ثابت نہیں۔ اس تصریح سے ظاہر ہوا کہ جس سند ابو داؤد کا مولوی صاحب نے حوالہ دیا ہے کہ اس نے حدثنا وغیرہ الفاظ کہے ہیں یہ روایت تسلی بخش نہیں ہے۔ لہٰذا خود ابو داؤد صفحہ ۱۴۰ میں یہ روایت لاکر پھر فرماتے ہیں کہ "قال ابو داؤد قولہ وانصتوا لیس بمحفوظ لم یجیء بہ الا سلیمان التیمی فی ھذا الحدیث" (یعنی امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ وانصتوا محفوظ نہیں۔ یہ الفاظ سلیمان التیمی کے علاوہ کسی نے بھی بیان نہیں کیے۔)

الغرض کہ سلیمان التیمی کی تدلیس والی علت بتمامہ رفع نہیں ہوتی۔ بلکہ ابھی باقی ہے۔ پھر جب امام بخاری نے خود اس تدلیس کو علت شمار کیا ہے تو پھر مولوی صاحب کا نووی سے نقل کرنا کہ صحیحین والی روایت سماع پر محمول ہے یہ قاعدہ اس روایت میں کارگر نہ ہوگا۔ کیونکہ خود امام بخاری اس کو علت شمار کرتے ہیں۔

**ثانیاً**:...... قتادہ کا سماع یونس بن جبیر ابو غلاب سے ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ قتادہ نے کہیں بھی سماع کا ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا اوپر والا قاعدہ قتادہ کی اسی روایت پر لاگو نہ ہوگا۔ کیونکہ خود امام بخاری کہتے ہیں کہ اس نے سماع کی تصریح نہیں کی اور کہیں پر بھی حدثنا اور سمعت کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

**ثالثاً**:...... عام ثقات یہ زیادتی نقل نہیں کرتے۔ یعنی لہٰذا یہ زیادتی شاذ کہلائے گی۔

الحاصل امام بخاری اس روایت میں دو قسم کی علتیں بیان فرماتے ہیں۔ ایک دو جگہوں پر تدلیس اور دوسرا زیادتی کا شذوذ۔

## اثبات نفی پر مقدم ہے

مولوی صاحب پھر دوبارہ قاعدہ پیش کرتے ہیں کہ "اثبات نفی پر مقدم ہے۔"

**جواب**:...... لیکن یہ کہاں پر ہے کہ تصحیح تضعیف پر مقدم ہے۔ بلکہ آپ احناف کے نزدیک جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ ایضاً، یہ قاعدہ آپ کے لیے مفید نہیں، بلکہ مضر ہے۔ کیونکہ ہم فاتحہ خلف الامام کے اثبات کے قائل ہیں اور آپ نفی کے۔ "لہٰذا بقول شما اثبات نفی" پر مقدم ہوگا۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

**صفحہ ۳۱:**......ابو ہریرہ کی روایت بمع زیادتی "اذا قرأ فانصتوا" نقل کرتے ہیں اور مسلم شریف، نسائی شریف، ابوداؤد، ابن ماجہ اور مشکوٰۃ کا حوالہ دیا ہے۔

## کیا "إذا قرء فانصتوا" والی زیادتی محفوظ ہے؟

**جواب:**......لیکن اس نقل میں عظیم خیانت کی ہوئی ہے۔

**اوّلا:** صحیح مسلم میں قطعاً یہ حدیث مروی نہیں ہے۔ کیونکہ اہل علم کو ایسی جھوٹی نسبت زیب نہیں دیتی۔ امام مسلم سے صرف اسی روایت کے متعلق کلام منقول ہے اور امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں قطعاً روایت نہیں کیا۔

**ثانیاً:**......ابوداؤد اسی روایت کو لاکر زیادتی کو رد کرتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابی داؤد صفحہ ۸۹ ج ۱ میں لاکر فرماتے ہیں کہ "قال ابو داؤد هذه الزيادة واذا قرأ فانصتوا ليست بمحفوظة الوهم عندنا عن ابی خالد. (یعنی امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی "واذا قرأ فانصتوا" محفوظ نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ابو خالد کا وہم ہے) پھر جب ابو داؤد نے اس روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے تو مولوی صاحب کو کیا فائدہ ہوا؟

**ثالثاً:**......صاحب مشکوٰۃ نے صحیح مسلم کی طرف منسوب نہیں کیا، صرف ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ کا حوالہ دیا ہے اگر صحیح مسلم کی روایت ہوتی تو صاحب مشکوٰۃ اس کو باب القرأۃ کی پہلی فصل میں لاتے۔ نہ کہ دوسری فصل میں۔ چنانچہ مقدمہ میں فرماتے ہیں: وقسمت كل باب غالبا على فصول ثلاثة اولها ما اخرجه الشيخان اواحد هما واكتفيت بهما وان اشترك فيه الغير لعلو درجتهما فی الرواية وثانيها ما اورده غيرهما من الائمة المذكورين۔

میں نے ہر باب کو غالبًا تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے پہلی فصل میں وہ روایات لائی گئی ہیں جو کہ بخاری ومسلم دونوں یا پھر کسی ایک نے روایت کی ہو۔ اگر چہ دوسرے بھی اس میں شریک ہوں ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے اور دوسرے باب میں وہ روایات لائے ہیں جن کو ان دونوں کے علاوہ دوسرے مذکور شدہ ائمہ نے روایت کیا ہے۔

جب کہ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت دوسری فصل میں ذکر کی ہے۔ تو پھر مولوی صاحب کو چاہیے تھا کہ

مسلم کی طرف نسبت نہ کرتے۔

**رابعا** :...... امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی کتب میں اس روایت کی کوئی بھی تصحیح نہیں کی۔ بلکہ اس روایت کا مدار ابو خالد الاحمر عن محمد بن عجلان پر ہے۔ دونوں راویوں پر کلام ہے۔ پہلے کے متعلق جن کا نام سلیمان بن عجلان ہے۔ جن کی اگر چہ تعدیل ہوئی ہے، لیکن امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "لیس بحجة" اور امام ابن عدی جس کو مولوی عبدالحی لکھنوی حنفی الرفع والتکمیل صفحہ ۱۲۵ "طبع حلب" میں ان کو ائمہ میں شمار کیا ہے جو کہ جرح وتعدیل میں انصاف والے ہیں ان کا فرمان ہے کہ "له احاديث صالحة وانما اتى من سوء حفظه فيغلط ويخطى وهو فى الاصل كما قال ابن معين صدوق وليس بحجة" اور امام ابوبکر البزار فرماتے ہیں کہ "ليس ممن يلزم زيادة حجة الاتفاق اهل العلم بنقل انه لم يكن حافظا" (التهذيب صفحه: ۸۲۔ ۱۸۱ ج ٤) یہ ان عبارتوں کا خلاصہ ہے۔

**الاوّل**:...... ابو خالد اس قسم کا راوی نہیں ہے جس کو حجت سمجھا جائے یا اس کی روایت سے دلیل لی جائے۔

**الثانی**:...... وہ کسی حدیث میں کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ دلیل نہیں بنے گی لہٰذا یہ حدیث حجت اور قابل قبول نہیں۔

**الثالث**:...... وہ حافظ حدیث نہ تھا بلکہ اس سے خطائیں اور غلطیاں احادیث میں بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ تقریب التہذیب میں ہے کہ "صدوق يخطئ" اور حافظ ذہبی الکاشف صفحہ ۳۹۲ ج ۱ میں فرماتے تھے کہ "قال ابن معين ليس بحجة" اور دوسرا راوی محمد بن عجلان ہے جس کے متعلق تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ "صدوق الا انه اختلط عليه احاديث ابى هريرة" (یعنی وہ سچا ہے مگر یہ کہ اس پر ابوہریرہ کی احادیث مختلط ہو جاتی ہیں) اور میزان صفحہ ۱۰۲ ج ۳ میں حاکم سے منقول ہے کہ "فقد تكلم المتأخرون من ائمتنا فى سوء حفظه وقال يحيىٰ القطان كان مضطربا فى حديث نافع وقال مالك لم يكن ابن عجلان يعرف الاشياء ولم يكن عالما وقال البخارى فى ترجمة ابن عجلان فى الضعفاء ان ابن عجلان كان يحدث عن سعيدعن ابيه عن ابى هريرة وعن رجل عن ابى هريرة فاختلط عليه فجعلها عن ابى هريرة" ثابت ہوا کہ ابن عجلان اگر چہ اس کی توثیق ہو چکی ہے لیکن اس سے خطائیں سرزد ہوئی ہیں اور ابوہریرۃ کی روایت میں مختلط ہے۔ گڑبڑ ضرور کرتا ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری اس کو ضعیف راویوں میں شمار کرتے ہیں اور یہ حدیث بھی ابوہریرہ سے ہے۔ لہٰذا قابل اعتماد نہیں۔ اگر چہ کہتے ہیں کہ وہ مسلم کا راوی ہے۔ اس کا جواب یہ

ہے کہ امام مسلم نے اس کی روایت سے حجت نہیں لی ، بلکہ دیگر روایات پر اعتماد کر کے ان کی روایت کو متابعت اور شواہد کے طور پر ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب صفحہ ۳۴۲ ج ۹ میں فرماتے ہیں:"انما اخرج له مسلم فی المتا بعات ولم يحتج به ."

**الرابع**: ...... ابن عجلان بھی مدلس ہے۔ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین صفحہ ۱۵ پر ذکر کیا ہے اور امام ابن ابی حاتم سے اس کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ "انه كان يدلس " اس طرح علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی صفحہ ۲۲۰ میں محمد بن عجلان کو مدلسین میں شمار کیا ہے اور یہاں پر ابن عجلان اپنے استاد زید بن اسلم سے لفظ "عن" سے روایت کرتے ہیں اور کہیں پر بھی سماع کی تصریح نہیں کرتا یعنی حدثنا وسمعت نہیں کہتا۔ لہٰذا اس حدیث کے غیر ثابت ہونے کے لیے اس قدر کافی ہے۔

**الخامس**: ...... اس زیادتی کو خطا اور غیر محفوظ کہنے میں امام ابوداؤد اکیلے نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسرے کئی جرح وتعدیل کے ائمہ شامل ہیں۔ چنانچہ یحیٰی بن معین کی تاریخ صفحہ ۲۲۹ ج ۲ (برواية الدوری) میں ہے کہ حديث ابن "عجلان اذا قرأفا نصتوا قال ليس بشيء ولم يثبته ووهنه ." یعنی امام ابن معین اس روایت کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں اور اس کو غیر ثابت کہتے ہیں اور توہین کر کے رد کرتے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جزء القراۃ صفحہ ۲۹ میں اس روایت کی تضعیف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "ولا يعرف من صحيح حديث ابی خالد الاحمر قال احمد اراه كان يدلس . " اس طرح امام امام ابوحاتم الرازی بھی ان کو رد کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے فرزند ابن ابی حاتم کتاب علل الحدیث صفحہ ۱۶۴ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ سمعت ابی وذكر حديث ابی خالد الاحمر عن ابن عجلان عن زيد بن اسلم عن ابی صالح عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذأ قرأ فانصتوا قال ابی ليس هذه الكلمة بالمحفوظ وهو من تخاليط ابن عجلان وقد رواه خارجة بن مصعب ايضاً وتابع ابن عجلان وخارجة ايضاً ليس بالقوی۔ نیز امام دارقطنی "كتاب العلل صفحه ٦٧٥ ج ٢" قلمی میں فرماتے ہیں کہ وهذا الكلام ليس بمحفوظ فی هذا الحديث .

اس طرح امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۹۰۔۹۱ میں اس روایت کو ضعیف اور غیر محفوظ قرار دیتے ہیں۔ نیز امام ابن خزیمہ اور امام محمد بن یحیٰی الذہلی سے بھی نقل کرتے ہیں کہ وہ زیادتی کو غیر محفوظ کہتے ہیں ، چنانچہ عبارت اس طرح ہے: قال ابو بكر محمد بن اسحاق بن خزيمة هذا خبر ذكر قوله واذاقرأ فانصتوا فيه وهم وقد روى الليث بن سعد وهو عالم اهل مصر وفقيهم احد

علماء زمانه غير مدافع صاحب حفظ واتقان وكتاب صحيح هذا الخبر عن ابن عجلان فذكر الرواية التى ذكرها البخارى وليس فيه شىء منها واذا قرأ فانصتوا قال ابن خزيمة قال محمد بن يحيىٰ الذهلى رحمه الله خبر الليث اصح متنامن رواية ابى خالد يعنى ابن عجلان ليس فى هذه القصة عن النبى ﷺ واذا قرأ فانصتوا بمحفوظ لان الاخبار متواترة عن ابى هريرة بالاسانيد الصحيحة الثابتة المتصلة بهٰذاه القصة ليس فى شى منها واذاقرأ فانصتوا الاخبر ابى خالد ومن لا يعتد اهل الحديث بروايته . یہ عبارت بہانگ دہل پکار رہی ہے کہ امام لیث بن سعد جیسا حافظ متقن کی کتاب میں جو روایت ابن عجلان سے مروی ہے اس میں یہ زیادتی اذا قرأ فانصتوا نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ اصل روایت اس زیادتی سے خالی ہے۔ بعد میں ابن عجلان نے اپنے وہم اور خطا سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے اس میں یہ زیادتی کردی ہے۔ ایضاً اس روایت کی جو بھی اسناد صحیح اور متصل ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ زیادتی نہیں بلکہ یہ ایک شخص جس کا حافظہ صحیح نہیں ہے اس نے نقل کی ہے اور کسی بھی ایسے معتبر راوی نے ان کی متابعت نہیں کی۔ جس کی روایت پر علماء حدیث اعتبار کرتے ہوں۔ بعض کا خیال ہے کہ خارجہ بن مصعب اور یحییٰ بن العلاء نے ان کی متابعت کی ہے لیکن یہ متابعت ناکام اور مردود ہے۔ کیونکہ یہ دونوں راوی مشہور کذاب (جھوٹے) ہیں، چنانچہ خارجہ کے متعلق میزان صفحہ ۳۱۵ ج ۱ میں ہے " وهاه احمد وقال ابن معين ليس بثقة وقال ايضا كذاب " (یعنی خارجہ واہ ہے احمد نے کہا ہے اور ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں اور اسی طرح بسوتا بھی ہے) وقال تركه ابن المبارك ووكيع وقال الدارقطنى وغيره ضعيف (یعنی ابن مبارک اور وکیع نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا تھا اور دارقطنی وغیرہ ضعیف کہتے ہیں۔)

نیز انہیں امام نسائی، ابن خراش اور ابو احمد حاکم متروک کہتے ہیں اور یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ "ضعیف الحدیث عند جمیع اصحابنا" (یعنی یہ ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک ضعیف ہے) اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ "كان يدلس عن غياث بن ابراهيم وغيره ويروى مايسمع منهم مما وضعوه على الثقات عن الثقات الذين رآهم فمن هنا وقع فى حديثه الموضوعات عن الاثبات لا يجوز الاحتجاج بخبره" اسی طرح ابن الجارود، عقیلی، سعید بن السکن ابوذرعہ الدمشقی اور ابوالعرب الصقلی وغیرہما اسے ضعفاء میں شمار نہیں کرتے۔ (التهذيب صفحه ۷۷ ـ ۷۸ ج ۳)

اور دوسرا راوی یحییٰ بن العلاء ہے جس کے متعلق میزان صفحہ ۲۹۸ ج ۳ میں ہے کہ " قال ابو حاتم ليس

بالقوی وضعفه ابن معین وجماعة وقال الدار قطنی متروك وقال احمد بن حنبل کذاب یضع الحدیث" نیز ائمہ عمرو بن علی نسائی دارقطنی اور دولابی ساجی متروک الحدیث کہتے ہیں اور امام ساجر کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے اور امام وکیع فرماتے ہیں کہ کان یکذب اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ ینفرد عن الثقات بالمقلوبات لا یجوز الاحتجاج اور جوزجانی انہیں شیخ واہی اور امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ وضعف علی روایاته وحدیثه بین واحادیثه موضوعات (التہذیب صفحہ ۲۶۲ ج ۱۱) پھر ایسے جھوٹے اور اپنی طرف سے احادیث گھڑنے اور بنانے والوں کی متابعت پر خوش ہونا مولوی صاحب جیسے مجتہدین کا کام ہے۔ الغرض یہ روایت کسی بھی طرح قابل قبول نہیں۔

مولوی صاحب پھر لکھتے ہیں کہ "نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جب امام قرأت کرے یعنی الحمد یا اس کے بعد کوئی سورت پڑھے تو مقتدی چپ رہیں۔

**جواب:** ...... جب تک قرأت شروع نہ کرے تب تک مقتدی کو پڑھنے سے منع نہیں کیا جائے گا؟ خود آپ کی تقریر نے آپ کا کام تمام کر دیا ہے آپ کہتے ہیں کہ سبحانك اللّٰهم یا تکبیر اور تسبیح پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا قیامت تک آپ کے لیے میدان کھلا ہوا ہے۔ "نظر اٹھا یہ میدان یہ گھوڑا" ﴿وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کوئی ایک روایت پیش کریں جس میں صریحاً سورۃ فاتحہ کی ممانعت ہو۔ "ولیس لکم الی ذلك سبیل" جب آپ کہتے ہیں کہ حدیث میں صاف موجود ہے کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو آپ بھی آمین کہیں اور اسی طرح دوسری حدیث میں موجود ہے کہ سبحان ربی العظیم و سبحان ربی الاعلی کہو۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ مقتدی کو رسول اللہ ﷺ نے صریحاً الحمد پڑھنے کا حکم دیا ہے جس طرح کہ امام طبرانی مسند الشامیین صفحہ ۱۴۱/۲ قلمی میں حدیث ذکر کرتے ہیں کہ "حدثنا حویت بن احمد بن حکیم الدمشقی ثنا سلیمان بن عبدالرحمن ثنا ابو خلید بن حماد ثنا سعید بن عبدالعزیز عن مکحول عن عبادة بن نسی۔"

"عن عبادہ بن الصامت ان رسول اللہ ﷺ قال من صلی خلف امام فلیقرأ بفاتحة الکتاب۔"

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص جہراً امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو چاہیے کہ وہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔"

اس حدیث میں مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنے کا صریحاً حکم آیا ہے اور امام نورالدین الہیثمی مجمع الزوائد

صفحہ ۱۱۱ ج ۲ میں یہ روایت لا کر فرماتے ہیں کہ "رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ موثقون ." یعنی اس روایت کے سب راوی ثقہ اور پختہ ہیں نیز جزء القرأۃ للبیہقی صفحہ ۴۷ میں ہے: اخبرنا ابو محمد عبدالرحمن ابن محمد بن احمد بن بالویہ المزکی ثنا محمد بن یحییٰ الصفار والد ابراھیم الصید لانی ح واخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو جعفر محمد بن صالح ھانی وابو اسحاق ابراھیم بن محمد بن یحییٰ وابو الطیب محمد بن احمد الذھلی قالوا ثنا محمد بن سلیمان بن فارس حدثنی ابو ابراھیم محمد بن الصفار وکان جارناثا عثمان بن عمر عن یونس عن الزھری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام قال ابو الطیب قلت لمحمد بن سلیمان خلف الامام قال خلف الامام وھذا اسنادہ صحیح والزیادہ التی فیہ کالزیادۃ التی فی حدیث مکحول وغیرہ فھی عن عبادۃ بن الصامت صحیحۃ مشھورۃ من اوجہ کثیرۃ وعبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ من اکابر اصحاب رسول اللہ ﷺ وفقھائھم .

یہ روایت بھی اپنے مطلب میں بالکل صاف ہے۔ کہ مقتدی کو ضرور بضرور فاتحہ پڑھنی ہے اس کے بغیر نماز نہ ہوگی بقول امام بیہقی روایت بالکل صحیح ہے اس میں کوئی بھی علت نہیں۔

"عن انس ان رسول اللہ ﷺ صلی باصیحابہ فلما قضی صلاتہ اقبل علیھم بوجھہ فقال اتقرؤن فی صلاتکم خلف الامام والامام یقرأ فسکتوا قالھا ثلاث مرات فقال قائل او قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا لیقرأ احد کم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہٖ وراہ ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط و رجالہ ثقات ."

"انس سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی پھر جب نماز مکمل کی تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا آپ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں، حالانکہ امام پڑھ رہا ہوتا ہے اور وہ "صحابہ" خاموش ہوگئے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا پھر ایک کہنے والے نے کہا یا زیادہ نے کہا کہ ہم ضرور اس طرح کرتے ہیں (یعنی قرأت کرتے ہیں) آپ نے فرمایا کوئی بھی تم میں سے اس طرح نہ کرے (نہ پڑھے) آپ میں سے ہر کسی کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اس حدیث کو ابو یعلی اور طبرانی اوسط نے روایت کیا ہے اس

کے تمام راوی ثقہ ہیں۔"

پھر جب کہ دوا حادیث کی وجہ سے مقتدی کو تکبیر کہنے اور اسی طرح سبحانك اللھم اور رکوع وسجود میں تسبیحات پڑھنے کا حکم دیتے ہو۔ اسی طرح آپ پر لازم ہے کہ اس قدر احادیث کی وجہ سے اس (مقتدی) کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دو، کیونکہ آپ کی نقل کردہ حدیث صحیح نہیں۔

**ثانیاً:**...... اس میں فاتحہ کی تصریح نہیں اور ان احادیث میں فاتحہ کی تصریح ہے، لٰہذا آپ کو قبول کرنا چاہیے۔

**صفحہ ۳۲:** ...... مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ چیزیں قرأت نہیں ہیں اور منع صرف امام کے پیچھے پڑھنے سے ہے۔

**جواب:** ...... جو حدیث آپ نے پیش کی ہے اس میں قرأت اور غیر قرأت کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ الفاظ ہیں کہ "اذا قرأ فانصتوا" مطلقاً انصات کا حکم ہے۔ اس طرح نہیں ہے کہ "انصتوا عن القرأۃ" پھر دوسری اشیاء کی کس طرح اجازت دیتے ہو؟ اگر دو روایات کی وجہ سے ایسا حکم دیتے ہو تو پھر سورۃ فاتحہ کے متعلق بھی ایسا فیصلہ کرو۔ کیونکہ اس کے متعلق صریح احادیث ہیں۔

دوسرا اعتراض کہ پہلے جواب میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں احادیث کی عبارت سے ظاہر ہے کہ آپ نے "اذا قرأ فانصتوا" کے بعد فرمایا کہ "اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فقولوا آمین" کہنے سے قبل کہہ رہے ہیں کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو تو یہ کون سی قرأت ہوگی۔ جو کہ مقتدیوں کے آمین کہنے سے قبل امام پڑھتا ہے تو لازماً سورۃ فاتحہ ہے۔"

**جواب:** ...... ناظرین غور کریں کہ جب مولوی صاحب اذا قرأ سے مراد سورۃ فاتحہ لیتے ہیں تو پھر ثابت ہوا کہ انصات کا حکم مقتدی کے لیے صرف اس وقت ہے جب امام سورۃ فاتحہ پڑھ رہا ہو۔ باقی اس سے قبل یا بعد جب تک قرأت کرے اس وقت میں انصات کے حکم کے لیے مولوی صاحب کو پھر دوسری روایت تلاش کرنی چاہیے پھر زیادہ سے زیادہ اس طرح کہے کہ مقتدی امام کی سورۃ فاتحہ پڑھتے وقت خاموش رہیں نہ کہ سارے قیام میں سورۃ فاتحہ سے روکے۔ مولوی صاحب کو اپنی طرف سے ایسا قدم اٹھانے کا کون سا حق ہے اور ہمارے لیے تو میدان صاف ہے۔

**اوّلاً:** ...... یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

**ثانیاً:** ...... فاتحہ کے بارے میں نص نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ...... آپ کی تقریر کے مطابق فاتحہ کی مقدار کے برابر مقتدی کو خاموش رہنا ہے۔ نہ کہ قبل یا بعد لٰہذا ہم پر جو مولوی صاحب نے اس جگہ پر دوسرا جواب نقل کیا ہے۔ وہ ہم پر وارد نہیں ہوتا اور نہ ہی ہمارے لیے مضر

ہے۔ کیونکہ وہ خود لکھتے ہیں کہ ''خود کہتے ہیں کہ الحمد ختم ہونے کے بعد خاموش رہے ہم اس طرح نہیں کہتے۔ بلکہ مولوی صاحب کی تقریر اس طرح ہے کہ "اذا قرأ فانصتوا" امام جب سورۃ فاتحہ پڑھے تب خاموش رہو اور ہم مولوی صاحب کے معارض کہتے ہیں کہ آپ کے فیصلے کے مطابق بھی فاتحہ کے علاوہ باقی پورے قیام میں مقتدی کو پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ یہ آپ کے قاعدے کے مطابق لیکن ہمارے نزدیک تو احادیث کے مطابق مقتدی کو ہر حال میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے۔

**صفحہ ۳۳**: ...... بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رکوع میں پہنچنے والے کو نبی اکرم ﷺ نے اس طرح نہیں فرمایا تھا کہ تیری نماز نہیں ہوئی اور دوبارہ پڑھ۔''

**جواب**: ...... اس روایت میں اس طرح بھی نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ تیری رکعت ہوگئی دہرانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس میں یہ ذکر ہے کہ اس صحابی نے بعد میں رکعت دہرائی ہو۔ جب تک ایسا ثبوت نہیں تب تک یہ روایت آپ کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ رکوع میں پہنچنے سے یہ ثبوت نہیں کہ رکعت ہوگئی یا نہیں بلکہ لازم ہے کہ اس کے لیے دوسرا مقدمہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو کہا ہو کہ تیری رکعت ہوگئی اس کے متعلق مزید تفصیل وہاں پر آئے گی جہاں پر مولوی صاحب اسی بات کو دوبارہ چھیڑیں گے۔

تیسرے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب کا اعتراض نہیں بن سکتا کیونکہ وہ خود کہتا ہے حدیث کے مقابلے میں کسی صحابی کا فعل حجت نہیں ہے۔''

**جواب**: ...... یہ تو آپ کے پاس بھی ہے جس طرح کہ آپ کے مذہب کے رئیس ابن الھمام فتح القدیر شرح الہدایۃ صفحہ ۴۲۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں:

"والحاصل ان قول الصحابی حجة فیجب تقلیده عند نا اذا لم ینفه شیٔ اٰخر من السنة."

''اور ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے اس کی تقلید کرنا واجب ہے جب کوئی دوسری چیز سنت (حدیث) سے اس کی نفی نہ ہو۔''

بلکہ یہاں پر یہ بات ہے کہ مولوی صاحب آپ سے معارضہ کر رہے ہیں کہ آپ کی اصول فقہ حنفی کے مطابق جب راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے یا عمل کرے تو یہ روایت منسوخ کہی جائے گی۔ جس طرح کہ آپ کی درسی کتاب نور الانوار صفحہ ۱۵۵ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ۔

"فترك العمل به دلیل علی انتساخه وعمل الصحابی بخلافه یوجب الطعن اذا كان الحدیث ظاهرا لا یحتمل الخفاء الیهم."

''صحابی کا اپنی روایت پر عمل نہ کرنا اس کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے۔ ورنہ صحابی پر حدیث کے اوپر عمل نہ کرنے کا اعتراض ہوگا۔''

اب آپ اپنے اصول حنفیہ کا بھرم رکھتے ہوئے بتائیے کہ روایت ''واذا قرأ فانصتوا'' اگر صحیح ہے تو پھر اس میں مقتدی کو خاص سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع ہے یا نہیں؟ اگر منع نہیں ہے تو پھر معاملہ ہی ختم آپ نے خواہ مخواہ کاغذ سیاہ کیے ہیں اور اگر منع ہے تو پھر اس کا راوی صحابی ابو ہریرۃ اس کے خلاف پڑھنے کا حکم دیتا ہے لہٰذا آپ کے اصول کے موجب یہ روایت منسوخ کہی جائے گی۔ یہ ہے مولانا محمد عمر صاحب کے اعتراض کا ماحصل اور یہ ایسا الزام ہے جو آپ کو قیامت تک چمٹا رہے گا اور چھوڑے گا نہیں!

خون من روز قیامت بودش دامن گیر
ایں نہ داغے ہست از دامن قاتل برود

باقی جو آپ نے تاویل کی ہے اس کی حقیقت کا پردہ اپنی جگہ پر چاک کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

## ''اقرأ بها فی نفسك'' صحیح تفسیر اور مفہوم

**صفحہ ۳٤:** ...... دوسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ''اقرا بها فی نفسك'' معنی یہ بھی ہے کہ الحمد شریف کو دل میں فکر اور سوچ سے پڑھ زبان مت ہلا''

**جواب:** ...... یہ تاویل باطل اور لغت کے خلاف ہے۔ خود آپ کا لکھنوی صاحب امام الکلام صفحہ ۲۴۹ میں فرماتے ہیں کہ وهو مردود بما قال النووی فی شرح صحیح مسلم بان التدبر لا يسمى قرأة لا شرعا ولا فرعاً'' اور امام بیہقی جزء القرأۃ صفحہ ۱۷ پر فرماتے ہیں کہ ''والمراد بقوله اقرأ بها فی نفسك ان يتلفظ بها سراً دون الجهر بها ولا يجوز حمله على ذكرها بقلبه دون التلفظ بها لاجماع اهل اللسان على ان ذالك لا يسمى قرأة ولاجماع اهل العلم على ان ذكر ها بقلبه دون التلفظ بها ليس بشرط ولا مسنون فلا يجوز حمل الخبر علىٰ مالا يقول به احد ولا يساعده''لسان العرب'' وبا الله التوفيق اور آپ کا کعبہ قبلہ علامہ سید انور شاہ کشمیری العرف الشذی صفحہ ۱۵۹ میں فرماتے ہیں کہ واما ما قال المدرسون من ان المراد بالقرأة فی نفسه التدبر والتفكر فلا يوا فقه اللغة فان لم يثبت معنى التفكر للقرأة فی النفس نعم ثبت التفكر معنى القول فی النفس اور امام نووی شرح مسلم صفحہ ۱۷۰ ج۱ میں فرماتے ہیں کہ قول ابی هريره اقرأ بها فی نفسك فمعناه

اقرأها سرا بحيث تسمع نفسك و اما ما حمله عليه بعض الما لكية وغيرهم ان المراد تدبر ذالك وتذكرة فلا يقبل لان القرأة لا تطلق الا على حركة اللسان بحيث يسمع نفسه ولهذا اتفقوا على ان الجنب لو تدبر القرآن بقلبه من غير حركة لسانه لا يكون قارئا مرتكبا لقراء ة الجنب المحرمة . "ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی تاویل غلط ہے۔

**اوّلاً:**...... اس وجہ سے کہ لغت کے خلاف ہے اور شرعاً خواہ عرفاً بھی اس کے خلاف ہے۔

**ثانیاً:**...... قرأت فی النفس کا تدبر یا تذکر کے متعلق استعمال نہیں ملتا۔

**ثالثاً:**...... آپ کی تاویل اجماع کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرأت کا معنی بالا جماع تلفظ ہے۔

**رابعاً:**...... اهل اللسان واللغة کا اجماع ہے کہ تدبر اور تفکر کو قرأت نہیں کہا جاتا۔

**خامساً:** ...... تدبر و تفکر بالاجماع اہل العلم مقتدی کے لیے نہ فرض ہے نہ مسنون پھر جو چیز آپ کے نزدیک مسنون نہیں ہے پھر اس کو کیونکر پیش کرتے ہو؟ یعنی آپ کی تاویل کا معنی کہ مقتدی کو فاتحہ میں فکر اور غور کرنا چاہیے، پھر یہ بات آپ کے مذہب میں ہے؟ خدارا فقہ حنفی کی کتب میں کوئی ایسا حکم دکھلائیں جس میں اس کو فرض یا مسنون کہا ہو۔ ورنہ آپ ایسی باتیں کہتے ہو جس کے خود قائل نہیں ہو۔

**سادساً:** ...... یہ تاویل خود آپ کو مہنگی پڑے گی۔ کیونکہ آپ کے مسلک کے مطابق جنبی شخص قرآن نہیں پڑھ سکتا اور اس کے لیے پڑھنا حرام ہے، پھر اگر تدبر و تفکر بھی قرأت ہے تو اس کو بھی جنبی کے لیے حرام کہیں ؟ حالانکہ یہ آپ کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ صرف تدبر و تفکر جس میں زبان سے پڑھنا نہ ہو وہ جنبی کے لیے حرام نہیں ہے۔

الغرض اس تاویل کو آپ کے حنفی عالم بھی مردود اور نا قابل قبول کہتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کو اپنا سہارا سمجھتے ہو۔ تو پھر یہ تاویل آپ کو مبارک ہو۔ لیکن دوسروں کو زبردستی نہیں منوا سکتے۔ آپ کے مذہب کا سردار علامہ عبدالحق محدث دہلوی لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۳۸ ج ۳ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "فقيل لابی هريره انا نكون وراء الامام ای فهل نقرأقال اقرأبها فی نفسك ای سرا بحيث تسمع نفسك " نیز شیخ موصوف کی فارسی شرح بھی ہے جو کہ اشعۃ اللمعات صفحہ ۳۹۹ ج ا میں فرماتے ہیں کہ فقيل لابی هريرة انا نكون وراء الامام پس گفته شد مرابی هريره راكه امامی باشيم پس امام پس آنجاهم بخوانيم قال گفت ابوهريره اقرا بها فی نفسك بخوان فاتحه راپس نيز اماآهسته چنانچه بشنوائی خود را۔ آپ کے حنفی عالم یہ معنی کرتے ہیں اور آپ بقول شاعر پتہ نہیں کس طرف جا رہے ہیں ۔

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

باقی جو آپ نے اعتراض پیش کیے ہیں ان پر مرحلہ وار بحث آ رہی ہے: ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ اپنی تاویل کی تائید میں بلوغ المرام کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جو کہ باب نواقض الوضوء میں ہے۔ اس میں قرأت کا قطعاً کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ اس میں لفظ اس طرح ہے "فليقل في نفسه فليقرأ في نفسه" نہیں ہے۔ حدیث میں قرأت کا لفظ ہے۔ بحث قول میں نہیں بلکہ قرأت میں ہے کیونکہ قول کا اطلاق تدبر اور تفکر پر بھی آ سکتا ہے سبل السلام شرح بلوغ المرام صفحہ ۱۰۴ ج۱ (طبع مصر) میں اس طرح ہے " انك احدثت فليقل كذبت يتحمل ان يقوله لفظاً اوفي نفسه ولكن قوله اخرجه ابن حبان بلفظ"فليقل في نفسه" بين ان المراد الآخر منه . گویا کہ یہ قول تلفظ اور دل میں سوچنے دونوں پر استعمال ہوسکتا ہے۔ پھر ان دونوں احتمالات سے حدیث کی وجہ ایک احتمال متعین کیا گیا۔ نیز تاج العروس لغت کی مشہور کتاب ہے جس کا مصنف علامہ مرتضی الزبیدی الحنفی ہے، اس کے صفحہ ۸۹ ج۸ میں ہے کہ:" قال الراغب القول يستعمل على اوجه اظهر ها ان يكون للمركب من الحروف المنطوق بها مفردا كان او جملة و الثاني يقال للمتصور في النفس قبل التلفظ قول فيقال في نفسي قول لم اظهره والثالث الاعتقاد نحو فلان يقول بقول الشافعي- والرابع يقال للدلالة على الشيء نحو امتلاء الحوض فقال قطني والخامس يقال للعناية الصادقة بالشئ نحو فلان يقول كذا والسادس يستعمله المنطقيون فيقولون قول الجوهر كذا وقول العرض كذا اى حدّ هما والسابع في الالهام نحو قلنا يا ذالقرنين اما ان تعذب فان ذالك لم يخاطب به بل كان الهاما فسمي قولا .

اس عبارت سے واضح ہوا کہ لفظ قول کے کئی معانی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث النفس مراد ہے، پھر اگر کسی قرینہ کے لحاظ سے کوئی ایک معنی متعین ہو تو ممکن ہے لیکن لفظ قرأت کا اطلاق اس پر نہ ہوا۔ کسی بھی لغت کی کتاب میں نہیں لکھا ہے۔ لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے باطل کہا جائے گا۔ بلکہ "اقرأ بها في نفسك" کا معنی حدیث سے وہی معلوم ہوتا ہے جو عام شارح اور اہل لغت ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ جزءُ القرأۃ للبیہقی صفحہ ۶۳ میں ہے کہ عن عبادة بن الصامت انه راى رجلا لا يتم ركوعه ولا سجوده فاتاه فاخذ بيده فقال لا تشبهوا بهذا ولا بامثاله انه لا صلوٰة الا بام الكتاب

فان کنت خلف الامام فاقرأفی نفسك وان کنت وحدك فاسمع اذ نیك ولا تو ذ من عن یمینك ومن عن یسارك" یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ "فاقرأ فی نفسك" سے مراد آہستہ پڑھنا ہے۔ کیونکہ عبادہ بن صامت یہ خطاب مقتدی کو کر رہے ہیں اور ان کا کہنا" فاسمع اذنیك ولا تو ذمن عن یمینك ومن عن یسارك " یہ قرینہ ہے کہ یہ جماعت میں صف کی صورت میں ہے اور اس کو آہستہ پڑھنے کے لیے کہہ رہے ہیں اور جھر (اونچی آواز) سے منع کر رہے ہیں۔

لکھتے ہیں کہ "اقرأ فی نفسك" کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب پوچھنے والا حضرت ابو ہریرۃ سے پوچھتا ہے کہ امام کے پیچھے بھی الحمد پڑھوں؟ تو جواب میں فرمایا اکیلا ہونے کی صورت الحمد پڑھ۔ باقی امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں۔

**جواب**: ...... **اولاً**: پہلا آخری باقی امام کے پیچھے الخ یہ مولوی صاحب کی طرف سے بڑھایا ہوا ہے۔ بتا سکیں گے کہ حدیث کے کس جملے کا ترجمہ ہے؟

**ثانیاً**:...... مولوی صاحب کا یہ معنی سراسر غلط اور قواعد عربیہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو اس جگہ پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس طرح فرماتے "اقرأ بها لنفسك" نہ کہ "فی نفسك" اور "فی نفسك" سے مراد سراً (آہستہ) پڑھنا ہے۔ چنانچہ ''ابو داوٗد صفحہ ۱۱۷ ج ۱'' میں قرأت ظہر اور عصر کے متعلق یہ لفظ ہیں کہ "لعله کان یقرأ فی نفسه" اور ''صفحہ ۱۰۵ ج ۱'' میں ہے کہ قلت لخباب بن الارت اکان النبی ﷺ یقرأ فی الظهر والعصر قال نعم بأی شی کنتم تعلمون قرائته قال باضطراب لحیته (خباب سے کہا کہ کیا نبی ﷺ ظہر اور عصر میں قرأت کرتے تھے کہا جی ہاں کہا کہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا، کہا داڑھی کی حرکت سے) ان دونوں احادیث کو ملانے سے نتیجہ ظاہر ہوا "قرات فی النفس" سے مراد آہستہ پڑھنا ہے، کیونکہ " اضطراب لحیته" سے صاف ظاہر ہوا ہے نبی ﷺ خود زبان مبارک سے پڑھتے تھے۔

**ثالثاً** :...... اس جگہ یہ تاویل غلط ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بے ڈھنگی ہے۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ "اقرأبها فی نفسك" سائل کے جواب میں کہہ رہے ہیں۔ جو اس نے کہا کہ "انا نکون وراء الامام" پھر جب کہ وہ امام کے پیچھے والی حالت کے لیے پوچھ رہا ہے اس کو وہ یہ جواب دے رہے ہیں یہ خود قرینہ ہے کہ اسے اقتدا والی حالت کے لیے مسئلہ سمجھا رہے ہیں۔

**صفحہ ۲۵** :...... مولوی صاحب اپنی اس نئی تاویل کی تائید میں مسلم کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ فان ذکر نی فی نفسہٖ ذکر تہ فی نفسی...... الخ

**جواب:**...... **اوّلاً:** ذکر فی النفس ہے نہ کہ قرأتِ فی النفس ہے۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ قرأت فی النفس کے لیے کوئی حوالہ پیش کریں، کیونکہ لفظ بدلنے سے معنی بدل جاتا ہے ان شاء اللہ قیامت تک ایسا حوالہ نہیں دے سکتے۔

**ثانیاً:**...... مجمع بحار الانوار لغۃ الحدیث کی مشہور کتاب ہے۔ جس کا مصنف آپ کا حنفی بھائی محمد طاہر فتنی ہے۔ جس کے صفحہ ۴۴۲ ج ۱ میں حدیث کا معنی اس طرح لکھا ہوا ہے " فان ذکرنی فی نفسه " ای سرا تحرزا عن الریاء ذکرته فی نفسی اثر ثوابه " یعنی اس حدیث میں بھی زبان کے ساتھ ذکر مراد ہے لہٰذا یہ حدیث برعکس ہمارے دلیل آپ کے اوپر بنی۔

پھر آیت ﴿وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا﴾ پیش کر کے لکھتے ہیں کہ "آپ ان میں سے ہر ایک کو اکیلے اکیلے انتہائی بلاغت کے ساتھ نصیحت کریں۔"

**جواب:**...... اس میں بھی زبان کے ساتھ کلام ہوگی پھر اگر چہ اس کو اکیلے تنہا سمجھایا جائے۔ لیکن آپ کی تاویل کے لیے یہ شاہد تب بنے جب یہ معنی ہو کہ آپ اپنے من میں کہیں، ان میں سے کوئی پھر سننے والا نہ ہو۔ کیونکہ آپ "اقرأ بها فی نفسك" کا معنی کرتے ہیں کہ "جب آپ اپنے منہ اکیلے ہو اور جماعت میں نہ ہوں۔ تو پھر فاتحہ پڑھ۔

اب ناظرین ! انصاف کریں کہ مولوی صاحب نے آیت اور حدیث کی دو معنی کیے ہیں دونوں میں کس قدر تفاوت ہے اور آیت ان کے اس دعوی پر کون سی دلالت کرتی ہے مطابقی یا تضمنی یا التراخی؟ لکھتے ہیں کہ قرآن کی آیت "فی انفسهم" کا معنی سب مفسرین نے اکیلا لکھا ہے۔

**جواب:**...... معلوم نہیں مولوی صاحب نے فن تفسیر کی کونسی کتب دیکھی ہیں۔ یا ان کا معنی نہیں سمجھا۔ ہم چند تفاسیر کی عبارتیں سامنے رکھتے ہیں۔ جلالین صفحہ ۷۸ میں ہے کہ "قل لهم فی شأن انفسهم قولا بليغا مؤثرا فیهم ای ازجرهم لیرجعوا عن كفرهم." (بیضاوی صفحہ ۱۲۴) میں ہے کہ "وعظهم بلسانك وكفهم عما هم علیه وقل لهم فی انفسهم ای فی معنی انفسهم او خاليا بهم فان النصح فی السر انصح قولاً بليغاً يبلغ منهم ويؤثر فیهم امره بالتجافی عن ذنوبهم والنصح لهم والمبالغة فيه بالترغيب والترهيب" ابن اکثیر صفحہ ۵۱۹ ج ۱ میں ہے کہ "وقل لهم فی انفسهم قولا بليغا ای انصحهم فيما بينك وبينهم بكلام بليغ رادع لهم" القرطبی صفحہ ۲۶۵ ج ۵ میں "ای ازجرهم بابلغ الزجر فی السر والخلاء ونحوه فی الخازن مع البغوی" صفحہ ۴۶۲ اور اسی طرح تفسیر کشاف صفحہ ۵۲۷ ج ۱ میں ہے اسی طرح دیگر سب

تفاسیر میں موجود ہے۔ جس کا مقصد صاف ہے کہ آپ ان کو زبان کے ساتھ واضح نصیحت کریں اور اپنے منہ تنہائی میں سمجھائیں لیکن یہ معنی کوئی بھی نہیں لکھتا کہ آپ دل میں سوچیں۔

**ثالثاً**:...... آیت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ﴿ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ کس لفظ کی تنہائی مولوی صاحب مراد لیتے ہیں؟ قل کی ضمیرات یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے منہ کہیں تو پھر کس کو کہیں؟ تو پھر لھم اور فی انفسھم لغو اور بے معنی ہوگا اور اگر لھم اور انفسھم مراد ہے یعنی کافر مراد ہیں تو پھر ان کو کون کہے گا؟ حالانکہ آپ نے لکھا ہے کہ ہر ایک اکیلا ہو تو اسے کون کہے گا۔ اور ''قل'' والا امر کیا معنی رکھتا ہے؟ الغرض یہ قیاس بھی غلط ہے۔

شوکانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ '' مع الاحتمال یسقط الاستدلال ''

**جواب**:...... ''اقرا بها فی نفسك '' کا معنی واضح ہے اس میں کسی بھی قسم کا کوئی احتمال نہیں۔ جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔

کتاب القرأۃ للبیہقی کے حوالے سے تیسری حدیث انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

**جواب**:...... امام بیہقی دراصل اس روایت کے ضعف اور علت کو ظاہر کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں اور اس کو منکر کہتے ہیں۔ مزید تعلیل حافظ ابن عدی سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ '' قال لم یحدث به عن ایوب غیر الطفاوی وحدث به المعمری عن ابی الا شعث وهو احمد بن المقدام عن الطفاوی قرأ وفی متنهٖ واذا قرأ فانصتوا فتکلم الناس فیه من اجله قال ابو احمد وقال لنا عبدان یعنی الاهوزی الحافظ لما حدث المعمری بهذهٖ الزیادة عن ابی الاشعث کتبوا الی من بغداد فکتبت الیهم ان محمد بن بکار واسماعیل بن سیف وابا اشعث ثلاثتهم حدثونا عن الطفاوی ولیس فیه هذه الزیادة واذا قرأ فانصتوا .

اس طرح اس روایت میں خطا واقع ہوئی ہے۔ نیز لسان المیزان صفحہ ۲۲۴ ج ۲ میں بھی اس طرح لکھا ہوا ہے اور اس کے بعد یہ عبارت ہے کہ ''قال ابن عدی والمعمری کمال قال عبدالله بن احمد لا یتعمد الکذب ولکن صحب قوما من البغداد یین یزیدون ویو صلون قال وهذا موجود فی البغداد یین خاصة فی حدیثهم وفی حدیث ثقاتهم . ''الغرض! یہ روایت بھی غلط اور وہم کا نتیجہ ہے۔

**صفحہ ۳۶**:...... چوتھی حدیث منازعت والی لکھتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں کہ '' انی اقول مالی انازع القرآن'' اور ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ میں (اپنے دل میں) کہہ رہا تھا کہ مجھ سے قرآن مجید کی قرأت میں کوئی

شخص جھگڑا کر رہا ہے۔

## حدیث منازعت اور اس کا صحیح مفہوم

**جواب:** ...... **اولاً:** مولوی صاحب کے ترجمہ نے ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ جھگڑا اس وقت ہوگا جب کوئی پیچھے جہر سے پڑھے اور آواز آواز سے ٹکرائے۔ لہٰذا یہ روایت نزاع سے باہر ہے۔ بلکہ خود اس قسم کی روایت عبادہ بن الصامت سے مروی ہے جس میں فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے چنانچہ کتاب القرأۃ للبیہقی صفحہ ۴۱: میں یہ الفاظ ہیں: ان رسول الله ﷺ امنا یوما فانصرف الینا وقد غلط فی نسخة تخلط) فی بعض القرآن فقال هل قرأ معی منکم احد قلنا نعم قال قد عجبت من هذا الذی ینازعنی القرآن اذا قرأ الامام فلا یقرأ معه احد منکم الابام القرآن .

بے شک ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور قرآن مجید کے بعض حصہ میں غلطی (خلط ملط) ہوئی، پھر آپ نے فرمایا کیا آپ میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ ہم نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہوا کہ کون ہے جو مجھ سے قرآن میں جھگڑتا ہے۔ جب امام قرأت کرے تو تم میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہ پڑھے علاوہ سورت فاتحہ کے (یہ ضروری ہے)۔ اس روایت کو امام بیہقی نے تین اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس روایت سے چند اہم باتیں معلوم ہوئی۔ ایک تو اس روایت میں فاتحہ کی ممانعت نہیں بلکہ حکم آیا ہے۔ دوسرا کہ "فانتھی الناس" (جس کا ذکر آگے آئے گا) سے مراد ما عدا الفاتحہ اور فاتحہ کے علاوہ) ہے نہ کہ فاتحہ۔ کیونکہ خود نبی اکرم ﷺ سے اس حدیث میں ایسی تصریح وارد ہے تیسری یہ کہ تخلط یا غلط کا لفظ خود بتاتا ہے کہ پیچھے جہر سے پڑھا گیا۔ لہٰذا اس سے آپ کا استدلال لینا غلط ہے۔

## "فانتھی الناس عن القرأۃ" کیا یہ حدیث کے الفاظ ہیں؟

**ثانیاً:** ...... یہ جملہ "فانتھی الناس عن القرأۃ" الخ حدیث میں مدرج (داخل کیا ہوا) ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں بلکہ زہری کا کلام ہے جو اس وقت حاضر نہ تھا۔ ایسی تصحیح ائمہ حدیث کرتے رہے ہیں اور ان کی چند اسناد میں توضیح بھی کی ہوئی ہے، چنانچہ زہری اپنے بعض کلمات حدیث بیان کرتے ہوئے کہہ جاتے ہیں۔ حنفی مذہب کے امام طحاوی صاحب فرماتے ہیں کہ " انه (الزهری) کان یخلط کلامه بالحدیث ولذالك قال له موسیٰ بن عقبة افصل کلام رسول الله ﷺ من کلامك کذا

فی المعتصر (صفحہ ۱۲۵) جب کہ ائمہ نے تصریح کی ہے اور ان میں امام بخاری بھی شامل ہیں چنانچہ جزء القراۃ صفحہ ۱۳ میں ہے کہ قال البخاری وقوله فانتهى الناس من كلام زهرى وقد بينه لى الحسن بن صباح قال ثنا مبشر عن الاوزاعى قال الزهرى فانغظ المسلمون بذالك فلم يكونوا يقرأون فيما جهر وقال مالك قال ربيعة للزهرى اذا حدثت فبين كلامك من كلام النبى صلى الله وعليه وسلم۔ اس طرح امام ابوداؤد اور امام محمد بن یحییٰ ذہلی بھی کہتے ہیں چنانچہ سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۰ ج ۱ میں ہے کہ قال ابو داؤد سمعت محمد بن يحيىٰ بن فارس قال قوله فانتهى الناس من كلام الزهرى۔ اس طرح امام بیہقی کتاب القراۃ صفحہ ۹۶۔۹۷ میں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ یہ کلام زہری کا ہے نہ کہ حدیث کے الفاظ۔ اس طرح امام ابن حبان اپنی کتاب صحیح ابن حبان صفحہ ۲۴۶ ج ۳ میں خاص عنوان مقرر کرتا ہے کہ " ذكر البيان بان هذا الكلام الاخير فانتهى الناس عن القرأة وانغظ المسلمون بذالك انما هو قول الزهرى لا من كلام ابى هريرة۔ اس باب میں حدیث اس طرح لاتے ہیں: اخبر نا عبدالله بن محمد بن مسلم قال حدثنا عبدالرحمن بن ابراهيم قال حدثنا الوليد قال حدثنا الاوزاعى عن الزهرى عن من سمع ابا هريرة يقول صلّى بنا رسول الله ﷺ. صلوٰة فضهر فيها بالقراة فلما سلم قال هل قرأ معى منكم احد آنفا قالوا نعم يا رسول الله قال انى اقول مالى انازع القرآن قال الزهرى فانتهى المسلمون فلم يكونوا يقرؤن معه۔ اور "حافظ ابن حجر التلخيص الحبير صفحه ۲۳۱ ج ۱" میں فرماتے ہیں کہ "وقوله فانتهى الناس الى آخره مدرج فى الخبر من كلام الزهرى بينه الخطيب واتفق عليه البخارى فى التاريخ وابو داؤدويعقوب بن سفيان والذهلى والخطابى وغيرهم اور علامہ علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۳۰۲ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ نقل ميرك عن ابن الملقن ان قوله فانتهى الناس الخ هو من كلام الزهرى لا مرفوعاً قاله البخارى والذهبى وان فارس وابو داوٗد وابن حبان والخطابى اور امام نووی سے نقل کرتے ہیں کہ اتفقوا على ضعف هذا الحديث لا ن ابن اكيمة مجهول وعلى ان جملة فانتهى الناس عن القرأة ليست من الحديث بل هى من كلام الزهرى مدرجة فيه هذا متفق عليه عند الحفاظ المتقد مين والمتأخرين منهم الاوزاعى ومحمد بن يحيىٰ الذهلى والبخارى وابو داؤد والخطابى وغيرهم اور علامه نيموى حنفى التعليق الحسن على اٰثار السنن صفحہ

۸۶ج ا میں لکھتے ہیں کہ قلت ان جمعا من الحفاظ قدا تفقوا علی ان ھذہ الزیادۃ مدرجۃ من کلام الزھری قال البخاری فی جزئہٖ وقولہ فانتھی الناس من کلام الزھری وقال ابو داؤد سمعت محمد بن یحییٰ بن فارس قال قولہ فانتھی من کلام الزھری وقال الترمذی روی بعض اصحاب الزھری ھذا الحدیث وذکروا ھذا الحرف قال قال الزھری فانتھی الناس عن القرأۃ حین سمعوا ذلک من رسول اللہ ﷺ اور حافظ جلال الدین سیوطی نے مدرج احادیث کے متعلق مستقل کتاب لکھی ہے۔ جو ''المدرج الی المدرج'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا قلمی نسخہ ہمارے پاس موجود ہے؛ جو مدینہ منورہ میں شیخ حماد انصاری کے کتب خانہ میں رکھے ہوئے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں حدیث نمبر ۶۔ میں یہ روایت لاکر فرماتے ہیں کہ وقولہ فانتھی الناس الی آخرہ مدرج من کلام الزھری بینہ ابن عینہ اخرجہ ابو داؤد وابن ماجہ وقال ابو داؤد سمعت محمد بن یحییٰ بن فارس یقول ینتھی حدیث ابن اکیمۃ الی قولہ مالی انازع القرآن وقولہ فانتھی الناس من کلام الناس ای من کلام الزھری ۔ الحاصل عام ائمہ حدیث مثلاً اوزاعی، سفیان بن عینہ، محمد بن یحییٰ الذھلی، بخاری ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان، خطابی، یعقوب بن سفیان، بیہقی، ابوبکر خطیب بغدادی، حافظ ابن الملقن، حافظ ابن حجر اور سیوطی وغیرہم تصریح کرتے ہیں کہ یہ لفظ حدیث کے نہیں ہیں بلکہ زہری کی طرف سے کلام ہے جو اس میں مدرج کیا گیا ہے۔ بلکہ بقول امام نووی پہلے اور بعد والے محدثین اور حفاظ حدیث کا اس پر اتفاق ہے اور اس کے حقیقت کو علماء حنفیہ مثلاً ملا علی قاری، علامہ نیموی بھی تسلیم کرتے ہیں۔

**ثالثاً:**......ان عبارتوں سے اس حدیث کے متعلق دوسری علت بھی معلوم ہوئی ہے کہ راوی ابن اکیمہ میں کلام ہے جس طرح کہ امام نووی کے کلام میں ذکر ہوا ہے، نیز امام ابوبکر حازمی کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار صفحہ ۹۸ میں فرماتے ہیں کہ ھذا حدیث لا یعرف الا من ھذا الوجہ وابن اکیمہ غیر مشھور اور امام بزار فرماتے ہیں کہ لیس مشھور بالنقل ولم یحدث عنہ الا الزھری کما فی التھذیب (صفحہ ۴۱۱ ج ۷) اور بعض ائمہ نے اسے ثقہ بھی کہا ہے لیکن بعض آئمہ کہتے ہیں کہ حجت نہیں یعنی ان کی روایت دلیل لینے کے قابل نہیں۔ میزان الاعتدال صفحہ ۲۴۶ ج ۲ اور تہذیب صفحہ ۴۱۰ ج ۷ میں امام ابن سعد سے منقول ہے کہ '' ومنھم من لا یحتج بحدیثہٖ ویقول ھو مجھول اور امام بخاری کے استاد امام حمیدی اس روایت میں اس طرح کلام کرتے ہیں؛ جس طرح امام حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۹۹ میں فرماتے ہیں کہ ''قرأت علی ابی موسیٰ الحافظ

اخبرك الحسن بن احمد القاری انا ابن نعیم ثنا سلیمان بن احمد ثنا بشرین موسیٰ قال قال الحمیدی قال لنا قائل ممن یری ان لا یقرأ خلف الامام فیما جهر به ان الزهری حدث عن ابن اکیمة عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال مالی انا زع القرآن فانتهی الناس عن القرأة فیما جهر فیه النبی ﷺ قلنا هذا حدیث رواه مجهول لم یروه عنه قط غیره ولو کان هذا ثابتا ارید به النهی عن قرأة الفاتحة الکتاب خلف الامام دون غیر ها لکان فی حدیث العلاء عن ابیه ما یبین انه ناسخ لهذا" **یعنی** امام حمیدی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مانعین قرأة خلف الامام کے مدعی کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔ امام موصوف اس کے لیے تین وجوہات پیش کرتے ہیں۔

**الوجه الاوّل**: ...... اس حدیث کا راوی مجہول ہے اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے اگرچہ اس کی توثیق بھی ہوئی لیکن پھر بھی اس کی روایت اس قابل نہیں کہ حجت لی جا سکے۔

**الوجه الثانی**: ...... اگر اس روایت کو ثابت مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے فاتحہ کے علاوہ دوسرا قرآن مراد ہوگا۔ جس طرح کہ ان کے کلام "ارید به النهی عن قرأة الفاتحة خلف الامام دون غیر ها" کے مفہوم کا تقاضا ہے۔ اس کے متعلق حازمی صفحہ ۱۰۰ میں امام حمیدی سے نقل کرتے ہیں کہ وقوله ﷺ انا زع مثل اخالج فلا یحتمل ان یکون عنی فی حدیث ابن اکیمة ان یقول انا زع القرآن یعنی فاتحة الکتاب وهو مایقول لا صلاة الا بها۔ **یعنی جب کہ حدیث میں فاتحہ کا استثناء موجود ہے تو پھر اس روایت میں ماسواء فاتحہ کے بارے میں خبر ہے اگر اسی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے۔**

**ناظرین**: ...... ہم کتاب القراۃ للبیہقی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں کہ اس روایت "مالی انا زع القرآن" میں ایک طریق سے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ "اذا قرأ الامام فلا یقرأ معه احد منکم الابام القرآن۔"

اور اسی طرح ابوداؤد صفحہ ۱۱۹ ج ۱ میں بھی الفاظ ہیں:

"صلی بنا رسول الله ﷺ بعض الصلواة التی یجهر فیها القراءة قال فالتبست علیه القراءة فلما انصرف اقبل علینا بوجهه فقال هل تقرأون اذا جهرت بالقرأة فقال بعضنا انا نصنع ذالك قال فلا وانا اقول مالی یناز عنی القرآن فلا تقرؤوا بشیءٍ من القرآن اذا جهرت الابام القرآن."

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی (ایسی) جس میں بلند آواز سے قرأت کی جاتی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ آپ پر قرأت خلط ملط ہوگئی، پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور پھر فرمایا کیا تم پڑھتے ہو جب میں بلند سے قرأت کرتا ہوں؟ پھر بعض نے ہم میں سے کہا ہم اس طرح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تبھی تو میں کہہ رہا تھا کہ قرآن مجھ سے جھگڑا کر رہا ہے اور تم سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ بھی نہ پڑھو۔"

نیز امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ۱۲ میں اس حدیث پر یہ باب باندھتے ہیں کہ "باب هل قرأ باكثر من فاتحة الكتاب خلف الامام اور بیہقی نے بھی اس طرح باب قائم کیا ہے۔ (کتاب القرأۃ صفحہ ۹۸) اور فقہاء کا قاعدہ ہے کہ عام اور خاص کا تعارض ہو تو خاص مقدم ہوگا جس طرح کہ اصول کی کتب میں مصرح ہے۔

**اوّلاً:**...... تو یہاں پر تعارض نہیں کیونکہ یہ روایت صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی اور اگر اس کی صحت تسلیم کر لی جائے۔ تب بھی روایت الاٰیام القرآن اس پر مقدم ہوگی۔

**الوجه الثالث:**...... اگر اس روایت کو بھی ثابت مان لیا جائے تب بھی علاء والی روایت میں اس کے منسوخ ہونے کا بیان ہے اور یہ روایت اس طرح ہے:

علاء بن عبدالرحمن عن ابی السائب عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى صلاة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج . الحديث

امام حمیدی فرماتے ہیں کہ:

"لانا وجدناهما عن ابی هريرة ولم يتبين لنا ايهما بعد الآخر حتى ابان ذالك العلاء في حديثه حين قال قال لي ابوهريرة يا فارسي اقرأ بها في نفسك فعلمنا انما امر بذالك ابوهريرة ابا العلاء بعد النبي ﷺ ولا يحتمل ان يكون حديث ابن اكيمة الناسخ ثم يأمر ابوهريرة ان يعمل بالمنسوخ وهو رواهما معاً وفي قول عبادة بن الصامت انه لا صلاة الا بفاتحة الكتاب وهو رواه عن النبي ﷺ وفي قول ابي هريرة هذا يدل على انه انما عنى النبي ﷺ بالقراءة في الجهر وغيره لان من روى الحديثين عن رسول الله ﷺ هو اعلم بمعناهما ."

یعنی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث الخداج اور ابن اکیمہ والی روایت "ما لی انازع القرآن" دونوں کا خود راوی ہے۔ اگر ابن اکیمہ کی روایت کو ثابت مانتے ہیں تب بھی یہ روایات ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ہمیں ظاہری طور پر یہ خبر نہیں کہ ان میں سے کون سا حکم پہلا ہے اور کون سا بعد کا ہے؟ کیونکہ ناسخ کا منسوخ

سے متاخر ہونا شرط ہے لیکن علاء بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے نقل کیا کہ میں نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے کیا کروں؟ اس پر اس نے یہ جواب دیا کہ اقرأ بها في نفسك اس سے صاف ظاہر ہوا کہ منازعت یعنی نفی والی روایت پہلے کی ہے اور منسوخ ہے اور خداج والی روایت میں جو ذکر ہے وہ متاخر حکم ہے، لہٰذا اس کے لیے ناسخ کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ فتویٰ ابوہریرہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دیا ہے اور دونوں واقعات کا ناقل خود ہے اور دونوں احادیث کے مفہوم و مراد کو ہم سے زیادہ وہ خود جانتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ابوہریرہ ناسخ روایت کے خلاف منسوخ روایت پر فتویٰ دے۔ حاشاه الله من ذالك .

**ناظرین**: ...... اس جگہ پر مولوی صاحب کو دو باتوں میں اختیار ہے۔ ایک تو دونوں روایات میں تطبیق دے اور اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ خداج والی روایت میں فاتحہ کا صریح ذکر ہے۔ فاتحہ خاص ہے اور منازعة والی روایت مطلق ہے۔ فاتحہ اور ماسواء کو متحمل ہے اور جس روایت میں "الا بأم القرآن" آیا ہے یا جو ہم نے دونوں روایات مسند الشامیین اور جزء القرءة للبیهقی کے حوالہ سے مقتدی کے لیے خاص فاتحہ پڑھنا نقل کی ہے۔ وہ بھی ان خداج والی روایت کی تائید کرتی ہیں۔ لہٰذا دونوں روایات میں جمع کی صورت یہ ہے کہ اثبات سے مراد خاص فاتحہ ہے اور نفی سے مراد ماسواء فاتحہ ہے اور اگر ترجیح کی صورت اختیار کریں تب بھی خاص روایت جو فاتحہ کے متعلق نص ہے۔ وہ مقدم ہوگی۔

لکھنوی صاحب امام الکلام صفحہ ۲۰۸ پر لکھتے ہیں:

"وقد يقال ان هذا الحديث ليس بنصٍ على ترك قرأة الفاتحة بل يحتملها ويحتمل قرأة ما عداها وتلك الروايات تدل على وجوب قرأة الفاتحة او استحسانها نصا فينبغي تقديمها عليه قطعا ."

''اور کہا جاتا ہے کہ بے شک یہ حدیث (نفی) فاتحہ کی قرأت کو چھوڑنے پر نص نہیں بلکہ اس (فاتحہ) کو اور ماسواء کو متحمل ہے اور یہ روایات (اثبات کی) سورت فاتحہ کی قرات کے وجوب پر یا مستحسن ہونے پر نص اور صراحت سے دلالت کرتی ہیں۔ پھر ان کا اس (نفی) پر مقدم ہونا قطعی ہے۔''

اور صفحہ ۲۸۲ میں لکھتے ہیں کہ:

"ايضاً حديث عبادة نص في قرأة الفاتحة خلف الامام واحاديث الترك والنهي لا تدل على تركها نصا بل ظاهرا وتقديم النص على الظاهر عند تعارضهما منصوص في كتب الاعلام ."

''ایضاً عبادہ والی حدیث امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے میں نص ہے اور ترک اور نہی والی احادیث اس (فاتحہ) کے ترک پر نص سے دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ ظاہراً تعارض کے وقت نص کا ظاہر پر مقدم ہونا منصوص ہے جیسا کہ اصول کی کتب میں ہے۔''

دوسرا کہ مولوی صاحب کے ناسخ اور منسوخ والا طریقہ اختیار کریں اس کی صورت یہ ہے کہ جو امام حمیدی نے ذکر کی ہے۔ ایضاً خود علماء حنفیہ کے اصول کے مطابق بھی روایت منسوخ ہوتی ہے، کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں اور اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور اوپر نور الانوار کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں کہ جب صحابی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے یا عمل کرے تو یہ اس کے منسوخ ہونے کی علامت ہے۔

الحاصل اس روایت پر کلام دس وجوہات کی بناء پر ہے۔

**الوجه الاول:**...... اس کے راوی ابن اکیمہ پر کلام ہے۔

**الوجه الثانی:** ...... ''فانتهى الناس'' جملہ مدرج ہے۔ جسے چند علماء حنفیہ بھی قبول کرتے ہیں اور علماء حدیث اس پر متفق ہیں۔ امام ابن ابی حاتم کتاب المراسیل صفحہ ۱۱۹ میں اپنے والد ابو حاتم الرازی سے نقل کرتے ہیں کہ اتفاق اهل الحديث حجة اور چونکہ زہری اس زمانہ سے متاخر ہے۔ لہٰذا یہ روایت مرسل کہلائے گی اور مرسل روایت عند المحدثین حجت نہیں ہے، چنانچہ شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۵۰ میں ہے: انما ذكر فی قسم المردود للجهل بحال المحذوف لانه يحتمل ان يكون صحابيا ويحتمل ان يكون تابعيا وعلى الثاني يحتمل ان يكون ضعيفا ويحتمل ان يكون ثقه وعلى الثاني يحتمل ان يكون حمل عن صحابي ويحتمل ان يكون حمل عن تابعي اٰخر وعلى الثاني فيعود الاحتمال السابق بعدد اما بالتجويز العقلي فالى مالا نهاية له واما بالاستقراء فالى ستة او سبعة وهو اكثر ماوجد من رواية بعض التابعين عن بعض اور امام ابن ابی حاتم کتاب المراسیل صفحہ ۱۳ کہ: سمعت ابى واباازرعة يقولان لا يحتج بالمراسيل ولا تقوم الحجة الا بالاسانيد الصحاح المتصلة اور مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۲ میں ہے کہ ''والمرسل من الروايات فى اصل قولنا وقول اهل العلم بالاخبار ليس بحجة'' اور امام ابوعبداللہ الحاکم المدخل فی اصول الحدیث صفحہ ۱۳۲ میں فرماتے ہیں کہ: والمراسيل واهية عند جماعة اهل الحديث من فقهاء الحجاز غير محتج بها وهو قول سعيد بن المسيب ومحمد بن مسلم الزهرى ومالك بن انس الاصبحى وعبدالرحمن الاوزاعى ومحمد بن ادريس الشافعى واحمد بن حنبل ومن بعد هم من الفقهاء المدينة

وحجتهم فيه كتاب الله وسنة نبيه ﷺ وقوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ.... الآية﴾ فقرن الله تعالىٰ الرواية بالسماع من نبيه ﷺ فى خطب ذوات عدد نضر الله امرا سمع مقالتى فوعا ها حتى يؤديها الى من يسمعها اور علامہ سیوطی تدریب الراوی شرح التقریب النووی صفحہ ٦٦ میں فرماتے ہیں کہ (ثم المرسل حديث ضعيف) لا يحتج به (عند جماهير المحدثين والشافعى) كما حكاه عنهم مسلم فى صدر صحيحه وابن عبدالبر (فى التمهيد صفحه ٦ ج ١) وحكاه الحاكم عن ابن المسيب ومالك (وكثير من الفقهاء واصحاب الاصول) اور تصحیح النظر شرح شرح نخبة الفكر صفحہ ١٦٩ میں ہے کہ "شو کانی درا رشاد فحو ل گفته" مذہب جمہور محدثین ضعف مرسل وعدم قیام حجت "باوست تا آنکه بعض قائلین مرسلین آنرا اقویٰ ازسند گفته اند بنا برثقت تابعی بصحت اولهذا مرسل کره دو واین غلو خارج از انصاف است وحق عدم قبول است بنا بر احتمال نه کرده۔ عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مرسل حدیث تمام محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے اور اکثر فقہاء بھی ان کو نہیں مانتے بلکہ خاص طور پر زہری کی مرسل روایت تو بالکل ضعیف اور مردود ہے۔ امام ابن ابی حاتم کتاب المراسیل صفحہ ۱ طبع عراق میں فرماتے ہیں کہ: حدثنا محمد بن سنان قال كان يحيىٰ بن سعيد القطان لا يرى ارسال الزهرى وقتادة شيئا ويقول هو بمنزلة الريح ثم يقول هؤلآء قوم حفاظ كانوا اذا سمعوا الشىء علقوه. یعنی زہری کی مرسل روایت کوئی چیز نہیں بلکہ وہ اڑتی ہوئی بات ہے۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۱۱ ج ا طبع ثالثہ میں فرماتے ہیں کہ: قال ابو قدامة السرخسى قال يحيىٰ بن سعيد مرسل الزهرى شرمن مرسل غيره لانه حافظ وكلما قدر ان يسمى سمى وانما يترك من لايستجيزان يسميه. یعنی زہری کی مرسل روایت دیگر کی مرسل روایت سے زیادہ بری ہے یعنی کمزور ہے۔ کیونکہ وہ حافظ حدیث ہے۔ وہ اس راوی کو گراتا ہے جس کا نام ظاہر کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ اگر کچھ معلوم ہوتو ضرور ذکر کرے۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی صفحہ ۷۰ میں لکھتے ہیں کہ: مراسيل الزهرى قال ابن معين ويحيىٰ بن سعيد القطان ليس بشى وكذا قال الشافعى قال لانا نجده يروى عن سليمان بن ارقم وروى البيهقى عن يحيىٰ بن سعيد قال مرسل الزهرى شر من مرسل غيره لانه حافظ كلما قدر ان يسمى سمى وانما يترك من لا يستحب ان يسميه. الحاصل ان دو وجوہات کی بناء پر یہ بات نقل کے لحاظ سے قبولیت کے درجے سے گری ہوئی ہے۔

**الوجہ الثالث:** ...... منازعت طلب کرتی ہے کہ پیچھے جہر کے ساتھ پڑھتا جائے لہٰذا اگر اس روایت کی صحت قبول کی جائے تو بھی اس سے لغایتہٖ اتنا ثابت ہوگا کہ امام کے پیچھے جہر سے پڑھنا منع ہے نہ کہ اصل قرأت اور یہی بات آپ کے احناف بھی قبول کرتے ہیں۔ لکھنوی صاحب غیث الغمام حاشیۃ امام الکلام صفحہ ۱۸۹ میں لکھتے ہیں کہ: "غایته ما فیه ان النبی ﷺ قال مالی انازع القرآن فهو ان دل علی النهی فانما یدل علی نهی القرأة المفضیة الی المنازعة فی الجهریة علی ما مر تفصیله" اور حافظ عبدالبر التمہید (قلمی) میں فرماتے ہیں کہ: "ولا تکون المنازعة الافیما جهر المأموم وراء الامام" اور لغت کی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار کا مصنف آپ کا حنفی بھائی طاہر الفتنی صفحہ ۳۴۷ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ: "ومنه مالی انازع القرآن ای اجاذب فی قرآئتہٖ کأنهم جهروا بالقراة خلفه فشغلوه ینازعنی القرآن ای لایتا تی لی کأنی اجاذبه فیعصی ویثقل علی لکثرة اصوات المأمومبن." یعنی جس طرح کہ مقتدی پیچھے اونچی آواز سے پڑھتے تھے تب منازعت ہوتی تھی۔ اس طرح لغت کی مشہور اور معتمد علیہ کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر صفحہ ۴۱ ج ۵ میں امام ابن الاثیر میں فرماتے ہیں کہ ومنه الحدیث "مالی انازع القرآن" ای اجاذب فی قرائته کانهم جهروا بالقرأة خلفه نشغلوه. الغرض یہ توجیہ مابین شراح حدیث اور اہل اللغۃ کے درمیان متفق علیہ ہے اور علماء حنفیہ بھی اس کی موافقت کرتے ہیں۔

**الوجہ الرابع:** ...... علی شرط الصحة اس سے مراد فاتحہ کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ فاتحہ کے علاوہ مراد ہوسکتی ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث اس کی تشریح کرتی ہیں۔ جن میں صریحاً فاتحہ کا حکم ہے اور بعض حنفیہ بھی اس کو قبول کرتے ہیں۔

**الوجہ الخامس:** ...... تعارض کی صورت میں اگر نسخ کا پہلو اختیار کیا جائے تو پھر یہ حدیث محدثین خواہ احناف دونوں کے نزدیک منسوخ ٹھہرے گی۔ جس طرح کہ اوپر گزرا۔ مولوی صاحب کو اس پر اتفاق کرنا چاہیے:

جذبہ عشق بحدے است میان من وتو
کہ رقیب آمد نہ شناخت نشان من وتو

**الوجہ السادس:** ...... اگر ترجیح وتقدیم والا طریقہ لیا جائے تو بھی اثبات والی احادیث مقدم ہوں گی۔ کیونکہ نص ظاہر پر اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ اس کے متعلق آپ کے ہم پیالہ، ہم نوالہ بھائی لکھنوی صاحب کی نقل کردہ عبارتیں دوبارہ پڑھ کر دل کو تسلی دیں۔

**الوجہ السابع:** ...... ان سب وجوبات سے اعراض اور اغماض کیا جائے اور روایت کو اول سے آخر تک

صحیح اور متصل بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے قرأت خلف الامام کی نفی ثابت ہوگی۔ تب بھی یہ روایت مولوی صاحب کو فائدہ نہ دے گی۔ کیونکہ ان کے مذہب کے مطابق جہری خواہ سری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی اور اس روایت میں صرف جہر کی نفی ہے، جس طرح کہ مولوی صاحب خود ترجمہ کرتے ہیں کہ "اس کے بعد جن نمازوں میں قرأت جہری تھی صحابہ نے نبی ﷺ کے پیچھے قرأت کرنا بالکل چھوڑ دی تھی۔" (تحفۃ الحدیث صفحہ ۳۶)

اس کا مفہوم صاف ہے کہ سری میں پڑھتے تھے۔ آپ کا حنفی بھائی ملا علی قاری مرقاۃ صفحہ ۳۰۲ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "ومفھومہ انھم کانوا یسرون بالقراۃ فیما کان یخفی فیہ رسول اللہ ﷺ وھو مذھب الاکثر وعلیہ الامام محمد من ائمتنا۔" بلکہ اس حدیث میں بھی ایسی تصریح آئی ہے۔ چنانچہ جزء القراءۃ للبخاری صفحہ ۱۳ میں روایت ہے: حدثنا محمود قال ثنا البخاری قال ثنا عبد اللّٰہ بن محمد قال ثنا اللیث قال ثنا یونس عن ابن شھاب عن ابن اکیمۃ اللیثی یحدث عن سعید بن المسیب یقول سمعت اباھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول صلی لنا رسول اللہ ﷺ صلاۃ جھر فیھا بالقرأۃ ولا اعلم الا انہ قال صلاۃ الفجر فلما فرغ رسول اللہ ﷺ اقبل علی الناس فقال ھل قرأ معی احد منکم قلنا نعم قال الا انی اقول مالی انازع القرآن قال فانتھی الناس عن القرأۃ فیما جھر فی الامام وقرؤا فی انفسھم سرا فیما لا یجھر فیہ الامام. اب مولوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اس روایت کو صحیح اور ادراج خواہ دیگر علتوں سے سالم کرتے ہو یا نہیں؟ اگر کرتے ہیں تو پھر سری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل اور اس پر عامل بنو بصورت دیگر اگر صحیح تسلیم نہیں کرتے تو پھر ایسی چیز استدلالاً کیوں پیش کرتے ہو۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فا المصیبۃ اعظم

جب کہ ابن اکیمہ کی روایت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ وہ سری نماز میں امام کے پیچھے پڑھتے تھے تو پھر روایت کے ایک حصے کو ماننا اور دوسرے کا انکار کرنا دیانتداری کے خلاف ہے۔

**الوجہ الثامن**: ...... فانتھی الناس ...... الخ اس جملے کا مولوی صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ "صحابہ نے آپ کے پیچھے قرأت کرنا بالکل چھوڑ دیا۔"

**اولاً**: ...... یہ بات واقعہ کے خلاف ہے چنانچہ احادیث میں صریحاً مذکور ہے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے

پیچھے جہری نماز میں قرأت کرتے تھے۔ چنانچہ جزء القرأة للبیھقی صفحہ ۶۹ میں ہے کہ "انھم کانوا یقرؤن خلف رسول الله ﷺ اذا انصت فاذا قرأ لم یقرأوا واذا انصت قرؤا وکان رسول الله ﷺ یقول کل صلاة لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہوا کہ صحابہ آپ کے پیچھے جہری نماز میں قرأت کرتے تھے لہٰذا یہ زیادتی کس طرح قابل قبول ہوگی؟

**ثانیاً**: ...... یہی عمل صحابہ میں رہا چنانچہ جزء القرأة بخاری صفحہ ۲۹ میں ہے کہ "قال ثنا صدقة قال اخبرنا عبدالله بن رجاء عن عبدالله بن عثمان بن خیثم قال قلت لسعید بن جبیر اقرأ خلف الامام قال نعم وانما سمعت قرائته انھم قد احدثوا مالم یکونوا یصنعونه ان السلف کان اذا ام احدھم الناس کبر ثم انصت حتی یظن ان من خلفه قد قرأ فاتحة الکتاب ثم قرأ وانصتوا ." سلف کا عمل یہی بتاتا ہے کہ یہ نسبت صحیح نہیں ہے کہ انھوں نے جہری نماز میں قرأت کرنا چھوڑ دی تھی؟

**ثالثاً**: ...... اس روایت کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ جس طرح کہ جزء القرء ة بخاری صفحہ ۱۰ اور جزء القرأة للبیھقی صفحہ ۱۹ میں ہے: "قلت یا ابا ھریرة کیف اصنع اذا کنت مع الامام وھو یجھر بالقرأة قال ویل لك یا فارسی اقرا بھا فی نفسك اور جزء القراۃ بیہقی صفحہ ۷۰ میں دوسری روایت ہے کہ: عن ابی ھریرة قال کل صلاة لا یقرأ فیھا بام الکتاب فھی خداج ثم ھی خداج فقال بعض القوم فکیف اذا کان الامام یقرأ قال ابو سلمة للامام سکتتان فاغتنموھما سکتة حین یکبر سکتة حین یقول غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فھذا الجواب من أبی سلمة بن عبدالرحمن کان بین یدی ابی ھریرة ولم ینکر علیه ذالك فھو کما قال ابوھریرة ." پھر جب کہ خود ابو ہریرہ جہری نماز میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں وہ کس طرح کہتے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جہری نماز میں قراءت پڑھنا چھوڑ دی تھی؟ اگر یہ واقعی حقیقت تھی تو پھر ابو ہریرہ اس جملے کے قائل یا ناقل ہوتے تو خود اس کے خلاف جہری نماز میں امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔

**الوجه التاسع**: ...... یہ قاعدہ مسلم ہے کہ "الراوی ادری بمرویه" یعنی راوی اپنی روایت کو زیادہ بہتر جانتا ہے اور سمجھتا ہے پھر جب کہ ابو ہریرہ اس روایت کے راوی ہی ہیں جو الحمد امام کے پیچھے پڑھنے کو منع یا ترک نہیں سمجھتے اور نہ ہی اسے اس معنی پر محمول کرتے ہیں۔ بلکہ علی التقدیر اس روایت کو روایت کرتے

ہوئے بھی فاتحہ کا حکم دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کی سمجھ دیگر کی سمجھ پر مقدم ہوگی۔ چنانچہ آپ کے حنفی بھائی سردار ابن الہمام "التحریر فی اصول الفقه" صفحہ ۳۲۸ میں فرماتے ہیں کہ "حمل الصحابی مروية المشترك ونحوه علی احد ما يحتمله وهو تاويله واجب القبول." یعنی صحابی اپنی مشترک روایت کو کسی ایک احتمال پر محمول کرے تو وہ قبول کرنا واجب ہے۔

**الوجه العاشر:**...... دراصل پوری روایت سنن الدارقطنی صفحہ ۱۲۱ ج ا طبع ہند میں ہے۔ حدثنا ابو محمد بن صاعد قال حدثنا محمد بن زنجويه وابو زرعة عبدالرحمن بن عمرو الدمشقی واللفظ له قالا نا محمد بن المبارك الصوری ثنا صدقة بن خالد ثنا زيد ابن واقد عن حرام بن حكيم ومكحول عن نافع بن محمود بن الربيع كذا قال انه سمع عبادة بن الصامت يقرأ به القرآن وابو نعيم يجهر بالقرأة فقلت رأيتك صنعت فی صلاتك شيئا قال وما ذالك قال سمعتك تقرأ بام القرآن وابو نعيم يجهر بالقرأة قلنا نعم صلی بنا رسول الله ﷺ بعض الصلاة التی يجهر فيها بالقرأة فلما انصرف قال منكم من احد يقرأ شيئا من القرآن اذا جهرت بالقرأة قلنا نعم يا رسول الله فقال رسول الله ﷺ وانا اقول مالی انازع القرآن فلا يقرأنّ احد منكم شيئا من القرآن اذا جهرت بالقرأة الا بام القرآن هذا اسناد حسن ورجاله ثقات كلهم ورواه يحيىٰ البابلتی عن صدقة عن زيد بن واقد عن عثمان بن ابی سورة عن نافع بن محمود۔ حدثنا يحيىٰ بن محمد بن صاعد ثنا سليمان بن سيف الحرانی ثنا يحيىٰ بن عبدالله بن الضحاك ثنا صدقة عن زيد بن واقد عن عثمان بن ابی سودة عن نافع بن محمود قال اتيت عبادة بن الصامت وذكر عن النبی ﷺ وقال فيه فلا يقرأنّ احد منكم الا بفاتحه الكتاب فانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها.

**ناظرین:**...... امام دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔

اس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

**اوّل:**...... یہ نماز جہری تھی۔

**دوسری:**...... "مالی انازع القرآن" کہنے کے بعد مسئلے کا حکم بیان کرتے ہیں۔

**تیسری:**...... حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ جہری نماز میں میری پیچھے فاتحہ کے علاوہ کچھ بھی نہ پڑھو۔ اس سے ثابت ہوا کہ فانتهی الناس عن القرأة ...... الخ یہ زیادتی حدیث کا حصہ نہیں بعد میں بڑھایا ہوا ہے یا

تو اس سے فاتحہ کے علاوہ قرآن مراد ہے، کیونکہ الفاظ ہیں۔ فلا تقرأوا اشيئا من القرآن اذا جهرت بالقرأة یعنی جب قرأت جہری کروں تو پھر قرآن میں سے کوئی چیز نہ پڑھو۔ اس کے بعد استثناء فرماتے ہیں کہ الا بام القرآن یعنی مگر سورۃ الحمد پھر اگر فرضاً یا تقدیراً یہ زیادتی صحیح بھی ہے تو بھی معنی یہ ہوگا کہ صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے جہری نماز میں الحمد کے علاوہ باقی قرآن پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ انہیں فاتحہ کے علاوہ پڑھنے سے منع کیا گیا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ "ما عدا الفاتحه" سے روکا گیا اور انہوں نے فاتحہ پڑھنا بھی چھوڑ دی ہو۔

ع این خیال هست و محال هست و جنون

ایسی لاپروائی کی نسبت صحابہ کرام کی طرف کرنا انتہائی طعن زنی اور عیب لگانا ہے۔ اعاذنا الله عمن ذلك.

**چوتھی:**...... مزید تاکید فرماتے ہیں کہ "فانه لا صلاة لمن يقرأ بها" یعنی الحمد کا استثناء اسی وجہ سے کیا، کیونکہ بیان فرمایا کہ جو بھی اسے نہ پڑھے اسی کی نماز نہیں۔ اب خدارا انصاف کریں کہ صحابہ کرام نے یہ حکم سن کر پھر بھی فاتحہ پڑھنا چھوڑ دی یہ قطعاً ناممکن ہے۔ بلکہ یہ صحیح روایت ظاہر کرتی ہے کہ اصل حدیث میں یہ زیادتی "فانتهى الناس" الخ قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ مدرج اور بعد کا اضافہ ہے۔ بلکہ حدیث میں اس کے خلاف فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور خبر بتائی گئی ہے کہ اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ خاص طور پر اس کے راوی عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے اس جملے کے کہنے "مالي انازع القرآن" کے وقت موجود تھے وہ خود امام کے پیچھے جہری نماز میں سورۃ الحمد پڑھتے تھے ثابت ہوا کہ یہ زیادتی فانتهى الناس الخ قطعاً جعلی اور بناوٹی ہے۔ کیونکہ منازعت والی روایت کے راوی خود کے ہیں۔ تبھی تو جہری نماز میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ترک نہیں کی۔ بلکہ خود اس منازعت والے واقعہ سے استدلال کر رہے ہیں کہ جہری نماز میں بھی امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ضروری ہے۔ ایسی وضاحت کے بعد بھی منازعت والی روایت سے فاتحہ کے ترک کے لیے مولوی صاحب کو خوف کرنا چاہیے۔ ایسی صراحت کے بعد وہ خود امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھیں تو یہ ان کی مرضی لیکن صحابہ کرام پر ایسا الزام نہ لگائیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب: ۵۸) بلکہ امام لیث بن سعد یہ روایت زہری سے لا کر فقط "مالي انازع القرآن" تک نقل کرتے ہیں اور آگے زیادتی "فانتهى الناس...... الخ" نہیں لاتے۔ جس طرح کہ امام بخاری "جزء القرأة، صفحہ ۱۳" میں روایت لائے ہیں اور امام بیہقی بھی "كتاب القرأة" میں امام لیث کے ساتھ

امام ابن جریج کی بھی زہری سے روایت لاتے ہیں۔ جو کہ "مالی انازع القرآن" پر ختم ہوتی ہے۔ بعد میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ "وکذالك انتهاء الليث بن سعد وهو من الحفاظ الاثبات الفقهاء مع ابن جريج برواية الحديث من الزهري الى قوله مالي انا زع القرآن دليل على ان ما بعده ليس في الحديث وانه من قول الزهري ." اس حدیث کی وضاحت کردی گئی ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

**صفحہ ۲۷**:...... پھر ان کتب کے حوالے ذکر کرتے ہیں جن میں یہ حدیث بقول ان کے آئی ہے۔

**جواب**: ...... جن کے نام ذکر کیے ہیں ان میں سے ابوداؤد، ترمذی، سنن کبریٰ بیہقی اور جزء القراۃ میں اس روایت پر کلام ہے۔ امام ابوداؤد کا قول گزرا ہے۔ بلکہ امام ابوداؤد بذات خود جہری خواہ سری نماز میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی کتاب اخبار اصفہان صفحہ ۱۵۱ ج۲ میں غسان بن الفضل بن زید سے نقل کرتے ہیں کہ "قال سالت ابا داؤد عن القرأة خلف الامام فقال تقرأ جهر الامام اولم يجهر" پھر اگر یہ روایت امام ابوداؤد کے نزدیک قابل قبول ہوتی یا اس سے امام کے پیچھے جہری یا سری نماز میں فاتحہ کی ممانعت یا ترک ثابت ہوتا تو کبھی بھی ایسا حکم نہ دیتے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "وروى بعض اصحاب الزهري هٰذا الحديث وذكروا هذا الحرف قال قال الزهري فانتهى الناس عن القرأة حين سمعوا ذالك من رسول الله ﷺ وليس في الحديث ما يدخل على من راى القرأة خلف الامام لأن اباهريرة هوالذي روى عن النبي ﷺ هذا الحديث وروى ابوهريرة عن النبي ﷺ انه قال من صلى صلاة لم يقرأ فيهابا م القرآن فهي خداج غير تمام فقال له حامل الحديث انى اكون وراء الامام قال اقرأبها في نفسك وروى عثمان النهدي عن ابي هريرة قال امرني النبي ﷺ ان انا دي ان لا صلاة الا بقرأة فاتحة الكتاب " یعنی زہری کے کئی راویوں نے وضاحت کی ہے کہ "فانتهى الناس عن القرأة ...... الخ" یہ امام زہری کا کلام ہے۔ یعنی اس حدیث کے الفاظ نہیں ہیں اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قرأۃ خلف الامام پڑھنے والے پر کوئی بھی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس روایت کے راوی ابوہریرہ خود رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے الحمد نہ پڑھی اس کی نماز نامکمل ہے اور پوری نہیں ہوئی۔ تب شاگرد نے آپ سے پوچھا کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں۔ یعنی پھر کیا کروں؟ تب ابوہریرہ نے فرمایا کہ آہستہ پڑھا کر اور ابوہریرہ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں اعلان کردوں کہ کوئی بھی نماز الحمد کے بغیر

نہیں ہوتی۔ یعنی کہ جب خود ابو ہریرہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے بھی نقل کرتے ہیں اور اس قسم کا عام لوگوں میں اعلان بھی کرتے ہیں تو پھر اس حدیث میں فاتحہ کی ممانعت کس طرح کہی جائے گی؟ ورنہ وہ راوی اس کی مخالفت نہ کرتا اور امام بیہقی کی کتاب القرآۃ سے بھی چند اقتباسات ذکر کر چکا ہوں۔ پھر بھی صفحہ ۹۵ تا ۹۹ تک تفصیل سے دیکھنا چاہیے اور السنن الکبری صفحہ ۱۵۷ تا صفحہ ۱۵۹ ج ۲ تک اس روایت پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ زیادتی زہری کا کلام ہے۔ حدیث میں سے نہیں اور اسی طرح ائمہ حدیث بخاری ذہلی، ابو داؤد، یعقوب بن سفیان سے بھی نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ "فی صحة هذا الحديث عن النبى ﷺ نظر وذالك لان راويه ابن اكيمة الليثى وهو رجل مجهول لم يحدث الا بهٰذا الحديث وحده ولم يحدث عنه غير الزهرى ولم يكن عند الزهرى من معرفته اكثر من ان رآه يحدث سعيد بن المسيب . اس کے بعد ابو ہریرہ کی خداج والی روایت لاتے ہیں۔ جس میں الفاظ ہیں کہ "اقرأ بها في نفسك" پھر فرماتے ہیں کہ "ابو هريره راوى الحديثين دليل على ضعف رواية ابن اكيمة أو أراد بها فى حديث ابن اكيمة المنع عن الجهر با لقرأة خلف الامام اوالمنع عن قرأة السورة فيما يجهر فيه بالقرأة .

امام نسائی بھی اسی روایت پر باب باندھتے ہیں کہ "ترك القرأة خلف الامام فيما جهر به" لہٰذا یہ بات بھی آپ کے مذہب کے خلاف ہے۔

**ثانیاً:** ......خود اسی حدیث اور دیگر جو بھی مانعین پیش کرتے ہیں۔ ان سب کو ماعدا الفاتحہ پر محمول کرتے ہیں اور فاتحہ کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جہری نماز میں بھی سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کے متعلق اپنا مذہب ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ امام موصوف نے اپنی سنن میں اس مسئلے کے متعلق صفحہ ۹۲۔۹۳ میں جملہ چھ باب نقل کیے ہیں۔ پہلے باب میں فرماتے ہیں کہ "ايجاب قرأة فاتحة الكتاب فى الصلوٰة" جن میں عبادہ والی مشہور روایت "لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" ذکر کرتے ہیں اور دوسرا باب اس طرح لکھتے ہیں کہ "ترك القرأة خلف الامام فيما لم يجهر فيه" اسی میں یہ روایت لائے ہیں کہ "قرأ سبح اسم ربك الاعلىٰ" اور یہ لفظ ہیں کہ "قد عرفت ان بعضكم قد خالجنيها" اور تیسرا باب "ترك القراة خلف الامام فيما جهر به ." اور اس میں یہ منازعت والی روایت لاتے ہیں چوتھا باب اسی طرح مقرر کرتے ہیں کہ "قرأة ام القرآن خلف الامام فيما جهر به الامام" اور اس میں یہ روایت لاتے ہیں کہ "عن عبادة بن الصامت قال وصلى بنا رسول الله ﷺ

بعض الصلوٰة التی یجهر فیها بالقرأة فقال لا یقرأنّ احد منکم اذا جهرت بالقرأة الا بأم القرآن " اور پانچواں باب اس طرح لکھتے ہیں کہ "تأویل قوله عزوجل ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾" اور اس کے بعد حدیث "اذا قرأ فأنصتوا" ذکر کرتے ہیں اور چھٹے باب میں اس طرح کہتے ہیں کہ "اکتفاء المأموم بقراء ة الامام" ورجو اس کے تحت جو روایت لاتے ہیں وہ اس کو خطا کہتے ہیں۔

**ناظرین** :......اس ترتیب پر غور کرنا چاہیے جو امام نسائی ترک قرأة کے لیے باب لاتے ہیں تو ان سب میں مطلق قرأت کا ذکر کرتے ہیں اور اثبات والے باب میں خاص فاتحہ کی تصریح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "قرأة ام القرآن خلف الامام فیما جهر به الامام -" یعنی امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا بیان جس وقت امام جہری قرأت کرتا ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی جو نفی والی احادیث لائے ہیں انہیں فاتحہ کے علاوہ پر محمول کرتے ہیں اور فاتحہ کو اس حکم سے خارج کرتے ہیں بلکہ اس کی قرأت کا فیصلہ دیتے ہیں۔ نیز اسی کے وجوب کا حکم دیتے ہیں، الغرض! امام نسائی کا حوالہ نقل کرنا بھی مولوی صاحب کو مہنگا پڑا اور موطا میں بھی امام مالک احناف کے خلاف کہتے ہیں اور چنانچہ اس حدیث پر باب کا نام رکھتے ہیں کہ "ترك القراة خلف الامام فیما جهر فیه" اور پھر فرماتے ہیں کہ الامر عندنا ان یقرأ الرجل وراء الامام فیمالا یجهر فیه الامام بالقرأة ویترك القرأة فیما یجهر فیه الأمام بالقرأة" (مؤطا مالك صفحه ٦٨ طبع اصح المطابع) یعنی کہ مؤطا کا حوالہ بھی مولوی صاحب کے لیے مفید نہ ہوا اور ابن ماجہ کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن انہوں نے اپنی سنن صفحہ ۲۱۔ ۲۰ میں تین باب رکھے ہیں. پہلا باب اس طرح رکھتے ہیں۔ "باب القرأة خلف الامام" عبادہ کی روایت اور ابوہریرہ، عائشہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کی خداج کے متعلق روایات اور ابوسعید الخدری کی روایت "لا صلوٰة لمن لم یقرأ فی کل رکعة الحمد وسورة فی فریضة وغیرها " اور ابو درداء کی روایت "قال سأله رجل فقال اقرأ والامام یقرأ قال سال رجل النبی ﷺ افی کل رکعة قراة قال رسول الله ﷺ نعم فقال رجل من القوم وجب هذا " اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کہ "قال کنا نقرأ فی الظهر والعصر خلفْ الامام...... الحدیث" اس کے بعد دوسرا باب رکھتے ہیں "باب فی سکتتی الامام" اس میں سمرة بن جندب کی روایات لاتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرا باب اس طرح مقرر کرتے ہیں۔ "باب اذا قرأ الامام فانصتوا" جس میں "اذا قرأ فانصتوا" اور "مالی انازع القرآن" اور قرأة الامام له قرأة" یہ روایات ذکر کرتے ہیں۔

اس ترتیب سے ظاہر ہوا کہ امام موصوف نفی والی روایات کو امام کے ساتھ اکٹھے پڑھنے پر محمول کرتے ہیں اور سکتات یعنی جن حالتوں میں امام خاموشی اختیار کرے ان کیفیات کو اس نفی والے حکم میں شمار نہیں کرتے اور اثبات ونفی والے دونوں بابوں کے درمیان سکتات کا باب رکھ کر اس کو ثابت کرتے ہیں اور مسنون قرار دیتے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام موصوف سکتات میں پڑھنے کا قائل ہے۔ لہٰذا ابن ماجہ کا نقل کرنا بھی مولوی صاحب کے لیے نقصان دہ ہے۔

**اوّلاً:**...... ابن ماجہ یہ روایت دو طریقوں سے لائے ہیں پہلے میں "مالی انازع القرآن" پر ختم ہوتی ہے اور زیادتی "فانتھی الناس" اس میں نہیں ہے۔ دوسری سند میں کہتے ہیں کہ "وزادفیہ قال فسکتوا بعد فیما جھر فیہ الامام" اس سے ثابت ہوا کہ نقل میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ اس کو قطعی نہیں سمجھتے۔

**ثانیاً:**...... وزاد کی ضمیر اس کا مرجع کون سا ہوگا؟ سفیان بن عیینہ یا معمر کیونکہ ان دونوں اسناد میں یہی راوی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اس زیادتی کو حدیث کا جزء نہیں بناتے۔ بلکہ زہری کا کلام کہتے ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی کتاب القراۃ صفحہ ۹۶ میں یہ روایت لاتے ہیں اس میں الفاظ ہیں کہ "قال سفیان وتکلم الزھری بکلمۃ لم اسمعھا فقال معمر انہ قال فانتھی الناس." ثابت ہوا کہ سفیان اور معمر اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ اس کلمہ کے قائل زہری ہی ہیں۔ جسے سفیان نہ سمجھ سکے اور معمر سمجھ گئے۔

**ثالثاً:**...... ظاہر ہوا کہ اگر حدیث کے الفاظ ہوتے تو امام سفیان اس کلمے کو سمجھنے کے لیے زہری کے ساتھ دوبارہ مراجعت کرتے۔ لیکن زہری کا کلام تھا لہٰذا اتنی پرواہ نہ کی۔

**رابعاً:**...... ابن ماجہ میں لفظ ہیں "فسکتوا" حالانکہ سکوت صرف چپ کرنے کے معنی میں نہیں آتا۔ بلکہ اس سے جہر سے نہ پڑھنا بھی مراد ہوتا ہے۔ جو کہ آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں۔ اس کا اطلاق خود حدیث میں آیا ہے۔ "عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ یسکت بین التکبیر و بین القرأۃ اسکاتہ فقلت بابی وامی یا رسول اللہ اسکاتک بین التکبیر وبین القرأۃ ماتقول قال اقول اللّٰھم باعد بینی...... الحدیث" (مشکوٰۃ صفحہ ۷۷ بحوالہ بخاری ومسلم) اب غور کریں کہ ابوہریرہ یسکت بھی کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کیا پڑھتے ہو اور کہتے ہیں کہ "اسکاتک بین التکبیر وبین القرأۃ ماتقول" اور خود نبی ﷺ بھی اسے غلط نہیں کہتے اور نہ ہی اس طرح کہتے ہیں کہ سکوت اور قول دونوں کس طرح اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ بلکہ یہ دعا بیان فرماتے ہیں جو آپ سکتات میں پڑھتے تھے۔ علامہ فتنی حنفی لغت کی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار صفحہ ۱۲۵ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "یسکت بین

التکبیر الخ مضارع اسکت بمعنی سکت ای ترك الجهر" اور دو تین سطریں چھوڑ کر پھر لکھتے ہیں کہ "قرأ رسول اللّٰه ﷺ فیها امر ای جهر وسکت فیما امر ای اسر." نیز امام بیہقی ابوہریرہ کی اوپر والی حدیث لا کر لکھتے ہیں کہ "فهٰذا الخبر الصحیح یبین ویوضح ان الا نصات قد یکون ترك الجهر وان کان المنصت عن الجهر ذاکر للّٰه او قارئا للقرآن اذ لا فرق بین السکوت و الانصات عند العرب وقد قال ابوهریرة للنبی ﷺ ماتقول فی سکوتك بین التکبیر والقرأة ولم یقل النبی ﷺ لستُ بساکت ولکن اعلمه ما یقول فی سکوته ذالك." نیز لغت کی مشہور کتاب نہایۃ ابن الاثیر صفحہ ۳۸۳ ج ۲ میں ہے کہ: قال ماتقول فی اسکاتتك ای سکوتك عن الجهر دون السکوت عن القرأة و القول. پھر جب کہ سکوت کا لفظ "ترك الجهر" اور آہستہ پڑھنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ حدیث، اثر، محدثین اور اہل لغت کے کلام سے ثابت کیا گیا ہے تو پھر ابن ماجہ کی روایت میں فسکتوا کا یہ معنی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پھر آہستہ پڑھا اور جہر کرنا چھوڑ دیا۔ تاکہ دوسری صحیح احادیث سے مخالفت نہ ہو بلکہ موافقت ہو۔ امام حنفیہ طحاوی شرح معانی الآثار صفحہ ۳۵۸ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ: واولی الاشیاء بنا اذا روی حدیثان عن رسول اللّٰه ﷺ فاحتملا الاتفاق واحتملا التضاد ان نحملها علی الاتفاق لاعلی التضاد.



الحاصل ابن ماجہ نے بھی مولوی کے مذہب کا کام تمام کر دیا۔

حافظ ابن کثیر کا نام لیا ہے۔ آپ تفسیر صفحہ ۲۸۰ ج ۲ میں اس روایت کو اس جماعت کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ جو سری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جہری میں روکتے ہیں۔ یہ بات بھی مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے، نیز مسند احمد کا حوالہ دیا ہے حالانکہ امام احمد کا اپنا یہ مسلک ہے۔ چنانچہ ان کے فرزند عبداللہ بن احمد کتاب مسائل الامام احمد صفحہ ۷۲ میں فرماتے ہیں کہ: "سألت ابی عن القراءة خلف الامام فیما جهر اقرأ او اسمع فقال تقرأ فیما لا یجهر قال سالت ابی عن القرأة خلف الامام فقال یقرأ فیما لا یجهر وینصت للقرآن فیما جهر الامام سمعت ابی سئل عن الرجل یصلی خلف الامام فلا یقرأ خلفه قال اعجب الی ان یقرأ" ثابت ہوا کہ امام صاحب اگرچہ اس روایت کو مسند میں لائے ہیں تاہم اس کو مطلق نفی کے لیے نہیں سمجھتے۔ جہری کے لیے خاص کرتے ہیں اور ان میں سے تیسری روایت کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب مطلق امام کے پیچھے پڑھنے کو زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ بلکہ امام ابوداؤد مسائل الامام احمد صفحہ ۳۱ میں فرماتے ہیں کہ

"سمعت احمد بن حنبل سئل عن القرأة خلف الامام قال اقرأ فيها و لا تجهر قيل له ففيها الجهر؟ قال لا يقرأ الا ان تبتدره فتقراء بفاتحه الكتاب قبل ان يقرأ." اس سے ثابت ہوا کہ امام صاحب جہری میں بھی امام کے خاموش ہوتے وقت فاتحہ پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ یہ روایت امام صاحب کے نزدیک صحیح نہیں ہے، جس طرح کہ اوپر تحقیق گزر چکی ہے۔ "والحمد لله على الموافقة" اتو اس روایت سے فاتحہ کی ممانعت نہیں سمجھتے۔ "وھو المطلوب" مشکوٰۃ کا مولوی صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ لیکن خود اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ نہیں بیان کیا بلکہ دوسری کتب کی طرف نسبت کی ہے جس کی بحث گزر چکی ہے۔

لکھتے ہیں کہ: یہ واقعہ نمازِ فجر کا ہے جس طرح کہ ابو داؤد صفحہ ۱۲۰ پر مذکور ہے۔

**جواب:**...... **اولاً:** ...... یہاں پر مولوی صاحب نے بہت بڑی علمی خیانت کی ہے۔ کیونکہ جس روایت کو نقل کیا ہے اس میں فجر کا ذکر نہیں۔ بلکہ مطلق ہے کہ "انصرف من صلاة جهر فيها بالقرأة" اور جس روایت کے لیے ابو داؤد کا حوالہ دیتے ہیں اس میں الفاظ ہیں کہ "نظن انها الصبح بمعناه الى قوله مالى انازع القرآن" یعنی اس جملے تک یہ روایت ختم ہوتی ہے اور ابن ماجہ صفحہ ۶۱ میں بھی صبح کا ذکر ہے اور وہ بھی "مالى انازع القرآن" تک ہے۔ بلکہ جن کتب میں فجر یا صبح کی تصریح ہے ان میں "فانتهى الناس...... الخ" والی زیادتی نہیں ہے اور جن میں اس زیادتی کے ساتھ روایت مذکور ہے تو ان میں فجر کی تصریح مذکور نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے ایک متن کو دوسرے متن کے ساتھ ملا کر اپنی حدیث بنائی ہے۔

**ثانیاً:** ...... اگر صلاۃ الفجر ہے تو پھر عبادہ والی روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "مالى انازع القرآن" کہنے کے بعد مقتدیوں کو الحمد پڑھنے کا حکم دیا چونکہ واقعہ ایک ہوا تو پھر جو ابو ہریرہ نقل کرتے ہیں اس سے عبادہ بن الصامت زیادہ نقل کرتے ہیں۔ یعنی دونوں شخص "مالى انازع القرآن" نقل کرتے ہیں۔ لیکن عبادہ الحمد پڑھنے کا حکم زیادہ نقل کرتے ہیں اور دونوں اس نماز میں شریک تھے۔ لہٰذا صحابی کی زیادتی قطعاً واجب القبول ہے۔

لکھتے ہیں کہ "امام کے پیچھے قرأت کرنے والا صرف ایک تھا۔"

**جواب:**...... قرأت کرنے والا نہیں بلکہ منازعت کرنے والا اور منازعت تب ہوگی جب جہر سے پڑھے جس طرح کہ اوپر گزرا۔ نیز امام قرطبی اپنی تفسیر صفحہ ۱۲۲ ج ا میں فرماتے ہیں کہ والمعنى فى حديثه لاتجهروا اذا جهرت فان ذالك تنازع وتجاذب وتخالج اقرؤا انفسكم بنسبة حديث عبادة وفتيا الفاروق وابى هريرة الراوى للحديثين فلو فهم المنع جملة من قوله

مالی انازع القرآن لم یفتی بخلافه ۔ امام قرطبی اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم فرمایا کہ میں جس وقت جہری قرأت کروں تو تم پیچھے جہراً نہ پڑھا کرو۔ کیونکہ اس طرح سے تنازع اور جھگڑا ہوتا ہے۔ بلکہ آہستہ پڑھا کرو۔ جیسا کہ اس طرح اس حدیث کا مطلب عبادہ کی حدیث سے بیان ہوتا ہے یعنی "الحدیث یفسر بعضه بعضا" اور امیر المومنین عمر فاروق کا فتویٰ بھی یہی بیان کرتا ہے کہ (یہ فتوی امام قرطبی نے تھوڑا سا آگے صفحہ ۱۲۰ ج ۱ میں اس طرح ذکر کیا ہے، "وذکـــر الـدار قطنی عن یزید بن شریك قال سألت عمر عن القرأة خلف الامام فامرنی اقرأ قلت وان کنت انت قال وان کنت انا قلت وان جهرت قال وان جهرت قال الدار قطنی هذا اسناد صحیح ." دارقطنی ذکر کرتے ہیں کہ یزید بن شریک نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کا سوال کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ پڑھو۔ میں نے عرض کی کہ آپ آگے امام ہو تو فرمایا کہ اگر چہ میں ہوں پھر عرض کیا کہ آپ جہر سے پڑھ رہے ہوں تو بھی تو فرمایا کہ اگر چہ میں اونچی آواز سے پڑھ رہا ہوں بھی قرأت کرو۔ دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے) نیز ابوہریرہ کا فتویٰ بھی بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ دونوں روایتوں کے راوی ہیں اور اگر جملہ "مـالـی انـازع الـقـرآن" سے قرأۃ خلف الامام کو منع سمجھتے تو کبھی بھی اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔ الحاصل پیچھے جہر سے پڑھنے والا وہ ایک تھا جن کی وجہ سے منازعت واقع ہوئی۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی۔ باقی قرأت کرنے والے تو تمام صحابہ تھے جس طرح کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت گذری کہ "انهم کانوا یقرؤن خلف رسول الله ﷺ اذا انصت فاذا قرأ لم یقرأو واذا انصت قرأوا۔ وکان رسول الله ﷺ یقول کل صلاة لا یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج (کتاب القراءة للبیهقی صفحه ٦٩) مولوی صاحب کے دل میں اگر نرمی ہوگی اور تعصب اور ضد سے پاک ہوگا تو اس کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

اس کے بعد اس حدیث کے متعلق مولوی صاحب نے تین اعتراض نقل کیے ہیں اب ہم ان کا جواب دیتے ہیں اور ان کی حقیقت کا پردہ چاک کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ نقل کرتے ہیں کہ صحابہ پیچھے اونچی آواز سے قرأت کرتے تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں اس کی منع ہے۔ اس کے بعد جواب میں لکھتے ہیں کہ "اعتراض سے خود ظاہر ہے کہ اعتراض کسی جاہل کا ہے کیونکہ کسی بھی عالم نے خواہ حنفی ہو یا صحیح معنی میں انصاف پسند غیر مقلد اس حدیث پر اعتراض نہیں کیا۔ نہ کسی محدث نے اور نہ کسی امام نے۔"

**جواب**:...... ذلك مبلغهم من العلم یہ ہے مولوی صاحب کی علمیت حالانکہ یہ توجیہ ہم اور پر ائمہ فقہاء

محدثین اور علما سے نقل کر آئے ہیں مثلاً ترمذی، بیہقی، قرطبی، طاہر فتنی، لکھنوی وغیرہم۔ پھر یہ سب مولوی صاحب کے خیال کے مطابق معاذ اللہ جاہل تھے۔ یا انصاف پسند نہ تھے۔ "ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانك ھذا بھتان عظیم۔ " ان بزرگوں میں کئی حنفی بھی ہیں۔ اگر مولوی صاحب کو محدثین کا خیال نہیں ہے تو کم از کم اپنے بڑوں کا ہی ادب واحترام کرتے۔ سچ ہے کہ

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میش اندر طعنہ نیکاں برد

مولوی صاحب نے محدثین اور فقہاء پر حملہ کیا ان پر جہالت اور بے انصافی کا الزام لگایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی علیت کے پردے کو فاش کیا اور ڈھول کا پول کھولا۔ امام ابن حزم نے ایسی ہی حالتوں کے لیے کہا ہے کہ:

وصفوك لی حتی اذا ابصرت ما
وصفوا علمت بانہ ھذیان
الطبل جلد فارغ وطنینہ
یرتاع منہ ویفرق الاشنان

بلکہ خود مولوی صاحب کے کلام سے ظاہر ہے کہ یا تو کتب کا مطالعہ نہیں کرتے یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔

**صفحہ ۳۸:** ...... اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حدیث میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے۔ جس سے کہا جاسکے کہ اس شخص نے بلند آواز سے قرأت کی تھی۔"

**جواب:** ...... اشارہ کیا؟ بلکہ "مالی انازع القرآن" اس کے متعلق صریح دلیل ہے، جس طرح کہ اوپر اہل علم کی عبارتوں سے ظاہر ہوا۔ ملا علی قاری المرقاۃ صفحہ ۳۰۲ ج ۲ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "ای اذا خل فی القرأۃ واشارك فیھا واغالب علیھا۔ " یہ صریح ہے کہ مغالبت تب ہوگی جب قرأت جہری ہو۔ اور امام بغوی شرح السنۃ صفحہ ۸۶ ج ۳ میں جملہ "مالی انازع القرآن " کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وذالك محمول عند الاکثرین علی ان یجھر علی الامام بحیث ینازعہ القرأۃ۔ "

لکھتے ہیں کہ "اس کے الٹ یہ جملہ موجود ہے۔ "ھل قرأ معی منکم احد انفاً " نبی کریم ﷺ کو یہ شک ہے کہ قرأت کی گئی یا نہیں آپ قرأت کے متعلق پوچھ رہے ہیں اور اگر اونچی آواز سے کوئی شخص

قرأت کرتا تو آپ اس طرح نہ پوچھتے۔

**جواب:** ...... یہ ہے مولوی صاحب کی حدیث دانی۔ حالانکہ لفظ اس طرح سے بھی ہیں امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ۱۲ میں فرماتے ہیں کہ "ثنا ابو الولید قال ثنا اللیث عن الزہری عن ابن اکیمة عن ابی ہریرۃ قال صلی النبی ﷺ صلوٰۃ تجہر فیہا فلما قضی الصلوٰۃ قال من قرأ معی قال رجل انا قال انی اقول مالی انازع القرآن." یعنی کہ "من قرامعی" کس نے میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ جس سے صاف ظاہر ہے کہ قرأت کے متعلق آپ کو شک نہ تھا۔ فقط قاری کے متعلق پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہے یہ حدیث اس روایت کی تفسیر کرتی ہے۔ "والحدیث یفسر بعضہ بعضا" اور "ھل قرأ" والی روایت اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ کلمہ ھل صرف استفہام کے لیے نہیں آتا بلکہ بمعنٰی "قد" کے بھی آتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ الآیۃ یا ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ تفسیر جلالین صفحہ۴۸۱ میں "ھل قد اتٰی علی الانسان" اور صفحہ۴۹۵ میں ہے "ھل قد اتٰك حدیث الغاشیة" اور علم النحو اور عربی کے امام ابن ہشام اپنی مایہ ناز تصنیف مغنی اللبیب صفحہ۲۹ ج۲ میں کلمہ ھل کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (والعاشر) انہا تاتی بمعنی قد وذالك مع الفعل وبذالك فسر قولہ تعالیٰ "ھل اتٰی علی الانسان حین من الدہر" جماعة منہم ابن عباس رضی اللہ عنہما والکسائی والفراء والمبرد۔ لہٰذا یہ معنی ہوگا کہ "ھل قرأ منکم احدا انفا" "بلاشک اب تم میں سے کسی ایک نے قرأت کی ہے" اور اوپر امام طحاوی حنفی کا قول گزرا ہے کہ احادیث کو اتفاق پر محمول کیا جائے نہ کہ تضاد پر۔ یعنی ایسا معنی کیا جائے کہ آپس میں ایک ہو جائیں ایک دوسرے کے خلاف نہ رہیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ فائدہ بھی معلوم ہوا کہ جن اشخاص نے حضور اکرم ﷺ کے پیچھے قرأت آہستہ بھی نہ کی آپ نے انہیں کچھ بھی نہ کہا الخ"

**جواب:** ...... یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب کہ روایت میں کوئی ایسا ذکر نہیں کہ دوسروں نے قرات نہیں کی بلکہ صرف ایک نے منازعت کی۔ جسے آپ ﷺ نے سمجھایا، مولوی صاحب کا یہ کہنا اس مفروضہ پر ہے جس طرح کہ لکھ آئے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والا صرف ایک تھا جب کہ ہم نے ان کا یہ مفروضہ غلط ثابت کیا اور یہ مفہوم باطل ٹھہرا (ختم ہوگیا) تو پھر بات بھی ختم ہوگئی۔

**ثانیاً:** ......اس حدیث میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں کہ "فلا تقرأوا بشیء من القرآن اذا جہرت الا بام القرآن" نیز فرمایا کہ "فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا." جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ لہٰذا

مولوی صاحب کا یہ کہنا فضول ٹھہرا۔ بلکہ آپ سب کو بتا چکے تھے کہ جو الحمد نہ پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔

**صفحہ ۳۹**:...... پھر دوسرا اعتراض یعنی کہ "فانتھی الناس" الخ زہری کا قول ہے یہ نقل کر کے پھر اس کے تین جواب دیے ہیں۔ پہلے میں کہتے ہیں کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح روایت موجود ہے کہ امام معمر امام زہری سے نقل کرتے ہیں اور امام زہری نے فرمایا کہ یہ الفاظ (فانتھی الناس عن القرأۃ لوگ حضور اکرم ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے) حضرت ابو ہریرہ کے بیان شدہ ہیں۔"

**جواب**:...... جب کہ عام محدثین کا فیصلہ ہے اور خود احادیث میں کئی قرائن موجود ہیں جو کہ گزر چکے ہیں، یہ قول زہری کا ہے۔ پھر اس کے بعد مولوی صاحب کا اس کو غیر صحیح کہنا کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا کوئی بھی باشعور مولوی صاحب کے اس کہنے کی طرف دھیان نہیں دھرے گا۔

**ثانیاً**:...... معمر ایسی صراحت نہیں کرتے کہ یہاں پر یہ ابو ہریرہ کا کلام ہے۔ بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زہری کا کلام ہے، چنانچہ کتاب القرأۃ للبیہقی صفحہ ۹۶ میں ہے کہ "اخبر نا ابو علی الروذ باری انا ابوبکر ابن داسه نا ابو داؤد نا عبدالله بن محمد الزهری نا سفیان عن الزهری قال سمعت ابن اکیمة یحدث سعید بن المسیب قال سمعت ابا هریرة یقول صلیٰ بنا رسول الله ﷺ صلاة یظن انها الصبح فذکر الحدیث الی مالی انا زع القرآن قال عبدالله بن محمد الزهری قال سفیان ولکم الزهری بکلمة لم اسمعها فقال معمر انه قال فانتهیٰ الناس.

صاف ظاہر ہے کہ اصل حدیث جملہ "مالی انازع القرآن" پر مکمل ہوتا ہے اس کے بعد امام سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ بعد میں زہری نے کوئی کلام کیا لیکن سمجھ نہ سکا اس پر امام معمر نے کہا کہ انہوں نے ایسا کہا کہ "فانتھی الناس" الخ یعنی معمر اس کو زہری کا کلام کہتے ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کا خیال غلط ہوا۔

**ثالثاً**:...... اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ معمر نے اس طرح کہا ہے تب بھی یہ الفاظ نہیں کہے کہ ابو ہریرہ کا اپنا بیان ہے۔ بلکہ مجمل بیان ہوگا۔ جن کو دوسری اسناد میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ الفاظ زہری نے خود کہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ بلکہ جزء القرأۃ للبیہقی صفحہ ۹۷ بواسطہ اوزاعی عن الزہری یہ روایت منقول ہے۔ اس میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ "قال الزهری فاتعظ المسلمون فلم یکونوا یقرأون معه فیما جهر" یہ مفصل روایت مجمل پر قاضی ہے۔

دوسرا جواب اس طرح دیتا ہے کہ "اگر چہ مان لیا جائے کہ یہ عبارت زہری کی داخل کی ہوئی ہے۔ تب بھی کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ امام زہری بہت بڑا معتمد ثقہ (قابل اعتبار) راوی ہے ان کی زیادتی

بالاتفاق قابل قبول ہے۔جیسا کہ خود مولوی محمد عمر صاحب کو قبول ہے۔"

**جواب**:...... اوّلاً جب مولوی صاحب خود مانتے ہیں تو معاملہ ختم۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

**ثانیاً**:...... حدیث کے الفاظ میں زیادتی ہو اور یہ زیادتی کرنے والا ثقہ ہو تو اسے ثقہ کی زیادتی کہا جاتا ہے۔ یہاں پر یہ صورت نہیں ہے۔ جب کہ مولوی صاحب اصول حدیث اور اصطلاح محدثین سے واقف نہیں ہیں تو پھر تصنیف کے میدان میں پاؤں رکھنے کی تکلیف نہ کریں۔ اس مقام پر جب مولوی صاحب قبول کرتے ہیں اور محدثین نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ قول زہری کا ہے تو پھر یہ زیادتی ثقہ کی نہیں کہی جائے گی، بلکہ اس کو ادراج کہا جاتا ہے۔ کیونکہ زہری تابعی اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود نہ تھا اور اس واقعہ کے وقت حاضر نہ تھا لہٰذا ان کا یہ کہنا مرسل روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولوی صاحب کی حدیث دانی یہ ہے کہ جو مدرج روایت اور زیادتی ثقہ کا فرق بھی نہیں سمجھتا اور اگر کہیں کہ زہری امام ہے تو پھر یہ روایت حدیث ہی نہ رہی۔ نہ مرسل نہ متصل اور ان کا تفقہ دوسروں کے لیے حجت نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "لیس احد الا یوخذ من قوله ویدع غیر النبی ﷺ (المعجم الکبیر للطبرانی صفحة ۳۲۹ ج ۱۱) اور علامہ ہیثمی مجمع الزوائد صفحہ ۱۷۹ ج ۱ میں یہ حدیث لاکر فرماتے ہیں کہ "ورجاله موثقون" یعنی کہ نبی ﷺ کے علاوہ ہر کسی امتی کا قول لیا بھی جائے گا اور چھوڑا بھی جائے گا۔ خود آپ امام زہری کے کئی فتاویٰ قبول نہیں کرتے۔ خاص طور پر اس مسئلہ میں وہ سری میں قرأت خلف الامام کے قائل ہیں آپ اس میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔

**ثالثاً**:...... اوپر عبداللہ بن عمرو کی روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ لہٰذا زہری کے اس قول کو روایت کہیں تو پھر مرسل روایت متصل حدیث کے مقابلے کی نہیں ہے اور اگر ان کا تفقہ کہیں تو بھی اس حقیقت کے مد مقابل قابل قبول نہیں ہوگا۔

**رابعاً**:...... روایت "مالی انازع القرآن" کا راوی عبادہ بن الصامت بھی ہے جو اس میں خبر دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، لہٰذا اس نص کے مقابلے میں ان کا تفقہ قابل قبول نہ ہوگا۔

**خامساً**:...... اگر تسلیم کیا جائے کہ یہ قول زہری کا صحابہ سے منقول ہے اور یہ روایت صحیح بھی ہے تب بھی اس سے مراد "ماسوا الفاتحہ" ہوگی۔ کیونکہ امام زہری خود فاتحہ کو نماز کے لیے ضروری کہتے ہیں۔ چنانچہ کتاب

القراۃ للبیہقی صفحہ۱۳ میں امام اوزاعی سے مروی ہے کہ "قال سألت عن رجل صلی فنسی القرأة فقال الزهری حدثنی محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوٰة لمن لم یقرأ بام القرآن" یعنی میں نے زہری سے پوچھا کہ کسی شخص کو نماز میں قرأت بھول گئی تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ جواب میں یہ حدیث پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے الحمد (ام القرآن) نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام زہری فاتحہ کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ بھول جانے والی کی بھی نماز صحیح نہیں کہتے۔ اس طرح زہری کے دونوں اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے اور ان میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں رہتا ورنہ بصورت دیگر حنفی اصول موجب یہ زیادتی "فانتهی الناس" الخ منسوخ ہوگی کیونکہ زہری بقول مولوی صاحب صحابہ سے "ترك القرأة خلف الامام" نقل کرتے ہیں اور پھر خود اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔ اب مولوی صاحب کی مرضی ہے کہ فاتحہ کو اس سے مستثنیٰ کہتے ہیں یا اس کو منسوخ کہتے ہیں ورنہ اس سے ہاتھ دھولیں کیونکہ اس کے پیش کرنے سے حال ایسا ہو چکا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ............!!

من نہ گویم ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آسان کن

پھر کہتے ہیں کہ "اگر امام کے پیچھے الحمد وغیرہ کی قرأت ضروری ہوتی تو امام زہری سے یہ بات مخفی نہ رہتی۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ ضروری نہیں کہ عالم سے کوئی روایت یا حکم مخفی نہ رہے عبداللہ بن مسعود فقیہ صحابی کو تطبیق فی الرکوع (رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں ڈال کر کھڑے ہونا) کے منسوخ ہونے کا آخر عمر تک معلوم نہ تھا اور انہیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا معلوم نہ تھا، علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح البخاری صفحہ ۱۸۶ ج ۱ میں ایک حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "قلت فی القصة دلیل علی ان السنة قد تخفی علی بعض اکابر الصحابة رضی اللہ عنہم ویطلع علیها آحادهم" یعنی اس واقعہ میں دلیل ہے کہ بعض عظیم سنتیں بڑے جلیل القدر صحابہ سے مخفی رہتی ہیں اور اصاغر کو معلوم ہو جاتی ہیں اور آپ کا حنفی بھائی لکھنوی النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر صفحہ ۱۸ میں امام شعرانی سے نقل کرتے ہیں کہ وفیه اعتقادنا واعتقاد کل مصنف فی ابی حنیفة انه لو عاش حتی دونت احادیث الشرعیه وبعد رحیل الحفاظ فی جمعها من البلاد والثغور و ظفر بها لاخذ بها وترك کل قیاس کان قاسه وکان القیاس قل فی مذهبه کما قال فی مذهب غیره لکن لما کانت ادلة

الشرعیۃ متفرقۃ فی عصرہ مع التابعین وتبع التابعین فی المدائن والقریٰ کثر القیاس فی مذھبہ بالنسبۃ الیٰ غیرہ من الائمۃ ضرورۃ لعدم وجود النص فی تلک المسائل التی قاس فیھا بخلاف غیرہ من الائمۃ" پھر جب کہ آپ کے امام اعظم سے کئی احادیث مخفی ہوجاتیں ہیں جو کہ مجبور ہوکر قیاس کا سہارا لیتے ہیں تو پھر ہمارے نزدیک امام صاحب کے مقابلے میں بیچارے زہری کی کیا حیثیت ہے؟

**ثانیاً:** ...... امام صاحب "۱۵۰ یا ۱۵۱" ہجری میں فوت ہوئے ہیں (تھذیب صفحہ: ٤٥١ ج ۱) اور زہری "۱۲۴ یا ۱۲۵" میں فوت ہوئے (تہذیب صفحہ ۴۵۰ ج ۹) پھر جب کہ امام صاحب متأخر الوفات ہے۔ ان سے کس طرح روایات مخفی رہیں، پھر زہری جوان سے قدیم الوفات ہے اور تقریباً ربع صدی سے قبل فوت ہوئے ہے۔ ان سے بطریق اولیٰ مخفی رہ سکتی ہیں۔

**تیسرا:** ...... جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ بات تسلیم کی جائے کہ یہ عبارت قطعی طور پر حدیث نہیں تب بھی حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے قطعاً قرأت نہیں کرنی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان (انی اقول مالی انازع القرآن) کیا ہے! جو میرے ساتھ قرأت قرآن پاک میں جھگڑا اور ہاتھا پائی کی جاتی ہے) کیا کافی نہیں؟

**جواب:** ...... **اوّلاً:** جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ زیادتی حدیث نہیں تو پھر اس سے دستبردار ہوکر دوسری بات کریں۔

**ثانیاً:** ...... "مالی انازع القرآن" میں دلیل اونچی آواز کے ساتھ قرأت کرنے کی ممانعت میں ہے اصل قرأت کرنے کے متعلق نہیں۔ کیونکہ جھگڑا اس صورت میں ہوگا۔ جب ایک قرأت کرنے والے کے ساتھ کوئی دوسرا بھی آواز نکالے پھر آواز قرأت کی ہو یا غیر قرأت کی۔ جس طرح کہ اوپر تفصیل سے گزرا لہٰذا یہ جملہ آپ کے استدلال کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ جو الفاظ عبادہ والی روایت میں ہیں وہ آپ کے تمام خیالات کو رد کرتے ہیں۔

**صفحہ ٤٠:** ...... تیسرے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ "بعض حضرات کہتے ہیں کہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن خود حنفی بھی اس پر عمل نہیں کرتے، کیونکہ یہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے مطلق انکاری ہیں الخ۔"

**جواب:** ...... علم حدیث کے جاننے والے اس کو صحیح نہیں کہتے۔ باقی یہ اعتراض کہ آپ مطلق قرأت کے انکاری ہیں وہ قیامت تک آپ کی گردن میں ہے۔ اِلّا وہ جو سری میں قرأت خلف الامام کے قائل ہیں۔ جیسا کہ علامہ لکھنوی عمدۃ الرعایۃ شرح الوقایۃ صفحہ ۱۷۳ ج ۱ میں لکھتے ہیں:

"وروی عن محمد انه استحسن قراء ة الفاتحة خلف الامام فی السرية وروی مثله عن ابی حنيفة صرح به فی الهداية والمجتبی شرح مختصر القدوری وغير هما وهذا هو مختار كثير من مشائخنا ."

"امام محمد سے روایت مروی ہے کہ وہ سری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ کو مستحسن سمجھتے تھے اور اس طرح امام ابوحنیفہ سے بھی مروی ہے ہدایہ اور مجتبیٰ شرح مختصر القدوری وغیرھما میں اس کی تصریح ہو چکی ہے اور ہمارے اکثر مشائخ کا قول ہے۔"

اور نور الانوار کے مصنف ملا جیون التفسیرات الاحمدیہ صفحہ ۴۲۷ میں لکھتے ہیں کہ "فان رأيت الطائفة الصوفية والمشائخين الحنفية تراهم يستحسنون قرأة الفاتحة للمؤتم كما استحسنه محمد ايضاً احتياطا فيما روى عنه" اب دیکھیں کہ مولوی صاحب اپنے آپ کو کس جماعت میں شمار کرتے ہیں؟ پھر لکھتے ہیں کہ "جمہور اہل اسلام سب نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے ہیں۔"

**جواب:** ...... یہ مولوی صاحب کا سفید جھوٹ ہے۔ کچھ تو اللہ کا خوف کریں۔ امام ترمذی اپنی سنن صفحہ ۴۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "وقد اختلف اهل العلم فی القرأة خلف الامام فرأى اكثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعين ومن بعدهم القرأة خلف الامام وبه يقول مالك وابن المبارك والشافعی واحمد و اسحاق وروی عن عبدالله بن المبارك انه قال انا اقرأ خلف الامام والناس يقرؤن إلا قوم من الكوفين . یعنی کہ صحابہ تابعین اور ان کے بعد اکثر اہل علم لوگوں کا یہی مذہب ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کی جائے اور اس طرح ائمہ دین امام مالک عبداللہ بن مبارک شافعی اور ابن حنبل، اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔ بلکہ امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہوں اور دیگر سب لوگ بھی امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں صرف کوفہ میں ایک قوم ہے جو قرأت نہیں کرتی۔"

**ناظرین:** ...... عبداللہ بن مبارک اپنے وقت کا بے بدل عالم محدث فقیہ زاہد اور مجاہد ہے۔ انہیں علماء حنفیہ اپنا ہم مذہب شمار کرتے ہیں، چنانچہ "علامہ عبدالقادر قرشی الجواهر المضيئة فی طبقات الحنفية صفحہ ۲۸۱ ج ۱۔ اور علامہ لکھنوی الفوائد البهية فی تراجم الحنفية صفحہ ۱۰۳ میں ان کے ترجمہ میں ذکر کرتے ہیں۔ اب انصاف کریں کہ ایسے بزرگ کی بات قبول کریں جو تبع تابعین کے زمانہ میں اپنی مثال آپ تھا یا اس وقت کے مجتہد کی؟ بلکہ عبداللہ بن مبارک کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ قرأت خلف الامام

چھوڑنے کا رواج کب اور کہاں سے شروع ہوا۔ یعنی کہ نہ صحابہ کے زمانہ میں اور نہ تابعین کے دور میں بلکہ تبع تابعین کے زمانہ میں کوفہ سے یہ فتنہ شروع ہوا اور یہ کوفی دین ہے نہ کہ محمدی۔

تر سم کہ نرسی بکعبہ ای اعرابی

کہ این راہ می روی بترکستان ھست

اس طرح کتاب القراۃ بیہقی کے حوالہ سے صحابہ کرام سے نقل کیا کہ ”انھم کانوا یقرأون خلف رسول اللہ ﷺ .“ الحدیث

پھر لکھتے ہیں کہ یہ کسی کا دعویٰ نہیں ہے کہ سب نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت سے منع کرنے کے لیے صرف یہ حدیث دلیل ہے۔

**جواب**: ...... اس کا یہ مطلب ہوا کہ اسے بھی اپنی دلیل سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس کی کافی تردید ہو چکی ہے۔ اول تو یہ فاتحہ کے متعلق نہیں، دوم جہر سے پڑھنا منع ہے وہ بھی اس وقت جب اس روایت کو صحیح مانا جائے۔ وإلا فلا.

لکھتے ہیں کہ جہری نماز میں قرأت نہ کرنے کے لیے ایک دلیل تو یہ حدیث بھی ہے الخ۔

**جواب**: ...... **اولاً**: اسی کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ اسی روایت میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ چھوڑنے کے متعلق نہ سری کے لیے ثابت اور نہ ہی جہری کے لیے بلکہ مکمل روایت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ کما تقدم

**ثانیاً**: ...... آپ کے قول کے مطابق اس روایت کا مفہوم یہ ہوا کہ سری نماز میں قرأت خلف الامام کرنی چاہیے اور اگر یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو بھی یہ مفہوم نکلے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سری نمازوں میں قرأت نہیں چھوڑی۔ بلکہ قرأت کرتے رہے اب ایمان سے بتلائیں کہ آپ بھی اس روایت کو مانتے ہیں؟ اور اگر نہیں تو پھر ایسی روایت کیوں پیش کی؟ ہم تو ایسی روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی قرأت خلف الامام کی اس میں ممانعت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہم پر یہ روایت نہیں ہو سکتی لیکن چونکہ اس کو صحیح بھی مانتے ہو اور جہری کے متعلق منع کے لیے اس کو نص بھی کہتے ہو۔ لہٰذا سری نماز والی حالت کے متعلق یہ روایت آپ کی گردن میں ہے۔ پیش کرنے والے بھی آپ ہی ہیں اور منکر بھی آپ۔ لہٰذا یہ روایت آپ کو مہنگی پڑی اور ہمارے لیے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ اصل روایت میں فاتحہ پڑھنا صریحاً حکم ہے۔ والحمد للہ

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد عبداللہ بن عیینہ رحمہ اللہ سے نقل کی ہے، یعنی ”مالی انازع القرآن“ الخ

**جواب**: ...... امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۹۸ میں اس روایت کو لا کر فرماتے ہیں کہ "قال یعقوب بن سفیان هذا خطأ لا شك فيه ولا ارتياب ورواه مالك ومعمر وابن عيينة والليث بن سعد ويونس بن يزيد والزبيدي كلهم عن الزهري عن ابن اكيمة عن ابي هريرة وروى محمد بن اسحاق بن خزيمة هذا الحديث عن محمد بن يحيىٰ الذهلي عن يعقوب بن ابراهيم بن سعد عن ابن اخي الزهري ثم قال قال لنا محمد بن يحيىٰ اراد ابن اخي ابن شهاب حديث السهو في قيام النبي ﷺ من الركعتين فاخطأ." یعنی امام یعقوب بن سفیان اور امام ابن خزیمہ اور امام ذہلی بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت بلا شک وشبہ خطأ ہے۔ اصل روایت زہری عن ابن اکیمۃ عن ابی ہریرہ اسی طرح سے آئی ہے۔ پہلی روایت میں بڑے ثقات مالک، معمر سفیان بن عیینہ لیث بن سعد یونس بن یزید اور زبیدی یہ سب زہری سے اسی طرح نقل کرتے ہیں اور زہری کے بھتیجے کی یہ خطأ ہے۔ جو دوسری سند عن عبد الرحمٰن ابن ہرمز عن ابی ہریرۃ دوسری حدیث (یعنی سهو في الصلوٰة جس میں رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں کے بعد بغیر تشہد کے تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے) کی سند ہے۔ اس کے ساتھ یہ غلطی کے ساتھ ملا گئے ہیں۔ دراصل یہ روایت وہی ہے جو راوی ابن اکیمہ سے مشہور ہے۔ جس پر کلام گزر چکا ہے مولوی صاحب جیسا کہ فن تعلیل حدیث سے خالی ہیں اس وجہ سے بغیر سوچے سمجھے اپنے دلائل کے نمبر بڑھانے کے لیے اس کو الگ حدیث بنا کر ذکر کیا ہے۔ ورنہ یہ وہی حدیث ہے۔

**ناظرین**: ...... زہری کا بھتیجا عبداللہ بن مسلم ہے۔ وہ علی الاطلاق حجت نہیں ہے۔ امام یحییٰ بن معین تصریح کرتے ہیں کہ "لا يحتج به" ابو حاتم کہتے ہیں کہ "ليس بالقوى" ابن حبان فرماتے ہیں کہ "وكان ردى الحفظ وكثير الوهم." امام ساجی کہتے ہیں کہ "تفرد عن عمه باحاديث لم يتابع عليها." (تهذيب صفحه ۷۹۔ ۲۸۰ ج ۹) یعنی یہ حجت نہیں ہے اور اس کا حافظہ ردی اور انتہائی درجہ کا وہمی ہے اور اپنے چچا سے بیان کرنے میں منفرد ہے جس میں کوئی بھی اس کے ساتھ موافقت نہیں کرتا۔ بلکہ یہاں پر کئی ثقات کے خلاف روایت کی ہے۔ جو یہ زہری عن ابن اکیمۃ عن ابی هریرۃ سے نقل کرتا ہے اور پھر اس کو زہری عن عبد الرحمٰن بن ہرمز عن ابی ہریرۃ اس طرح سند بناتا ہے۔ لہٰذا ثقات اور حفاظ کے مقابلے میں اس کمزور حافظے والے کی روایت کس طرح سے قبول ہوگی؟ لہٰذا یہ وہی روایت ہے جس پر کلام گزر چکا ہے۔ شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۳۹ میں ہے کہ "فان خولف بارجح منه لمزيد ضبط اوكثرة عدد او غير ذلك من وجه الترجيحات فالراجح يقال له المحفوظ ومقابله وهو

المرجوح يقال له الشاذ .

**ناظرین:** ......اس مقام پر دو طرح کی مخالفت موجود ہے۔

**اولاً:** ...... یہ خود زہری کا بھتیجا کثیر الخطأ ہے اور حافظے کا کمزور ہے اور ان کے خلاف (مد مقابل) آئمہ حفاظ اور پائے کے ثقہ ہیں۔ مثلاً امام مالک جو حفظ ثقاہت اور فقاہت میں اپنی مثال آپ ہے اور امام لیث بن سعد جو کہ اپنے وقت کا لاجواب محدث ہے۔ تقریب میں لکھتے ہیں کہ ثقة ثبت فقيه امام مشهور۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ بھی وقت کا امام ہے۔ تقریب میں کہتے ہیں کہ ثقة فقيه امام حجة۔ اس طرح یونس بن یزید الایلی، زبیدی اور معمر بن راشد تینوں مشہور ثقہ ہیں۔ بلکہ زہری کے بھتیجے سے کئی درجے اوپر اوثق، احفظ و اتقن ہیں لہٰذا اس کے شاذ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ بعید نہیں کہ یہ منکر ہو، کیونکہ یہاں پر کمزور راوی ثقات حفاظ کی مخالفت کرتا ہے۔ شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۴۰ میں ہے کہ "وان وقعت المخالفة مع الضعف فالراجع يقال له المعروف ومقابلة يقال له منكر .

**ثانیاً:** ...... زہری کا بھتیجا باوجود وہمی ہونے کے اس سند کو نقل کرنے میں اکیلا ہے۔ ان کے مقابلے میں حفاظ اور ثقات کا عدد کثیر ہے۔ جس طرح کہ اوپر چھ کے نام گزرے ہیں۔

**الحاصل:** ......اس طرح یہ روایت قطعاً مردود اور بے اصل ہے وہی روایت ہے جو کہ ابن اکیمہ کی پہلی گزری جو کہ زہری کے بھتیجے کی غلطی ہے خلط ملط ہوگئی۔ ایک متن کی سند دوسرے متن کے ساتھ ملائی گئی ہے۔

**صفحہ ٤١:** ......اس روایت پر ایک اعتراض نقل کرتے ہیں کہ "یہ صحاح ستہ میں سے نہیں ہے اور اس کے دو جواب دیتے ہیں آپ تو امام احمد کو امام بخاری کا استاذ اور مشہور محدث کہتے ہیں اور یہ سینہ زوری ہے کہ امام بخاری جن راویوں سے روایت لائے تو صحیح ہے اور اگر دوسری کتاب میں بعینہ ان راویوں سے روایت ہو تو صحیح نہیں ہے۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ ہمارا اعتراض ہی نہیں اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ صحاح ستہ میں سے روایت نہیں ہے۔ اگر یہ سند صحیح علت اور شذوذ سے سالم ہوتی تو یہ قبول ہوتی بلکہ جس بھی کتاب میں صحیح سند سے اور سالم روایت ملے تو وہ مقبول کی جائے گی۔ لیکن اس جگہ پر یہ معاملہ نہیں ہے۔ نہ تو یہ روایت صحیح ہے اور نہ ہی علت اور شذوذ سے سالم ہے۔

**ثانیاً:** ......مولوی صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ امام بخاریؒ کے امام احمد بن حنبل استاد اور مشہور محدث ہیں۔ اس وجہ سے ان کی سب احادیث صحیح ہیں کیونکہ ایسا التزام امام احمد بن حنبل یا امام بخاری کے کئی دوسرے استاد مثلاً ابن ابی شیبہ وغیرہ نے نہیں کیا، کہ ہم اپنی کتاب میں صرف وہی احادیث لائیں گے جو صحیح ہوں گی۔

ایسا التزام امام بخاری نے کیا ہے۔ ایضاً صحیح بخاری کی صحت کو امت نے قبول کیا ہے اور اسے تلقی بالقبول حاصل ہے بخلاف دوسری کتب پھر اگر چہ امام بخاری کے استاد ہی کیوں نہ ہوں۔ انہیں ایسی تلقی بالقبول حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۴ ج ۱ میں حدیث کی کتب کے پانچ طبقات ذکر کرتے ہیں اور صحیح بخاری کو پہلے طبقے میں ذکر کرتے ہیں۔

**ثالثاً:** ...... مولوی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط اور اصول حدیث سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ بخاری کے راویوں سے جو بھی حدیث کسی کتاب میں ہو تو وہ بھی ایسی صحیح ہو. کیونکہ امام بخاری نے صرف رواۃ کا التزام ہی نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ سند یا متن میں علت یا شذوذ نہ ہو۔ في مانحن فيه ، روایت کے راوی اگر چہ وہی ہیں جن کی احادیث بخاری میں ہیں لیکن یہاں پر شذوذ غلطی مقلوب اسناد، جیسی علتیں موجود ہیں۔ لہٰذا صرف بخاری کے رواۃ کا اس روایت میں ہونا کافی نہیں ہے ; کیونکہ امام بخاری ایسے راویوں جن سے ایسی خطائیں سرزد ہوتی ہیں تو ان کی روایات کی چھان بین کر کے وہ روایات اپنی صحیح میں لاتے ہیں جن میں کوئی ایسی غلطی نہ ہو اور نہ ثقات کی مخالفت کی ہو۔ نہ ان سے اس میں کوئی وہم ہوا ہو، بلکہ یہ روایت جمیع علتوں سے محفوظ ہو۔ بخلاف دوسری کتب کے جن میں کوئی التزام نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے بخاری کے راویوں کی روایت کسی دوسری کتاب میں ملے تو اس میں چھان بین کی ضرورت ہے کہ ان میں کوئی خطا کرنے والا یا وہمی راوی تو نہیں ہے اور نہ ہی ان میں شذوذ یا کوئی دوسری علت تو نہیں ہے۔ جیسا کہ اس روایت کی چھان بین کی گئی تو اس میں کئی علتیں نکلیں اور ایک راوی ایسا نکلا جو کثیر الوہم اور کثیر الخطأ ہے اور کئی ثقات اور ائمہ کی اس نے مخالفت کی ہے۔ لہٰذا کسی حدیث کا بخاری میں ہونا ان کے راویوں سے کسی دوسری کتاب میں حدیث کا ہونا دونوں ایک درجے میں نہیں ہے۔ اس فرق کے لیے اصول حدیث کی کتاب الفیۃ الحدیث اور اس کی شرح فتح المغیث للعراقی اور دوسری شرح فتح المغیث للسخاوی النکت لابن حجر ، تدریب الراوی للسیوطی وغیرہ؛ دیکھنی چاہئیں۔ خود اپنی احسن الکلام کو پڑھ کر دیکھیں اس میں مسند احمد کی کن روایات پر کلام کیا گیا ہے۔ دوسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''امام بخاری رحمہ اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اگر صحیح حدیث ہے تو صرف میری ہے۔''

**جواب:** ...... نہ تو امام بخاری نے ایسا فرمایا ہے اور نہ ہی ہم ایسا کہتے ہیں بلکہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے بلکہ غلط، شاذ اور مقلوب ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔

**صفحہ ۴۲:** ...... میں لکھتے ہیں کہ ''علامہ ہیثمی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔ (بحوالہ احسن الکلام)

**جواب:** ...... **اولاً:** صرف صحیح کے راوی ہونا کافی نہیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے۔

**ثانیاً:** ...... آپ کی بھاگ دوڑ صرف احسن الکلام تک ہے۔ ان کی تقلید میں جو لکھتا جائے آپ بھی لکھتے چلے جاتے ہیں یعنی مکھی پر مکھی مار رہے ہیں۔ اصل مجمع الزوائد کی طرف رجوع کرتے تو کبھی بھی اس طرح لکھنے کی جرأت نہ کرتے چنانچہ مجمع الزوائد صفحہ ۱۱۰ ج ۲ میں مکمل عبارت اس طرح ہے کہ "رجال احمد رجال الصحیح ویاتی الکلام علیه بعد هذا الحدیث" اور بعد الحدیث لکھتے ہیں کہ "رجاله رجال الصحیح الا ان البزار قال اخطا فیه ابن انس ابن اخی ابن الشهاب حیث قال عن ابن بحینة ورواه معمر وابن عیینة عن ابن اکیمة عن ابی هریرة." یعنی اس روایت کے راوی بخاری والے ہیں لیکن امام ابوبکر بزار فرماتے ہیں کہ زہری کے بھتیجے کی یہ غلطی ہے۔ جو عبداللہ بن بحینہ کی طرف روایت منسوب کی ہے اور مشہور و معتبر رواۃ مثلاً محمد بن یحییٰ الذہلی یعقوب بن سفیان، ابن خزیمہ، ابوبکر بزار، بیہقی یہ سب تصریح کرتے ہیں کہ اصل روایت زہری کی اس باب میں عن ابن اکیمۃ عن ابی ہریرۃ ہے عبداللہ بن بحینہ کی طرف اس کی نسبت کرنا زہری کے بھتیجے کی غلطی ہے۔

**ثالثاً:** ...... بخاری و مسلم میں زہری کے بھتیجے سے کوئی بھی روایت احتجاجاً یا اصولاً مذکور نہیں ہے، بلکہ سب شہادت اور دوسرے راویوں کی متابعت سے ہیں۔ بخاری کے متعلق حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۴۰ میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے صحیح میں جو بھی روایات ان سے لائے ہیں وہ دوسرے راویوں کی متابعت اور شہادت کے لیے ہیں۔ ایسی کوئی بھی وہ روایت نہیں لائے جس میں وہ اکیلا ہو۔ اسی طرح مسلم کے متعلق صفحہ ۲۸۰ ج ۹ میں ہے کہ وقال الحاکم انما اخرج له مسلم فی الاستشهاد یعنی امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام مسلم زہری کے بھتیجے سے صرف شواہد کے طور پر روایات لائے ہیں اور اس مقام پر کوئی بھی شہادت یا متابعت نہیں۔ یعنی کوئی دوسرا راوی اس روایت کو اس طرح عبداللہ بن بحینہ کی طرف منسوب نہیں کرتا اور نہ سند ان تک پہنچاتا ہے لہٰذا یہ اکیلا حجت نہیں. جب تک کہ کوئی معتبر شاہد نہ ملے اور ان کا ملنا ناممکن ہے۔ بلکہ اس جگہ پر اس کی کون سی متابعت یا شہادت جب کہ ثقات کی جماعت اس کے خلاف ہے اور روایت کی سند ابوہریرہ تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک روایت جس پر کلام ہو۔ علاوہ ازیں اس میں بھی مطلق قرات کا ذکر ہے اور دوسری روایات جو اثبات کے لیے ہیں۔ ان میں خاص فاتحہ کا حکم ہے۔ لہٰذا اگر اس روایت کو قبول کیا جائے تو اس سے فاتحہ مستثنیٰ ہوگی اور یہ ماعدا الفاتحہ پر محمول ہوگی؛ جمعا بین الادلة ایضاً اس میں لفظ ہیں عن القراٗۃ معہ جن کا معنی کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ نہیں پڑھا نہ کہ اصل قرأت چھوڑ دی بلکہ انہوں نے سکتات میں یعنی خاموش ہونے کے وقت پڑھی۔ جیسا کہ اوپر عبداللہ بن عمرو

بن العاص کی روایت میں گزرا کہ آپ جس وقت پڑھتے تھے صحابہ کرام خاموش رہتے تھے اور جب آپ خاموش ہوتے تو وہ پڑھتے تھے۔

**الغرض** یہ روایت سند خواہ متن کے لحاظ سے آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

## ابوبکرہ والی روایت سے مولانا کا غلط استدلال

چھٹی حدیث ابوبکرہ والی لکھتے ہیں کہ جس میں انہوں نے صف میں شامل ہونے سے قبل تکبیر کہہ کر رکوع کیا اس کو لاکر پھر لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی رکعت سمیت نماز کو صحیح قرار دیا۔

**جواب:** ...... یہ بیان کس حدیث میں ہے؟ اپنی طرف سے کوئی چیز حدیث میں مت بڑھائیں۔ اس طرح سے اپنے مذہب کی حمایت میں حدیث میں الفاظ بڑھانا عالم کی شان سے بعید ہے۔

**صفحہ ۴۲:** ...... لکھتے ہیں کہ ''آپ ﷺ نے ان کو نماز دہرانے کا حکم نہیں فرمایا۔''

**جواب:** ...... **اوّلاً:** یہ حدیث کے کس جملہ کا ترجمہ ہے؟ اپنی طرف سے مفروضہ بناتے ہو پھر مسئلہ بناتے ہو یہ طریقہ استدلال نہیں۔

پاء استدلالیاں چوبیں بوو

پاء چو بین بی تمکین بود

اور اگر کہیں کہ ایسے امر کا حدیث میں ذکر نہیں تو بھی کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ

**اوّلاً:** ...... عدم الذکر عدم الوجود کو مستلزم نہیں ہے۔ یہ قاعدہ مسلم ہے پھر اگر کوئی چیز جسے معلوم نہ ہو تو پھر وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ چیز موجود ہی نہیں اور قاعدہ مسلم ہے کہ ''عدم العلم لیس علما بالعدم .''

**ثانیاً:** ...... بلکہ قرینہ موجود ہے کہ ایسا حکم انہیں ضرور دیا گیا ہوگا۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ متعدد احادیث میں فرما چکے تھے کہ الحمد کے بغیر کوئی نماز نہیں اور مسند احمد صفحہ ۷۸ ج ۵ میں الفاظ ہیں کہ ''لا تقبل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام الکتاب .'' یہ روایت جزء القراءۃ للبیہقی صفحہ ۵۳ میں بھی ہے حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۰۰ ج ۲ طبع دار المعرفۃ بیروت میں بھی لائے ہیں لیکن سکوت کیا ہے۔ کوئی جرح نہیں کی۔ حافظ صاحب فتح الباری میں جو روایت لائے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے ایسی شرط وہ مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴ میں ذکر فرماتے ہیں کہ ''بشرط الصحۃ او الحسن فیما اوردہ من ذالک .'' اس طرح آپ کا حنفی بھائی علامہ ظفر احمد عثانی انہاء السکن صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں کہ ''ما ذکرہ الحافظ من

الاحادیث الزائد فی "فتح الباری" وسکت عنه فهو صحیح او حسن عنده کما صرح به فی مقدمته" اور اس حدیث کا معنی ظاہر ہے۔ کہ جس بھی نماز میں الحمد نہ پڑھی جائے وہ قابل قبول نہ ہوگی اور اسی طرح ابن خزیمہ صفحہ ۲۴۵ ج ۱ میں الفاظ ہیں کہ "لا تجزی صلوٰۃ لا یقرأ فیها بفاتحه الکتاب اور سنن دارمی صفحہ ۲۲۷ طبع مصر میں ہے کہ "من لم یقرأ بام الکتاب فلا صلوٰۃ له " اسی طرح اوپر والی عبادہ والی حدیث میں گزرا ہے کہ آپ نے جہری نماز کے بعد خاص طور پر مقتدیوں کو کہا کہ "میں جب اونچی آواز سے قرأت کروں تو میرے پیچھے الحمد کے علاوہ کچھ نہ پڑھیں کیونکہ جس شخص نے الحمد نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی؟

ان روایات میں قوی قرینہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایسی حالت میں کسی طرح معلوم بھی ہوا کہ فلاں شخص رکوع میں پہنچا اور فاتحہ بھی نہیں پڑھی تو ایسے وقت میں ناممکن ہے کہ آپ خاموش رہیں اور نماز دہرانے کا حکم نہ دیں۔ حاشا وکلا۔ کوئی بھی سمجھدار انسان ایسا خطرناک گمان نہیں کر سکتا۔

**ثالثاً**: ...... بلکہ ایک سند میں اس واقعہ میں ایسا حکم بھی موجود ہے چنانچہ جزء القرأۃ للبخاری صفحہ ۲۲ میں ہے کہ "ثنا محمد بن مرداس ابو عبدالله الانصاری قال حدثنا عبدالله بن عیسیٰ ابو خلف الخزار عن یونس عن الحسن عن ابی بکرة ان النبی ﷺ صلی صلوٰۃ الصبح فسمع نفسا شدیدا وبهرا من خلفه فلما قضی رسول الله ﷺ الصلاة قال لابی بکرة انت صاحب هذا النفس قال نعم جعلنی الله فداك خشیت ان تفوتنی رکعة معك فاسرعت المشی فقال رسول الله ﷺ زادك الله حرصا ولا تعد صل ما ادرکت واقض ما سبق . " اس کے راوی عبداللہ بن خزار پر جرح ہوئی ہے۔ لیکن امام بخاری انہیں شواہد کے طور پیش کرتے ہیں۔ اس سے قبل کئی طرق سے یہ روایت پیش کی گئی ہے کہ "ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا" اور بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ وما فاتکم فاقضوا۔ لہٰذا یہ حدیث کم از کم اس تفقہ اور رائے سے بہتر ہے جسے مولوی صاحب نے پیش کیا ہے، ظفر احمد عثمانی حنفی انہاء السکن صفحہ ۲۵ میں امام ابن حزم سے نقل کرتے ہیں کہ "جمیع الحنفیة مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفه ان ضعیف الحدیث عنده من الرأی " نیز صفحہ ۲۷ میں لکھتے ہیں: "الضعیف یصلح للتقویة" لہٰذا یہ حدیث احناف کے قاعدے کے مطابق شہادت کے لیے کافی ہے اور یہ روایت صاف بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جو رکوع میں پہنچا اسے دہرانے کا حکم دیا۔

لکھتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ سب نمازیوں کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

**جواب**:...... **اولاً**: یہ اس روایت سے قطعاً ثابت نہیں ہے جیسا کہ تفصیل سے گزرا۔

**ثانیاً**:...... مولوی صاحب کا یہ استدلال تین اہم مقدموں کا محتاج ہے جن کے بغیر نہ مولوی صاحب کی دلیل بنے گی اور نہ تصریح ہوگی۔

اوّل: یہ کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت کرے جس میں صریح الفاظ ہوں کہ اس صحابی نے وہ رکعت جس کے رکوع میں پہنچا وہ دہرائی نہیں ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

آج تک نہ کوئی ثابت کر سکا ہے اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک ثابت کر سکے گا۔ اس کے بغیر اس روایت کا اس مسئلہ سے کوئی بھی تعلق نہیں رہتا۔ اس وجہ سے امام بخاری اپنی صحیح صفحہ ۱۰۸ ج ۱ میں اس پر باب قائم کرتے ہیں کہ باب "اذا رکع دون الصف" یعنی صف میں داخل ہونے سے مقتدی رکوع کرے۔ باقی جس مسئلہ کو مولوی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا پہلے اس مقدمہ کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اگر بالفرض محال یہ مقدمہ ثابت ہوجائے پھر دوسرا مقدمہ ثابت کرنا ضروری ہوگا اس شخص کے رکعت نہ دہرانے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا اور آپ کو یہ علم تھا کہ اس شخص نے رکوع میں پہنچنے کے باوجود رکعت نہیں دہرائی۔ مولوی صاحب سے ہمارا مطالبہ ہے کہ جب پہلا مقدمہ ثابت کرے تو دوسرا بھی ثابت کرے اور ایسی وضاحت کسی صحیح حدیث سے دکھائے لیکن تادم زندگی یہ دین (قرض) ان کی گردن پر ہے، ہرگز ایسا ثبوت نہیں دے سکتے "فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون فى الارض."

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جن دو مقدموں کا ثابت ہونا ناممکن ہے اس کو مولوی صاحب ثابت کر جائیں اور کسی صحیح حدیث سے یہ دکھائیں کہ اس شخص نے یہ رکعت نہیں دہرائی اور اس کے نہ دہرانے کا رسول اللہ ﷺ کو علم بھی تھا۔ پھر انہیں ثابت کرنا ہوگا کہ اس کے معلوم ہوجانے کے بعد بھی اس کو رکعت دہرانے کا حکم نہیں دیا۔ ایسا ثبوت مولوی صاحب کے بس (طاقت) سے باہر ہے۔ جب کہ ان کے اکابر بھی ایسا ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں اگر مولوی صاحب کا شاعر متنبّی کی طرح دعویٰ ہے تو:

وانی ان کنت الا خیر زمانة۔ لآت بما لم تأت الاوائل

تو پھر میدان موجود ہے پھر اگرچہ آپ عقل کے گھوڑے دوڑائیں عمر ختم ہوجائے گی ان مقدمات کے متعلق مطالبہ پورا نہ ہوگا "ان شاء اللہ العزیز" اور ان مقدمات کو مکمل کیے بغیر مولوی صاحب کا استدلال باطل رہے گا۔ کیونکہ جب تک اس صحابی کے نہ دہرانے کا ثبوت نہیں ملتا تب تک اس حدیث سے یہ ثابت کرنا کہ رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہوگی یہ انتہائی درجے کی سینہ زوری ہوگی اور حدیث پر ناجائز اقدام

بلکہ اس میں اپنی طرف سے ایزاد بھی ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں صرف اس قدر ہے کہ اس نے صف میں داخل ہونے سے قبل رکوع کیا اور مولوی صاحب کے استدلال کے مطابق اس طرح ہوگا کہ رکوع کیا اور رکعت دہرائی نہیں۔ اب ایمانداری کے ساتھ ناظرین غور کریں کہ اس طرح حدیث میں اپنی طرف سے الفاظ بڑھانا نہیں تو اور کیا ہے۔

میرے دل کو دیکھ کہ میری وفا کو دیکھ کر  بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اور اگر دوسرا مقدمہ ثابت نہیں ہوتا تو پھر علی فرض التقدیر اس صحابی کا عمل رسول اللہ ﷺ کے علم کے بغیر تھا۔ لہٰذا حنفی قاعدے کے مطابق دو وجوہات کی بناء پر دلیل نہیں بن سکتا۔

**اولاً:**...... مرفوع حدیث کے خلاف ہے لہٰذا حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ احناف کے رئیس العلماء ابن الہمام کا قول گزرا اسی طرح لکھنوی صاحب بھی امام الکلام صفحہ ۲۲۲ میں ذکر کرتے ہیں لہٰذا اس کے مقابلے میں صحابی کا یہ عمل اگر ثابت ہوجائے تو بھی احناف کے قاعدے کے مطابق حجت نہ رہا۔ چنانچہ نور الانوار صفحہ ۱۷۶ میں ہے کہ "وهذا الاختلاف المذكور بين العلما في وجوب التقليد (اى تقليد الصحابى) وعدمه فى كل ماثبت عنهم من غير خلاف بينهم...... الخ اس طرح توضیح علی ہامش التلویح صفحہ ۱۷ ج ۲ میں ہے کہ فصل فى تقليد الصحابى يجب فيما شاع فسكتوا مسلمين ولا يجب اجماع فيما ثبت الخلاف بينهم...... الخ اور علامہ لکھنوی کی غیث الغمام حاشیہ امام الکلام صفحہ ۱۵۵ میں ہے کہ ان حجية آثار الصحابة انما تكون مفيدة اذا لم يكن الامر مختلفاً فيما بينهم. خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء احناف کے نزدیک آثار اس مسئلہ میں حجت ہوں گے اور ان کی اتباع واجب ہوگی۔ جو کہ ان کا آپس میں اختلاف نہ ہو اور اس مقام پر اختلاف موجود ہے۔ کیونکہ اگر اس بات کو قبول کیا جائے کہ ابوبکرہ نے وہ رکعت نہیں دہرائی تو بھی حجت نہ بنے گی؛ کیونکہ دوسرے صحابہ سے صراحتاً اس کے خلاف منقول ہے چنانچہ جزء القراءۃ بخاری صفحہ ۳۰ میں ہے کہ عن ابى هريرة قال اذا ادركت القوم ركوعا لم تعتد بتلك الركعة اور صفحہ ۱۶ میں ہے کہ عن ابى هريرة قال لا يجزيك الا ان تدرك الامام قائما " اور صفحہ ۱۷ میں ہے کہ لا يجزئك الا ان تدرك الامام قائما قبل ان يركع. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ صاف فیصلہ ہے کہ رکوع میں پہنچنے والے کی رکعت شمار نہیں کی جائے گی۔ پھر جب صحابہ میں کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہوگیا تو پھر احناف کے قول کے مطابق ان کا اثر حجت نہ رہا۔ بلکہ مرفوع حدیث کا فیصلہ قائم رہا۔ کہ الحمد کے بغیر کوئی بھی نماز نہیں وہ بھی تب جب یہ مقدمہ قبول کیا جائے کہ اس صحابی نے یہ رکعت نہیں دہرائی۔ حالانکہ ایسا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی کسی حدیث

میں اس کا ذکر ہے۔ لہٰذا ابوہریرہ کا فیصلہ اپنی جگہ پر اٹل رہا بلکہ ابوہریرہ کے اس فیصلے سے واضح ہوا کہ جوان کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا فانتھی الناس...... الخ یعنی صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جہر نمازوں میں قرأت چھوڑ دی یہ نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے بلکہ غلط اور بے بنیاد ہے اور اگر مولوی صاحب ایسا ثبوت نہیں دے سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو یہ مرفوع حدیث نہیں کہلائے گی نہ قولی نہ فعلی اور نہ تقریری اور اگر بالفرض محال مولوی صاحب یہ دونوں مقدمے ثابت کرے کہ اس صحابی نے رکعت نہیں دہرائی اور آپ کے علم میں یہ بات آچکی تھی تب بھی مولوی صاحب کی دلیل ادھوری اور نامکمل ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اس ثبوت کی ضرورت ہے کہ آپ نے اس پر خاموشی اختیار کی یا اس کو دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

**الحاصل:**...... اسی روایت سے استدلال لینا ببول کے درخت سے بیر (پھل) لینا ہے۔

**ناظرین:**...... اگر اس مفصل بحث کو نظر انداز کریں تب بھی مولوی صاحب کا اس روایت سے استدلال لینا یا کسی بھی نماز کے لیے فاتحہ ضروری نہ کہنا یا اس کی فرضیت کا انکار کرنا یا بغیر فاتحہ والی نماز کو درست کہنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ استدلال ان کی گردن میں ہوگا کیونکہ ان کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ رکوع میں ملنے والے کی فاتحہ چھوٹ گئی پھر بھی بقول ان کے اس کی رکعت معتبر ہے اس سے ظاہر ہے کہ فاتحہ ضروری نہیں۔ فرض نہیں ہے اس کے بغیر بھی نماز ہوسکتی ہے لہٰذا ہم ان سے دوبارہ پوچھتے ہیں آپ اب بھی اپنے استدلال پر قائم ہیں؟ اگر ہاں! تو پھر رکوع میں پہنچنے والے کا قیام بھی فوت ہوگیا حالانکہ یہ آپ کے نزدیک فرض ہے اور نماز کا رکن ہے اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ جیسا کہ آپ کی کتب اس کے بارے میں واضح دلیل ہیں۔ کیا اب اس روایت کو سامنے رکھ کر اور آپ کے استدلال کو سامنے رکھ کر اگر کہیں کہ رکوع میں پہنچا اور رکعت نہیں دہرائی اور باوجود علم ہونے کے اس کو دہرانے کا حکم بھی نہیں ملا۔ کوئی آپ پر اعتراض کرے کہ قیام فرض نہیں ہے اور نماز کے لیے ضروری نہیں ہے اور اس کے بغیر نماز ہوجائے گی؟ تو پھر اس کو کیا جواب دیں گے؟ "فما هو جوابكم فهو جوابنا."

جو آپ قیام کے متعلق جواب دیں گے وہی قرأت کے متعلق اپنے استدلال کا جواب سمجھیں۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کے

اگر کہیں کہ یہ خاص صورت ہے جس میں مقتدی سے قیام کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے باقی حالتوں میں قیام ضروری اور فرض ہے اس کے سوا رکعت نہ ہوگی تو پھر سورۃ فاتحہ کے متعلق بھی وہی فیصلہ کیوں نہیں کرتے

کیونکہ حدیث دونوں کے متعلق مشترک ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے جمہور اہل اسلام اور چاروں بڑے ائمہ دلیل لیتے ہیں کہ جو شخص رکوع میں پہنچے تو اس کی یہ رکعت صحیح ہے الخ۔

**جواب**: ...... مولوی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ زیادہ تر اس طرف ہیں کہ رکوع میں پہنچنے والے کی رکعت درست ہے اور ان سے کم کا یہ خیال ہے کہ اس کی رکعت نہیں ہوئی مولوی صاحب کو اس دعویٰ کے لیے ثبوت دینا چاہیے۔اور یہ ان کے ذمہ ہے کہ کتب کے حوالوں سے ان کے نام شمار کریں جو رکعت صحیح کہتے ہیں اور جو صحیح نہیں کہتے ان کے نام بھی ذکر کریں۔ پھر دیکھیں مولوی صاحب اپنی بات میں سچے ہیں یا نہیں؟ خالی زبانی جمع خرچ مناظرہ اور مقابلہ میں کارگر نہیں ہے۔

**ثانیاً**: ...... چار بڑے ائمہ کہتے ہیں اگر ان سے ان کے چار امام مراد ہیں تو پھر ہم عرض کریں گے کہ مولوی صاحب! دیگر تین ائمہ کو چھوڑیں فقط اپنے امام ابوحنیفہ سے ایسا ثبوت کسی معتبر کتاب یا صحیح اور متصل سند کے ساتھ دیں جس میں یہ وضاحت ہو کہ امام صاحب نے یہ حدیث پیش کی اور اس سے یہ استدلال بھی کیا کہ رکوع میں پہنچنے والے کی رکعت صحیح ہے۔ ایسے صریح ثبوت کے بغیر امام صاحب کی طرف آپ کی یہ نسبت کس طرح صحیح کہی جائے گی؟ اگر قیامت کے دن امام صاحب کی شکایت پر اس نسبت کے متعلق آپ سے پوچھ لیا گیا تو کیا ثبوت دو گے؟ حالانکہ حکم الٰہی ہے کہ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل) لہٰذا ایسا کوئی ثبوت آپ کے پاس ہے تو ظاہر کریں ورنہ اپنی غلط نسبتیں کرنے سے دوری اختیار کریں۔

گر ز عشقت خبرے ہست بگوای واعظ
ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغان چیزے نیست

امام ابن حزم سے نقل کرتے ہیں کہ ”اس حدیث کا ناقل راوی ابوبکرہ فتح مکہ اور حنین کے بعد طائف کی فتح کے وقت مسلمان ہوا۔“

**جواب**: ...... **اولاً**: اس بات سے مولوی صاحب کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب مولوی صاحب کا مطلوب مسئلہ نہ مرفوع حدیث سے ثابت ہوا اور نہ ابوبکرہ سے ثابت ہوتا ہے۔

**ثانیاً**: ...... امام ابن حزم نے المحلی صفحہ ۲۲۷ ج ۴ میں یہ عبارت ذکر کی ہے اور امام موصوف نے ابوبکرہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ ”عن الحسن البصری عن ابی بكرة قال ﷺ فی خوف الظهر فصف بعضهم خلفه وبعضهم بازاء العدو فصلى ركعتين ثم سلم فانطلق الذين صلوا معه

فوقفوا موقف اصحابهم ثم جاء اولئك فصفوا خلفه فصلى بهم ركعتين ثم سلم فكانت لرسول الله ﷺ اربعا ولا صحابه ركعتين ركعتين وبه كان يفتي الحسن۔"
یعنی ابو بکرہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ خوف اس طرح ادا فرمائی کہ ایک جماعت دشمن کے مدمقابل کھڑی رہی اور دوسری جماعت آپ کے پیچھے صف بنائے کھڑی تھی آپ نے انہیں دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیرا پھر وہ جماعت جو دشمن کے مدمقابل تھی وہ اس مقام پر ان کی جگہ پر آ گئی اور آپ کے پیچھے صف بنائی آپ نے انہیں بھی دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیرا۔ اس روایت سے امام موصوف یہ اصول مسئلہ اخذ کرتا ہے جو آپ احناف کے خلاف ہے۔ یعنی کہ امام اور مقتدی کی نیت ایک ہونا ضروری نہیں ہے۔ مختلف نیتیں ہوسکتی ہیں اور اس اصول کے تحت لکھتے ہیں کہ فرضی نماز والا نفلی نماز والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے اور اس طرح ایک نماز پڑھنے والے کے پیچھے دوسری نماز کی نیت کر کے پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح تراویح نماز پڑھانے والے کے پیچھے عشاء کی نماز کی نیت سے پڑھ سکتا ہے۔ نیز ایک امام ایک ہی نماز دو یا زیادہ جماعتوں کو مختلف مساجد میں پڑھا سکتا ہے اور پہلی کے علاوہ اس کی نفل کی نیت ہوگی اور فرض جماعت کی اور جس شخص نے فرض نماز پڑھی ہے وہی نماز کسی دوسری جماعت کے ساتھ نفل کی نیت کر کے پڑھ سکتا ہے وغیرہ۔ ان تمام مسائل کی بنیاد اس مسئلہ پر ہے کہ امام اور مقتدی کی نیتیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد احناف پر رد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو کہتے ہیں کہ مقتدی اور امام کی نیت مختلف ہونا جائز نہیں اس کے بعد اپنے مسلک کے دلائل پیش کرنا شروع کرتے ہیں جن میں ایک حدیث ابو بکرہ والی بھی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "هذا آخر فعل رسول الله ﷺ لان ابا بكرة شهده فما كان اسلامه يوم الطائف بعد فتح مكة وحنين" یعنی یہ فعل رسول اللہ ﷺ کا آخر عمر کا ہے (اس میں آپ نے وہی نماز دوسری جماعت کو دوبارہ پڑھائی ہے۔ اس وقت یقیناً آپ کی نیت نفلی نماز کی تھی۔ کیونکہ آپ پہلے پڑھ چکے تھے اور ایک وقت کا فرض دوبارہ نہیں پڑھا جاسکتا اور پیچھے والوں کی نیت یقیناً فرض کی تھی انہوں نے پہلے نہیں پڑھی تھی۔ اس وجہ سے امام اور ماٴموم کی نیتیں ایک دوسرے سے مختلف رہیں اور یہی آپ کا آخری فعل ہے) جس کا ابو بکرہ نے مشاہدہ کیا اور اس وقت وہ حاضر رہے اور ابو بکرہ کا اسلام قبول کرنا فتح مکہ اور حنین کے بعد طائف والے دن ٹھہرا۔ امام موصوف ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس فعل کو منسوخ نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی ناسخ ہے۔ کیونکہ یہ آپ کا آخری زمانے کا عمل ہے۔ اب مولوی صاحب بتائیں کہ امام ابن حزم کی اس عبارت پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں تو ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ اور اگر یقین رکھتے ہیں تو پھر اس قاعدے کے مطابق ابو بکرہ کی یہ حدیث بھی قبول کریں اور امام و مقتدی کی نیتوں

کے مختلف ہونے کو جائز کہیں اور اس قاعدے کے مطابق امام موصوف نے جو مسائل اخذ کیے ہیں وہ بھی قبول کریں ورنہ بصورت دیگر اس قسم کی دورنگی علماء کی شان سے بعید ہے۔

دو رنگی چھوڑ کے یک رنگ ہو جا

سرا سر موم ہو یا سنگ ہو جا

**ثالثاً:**.....خود امام ابن حزم تصریح کرتے ہیں کہ رکوع میں ملنے والے کی رکعت شمار نہیں کی جائے گی، چنانچہ المحلی صفحہ ۲۴۳ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ:

■:.....فان جاء والا مام راکع فلیر کع معه ولا یعتد بتلك الرکعة لانه لم یدرك القیام ولا القرأة ولكن یقضیها اذا سلم الامام اور اس کے بعد ابوبکرہ والی روایت جو مولوی صاحب لائے ہیں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”واما حدیث ابی بکرة فلا حجة لهم فیه اصلا لانه لیس فیه انه اجتزأ بتلك الرکعة وانه لم یقضها فسقط تعلقهم به جملة ولله الحمد (المحلی صفحه ٢٤٤ ج٣) یعنی جو رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو صحیح کہتے ہیں ان کے لیے ابوبکرہ کی اس روایت میں کوئی قطعاً دلیل نہیں۔ کیونکہ اس میں بالکل ایسا کوئی بیان نہیں کہ ابوبکرہ نے اپنی رکوع میں ملنے والی رکعت کو کافی اور مکمل سمجھا ہو اور نہ اسے دہرایا ہو، اس طرح مخالفت والی دوسری دلیلوں کے جواب بھی دیتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ ”فاذا قد سقط کل ماتعلقوابه من الآثار فقد صح عن النبی ﷺ ما حدثناه“ یعنی جب کہ مخالفین کے سب دلائل ختم ہو گئے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث موجود ہے پھر یہ حدیث ذکر کرتے ہیں۔ فصلوا واقضوا ما سبقكم اور وما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ”وبیقین یدری کل ذی حسن سلیم ان من ادرك الامام فی اول الرکعة الثانیة فقد فاته الاولی اكلها وان من ادرك سجدة من الاولی فقد فاته وقفة ورکوع ورفع وسجدة وجلوس وان من ادرك الجلسة بین السجدتین فقد فاته الوقفة والرکوع والرفع وسجدة وان من ادرك الرفع فقد فاته الوقفة والرکوع وان من ادرك السجدتین فقد فاته الوقفة والرکوع وان من ادرك الرکوع فقد فاته الوقفة وقرأة ام القراٰن وكلا هما فرض لاتتم الصلوٰة الا به وهو مأمور بنص كلام رسول الله ﷺ بقضاء ما سبقه واتمام ما فاته فلا یجوز تخصیص شیء من ذالك بغیر نص آخرولا سبیل الی وجوده۔

یعنی یقیناً ہر باشعور انسان جانتا ہے کہ مسبوق جب بھی صف میں داخل ہوگا تو ضرور اس سے قبل کوئی

رکعت یا اس کا کوئی رکن اس سے فوت ہو چکا ہوگا حتی کہ اگر رکوع کی حالت میں پہنچتا ہے تو تب بھی اس کو قیام اور الحمد کی قرأت اس سے فوت ہو چکی ہوگی۔ حالانکہ دونوں فرض ہیں۔ ان کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ اس وجہ سے رسول ﷺ کا یہ حکم کہ فوت شدہ کو قضا کر کے نماز مکمل کرے۔ یہ حکم بالکل عام ہے جس کی تخصیص کے لیے کوئی بھی دلیل وارد نہیں۔ یعنی لہٰذا علاوہ اس رکعت دہرانے کے کوئی دوسرا چارہ نہیں۔

اب مولوی صاحب سوچیں کہ امام ابن حزم کا سہارا لینے کا کیا فائدہ ہوا اور بے چارے شاعر نے کہا تھا!

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد حیف ہے وہ بھی تیرا چاہنے والا نکلا

مولوی صاحب جب ابن حزم کے ذکر کردہ قاعدے کو اپنی دلیل مضبوط بنانے کے لیے ذکر کرتے ہیں تو ان کی اس تقریر کو بھی قبول کریں۔ ورنہ یہ اقتباس نہیں بلکہ اختلاس کہا جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذلك.

اعتراض نقل کرتے ہیں کہ ”آپ نے ابو بکرہ کو ایسا کرنے سے منع کیا۔“

**جواب:** …… یہ اعتراض سطحی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ کیونکہ مسند احمد بن حنبل صفحہ ۵۷ ج ۵ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ ”فقال النبی ﷺ من هذا الذی رکع ثم مشی الی الصف فقال ابو بکرة انا فقال النبی ﷺ زادك الله حرصا ولا تعد“ صفحہ ۵۰ ج ۵ میں ہے کہ قال ایکم رکع دون الصف قلت انا قال زادك الله حرصا ولا تعد“ یہ صریح ہے کہ آپ نے پوچھ کر تسلی کی کہ کس نے صف میں داخل ہونے سے پہلے رکوع کیا جب ابو بکرہ نے اپنا نام ظاہر کیا تب آپ نے انہیں ایسا دوبارہ کرنے سے منع فرما دیا۔ امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ۱۷ میں یہ روایت لا کر فرماتے ہیں کہ فلیس لاحد ان یعود لما نهی النبی ﷺ عنه ولیس جوابه انه اعتد بالرکوع عن القیام والقیام فرض فی الکتاب والسنة قال الله تعالیٰ وقوموا لله قانتین وقال اذا قمتم الی الصلوٰة وقال النبی ﷺ صل قائما فان لم تستطع فقاعدا“ یعنی جس بات سے آپ نے فرمایا ہو اس کو دوبارہ دہرانے کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے اور اس حدیث میں کوئی ایسا بیان نہیں کہ قیام جس کو قرآن وحدیث فرض قرار دیتے ہیں اس کے بدلے اس صحابی نے صرف رکوع کو کافی سمجھا ہو۔ یعنی اس وجہ سے یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔

پھر جواب اس طرح دیتا ہے کہ اگر نماز نہ ہوتی تو ضرور حضرت ابو بکرۃ کو اس وقت آپ حکم کرتے کہ نماز دوبارہ پڑھو۔ کیونکہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ الخ

**جواب:** …… **اولاً:** یہ ہے مولوی صاحب کی علمیت؟ کیا اعتراض ہے کیا جواب دے رہے ہیں!! یہ دیکھ کر ہمیں بے ساختہ یہ شعر لکھنا پڑ رہا ہے:

آزاد بے خودی کا نشیب و فراز دیکھ
پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

**ثانیا:**......اس جواب میں جو مولوی صاحب نے تقریر کی ہے اس کے لیے عرض ہے کہ ہمیں کوئی ایسا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے لیے فرمانِ نبوی ہے کہ الحمد کے بغیر نماز نہیں، لیکن خود مولوی صاحب جو اس روایت کو دلیل بناتے ہیں وہ خود مکلّف ہیں کہ ''اپنی دلیل کو مکمل کرنے کے لیے اوپر والے تین مقدمے جن کا ہم نے مطالبہ کیا وہ ثابت کریں ورنہ دلیل سے ہاتھ اٹھائیں۔

**ثالثا:** ......ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اس قسم کی نماز متعدد دلائل کی رو سے دہرانے کا حکم ثابت ہے، ہم نے تو مولوی صاحب کا مطالبہ پورا کیا اب ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہمارے مطالبات پورے کریں۔

آئے ہیں میدان میں اب جلد آیئے
دعویٰ گر کیا ہے تو کچھ کر دکھایئے

**صفحہ ٤٤:** ......دوسرے جواب میں لکھتا ہے کہ ''غیر مقلد یہ اعتراض اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ (ابو بکرہ والی حدیث) بخاری کی حدیث کو اور ان کے دعویٰ کہ کوئی بھی نماز الحمد کے بغیر نہیں ہو سکتی'' اس کو ریزہ ریزہ کر کے پھینک دیتی ہے۔''

**جواب:** ......**اوّلا:** یہ مولوی صاحب کو کس طرح معلوم ہوا؟ کیا وہ عالم الغیب ہیں یہ صفت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔

**ثانیا:**......اہل علم غور کریں کہ یہ اعتراض کا جواب ہے. یا اس کی وجہ بیان کرنا ہے اور اعتراض کی وجہ اور علت کو بیان کرنا بھی جواب ہوتا ہے؟ پتہ نہیں مولوی صاحب اہل علم سے مخاطب ہیں یا کنویں میں منہ ڈال کر بات کر رہے ہیں آواز پلٹ کر ان کے کانوں میں آتی ہے اور اپنی تقریر سن کر خود ہی خوش ہو رہے ہیں۔

**ثالثا:** ......یہ روایت ''لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن'' کو کس طرح ریزہ ریزہ کرتی ہے؟ اس میں فاتحہ کی نفی ہے یا اس کا نسخ (منسوخ) ہونا ہے یا اس میں رکعت کا شمار کرنا مذکور ہے۔ ہرگز نہیں کچھ بھی نہیں ہے اگر ہوتی تو بھی اس حدیث کو ریزہ ریزہ کرنا تو درکنار رہا لیکن اس کے مقابلے کی نہ رہتی۔ کیونکہ خود مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ''علم حدیث کا قانون ہے کہ اثبات (یعنی کسی چیز کا ہونا) نفی (نہ ہونا) پر مقدم ہے۔'' (تحفۃ الحدیث صفحہ: ۳۰)

**رابعاً:**......اگر مولوی صاحب کے قول کے مطابق یہ حدیث ریزہ ریزہ ہو بھی گئی تو پرواہ نہیں ہے کیونکہ ہمارے لیے دوسرے دلائل بھی کافی ہیں لیکن رکوع میں ملنے والے کو تو قیام بھی نہیں ملا۔ جن دلائل سے آپ قیام کی فرضیت لیتے ہو تو پھر آپ کے قول کے مطابق کہا جائے گا کہ قیام کی فرضیت کے سب دلائل ریزہ

ریزہ ہوگئے۔ "وما هو جوابكم فهو جوابنا"

"لاتعد" کی معنی لکھتے ہیں کہ دوبارہ ایسا نہ کرنا اور لکھتے ہیں کہ صف میں پہنچنے سے قبل رکوع کر کے آگے بڑھنے لگا یہی نقص تھا جس پر آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کر۔"

**جواب:** ...... ہم بھی ایسا ہی کہتے ہیں پھر جب کہ فریقین کا اس پر اتفاق ہے تو پھر یہ روایت آپ کی دلیل نہ رہی۔

**ثانیا:** ...... اس طرح سے مولوی صاحب کیے ہوئے اعتراض کا جواب دینے کے بجائے اس کو مزید تقویت دے گئے۔ والحمد لله

اے اشک بار آنکھ ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو

پھر لکھتے ہیں کہ مسلم شریف سے لے کر تمام حدیث کی کتب دکھائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں بخاری شریف میں سے دکھائیں یہ لیں بخاری شریف کی حدیث ہے۔

**جواب:** ...... ہمارا صرف یہ مطالبہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث کسی بھی حدیث کی کتاب میں سے دکھائیں جس میں یہ تصریح ہو کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ دوسرا کوئی ایسا ثبوت نہیں اور نہ ہی آپ دکھا سکتے ہیں باقی یہ حدیث واقعتاً صحیح بخاری میں ہے لیکن افسوس کہ اس سے آپ کا مطلب پورا نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا۔

**صفحہ ۴۵:** ...... چند کتب کے نام لیتے ہیں جن کے حوالے دیئے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ہم پر الزام ہے کہ ضعیف احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ الخ

**جواب:** ...... جن کتب کا حوالہ دیا ہے کسی میں سے بھی انہیں مطلب حاصل نہیں ہوا، رہا الزام کا مسئلہ وہ بہتان نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اس کے متعلق مولوی صاحب کی کتاب اور ہمارے اس جواب کو دیکھنے کے بعد ہر صاحب بصیرت پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ صرف وہ روایات پیش کرتے ہیں جو موضوع یا شاذ یا منکر یا مقلوب اور مدرج ہوں۔ بلکہ اس کے خلاف صحیح اور صریح احادیث سے اغماض (آنکھیں بند کرنا) اور اعراض کرتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی شکایت نہیں بلکہ پرانی حقیقت ہے اہل حق فقہ حنفیہ کی مشہور درسی کتاب ہدایہ کو سامنے رکھیں اور دوسری طرف اس کی احادیث کی تخریج کی کتاب جو کہ ایک حنفی عالم کی تصنیف کردہ ہے: نصب الراية فى تخريج احاديث الهداية" سامنے رکھیں پھر ہدایہ میں بیان شدہ ایک ایک حدیث کا حال اس کتاب میں دیکھیں تو ہدایہ میں نقل کردہ روایات اکثر و بیشتر غیر معتبر ہیں اور کئی نامعلوم ہیں جن کا

کسی بھی حدیث کی کتاب میں کوئی نشان نہیں ملتا اور کئی ضعیف ہیں تو کئی مقلوب یا مخلوط تو پھر کئی شاذ یا منکر ہیں۔ آپ اپنے اسلاف کی کتب دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہدایہ کے شارحین کا حال ہے۔ چنانچہ علامہ ملاعلی قاری حنفی الموضوعات الکبیر صفحہ ۴۷ پر فرماتے ہیں کہ "ثم لا عبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين . یعنی کہ نہایہ خواہ دیگر شروحات ہدایہ ان کی نقل کردہ احادیث پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ نہ خود محدث ہیں اور نہ ہی کسی محدث کا حوالہ دیتے ہیں اور ھدایۃ کے متعلق ایسی شکایت لکھنوی صاحب نے کتاب الاجوبة الفاضلة للا سئلة العشرة الكاملة صفحہ ۲۹ پر کی ہے۔ نیز مقدمه عمدة الرعاية فى حل شرح الوقاية صفحہ ۱۳ ج ۱ میں ملاعلی قاری کا یہ کلام نقل کر کے فرماتے ہیں کہ وهذا الكلام من القارى افاد فائدة حسنة وهى ان الكتب الفقهية وان كانت معتبرة فى انفسها بحسب المسائل الفرعية وكان مصنفوها ايضاً من المعتبرين والفقهاء الكاملين لا يعتمد على الاحاديث المنقولة فيها اعتمادا كليا ولا يجزم بورودها ثبوتها قطعاً بمجرد وقوعها فيها فكم من احاديث ذكرت فى الكتب المعتبرة وهى موضوعة مختلفة" یعنی فقہ کی کتب اگر چہ مسائل کے لحاظ سے کتنی ہی معتبر کیوں نہ ہوں لیکن ان میں نقل کردہ احادیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی فقہی کتب میں ان احادیث کے نقل ہونے کی وجہ سے ان کو ثابت کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان میں کئی روایات، موضوع، بناوٹی اور من گھڑت ہیں۔ پھر جب آپ اپنا یہ نظر یہ رکھتے ہیں تو پھر غیر کون سا نظریہ رکھیں گے؟

خود آپ کے حنفی آپ کی فقہ میں نقل شدہ روایات پر بھروسہ نہیں رکھتے تو پھر کون رکھے گا؟ اور جب کہ آپ کا حنفی بھائی یہ تسلیم کر رہا ہے کہ فقہ میں کئی روایات موضوع اور بناوٹی ہیں تو پھر آپ فضول شور وغل کرتے ہیں بلکہ جس الزام کو بہتان کہتے ہیں وہ حقیقت بن گئی۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بحوالہ كتاب القرأة للبيهقى ابوہریرہ کی روایت ان الفاظ سے لاتے ہیں "كل صلاة لا يقرأ فيها بام القرآن فهى خداج الا صلاة خلف الامام"

**جواب**: ...... یہ روایت اوپر والے الزام کی تائید کرتی ہے اور اسے برحق اور عین جواب قرار دیتی ہے۔ ایسی باطل اور جھوٹی روایت نقل کرنے سے اہل علم کو شرم آنی چاہیے، ہمارا اعتراض نہیں ہے کہ یہ روایت بخاری کی نہیں ہے بلکہ یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ بناوٹی ہے یہ مولوی صاحب کی بہت بڑی

خیانت ہے۔ اس روایت کی حقیقت کو امام بیہقی نے ظاہر کرنے کے لیے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ مولوی صاحب امام بیہقی کا کلام حذف کر کے صرف روایت بلا سند ذکر کر کے خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ مجھے دلیل مل گئی۔

ہم ناظرین کی عبرت کے لیے امام بیہقی کی کتاب القرأۃ صفحہ ۱۳۵ سے کلام نقل کرتے ہیں "اخبر نا ابو عبدالله الحافظ انا ابو بكر بن اسحاق الفقيه انا احمد بن بشر بن سعد المرثدی نا فضيل بن عبدالوهاب نا خالد يعنی الطحان ح قال ابو عبد الله واخبرنی ابو بكر بن عبدالله نا الحسن بن سفيان نا محمد بن خالد بن عبدالله الواسطی نا ابی عن عبدالرحمن بن اسحاق عن سعيد المقبری عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل صلاة لا يقرأ فيها بام الكتاب فهی خداج الاصلاة خلف الامام قال الشيخ ابو بكر رحمه الله فی عقب هذا الخبر هٰذا خبر فيه نظر لا يثبته اهل المعرفة بالحديث قالوا اخطأ فيه خالد وقلب متن الحديث وجعل قوله انی اكون أحيا نا خلف الامام فقال الا خلف امام سهوا منه والدليل علی خطائه وقلب متن الحديث ما اخبرناه محمد بن ايوب انا داؤد بن ابراهيم يعنی القزوينی ناشعبة عن العلاء عن ابيه عن ابی هريرة قال كل صلاة لا يقرأ فيها بفاتحه الكتاب فهی خداج فقلت وان كنت خلف امام فقال اقرأفی نفسك قال لنا ابو عبدالله رحمه الله شيخنا ابو بكر فلقد وفق لا نتزاع علة هذا الخبر وذكر موضع الوهم فيه الا ان هذا الوهم عندی من عبدالرحمن بن اسحاق فانه اليق وروی باسناده عن يحيیٰ بن معين انه سئل عن عبدالرحمن بن اسحاق فقال كان ضعيفا وروينا عن احمد بن حنبل انه قال هو منكرالحديث قال الامام احمد رحمه الله ومذهب ابی هريرة فی القرأة خلف الامام اشهر من ان يمكن التلبيس عليه۔ اب علم اور تحقیق والے امام بیہقی کی عبارت کو بار بار پڑھیں، پھر غور کریں کہ مولوی صاحب نے اس قسم کی روایت کو دلیل بنایا ہے۔ یہ ان کی تحقیق کہی جائے یا تلبیس اور تدلیس؟ امام بیہقی کی کلام سے اس روایت کی چند علتیں معلوم ہوتی ہیں۔

**اولاً:**...... اس میں راوی سے غلطی ہوئی ہے۔ جو ایک روایت کو بدل کر دوسری بنا کر لایا ہے۔ اصل روایت ابو ہریرہ کی اس طرح سے ہے کہ "كل صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهی خداج فقلت وان كنت خلف امام فقال اقرأ فی نفسك" یعنی یہ راوی سے سہو (بھول) ہوئی ہے جو کہ اصل

متن اس سے تبدیل ہو گیا ہے۔

**ثانیاً:** ...... اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی ہے جس کو امام یحییٰ بن معین ضعیف کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبل منکر الحدیث کہتے ہیں. ناظرین اس پر بے شمار جرح کی گئی ہے، عام ائمہ جرح وتعدیل اس پر جرح کرتے ہیں۔ چنانچہ احمد، یحییٰ بن معین، بخاری، نسائی، ابوداؤد، ابن حبان، یعقوب بن سفیان، ابو زرعة، ابو حاتم، ابن خزیمة ابن ابی خیثمه، بزار، ابن عدی، عقیلی، ساجی اور عجلی" ہیں۔ یہ سب اس کو ضعیف اور غیر معتبر کہتے ہیں (التہذیب صفحہ ۱۳۶،۳۷ ج ۶) میزان الاعتدال صفحہ ۹۸ ج ۲ میں ابن معین سے نقل ہے کہ وہ متروک ہے بلکہ علامہ زیلعی نصب الرایۃ صفحہ ۳۱۴ ج ۱ میں امام بیہقی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ متروك یعنی متهم بالکذب ہے اور امام نووی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ضعیف بالاتفاق۔ پھر جو راوی باتفاق محدثین ضعیف ہو اس کی روایت کو صحیح احادیث کے مقابلے میں دلیل بنانا علمی دنیا میں دیوالیہ پن کی مثال ہے۔

**ثالثاً:** ...... ابو ہریرہ کا قرأت خلف الامام کے متعلق مذہب مشہور ہے جس پر کوئی تلبیس کرنا یا اس پر پردہ پوشی کرنا ناممکن ہے لہٰذا اس روایت کی ان کی طرف نسبت کرنا قطعاً غلط اور ناجائز ہے۔

**رابعاً:** ...... ثابت ہوا کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق منکر الحدیث ہے۔ جیسا کہ بیہقی امام احمد سے نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح زیلعی حنفی صاحب (صفحہ مذکورہ) امام ابو حاتم سے بھی نقل کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باوجود ضعیف راوی ہونے کے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت بمع ضعیف ہونے اس کی زیادتی الا صلاۃ خلف الامام شاذ اور منکر کہی جائے گی۔ جیسا کہ عام ثقہ راوی ابو ہریرہ سے خداج والی حدیث نقل کرتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی یہ زیادتی نقل نہیں کرتا۔ مثلاً امام مالک ابن جریج، الولید بن کثیر، محمد بن عجلان، ابن اسحاق اور ورقاء بن عمر یہ تمام "عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابی السائب عن ابی هريرة" نقل کرتے ہیں اور شعبه، سفیان بن عیینه، ابراهیم بن طهمان روح بن القاسم اسماعیل بن جعفر ابو غسان محمد بن مطرفه عبدالعزیز بن محمد الدراوردی جهضم بن عبدالله محمد بن یزید البصری زهیر بن محمد الغبری اور دیگر "عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابی السائب عن ابی هريرة نقل کرتے ہیں اور اسماعیل بن ابی اویس حسن بن بحر اور ابن العجلان عن العلاء عن ابیه ابی السائب عن ابی هريرة نقل کرتے ہیں، اس طرح زہری اور صفوان بن مسلم عن ابی السائب عن ابی ہریرۃ نقل کرتے ہیں اور پھر خود ابو ہریرہ سے عبدالملک بن مروان ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اور عبدالملک بن مغیرہ بھی روایت کرتے ہیں ان تمام

طرق کو کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۱۵ تا ۲۹ تک دیکھنا چاہیے۔ جیسا کہ ابو ہریرہؓ سے ایک بہت بڑی جماعت حدیث خداج روایت کرتی ہے اور ان کے دو شاگردوں عبدالرحمٰن العلاء کے والد اور ابو السائب ہر ایک سے جماعت نقل کرنے والی ہے، لیکن کسی بھی ایک کی سند میں یہ زیادتی نہیں بلکہ اکثر اسناد میں قرأت خلف الامام کا حکم ہے اور ابو ہریرہ کے اپنے الفاظ موجود ہیں کہ "اقرأ بها في نفسك" پھر اتنی جماعت کے مقابلے میں ایک عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی جو کہ باتفاق محدثین ضعیف بلکہ منکر الحدیث اور متروک ہے۔ اس کی زیادتی کوئی بھی سمجھدار انسان قبول نہیں کرسکتا۔ ایضاً اس روایت کا صرف ابو ہریرہ ہی راوی نہیں بلکہ کئی صحابہ سے خداج والی روایت مروی ہے۔ مثلاً امّ المؤمنین عائشہ، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم جن کو امام بیہقی کتاب القراءۃ میں صفحہ ۳۰ سے صفحہ ۳۳ تک ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کسی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں۔ بلکہ کتاب القراءۃ صفحہ ۵۲ میں خداج والی روایت مہران صحابی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے مروی ہے عن رسول الله ﷺ انه قال من لم يقرأ بام القرآن خلف الامام فصلوته خداج یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ادھوری (نامکمل) ہے۔

اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق جیسا کوئی بھی بیکار راوی نہیں امام بیہقی نے اس کو شاہدی کے طور پر پیش کیا ہے، اس روایت نے مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت کا کام تمام کر دیا ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ زیادتی الا صلاۃ خلف الامام جھوٹی اور باطل ہے۔

**ناظرین**: ......اس تقریر سے روایت کی دو علّتیں معلوم ہوئیں ایک تو خداج والی روایت کئی سندوں سے مروی ہے کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں دوسرا کہ کئی روایات میں امام کے پیچھے پڑھنے کے متعلق صراحۃً اثبات کا ذکر ہے۔ یہ دو علّتیں بھی اس زیادتی کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں منجملہ پانچ علّتیں ہوئیں۔ چھٹی یہ کہ مولوی صاحب کی ذکر کردہ روایت میں سعید بن ابی سعید المقبری ہے جن کا آخر میں حافظہ بدل گیا تھا جیسا کہ ائمہ حدیث شعبہ، یعقوب بن ابی شیبہ اور ابن حبان وغیرہ تصریح کرتے ہیں (التهذيب صفحه ۳۸ تا ۴۰ ج۴) اور علامه سبط بن العجمی كتاب الاغتباط بمعرفة من روى بالاختلاط صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں کہ سعيد بن ابی سعيد المقبری صاحب ابی هريرة قال ابن سعد ثقه لكنه اختلط قبل موته باربع سنين وكذا قاله ابن حبان فی ثقاته وقد نقل ذالك الذهبی فی تذهيبه عن الواقدی" لہٰذا اس روایت کے ضعیف ہونے کے لیے یہ علت بھی کافی ہے۔ حافظ ابن الصلاح کی کتاب علوم الحدیث جو کہ مقدمہ ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہے صفحہ ۳۵۲

(طبع حلب) میں فرماتے ہیں کہ والحکم فیھم انہ یقبل حدیث من اخذ عنھم قبل الاختلاط ولا یقبل حدیث من اخذ عنھم بعد الاختلاط او اشکل امرہ فلم یدر ھل اخذ عنہ قبل الاختلاط او بعدہ. جیسا کہ یہاں پر یہ وضاحت نہیں کہ ان کی یہ روایت حافظہ تبدیل ہونے سے قبل کی ہے یا بعد کی۔ لہٰذا ان کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف، مقلوب، اور اس کی زیادتی شاذ، اور منکر راوی کا وہم اور خطا ہے۔ اس کے علاوہ ابو ہریرہ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ اگر پھر بھی مولوی صاحب خواہ مخواہ اس کو صحیح مانتے ہیں تب بھی ان کے مذہب کے مطابق منسوخ ہوگی۔ اس روایت کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے مولوی صاحب نے جو لمبی تقریر کی ہے، وہ ختم ہوگئی۔

**اولاً**:...... اس روایت میں فاتحہ کی نفی نہیں ہے اور ہمارا مطالبہ اپنی جگہ برقرار ہے۔

**ثانیاً**: ...... اگر مولوی صاحب کے نزدیک صحیح بھی ہے تو بھی ترک فاتحہ ثابت ہوگی نہ کہ اس میں فاتحہ کی قرأت کی منع یا کراہت ہے۔ جیسا کہ ان کے اہل مذہب لکھتے ہیں۔

**ثالثاً**: ...... خود مولوی صاحب بھی اس حدیث کو نہیں مانتے کیونکہ ترجمہ اس طرح سے کرتے ہیں ''ہر نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص ہے۔ ہاں مگر وہ نماز جس میں امام کے پیچھے پڑھی جائے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۴۵) اب اگر مولوی صاحب اس روایت کو معتبر مانتے ہیں تب بھی صرف مقتدی کو مستثنیٰ کریں گے لیکن امام اور اکیلے کے لیے یہ روایت بھی فاتحہ لازمی قرار دیتی ہے۔ حالانکہ یہ مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کے مطابق خاص سورۃ فاتحہ کسی نمازی کے لیے رکن یا فرض نہیں ہے خود (ہدایہ صفحہ ۱۰۴ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ ''فقرأۃ الفاتحۃ لاتتعین رکنا عندنا'' یعنی قرأت فاتحہ ہمارے نزدیک متعین رکن نہیں ہے حالانکہ آپ کا یہ مذہب بھی ہے کہ آخری دو رکعتوں میں کچھ بھی پڑھے تو بھی اس کو اختیار ہے۔ اس کی نماز ہو جائے گی۔ ہدایہ صفحہ ۱۴۸ ج ۱ میں ہے:

''فھو مخیر فی الاخریین معناہ ان شاء سکت وان شاء قرأ وان شاء سبح کذاروی عن ابی حنیفۃ لا یجب السھو بترکھا کمافی ظاھر الروایۃ.''

''پھر نمازی کو آخری دو رکعتوں میں اختیار ہے یعنی اگر چاہے تو خاموش رہے اور اگر چاہے تو قرأت کرے اور چاہے تو تسبیح کرے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ سے روایت کی گئی ہے اس (فاتحہ) کو چھوڑنے پر سہو واجب نہیں بموجب ظاہر روایت کے۔''

اب انصاف کریں کہ یہ فتویٰ حدیث کے ان الفاظ کل صلاۃ لایقرأ فیھا بام الکتاب فھی خداج کے موافق ہے؟ ہرگز نہیں۔ جیسا کہ آپ کا احادیث سے کوئی واسطہ نہیں آپ اپنے (Pack شدہ

مذہب سے چمٹے ہوئے ہیں امام موصوف نے وہاں پر یہ باب قائم کیا ہے "ذكر خبر آخر يحتج به من كره القرأة خلف الامام وبيان ضعفه" گویا کہ امام صاحب اس روایت کے ضعف کو بیان کرنے کے لیے لائے ہیں۔

## جابر رضی اللہ عنہ کی روایت پر شافی کلام

**صفحہ ۴۷** :...... آٹھویں حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی کتاب القراۃ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

**جواب:** ...... **اولا**: اس کی سند اس طرح سے ہے۔ اخبرنا ابو عبدالله الحافظ انا ابو على الحافظ نا عبدالله بن سليمان بن الاشعث نا عبدالملك بن شعيب بن الليث بن سعد نا ابن وهب حدثني الليث بن سعد عن طلحة عن موسىٰ بن ابى عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن ابى الوليد عن جابر ان رجلا صلى خلف رسول الله ﷺ...... الـــخ اس میں طلحہ نامی راوی مجہول ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب القرأۃ صفحہ ۱۰۲ میں صراحت کی ہے مجہول راوی کی روایت کسی حالت میں بھی مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ کیا پتہ کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف؟ اگر ضعیف ہے تو پھر اس کا ضعف خفیف ہے یا شدید۔ نامعلوم کہ مسلّم یا غیر مسلّم چنانچہ شیطان ایسے کئی دھوکے دیتا ہے۔ صحیح مسلم مقدمہ صفحہ ۱۰ ج ۱ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ "ان الشيطن ليتمثل فى صورة الرجل فيأتى القوم فيحد ثهم بالحديث من الكذب فيفترقون فيقول الرجل منهم سمعت رجلا اعرف وجهه ولا ادرى ما اسمه يحدث . نیز عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ قال ان فى البحر شياطين مسجونة اوثقها سليمان يوشك ان تخرج فتقرأ على الناس قرأنا . اس طرح سے شیطان نے مسلمانوں سے کئی ایسے دھوکے کیے ہیں۔

**ثانیا** : ......ابوالولید بھی مجہول ہے۔ امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۱۰۳ میں فرماتے ہیں کہ "هو رجل مجهول لا تقوم به الحجة" اور امام ابن خزیمہ سے نقل کرتے ہیں کہ "ابو الوليد مجهول لايدرى من هو" اس طرح امام دارقطنی سے نقل کرتے ہیں اور خود دارقطنی اپنی سنن صفحہ ۱۲۳ ج ۱ طبع ہند میں فرماتے ہیں کہ ابو الوليد هذا مجهول۔ پھر ایسے مجہولین سے جو روایت آئے تو اس کو دیکھ کر مولوی صاحب جیسے خوش ہوں تو دوسری بات ہے کیونکہ "الغريق يتشبث بالحشيش" یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا باقی علم حدیث سے تعلق رکھنے والا جس کا مقصد ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا صحیح دین حاصل ہو وہ صحیح روایات کو چھوڑ کر مجہول روایات کی طرف کبھی بھی توجہ نہ کرے گا۔

امام بیہقی اس روایت کا متن دوسری سند سے ان الفاظ کے ساتھ لاتے ہیں کہ "ان رجلا قرأ خلف رسول الله ﷺ بسبح اسم ربك الاعلى فلما انصرف النبى صلى الله وعليه وسلم قال من قرأ منكم بسبح اسم ربك الا على فسكت القوم فسالهم ثلاثا كل ذالك يسكتون قال رجل انا فقال قد علمت ان بعضكم خالجنيها" اسی سے ثابت ہوا کہ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو بھی فاتحہ کے متعلق حکم مراد نہیں ہے۔ کیونکہ تصریح ہے کہ اس شخص نے سورہ "سبح اسم" پڑھی اور آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کس نے میرے ساتھ سورۃ سبح اسم پڑھی ہے۔ لہٰذا یہ روایت موضوع سے باہر ہے سورۃ الحمد کے بارے میں نہیں ہے۔

**رابعاً:** ......اس میں امام کے پیچھے جہر سے قرأت کرنے کا مسئلہ ہے کیونکہ نماز سری ہے جیسا کہ لفظ الظهر اوالعصر کا دلالت کرتا ہے۔ مولوی صاحب بھی ایسا ہی کہتے ہیں کہ نماز سری تھی (تحفۃ الحدیث صفحہ ۴۸) پھر سری میں کس طرح معلوم ہوا کہ فلاں سورت پڑھی صاف ظاہر ہے کہ اس نے جہر سے پڑھی تب تو پتہ چلا کہ سورۃ سبح اسم پڑھ رہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت امام کے پیچھے قرأت کرنے یا نہ کرنے کے متعلق نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق امام کے پیچھے اونچی آواز سے پڑھنا ہے۔

**خامساً:** ......لفظ خالجنیھا بھی اس مقصد کو واضح کرتا ہے کیونکہ قرأت میں تنازع اور جھگڑا تب ہوتا ہے جب پیچھے اونچی آواز سے پڑھا جائے۔ لغت کی مشہور کتاب النہایۃ لابن اثیر صفحہ ۵۹ ج ۲ میں ہے کہ: وجهر خلفه قارئ فقال لقد ظننت ان بعضهم خالجنيها اى نازعنيها واصل الخلج الجذب والنزع اور آپ کا بھائی طاہر فتنی مجمع بحار الانوار صفحہ ۳۶۳ ج ۱ میں رقم کرتے ہیں کہ: "فيه جهر خلفه قارى فقال خالجنيها اى ناز عنيها كانه ينزعها من لسانه ولا يدل على منع القراة لانه انما انكر الجهر بل فيه انهم كانوا يقرأونها خلفه واصل الخلج الجذب والنزع اور لغت کی معروف کتاب لسان العرب صفحہ ۲۵۸ ج ۲ میں ہے: وقرأ قارئ خلفه فجهر فلما سلم قال لقد ظننت ان بعضكم خالجنيها قال معنى قوله خالجنيها اى ناز عنى القرأة فجهر فيما جهرت فيه فنزع ذالك من لسانى ما كنت اقرأه ولم استمر عليه واصل الخلج الجذب والنزع اور اسی طرح علامہ زبیدی الحسینی حنفی القاموس کی شرح تاج العروس صفحہ ۳۵ ج ۲ میں بھی لکھتے ہیں۔

الغرض! یہ روایت سخت ضعیف ہے ایضاً قرأت فاتحہ کے متعلق نہیں بلکہ فاتحہ کے علاوہ کے متعلق ہے اور قرأت خلف الامام کے متعلق نہیں بلکہ امام کے پیچھے جہر کرنے کے متعلق ہے یعنی سند خواہ متن دونوں لحاظ

سے مولوی صاحب کی دلیل نہیں بن سکتی۔

**سادسا:** ...... امام بیہقی کتاب القراۃ صفحہ ۱۰۲ میں اپنے استاد الاستاد حافظ ابوعلی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت خطا ہے راوی نے اپنے وہم سے تبدیل کر کے ایک سے دوسرے سند بنائی ہے اسی وجہ سے یہ روایت قابل اعتماد نہیں۔ اس طرح جملہ ”قرأة الامام له قراءة“ اس کے متعلق بحث نویں حدیث میں آئے گی۔

مولوی صاحب خوشی کے مارے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ ہے۔ الحمد امام کے پیچھے پڑھنے کے متعلق۔ حالانکہ خود روایت کے الفاظوں نے تصریح کی ہے ”علی شرط الصحة للروایة“ یہ فیصلہ فاتحہ کے علاوہ کے لیے ہے نہ کہ فاتحہ کے لیے وہ بھی اس صورت میں جب امام کے پیچھے مقتدی جہر سے پڑھیں۔ کما تقدم .

**صفحہ ۴۸:** ...... مولوی صاحب چھ فائدے لکھتے ہیں جن میں صرف طول کلام کے سوا دوسرا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

**جواب:** ...... **فائدہ (۱):** میں لکھتے ہیں کہ یہ نماز سری تھی لہٰذا سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کے بغیر نماز ادا ہو جائے گی“ حالانکہ بیان ہو چکا ہے کہ الحمد کے علاوہ دوسری سورت پڑھے اس وجہ سے یہ فیصلہ ہوا نیز اس نے جہر سے پڑھی۔ مولوی صاحب کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔

**فائدہ (۲):** میں لکھتے ہیں کہ ”یہ دن کی نماز تھی اس میں کئی صحابی موجود تھے اور قرأت کرنے والا صرف ایک شخص تھا اس کو بھی دوسرے صحابی نے منع کیا اور نبی اکرم ﷺ کو اس قدر بھی گوارہ نہ ہوا کہ امام کے پیچھے ایک شخص بھی قرأت کرے۔

حالانکہ یہ ساری مولوی صاحب کی تقریر لایعنی (بے مقصد) ہے کیونکہ ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اتنی بڑی جماعت میں سے صرف ایک شخص نے قرات کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اتنی بڑی جماعت میں صرف ایک شخص نے جہر کے ساتھ قرأت کی۔ جو کہ جھگڑے اور نزاع کا باعث بنی وہ الحمد نہیں بلکہ سورہ سبح اسم پڑھی لہٰذا اصل موضوع یعنی امام کے پیچھے الحمد پڑھنا۔ یا نہ کہ ”سبح اسم“ جو کہ جدا مسئلہ ہے۔

**فائدہ (۳)** میں لکھتے ہیں کہ ”قرأت کی گنجائش ہوتی تو صحابی منع نہ کرتا اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بھی منع کرنے والے کے حق میں فیصلہ دیا۔ حالانکہ مولوی صاحب کے لیے بدقسمتی کی بات ہے۔ جو کہ یہ فیصلہ فاتحہ کے متعلق نہیں بلکہ اصل قرأت کے متعلق ہے جہر کرنا اور سورہ سبح اسم کے متعلق۔ افسوس مولوی صاحب کی مراد اس روایت سے پوری نہیں ہوئی۔

**فائدہ (۴)** میں لکھتے ہیں کہ ”سری نماز میں قرأت مستحب ہوتی تو تب بھی آپ اس پڑھنے والے

کے حق میں فیصلہ دیتے'' حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ پڑھنے والا کیا پڑھ رہا تھا؟ اور کس طرح پڑھ رہا تھا؟ یعنی صراحت کے ساتھ سورت سبح اسم کا نام ہے اور جہر کا بیان ہے اور خود لکھتے ہیں کہ دوسرے شخص نے اس کو منع کیا یہ تب جب اس سے قرأت سنی جس کا صاف مطلب ہے کہ اس نے جہر کی۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی مولوی صاحب اس روایت کو چمٹے ہوئے ہیں تو پھر انتہائی ضد اور تعصب کہا جائے گا۔

**فائدہ (۵):** میں لکھتے ہیں کہ ''یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے جو الحمد کو بھی قرات سمجھتے ہیں جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا اور ابو ہریرہ بھی فاتحہ کو قرأت سمجھتے تھے جس طرح کہ چھٹی حدیث میں بیان ہوا۔ لہٰذا یہ تاویل صحیح نہیں ہے کہ قرأت فاتحہ کے بعد ہے۔''

**اولا:**...... یہ کس نے انکار کیا ہے کہ فاتحہ قرأت نہیں ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں خود حدیث باقی قرأت کو سورۃ فاتحہ سے خاص کرتی ہے۔ مولوی صاحب ایک حدیث کو مانتے ہیں اور دوسری کا انکار کرتے ہیں اور اس زمرہ میں شامل ہوتے ہیں جنہیں خطاب کیا گیا کہ ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرۃ)

**ثانیا:**...... جابر رضی اللہ عنہ جو خود اس کے راوی اور فاتحہ خلف الامام کے قائل و عامل تھے۔ جیسا کہ آثار الصحابہ کے بیان میں آئے گا۔ ان شاء اللہ العزیز لہٰذا اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو بھی حنفی اصول کے مطابق منسوخ ہوگی۔

**ثالثا:**...... جابر رضی اللہ عنہ فاتحہ کو بھی قرأت سمجھتے ہیں تو یہ بات ہمارے لیے مضر نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود فاتحہ کو خاص کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

**رابعا:**...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق چھٹی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ چھٹی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نہیں ہے بلکہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چوتھی حدیث ہے اور اس کے متعلق تفصیل سے گزر چکا ہے کہ فانتهى الناس. الخ یہ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ زہری کا بڑھایا ہوا کلام ہے لہٰذا ابو ہریرہ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔

**خامسا:**...... اگر چہ وہ فاتحہ کو قرأت سمجھیں لیکن امام کے پیچھے خاص فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں کما تقدم و کما سیأتی.

اور فائدہ (٦) میں لکھتے ہیں کہ ''یہ حدیث قرآن کریم مسلم شریف نسائی، ابو داود، ترمذی، اور ابن ماجہ کی احادیث کے ساتھ موافق ہے۔''

حالانکہ موافقت یہ ہے کہ جس طرح مقتدی کے لیے خاص فاتحہ کی ممانعت نہ آیت پاک میں ہے نہ احادیث شریف میں ہے کما تقدم۔ بلکہ اگر اس روایت سے مقتدی کے لیے خاص فاتحہ کی ممانعت لیں

گے تو پھر باوجود سخت ضعیف ہونے کے آیت قرآنی ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ یہ مقتدی کو بالعموم قرأت کا حکم دیتی ہے۔ فقہ حنفی کی درسی کتاب نور الانوار صفحہ ۱۵۷ میں اس آیت کے متلق لکھتے ہیں کہ "وبعمومه يوجب القرأة على المقتدى" اور اسی وجہ سے آپ کے احناف آیت ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ کو اس آیت سے معارض کہہ کر دونوں کو ساقط قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ نور الانوار کی مکمل عبارت یوں ہے۔ تعارضتا وحكمها بين الاٰيتين المصير الى السنة لان الاٰيتين اذا تعارضتا تساقطتا فلا بد للعمل من المصير الى مابعده وهو السنة ولا يمكن المصير الى الاٰية الثالثة لا نه يفضى الى الترجيح بكثرة الا دلة وذالك لا يجوز و مثاله قوله تعالٰى فاقرؤا ما تيسر من القراٰن مع اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا.

دونوں آیات میں اسی کا حکم ہے کہ اس حدیث کی طرف لے جاؤ کیونکہ جب دو آیات کا آپس میں تعارض ہوتا ہو تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں۔ پھر ضرور مابعد یعنی حدیث کی طرف رجوع کیا جائے نہ کہ تیسری آیت کی طرف رجوع کیا جائے، کیونکہ اسی وجہ سے ایک آیت کو ترجیح ملتی ہے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں مثلاً اللہ کا فرمان ہے تمہیں قرآن میں سے جو بھی آسان لگے وہ پڑھ لو اور اللہ کا دوسرا فرمان! جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش ہو جاؤ۔

پھر جب کہ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ بقول احناف کے مقتدیوں کے لیے قرأت واجب کرتی ہے۔ اس طرح صحیح احادیث جو کہ پوری صحاح ستہ اور دوسری کتب میں صحیح اور حسن سند کے ساتھ مذکور ہیں جن میں صریحاً امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔

**صفحہ ۴۹:** ......نویں حدیث مؤطا محمد کے حوالے سے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت لاتے ہیں کہ من كان له امام فقرأة الامام له قرأة."

## من كان له امام فقراءة الامام له قرأة کی اسنادی حیثیت

**جواب:** ...... **اولاً:** موطا امام محمد صفحہ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹ میں تین طریقوں سے مروی ہے اور خود امام محمد پر جرح ہوئی ہے، کہیں بھی ان کی توثیق نہیں ملتی۔ میزان الاعتدال صفحہ ۴۲ ج ۳ میں ہے کہ محمد بن الحسن الشيباني ابو عبدالله احد الفقهاء لينه النسائى وغيره من قبل حفظه يروى عن مالك

ابن انس وغیرہ وکان من بحور العلم والفقه قویا فی مالك چونکہ امام مالک جو بھی روایات موطا میں لاتے ہیں وہ پہلے ہی موطا مالک میں موجود ہیں لہٰذا انہیں امام مالک سے منقول اور قوی کہتا ہے لیکن اس روایت کے تینوں طرق میں سے کوئی بھی امام مالک سے نقل نہیں کرتا۔ بلکہ دوسرے اساتذہ ہیں. اس وجہ سے نقل میں قوی نہیں کہا جائے گا۔

**ثانیاً:** ......اس کے علاوہ کئی دوسرے ائمہ نے ان پر جرح کی ہے چنانچہ امام یحییٰ بن معین اپنی تاریخ صفحہ ۵۶ (مصور) (بروایہ عباس الدوری) میں فرماتے ہیں کہ محمد بن الحسن الشیبانی لیس بشیء یعنی محمد بن حسن کوئی چیز نہیں امام نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین سے ملحق کتاب الطبقات صفحہ ۳۵ میں فرماتے ہیں کہ محمد بن الحسن ضعیف۔ امام ابن ابی حاتم الرازی الجرح والتعدیل صفحہ ۲۲۷ ج۔ ب۔ ق۲ میں اپنے والد ابو حاتم سے نقل کرتے ہیں "لا اروی عنه" یعنی میں ان سے روایت نہیں کرتا۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ "لیس بشیء" اور امام ابو جعفر عقیلی کتاب الضعفاء صفحہ ۴۳۸ ج ۲ قلمی انہیں داخل کرتے ہیں اور امام یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ "جهمی كذاب" اور اسی طرح اسد بن عمرو سے بھی نقل کرتے ہیں وہ بھی انہیں جھوٹا کہتا ہے اور منصور بن خالد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن الحسن سے کہتے سنا کہ لا ینظر احد فی کلامنا یرید به الله یعنی امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارے کلام میں کوئی بھی نہیں دیکھے گا جو اللہ (کے دین) کا ارادہ رکھتا ہو۔ بس میں نے اتنا ہی کافی سمجھا اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی نقل کرتے ہیں کہ میں نے ان کی کتاب میں دیکھا تو کئی غلطیاں تھیں اور ہارون بن اسحاق ہمدانی سے نقل کرتے ہیں "کان رأس الجهمية" یعنی جہمیوں کا سرغنہ تھا اور امام ابن حبان کتاب المجروحین ۲۸۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔ کان مرجئا داعیا الیه وهو أول من رد علی اهل المدینة ونصر صاحبه یعنی النعمان وکان عاقلا لیس فی الحدیث بشیء کان یروی عن الثقات ویهم فیها فلما فحش ذالك منه استحق ترکه من اجل کثرة خطئه لانه کان داعیة الی مذهبهم . وہ فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی تبلیغ کرتا تھا یہ پہلا شخص تھا جس نے امام ابوحنیفہ کی تائید اور اہل مدینہ کی تردید کی صاحب عقل تھا۔ لیکن علم حدیث میں کوئی چیز نہ تھا اور معتبر (ثقات) راویوں سے نقل کرنے میں وہم کھاتا تھا اور فحش غلطیاں کرتا تھا جس بناء پر اس کی روایت ترک کر دی گئیں اور وہ اس کا مستحق ٹھہرا۔

اس کے بعد امام ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ "یقول کذاب" اور عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا "لا تعجبنی شمائله" اور فضیل بن عیاض سے نقل کرتے ہیں کہ "غیر ثقه والله ولا مأمون" امام ابوبکر خطیب بغدادی تاریخ بغدادی صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۱ ج ۲ میں امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ

وہ حدیث کے خلاف بری رائے رکھنے والا تھا اور ابو زرعہ رازی سے نقل کرتے ہیں کان محمد بن الحسن جھمیا اور ابو یوسف ابن معین احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کذاب تھا اور الاحوص الغلابی اور ابوحفص عمرو بن علی الصیر فی سے نقل کرتا ہے کہ وہ ضعیف تھا امام ابو داؤد سے نقل کرتے ہیں کہ "لا شیء لا یکتب حدیثہ" اس طرح امام ابن جوزی کتاب الضعفاء صفحہ ۳۲۵ (قلمی) میں انہیں داخل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ محمد بن الحسن ابو عبید اللہ الشیبانی صاحب الرای قال احمد لیس بشی ولا یکتب حدیثہ وقال مرۃ کذاب وقال یحییٰ لیس بشی وقال النسائی ضعیف فی الحدیث اسی طرح لسان المیزان صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲ ج ۵ میں مندرجہ بالا تمام تر جرح ذکر کی گئیں ہیں۔

**الحاصل:** ...... قاضی ابو یوسف اور اسد بن عمرو البجلی (یہ دونوں امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے) عالم حدیث امام یحییٰ ابن معین امام احمد بن حنبل یہ چاروں انہیں کذاب کہتے ہیں امام ابو داؤد اور دیگر کہتے ہیں کہ وہ کوئی چیز نہ تھا بلکہ امام احمد اور ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ امام نسائی اور دیگر اسے ضعیف کہتے ہیں اور امام ابو زرعہ رازی اور کئی دوسرے اسے جہمیہ کہتے ہیں اور کئی مرجیہ کہتے ہیں۔ یہ حال ہے اس شخص کا۔ لہٰذا اس کی روایت کس طرح قابل قبول ہوگی خاص طور پر وہ روایت جو امام مالک کے علاوہ کسی اور طرق سے آئی ہو۔

**الغرض:** ...... اس روایت کے تینوں طرق ایک ضرب سے ختم ہوگئے۔

**ثالثاً:** ...... یہ سند مکمل نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن شداد اور جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان ابو الولید مجہول کا واسطہ ہے، چنانچہ امام بیہقی کتاب القراۃ صفحہ ۱۰۳ میں فرماتے ہیں کہ "اما القصۃ فیھا فان قرائتہ لہ قراۃ فان اباحنیفۃ انما روا ھا عن موسی بن ابی عائشۃ عن عبداللہ بن شداد عن ابی الولید عن جابر وھو رجل مجھول کما قال الدار قطنی رحمۃ اللہ ولا تقوم بہ حجۃ ومن روی ھذا الحدیث عن ابی بکر الحارثی عن الدار قطنی واسقط من اسنادہ ابا الولید ورواہ عن الحاکم ابی عبد اللہ عن ابی علی الحافظ واسقط من اسنادہ ابن شداد واوھم ان ابا الولید کنیۃ ابن شداد فانہ لم یسلک سبیل الصدق فی روایۃ الحدیث.

لہٰذا پہلا طریق اس مجہول کی وجہ سے ختم ہوگیا دوسرا طریق اس طرح سے ہے۔ قال محمد حدثنا الشیخ ابو علی قال حدثنا محمود بن محمد المروزی قال حدثنا سھل بن العباس الترمذی قال اخبر نا اسماعیل بن علیۃ عن ایوب عن ابن الزبیر عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی خلف الامام فان قرأۃ الامام لہ قراءۃ. اس سند

میں تین راویوں پر کلام ہے۔ ابوعلی امام محمد کا استاد اور ان کا استاد محمود اور ان کا استاد سہل ہے۔ علامہ لکھنوی حنفی موطا محمد کے حاشیہ التعلیق الممجد صفحہ ۷۷ میں سہل بن عباس کے متعلق لکھتے ہیں کہ قال الذھبی فی میزان الاعتدال ترکه الدار قطني وقال لیس بثقة اور باقی دو کے لیے کہتے ہیں کہ "فلم اقف الی الاٰن علی تشخیصھما حتی یعرف توثیقھما او تضعیفھما" یعنی اب تک ان کے متعلق کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ کون ہیں یہ؟ ثقہ ہیں یا ضعیف؟

**ناظرین:** ...... سہل بن العباس کا ترجمہ میزان صفحہ ۴۳۰ ج ۱ میں مذکور ہے اور انہیں امام ابن جوزی کتاب الضعفاء الواضعین صفحہ ۱۸۴ قلمی میں اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ "سھل بن العباس الترمذی یروی عن ابی علیة قال الدار قطني لیس بثقة ومتروك." پھر متروک (متہم بالکذب) راوی کی روایت کسی حالت میں مقبول نہیں۔ ابن الھمام حنفی نے التحریر صفحہ ۳۱۷ میں لفظ متروک کو جرح کے ان الفاظ میں سے شمار کیا ہے۔ ایسے راوی کی روایت نہ حجت کے طور پر قبول ہے نہ شاہدی کے طور پر، چنانچہ فرماتے ہیں کہ "ففی ھٰذہ لاحجة ولا استشھاد و لا اعتبار" باقی دوراوی ابوعلی اور محمود بن محمد المروزی یقیناً مجہول ہیں۔ جن کا کسی بھی اسماء کی کتب میں نشان نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ روایت بھی ساقط اور مردود کہی جائے گی اور امام ابن جوزی العلل المتناھیه فی احادیث الواھیة صفحہ ۴۳۱ ج ۱ میں یہ حدیث لا کر لکھتے ہیں کہ "ھذا حدیث لایصح والترمذی متروك" اور امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۱۰۹ میں فرماتے ہیں کہ "ھذا خبر باطل بھذا الاسناد ولوصح مثل ھذا من حدیث ایوب السختیانی عن ابی الزبیر عن جابر کان کالاخذ بالید ولما اختلف فیه احد وانما الحمل فیه علی سھل بن العباس ھذا فانه مجھول لا یعرف اور امام دارقطنی صفحہ ۱۵۴ طبع ہند میں فرماتے ہیں کہ ھذا حدیث منکر وسھل بن العباس متروك۔ تیسرا طریق اس طرح سے ہے۔ قال محمد اخبر نا اسرائیل حدثنی موسیٰ بن ابی عائشة عن عبداللہ بن شداد بن الھاد قال ام رسول اللہ ﷺ فی العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزہ الذی یلیه فلما ان صلی قال لم غمزتنی قال کان رسول اللہ ﷺ قد امك فکر ھت ان تقرأ خلفه فسمعه النبی ﷺ قال من کان له امام فان قرائته له قرأۃ. یہ روایت اسی طرح پوری سند کے ساتھ نہیں ہے۔ عبداللہ بن شداد تابعی ہے۔ لہٰذا دو مقامات سے ساقط کہا جائے گا۔ ایک اس میں راوی ابوالولید مجہول ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا ہے پتہ نہیں کہ صحابی تک کتنے راوی گرے ہوئے ہیں؟ لہٰذا یہ روایت بھی مردود ٹھہری۔

**الحاصل:** ...... ان تینوں سندوں کا دارومدار امام صاحب الموطا ہے جن کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ لہٰذا تینوں

سندیں اس کی وجہ سے ضعیف ہوئیں بلکہ ہر ایک طریق دیگر علتوں سے بھرا پڑا ہے۔

لہٰذا ایسی روایت پیش کرنے کا مولوی صاحب کو کیا فائدہ؟ ان کے علاوہ بعض طرق میں لفظ ہیں کہ "فقرأ رجل خلفه" اس پر لکھنوی صاحب التعلیق الممجد صفحہ ۹۷ میں لکھتے ہیں کہ فی بعض روایاته انه قرأ سبح اسم ربك الاعلى كما بسطها السيد مرتضى الزبيدي في جواهر المنيفة في ادله ابي حنيفة " اس سے ثابت ہوا کہ اس نے جہر سے قرات کی تھی اور سورۃ الحمد نہیں بلکہ دوسری سورت پڑھی تھی اس وجہ سے روایت خارج عن النزاع ہے۔

**ناظرین**: ...... قرأة الامام له قراء ة" اس روایت کو عام ائمہ حدیث ضعیف اور غیر ثابت کہتے ہیں امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ ۵ (طبع ہند) میں فرماتے ہیں کہ هذا خبر لم يثبت عند اهل العلم من اهل الحجاز واهل العراق وغير هم لا رساله وانقطاعه" یعنی اہل حجاز اور اہل عراق و دیگر محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے منقطع اور مرسل ہونے کی وجہ سے اور امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ليس هو بشيء (من كلام ابي زكريا يحيى بن معين في الرجال رواية ابي خالد الرقاق" (صفحہ ۱۲۱) یعنی یہ حدیث کوئی چیز نہیں ہے۔ امام ابن جوزی العلل المتناھیہ صفحہ ۴۲۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "ليس فيها ما يثبت" اور حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر صفحہ ۲۳۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "من كان له امام فقرأة الامام له قرأة مشهور من حديث جابر وله طرق عن جماعة من الصحابة وكلها معلولة اور امام ابن ابی حاتم علل الحدیث صفحہ ۱۰۴ میں لکھتے ہیں کہ قال ابي هذا يرويه بعض الثقات عن موسى بن ابي عائشة عن عبدالله بن شداد عن رجل من اهل البصرة قال ابي ولا يختلف اهل العلم ان من قال موسى بن ابي عائشة عن جابر انه قد اخطأ قال ابو محمد قلت الذي قال عن موسىٰ بن ابي عائشة عن جابر فاخطأ هو النعمان بن ثابت قال نعم اور امام ذہبی المہذب فی اختصار سنن البیہقی صفحہ ۱۳۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ رواه جماعة عن ابي حنيفة موصولا هكذا ورواه عنه ابن المبارك فارسله وهو المحفوظ. امام قرطبی اپنی تفسیر صفحہ ۱۲۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اما قوله ﷺ "من كان له امام فقرأة الامام له قراء ة" فحديث ضعيف في سنده الحسن بن عمارة وهو متروك وابو حنيفة وهو ضعيف كلا هما عن موسىٰ بن ابي عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر اخرجه الدار قطني وقال رواه سفيان الثوري وشعبة واسرائيل بن يونس وشريك وابو خالد الدالاني وابو الاحوص وسفيان بن عيينة وجرير بن عبدالحميد وغير هم

عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد مرسلا عن النبی ﷺ وھو الصواب.
امام نووی شرح المہذب صفحہ ۳۶۷ ج ۳ میں بھی اس روایت کو ضعیف لکھتے ہیں۔

**حاصل:**......اس عبارت کا یہ ہے کہ یہ روایت بالکل ضعیف اور کسی بھی طرق سے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ متصل بھی نہیں ہے؛ مرسل اور منقطع ہے۔ موصول کرنے والے راوی نے ثقہ کی مخالفت کی ہے۔ جس وجہ سے شاذ اور منکر کہلائے گی اور امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں کہ "اخبرنا ابو عبد الله الحافظ قال سمعت سلمة بن محمد الفقيه يقول سالت ابا موسیٰ الرازی الحافظ عن الحديث المروی عن النبی ﷺ من كان له امام فقراء ة الامام له قرأة فقال لم يصح فيه عندنا عن النبی ﷺ شیء انما اعتمد مشائخنا فيه الروايات عن علی وعبد الله بن مسعود و الصحابة رضی الله عنهم قال ابو عبدالله رحمه الله اعجبنی هذا سمعته فان ابا موسی احفظ من رأينا من اصحاب الرأی علیٰ اديم الارض۔ علامہ عبدالرؤف فیض القدیر شرح جامع الصغیر صفحہ ۲۰۸ ج ۶ میں لکھتے ہیں کہ "ضعيف من سائر طرقه" اور نیز لکھتے ہیں کہ: قال المغلطائی فی شرح ابن ماجة ضعفه الدار قطنی والبيهقی وابن عدی وغيرهم ......وقال ابن حجر طرقه كلها معلولة۔ قال الذهبی وله طرق اخری كلها واهية.

ایضاً جابر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ خود فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں۔ جیسا کہ اس کے متعلق تیسرے باب میں آئے گا۔ لہٰذا حنفی اصول کے مطابق یہ روایت منسوخ کہی جائے گی۔ ایضاً اگر اس روایت کی صحت تسلیم کی جائے تب بھی "الا بام القرآن" والی روایت سے سورہ فاتحہ اس سے مستثنیٰ کہی جائے گی۔ جیسا کہ امام بخاری جزءالقرأۃ صفحہ ۵ میں فرماتے ہیں کہ "ولو ثبت الخبر ان كلا هما كان هذا مستثنیٰ من الاول لقوله لا يقرأن الا بام الكتاب وقوله من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة جملة وقوله الا بام القرآن مستثنیٰ من الجملة كقول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجدا و طهورا ثم قال فی احاديث اٰخر الا المقبرة وما استثناه من الارض والمستثنیٰ خارج من الجملة وكذالك فاتحة الكتاب خارج من قوله من كان له امام فقرأة الامام له قرأة مع انقطاعه انتهیٰ اس طرح علامہ سلام اللہ الدہلوی حنفی المحلی شرح موطا قلمی میں لکھتے ہیں کہ حديث من كان له امام فان قرأة الامام له قرأة ليس نص فی المنع كما لا يخفی وحديث لا تفعلوا الا بام القرآن هو للايجاب لا للا طلاق البحث للمخالف ان يقول يقدم حديث عبادة لتقدم الايجاب علی الا باحة. ایضاً اس

روایت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو پھر امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے علامہ ابوالحسن سندھی حاشیہ ابن ماجہ صفحہ ۱۸۰ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "قیل یحتمل ان المراد من کان له امام فلیقرأ بقرائته فان قراءة الامام قراءة له فلیقرأ لنفسه . یعنی اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ امام کی قرأت اس کی اپنی ہے۔ جس وجہ سے مقتدی کو اپنے لیے قرات کرنی چاہیے۔ پھر جب کہ احتمال موجود ہے تو پھر مولوی صاحب کا اس سے استدلال کس طرح صحیح ہوگا حالانکہ خود صفحہ ۳۵ میں شوکانی سے نقل کر چکے ہیں کہ "مع الاحتمال یسقط الاستدلال ."

**ناظرین:**...... "له قراءة" کی ضمیر مولوی صاحب کے معنی کے مطابق "من" کی طرف لوٹے گی اور علامہ سندھی نے جو معنی نقل کیا ہے۔ اس کے مطابق ضمیر امام کی طرف لوٹے گی اور قرائن کے لحاظ سے علامہ سندھی والی بات کو ترجیح حاصل ہے

**اوّل:**...... یہ کہ الامام مرجع قریب ہے۔ علماء نحو حتی الامکان ضمیر قریب کی طرف لوٹاتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا مشہور مقولہ ہے۔ "الحق للقریب ."

**دوم:**...... یہ جب مرجع قریب موجود ہے اور اس کی طرف لوٹانے سے معنی بھی بنے تو پھر خواہ مخواہ مرجع بعید کی طرف ضمیر لوٹانا فضول تکلف ہے۔ بلکہ "نأی عن الحق وبعد عن الصواب" ہے۔

**سوم:**...... کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۵۷ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ قال ﷺ یوما ثم انصرف فقال یا فلان الا تحسن صلاتك الا ینظر المصلی اذا صلی کیف یصلی فانما یصلی لنفسه انی والله لا بصر من ورائی کما ابصر من بین یدی (رواه مسلم فی الصحیح) جملہ "فانما یصلی لنفسه" سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک نمازی اپنی نماز اپنے لیے پڑھتا ہے نہ مقتدی امام کے لیے نہ امام مقتدی کے لیے۔ جب ہر کوئی نماز اپنے لیے پڑھتا ہے تو اس کو نماز کے تمام ارکان اور کام بھی خود پورے کرنے پڑیں گے۔ لہٰذا اگر اس روایت کا معنی یہ کیا جائے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے تو پھر اس صحیح روایت کے منافی ہوگا۔ کیونکہ لازم آئے گا کہ مقتدی نے سب کام خود نہیں کیے۔ بلکہ کوئی کام یعنی بڑے سے بڑا کام اس کے بدلے امام نے کیا اس وجہ سے یہ حدیث قرینہ ہے کہ ضمیر کا مرجع امام ہے۔

**چہارم:**...... جب کہ عام صحیح احادیث میں مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور متواتر خبر سے ثابت ہے کہ الحمد کے بغیر نماز نہیں۔ چنانچہ امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ وتواتر الخبر عن رسول الله ﷺ لا صلوٰة ، الا بقرأة ام القرآن یہ قرینہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مرجع امام ہے اور علامہ

سندھی کا نقل کردہ معنی راجح ہے۔

**پنجم:** ...... سنن الدار قطنی صفحہ ۲۳۔۲۲ طبع ہند میں ایک روایت ان الفاظ سے ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن فما صنع فاصنعوا " اس کے بعد امام ابو حاتم رازی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "هذا تصحیح لمن قال بالقراء ة خلف الامام" یعنی یہ حدیث ان کے قول کی تصحیح کرتی ہے جو قراءۃ خلف الامام کے قائل ہیں۔ کیونکہ اس میں الفاظ ہیں کہ ''امام جس طرح کرے تم بھی اس طرح کرو'' اور مولوی صاحب نے جو اس روایت کا معنی کیا ہے یعنی ضمیر کا مرجع من کو بنایا ہے۔ اس طرح سے امام کی مخالفت لازم آئے گی۔ لہٰذا ''مرجع القریب'' یعنی امام کو بنانا ہے جیسا کہ سندھی صاحب نے معنی لکھا ہے تو اس حدیث کی موافقت ہوگی۔

**ششم:** ...... یہ روایت تاریخ بغداد صفحہ ۴۲۶ ج ۱۱ میں اس طرح ہے۔ "فان قراء ته له قراء ة وصلاته له صلاة " اب معنی یہ ہوا کہ امام کی نماز مقتدی کے لیے کافی ہے۔ کیا مولوی صاحب اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں؟ امام بیہقی کتاب القراۃ صفحہ ۱۱۶ میں فرماتے ہیں کہ "ثم ان كان قوله فان قراء ته له قرأة يدل على ان قرأة الامام تقوم مقام قرأة الماموم وجب ان يكون قوله وصلاته له صلاة يدل على ان صلاة الامام تقوم مقام صلاة المأموم ولا نعلم احدا يقول ذلك" پھر اگر ضمیر امام کی طرف لوٹائی جائے تو معنی قابل اعتراض نہیں رہتا، یعنی امام کی نماز اس کے لیے ہے اور اس کی قرأت بھی اس کے لیے ہے اور مقتدی کے لیے جس طرح اپنی نماز خود پڑھی قرأت بھی خود کرنی ہے۔

**ھفتم:** ...... مولوی صاحب کا معنی کہ امام مقتدی کی قرأت کا بار اٹھاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات نص قرآنی کے خلاف ہے۔ قال الله تعالىٰ ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ (الانعام) وقال جل وعلى ﴿أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ○ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم) وقال تعالىٰ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾ (حم السجدة)

**ھشتم:** ...... عقل بھی اس بات کے خلاف ہے۔ جب کہ نماز کی ہیئت اور سب دعائیں، ثناء، رکوع، سجدہ کی تسبیحات تشہد اور درود یہ سب مقتدی اپنے لیے خود کرتا ہے اور امام اس کے متعلق کسی ایک کا بوجھ نہیں اٹھاتا تو پھر سورت فاتحہ کا بوجھ کس طرح اٹھائے گا۔ اس وجہ سے علامہ سندھی والا معنی راجح ہے اور امام مرجع مناسب ہے۔

**نہم:** ...... یہ جملہ ایسا ہے جو کہ اس کا مرجع من کو بنانا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ آپ کے لیے

مثال پیش کی جاتی ہے۔

روایت کے الفاظ:...... من کان له امام فقراء ة الامام له قرأة .

**مثال** :...... من کان له اب فزوجة الاب له زوجة بعینہ اسی طرح عبارت ہے صرف امام کی جگہ پر اَبٌ اور قراءۃ کی جگہ پر زوجہ ہے۔ یہاں پر لـــه زوجة کی ضمیر من کی طرف لوٹائی جائے گی یا اَبٌ کی طرف۔ اگر من کی طرف لوٹائیں تو پھر معنی میں زبردست فساد لازم آئے گا اور اگر اب کو مرجع بنایا جائے جو کہ قریب ہے تو معنی صحیح ہوگا۔ اس طرح یہاں بھی سمجھیں اس طرح دیگر مثالیں: من کان له اخ فزوجة الاخ له زوجة ، من کان له صدیق فزوجة الصدیق له زوجة ، من کان له جار فزوجة الجار له زوجة ، من کان له عدو فسرورا العدو له سرور ، من کان له حمار فولد الحمار له ولد ان دونوں بعد والی مثالوں میں مرجع قریب یعنی العدو یا الحمار کو بنایا جائے یا بعید یعنی من کو بنایا جائے۔ الغرض! ایسی کئی مثالیں ہیں لہٰذا سندھی صاحب کی معنی ہی موزوں اور بامحل ہے۔

**دھم**:...... ابن ماجہ صفحہ ۲۸۰ ج ۱ مع حاشیہ سندھی میں جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”کنا نقراء خلف الامام الخ“ اس کے حاشیہ میں علامہ سندھی لکھتے ہیں کہ ”قوله کنا نقرأ قال المزی موقوف ثم قال هذا اسناد صحیح رجاله ثقات.وقد یقال الموقوف فی هذا الباب حکمه الرفع الا انهم اخذوا ذلك من العمومات الواردة فی الباب بقی انه یعارض حدیث جابر ویقدم علیه لضعف ذالك ولا اقل ان هذا اقوی من ذالك قطعا فلیتا مل . یعنی یہ جابر کا قول سنداً صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ممکن ہے کہ مرفوع کے حکم میں ہو اور جابر کی روایت قرأة الامام له قرأة اس کے معارض ہے لیکن یہ اس سے مقدم ہے کیونکہ وہ ضعیف ہے اور یہ قول یقیناً اس سے زیادہ قوی ہے۔

ناظرین:...... اگر مرجع امام کو بنایا جائے تو اس قسم کا تعارض بھی نہیں رہتا۔ اس لیے علامہ سندھی نے اس معنی کو ذکر کیا ہے۔ تلك عشرة کاملة .

## ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی اسنادی حیثیت

دسویں حدیث کتاب القراءۃ بیہقی کے حوالہ سے ابن عباس سے لائے ہیں۔

**جواب**: ...... اس روایت میں تین راوی مجہول ہیں، پہلا بالویہ بن محمد بالویہ، دوسرا محمد بن شادل بن علی اور تیسرا علی بن کیسان۔ ان تینوں کے متعلق اسماء الرجال کی کسی بھی کتاب میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۱۳۷ میں یہ روایت اس کی حالت بیان کرنے کے لیے لائے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ قال لنا ابو عبدالله لم نسمع بعلی بن کیسان الافی هذا الاسناد قال الامام احمد

رحمہ اللہ کیف یصح ھٰذا عن ابن عباس وقد روینا عن عطاء عن ابن عباس انہ قال اقرأ خلف الامام جھر ولم یجھر وفی روایۃ اخری عن عطاء عن ابن عباس لا تدع فاتحہ الکتاب جھر الامام اولم یجھر امام بیہقی اس روایت کے دو جواب دیتے ہیں۔ایک یہ کہ اپنے استاد حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ علی بن کیسان مجہول ہے۔جس کا کوئی پتہ نہیں ہے، بلکہ اس سند کے علاوہ کسی بھی سند میں نہیں آیا۔ دوسرا کہ ابن عباس سے یہ روایت کس طرح صحیح ہوسکتی ہے۔ جب کہ انہوں نے خود امام کے پیچھے سری خواہ جہری نماز میں قراءت کا حکم دیا ہے۔ بلکہ امام بیہقی نے دوسرے بھی اثر ذکر کیے ہیں۔ جسے ان شاء اللہ تیسرے باب کے اثر نمبر ۳ میں ذکر کریں گے۔ ایضاً ابن عباس سے اس کے خلاف فتویٰ منقول ہے اور یہ روایت اگر چہ باطل اور ضعیف ہے لیکن مولوی صاحب اسی کو معتبر مان کر نقل کرتے ہیں لہٰذا حنفی اصول کے مطابق منسوخ کہا جائے گا۔

گیارہویں روایت بحوالہ کتاب القرأۃ بلال سے نقل کرتے ہیں۔

**جواب**:...... حالانکہ یہ بھی باطل اور من گھڑت ہے۔لوجوہ شتّی۔

**الاول**:...... اس کی سند میں احمد بن محمد بن القاسم سرخسی ہے.میزان الاعتدال صفحہ ۱۰ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "سمع منہ الحاکم حدیثا فقال ھذا باطل منکر ولکن فی اسنادہ مجاھیل وھو متھم وقال الادریس کان یحفظ سمعت اھل بلدہٖ یطعنون فیہ ولا یرضونہ" اور علامہ سبط بن العجمی الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث (جس میں صرف ان راویوں کو جمع کیا گیا ہے جو احادیث گھڑنے کے ساتھ متہم ہیں) صفحہ ۲۶ (المصور) میں اس راوی کو ذکر کرکے پھر میزان کی اوپر والی عبارت لا کر فرماتے ہیں کہ "فالظاھر مع ماتقدم انہ متھم بالوضع واللہ اعلم."

**الثانی**:...... اس کا استاد احمد بن عبدالرحمٰن السرخسی مجہول ہے۔کسی بھی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

**الثالث**:...... اسماعیل بن فضل راوی بھی مجہول ہے۔ بلکہ امام بیہقی نے اس کے کذاب ہونے کا بھی اشارہ کیا ہے۔

**الرابع**:...... الاعمش جن کا نام سلیمان بن مہران ہے، جو کہ مدلس مشہور ہے۔میزان الاعتدال صفحہ ۲۲۴ ج ۲ میں ہے کہ "قلت وھو یدلس وربما دلس عن ضعیف ولا یدری بہ فمتی قال حدثنا فلا کلام ومتی قال عَن تطرق الیہ احتمال التدلیس الا فی شیوخ لہ اکثر عنھم کا براھیم وابن ابی وائل وابی صالح السمان فان روایتہ عن ھذا الصنف محمولۃ علی

الاتصال قال ابن المدینی الا عمش کان کثیر الوھم فی احادیث ھٰؤلآءِ الضعفاء اور التھذیب صفحہ ۲۲۴ میں ابن حبان سے منقول ہے کہ "کان مدلسا" نیز تقریب میں لکھتے ہیں کہ یدلس اور یہاں پر روایت معنعن (لفظ عن سے) نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ وجہ بھی روایت کے ضعیف ہونے کے لیے کافی ہے۔ خاص طور پر صحیح روایات کے مقابلے میں۔

**الخامس:** ...... ان کا استاد حکیم بن عتیبہ بھی مدلس ہے۔ تقریب میں فرماتے ہیں کہ ربما دلس اور تہذیب صفحہ ۴۳۴ ج ۲ میں ہے کہ "وقال ابن حبان یدلس" اور یہاں پر روایت عن سے ذکر کرتے ہیں۔ اس قدر علتوں کی وجہ سے یہ روایت کسی طرح قابل توجہ رہے گی اور امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۱۳۹ میں یہ حدیث لا کر لکھتے ہیں کہ قال ابو عبداللہ الحافظ ھذا باطل والثوری یبرأ الی اللہ عزوجل منہ۔ ثم قال وھذا الخبر من النوع الذی یقول انہ یستوی سماعہ فلو صح مثلہ عن الثوری لما خفی ولما وقع الخلاف فی صحتہ فنقول وباللہ التوفیق ان عیسی بن جعفر قاضی الریّ ثقۃ ثبت لا یحتمل مثل ھذا الدنس فالراوی عنہ لا یخلو من وجھین اما ان یکون صدوق دخل لہ حدیث فی حدیث او کذابا وضع ھذا الحدیث علی عیسی بن جعفر وبسط الکلام فیہ.

## ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی اسنادی حیثیت

**صفحہ ۵۰:** ...... بارہویں حدیث کتاب القرأۃ کے حوالہ سے ابن عمر کی نقل کرتے ہیں "بلفظ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ."

**جواب:** ...... یہ روایت بھی بالکل ضعیف ہے۔ اوّلا اس کے راوی سوید بن سعید کے متعلق تقریب میں ہے کہ صدوق فی نفسہ الا انہ عمی فصار یتلقن ما لیس من حدیثہ وافحش فیہ ابن معین اور تہذیب صفحہ ۲۷۴۔۲۷۳ ج ۴ میں صالح جزرہ سے منقول ہے کہ صدوق الا انہ عمی فکان یلقن احادیث لیست من حدیثہ اور امام یحییٰ بن معین سے لاتے ہیں کہ ینبغی ان یبدا بسوید فیقتل اور ابو احمد الحاکم سے لاتے ہیں کہ عمی فی آخر عمرہ ربما لقن ما لیس من حدیثہ اور ابن عدی سے لاتے ہیں کہ ھوالی الضعف اقرب اور امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۳۵۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ: یأتی عن الثقات بالمعضلات روی عن علی بن مسھر عن ابی یحییٰ القطان عن مجاھد عن ابن عباس عن النبی ﷺ من عشق فعف فکتم فمات مات

شهيدا" ومن روى مثل هذا الخبر الواحد عن علي بن مسهر يجب مجانبة رواياته هذا (الى ان قال) يخطى فى الآثار ويقلب الاخبار (سمعت محمد بن زكريا بن الحسين يقول) سمعت ابا لحسن علي بن عبدالله البصري يقول لو كان لي فرس ورمح لكنت اغزو سويد بن سعيد اور میزان الاعتدال صفحہ ۲۴۸ ج ۲ میں بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ ضعیف جدا۔ پھر لکھتے ہیں کہ واما ابن معين فكذبه وسبه وروى ابن الجوزي ان احمد قال متروك الحديث.

الحاصل: سوید بن سعید کو کئی ایک نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن معین نے اس کو جھوٹا اور امام احمد نے اس کو متروک کہا ہے۔

**ثانیا**: ...... کئی ایک نے کہا کہ وہ آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا اور انہیں پتہ نہیں چلتا تھا اور دوسرے لوگ کس طرح اس کی احادیث میں اپنی ملا دیتے تھے اور وہ سنا تا رہتا تھا۔ یعنی انہیں کوئی تمیز نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی احادیث بیان کر رہا ہے یا کسی دوسرے کی پھر وہ سچی ہیں یا جھوٹی ہیں؟

**ثالثاً**: ...... وہ ثقہ اور پختہ راویوں سے ایسی روایات لاتا تھا جو کہ ان سے منقول ہی نہ ہوتی تھی۔

**رابعا**: ...... ان کے استاد علی بن مسہر (یعنی جن سے روایت نقل کرتا ہے) سے کئی ایسی روایات لایا ہے جن کی بنا پر اسے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

**خامسا**: ...... امام ابن معین تو ان کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور ان سے لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر اس روایت کو ذکر کرنا مولوی صاحب کے لیے لائق اور زیبا نہ تھا۔

**الوجه الثاني**: ...... جن بعض نے اس کی توثیق کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایات جو ان کی اصل کتاب میں موجود ہوں۔ چنانچہ ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ اما كتبه فصحاح وكنت اتبع اصوله فاكتب منها فاما اذا حدث من حفظه فلا اور ابن معین فرماتے ہیں کہ ما حشك فاكتب عنه وما حدث به تلقينا فلا (تهذيب صفحه ٢٧٣ ج ٤) یہ روایت اس کی کتاب سے نقل شدہ نہیں بلکہ اس نے زبانی طور پر یادداشت سے سنائی ہے، جیسا کہ سند میں ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ سوید بن سعید ابو محمد حفظا ( کتاب القراءۃ صفحہ ۱۲۵) لہٰذا اس کی یہ روایت مردود ہے۔

**الوجه الثالث**: ...... خود ان کے شاگرد ابو عبدالرحمٰن محمد بن احمد التیمی اس روایت کو رد کرتے ہیں اور سوید بن سعید پر اس روایت کی وجہ سے جرح کرتا ہے۔ ان کی سب روایات کو رد کرنا چاہتا ہے، چنانچہ امام بیہقی یہ روایت لانے کے بعد لکھتے ہیں کہ اخبرنا ابو عبد الله الحافظ قال سمعت ابا عبدالله

الهروی یقول سمعت المنکدری یقول سمعت ابا عبدالرحمن التیمی هذا استخیر الله ان اضرب علی حدیث سوید کله من اجل هذا الحدیث الواحد فی القرأة خلف الامام قال الامام احمد رحمه الله سوید بن تغیر فی اخر عمره وکثرت المناکیر فی حدیثه " ایضاً روایت نمبر آٹھ اور نو میں اس متن من کان له امام فقرأة الامام له قرأة کے کئی جوابات گزر چکے ہیں۔ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ خاص طور پر یہ کہ عام محدثین اس متن کو غیر ثابت کہتے ہیں۔ نیز معنی اور مفہوم کے لحاظ سے یہ حدیث آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

**الحاصل**: ...... مولوی صاحب نے جو بھی روایات پیش کیں وہ سب غیر صحیح اور مفہوم کے لحاظ سے غیر صریح ہیں۔ علامہ لکھنوی صاحب امام الکلام صفحہ ۲۱۵ پر لکھتے ہیں کہ "واما کراهة مطلق القرأة اوحرمتها فی الجهریة ولو فی حال السکتة والقرأة فی السریة فان مع تصفح کتب محققی الحنفیة ومحدثیهم وکبار فقهائهم وشراحهم لم اطلع علی سنده المرفوع الشافی ودلیله الکافی وما ذکروه فی تحقیق ذالك وتشعبوا علی مسالك لا یخفی ما فیه علی صاحب درية وبصیرة ." یعنی لکھنوی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بڑی تحقیق کی ہے اور بڑے حنفی فقہاء کی کتب دیکھی ہیں۔ لیکن کوئی بھی ایسی معتبر حدیث نہیں ملی۔ جس سے قرأة خلف الامام سری خواہ جہری کی منع یا حرمت کے لیے کوئی کافی یا شافی دلیل ہو۔ لہٰذا مولوی صاحب کو چاہیے کہ وہ صرف احسن الکلام پر ہی گزارہ نہ کریں بلکہ اس مسئلے پر دوسری کتب بھی لکھی گئی ہیں۔ مثلاً "تحقیق الکلام" مصنف علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، "البرهان العجائب" مصنف علامہ بشیر الدین سھوانی، "امام الکلام" مصنف علامہ لکھنوی، "اعلام الاعلام فی قرأة فاتحة خلف الامام" مصنف عبدالصمد الفساوری حنفی، "هداية المعتدی فی قرأة المقتدی" مصنف علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی "الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب"۔ مصنف علامہ حافظ عبداللہ روپڑی "خیر الکلام فی جواب قرأة الفاتحة خلف الامام" مصنف حافظ محمد گوندلوی صاحب "اتمام الخشوع باحکام الرکوع" مصنف علامہ محمد یونس دھلوی "ابکار المنن فی تنقید آثار السنن" مصنف مبارکپوری، وغیرہ کتب کا مطالعہ کریں، اپنے شکوک وشبہات دور کریں۔ خاص طور پر متقدمین میں امام بخاری کی جزء القرأة ایک زبردست علمی خزانہ ہے۔ جس میں اہل علم کے لیے بہترین رہنمائی ہے اس کے بعد امام بیہقی کی کتاب القرأة جس میں دلائل پر اچھی بحث کی گئی ہے مولوی صاحب پوری طرح سے اس کا مطالعہ کر کے صحیح نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

# صحابہ کا عمل

**ناظرین:** ...... اس باب کے شروع میں مولوی صاحب نے تین احادیث لکھی ہیں ❶ ...... علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين. حالانکہ دوسرے باب میں وضاحت سے معلوم ہوا کہ ایسی کئی احادیث صحیح اور ثابت ہیں۔ جن میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے متعلق صریح حکم موجود ہے اور اس کے بغیر نماز نہ ہوگی اور کوئی بھی ایک ایسی روایت ثابت نہیں جس میں منع یا ترک کا ذکر ہو۔ ﴿فارجع البصر هل ترى من فطور﴾ (الملك) ❷ ...... دوسری حدیث یہ نقل کرتے ہیں کہ "اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم" حالانکہ یہ روایت سخت ضعیف بلکہ باطل اور مردود ہے۔ اس کے طرق جھوٹے اور مجہول راویوں کا مجموعہ ہیں۔ امام ابوبکر البزار فرماتے ہیں کہ "هذا الكلام لم يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم يعني رسول اللهﷺ" کی طرف اس کلام کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ "هذا مكذوب موضوع باطل" یعنی یہ روایت جھوٹی من گھڑت اور باطل ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔ (التلخيص الحبير صفحه ١٩١ ج ٤ لابن حجر) امام ابن حزم الاحکام صفحہ ۸۱۰ میں امام ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت متروک اور مجہول طریق سے مروی ہے۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت (اصول فقہ حنفی کی مشہور کتاب) صفحہ ۳۹۴ ج ۲ میں ہے کہ "هذا الحديث مضعف" لہٰذا اس روایت سے مولوی صاحب کا مسئلہ حل نہ ہوگا بلکہ آپ خود اس روایت کے خلاف ہیں کئی ایک مسائل صحابہ کرام سے منقول ہیں لیکن ان کو نہیں مانتے۔ ❸ ...... یہ حدیث نقل کرتے ہیں خير القرون قرني ثم الذين يلو نهم ثم الذين يلو نهم. حالانکہ اوپر چوتھی حدیث "مالي انازع القرآن... الخ" کی بحث میں عبداللہ بن مبارک تبع تابعی الکوفی کا قول گزرا کہ "انا اقرأ خلف الامام والناس يقرأون اِلا قوم من الكوفيين" یعنی کوفیوں کے ایک گروہ کے علاوہ اور دیگر سب لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں. اس سے ثابت ہوا کہ خیر القرون کے زمانے میں قرأت چھوڑنے کا رواج نہیں تھا بلکہ تبع تابعین کے زمانہ میں کوفیوں سے یہ چھوڑنے کی رسم شروع ہوئی۔ مولوی صاحب مسروق تابعی سے نقل کرتے ہیں کہ سب صحابہ کا علم ان چار بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ اس کے بعد چند نام ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ ان پانچ چھ تک سب کو پابند رہنے کا فیصلہ دیتے ہیں۔ یہ بات خود

اس حدیث اصحابی کالنجوم کے خلاف ہے۔ جس کے ترجمہ میں خود لکھتے ہیں کہ ''جن کی تم نے اقتدا کی تو تم ہدایت والے ہوگے (تحفة الحديث صفحه ۵۱) جن کے نام لیے ہیں ان میں سے کسی ایک سے بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی نہ ممانعت ثابت ہے اور نہ اس کا ترک، بلکہ سب سے صراحتاً یا اشارتاً پڑھنے کا ثبوت موجود ہے۔ یہاں پر اجمالی طور پر آٹھ صحابہ کا نام لیا ہے۔ سیّدنا عمر، علی، ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم ان میں سے چار کی روایات خود ذکر کی ہیں یعنی حضرت عمر، علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس کے متعلق بحث اپنے مقام پر تفصیل سے آئے گی ان شاء اللہ۔ باقی صحابہ کے متعلق ہم یہاں پر ذکر کرتے ہیں۔ معاذ بن جبل کی روایت جزء القراۃ بیہقی صفحہ ۶۳ میں اس طرح سے ہے سمعت ابا شيبة المهري يقول سأل رجل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن القرأه خلف الامام فقال اذا قرأ فاقرؤا بفاتحة الكتاب وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ واذا لم تسمع فاقرأ في نفسك ولا تؤذمن عن يمينك ولا من عن شمالك.

یعنی معاذ سے جب قراۃ خلف الامام کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے پڑھنے کا حکم دیا۔

ابو درداء کا اثر جزء القراۃ بیہقی صفحہ ۶۷۔ ۶۸ میں اس طرح سے ہے عن حسان بن عطية ان ابا الدرداء قال لا تترك قراءة فاتحة الكتاب خلف الامام جهر اولم يجهر.

یعنی امام جہر سے قرأت کرے یا آہستہ، لیکن مقتدی کو ابو درداء الحمد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور چھوڑنے سے منع کرتے ہیں۔

ابی بن کعب کے متعلق جزء القراۃ صفحہ ۶۲ میں تین اثر مروی ہیں، پہلے میں ہے کہ ''ان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ كان يقرأ خلف الامام في الظهر والعصر.'' دوسرے میں ہے عن عبدالله بن ابي الهذيل قال سالت ابي بن كعب رضی اللہ عنہ أقرأ خلف الامام قال نعم، تیسرے میں ہے عن ابي المغيرة عن ابي بن كعب رضی اللہ عنہ انه كان يقرأ خلف الامام. یہ تیسرا اثر جزء القراۃ بخاری صفحہ ۸ ''طبع دہلی'' میں بھی مروی ہے۔ یعنی ابی بن کعب خود بھی قراۃ خلف الامام کرتے ہیں اور کرنے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں۔ ان تینوں صحابہ کے اثر ''سنن الكبرى للبيهقي صفحه ۱۶۸۔ ۱۷۰ ج ۲'' میں بھی مروی ہیں۔ باقی زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری ان سے کوئی بھی صریح روایت نظر نہیں آتی۔ لیکن ان سے منع یا ترک مروی نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی جزء القراء ۃ بیہقی صفحہ ۶۹ میں ایک روایت لائے ہیں۔ جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، اس میں دونوں خواہ تمام صحابہ آجاتے ہیں الفاظ اس طرح ہیں کہ ''انهم كانوا يقرؤن خلف رسول الله ﷺ اذا انصت فاذا قرأ لم يقرأوا واذا انصت قرؤا

وکان رسول اللہ ﷺ یقول کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج . یہ روایت عام ہے جس میں تمام صحابہ آ جاتے ہیں اس کے بعد مولوی صاحب نے جو اثر نقل کیے ہیں ان پر ترتیب وار گفتگو کریں گے۔

**صفحہ ۵۲**: ...... پہلا اثر ابن عمر کا جو مؤطا امام مالک کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں۔ اس کا جواب اس طرح سے ہے۔ **اولاً**: اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ مطلق قرأت ہے اور ابن عمر سے چند روایات میں خاص فاتحہ پڑھنے کا ثبوت قولاً خواہ فعلاً مذکور ہے۔ ''جزء القرأت بخاری صفحہ ۷'' طبع دہلی میں ہے کہ "حدثنا ابو العالیة فسألت ابن عمر بمکة اقرأ فی الصلاۃ قال انی لاستحی من رب ھذا البیت ان اصلی صلوٰۃ لا اقرأ فیھا ولو بام الکتاب۔ عن یحییٰ البکاء سئل ابن عمر عن القرأۃ خلف الامام فقال ما کانوا یرون بأسا ان یقرأ بفاتحة الکتاب فی نفسه . " یہ دونوں اثر جزء القرأۃ بیہقی صفحہ ۶۴۔ ۶۵ میں بھی ہیں، تیسرا اثر ابن خزیمہ صفحہ ۲۸۱ ج ۱ میں بھی ہے کہ عن نافع عن ابن عمر اذا کان مع الامام یقرأ بام القرآن فامن الناس امن ابن عمر ورأی تلك السنة یہ صریح بیان ہے۔ کہ ابن عمر امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے مصنف عبدالرزاق صفحہ ۹۳ ج ۲ میں ہے عن ابن جریج قال اخبر نی نافع ان ابن عمر لم یکن لیدع ان یقرأ بام القرآن فی کل رکعة من المکتوبة .

**ثانیاً**: ...... امام مالک اس سے مراد جہری نماز لیتے ہیں، اور اس روایت پر باب باندھتے ہیں کہ ترك القرأۃ خلف الامام فیھا جھر فیه . اس روایت کو لانے کے بعد سری میں پڑھنے کا کہتے ہیں اسی طرح ابن عبدالبر شرح مؤطا الاستذکار صفحہ ۱۸۴ ج ۲ میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر کا یہ اثر قرأت جہری کے متعلق ہے۔ لہٰذا یہ اثر آپ کے مذہب کے خلاف ہے۔

## احناف کا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف

**ثالثاً**: ...... خود ابن عمر کے کئی فتوے اور عمل ہیں جس میں آپ ان کے خلاف ہیں جن میں سے چند ذکر کیے جاتے ہیں۔

❶ ...... آپ کانوں کے مسح کے لیے الگ پانی لیتے تھے (موطا مالک صفحہ ۲۳)

❷ ...... مس الذکر کو ناقض الوضو کہتے ہیں (موطا صفحہ ۳۰۔ ۳۱)

❸ ...... قبلة المرأۃ وملامسہ کو بھی ناقض الوضوء کہتے ہیں (موطا صفحہ ۳۱)

❹......بلی کے جوٹھے کو پاک کہتے ہیں اور اس کے استعمال کو مباح کہتے ہیں۔(المحلی صفحہ ۱۱۸ ج ۱)

❺......آپ رفع الیدین کرتے تھے (بخاری صفحہ ۱۰۳ ج ۱ موطا صفحہ ۶۱)

❻......آمین بالجہر کہتے ہیں۔ (ابن خزیمہ)

❼......تشہد اس طرح سے پڑھتے تھے "بسم اللہ التحیات للہ الصلوٰۃ للہ الزاکیت اللہ السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" الخ (مؤطا صفحہ ۷۲)

❽......وتر میں دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر کہ تیسری رکعت الگ پڑھتے تھے۔

(بخاری صفحہ ۱۵۲۳ ج ۱ موطا ۱۱۰)

❾......ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔(موطا صفحہ ۱۰۹)

❿......جس نے نماز پڑھی ہو پھر وہ دوسری جماعت دیکھے تو دوبارہ وہی نماز پڑھ سکتا ہے۔(موطا صفحہ ۱۱۵)

⓫......بسم اللہ کو فاتحہ کی آیت کہتے تھے اور جہری نماز میں جہر سے پڑھنے کے قائل تھے۔

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۶ ج ۱)

⓬......برسات میں مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھتے تھے۔(موطا صفحہ ۱۲۶)

⓭......مکہ میں دس ایام تک قصر کرتے تھے۔

⓮......منیٰ میں نماز قصر کرتے تھے۔(موطا صفحہ ۱۳۳)

⓯......سلام کا جواب نماز میں اشارے سے دینے کے قائل تھے۔(موطا صفحہ ۱۵۴)

⓰......سورۃ حج میں سجدہ کرتے تھے۔(موطا صفحہ ۱۹۱)

⓱......سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے زمین پر ہاتھ رکھتے تھے پھر گھٹنے پر۔(بخاری صفحہ ۱۱۰ ج ۱)

⓲......مسجد میں جنازہ نماز پڑھتے تھے۔(موطا صفحہ ۲۱۱)

⓳......فجر سے قبل نیت نہ کرنے سے روزہ کو صحیح نہ کہتے تھے۔(موطا صفحہ ۲۲۷)

⓴......جس سے بیماری یا کسی اور سبب سے روزے رہ جائیں اس کے لیے مسلسل قضاء کرنے کا حکم دیتے تھے۔(موطا صفحہ ۲۴۵)

㉑......زیور کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔(موطا صفحہ ۲۸۱)

㉒......احرام کی حالت میں "ہمیانی" (جس میں پیسے وغیرہ رکھے جائیں) باندھنے کو مکروہ کہتے تھے۔

(موطا صفحہ ۲۸۱)

㉓......قرآن یعنی حج اور عمرہ کے مشترکہ احرام والی صورت میں ایک طواف کرتے تھے اور اسی کو کافی سمجھتے

تھے۔(موطا صفحہ ۳۷۷)

۲۴ ...... قربانی کے جانور کو اشعار کیا کرتے تھے۔(موطا صفحہ ۳۹۸۔ ۳۹۹)

۲۵ ...... مکہ میں بغیر احرام کے بھی داخل ہوتے تھے۔(موطا صفحہ ۴۵۸)

۲۶ ...... جانور کو ذبح کرنے سے اس کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی حلال کہتے تھے۔(موطا صفحہ ۴۹۰)

۲۷ ...... ایلاء کی صورت میں چار مہینے کا عرصہ گزرنے کے بعد فوری طلاق واقع نہ ہونے کا کہتے تھے۔

(موطاصفحہ ۵۱۴)

۲۸ ...... آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء کا حکم دیتے تھے۔(المحلی صفحہ ۲۴۳ ج ۱)

۲۹ ...... جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے۔(المحلی صفحہ ۸۴ ج ۲)

۳۰ ...... عصر کی نماز کے بعد دو رکعتوں کی اجازت دیتے تھے۔(المحلی صفحہ ۲۷۵ ج ۲)

۳۱ ...... نماز مغرب سے قبل دو رکعات پڑھتے تھے۔(قیام اللیل للمروزی صفحہ ۲۷)

۳۲ ...... وتر یا کسی دوسری نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے۔(قیام اللیل المروزی صفحہ ۱۳۲)

۳۳ ...... آپ گھر میں فرضی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعتوں کے بعد تکبیر سنی تو گھر سے نکل کر جماعت کی طرف نکل پڑے۔(المحلی صفحہ ۱۹۵ ج ۴)

۳۴ ...... اگر امام غلطی سے بغیر وضو نماز پڑھائے تو وہ نماز صرف امام دہرائے مقتدی نہ دہرائیں۔

(المحلی صفحہ ۲۱۶ ج ۴)

۳۵ ...... عورتیں آپس میں جماعت کرواسکتی ہیں۔(المحلی صفحہ ۲۲۰ ج ۴)

۳۶ ...... تین میل خواہ ایک میل تک نماز قصر کے قائل تھے۔(المحلی صفحہ ۷۔ ۸ ج ۵)

اس کے علاوہ دیگر مسائل بھی ہیں جو کہ حنفی مذہب کے خلاف ہیں۔اب مولوی صاحب بتائیں کہ ان مسائل میں ابن عمر کا فیصلہ قبول کریں گے یا فقہ حنفی کو چمٹے رہیں گے؟ اگر کہیں کہ ہمارے پاس دیگر دلائل ہیں اس وجہ سے ان مسائل کو ترک کرتے ہیں تو پھر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں صریح احادیث وارد ہیں جب کہ ابن عمر سے فاتحہ کی ممانعت یا ترک کی کوئی صریح دلیل وارد نہیں بلکہ صریح فاتحہ کا ان سے اثبات منقول ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ روایت مالک عن نافع عن ابن عمر ہے لہٰذا بقول امام بخاری کے اصح الاسانید ہے۔

**جواب**: ...... **اولاً**: اس میں فاتحہ کا انکار بھی نہیں ہے اور دوسری روایات میں فاتحہ کا صریح ذکر ہے۔اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

**ثانیا**: ...... بعینہ اسی سند کے ساتھ موطا میں روایات ہیں، جنہیں آپ خود نہیں مانتے مثلاً ① ...... کان یاخذ الماءَ باصبعیہ لاذنیہ (موطا صفحہ ۲۳) ② ...... کان یقول اذا مس احد کم ذکرہ فلیتوضأ فقد وجب علیہ الوضوء (موطا صفحہ ۳۱) ③ ...... رفع الیدین کرنے کی روایت (موطا صفحہ ۶۱ میں) ④ ...... تشہد میں بسم اللہ کہنا اور السلام علی النبی کہنا (موطا صفحہ ۷۳) ⑤ ...... وتر ایک رکعت پڑھنا (موطا صفحہ ۱۰۶) ⑥ ...... وتر کی تین رکعتوں میں دو کے بعد سلام پھیرنا (صفحہ ۱۱۰) اس کے علاوہ دیگر مسائل بھی موطا میں اسی سند سے مروی ہیں۔ لیکن آپ کا حنفی مذہب سب کا مخالف ہے۔

**ثالثاً**: ...... حافظ ابن عبدالبر کتاب الاستذکار شرح موطا صفحہ ۱۸۴ ج ۲ میں ایک روایت عبدالرزاق سے لاتے ہیں کہ قال اخبرنا ابن جریج حدثنی ابن شہاب عن سالم عن ابن عمر کان ینصت للامام فیما جہر فیہ الا مام بالقرأۃ فی الصلوٰۃ لا یقرأ معہ. یہ روایت مصنف عبدالرزاق صفحہ ۱۳۹ ج ۸ میں بھی مذکور ہے۔ حافظ ابن عبدالبر اس روایت کے بعد لکھتے ہیں کہ "وھذا یدل علی انہ کان یقرأ معہ فیما اسر فیہ وکل ماروی عن نافع عن ابن عمر من روایۃ مالك وغیرہ من الالفاظ المجملۃ فی ھذا الحدیث فانہ یفسرہ ویفضی علیہ حدیث ابن شہاب عن سالم ھذا واللہ اعلم. یعنی ابن عمر سری نماز میں قرأۃ خلف الامام کرتے تھے اور اس سند کو بھی ائمہ حدیث اصح الاسانید شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل اور امام اسحق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ اصح الاسانید الزہری عن سالم عن ابیہ. (التہذیب صفحہ ٤٢٧ ج ۳) دیکھیں کہ مولوی صاحب اس روایت کو مانتے ہیں یا نہیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ نے موطا امام مالک کو بخاری شریف سے زیادہ درجہ دیا ہے۔

**جواب**: ...... بالکل غلط۔ اس پہلے طبقہ میں تین کتب شمار کی ہیں موطا، بخاری و مسلم۔ ایک ایسا اشارہ دیتے ہیں جن سے ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۳ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "واتفق اھل الحدیث علی ان جمیع مافیہ صحیح علی رأی مالك ومن وافقہ بخاری و مسلم کے لیے فرماتے ہیں کہ "اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھا عن المتصل المرفوع صحیح بالقطع" اب قارئین کرام دونوں عبارتوں پر غور کریں کہ شاہ صاحب صحیحین کی احادیث باتفاق محدثین قطعی طور پر صحیح ہیں۔ موطا کے متعلق فرماتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ امام مالک اور ان کے ہمنواؤں کی رائے کے مطابق صحیح ہے۔ عبارتوں کا مفہوم بالکل واضح ہے اور

شاہ ولی اللہ صاحب شرح تراجم ابواب صحیح البخاری صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں کہ اوّل ما صنف اهل الحدیث فی علم الحدیث جعلوه مدونا فی اربعة فنون فن السنة اعنی الذی یقال له الفقه مثل موطا مالك وجامع سفیان وفن التفسیر مثل کتاب ابن جریج وفن السیر مثال کتاب محمد بن اسحاق وفن الزهد والرقاق مثل کتاب ابن المبارك فاراد البخاری رحمه الله ان یجمع الفنون الاربعة فی کتاب ویجوده لما حکم له العلماء بالصحة قبل البخاری وفی زمانه ویجود للحدیث المرفوع المسند " یعنی کہ جامعیت کے لحاظ سے بھی بخاری شریف کو ترجیح حاصل ہے۔ باقی یہ بات کہ شاہ صاحب نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک یہ اس وقت کی بات ہے جب صحیح بخاری وجود میں نہیں آئی تھی۔ لہٰذا یہ تقابل بخاری اور مسلم کے درمیان میں نہیں ہے۔ ایسی تصریح شاہ صاحب سے قبل کے علماء کر چکے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح مقدمہ صفحہ ۹ طبع بمبئی میں فرماتے ہیں کہ "انما قال ذلك قبل وجود کتابی (البخاری ومسلم) ." یعنی امام شافعی کا یہ کہنا بخاری ومسلم کے وجود سے قبل کا ہے۔ یعنی اس وقت دوسری کتب جو تصعیف ہوئیں تھیں، مثلاً امام محمد بن الحسن شیبانی کی موطا اور امالی اور کتاب الآ ثار یا ابو یوسف کی کتاب الآ ثار، کتاب الخراج وغیرہ، اس وقت جو بھی کتب لکھی ہوئی تھیں ان سب میں موطا مالک کا صحت کے لحاظ سے درجہ زیادہ تھا۔ لیکن بخاری وجود میں آنے کے بعد بالاتفاق سب کتب سے مقدم ہے اسی طرح حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۳۰ قلمی اور مقدمہ فتح الباری صفحہ ۱۰ اور صفحہ ۴۸۹ میں امام نسائی سے نقل کرتے ہیں کہ "ما فی هذه الکتب اجود من کتاب محمد بن اسماعیل" یعنی جو بھی کتب تصنیف ہوئی ہیں ان میں کوئی بخاری سے اچھی نہیں ہے۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح بخاری (صفحہ ۵ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ اتفق علماء الشرق والغرب علی انه لیس بعد کتاب الله تعالیٰ اصح من صحیح البخاری ومسلم. حافظ الذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۵۳ ج ۳۔ میں لکھتے ہیں کہ قد ذکر لابن حزم قول من یقول اجل المصنفات الموطا فقال بل اولی الکتب بالتعظیم الصحیحان وصحیح سعید بن السکن والمنتقی لابن الجارود. اس کے بعد دوسرے یا تیسرے طبقہ میں موطا امام مالک کو شمار کرتے ہیں علامہ رشید احمد گنگوہی لامع الدراری علی جامع البخاری صفحہ ۱۳۵ ج ۱۔ میں امام نووی سے نقل کرتے ہیں کہ "اوّل مصنف فی صحیح المجرد صحیح البخاری ثم مسلم وهما اصح الکتب بعد القرآن العزیز والبخاری اصحهما وقبل مسلم اصح والصواب الاوّل علیه الجمهور وماروی عن الشافعی فذالك قبل وجود الکتابین" اس کے بعد لکھتے ہیں

کہ "قلت وھو واضح."

## جابر رضی اللہ عنہ کا اثر

**صفحہ ۵۳:**...... میں جابر کا دوسرا اثر نقل کرتے ہیں۔

**جواب:** ...... **اولاً:** خود جابر رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کا ثبوت موجود ہے، چنانچہ ابن ماجہ صفحہ ۲۶۸ ج ۱ حاشیہ میں ان سے مروی ہے کہ عن جابر بن عبداللہ قال کنا نقرأ فی الظھر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ واخریین بفاتحۃ الکتاب. علامہ سندھی حاشیہ میں حافظ ابوالحجاج المزی سے نقل کرتے ہیں کہ ھذا اسناد صحیح ورجالہ ثقات جزء القرأۃ بیہقی صفحہ ۶۷ میں جابر اور علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قال یقرأ الامام ومن خلفہ فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب۔ اس تعارض کی صورت میں تطبیق کا طریقہ اختیار کیا جائے یا ترجیح کا۔ پہلی صورت میں دو طریقے ہیں اوّل یہ کہ ابن ماجہ والے اثر میں لفظ ظہر اور عصر کے ہیں اور موطا والی روایت مطلق ہے۔ اس وجہ سے سری نماز مستثنیٰ ہوگی۔ اس طرح بھی مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہوگی بلکہ بیہقی کا اثر جہری خواہ سری کے لیے عام ہے۔ اسی وجہ سے یہ صورت تطبیق کی کافی نہ ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ الاوراء الامام سے عدم وجوب اور ان آثار سے استحباب مراد لی جائے گی۔ لیکن یہ طریقہ بھی مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب کے مذہب میں قرأت جہری خواہ سری سب مکروہ تحریمی ناجائز بلکہ بعض تو حرام اور کئی پڑھنے والے کے منہ میں انگارے ڈالے جانے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ کیا جابر رضی اللہ عنہ صریح الفاظ میں کہتے ہیں کہ ہم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے ان کے لیے بھی یہ ہی فتویٰ دیں گے؟ لہٰذا تطبیق کی کوئی بھی صورت اختیار کریں مولوی صاحب کو مہنگی پڑے گی اور ترجیح والی صورت میں اثبات کی روایات راجح ہوں گی کیونکہ مرفوع احادیث اور کئی دوسرے صحابہ کے آثار ان کی تائید میں ہیں "کما تقدم وکما سیأتی."

**ثانیاً:** ...... اس اثر کا ترجمہ مولوی صاحب اس طرح سے کرتے ہیں کہ "جس شخص نے نماز کی ایک بھی رکعت ایسی پڑھی جس میں اس نے سورۃ فاتحہ پڑھی تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی لیکن ہاں! جب امام کے پیچھے ہو۔ اب مولوی صاحب ایمان سے کہیں کہ اس حدیث کے پہلے جملہ پر ایمان ہے اور کہیں گے کہ امام اور منفرد کی رکعت میں فاتحہ نہ پڑھے تو یہ رکعت نہ ہوئی؟ یقیناً نہیں کہیں گے۔ کیونکہ ان کے مذہب کی کتب اس کے خلاف بھری پڑی ہیں۔ اگر اس طرح سے کہیں کہ مقتدی کے علاوہ دوسرے ہر کسی کی نماز فاتحہ کے بغیر نہ ہوگی تو چشم

روشن ودل ماشاد لیکن اپنے مذہب کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ کیونکہ مستثنیٰ سے قبل مستثنیٰ منہ ماننا پڑے گا۔

الغرض یہ اثر بھی مولوی صاحب کے فائدے کا نہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''حضرت جابر کے نزدیک سورت فاتحہ بھی قرأت ہے۔'' الخ

**جواب:**...... پھر کیا ہوا؟ وہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے سے منع تو نہیں کرتے۔ بلکہ خود پڑھتے ہیں۔

پھر مولوی محمد عمر صاحب کے اس اعتراض پر کہ یہ مرفوع نہیں ہے لہٰذا مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اس جواب میں کہتے ہیں کہ یہ قول احادیث کے موافق ہے۔

**جواب:**...... یہ بھی سراسر غلط ہے، کیونکہ کوئی ایک حدیث نہیں جس میں صریحاً امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کی ممانعت ہو. یا ترک کی اجازت ہو۔ مولوی صاحب کوئی ایسی روایت نہ پیش کر سکے ہیں اور نہ کر سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔ بلکہ صریح احادیث میں بیان ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اوپر کئی ایسی روایات گزر چکی ہیں۔ خاص طور پر عبادہ بن صامت کی روایات جن میں خلف الامام کا صراحتاً ذکر ہے۔ نیز یہ روایت جس میں رسول اللہ ﷺ نے ان صحابہ کو جنہوں نے آپ کے پیچھے فجر نماز پڑھی انہیں خاص حکم کیا کہ ''فلا تفعلوا الابام القرآن'' لہٰذا اگر جابر کی اس روایت میں علی التقدیر فاتحہ نہ پڑھنے یا چھوڑنے کا کوئی اشارہ ہے تب بھی اس صریح، مرفوع اور صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہ رہے گی۔ جیسا کہ ہم نے ابن ہمام سے ان کی کتاب فتح القدیر کے حوالے سے ذکر کیا کہ صحابہ کا اثر اس وقت قابل حجت ہے جس وقت کوئی مرفوع حدیث اس کے خلاف نہ ہو۔ لہٰذا مولوی محمد عمر صاحب کا اعتراض اپنی جگہ پر قائم ہے۔ مولوی صاحب اس کا جواب دینے سے عاجز ہے۔

**قارئین:**...... جابر رضی اللہ عنہ نماز میں قہقہہ لگانے کو ناقض الوضوء نہیں کہتے تھے اور نماز مغرب سے قبل دو رکعات پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی صفحہ ۵۷) خون کے بہتے ہوئے بھی نماز پڑھنے کے قائل تھے۔ (بخاری صفحہ ۲۹ ج ۱) وغیرہا مسائل میں احناف جابر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو نہیں مانتے۔ پھر یہاں پر ان کا قول کس طرح لیتے ہیں؟ حالانکہ یہ بھی ان کے مطلب کے لیے واضح دلالت نہیں کرتا۔

**تیسرا اثر:**...... بحوالہ مسلم، نسائی اور طحاوی جو کہ زید بن ثابت سے نقل کرتے ہیں۔

**جواب:**...... **اولاً:** اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ ''میں نے زید بن ثابت سے پوچھا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں قرات نہیں کی جا سکتی'' اب مولوی صاحب بتائیں کہ امام کے پیچھے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ روایت میں لفظ ہیں کہ مع الامام'' یعنی امام کے ساتھ۔ مسنون طریقہ یہی ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نہیں بلکہ اس کے سکتات میں قرأت کی جائے۔ جیسا کہ

جزأ القرأۃ کے حوالہ سے عبداللہ بن عمر کی روایت ذکر کی گئی کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قرأت اس طرح کرتے تھے۔ یعنی جب آپ پڑھتے تھے تو صحابہ خاموش رہتے تھے اور جب آپ خاموش ہوتے تب وہ پڑھتے تھے۔ اس طرح سے قرأۃ خلف الامام کے خلاف زید رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نہیں ہے۔

**ثانیاً**: ......اس اثر میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ مطلق قرأت ہے۔ لہٰذا جن روایات میں صریحاً فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ ان کی وجہ سے سورۃ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہوگی اور یہ روایت فاتحہ کے حکم کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ عام کی نفی خاص کو مستلزم نہیں ہوتی۔ "کما لا یخفی علی اولی النھٰی ."

**ثالثاً**: ......اس سے مراد جہری قرأت کی نفی بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جہر کرنے کی نفی دیگر احادیث میں بھی ہے۔ کما تقدم اور فاتحہ پڑھنے کا تو روایات میں حکم آیا ہے لہٰذا یہاں پر یہ مراد نہیں ہوسکتا۔ امام نووی شرح مسلم صفحہ ۲۱۵ ج ۱۔ میں اس اثر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "والجواب عن قول زید ھٰذا من وجھین احدھما انہ قد ثبت قول رسول اللہ ﷺ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القراٰن۔ وقولہ ﷺ اذا کنتم خلفی فلا تقرأوا الا بام القراٰن وغیر ذالك من الاحادیث وھی مقدمۃ علیٰ قول زید وغیرہ والثانی ان قول زید محمولۃ علیٰ قرأۃ السورۃ التی بعد الفاتحہ فی الصلوٰۃ الجھریۃ فان المأموم لا یشرع لہ ، قرأتھا وھٰذا التأویل متعین لیحمل قولہ علیٰ موافقۃ الاحادیث الصحیحۃ ویؤید ھٰذا انہ یستحب عند نا وعند جماعۃ للامام ان یسکت فی الجھریۃ بعد الفاتحہ قدرما یقرأ الماموم الفاتحۃ وجاء فیہ حدیث حسن فی سنن ابی داؤد وغیرہ فی تلك السکتۃ یقرأ الماموم الفاتحۃ فلایحصل قرأتہ مع قرأۃ الامام بل فی سکتتہ . امام نووی کی اس عبارت سے چوتھا جواب معلوم ہوا کہ یہ اثر مرفوع احادیث کے خلاف ہے جن میں صریحاً فاتحہ کا حکم ہے اور مرفوع بلا خلاف موقوف پر مقدم ہوتی ہے۔

**خامساً**: ......مولوی صاحب نے یہ اثر مکمل نہیں لکھا ہے ورنہ الٹا ان کی گردن میں پڑسکتا ہے۔ ہم مکمل اثر ذکر کر کے اس کی حقیقت واضح کرتے ہیں "عن عطاء بن یسار انہ اخبرہ انہ سأل زید بن ثابت عن القرأۃ مع الامام فقال لا قرأۃ مع الامام فی شیءٍ وزعم انہ قرأ علی رسول اللہ ﷺ والنجم اذا ھویٰ فلم یسجد ." اب مولوی صاحب بتائیں کہ مکمل روایت کو مانتے ہیں اور آخری حصہ قبول کرتے ہیں یعنی سورت نجم میں سجدہ تلاوت کو غیر ضروری کہیں گے یا افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کا مصداق ہوں گے۔

**سادساً**: ......زید بن ثابت سے کئی ایسے مسائل منقول ہیں جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں۔ مثلاً

❶...... فرائض و میراث میں وہ مسئلہ رد کے قائل نہ تھے۔ (بیهقی صفحه ٢٤٤ ج٦)

❷...... آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کو ناقض الوضوء کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبه صفحه ٥١ ج١)

❸...... کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے جواز کے قائل تھے (مصنف ابن ابی شیبه صفحه ١٢٣ ج١)

❹...... ذوی الارحام میں سے کسی کو ورثہ دلانے کے قائل نہ تھے (بیهقی ٢١٣ ج٦)

❺...... غیر مدخولہ کو اگر طلاق دے تو اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے (بیهقی صفحه ١٦٠ ج٧) وغیرہ مسائل آپ سے منقول ہیں جو کہ مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں لاقراۃ کہ جب نکرہ پر لانفی جنس داخل ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے''

**جواب:**...... **اوّلاً:** جب اس مقام پر دیگر روایات میں صریحاً فاتحہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ بھی قاعدہ ہے کہ عام اور خاص کا تعارض ہو تو خاص مقدم ہوگا۔

**ثانیاً:**...... اگر واقعی یہ قاعدہ آپ کے نزدیک مسلم ہے تو پھر لا صلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کو کیوں نہیں مانتے؟

**صفحہ ٥٤:** ...... پر لکھتے ہیں کہ ''لیکن عجب ہے کہ جہاں پر حضرت اہل حدیث حضرات کو نحو کے قانون کا فائدہ ہو تو؟ الخ

**جواب:**...... اس بیماری میں آپ مبتلا ہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب، سامنے مثال موجود ہے۔ کہ موقوف اثر جو کہ فاتحہ کے متعلق صریح بھی نہیں اور جہری قرأت کا اس میں احتمال موجود ہے۔ اس کے باوجود آپ نحوی قانون کے ذریعے اس کو سہارا بناتے ہیں۔ مگر صریح مرفوع حدیث جس میں خاص فاتحہ کا نام ہے اور کوئی احتمال نہیں اس قانون کا کوئی خیال نہیں کرتے جیسا کہ اس کے متعلق حدیث لاصلوٰۃ کی بحث میں بیان ہوگا سچ ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (النساء) اس کے بعد چوتھا اثر بحوالہ جوھر النقی ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں۔

**جواب:** ...... **اوّلاً:** اس اثر میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے اور حدیث "اِلَّا بِاُمِّ القران" اس سے فاتحہ کو مستثنیٰ کرتی ہے۔

**ثانیاً:**...... مرفوع حدیث کے خلاف ہے۔

**ثالثاً:** ...... وہ عبداللہ بن مسعود سے قرأت خلف الامام کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ جزء القراۃ بخاری صفحہ ۸ طبع دہلی میں ہے کہ "عن ابی مریم سمعت ابن مسعود یقرأ خلف الامام" اور یہی اثر (امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ٦٤) السنن الکبریٰ صفحہ ١٦٩ ج ٢ میں بھی آیا ہے۔ بلکہ جزء القراۃ میں تو دوسرا اثر بھی آیا

ہے۔ عن الهذيل بن شرجيل ان ابن مسعود رضى الله عنه انه قرأ فى العصر خلف الامام فى الركعتين الاولیين بام القرآن وسورة " یا تو مولوی صاحب دونوں کو حنفی اصول کے مطابق آپس میں متعارض کہہ کر ساقط کہیں یا ترجیح کا طریقہ اختیار کریں پھر ترجیح اثبات کو ہوگی نہ کہ نفی کو۔ کیونکہ اثبات کی جو روایات مرفوع ہیں ان میں صریح فاتحہ کا حکم ہے اور جو نفی کے لیے روایات پیش کی جاتی ہیں ان میں سے کسی ایک میں صریح فاتحہ کی ممانعت نہیں ہے اور اگر تطبیق دیں تو بھی صورت یہ ہوگی کہ خاص روایت عام پر مقدم ہوگی۔ اگر کہیں کہ خاص روایت میں بھی فاتحہ کا ذکر ہے تو یہ سوال کارگر نہ ہوگا۔ کیونکہ ما عدا الفاتحہ کا جس نماز میں ذکر ہے وہ نماز سری ہے جیسا کہ اس روایت میں عصر کی نماز کی تصریح ہے اور اگر کہیں کہ یہ روایت صرف سری نماز کے لیے ہے تو

**اولاً:** ...... آپ کی نقل کردہ روایت امام کے پیچھے جہر کرنے پر محمول ہوگی۔

**ثانیا:** ...... آپ کے قول کے مطابق ابن مسعود کا مذہب آپ کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ آپ سری نماز میں بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارے لیے تو مرفوع حدیث ہی کافی ہے اور ہمارے لیے ابن مسعود کا اتنا عمل ہی کافی ہے کہ وہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھتے تھے۔ کتاب القرأۃ للبیہقی صفحہ ۱۷۱ میں روایت ہے کہ عن علقمة ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ كان لا يقرأ خلف الامام الا ان يكون الامام لايقرأ. اس روایت میں جملہ "لا یقرأ" معاملے کو بالکل صاف کردیتا ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ امام بالکل قرأت نہ کرے۔ بلکہ جس وقت وہ قرأت سے خاموش ہو۔ ثابت ہوا کہ ابن مسعودؓ امام کے پیچھے جہری نماز میں امام کے سکتات میں قرأت کرتے تھے۔ اسی جگہ دوسری روایت ہے کہ عن ابى الاحوص عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال لا تسبقوا قراء كم انما جعل الامام ليوتم به فاذا ركع فاركعوا واذا سجد فاسجدوا فان احد كم تكون معه السورة فيقرأها فاذا فرغ ركع من قبل ان يركع الامام فلا تسابقوا قراء كم فانما جعل الامام ليؤتم به الخ .

اس روایت میں قرأت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں منع نہیں کرتے، چنانچہ امام بیہقی اس روایت کے بعد ابن خزیمہ سے نقل کرتے ہیں کہ قال ابو بكر بن خزيمة وَاَفَلَیتَ ترى ابن مسعود فى هذا الخبر ينهٰى المأموم ان يركع اذا فرغ من قرأة السورة قبل ركوع الامام ونهاه عن مسابقة الامام بالقرأة ولم ينهه عن القرأة خلف اما مه. اس مقام پر تیسری روایت بھی لائے ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن مسعود قرأت کو نماز کے لیے ضروری سمجھتے تھے عن محمد بن

سیرین نا عبیدۃ ان ابن مسعود کان یقول ان کل صلوٰۃ لیس فیھا قرأۃ فلیست بشی. یعنی جس نماز میں قرأت نہیں وہ کوئی بھی چیز نہیں ہے، اب مولوی صاحب کو ابن مسعود کے مذہب کا پتہ چل گیا ہوگا۔

اس کے بعد ابن مسعود سے ایک دوسرا اثر سنن کبریٰ للطحاوی کتاب القرأۃ اور موطا محمد وغیرہ کے حوالہ سے لائے ہیں۔

## انصت کا معنی ومفہوم

**جواب:**...... حالانکہ اس کے لیے بھی اوپر والا جواب ہے ایضاً انصت سے مراد صرف خاموش ہونا نہیں ہوتا، بلکہ ترک الجہر بھی مراد ہوتا ہے۔

**اولاً:**...... ابو ہریرہ کی مذکورہ حدیث جس میں الفاظ ہیں کہ یا رسول اللہ با می انت وابی ارأیت سکو تک بین التکبیر والقرأۃ ما ھو وفی روایۃ ارأیت اسکاتک بین التکبیر والقرأۃ ما تقول۔ الحدیث. امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۸۳ میں یہ روایت لاکر لکھتے ہیں کہ فھذا الخبر الصحیح یبین و یوضح ان الا نصات قد یکون ترک الجھر وان کان المنصت عن الجھر ذاکر اللہ عزوجل اوقار ئا للقرآن اذ لا فرق بین السکوت والانصات عند العرب وقد قال ابوھریرۃ للنبی ﷺ ما تقول فی سکوتک بین التکبیر والقراءۃ ولم یقل النبی ﷺ لست بساکت ولکن اعلمہ ما یقول فی سکوتہ ذلک. یعنی انصات اور سکوت عرب کلام میں ایک چیز ہے اور ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ آپ سکوت کرتے وقت کیا کہتے ہیں۔ اس پر آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ میں ساکت نہیں تھا بلکہ یہ فرمایا اس سکوت کے وقت پڑھتا ہوں اور وہ بتادیا۔

**ثانیا:**...... ایک دوسری روایت میں ہے "عن ابی ھریرۃ وابی سعید قالا سمعنا رسول اللہ ﷺ یقول من اغتسل یوم الجمعۃ واستن ومس من طیب ان کان عندہ ولبس احسن ثیا بہٖ ثم جاء الی المسجد ولم یتخط رقاب الناس ثم رکع ماشاء اللہ ان یرکع ثم اذا خرج الامام حتی یصلی کانت کفارۃ لما بینھا وبین الجمعۃ التی کانت قبلھا. اب یہاں پر کلمہ انصت سے مراد بالکل چپ کرنا نہیں۔ کیونکہ افتتاح کی تکبیر، انتقال کی تکبیرات رکوع سجدہ کی تسبیحات رکوع سجدہ کی دعائیں تشہد اور درود وغیرہ اس سے خارج ہے، یہ آپ احناف کے نزدیک بھی

مقتدی ادا کرتے ہیں یہاں پر الفاظ ہیں انصت اذا خرج الامام حتی یصلی یعنی امام آئے جب تک نماز پڑھ کر فارغ ہو۔ تب تک خاموش رہے۔ نیز ہدایہ صفحہ ۱۲۱ ج ۱ میں ہے کہ "وکذالك فی الخطبة وكذا لك ان صلے على النبی عليه السلام لفرضية الاستماع الا ان يقرأ الخطيب قوله تعالىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ الاٰية فيصلى السامع فی نفسه.

امام بیہقی کتاب القرأۃ صفحہ ۸۴ میں اوپر والی روایت کے بعد لکھتے ہیں کہ "فالنبی ﷺ ندب فی هٰذه الاخبار الى الانصات عند خروج الامام يوم الجمعة حتى يصلى الامام ومعلوم انه لم يرد به سكوت الامام عن تكبيرة الافتتاح وتكبيرات الانتقالات والتسبيح فی الركوع والسجود والذكر عند الرفع التشهد والدعآء والتسليم وانما اراد سكوته عن كلام الناس وانصاته عن محادثة بعضهم بعضاً حتى يفرغ الامام من الصلوٰة وكذالك لم يرد سكوته عن قرأة الفاتحة وفيه دليل علىٰ ان الانصات يطلق على ترك الجهر وترك كلام الناس وان كان قارئا فی السر ذاكرا فی نفسه."

**ثالثاً:** ......علی رضی اللہ عنہ کا قول جو پہلے باب میں آیت کے جواب میں انصات بمعنی آہستہ والی بحث میں گزر چکا ہے۔ جس میں لفظ ہیں کہ وینصتون من خلفه ويقرؤن فی انفسهم، مزید بحث وہاں پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ایضاً دونوں آثار میں الفاظ ہیں کہ "ان فی الصلوٰة لشغلا" ترجمہ لکھتے ہیں کہ نماز میں امام قرأت میں مشغول ہے۔ پتہ نہیں یہ معنی کس سے سیکھا ہے لکھنوی حنفی تعلیق الممجد صفحہ ۸۷ میں ملا علی قاری سے نقل کرتے ہیں کہ "ای اشتغالا للبال فی تلك الحال مع الملك المتعال يمنعها القيل والقال" پھر یہاں پر صرف امام کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ نماز میں ہر کسی کے لیے یہ حکم ہے۔ امام یا مقتدی ہر کسی کو یہ مشغولیت ہے۔ باقی قیل قال اس کے مانع ہوگا وہ نہ کیا جائے۔ یہ اس وقت ہوگا جب مقتدی بھی امام کی طرح جہر سے پڑھنے والا ہو۔ حدیث میں ہے کہ "ان احدكم اذا قام فی صلوٰته فانه يُنَاجِی رَبّه۔ الحديث" (بخاری صفحہ ۵۸ ج ۱) مطلب یہ کہ ہر نمازی اپنے رب کے ساتھ مناجات میں مشغول ہوتا ہے اور مناجات خاموش رہنے سے نہیں ہوتی۔ آپ کے حنفی بھائی طاہر فتنی مجمع بحار الانوار صفحہ ۱۹۹ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "ان فی الصلوٰة شغلا ای بتدبر ما يقرأ" یعنی نماز میں مشغولیت ہے کہ نمازی جو پڑھ رہا ہے اس پر غور کرے اس کے مطابق کہ ابن مسعود خود پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ ایضاً مسلم شریف صفحہ ۲۰۴ ج ۱ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ قال كنا نسلم على رسول الله ﷺ وهو فی الصلوٰة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا عليه فلم يرد علينا

فقلنا یا رسول الله کنا نسلم علیك فی الصلوٰة فترد علینا فقال ان فی الصلوٰة شغلا.
اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں سلام کا جو جواب پہلے زبان سے دیتے تھے وہ منسوخ ہوگیا۔ امام نووی اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "معناه ان المصلی وظیفة ان یشتغل بصلاته فیتدبر ما یقوله ولا یعرج علی غیرها فلا یرد سلاما ولا غیره." اس طرح مجمع البحار کی اوپر والی عبارت ملا کر مولوی صاحب غور کرکے جواب دیں کہ یہ حکم سب نمازیوں کے لیے ہے۔ یا مقتدی کو اس حکم سے خارج کرتے ہیں؟

**علی الاوّل:** ...... اگر مقتدی بھی اس میں شامل ہے تو پھر ابن مسعود کے اس قول سے مقتدی کو خاموش ہونے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ اپنی قراءت میں مشغول رہے۔

**الثانی:** ...... اگر مقتدی کو اس سے خارج کریں گے تو پھر کیا اس کو زبان سے سلام دینے کی اجازت دیں گے اور جواب دینے کی صورت میں اس کی نماز کو فاسد نہ کہیں گے؟ ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کریں وہ آپ کے مذہب کی چار دیواری کو گرا دے گی۔

## احناف کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اختلاف

**قارئین:** ...... ابن مسعود سے کئی مسائل مروی ہیں جن میں احناف ان کے خلاف ہیں۔ ان میں سے چند بطور امثلہ پیش خدمت ہیں۔ ❶ ...... قبلة المرأة کو ناقض الوضوء کہتے ہیں۔ (مؤطا صفحہ ۳۱) ❷ ...... سورۃ حج میں بھی سجدہ کرتے تھے۔ (بیہقی صفحہ ۳۱۸ ج ۲) ❸ ...... جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۸۸ ج ۱) ❹ ...... جمعہ کے دن کے غسل کو واجب کہتے تھے۔ (المحلی صفحہ ۹ ج ۲) ❺ ...... وتر ایک رکعت پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی صفحہ ۲۰۶) ❻ ...... ایک مسجد میں ایک جماعت کے ہوجانے کے بعد دوسری جماعت کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۲۳ ج ۲) ❼ ...... مسبوق جس نماز کو امام کے ساتھ پہنچے اس کو اس کی آخری نماز کہتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۲۴ ج ۲) ❽ ...... اکیلے عصر کی نماز پڑھنے والے کو دوبارہ جماعت کے ساتھ نفل کی نیت سے پڑھنے دیتے تھے۔ (المحلی صفحہ ۵ ج ۳) ❾ ...... حاجی یا مجاہد کے علاوہ کسی دوسرے کو قصر نماز کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (المحلی صفحہ ۲۶۸ ج ۴) ❿ ...... سورہ "ص" میں سجدے کے قائل نہ تھے۔ (بیہقی صفحہ ۳۱۹ ج ۲) ⓫ ...... سجدے کی حالت میں کہنیوں اور بازوؤں کو زمین پر رکھنے کے قائل تھے۔ (بیہقی صفحہ ۸۱ ج ۲) ⓬ ...... مصراۃ (ایسا جانور جس کا دودھ روکا ہوا ہو) کے متعلق کہتے تھے کہ خرید کرنے والے کو واپس کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کے ساتھ کھجور کا ایک صاع بھی

دے۔ (بخاری صفحہ ۲۸۸ ج ۱) ⓭...... التحیات میں السلام علی النبی کہنے کے قائل تھے۔ (بخاری صفحہ ۹۲۶ ج ۲) ⓮...... رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے بجائے گھٹنوں کے درمیان میں تطبیق کرتے تھے یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔ (ابو داؤد صفحہ ۱۰۹ ج ۱) ⓯...... بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۲۰ ج ۱) ⓰...... جماعتی تین ہونے کی صورت میں مقتدیوں کو امام کے دائیں اور بائیں طرف کھڑے کرتے تھے نہ کہ پیچھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۸۷ ج ۲) وغیرھم من المسائل جن میں حنفی مذہب ابن مسعود کے خلاف ہے۔

**قارئین کرام!** یہ آخری تین مسائل امام محمد بن الحسن الشیبانی کتاب الآثار صفحہ ۲۲ میں لائے ہیں کہ "اخبر نا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة بن القیس و لاسود بن یزید قالا کنا عند ابن مسعود رضی اللہ عنہ اذ حضرت الصلوٰة فقام یصلی فقمنا خلفه فاقام احدنا عن یمینهٖ و الآخر عن یساره ثم قام بیننا فلما فرغ قال هكذا اصنعوا اذا كنتم ثلاثة وكان اذا ركع طبق وصلی بغیر اذان ولا اقامة قال یجزی اقامة الناس حو لنا." یہ احناف کے سرتاج امام محمد کی اپنی کتاب کی روایت ہے اور سند بھی وہ ہے جو کہ احناف کے نزدیک قابل فخر ہے۔ یعنی امام محمد امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اپنے مایہ ناز استاد حماد بن ابی سلیمان سے وہ ابراہیم نخعی سے جن کے اقوال پر اکثر وبیشتر فقہ حنفی کی بنیاد رکھی گئی ہے اور اکثر مسائل میں ان ہی کا قول یا فتویٰ ان کے لیے سند ہوتا ہے۔ (حجة الله البالغة صفحه ١٤٦ ج ١) ابراہیم پھر علقمہ اور اسود سے اور وہ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں۔ اس قسم کی سند احناف کے لیے سلسلة الذهب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے باوجود بھی ان تینوں مسائل میں ابن مسعود کے خلاف ہیں۔ حالانکہ انہیں اپنے مذہب کا منبع بلکہ ملجا وماوی سمجھتے ہیں۔ خود امام محمد یہ روایت لانے کے بعد کہتے ہیں کہ "قال محمد ولسنا ناخذ یقول ابن مسعودؓ فی الثلاثه ولٰكن نقول اذا كانوا ثلاثة تقدمهم اما مهم وصلی الباقیان خلفه و لسنا ناخذ ایضاً بقولهٖ فی التطبیق كان یطبق بین یدید اذا ركع ثم یجعلهما بین ركبتیه ولكنا نریٰ ان یضع الرجل راحتیه علیٰ ركبتیه ویفرج بین اصابعه تحت الركبتین۔ وامام بغیر اذان ولا اقامة فذا لك یجزی والا ذان والاقامة افضل۔ وان امام الصلوٰة ولم یؤذن فذ الك افضل من الترك للا قامة لان القوم صلوا جماعة وهو قول ابی حنیفة." یعنی واضح طور پر کہتے ہیں کہ ہم ان تین مسائل میں ابن مسعود کے قول کو نہیں لیتے اور آخر میں یہ کہتے ہیں کہ یہ قول ابوحنیفہ کا ہے۔ اسی طرح مسئلہ مانحن فیہ اوّل یہ کہ ابن مسعود سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ

پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ ان سے اس کا ثبوت خواہ قولاً خواہ فعلاً منقول ہے۔ اگر فرضاً وتقدیراً یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ابن مسعود سے خاص فاتحہ کی ممانعت یا ترک منقول ہے تب بھی ہم امام محمد کی طرح کہہ سکتے ہیں کہ لسنا ناخذ بقول ابن مسعود فی ھذہ المسئلة کیونکہ

؎ ایں گناھیست کہ در شہر شما نیز کنند

چونکہ احادیث صریح مرفوع موجود ہیں لہٰذا ان کو چھوڑ کر کسی غیر نبی کے فیصلے کو اپنائیں یہ بات ہمارے لیے مشکل بلکہ محال ہے۔

؎ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

## ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر

**صفحہ ۵۵**:...... میں پانچواں اثر طحاوی اور جوہر النقی کے حوالہ سے ابن عباس کا نقل کرتے ہیں۔

**جواب**:...... **اولاً**: اس اثر میں بھی فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق ہے اور ان سے اثبات کی جو روایات منقول ان میں صراحتاً فاتحہ کا ذکر موجود ہے۔ جو ذکر ہو چکی ہیں۔ ان کے الفاظ دوبارہ ذکر کرتے ہیں۔ جزء القرأة بیھقی صفحہ ٦٤۔ ❶ عن العیراز بن حریث عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال اقرأ خلف الامام بفاتحة الکتاب۔ اس اثر کے متعلق امام بیہقی صفحہ ۱۳۷ میں فرماتے ہیں کہ "فھٰذا اسناد صحیح لا غبار علیه" ❷ عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اقرأ خلف الامام جھر اولم یجھر ❸ عن عطاء عن ابن عباس قال لا تدع فاتحة الکتاب جھر الامام اولم یجھر ❹ عن حنش قال سمعت ابن عباس یقول اقرأ بفاتحة الکتاب فی کل رکعة خلف الامام.

ان آثار میں جس طرح سے فاتحہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا خاص عام پر مقدم رکھا جائے گا اور مولوی صاحب کے پیش کردہ اثر سے ماسوا الفاتحہ مراد ہوگی۔ "کما تقدم"

**ثانیاً**:...... اس سے مراد جہر القراۃ کی نفی بھی ہو سکتی ہے۔

**ثالثاً**:...... مرفوع روایت کے خلاف موقوف روایت مقدم نہیں ہوتی۔

**رابعاً**:...... ابن عباس سے جو بھی روایات منقول ہیں ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے جو ہم نے پہلے جواب میں ذکر کی ہے۔ لیکن اگر مولوی صاحب اس تطبیق سے خوش نہیں ہیں تو پھر ابن عباس کے دو قول آپس میں ایک دوسرے کے متعارض ہوں گے اس صورت میں ترجیح اس قول کو ملے گی جس کو مرفوع حدیث کی تائید حاصل ہوگی۔

**خامسا:** ......علی التقد یر اگر مولوی صاحب کے قول کے مطابق صرف ابن عباس سے نفی کی روایت کو قبول کیا جائے اور اثبات والی روایات سے بالکل چشم پوشی کی جائے تو پھر جیسا کہ دیگر صحابہ کے آ ثار اس کے خلاف ہیں جیسا کہ کچھ بیان ہوا اور کچھ آ گے آ ئے گا۔ مثلاً ابو ہریرۃ، سیّدنا عمر، عبادۃ بن الصامت کے آ ثار گزر چکے ہیں اس صورت میں یہ اثر حجت نہ ہوگا کیونکہ اختلاف کی صورت میں خود آ پ کے حنفی قبول کر چکے ہیں کہ صحابی کا قول حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ نور الانوار توضیح، تلویح اور لکھنوی صاحب کی عبارتوں سے معلوم ہوا اور یہی محدثین کا مسلک ہے ”لما اختلف الصحابة وجب الرجوع الی المرفوع۔ (فتح الباری صفحہ ۳۰ ج۳) وفی القرآن الکریم ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (النساء)

**سادسا:** ......کئی مسائل ابن عباس سے منقول ہیں جن میں حنفی ان کے خلاف ہیں ❶ ......نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ❷ ......بسم اللہ فاتحہ کی پہلی آیت ہے ❸ ...... فجر کی نماز میں قنوت ❹ ......سورۃ حج میں دو سجدے ہیں ❺ ......عصر کے بعد نفل جائز ہیں ❻ ......مس الذکر ناقض الوضوء ہے ❼ ...... مستعمل پانی کو استعمال کیا جاسکتا ہے ❽ ...... قلتین کی مقدار جتنا پانی ناپاک نہیں ہوتا ❾ ......مغرب کے بعد شفق سرخی ہے (بیہقی صفحہ ۳۱، ۴۴، ۲۰۵، ۴۶۳ ج ۲، ۱۳۰، ۱۳۶، ۲۶۲، ۳۷۳، ج ۱) ❿ ......نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں ⓫ ...... وتر ایک رکعت (قیام اللیل مروزی صفحہ ۱۱۸۔ ۲۰۵) ⓬ ...... جرابوں پر مسح (ابو داؤد صفحہ ۲۲ ج ۱) ⓭ ...... الاقعاء بین السجد تین ⓮ ......نماز میں سلام کا جواب اشارے سے دینا ⓯ ...... جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ہمیشہ سورۃ ”الم سجدہ“ اور ”الدہر“ پڑھنا ⓰ ......نماز عید میں بارہ تکبیریں ⓱ ...... نابینے کی امامت ⓲ ...... جمع بین الصلوٰتین فی السفر ⓳ ...... صلوٰۃ الکسوف کی ایک رکعت میں دو رکوع ⓴ ......آیت سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے وقت سبحان ربی الاعلیٰ کہنا ㉑ ...... جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۸۶ ج ۱، ۴۷، ۱۴۱، ۱۷۳، ۲۱۴، ۳۱۲، ۴۵۷، ۴۶۷، ۵۰۴ ج ۲، ۲۵۰، ۲۹۸، ۳۰۷ ج ۱) ㉒ ...... ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کرنا (مسلم صفحہ ۴۷۸ ج ۱) ㉓ ...... بسم اللہ جہر سے پڑھنا (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۶ ج ۱) وغیرہا من المسائل۔

اس کے بعد چھٹا اثر عمدۃ القاری کے حوالے سے خلفاء ثلاثہ ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہیں۔

## خلفاء ثلاثہ سے منقول اثر کی حیثیت

**جواب:** ...... یہ اثر منقطع غیر موصول ہے۔ عینی عبدالرزاق کا حوالہ دیتا ہے اور مصنف عبدالرزاق صفحہ ۱۳۹ ج ۲ میں اس طرح سے ہے کہ اخبرنی موسی بن عقبة ان رسول الله ﷺ ابو بکر ،

وعمر، وعثمان کانوا ینهون عن القرأة خلف الامام. موسیٰ بن عقبہ نہ صحابی ہے اور نہ تابعی بلکہ یہ تبع تابعی ہے تقریب التہذیب انہیں طبقہ خامسہ میں شمار کیا گیا ہے۔ یعنی جن کا صحابہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ صرف ایک صحابیہ ام خالد کے علاوہ کسی دوسرے صحابی سے روایت نہیں ہے۔ باقی ان کی سب روایات دوسروں سے ہیں۔ اس وجہ سے نامعلوم کہ اس سند میں کتنے واسطے گرے ہوئے ہیں۔ بلکہ مرسل ہے۔ شرح النخبہ صفحہ ۵۰ میں ہے کہ بعض اوقات ان میں چھ سات تک واسطے ملتے ہیں۔ لہٰذا یہاں پر بھی یہ امکان موجود ہے اس کی مثال مقدمہ صحیح مسلم صفحہ ۱۲ ج ۱ میں ہے کہ قال محمد سمعت ابا اسحاق ابراهیم بن عیسیٰ الطالقانی قال قلت لعبد الله بن المبارك یا ابا عبدالرحمن الحدیث الذی جآء ان من البر بعد البر ان تصلی لا بویك مع صلوٰتك وتصوم لهما مع صومك قال فقال عبدالله یا ابا اسحاق عن من هٰذا قال قلت له هٰذا من شهاب بن خراش فقال ثقة عمن قال قلت عن الحجاج بن دینار قال ثقة عمن قال قلت قال رسول الله ﷺ قال یا ابا اسحاق ان بین الحجاج بن دینار وبین النبي ﷺ مفاوز تنقطع فیها اعناق المطی۔ امام نووی شرح میں لکھتے ہیں کہ "معنی هٰذا الحکایة انه لا یقبل الحدیث اِلا باسناد صحیح.......... هنا استعارة حسنة وذالك لان الحجاج بن دینار هٰذا من تابعی التابعین فاقل ما یمکن ان یکون بینه وبین النبی ﷺ اثنان التابعی والصحابی فلهٰذا قال بینهما مفاوز ای انقطاع کثیر." اسی طرح موسیٰ بن عقبہ اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کم از کم دو واسطے ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ خبر مرفوع بلکہ معضل ہے اور خلفائے راشدین میں سے کسی سے بھی روایت نہیں ہے۔ لہٰذا درمیان میں واسطہ مجہول ہے معلوم نہیں ایک ہے یا دو ہیں یا اس سے زیادہ ہیں۔ نامعلوم کہ یہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ لہٰذا یہ روایت بھی ناقابل قبول ہے۔

**ثانیا:**...... مرفوع حدیث جو کہ فاتحہ کے متعلق صحیح اور صریح ہے اس کے خلاف ایسی مجہول سند کی کوئی حیثیت نہیں۔

**ثالثا:**...... امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اوپر گزر چکا ہے اور یہ اثر سنن دارقطنی صفحہ ۱۲۰ طبع ہند میں ہے "عن یزید بن شریك انه سأل عمر عن القرأة خلف الامام فقال اقرأ بفاتحة الکتاب قلت وان کنت انت قال وان کنت انا قلت وان جهرت قال وان جهرت" یہ اثر جزء القراءۃ بخاری صفحہ ۵ جزء القراءۃ بیہقی صفحہ ۶۰ مصنف عبدالرزاق صفحہ ۱۳۱ ج ۲، طحاوی صفحہ ۱۲۹ ج ۱ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۷۳ ج ۱، سنن الکبری صفحہ ۱۶۷ ج ۲ میں مروی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ "رواته کلهم ثقات" بلکہ عبدالرزاق میں دوسرا بھی اثر ہے "عن الحارث بن سوید ویزید التیمی قال لا

امرنا عمر بن الخطاب ان نقرأ خلف الامام" اور سنن کبریٰ میں دوسرا اثر ہے عن عبایة سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول لا صلوٰة الابفاتحة الکتاب ومعها قال قلت ارایت ان کنت خلف الامام قال اقرأ فی نفسك اھ۔ یہ اثر خود بتاتے ہیں کہ یہ روایت باطل اور مردود ہے اور امیر عمر کی طرف یہ نسبت قطعاً بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہے۔

**رابعاً:** ......اسی اثر میں مطلق قرأت ہے اور یہاں پر ہمارے ذکر کردہ آثار میں صریحاً فاتحہ کا حکم ہے۔ لہٰذا اگر آپ کی ذکر شدہ روایت کو تسلیم کیا جائے تب بھی تعارض عام اور خاص کا رہے گا اور خاص مقدم ہوگا اور فاتحہ باقی قرأت سے مستثنیٰ رہے گی۔ "کما تقرر فی مقره."

## احناف کا خلفاء ثلاثہ سے اختلاف

**خامساً:** ......تینوں خلفاء راشدین سے کئی مسائل ہیں جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں۔

چنانچہ امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی مسائل ❶......مغرب کی تیسری رکعت میں فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ ضم کرتے۔ (موطا صفحہ ۶۳) ❷......عصر کے بعد دو رکعات پڑھنے کے قائل تھے (المحلی صفحہ ۳ ج ۳) ❸......ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی صفحہ ۱۱۹) ❹......رفع الیدین کرتے تھے ❺......فجر میں قنوت پڑھتے تھے ❻......سجدہ شکر کرتے تھے ❼......سمک طافی (وہ مچھلی جو مر کر پانی کے اوپر آجائے) کو حلال سمجھتے تھے ❽......بیع اللهم بالحیوان کے قائل نہ تھے ❾......اضحیٰ کو واجب نہیں سمجھتے تھے ❿......جنازہ کے آگے چلتے تھے ⓫......مرتد عورت کو بھی قتل کرتے تھے ⓬......مجرد زانی کو رجم کرتے تھے (بیہقی ۷۳، ۲۰۲، ۳۷۱ ج ۲، ۲۵۳ ج ۹، ۲۹۲ ج ۵، ۲۶۵ ج ۹، ۲۳ ج ۴، ۲۰۴ ج ۸، ۱۷۲۳ ج ۱۰) وغیر ھا من المسائل.

امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے مروی مسائل نمبر ❶، ❷......ظہر نماز ایک مثل تک اور فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیتے تھے ❸......خون کو ناقض الوضوء نہیں سمجھتے تھے (موطا صفحہ ۵، ۲۸) ❹...... ہر جگہ جمعہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے ❺...... بسا اوقات ایک رکعت بھی نفل پڑھتے تھے ❻......بغیر ولی کے نکاح کو درست نہیں سمجھتے تھے ❼......حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں کو رجم کی سزا دینے کے قائل تھے (ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۰۲، ۲۳۲ ج ۲، ۱۲۹، ۲۹۴ ج ۴) ❽......تین رکعات وتر میں دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے کے قائل تھے (قیام اللیل للمروزی صفحہ ۱۱۹) ❾...... جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۸۸ ج ۱، ابو داؤد صفحہ ۱۸۱، المحلی صفحہ ۸۵ ج ۲) ❿......بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۶ ج ۱ بیہقی صفحہ ۴۸

ج ۲) ⓫ ...... رفع الیدین کرتے ہوئے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے ⓬ ...... تشہد میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے ⓭ ...... فجر میں قنوت پڑھتے تھے ⓮ ...... سورہ حج میں دوسجدوں کے قائل تھے ⓯ ...... سجدہ تلاوت کو واجب نہیں سمجھتے تھے ⓰ ...... جنبی امام جو بھول کر نماز پڑھائے تو وہ خود دہراتے تھے لیکن مقتدیوں کو دہرانے کا حکم دینے کے قائل نہ تھے ⓱ ...... فجر نماز کے بعد طواف کی دو رکعات کے قائل تھے (بیہقی صفحہ ۲۵، ۱۴۲، ۲۰۲، ۳۱۷، ۳۲۲، ۳۹۹، ۴۶۲، ج ۲) ⓲ ...... وتر ایک رکعت پڑھتے تھے (بیہقی صفحہ ۲۴ ج ۲) ⓳ ...... تین درہم کے برابر چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے تھے (بیہقی صفحہ ۲۵۹ ج ۸) ⓴ ...... اضحیٰ کو واجب نہیں سمجھتے تھے ㉑ ...... قضا بالیمین مع الشاھد پر فیصلہ کرتے تھے (بیہقی صفحہ ۱۷۳ ج ۱) ㉒ ...... فرض نماز کی تکبیر ہونے کے بعد سنت یا نفلی نماز پڑھنے والے کو درے مارتے تھے ㉓ ...... عصر کے بعد دو رکعتوں کے قائل تھے۔ (المحلی صفحہ ۱۱۰۔ ۲۷٤ ج ۲)

## امیر المومنین عثمان غنی سے مروی مسائل

❶ ...... عدم انزال کی صورت میں وضو کو کافی سمجھتے تھے (بخاری صفحہ ۴۳ ج ۱) ❷ ...... وتر ایک رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل للمروزی ۱۱۹) ❸ ...... فجر میں قنوت پڑھتے تھے ❹ ...... تکبیر ہونے کے بعد اس وقت تک نماز شروع نہیں کرتے تھے جب تک تمام صفوں کی درستگی کا علم نہ ہو جاتا ❺ ...... جنبی امام کو نماز دہرانے کا حکم دیتے تھے لیکن مقتدی کو نہیں (بیہقی صفحہ ۲۰۲، ۲۲، ۴۰۰ ج ۱) ❻ ...... تین درہم کے برابر چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے تھے ❼ ...... حلالہ سے منع کرتے تھے (بیہقی صفحہ ۲۶۰، ۲۰۸ ج ۸) ❽ ...... قضا بالیمین مع الشاھد پر فیصلہ کرتے تھے (بیہقی صفحہ ۱۷۳ ج ۱۰) ❾ ...... عصر کے بعد دو رکعتوں کے قائل تھے (المحلی صفحہ ۳ ج ۳) وغیرھا من المسائل۔

قارئین! یہ فتاویٰ اور مسائل خلفاء راشدین سے منقول ہیں جنہیں حنفی حضرات نہیں مانتے صرف قرأت خلف الامام کی ایک روایت پیش کرتے رہتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اپنے مطلب میں صریح کما تقدم۔ بلکہ جو امیر عمر رضی اللہ عنہ سے فاتحہ کے متعلق صحیح اور صریح روایت ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

تلك اذا قسمة ضيزى

وصفقة لا ترجع بالبشرى

آگے چھٹا اثر علی رضی اللہ عنہ کا بحوالہ طحاوی کے لکھتے ہیں۔

# سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی اثر کی اسنادی حیثیت

**جواب:** ...... یہ اثر طحاوی صفحہ ۱۲۹ ج ۱ میں اس طرح سے ہے۔ حدثنا فهد قال ثنا ابو نعيم قال سمعت محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ومر علی دار ابن الا صهانی قال حدثنی صاحب هذه الدار وكان قد قرأ علی ابی عبدالرحمن عن المختار بن عبدالله بن ابی لیلیٰ قال قال علی رضی اللہ عنہ من قرأ خلف الامام فليس على الفطرة.

**اوّلا:** ......مختار بن عبداللہ انتہائی درجے کا ضعیف ہے۔ امام ابو حاتم انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان الاعتدال صفحہ ۱۵٤ ج۳) ازدی فرماتے ہیں کہ لا يصح حديثه (لسان الميزان صفحہ ٦ ج٦) نیز امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں کہ روى على بن صالح عن الاصبهانی عن المختار بن عبد الله بن ابی لیلیٰ عن ابیه عن علی رضی اللہ عنہ من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة۔ وهذا لايصح لانه لا يعرف المختار ولا يدرى انه سمعه من ابيه ام لا وابوه من علی ولا يحتج اهل الحديث بمثله. امام ابن حبان کتاب المجروحین (صفحہ ۸ ج ۳) میں فرماتے ہیں کہ مختار بن عبدالله بن ابی لیلیٰ یروی عن ابيه روى عنه ابن الاصبهانی فی القرأة خلف الامام منكر الحديث قليل الرواية فلا ادرى اهو المعتمد لذلك كان اوابوه وايما كان منهما بطل الاحتجاج بروايته. ثابت ہوا کہ مختار بن عبداللہ سخت ضعیف اور نا قابلِ اعتبار ہے۔ بلکہ ان عبارتوں سے چند اور علّتیں بھی معلوم ہوئیں۔

**اوّل:** ...... یہ کہ طحاوی کی سند میں راوی گرا ہوا ہے پوری سند اس طرح سے ہے۔ عن المختار بن عبدالله بن ابی لیلیٰ عن ابيه عن علی. یعنی مختار اور علیؓ کے درمیان میں مختار کے والد عبداللہ کا واسطہ ہے۔ جس طرح سے امام بخاری اور ابن حبان نے ذکر کیا۔ نیز امام بیہقی جزء القراءۃ صفحہ ۱۳۴ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ عبداللہ مجہول ہے۔ میزان الاعتدال صفحہ ۴۸۳ ج ۲ میں ہے کہ عبدالله بن ابی لیلیٰ لا يعرف والخبر منكر روى عنه ابنه المختار. امام عقیلی انہیں ضعفاء میں شمار کرتے ہیں (لسان الميزان صفحہ ۳۳۰ ج۳)

**دوسری اور تیسری علت:** یہ ہے کہ جیسا کہ امام ابن حبان کے کلام سے معلوم ہوا کہ یہ مختار اور ان کا والد روایات بنانے والے ہیں۔

**چوتھی اور پانچویں علت:** یہ ہے کہ جو امام بخاری کی کلام سے ظاہر ہوئی۔ مختار کا اپنے والد سے سماع نہیں اور والد کا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ اس روایت میں دو مقام پر سند میں انقطاع ہے۔

چھٹی علت: یہ ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی قابل حجت نہیں ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ کان سیء الحفظ و مضطرب الحدیث امام شعبی فرماتے ہیں کہ ما رایت اسوأ حفظا من ابن ابی لیلیٰ. نیز فرماتے ہیں کہ افادنی ابن ابی لیلیٰ احادیث فاذا ھی مقلوبۃ. امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ کان سیء الحفظ شغل بالقضاء فساء حفظه لا یتھم بشیءٍ من الکذب انما ینکر علیه کثرۃ الخطأ یکتب حدیثه ولا یحتج به. امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ فاحش الخطأ ردئ الحفظ فکثرت المناکیر فی روایته امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ "ردئ الحفظ کثیر الوھم" امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ لا یحتج به امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ "کان سیئ الحفظ واھی الحدیث" امام ابواحمد الحاکم کہتے ہیں کہ "عامة احادیثه مقلوبة." امام ساجی فرماتے ہیں کہ "کان سیئ الحفظ لا یتعمد الکذب فکان یمدح فی قضائه فاما فی الحدیث فلم یکن حجة." امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ لیس بالحافظ (تھذیب صفحہ ۳۰۲-۳۰۳ ج ۹) یعنی یہ راوی حافظہ کا ردی اور کمزور بے شمار خطائیں اور وہم کرنے والا ہے۔ لہٰذا ان کی احادیث تبدیل اور متغیر ہیں۔ ان کی کوئی بھی روایت دلیل یا حجت کے قابل نہیں ہے۔

ساتویں علت: یہ ہے کہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔ بعض طرق میں عن المختار بن عبداللہ عن علی ہے بعض میں عن المختار عن ابیه عن علی ہے، جس طرح کہ امام بیہقی جزء القراءۃ صفحہ ۳۲ میں لائے ہیں یہ مجموعی طور پر سات علتیں ہیں۔ جن میں سے پہلی علت یعنی مختار راوی کے ضعیف ہونے والی علت ملانے سے مجموعی آٹھ علتیں ہیں۔ جس وجہ سے یہ روایت مردود اور باطل ہے۔ اوپر عبارت میں گزرا کہ امام بخاری اس روایت کو لا یصح کہتے ہیں اور حافظ ذہبی انہیں منکر کہتے ہیں۔ امام ابن حبان کے کلام سے ظاہر ہوا کہ یہ روایت بناوٹی ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ ھو المتعمد لذالك کان وابوه الخ یعنی مختار یا ان کے والدان دونوں میں سے کسی ایک کی گھڑی ہوئی ہے۔ امام بیہقی جزء القراءۃ صفحہ ۱۳۳ میں امام دارقطنی سے نقل کرتے ہیں کہ لا یصح اسنادہ خود فرماتے ہیں کہ باسنادہ واہ ضعیف یکفی ذکرہ واختلاف الرواۃ فیه عن بیان ضعفه اور صفحہ ۱۳۳ میں امام ابن المدینی سے نقل کرتے ہیں کہ "قال سمعت عبدالرحمن قال سألت سفیان الثوری عن حدیث ابن الا صبھانی فی القرأۃ خلف الامام فقال قد سالت عنه فشك فیه او فلم یصححه صفحہ ۱۳۴ میں اپنے استاد امام حاکم کے واسطہ سے حافظ ابوعلی نیساپوری سے نقل کرتے ہیں کہ "ھذا الحدیث مضطرب الاسناد فاسد لا یجوز الاحتجاج بھذا لاسناد ولا یوقف علی سماع عبدالرحمن بن

الاصبھانی عن المختار بن ابی لیلیٰ ولا سماع المختار بن ابی لیلیٰ عن علی رضی اللہ عنہ ۔ امام ابن خزیمہ سے نقل کرتے ہیں کہ قال لم نسمع لمختار بن عبداللہ ولا لعبد اللہ بن ابی لیلیٰ الا فی ھذا الخبر وھذا کذب وزور عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۔ امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۵ ج ۲ میں مختار کے والد عبداللہ بن ابی لیلیٰ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ یروی عن علی من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ ، روی عنہ ابنہ المختار بن عبداللہ وھذا شیءٍ لا اصل لہ عن علی لان المشھور عن علی ماروی عنہ عبید اللہ بن ابی رافع انہ کان یری القرأۃ خلف الامام وابن ابی لیلیٰ ھذا رجل مجھول ما اعلم لہ شیئا عن علی غیر ھذا الحرف المنکر الذی یشھد اجماع المسلمین قاطبۃ ببطلا نہ وذلك ان اھل الصلاۃ لم یختلفوا من لدن الصحابۃ الی یومنا ھذا ممن ینسب الی العلم منھم ان من قرأ خلف الامام تجزیہ صلوٰتہ وانما اختار اھل الکوفۃ ترك القرأۃ خلف الامام فقط لا انھم لم یجیزوہ ففی اجماعھم علیٰ اجازۃ القرأۃ خلف الامام دلیل علیٰ بطلان روایۃ ابن ابی لیلیٰ ھٰذا ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں. بلکہ علی رضی اللہ عنہ سے ایک مشہور سند سے روایت ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کے قائل تھے۔ اس کا راوی عبداللہ بن ابی لیلیٰ مجہول ہے جس کی اس منکر کے علاوہ اورکوئی روایت نہیں۔ جس کے باطل ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے اس وجہ سے صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر ہمارے (ابن حبان) زمانے تک سب نمازی اہل علم اس پر متفق ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کی نماز ہوجائے گی اور اگر چہ اہل کوفہ نے ترك القرأۃ خلف الامام کواختیار کیا ہے لیکن ناجائز انہوں نے بھی نہیں کہا۔ جس کا معنی یہ ہوا کہ قرأت خلف الامام کے جائز ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور یہ اتفاق اس روایت کے باطل ہونے کے لیے کافی دلیل ہے۔ امام عبدالبر الاستذکار صفحہ ۱۹۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ وھو غیر ثابت عن علی ۔ علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ صفحہ ۱۳ ج ۲ مین امام الدارقطنی امام ابن حبان کی کلام نقل کر کے اس پر کوئی رد نہیں کرتے۔ اس طرح رئیس الاحناف ابن ہمام فتح القدیر میں بھی دونوں کا قول نقل کرتے ہیں اور اس پر رد نہیں کرتے ۔ اس طرح علامہ لکھنوی حنفی امام الکلام صفحہ ۲۲ میں بھی دار قطنی ، ابن حبان اور ابن عبدالبر کا کلام نقل کرتے ہیں اور اسے رد نہیں کرتے۔ امام ابوجعفر عقیلی کتاب الضعفاء صفحہ ۲۲۹ ج ۱ میں اس روایت کے متعلق امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ "ولا یصح" پھر روایت لاکر فرماتے ہیں کہ "ولا یتابع علیہ ." امام ابن ابی حاتم الرازی الجرح والتعدیل صفحہ ۳۰۲ ج ۲ ق ۲ میں اپنے والد ابو

حاتم سے اس روایت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ "ولا یصح" اور حافظ ابن حجر درایۃ صفحہ ۱۶۵ اطبع مصر میں فرماتے ہیں کہ "وضعفه البخاری فی جزء القراءة وقال ابن حبان فی ترجمة عبدالله بن ابی لیلیٰ من الضعفآء هذا باطل" امام ابن جوزی کتاب الضعفاء والواضعین صفحہ ۳۶۷ قلمی میں مختار بن عبداللہ کے ترجمہ میں ذکر کرتے ہیں اور محدثین کی کی ہوئی جرح لاتے ہیں۔ خاص طور پر ابن حبان کا قول کہ ان باپ اور بیٹے دونوں میں ایک احادیث گھڑنے والا (وضاع) ہے

**ناظرین**: ...... امام ابن حبان کی کلام سے اس روایت کے متعلق دوسری علتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ یہ روایت باطل ہونے کے ساتھ ساتھ منکر بھی ہے کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے جو مشہور روایت ہے اس میں قرأت خلف الامام کا ثبوت ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے اس وجہ سے باطل کہی جائے گی۔ اس وجہ سے حافظ ذہبی اس کو منکر کہتے ہیں کما تقدم اور اسی طرف امام بخاری نے بھی اشارہ کیا ہے۔ نیز امام ابن خزیمہ نے بھی ایسی تصریح کی ہے۔ جیسا کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا؛ دوسری یہ کہ اس روایت کا مضمون اجماع اہل العلم کے خلاف ہے لہٰذا روایت کے لحاظ سے باطل ہونے کے ساتھ ساتھ روایت کے لحاظ سے بھی مردود اور ساقط ہے۔ اس طرح مجموعی دس علتیں ہوتی ہیں۔ جو اس روایت کو باطل بناتی ہیں۔

الغرض اس روایت کو باطل اور مردود کہنے پر عام ائمہ حدیث متفق ہیں، مثلاً سفیان الثوری عبدالرحمن بن مہدی، علی بن المدینی، بخاری، ابو حاتم، ابن خزیمہ، ابن حبان عقیلی، دار قطنی، ابو علی، الحافظ ابو عبداللہ الحاکم بیہقی، ازدی، ابن الجوزی، الذہبی، اور ابن حجر العسقلانی، یہ تمام تر اس روایت کے واہی اور ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔ اسی طرح احناف کے سرتاج علامہ زیلعی، ابن الہمام اور لکھنوی بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔ بلکہ امام ابن خزیمہ تو اس کو سیدھا سا علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ اور بہتان کہتے ہیں۔ پھر ایسی جھوٹی اور باطل روایات سے مولوی صاحب گھر بیٹھے ہوئے اپنے آپ کو خوش کر سکتے اور تسلی تو دے سکتے ہیں۔ لیکن مقابلے میں اس قسم کی روایت لانا اپنا پردہ فاش کرنے کے مترادف ہے ؎

قد ظهرت فلا تخفى على احد

الا على احد لا يعرف القمرا

**ثانیا**: ...... اس روایت کا مولوی صاحب نے ترجمہ یہ کیا ہے کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی وہ فطرت پر نہیں ہے۔"

مولوی صاحب!

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم

جنید وشبلی وعطار شد مست

امام عبداللہ بن مبارک کے قول سے ثابت ہوا کہ صحابہ خواہ تابعین بلکہ تبع تابعین کے زمانہ میں بھی سب امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ پھر معاذ اللہ بقول شما ان میں سے کوئی بھی فطرت پر نہ تھا۔ خود ابن المبارک کہتے ہیں کہ ''انا اقرأ'' ''میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہوں۔'' آپ کے اکابر انہیں حنفی شمار کرتے ہیں۔ طبقات حنفیہ میں انہیں فخر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ دیکھیے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ مصنف عبدالقادر القرشی صفحہ ۲۸۱ ج ۱، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مصنف لکھنوی صاحب صفحہ ۱۰۳۔ کیا آپ انہیں بھی کہیں گے کہ وہ فطرت پر نہ تھے۔ اس طرح کئی صحابہ کے آثار ذکر کیے ہیں مثلاً علی، ابن مسعود، جابر، ابن عمر، وغیرہم وہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس طرح امام شافعی اور دیگر جو بھی آئمہ دین قرأت کرتے تھے وہ سب فطرت سے دور تھے! بلکہ امام ترمذی سنن میں فرماتے ہیں فرأى اكثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعين ومن بعد هم القرأة خلف الامام وبه يقول مالك وابن مبارك والشافعی واحمد واسحاق ان سب کو آپ فطرت سے باہر کریں گے؟ کتنے آپ کے احناف بھی اس کے قائل اور عامل تھے۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح بخاری صفحہ ۱۴ ج ۶ علٰی سبيل الاحتياط فی جميع الصلوٰت ومنهم من استحسنها فی غير الجهريه. ملاں جیون کتاب التفسيرات الاحمدیه صفحہ ۴۲۷ میں لکھتے ہیں کہ فان رأيت الطائفة والصوفية المشائخين الحنفيه تراهم سيتحسون قرأة الفاتحة للمؤتم كما استحسنه محمد ايضاً فيما روی عنه. اب آپ اپنے ان بھائیوں کو بھی فطرت سے باہر نکالیں؟ اسی طرح احناف کے مجتهد فی المذهب شیخ عبدالرحیم جنہیں شیخ التسلیم مانا جاتا ہے۔ وہ بھی امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اثر (۸) کے جواب میں آئے گا۔ ان شاء اللہ کیا اس کے لیے بھی کہیں گے کہ وہ فطرت پر نہ تھا؟ اس روایت کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ قرائن کافی ہیں۔

**ثالثاً**: ......امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے صراحتاً امام کے پیچھے قرأت کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ جزء القراءۃ بخاری صفحہ ۸ طبع دہلی میں ہے کہ ''وقال لنا اٰدم ثنا شعبة ثنا سفيان بن حسين سمعت الزهری عن ابن ابی رافع عن علی بن ابی طالب انه كان يامر ويحب ان يقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة وفی الاخريين بفاتحة الكتاب. یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۷۳ ج ۱ میں ہے امام بیہقی سنن کبری صفحہ ۱۶۸ ج ۲ اور جزء القرأۃ صفحہ ۶۲ میں روایت کرتے

ہیں اور اس کو صحیح کہتے ہیں اور صفحہ ۱۳۴ میں فرماتے ہیں کہ "وھذا الاسناد من اصح الاسانید فی الدنیا یعنی یہ سند دنیا میں تمام سندوں سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن ابی شیبہ میں دوسرا اثر ہے حدثنا حفص بن غیاث عن اشعث عن الحکم وحماد ان علیا کان یامر بالقرأۃ خلف الامام" یہ اثر بیہقی جزء القراءۃ میں لائے ہیں۔ ان صحیح روایات کے خلاف اوپر والی روایت جو ظاہراً بناوٹی ہے وہ کس طرح قبول کی جا سکتی ہے۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ "قد امالیت خبر الزھری عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ کان یقول اقرأ فی الظھر والعصر خلف الامام فی کل رکعۃ بام الکتاب وسورۃ وھذا اسناد متصل قد رواہ العدول الزھری الذی لم یکن فی زمانہ اعلم بالاخبار ولا احفظ لھا ولا احسن سیاقا للحدیث منہ عن عبید اللہ بن ابی رافع کاتب علی رضی اللہ عنہ ولا یرفع ھٰذا الخبر الذی رویٰ باسناد صحیح متصل بروایۃ مثل المختار بن عبید اللہ عن ابیہ الا جاھل بالعلم اومتجاھل ولا یعتقد ھذہ المقالۃ التی روایۃ فی خبر ابن ابی لیلیٰ ولا یضیفھا الی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مع علمہ وجلالتہ وفقھہ من یعرف احکام الاسلام اذا الفطرۃ عند من یحتج بھذا الخبر ھی الاسلام فیجب علی قود مقالۃ المحتج بھٰذا الخبر ان یری القاری خلف الامام مخالفا للا سلام ومخالف الاسلام غیر مسلم وبسط الکلام فی ھذا ولا یقول بھذا احد نعلمہ اھـ۔

یعنی جب صحیح اور متصل طرق سے زہری جیسے عظیم امام (ان کے زمانہ میں ان جیسا کوئی دوسرا حدیث کا عالم نہ تھا) یہ علی رضی اللہ عنہ کے کاتب سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ایسی صحیح روایت کو مختار کی روایت کی وجہ سے چھوڑ دینا عالم کا کام نہیں ہے اور جنھیں اسلام کے احکام معلوم ہیں اور اس قسم کے مقولہ (امام کے پیچھے قرأت کرنے والا فطرت پر نہیں ہے) کو علی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر عالم اور فقیہ صحابی کی طرف ہرگز منسوب نہیں کرتے۔ (جزء القراءۃ للبیھقی صفحہ ١٣٤)

## احناف کا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف

**قارئین:**...... علی رضی اللہ عنہ سے کئی مسائل مذکور ہیں جو کہ حنفی مذہب کے خلاف ہیں۔ مثلاً:

❶ جرابوں پر مسح کرنا (ابو داؤد صفحہ ۲۱ ج ۱) ❷ عصر کے بعد دو رکعات پڑھنا (المحلی صفحہ ۳ ج ۳) ❸ تیمّم میں کلائی تک ہاتھوں پر مسح کرنا ❹ میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا ❺ فجر کی نماز غلس یعنی اندھیرے

میں پڑھنا ❻ الصلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد صلوٰۃ الفجر لینا ❼ وَانْحَرْ کا معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا۔ (الھداد ہندی حنفی شرح ہدایہ قلمی صفحہ ۴۷ ج ۱ میں بھی اس طرح ان سے نقل کرتے ہیں ❽ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو سورت فاتحہ کی آیت کہنا ❾ بسم اللہ جہر سے پڑھنا ❿ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا ⓫ سبح اسم ربك الاعلى کا جواب سبحان ربی الاعلیٰ سے دینا ⓬ سورۃ حج میں دو سجدے کرنا ⓭ سجدہ شکر کا قائل و عامل ہونا ⓮ دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنے کو کافی سمجھنا ⓯ وتر میں رکوع سے سیدھا ہونے کے بعد قنوت پڑھنا ⓰ صلوٰۃ الکسوف میں ایک رکعت میں چار رکوع کا قائل ہونا ⓱ خاوند کا اپنی بیوی کو غسل دینا ⓲ جنازے میں آپ سے چھ تکبیروں کا ثابت ہونا ⓳ نماز جنازہ میں سلام ایک طرف پھیرنا ⓴ عورت کا بغیر ولی کے نکاح کو رد کرنا ㉑ حرام فعل یعنی زنا سے حلال نکاح کو حرام کہنے کا قائل نہ ہونا ㉒ نکاح سے قبل کسی طلاق کا قائل نہ ہونا ㉓ جبری طلاق کو معتبر نہ جاننا ㉔ مجرد زانی کو حد کے ساتھ ایک سال جلا وطن کرنا ㉕ لوطی کو رجم کی سزا دینے کا قائل ہونا ㉖ تین دن کے بعد اضحیٰ کے گوشت سے منع کرنا ㉗ قضا بالیمین مع الشاہد پر فیصلہ دینا۔ بیہقی صفحہ ۲۰۲، ۳۰۵، ۴۵۶، ۳۶۱ ج ۱، ۳۰، ۴۵، ۴۸، ۲۰۴، ۳۱۱، ۳۱۷، ۳۷۱، ۴۱۵ ج ۲، ۲۹، ۳۳۰، ۳۹۶ ج ۳، ۳۹، ۴۳، ۴ ج ۴، ۱۱۱، ۱۶۸، ۳۲۰، ۳۵۷ ج ۷، ۲۲۳، ۳۳۲ ج ۸، ۲۹ ج ۹، ۱۸۳ ج ۱۰) ㉘ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے ㉙ وتر کو واجب نہیں کہتے تھے (قیام اللیل للمروزی صفحہ ۱۱۹۔۱۱۴) وغیرھا من المسائل تعجب ہے کہ اتنے مسائل جو علی رضی اللہ عنہ سے معتبر سند کے ساتھ مروی ہیں ان کی حنفی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ لیکن ایک جھوٹی روایت، جسے اپنے مذہب کے موافق سمجھتے ہیں اس کو ذکر کر کے اپنے دلائل کے نمبر بڑھاتے ہیں۔

آگے آٹھواں اثر جزء القراءۃ بخاری اور موطا محمد کے حوالے سے سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔

**جواب**: ...... **اولاً**: امام بخاری جزء القراءۃ صفحہ ۷ میں یہ اثر اس کی علت اور ضعف بیان کرنے کے لیے لائے ہیں، چنانچہ صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں کہ "روی داوٗد بن قیس عن ابن نجاد رجل من ولد سعد عن سعد وددتُ ان الذی یقراء خلف الامام فی فیه جمرة وهذا مرسل وابن نجاد لم یعرف ولا سمی ولا یجوز لاحد ان یقول فی القاری خلف الامام جمرة لان الجمرة من عذاب الله وقال النبی ﷺ لا تعذبوا بعذاب الله ولا ینبغی لاحد ان یتوهم ذلك علی سعد مع ارساله وضعفه." یعنی امام بخاری اس روایت میں تین علتیں بیان فرماتے ہیں۔ 

**اولاً**: ...... اولا یہ کہ ابن نجاد مجہول ہے جس کے نام بھی معلوم نہیں۔ علامہ لکھنوی حنفی التعلیق الممجد صفحہ ۹۷ میں

اس کو مجہول تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ عبارت آگے آئے گی۔ دوسری علت یہ کہ جب یہ مجہول ہے تو پھر نامعلوم سعد رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ہے بھی کہ نہیں۔ اس وجہ سے روایت مرسل اور منقطع کہلائے گی تیسری علت یہ ہے کہ یہ روایت درایۃً بھی باطل ہے۔ کیونکہ اس طرح کہنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں انگارے پڑیں۔ کیونکہ انگارے اور آگ اللہ کا عذاب ہے جس سے کوئی دوسرا عذاب نہیں دے سکتا۔ جو کہ اس حدیث میں منع ہے۔ لہٰذا اگرچہ یہ حدیث ضعیف اور مرسل ہے اس کے باوجود بھی درایۃً ظاہر کرتی ہے کہ اس قسم کے کلام کی سعد رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنے کا وہم یا خیال کسی بھی مسلمان کے لیے لائق نہیں ہے۔ یہی امام بخاری کی کلام امام بیہقی کتاب القراءۃ صفحہ ۱۴۹ میں اس روایت کو رد کرنے کے لیے ذکر فرماتے ہیں۔ نیز موطا محمد صفحہ ۹۷ بھی اسی سند سے ہے۔ قال محمد اخبر نا داود بن قیس الفراء المدنی اخبر نی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انه ذکر له ان سعدا قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة . یہ ولد سعد وہی ابن نجاد ہے۔ جس کا مجہول ہونا بیان ہوا بلکہ اس سند پر مزید کلام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ امام محمد کا اپنا حال اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ائمہ حدیث اس پر کس طرح سے جرح کرتے ہیں اور یہاں پر بعض ولد کہنا کہ "انه ذکر له ان سعداً قال" الخ . صاف بتاتا ہے کہ اس مجہول راوی کا سعد سے بالمشافہ سماع نہیں ہوا بلکہ کسی دوسرے نے خبر دی ہے۔ جو کہ پتہ نہیں کون ہے؟ اس طرح اس سند میں مجہول راوی بھی ہے اور یہ چوتھی علت سمجھنی چاہیے اور اس سے امام بخاری کا اس سند کو منقطع کہنے کی تائید ہوتی ہے علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۹۷ میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ قال ابن عبدالبر فی الاستذکار هذاحدیث منقطع لا یصح انتهی . الغرض یہ روایت بھی غیر ثابت اور مردود ہے۔

**ثانیاً:** ......سلف اور خلف میں لاتعداد سے قرأت خلف الامام ثابت ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ جس میں صحابہ تابعین اور ائمہ دین شامل ہیں۔ پھر مولوی صاحب ان سب کے منہ میں انگارے ڈالیں گے؟

**ثالثاً:** ......آپ کا ایک بڑا حنفی امام کے پیچھے الحمد پڑھتا تھا جس کے متعلق لکھنوی صاحب امام الکلام صفحہ ۳۸ میں نقل کرتے ہیں اور انہیں ان القاب سے یاد کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ائمة الاعلام فی العالم محی مراسم الدین بین الامم الماحی بسطوتة سیاط البدع وآثار الظلم السعید الشهید نظام الملة والدین عبدالرحیم المشهور بین الانام بشیخ التسلیم وهو مجتهد فی مذهب ابی حنیفة باتفاق علمآء وما ورآء النهر وخراسان انه کان یقول یستحب الاحتیاط فی ما یروی عن محمد ویعمل بذلك ویقول لو کان فی

فمی جمرت یوم القیامۃ احب الیّ من ان یقال لا صلوٰۃ لک۔اھ۔ اب مولوی صاحب اپنے مجتہد اور بزرگ کے منہ میں بھی انگارے ڈالیں گے؟ بلکہ ان کے کلام سے کئی اہم باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ اپنے نزدیک اس روایت کو قطعاً باطل اور لاشیءِ شمار کرتا ہے۔ دوم ان کی تحقیق کے مطابق فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کے متعلق کوئی بھی روایت ثابت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے باوجود آپ کی ان خطرناک دھمکیوں کے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ سوم یہ کہ عبادہ کی جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو خاص طور پر فرمایا کہ فاتحہ کے بغیر کوئی بھی نماز نہیں اسے شیخ عبدالرحیم صحیح سمجھتے ہیں تبھی تو اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ چہارم ان کی کلام سے ظاہر ہوا کہ اس حدیث کو دیگر سب مخالف روایتوں پر ترجیح دیتا ہے۔ پنجم وہ لاصلوٰۃ والی روایت سے ڈرتے ہیں۔ لیکن آپ کی نقل کردہ روایات کی پرواہ نہیں کرتے۔ ششم بلکہ معلوم ہوا کہ وہ اس مسئلہ میں ثابت قدم رہے گویا کہ مقابلے میں جواب دے رہے ہیں۔ جو انہیں ڈراتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں انگارے ڈالے جائیں گے ان کو جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن میرے منہ میں انگارے ڈالے جائیں اس سے بہتر ہے کہ میری نماز رد کردی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ اس قسم کا سخت جواب وہی دے سکتا ہے جو ایسی روایات کو کسی گنتی میں نہ لاتا ہو۔

**رابعاً:** ......اگر باوجود اتنی حالتوں کے اس اثر کو صحیح تسلیم کیا جائے تب بھی ظاہر مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے جہر سے پڑھنے والے کے لیے یہ حکم ہے کیونکہ انگارے ڈالنے والے کو کیا پتہ کہ امام کے پیچھے پڑھ رہا ہے یا خاموش ہے۔ جب تک جہر سے نہ پڑھے تب تک پتہ نہیں چلے گا۔ لہٰذا یہ اثر محل نزاع سے خارج ہے۔

**خامساً:** ...... بعض ایسے مسائل سعدؓ سے منقول ہیں جو آپ کے مذہب کے خلاف ہیں۔ ❶ مس الذکر کو ناقض الوضوء کہتے ہیں (الموطا صفحہ ۳۰) ❷ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل للمروزی صفحہ ۱۲۰) ❸ کھڑے ہوکر پانی پینے کو جائز کہتے تھے (بیہقی صفحہ ۲۸۳ج ۷) ❹ جرابوں پر مسح کرنے کے قائل تھے (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۸۹) ❺ مغرب کی نماز کی طرح وتر پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ (مصنف عبدالرزاق صفحہ ۳ ج ۳)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''بعض حضرات کو غصہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا نقل کردہ بیان ہے۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** ہمیں غصہ نہیں آتا۔ کیونکہ ایسے جھوٹ مخالفین پھیلاتے رہتے ہیں لیکن آپ خود کو سنبھالیں کہیں آپ کو غصہ نہ آئے۔ کیونکہ امام صاحب اس اثر کو باطل قرار دیتے ہیں اور اس جملے کو کسی اہل علم کا کلام نہیں کہتے چہ جائیکہ کسی صحابی کی طرف منسوب کیا جائے۔

**ثانیاً**: ...... امام بخاری نے اس اثر کو جزء القراءۃ میں اسے رد کرنے اور باطل ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے اور آپ اس کو دلیل بنا رہے ہیں۔ یہ صریح خیانت ہے بلکہ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ اس اثر کو امام بخاری کی کتاب سے نقل کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ جو امام صاحب اس روایت کی حیثیت کھول کر بیان کرتے ہیں وہ بھی دیکھیں ورنہ اس طرح اختلاس مناسب نہیں۔

**صفحہ ۵٦**: ...... عمدۃ القاری کے حوالہ سے اسّی (۸۰) صحابہ سے منع نقل کرتے ہیں۔

**جواب**: ...... **اولاً**: عمدۃ القاری صفحہ ۱۳ ج ٦ طبع منیریہ میں عبارت اسی طرح ہے روی منع القرأۃ، عن ثمانین من الصحابة الكبائر منهم المرتضى والعبادلة الثلاثة " یہ ہے عبارت جو کو مولوی صاحب نے دلیل بنائی ہے۔ نہ سند ہے نہ کتاب کا حوالہ عمدۃ القاری کا مصنف عینی جو کہ نویں ہجری میں فوت ہوا اور صحابہ سے نقل کرتا ہے۔ درمیان میں کم از کم سات آٹھ صدیاں بیت چکی ہیں۔ کون سا عقل مند انسان ہے جو اس پر بھروسا کرے گا؟ خود آپ کا بھائی لکھنوی صاحب امام الکلام صفحہ ۳۲۱ میں اسے غیر معتبر کہتے ہیں "فان امثال ذلك وان ذكره كبار الفقهاء لكن اكثر هم ليسوا محدثين لم يسندوها باسانيد معتبرة في الدين ولا عزوها الى المخرجين المعتبرين فكيف يطمئن به في اثبات امر من الدين." یعنی اس قسم کی نقل کردہ باتیں معتبر نہیں ہیں ان کے ناقل اگر چہ بڑے فقیہ ہیں لیکن وہ نہ ہی معتبر محدثین کی کتب کا حوالہ دیتے ہیں۔ لہٰذا دینی مسئلہ ثابت کرنے کے لیے اس قسم کی نقل پر کس طرح اطمینان یا بھروسا کیا جا سکتا ہے

**ثانیاً**: ...... خود عینی صیغہ تمریض یعنی مجہول کے صیغے سے نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "روی منع القرأۃ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ عینی کو خود نقل کردہ بات کا حوالہ کسی کتاب سے معلوم نہ چلا صرف سنی ہوئی بات نقل کی ہے یا پھر انہیں اس نقل پر بھروسہ نہیں تھا۔ دونوں صورتوں میں نقل باطل ہوئی۔

**ثالثاً**: ...... امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرامؓ کا مذہب یہ تھا کہ امام کے پیچھے قرأت کی جائے۔ جس طرح کہ ساتویں باب میں یہ عبارت گزر چکی ہے۔ یہ عینی کی اس نقل کو غلط اور بے بنیاد ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ امام ترمذی عظیم محدث تھے اور صحابہ کرام کے زمانے کے نزدیک تھے اور عینی بہت متأخر اور بقول علامہ لکھنوی حنفی کے محدث بھی نہ تھا۔ لہٰذا اہل تحقیق امام ترمذی کی نقل کے مقابلے میں عینی کی نقل کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔

**رابعاً**: ...... اس نقل کے جھوٹے ہونے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے جو اس میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ قرأت خلف الامام کا حکم دیتے تھے۔ اثر نمبر سات کے جواب میں تفصیل سے بیان ہوا۔ سچ

ہے کہ ”دروغ گورا حافظہ نہ باشد“ بات بنانے والے نے یہ سوچا نہ تھا کہ وہ کن لوگوں کے نام لے۔

**خامساً**:...... اس نقل میں عبادلۃ الثلاثۃ کا بھی نام ہے جس سے کیا مراد لی جائے؟ عبداللہ کے نام سے مشہور صحابہ پانچ ہیں۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ پہلے تینوں قرأت خلف الامام کے قائل تھے، جیسا کہ صفحہ ”۱۴ اور ۱۵“ کے جواب میں بیان ہوا۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر جزء القراءۃ بیہقی صفحہ ۸۶ میں اس طرح سے ہے ”انه كان يقرأ خلف رسول الله ﷺ اذا انصت فاذا قرأ لم يقرأ فاذا انصت قرأ وكان رسول الله ﷺ يقول كل صلوٰة لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نامکمل ہے اس طرح جھوٹی روایت پکڑی جاتی ہے ایسے لوگوں کا نام لیا ہے جن سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ ابو بکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کا قول ہے ”ان الله عزوجل اعاننا على الكذابين بالنسيان (اخرجه العقيلي في مقدمة الضعفاء صفحه ٦ ج ١ قلمي)

**خامساً**:...... اوپر بیہقی جزء القراءۃ صفحہ ۶۹ پر روایت گزری کہ انهم يقرؤن خلف رسول الله ﷺ اذا انصت فاذا قرء لم يقرؤا واذا انصت قرؤا“ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سکتات میں قرأت کرتے تھے۔ عینی کی اس نقل کو رد کرنے کے لیے کافی ہے۔

اس کے بعد روح المعانی کے حوالے سے شعبی کا اثر نقل کرتے ہیں۔

**جواب**:...... **اولاً**: روح المعانی کی عبارت اس طرح سے ہے وقال الشعبي ادركت سبعين بدريا كلهم يمنعون المقتدى عن القرأة خلف الامام“ نہ تو کتاب کا حوالہ ہے اور نہ سند ہے ایسی مجہول بات کو کون قبول کرے گا بلا سند کوئی چیز قبول نہیں ہوتی۔ امام مسلم مقدمہ صحیح مسلم صفحہ ۱۲ ج ۱ میں امام عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ الاسناد من الدين ولولا الا سناد لقال من شاء وما شاء“ ان کا دوسرا قول ہے بيننا وبين القوم القوائم يعني الاسناد“ جب سند نہیں تو پھر مذہبی تعصب کی وجہ سے جس کی دل میں جو آئے وہ نقل کرے اسناد ملنے سے جھوٹ اور سچ میں تمیز ہو جاتی ہے روح المعانی کا مصنف علامہ محمود آلوسی تیرھویں صدی ہجری میں فوت ہوا ہے۔ وہ پہلی یا دوسری صدی کی باتیں کر رہا ہے درمیان میں کوئی سند نہیں اور نہ راوی کا نام ہے اور نہ ہی ناقل کا پتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کم سے کم سمجھ دی ہے وہ ایسی نقل پر اندھا ہو کر نہیں گرے گا۔

**ثانیاً**:...... اس نقل کے جھوٹے ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خود امام شعبی جس کی طرف اس نقل کی

نسبت کی گئی ہے وہ خود قرأت خلف الامام کا قائل تھا۔ چنانچہ امام بخاری جزء القراءۃ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ "وکان سعید بن المسیب وعروۃ والشعبی وعبید اللہ بن عبداللہ ونافع بن جبیر وابو الملیح والقاسم بن محمد وابو مجلز ومکحول ومالك بن عون وسعید بن ابی عروبة یرون القرأۃ ." امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۷۰،۷۱ میں ان کے متعلق اثر لاتے ہیں (۱) نا ابو اسحاق الشیبانی عن الشعبی انہ کان یقول اقرأ خلف الامام فی الظھر والعصر فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وفی الاخرین فاتحۃ الکتاب (۲) نا مالك بن مغول قال سمعت الشعبی یحسن القرأۃ خلف الامام (۳) قال اقرأ خلف الامام فی خمسھن یعنی وہ حکم دیتے تھے کہ پانچوں نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کر۔

پھر جو شخص خود ظہر اور عصر بلکہ پانچوں نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کرنے کا حکم دیتا ہے اس کی طرف اس قسم کی نسبت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔

**ثالثاً**: ...... بلکہ شعبی کے دوسرے اثر یعنی مالک بن مغول کے قول سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام کو احسن سمجھتے تھے۔ بلکہ امام ابن حبان کتاب الثقات ج ۳ قلمی میں اسماعیل بن سالم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ "قال سمعت الشعبی یقول القراءۃ خلف الامام فی الظھر والعصر نور الصلوٰۃ" اب آنکھوں والے انصاف کریں کہ امام شعبی اگر واقعتاً ستر بدری صحابہ سے قرأت خلف الامام کے ممانعت سن چکے تھے تو پھر کس طرح اس کو احسن کہہ کر تعریف کرتے ہیں اور نور وروشنی کہتے ہیں۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

**رابعاً**: ...... اس میں ستر بدریوں کا ذکر ہے حالانکہ یہ بات خود ثبوت کی محتاج ہے اس روایت سے استدلال کرنے سے قبل مولوی صاحب پر لازم ہے کہ اسماء الرجال کی کسی معتبر کتاب سے ثابت کرے کہ امام شعبی واقعی ایسے ستر صحابہ سے ملے ہیں جو کہ بدری ہوں ولیس الی ذلك سبیل اس طرح ستر بدریوں کا نام لینا بھی اس روایت کو مقدوح اور مطروح بناتا ہے۔

اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا ذکر کرتے ہیں۔

**جواب**: ... اس کے لیے امام ترمذی کا قول ہی کافی ہے۔ انہوں نے جو تصریح کی ہے کہ قراءت خلف الامام کرنا اکثر صحابہ اور تابعین کا عمل ہے نیز عبداللہ بن مبارک کا قول بھی گردن توڑ ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ کوئی جماعت کے علاوہ باقی سب قرأت خلف الامام کرتے ہیں امام بخاری جزء القراءۃ صفحہ ۵ میں فرماتے

ہیں کہ وقال الحسن وسعید بن جبیر ومیمون بن مهران وما لا احصی من التابعین واهل العلم انه یقرأ خلف الامام وان جهر " یعنی بے شمار تابعی قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ اگر چہ قرأت جہری ہو اور صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں کہ وکان سعید بن المسیب وعروة والشعبی وعبید الله بن عبدالله ونافع بن جبیر وابو الملیح والقاسم بن محمد وابو مجلز ومکحول ومالك بن عون وسعید بن ابی عروبة یرون القرأة " ان تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی مولوی صاحب کو تابعین وغیرہ کا نام لے کر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم جو اقوال نقل کیے ہیں ان کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

وسوف تری اذا انکشف الغبار

افرس تحت رجلك ام حمار

ان میں پہلا اثر علقمہ کا ہے جو تعلیق الحسن کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

**جواب:** ...... یہ نقل سنداً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ التعلیق الحسن میں امام محمد کی کتاب الآثار سے نقل کردہ ہے اور اس میں صفحہ ۲۰ پر سند اس طرح ہے اخبر نا ابو حنیفة قال حدثنا حماد عن ابراهیم قال ما قرأ علقمة بن قیس قط فیما یجهر فیه ولا فیما لا یجهر فیه ولا فی الرکعتین الا خرین ام القران ولا غیر ها خلف الامام " اس سند پر کئی طرح سے کلام ہے۔ خود امام محمد پر کئی طرح سے جرح کی گئی ہے۔ جس طرح کہ تفصیل سے گزر چکا ہے لہٰذا یہ روایت کس طرح معتبر ہوسکتی ہے؟ خاص طور پر جب یہ غیر مالک سے روایت ہے جیسا کہ امام ذہبی کا کلام میزان سے نقل کیا گیا۔

**ثانیاً:** ...... ان کے استاد الاستاد حماد بن ابی سلیمان اگر چہ مشہور فقیہ ہے لیکن حدیث میں حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ "ولا یحتج بحدیثه " شعبہ فرماتے ہیں کہ "کان لا یحفظ " امام اعمش انہیں اہلسنت میں سے نہیں بلکہ مرجیہ میں شمار کرتے تھے اسی وجہ سے ان پر سلام بھی نہیں کہتے تھے۔ امام ذہلی فرماتے ہیں کہ "کثیر الخطاء والوهم " اور امام مالک فرماتے ہیں کہ کان الناس عند نا هم اهل العراق حتی وثب انسان یقال له حماد فاعترض هذا الدین فقال فیه برأیه" یعنی انہوں نے رائے کے ساتھ دین پر اعتراض کیا۔

(تهذیب صفحه ۱۶، ۱۷، ۱۸ ج ۳)

**ثالثاً:** ...... یہ حماد آخر عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔ یعنی آخری عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ جیسا کہ صفحہ ۱۷ ج ۳ میں امام ابن سعد سے منقول ہے "واختلط فی آخر عمره" مختلط کی روایت مقبول نہیں ہوتی جب

تک کہ پتہ نہ چل سکے کہ یہ روایت ان کے حافظے کے خراب ہونے سے قبل کی ہے۔ ایسا ثبوت اس جگہ پر ناممکن ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف کہی جائے گی۔

**رابعاً**: ...... ان کا استاد ابراہیم نخعی ہے ان سے علقمہ کا سماع نہیں ہے چنانچہ ابو حاتم کتاب المراسیل صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں کہ حدثنا علي بن الحسن الهنسجالي قال سمعت مسدداً يقول عبدالرحمن يعني ابن مهدي واصحابنا ينكرون ان يكون ابراهيم سمع من علقمه " جب ائمہ حدیث علقمہ سے اس کے سماع کا انکار کرتے ہیں تو پھر یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

**خامساً**: ...... اس سند میں امام محمد کے استاد ابوحنیفہ پر ائمہ جرح وتعدیل نے جو جرح کی ہے وہ ہم سب یہاں پر ذکر نہیں کرتے بعض کا ذکر آگے آئے گا جہاں پر ہم مولوی صاحب کے ان جوابات کا ذکر کریں گے جو اثبات کے دلائل کے لیے دیے ہیں۔ ان شاء اللہ۔ تاہم انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ وہ جرح وتعدیل کی کتب کا مطالعہ کریں مثلاً تاریخ كبير اور الصغير للبخاری ، كتاب الضعفاء للنسائي۔ سنن دار قطني ، كتاب التميز للامام مسلم ، كتاب الضعفاء للعقيلي ، كتاب المجروحين لابن حبان ، الطبقات لابن سعد ، العلل للامام احمد ، الجرح والتعديل للامام ابن ابي حاتم ، تاريخ بغداد للخطيب ، كتاب الضعفآء لابن الجوزي ، ميزان الاعتدال ، ديوان الضعفآء للذهبي ، وغیرھا کا مطالعہ کریں اور امام صاحب کا احوال پڑھیں۔

**سادساً**: ...... ابراہیم نخعی بھی مدلس ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر طبقات المدلسین صفحہ ۸ پر امام حاکم سے نقل کرتے ہیں۔ "انه كان يدلس" اور یہاں پر علقمہ سے سماع کی تصریح نہیں کرتے۔

قارئین! حافظ صاحب طبقات المدلسین میں ابراہیم نخعی کو مدلسین کے طبقہ ثانیہ میں شمار کرتے ہیں جس درجے میں سفیان ثوری بھی ہے حالانکہ آپ کے نیموی حنفی صاحب التعلیق الحسن علی آثار السنن صفحہ ۹۸ ج ۲ میں سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ان کی روایت قبول نہیں کرتے اور مرجوح قرار دیتے ہیں۔ جب کہ ابراہیم نخعی بھی اس کا ہم مرتبہ ہے آپ کے قاعدے کے مطابق ان کی تدلیس بھی معتبر نہیں ہوگی۔ لہٰذا یہ نقل کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہے۔

قارئین! خود علقمہ کے کئی ایسے مسائل ہیں جنھیں حنفی نہیں مانتے مثلاً ❶ ابن مسعود کے اثر کے جواب میں گزرا کہ علقمہ اور اسود دونوں نے ابن مسعود کے ساتھ کس طرح نماز پڑھی۔ اس بات کو لینے سے امام محمد نے کس طرح انکار کیا۔ ❷ جماعت ثانی کے قائل اور عامل تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۲۳ ج ۲ میں ہے کہ ان ابن مسعود دخل المسجد وقد صلوا فجمع بعلقمة ومسروق والاسود ❸ سینگی

لگوانے کے عمل کو ناقض الوضوء نہیں کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۴۳ ج ۱) ❹ چار رکعات والی نماز بھول کر اگر پانچ رکعات پڑھی جائے اور نماز کے بعد انہیں بتایا جائے تو اس کے لیے سجدہ سہو کو کافی سمجھتے تھے اور نماز درست سمجھتے تھے ان سے اس طرح منقول ہے (صحیح مسلم صفحہ ۲۱۲ ج ۱) ❺ سورۃ صٓ میں سجدہ واجب نہیں سمجھتے تھے۔ ❻ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کے قائل تھے ❼ جمعہ کے خطبہ کے وقت آہستہ پڑھنے کو حرج نہیں سمجھتے تھے (ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۰، ۲۹، ۱۲۲ ج ۲) ❽ حج میں اشتراط کے قائل تھے۔

(الاعتبار للحازمی صفحہ ۱۵۱)

آگے اسود بن یزید سے التعلیق الحسن کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں

**جواب:** ...... التعلیق الحسن ابن ابی شیبہ سے دو سندوں سے نقل کرتے ہیں ایک حدثنا ابن علیة عن ایوب وابن ابی عروبة عن ابی معشر عن ابراهیم قال قال الاسود لان اعض جمرة احب الی من ان اقرأ خلف الامام اعلم انه یقرأ ، دوسری سند اس طرح سے ہے. حدثنا هشیم قال اخبر نا اسماعیل بن ابی خالد عن وبرة عن الاسود بن یزیدانه قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملأ فاه ترابا" اس قول کی دونوں سندیں صحیح نہیں ہیں۔ پہلے میں ابراہیم نخعی مدلس ہے جیسا کہ علقمہ کے قول میں گزرا۔ دوسرے میں اسماعیل بن ابی خالد بھی مدلس ہے اور اسی طبقہ یعنی دوم میں ہے؛ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین صفحہ ۸ میں ذکر کیا ہے کہ "وصفه النسائی بالتدلیس" لہٰذا التعلیق الحسن کے مصنف نیموی صاحب کے قاعدے کے مطابق اس کی سند بھی قابل قبول نہیں ہے۔ امام بخاری جزء القراءۃ صفحہ ۷ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ "ولیس هذا من کلام اهل العلم بوجوه اما احد ها قال النبی ﷺ لا تلاعنوا بلعنة الله ولا بالنار ولا تعذبوا بعذاب الله والوجه الاخر لا ینبغی لا حد ان یتمنی ان یملأ افواه اصحاب النبی ﷺ مثل عمر بن الخطاب وابی بن کعب وحذیفة ومن ذکر نا رضفاً ولا نتناً ولا تراباً والوجه الثالث اذا ثبت الخبر عن النبی ﷺ واصحابه فلیس فی الاسود نحوه حجة قال ابن عباس ومجاهد لیس احد بعد النبی ﷺ لا یؤخذ من قوله ویترك الا النبی ﷺ" اب دیکھیں کہ مولوی صاحب ان احناف کو جو قرأت خلف الامام کرتے رہے ہیں یا شیخ التسلیم ہیں (جیسا کہ اوپر گزرا) ان سب کے منہ میں مٹی ڈالتے ہیں یا نہیں؟ اس کے علاوہ اسود کے کئی مسائل گزرے مثلاً جماعت ثانی، رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی بجائے تطبیق کرنا، تین شخص ہونے کی صورت میں امام کا دو شخصوں کے درمیان کھڑا ہونا اور عصر نماز کے بعد دو رکعات پڑھنا (المحلی صفحہ

ج۳) وغیرھا من المسائل . پھر جب آپ اسود کے یہ مسائل نہیں مانتے پھر اس مسئلے کو کس طرح مانتے ہو؟ حالانکہ یہ مسئلہ ان سے ثابت نہیں ہے۔

اس کے بعد سوید بن غفلہ کا قول التعلیق الحسن کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

**جواب**:...... یہ قول بھی نیموی نے ابن ابی شیبہ سے اس سند سے نقل کیا ہے "حدثنا الفضل عن زهير عن الوليد بن قيس قال سألت سويد بن غفلة ...... الخ . یہ نقل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ولید بن قیس کے متعلق تقریب میں لکھا ہے کہ "مقبول" جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روایت بغیر متابعت اپنے اوپر حجت نہیں ہے جیسا کہ مقدمہ تقریب میں لکھتے ہیں کہ السادسة من ليس له من الحديث الا القليل ولم يثبت فيه مالم يترك حديثه من اجله واليه الاشارة بلفظ المقبول حيث يتابع والا فلين الحديث . مطلب یہ کہ ان کی روایت بغیر متابعت کے اپنے اوپر حجت نہیں ہے لہٰذا مولوی صاحب اس روایت کو قبول کرنے سے قبل اس کی متابعت میں کوئی دوسری سند تلاش کر کے ہاتھ میں لیں ورنہ خود تعلیق الحسن کے مصنف نیموی کے کہنے کے مطابق یہ سند ضعیف ہوگی۔ چنانچہ وہ رسالہ حبل المتین میں لکھتے ہیں کہ (الا بكار المنن صفحه ١٦٧ )مولوی صاحب جن سے نقل کرتے ہیں ان ہی کے فیصلے سے یہ روایت غیر ثابت ہوئی۔ ایضاً اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے مرفوع حدیث جو فی نفسہ اس پر مقدم ہے اس میں فاتحہ کا صریح حکم ہے لہٰذا فاتحہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ایضاً سوید بن غفلۃ کے کئی مسائل آپ بھی نہیں مانتے مثلاً وہ فجر میں قنوت کے قائل تھے نیز مغرب سے قبل دو رکعات پڑھتے تھے۔

(کتاب الاعتبار للحازمی صفحہ ۹۰ اور قیام اللیل للمروزی صفحہ ٤٨)

**صفحہ ۵۷**:...... پر سعید بن میبّب سے دو روایتیں نقل کرتے ہیں پہلی بحوالہ جزء القراءۃ بیہقی۔

**جواب**:...... **اولاً**: یہ اثر بھی سنداً صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند اس طرح سے ہے "حدثنا عبدالرحمن بن مهدى عن حماد بن سلمة عن قتادة عن سعيد بن المسيب فاستمعوا له وانصتوا قال فى الصلوٰة" قتادہ راوی مشہور مدلس ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ نیز میزان الاعتدال صفحہ ۳۴۵ ج ۲ میں ذکر ہے اور حافظ ابن حجر طبقات المدلسین صفحہ ۱۴ پر طبقہ سوم میں ذکر کرتے ہیں کہ مشهور بالتدليس وصفه به النسائى وغیرہ طبقہ سوم کے متعلق صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں کہ "الثالثة من اكثر من التدليس فلم يحتج الائمة من احاديثهم الابما صرحوا فيه بالسماع ومنهم من رد حديثهم مطلقا ومنهم من قبلهم كابى الزبير . تہذیب صفحہ ۳۵۳ ج ۸ میں ہے کہ قال ابو داؤد الطيالسى عن شعبة كا ن قتادة اذا جآء ماسمع قال حدثنا واذا جاء مالم

یسمع قال قال فلان مطلب یہ کہ جس روایت کی سند میں حدثنا نہ کہے وہ اس کی سنی ہوئی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت صریحاً منقطع ہے، یہ اس سند میں دوسری علت ہے اور تیسری علت یہ ہے کہ تہذیب صفحہ ۳۵۶ ج ۸ میں ہے کہ "وقال اسماعیل القاضی احکام القرآن سمعت علی بن المدینی یضعف احادیث قتادة عن سعید بن المسیب تضعفاً شدیداً وقال احسب ان اکثر ھا بین قتادة وسعید رجال" اس تعلیل سے ثابت ہوا کہ قتادہ اور سعید کے درمیان میں کئی واسطے ہوسکتے ہیں۔

**ثانیا:** ......اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی یہ وضاحت نہیں ہوگی کہ یہ نماز میں قرأت کے متعلق ہے یا کلام کے متعلق یا کوئی دوسری بات ہے، چنانچہ ابوہریرہ صریحا وضاحت کرتے ہیں کہ نماز میں پیچھے کلام کرتے تھے۔ جس کے بارے میں حکم نازل ہوا جس طرح امام بیہقی جزء القرأة صفحہ ۷۷، ۷۸ میں متعدد طرق سے بیان کرتے ہیں۔

**ثالثا:** ......خود سعید بن میبّب فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ جس طرح تابعین کی بحث کے شروع میں امام بخاری کا کلام ذکر ہوا۔ آگے دوسری روایت آثار السنن کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

**جواب:** ......دراصل آثار السنن میں یہ روایت نہیں ہے بلکہ اس حاشیہ التعلیق الحسن صفحہ ۹۰ ج ۱ میں ہے کہ اس میں بحوالہ ابن ابی شیبہ اس سند سے ہے "حدثنا وکیع عن ھشام الدستوائی عن قتادة عن سعید بن المسیب وقال انصت للامام" یہاں پر بھی وہی قتادہ ہے۔ جو سعید بن میبّب سے "عن" سے روایت کرتا ہے حدثنا نہیں کہتا۔ لہٰذا اس میں اوپر والی تمام علتیں ہیں۔ پھر ایسی ضعیف نقل مولوی صاحب کو کون سا فائدہ دے گی؟

**ثانیا:** ......مولوی صاحب "انصت للامام" کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "امام کے پیچھے قرأت نہ کر چپ رہ" (تحفۃ الحدیث ۵۷) یہ ترجمہ غلط ہے۔ امام کے پیچھے کس جملے کا ترجمہ ہے بلکہ لفظ ہیں کہ انصت للامام یعنی امام کے لیے خاموش رہو جس کا معنی امام کے ساتھ ساتھ پڑھنا منع کرتے ہیں۔ امام کے سکتات (یعنی خاموش کے وقت) میں پڑھنے سے منع نہیں کرتے ثابت ہوا کہ سلف صالحین اور تابعین سکتات میں پڑھتے تھے۔

**ثالثا:** ......ابن مسعود کے اثر کے جواب میں تفصیل سے ثابت کیا گیا کہ انصات بمعنی ترک الجہر بھی آئی ہے لہٰذا یہاں پر یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے۔ کہ امام کے پیچھے جہر کرنے سے منع کرتے ہیں نہ کہ اصل قرأت سے کیونکہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل تھے۔ جیسا کہ بخاری کے کلام میں گزرا۔

## احناف کا سعید بن مسیّب سے اختلاف

**رابعاً**:.....سعید بن مسیب کے کئی مسائل ہیں جو آپ کے مذہب کے خلاف ہیں مثلاً ❶ مس الذکر کو ناقض الوضوء کہتے تھے ❷ سفر میں نماز قصر کرنے اور مکمل پڑھنے دونوں کا اختیار دیتے تھے۔ ❸ مویشی چرانے والے چرواہے کو مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنے کی اجازت دیتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۶۳ ج ۱، ۴۵۲۔ ۴۵۹ ج ۲) ❹ نماز مغرب سے قبل دو رکعات پڑھنے کے قائل تھے (قیام اللیل للمروزی صفحہ ۲۷) ❺ اگر گھر میں نماز پڑھ چکے ہوتے پھر اسی نماز کے لیے جماعت ہوتے ہوئے دیکھ کر اس میں شریک ہو جاتے (بیہقی صفحہ ۳۰۲ ج ۲) ❻ مسافر اگر کسی گاؤں یا شہر میں چار دن رہنے کا ارادہ کرے تو اس کو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے ❼ بارش والی رات میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ (بیہقی صفحہ ۱۴۸۔ ۱۶۸ ج ۳) ❽ زیورات کی زکوٰۃ کے قائل نہ تھے بلکہ کہتے تھے اس کی زکوٰۃ اس کا پہننا اور عاریۃً دینا ہے (بیہقی صفحہ ۱۴ ج ۴) ❾ نکاح ہونے سے قبل طلاق مثلاً کوئی کہے کہ میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اس کو طلاق ہے تو اس کو طلاق شمار نہیں کرتے تھے (بیہقی ۳۲۱ ج ۷) ❿ بیع اللحم بالحیوان " کو جاہلیت کا جوا کہتے تھے (موطا صفحہ ۵۹۳) وغیرہم من المسائل۔

آگے سعید بن جبیر کا قول بحوالہ التعلیق الحسن لکھتے ہیں۔

**جواب**:..... **اولاً**: یہ بھی بحوالہ ابن ابی شیبہ کی سند سے لکھتے ہیں "حدثنا هشیم عن ابی بشر عن سعید بن جبیر قال سألت عن القرأة خلف الامام قال لیس خلف الامام قرأة " یہ سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ھشیم بن بشیر مشہور مدلس ہے چنانچہ تقریب میں ہے کہ "کثیر التدلیس والارسال الخفی" اور تہذیب صفحہ ۶۱ سے ۶۳ تک ج ۱۱ میں ابن سعد، ابن مبارک'' حاکم، خلیل، ابن حبان اور ابو حاتم سے تصریح منقول ہے کہ وہ مدلس تھا بلکہ ابن سعد کہتے ہیں کہ "یدلس کثیرا فما قال فی حدیثه حدثنا فهو حجة وما لم یقل فلیس بشیء" جب اپنے استاذ سے حدثنا ذکر کرے تو اس کی روایت کو بطور دلیل لیا جائے گا۔ ورنہ اس کے بغیر اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہاں پر استاد ابی بشر سے "عَنْ" سے نقل کرتے ہیں۔ حدثنا نہیں کہتے۔ لہٰذا ان کی روایت کو کوئی حیثیت نہیں دی جائے گی نیز حافظ ابن حجر طبقات المدلسین صفحہ ۱۶ میں انہیں مرتبہ سوم میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشهور بالتدلیس مع ثقته وصفه النسائی وغیره بذلك اور علامہ ابن العجمی التبیین فی اسماء المدلسین صفحہ ۱۹ میں انہیں ذکر کرتے ہیں کہ "مشهور بالتدلیس مکثر منه "خود نیموی التعلیق الحسن صفحہ ۹۰ ج ۱ میں یہ

روایت لا کر لکھتے ہیں کہ "ان هشیم بن بشیر السلمی کان مشهورا بالتدلیس" ثابت ہوا کہ یہ روایت قابل قبول نہیں ہے۔

**ثانیاً:** ...... بلکہ سعید بن جبیر جہری خواہ سری نماز میں قرأت خلف الامام کا حکم دیتے تھے۔ جس طرح کہ گزر چکا ہے۔ اس میں الفاظ ہیں کہ "عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم قال قلت سعید بن جبیر أقرأ خلف الامام قال نعم وان سمعت قرأته انهم قد احدثوا مالم یکونوا یصنعونه ان السلف کان اذا ام احدهم الناس کبر ثم انصت حتیٰ یظن ان من خلفه قد قرأ فاتحه الکتاب ثم قرأ وانصتوا (جزء القراءة للبخاری صفحه ۲۹) مطلب یہ کہ جہری نماز میں بھی امام کے پیچھے تکبیر کے بعد جلدی سے فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ پھر جب امام پڑھے تو خاموش رہنا چاہیے، علامہ لکھنوی حنفی امام الکلام صفحہ ۲۴۸ پر یہ روایت ذکر کر کے حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہیں کہ "قال هذا موقوف صحیح فقد ادرك سعید بن جبیر جماعة من العلماء الصحابة ومن کبار التابعین" اس روایت سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں ❶ سعید بن جبیر امام کے پیچھے ہر حالت میں قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے نماز خواہ سری ہو یا جہری اس بناء پر جو روایت ان کی طرف منسوب کی گئی ہے جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے وہ غلط اور مردود ہے، ❷ وہ روایت بمع ضعیف ہونے کے اس صحیح کے مخالف ہے۔ لہٰذا شاذ اور منکر کہی جائے گی۔ ❸ سعید بن جبیر امام کے سکتات میں قرأت کرنے کا حکم دیتے ہیں ❹ اگر امام سکتات نہ کرے تب بھی اس کی قرات سنتے ہوئے اس کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ سائل کا سوال ہے کہ "میں امام کے پیچھے پڑھوں" اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ "نعم وان سمعت قرأته" یعنی جی ہاں اگر چہ امام کی قرأت سن رہے ہو۔ جن کا مذہب قرأت خلف الامام کے متعلق اس طرح واضح ہے ان کی طرف مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت میں جو نسبت کی گئی ہے اس کو سمجھدار انسان یا طالب حق جو کہ تعصب سے عاری ہو، کس کھاتے میں رکھے گا ❺ سلف صالحین صحابہ، تابعی میں سکتات کرنے کا عام عمل تھا تاکہ مقتدی آرام سے فاتحہ پڑھ سکے اس وجہ سے سکتاب کا انکار کرنا، عدم معرفت یا ظاہر ظہور تعصب پر مبنی ہے ❻ سکتات کا نہ کرنا مسنون یا اچھا عمل نہیں ہے بلکہ ایک نیا کام اور بعد میں ایجاد کیا ہوا ہے۔

**ثالثاً:** ......اگر اس روایت کو بالفرض صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اس میں مطلق قرأت ہے اور جو روایت ہم نے سعید بن جبیر سے یہاں نقل کی ہے اس میں صریح فاتحہ کا ذکر ہے لہٰذا خاص عام پر مقدم ہوگی اور فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہوگی، اور یہ روایت ماعدا الفاتحہ پر محمول ہوگی جیسا کہ اوپر جزء القرأۃ سے نقل کیا گیا کہ سعید بن جبیر قرأت خلف الامام کے قائل تھے اگر چہ نماز جہری ہو۔

**رابعا**:......سعید بن جبیر کے کئی مسائل جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں ❶ خون کے نکلنے کو ناقض الوضوء نہیں سمجھتے تھے ❷ جرابوں پر مسح کرنے کے قائل تھے ❸ سجدہ میں پیشانی اور ناک کو زمین پر ٹکانے کے علاوہ نماز کو صحیح نہیں کہتے تھے ❹ تشہد میں بسم اللہ کہتے تھے ❺ ایک طرف سلام پھیرنے کو کافی سمجھتے تھے ❻ بغیر وضوء کے سجدہ تلاوت کو جائز کہتے تھے ❼ بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے ❽ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت اگر امام کی آواز سنائی نہ دے تو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے تھے ❾ ﴿سبح اسم ربك الاعلى﴾ کے جواب میں سبحان ربی الاعلی کہتے تھے مصنف ابن ابی شیبہ (صفحہ ۱۳۸، ۱۸۹، ۲۶۲، ۲۹۵، ۳۰۴، ۴۱۳، ۴۱۴، ۱۴۹، ۵۰۹ ج ۲) ❿ نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے قائل تھے (بیہقی صفحہ ۳۱ ج ۲) ⓫ جان بوجھ کر روزہ توڑنے والے پر کفارے کا نہیں کہتے تھے بلکہ روزہ قضاء کرنے اور اللہ سے بخشش اور معافی مانگنے کا حکم دیتے تھے (بیہقی صفحہ ۲۲۸ ج ۴) ⓬ رفع الیدین کو نماز کی زینت کہا کرتے تھے (جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۱۰ طبع دہلی) وغیرھا من المسائل .

آگے ابراہیم نخعی کا قول جوھر النقی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔

**جواب**:......جوھر النقی صفحہ ۱۶۹ ج ۲ فی ذیل البیہقی میں یہ قول ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے اس سند سے نقل کرتے ہیں ”ثنا الاحمر عن الاعمش عن ابراھیم قال اول ما احدثوا القراءة خلف الامام وکانوا لا یقرؤون . “ یہ نقل بھی صحیح نہیں ہے بلکہ غیر معتبر ہے۔

**اولاً**:......ابن ابی شیبہ کا استاد سلیمان بن حیان ابو خالد الاحمر اگرچہ ان کی توثیق ہوئی ہے، لیکن اکیلے ہونے کی صورت میں حجت نہیں ہے جس طرح کہ ابن معین اور بزار تصریح کرتے ہیں۔ (تھذیب صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲ ج ٤) اس کے متعلق زیادہ تفصیل ابوہریرہ کی روایت اذا قرأ فانصتوا میں گزر چکی ہے۔

**ثانیاً**:......خاص طور پر جب ان کی روایت اعمش سے ہوتی ہے، تب اس میں نظر ہوتی ہے، امام ابوبکر بزار کہتے ہیں کہ ”اتفق اھل العلم بالنقل انه لم یکن حافظا وانه روی عن الاعمش وغیره احادیث لم یتابع علیھا . “ (مقدمه فتح الباری صفحه ٤٠٧)

**ثالثاً**:......ان کے استاد اعمش جن کا نام سلیمان بن مہران ہے وہ مدلس ہیں جیسا کہ میزان الاعتدال صفحہ ۴۲۳ ج ۱ میں ہے اور تہذیب صفحہ ۲۲۴ ج ۴۔ میں ابن حبان سے منقول ہے کہ ”وکان مدلساً“ اور حافظ صاحب طبقات المدلسین صفحہ ۱۰ میں طبقہ دوم میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”وکان یدلس وصفه بذلك الکرابیسی والنسائی والدار قطنی وغیرھم“ اور طبقہ ثانیہ والے مدلس راویوں کی روایت آپ کے نیموی کے ہاں معتبر نہیں ہے۔

**رابعاً:** ......سعید بن جبیر کا اثر اوپر گزرا جس میں اس کے خلاف ہے اس کے ترجمے میں مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنا نئی ایجاد کی ہے" حالانکہ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ "انھم قد احدثوا مالم یکونوا یصنعونه ان السلف کان اذا ام احدھم الناس کبر ثم انصت حتی یظنَّ ان من خلفه قد قرأ فاتحه الکتاب ثم قرأ وانصتوا" اس اثر کی سند صحیح ہے۔ کما تقدم۔ مطلب بھی گزر چکا ہے اس سے ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے قرأت نئی ایجاد نہیں ہے بلکہ ابراہیم نخعی سے پہلے صحابہ اور تابعین امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ جی ہاں! سکتہ نہ کرنا نئی ایجاد ہے ابراہیم سے اس نقل کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یہی اثر کافی ہے۔

**خامساً:** ......خود ابراہیم نخعی سے کئی مسائل ثابت ہیں جن کی حنفی حضرات مخالفت کرتے ہیں ❶ بلی کی جوٹھی چیز کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے ❷ قبلۃ اور لمس کو ناقض الوضوء سمجھتے تھے ❸ جرابوں پر مسح کے قائل تھے ❹ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے بجائے تطبیق کے قائل تھے ❺ صف میں داخل ہونے سے قبل رکوع کی حالت میں صف میں چل کر جانے سے منع کرتے تھے. جس کا معنی یہ کہ ابوبکرہ والی روایت سے استدلال لینے کے خلاف تھے ❻ پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر لگانے کو سجدہ کہتے تھے ❼ نابالغ کی امامت کو حرج نہیں سمجھتے تھے (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۱، ۴۶، ۱۸۸، ۲۴۶، ۲۵۷، ۲۶۲، ۳۴۹ ج ۱) ❽ جمعہ کے خطبہ کے وقت چھینک کا جواب دینے کے قائل تھے ❾ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کو دہرانے کا حکم دیتے تھے ❿ نابینا کی امامت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے ⓫ جماعت ثانیہ کے قائل تھے ⓬ تراویح جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۲۰۔ ۱۹۳، ۲۲۲، ۲۱۴، ۳۲۲، ۴۱۷ ج ۲) ⓭ مرتد عورت کو بھی قتل کرنے کا حکم دیتے تھے ⓮ لوطی کے لیے بھی زانی والی حد (بعض مجرد کے لیے جلد اور شادی شدہ کے لیے رجم) کہتے تھے (بیہقی ۲۰۳، ۲۳۳ ج ۸) ⓯ کہتے تھے کہ "زکاۃ الجنین زکاۃ امّه ." (بیہقی صفحہ ۳۳۶ ج ۹) وغیرھا من المسائل .

آگے سفیان ثوری سے بحوالہ تحفۃ الاحوذی نقل کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قرأۃ کے قائل نہ تھے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ انہوں نے علامہ خطابی سے نقل کی ہے لیکن تحقیق کے بعد نظر آتا ہے کہ سفیان ثوری آثار صحابہ اور تابعین دونوں طرف سے روایت کرتے ہیں یعنی اثبات خواہ نفی جس سے ظاہر ہے کہ ان کے سامنے مسئلہ مختلف فیہ رہا۔ اگر چہ اثبات والا اثر سنداً ثابت اور نفی والے اثر سنداً پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتے (انہیں مصنف عبدالرزاق صفحہ ۱۳۰ سے ۱۴۰ تک دیکھنا چاہیے) اختلاف کی صورت میں حکم ہے کہ مرفوع حدیث کی

طرف رجوع کیا جائے۔کما تقدم۔ سفیان ثوری اس باب میں دونوں اطراف (اثبات اور نفی میں) احادیث روایت کرتا ہے۔ اثبات کے متعلق عبدالرزاق صفحہ ۱۲۷ج ۲میں اسی طرح سے ہے "عبد الرزاق عن الثوری عن خالد الحذاء عن ابی قلابة عن محمد بن ابی عائشة عن رجل من اصحاب محمد ﷺ قال قال النبی ﷺ لعلکم تقرؤون والامام یقرأ؟" مرتين او ثلاثا قالوا نعم یا رسول الله ﷺ انا لنفعل قال لا تفعلوا الا ان یقرأ احد کم بفاتحة الکتاب۔ یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۷۴ج ۱اور بیہقی جزء القرأة صفحہ ۵۱ میں روایت کی ہے۔امام ابن حبان اپنی صحیح صفحہ ۲۴۷ج ۳(ترتیب علاء الدین فارسی) میں اس حدیث کو مرفوع اور صحیح کہتے ہیں۔امام بیہقی جزء القراءة صفحہ ۵۲ پر فرماتے ہیں کہ "هذا حدیث صحیح احتج به محمد بن اسحاق بن خزیمة رحمه الله فی جملة ما احتج به فی هذا الباب" اور نفی کے متعلق مصنف عبدالرزاق (صفحہ ۱۳۶ج ۲) میں اس طرح سے ہے عبدالرزاق عن الثوری عن موسی بن ابی عائشة عن عبد الله بن شداد بن الهاد اللیثی قال صلی النبی ﷺ الظهر والعصر فجعل رجل یقرأ خلف النبی ﷺ ورجل بینهما فلما صلی قال یا رسول الله کنت اقرأ وکان هذا ینهانی فقال له رسول الله ﷺ من کان له امام فان قراءة الامام له قرأة.

**قارئین**:...... دونوں روایتوں کا راوی سفیان ثوری ہے اور اس کو مختلف اقوال کے درمیان مرفوع حدیث کے مطابق عمل کرنا اور رائے قائم کرنی ہے اب انصاف کریں کہ سفیان دونوں روایات میں سے کس کو قاضی اور حکم قرار دیتے ہیں۔ اثبات کی روایت ظاہر ظہور موصول اور مسند ہے اور نفی والی ظاہر ظہور مرسل اور منقطع ہے نیز اثبات کی روایت صریحاً فاتحہ کے بارے میں موجود ہے کہ امام کے پیچھے سورة فاتحہ آہستہ پڑھی جائے اور نفی والی حدیث میں بیان ہے کہ اس پڑھنے والے نے جہر سے پڑھا۔ کیونکہ تصریح ہے کہ نماز ظہر یا عصر کی تھی اور اگر جہر سے نہ پڑھتا تو کوئی پتہ نہ چلتا اور نہ کسی دوسرے شخص کو منع کرنے کی ضرورت پیش آتی بلکہ اس کے منع کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے جہراً پڑھا اور سننے پر اسے منع کیا گیا اب اہل علم غور کریں کہ سفیان جیسا مشہور فقیہ اور مجتہد کون سی روایت فیصلے کے لیے قابل سمجھے گا؟ یقیناً ان کے علم، دیانت اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب دونوں روایات ان کے سامنے آئیں تو وہ متصل اور صریح روایت کو فیصلے کے کارگر سمجھے۔ نہ کہ مرسل اور محتمل کو۔ اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ یہ نقل جس کو مولوی صاحب نے شاہد بنایا ہے۔درایت کے لحاظ سے اس میں بڑا تامل ہے۔

**ثانیا**:...... امام ابو نعیم اصبہانی حلیۃ الاولیاء صفحہ ۳۵۹ج ۶ میں مؤمل سے روایت کرتے ہیں کہ "مارایت

عالما یعمل بعلمه الا سفیان" اس وجہ سے سفیان کے متعلق یہ گمان کرنا کہ انہوں نے اس طرح صحیح مسند حدیث روایت کی اور پھر بھی اس کے خلاف فتویٰ دیا ظن سوء ہے بلکہ ان کی شان تو یہ ہے کہ جو بھی انہیں حدیث ملتی اس پر عمل کرتے۔

**ثالثا**: ...... بلکہ تتبع سے ملتا ہے کہ امام سفیان قرأت کو نماز کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق صفحہ ۱۳۷ ج ۲ میں ہے کہ "عبدالرزاق عن الثوری قال اذا لم یقرأ فی الرکعتین من المغرب اعاد ، عبد الرزاق عن الثوری قال اذا لم یقرأ فی رکعة فانه یرفع رأسه اذا ذکروا یقرأ ثم یسجد سجدتی السهو فان سجد مضیٰ" ابن عبدالبر الاستذکار میں فرماتے ہیں کہ "قال الثوری انه قرأ فی رکعة من الصبح ولم یقرأ فی الاخری اعاد الصلوٰة وان قرأ فی رکعة من الظهر اوالعصر او العشا ولم یقرأ فی الثلث اعاد" پھر جب وہ قرأت کو اس قدر ضروری جانتے تھے تو ان کی طرف اس قسم کے قول کی نسبت کرنا بڑے ثبوت کی محتاج ہے۔

**رابعا**: ...... وہ نماز میں تلاوۃ القرآن کو افضل سمجھتے تھے چنانچہ حلیة الاولیاء صفحہ ۶۷ ج ۷ میں ان سے منقول ہے "یقول افضل الذکر تلاوة القرآن فی الصلوة ثم تلاوة القرآن فی غیر الصلوٰة ثم الصوم ثم الذکر" یہاں عام فیصلہ سب نمازوں کے لیے ہے خواہ امام ہو مقتدی ہو یا منفرد لہٰذا سفیان کی طرف عدم قرأت کی نسبت کے لیے اس قسم کی نقل کافی نہیں ہے بلکہ معتبر سند سے ثبوت ضروری ہے۔

**خامسا**: ...... حلیة الاولیاء صفحہ ۶۰ ج ۷ میں امام عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے سالت سفیان الثوری عن الرجل یصلی ای شیئ ینوی بصلوٰته قال ینوی ان یناجی ربه" یہ بھی سب نمازوں کو شامل ہیں اور مقتدی کو بھی نیت کرنی چاہیے مناجات کی نیت تب ہوگی جب مناجات کی جائیں اور مناجات تب ہوگی جب اللہ کو مخاطب کر کے پڑھا جائے۔ مثلاً ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ سفیان ثوری مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے کیونکہ مناجات خاموشی سے نہیں ہوتی۔ مشہور محدث ابن حبان اپنی صحیح صفحہ ۲۰۵ ج ۳ (بترتیب علاء الدین فارسی) میں اس طرح فرماتے ہیں کہ "ذکر الخبر الدال علی ان الفرض علی المأموم والمنفرد قرأة فاتحة الکتاب فی صلوٰته اخبرنا ابن قتیبة قال حدثنا ابن ابی السری قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن همام بن منبه عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا قام احدکم الی الصلوٰة فلا یبصق امامه لانه یناجی ربه ما دام فی صلوٰته ولا عن یمینه فان عن یمینه

ملكا ولكن يبصق عن شماله او تحت رجله فيه فنه۔ قال ابو حاتم رحمه الله في هذا الخبر بيان واضح بان على المأموم قرأة فاتحة الكتاب في صلوته ان المصطفى ﷺ اخبرنا ان المصلى يناجي ربه والمناجاة لا تكون الا بنطق الخطاب دون التسبيح والتكبير " یعنی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنے رب سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے یہ سب صحابہ آپ کے پیچھے پڑھنے والے تھے۔ امام ابن حبان اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مقتدی کے لیے لازم ہے کہ وہ قرأت فاتحہ کرے اور یہ استدلال چند مقدموں پر مبنی ہے۔ اوّل مناجات چاہتی ہے کہ زبان اور ہونٹ حرکت کریں مناجات خاموشی سے نہیں ہوتی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی کو بالکل خاموش نہیں رہنا چاہیے کچھ نہ کچھ ضرور پڑھنا ہے۔

**دوم**:...... مناجات باب مفاعلہ ہے جس کا معنی رب سے مخاطب ہوتا ہے خطاب جس طرح کہ سورہ فاتحہ میں ہے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ اور کوئی دوسری سورت خطاب والی نہیں ہے۔ جو کہ سب نمازی یاد کر سکیں اس وجہ سے جب آپ مقتدیوں کو کہہ رہے ہیں کہ تمہیں مناجات کرنی ہیں اس صورت میں فاتحہ ضروری ہے۔ اس طرح ہم سفیان ثوری کے متعلق کہتے ہیں کہ جب وہ کہتا ہے کہ نیت ہی مناجات کی کرنی ہے جس کا معنی یہ ہوا کہ وہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور نیت ہر کسی کے لیے ضروری ہے فافهم۔

**سادسا**:...... اگر بالفرض ہم قبول بھی کریں کہ سفیان فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے (حالانکہ ایسا کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا) تب بھی یہ بات قطعی ہے کہ وہ کسی پڑھنے والے کو منع نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کا اپنا فرمان ہے کہ "اذا رأيت الرجل يعمل العمل الذي قد اختلف فيه وانت ترى وغيره فلا تنهه" (حلية الاولياء صفحه ۳۶۸ ج ۶) یعنی اختلافی مسائل میں کسی شخص کو اپنے مسلک کے خلاف عمل کرتا دیکھے تو اس کو منع مت کر۔ بقول شما یہ اختلافی مسئلہ ہے اگر سفیان قرأت خلف الامام نہ کرتے تھے تب بھی دوسرے پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے تھے اور یہ بات بھی آپ کے خلاف ہے بلکہ آپ تو منع کرتے ہیں چہرے پر مٹی اور منہ میں انگارے ڈالنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ بلکہ آپ کی کتب میں تو مکروہ کہا گیا ہے اور بعض نے تو حرام کہا اگر سفیان ثوری والا مذہب اختیار کرتے تو زیادہ سے زیادہ اتنا ہوتا کہ آپ خود نہ پڑھتے لیکن دوسروں کو منع نہیں کرتے اس طرح آپ اپنی اس مکمل کتاب پر پانی پھیر دیں گے۔ کیونکہ شروع میں لکھتے ہو کہ امام کے پیچھے قرأت (فاتحہ وغیرہ پڑھنا) کرنے کی ممانعت (تحفة الحديث صفحه ۸)

**سابعا**:...... اگر اس بحث سے قطع نظر کریں اور اور تسلیم کریں کہ سفیان ثوری آپ کے ہم مذہب تھے تو یہ بات بھی ہمارے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ سفیان ثوری تبع تابعین میں سے ہے۔ جس طرح عبداللہ بن مبارک

تبع تابعین میں سے ہیں اور اوپر عبداللہ بن مبارک کا قول گزرا کہ میں خواہ دیگر سب کوفہ والوں کے علاوہ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں پھر اگر سفیان قرأت کے قائل نہ ہوں تو انھیں کوفہ والوں میں سے کہا جائے گا۔ باقی کوفہ کے دیگر علماء بلکہ دیگر شہروں کے عام علماء یہ سب اس کے خلاف ہیں۔ بلکہ جمہور کے خلاف اور عام علماء جن میں محدثین اور فقہاء بھی ہیں۔ ان سب کے برخلاف ترک القراءۃ خلف الامام تبع تابعین کے زمانے میں کوفی "شر ذمة قليلة" کا مذہب رہا ہے۔ حالانکہ محقق کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

**ثامنا:**...... مولوی صاحب کو سفیان کا نام کتاب میں دیکھ کر خوش نہیں ہونا چاہیے ہم تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ تم سفیان ثوری کو معتبر اور محقق سمجھتے ہو اور ان کے فیصلے کو قبول کرتے ہو تو پھر دل تھام کر سنیں کہ تمہارے امام ابوحنیفہ کے لیے کیا فرماتے ہیں۔ ❶ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ثقہ راوی نہیں ہے (كتاب الضعفاء للعقيلي قلمي صفحه ٦٢٣ ج ٢ بيهقي صفحه ٢٠٣ ج ٨ تاريخ بغداد للخطيب صفحه ٤٤٦ ج ١٣، كتاب المجروحين لابن حبان صفحه ١ ج ٣۔ اور انتقاء لابن عبدالبر صفحه ١٤٨) ❷ امام بخاری تاریخ صغیر صفحہ ۱۷۱ میں فرماتے ہیں کہ "وثنا نعيم بن حماد حدثنا فزاری قال كنت عند سفيان فنعي النعمان فقال الحمد لله كان ينقض الاسلام عروة عروة ماولد في الاسلام اشأم منه" ہم بھی وہ لفظ تحریر کرتے ہیں جو مولوی صاحب نے خود کہے ہیں "بعض حضرات کو غصہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ امام بخاری کا نقل کروہ بیان ہے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۵۵) یہ روایت حلية الاولياء لابی نعيم صفحه ١٦ ج ٧ میں دوسری سند کے ساتھ بھی ہے۔ "حدثنا سليمان بن احمد ثنا هشيم بن مرثد ابو صالح الفراء ثنا يوسف بن اسباط قال كنت عند السفيان فورد عليه نعي ابي حنيفه فقال الحمد لله كان ينقض عرى الاسلام عروة عروة" نیز تاریخ بغداد صفحہ ۴۱۸، ۴۱۹، ج ۱۳ میں بھی ہے اور امام بخاری کی کتاب الضعفاء والمتروکین میں بھی ہے (الانتقاء لا بن عبد البر صفحه ١٤٩) یعنی سفیان کے پاس ابوحنیفہ کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے الحمد للہ یہ وہ شخص تھا جس نے اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔" ❸ حافظ ابن عبدالبر الانتقاء في فضائل الثلاثه الائمة الفقهاء صفحہ ۱۵۱ میں امام صاحب سے نقل کرتے ہیں "نا بندار ومحمد بن المقرى قالا نا معاذ بن معاذ العنبري قال سمعت سفيان الثوري يقول استتيب ابو حنيفة مرتين" یعنی سفیان ثوری کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کو دو مرتبہ کفر سے توبہ کروائی گئی۔ یہ روایت ابن عبدالبر صفحہ ۱۴۹ میں بخاری کی کتاب الضعفاء کے حوالہ سے بھی ذکر کی گئی ہے۔ "قال نعيم بن حماد نا يحيیٰ بن سعيد معاذ بن معاذ سمعا سفيان الثوري يقول قيل

استتیب ابو حنیفه من الکفر مرتین" یعنی امام ابوحنیفہ کو دو مرتبہ کفر سے توبہ کروائی گئی۔ یہ روایت تاریخ بغداد صفحہ ۳۹۱، ۳۹۲ ج ۱۳ میں کئی اسناد سے مروی ہے ❷ اخبار اصبہان لابی نعیم صفحہ ۱۳۹ ج ۲۔ میں سفیان ثوری سے منقول ہے "یقول ابو حنیفه ضال مضل" یعنی وہ خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ یہ روایت تاریخ بغداد صفحہ ۴۳۶ ج ۱۳ میں ہے۔ اس کے علاوہ بھی سفیان سے کئی روایات ہیں مگر اس پر اکتفا کرتے ہیں اب مولوی صاحب سے پوچھیں کہ تمہیں سفیان کے قول پر اعتبار ہے؟

آگے فصل الخطاب کے حوالہ سے لیث بن سعد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی نماز میں قرأت کے قائل نہ تھے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ نقل غلط ہے فصل الخطاب میں بحوالہ استذ کار عبارت یوں ہے "وکذا مذهب اللیث من النقل البویطی کما فی الاستذ کار" یعنی استذ کار میں بویطی سے نقل ہے کہ امام لیث کا مذہب امام کے پیچھے قرأت چھوڑنا ہے یہ سفید جھوٹ ہے استذ کار صفحہ ۱۸۹ ج ۲ میں عبارت اس طرح سے ہے "قال البویطی عن الشافعی یقرأ المأموم فیما اسر فیه الامام بام القرآن وسورة فی الاولیین وبام القرآن فی الاخریین وما جهر فیه الامام لا یقرأ الابام القرآن قال البویطی وکذا لك یقول اللیث والا وزاعی" یعنی بویطی امام شافعی کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ مقتدی سری نماز میں پہلی دو رکعتوں میں الحمد اور سورۃ پڑھے اور آخری دو رکعتوں میں الحمد پڑھے اور جن نمازوں میں امام جہر سے قرأت کرے تو پھر مقتدی صرف الحمد پڑھے امام بویطی فرماتے ہیں کہ امام لیث اور اوزاعی بھی اس طرح کہتے ہیں۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ کتاب الاستذ کار میں بویطی کے حوالہ سے امام لیث کا کیا مذہب نقل کیا گیا ہے۔ اور مولوی صاحب اور ان کے اکابر کیا نقل کرتے ہیں۔

**ثانیا:** ...... فصل الخطاب کا مصنف انور شاہ کشمیری خود اس نقل میں تذبذب کا شکار ہے۔ فصل الکتاب صفحہ ۱۵۲ "علی هامش الکتاب المستطاب" میں استذ کار سے نقل کرتے ہیں کہ لیث کا مذہب امام کے پیچھے قرأت کرنا نہیں ہے اور العرف الشذی صفحہ ۱۴۸ میں کہتے ہیں کہ "فی الا ستذکار لابی عمر ان اللیث بن سعد موافق للشافعی" جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک کتاب سے ایک دوسرے کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کا ان پر اعتماد غلط ثابت ہوا اور العرف الشذی والی نقل صحیح ہے اور یہ اصل کتاب میں اس طرح ہے جس طرح سے ہم نے نقل کیا ہے۔

**قارئین!** علامہ انور شاہ کاشمیری لیث سے یہ نقل (قراءت کا قائل ہونا) بحوالہ استذ کار کے تسلیم کرتے

ہوئے ایک تاویل کرتے ہیں جو کہ نہایت کمزور بلکہ باطل ہے، ہم ان کی عبارت نقل کر کے اس پر کلام کرتے ہیں۔ "قال کنت متردداً فی ما نقل ابو عمر لان لیثا یروی عن ابی یوسف عن ابی حنیفة من کان له امام فقرأة الامام له قرأة الخ وله سماع عن ابی یوسف فکیف یقول مثل ما قال الشافعی مع روایة هٰذا الحدیث اخرجه الطحاوی صفحه ۱۲۸ عن احمد بن عبدالرحمن عن ابن هب وعن لیث عن یعقوب عن النعمان عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر بن عبدالله عن النبی ﷺ والسند اقویٰ فانه ، قل ما یوجد مثل هٰذا۔ لان فیه اربعة حتی ان وجدت فی فتاویٰ ابن تیمیة وفیه ان لیثا قال باستحباب القرأة فی السریة ان ما فی الاستذکار مسامحة .

**الاوّل:**...... جب کہ شاہ صاحب ابوعمر بن عبدالبر کی کتاب سے نقل بھی کرتے ہیں پھر تردد کیا معنی رکھتا ہے؟ حالانکہ اپنی تصنیفات میں ابن عبدالبر کی کتب سے عام طور پر نقل کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے رہتے ہیں۔ پھر اسی جگہ پر کون سی چیز مانع ہے؟

**الثانی:**...... قرأة الامام له قرأة " کا راوی ہونا اسے مستلزم نہیں ہے کہ یہ بھی اس کا مذہب ہے ایک تو یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ دوسری یہ اپنے مطلب میں صریح نہیں ہے جس طرح کہ اوپر گزرا۔

**الثالث:**...... دراصل یہ روایت مرسل اور منقطع ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

**الرابع:** ......خود روایت جو شاہ صاحب نے طحاوی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اس کی سند خود لیث تک صحیح نہیں ہے کیونکہ طحاوی کے استاد احمد ابن عبدالرحمٰن بن وہب میں کلام ہے۔ چنانچہ وہ متغیر الحفظ ہے۔ آخر میں اس کا حافظہ بدل گیا تھا۔ تقریب میں لکھتے ہیں کہ "تغیر باخرہٖ" اور علامہ ابن العجمی "الاغتباط بمعرفة من رمی بالاختلاط " صفحہ ۴ پر بھی ذکر کرتے ہیں۔ ایضاً حافظ ابن عدی فرماتے ہیں کہ "رأیت شیوخ مصر مجمعین علی ضعفهٖ " وقال ابن یونس لا تقوم به حجة " (میزان الاعتدال صفحه ۱۱۳ ج ۱) ایضاً یہ روایت ان کے چچا ابن وہب سے ہے۔ ان میں تو خاص طور پر کلام ہے، کیونکہ ان سے بعض ایسی روایات ہیں۔ جو کہ موضوع ہیں۔ کما فی التهذیب صفحه ۵۵۔ ۵۶ ج ۱ اور ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۱۴۹ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "وکان یحدث بالا شیاء المستقیمة قدیما حیث کتب عنه ابن خزیمة وذووہ ثم جعل یأ تی عن عمه بها لا اصل له " پھر جب سند کا یہ حال ہے اور طحاوی سے لیث بن سعد تک صحیح طور پر نہیں پہنچتی تو پھر ان کی طرف اس روایت کو منسوب کرنا یا اسے ان کی روایت کہنا صحیح نہیں۔

**الخامس**: ...... اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ شاہ صاحب کا اس سند کو قوی کہنا صحیح نہیں ہے۔

**السادس**: ...... شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ اس سند میں ائمہ کا سلسلہ ہے اس جگہ پر غیر مفید ہے۔ چار ائمہ یہ شمار کیے۔ ابن وہب، لیث بن سعد، یعقوب ابو یوسف، اور نعمان ابوحنیفہ، اور جب ان تک سند صحیح نہیں ہے اور پہلے امام ابن وہب سے ناقل راوی قابل اعتبار نہیں تو پھر اگر چہ اس کے اوپر پچاس ائمہ ہی کیوں نہ ہوں سند کسی کام کی نہیں۔ کیونکہ ان تک صحیح سند سے سلسلہ قائم نہ رہا۔

**السابع**: ...... امام لیث معتبر سند سے قرأت کے اثبات کی حدیث کا راوی ہے۔ جیسا کہ کتاب القرأۃ بیہقی صفحہ ۱۸۔ ۱۹ پر روایت ہے جہاں لیث بن سعد ابو ہریرہ کی مرفوع روایت نقل کرتے ہیں "ایما رجل صلی صلوٰۃ بغیر قرأۃ فھی خداج فھی خداج غیر تمام قال قلت انی لا استطیع ان اقرأ مع الامام قال اقرأ بھا فی نفسك" یعنی جو نماز بغیر قرأت کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔ امام کے پیچھے آہستہ قرأت کی جائے گی۔

**الثامن**: ...... فتاویٰ ابن تیمیہ کا حوالہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب اس حوالہ سے لکھتے ہیں کہ لیث سری؛ نماز میں قرأت کے استحباب کا قائل تھا۔ حالانکہ فتاویٰ ابن تیمیہ میں یہ صراحت ہے کہ وہ جہری میں امام کے پیچھے قرأت کو مستحب کہتے تھے۔ چنانچہ عبارت اس طرح سے ہے "وھل قرأته للفاتحة مع لاجھر واجبة او مستحبة؟ علی قولین (احد ھما) انھا واجبة وھو قول الشافعی فی الجدید وھو قول ابن حزم (والثانی) انھا مستحبة وھو قول الا وزاعی واللیث بن سعد.

(فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۱٦۷ ج ۲)

**ناظرین!** غور کریں کہ شاہ صاحب نے کیا نقل کیا ہے اور اصل کتب سے کیا حقیقت ظاہر ہو رہی ہے۔ باقی یہ بات قابل غور ہے کہ امام ابن تیمیہ دونوں ائمہ (امام شافعی اور لیث) کے مسلک میں تھوڑا سا فرق کرتے ہیں یعنی پہلا وجوب کا قائل اور دوسرا استحباب کا، لیکن ابن عبدالبر اس کو شافعی کے موافق کہتے ہیں۔ ان سے قبل امام ابو یعقوب یوسف بن بویطی ہے اس کو بھی انہوں نے شافعی کے موافق قرار دیا ہے وہ ان کے قریب زمانے کے ہیں کیونکہ امام لیث سنہ ۱۷۵ھ میں فوت ہوئے اور بویطی سنہ ۲۳۲ھ میں فوت ہوئے (تھذیب صفحہ ٤٦٤ ج۸ اور ٤٢٨ ج ۱۱) لہٰذا یہ قول راجح اور قوی کہا جائے گا۔

آمدم برسر مطلب: ...... خود حافظ ابن عبدالبر نے اس قسم کی تصریح اپنی مایہ ناز کتاب التمھید میں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "وممن ذھب الی ھذه الجملة الاوزاعی واللیث بن سعد وھو قول الشافعی بمصر وعلیه اکثر اصحابه منھم المزنی والبویطی وبه قال ابو ثور" اسی

عبارت نے سب اوہام دور کردیے استذکار کی عبارت ناقلوں نے پھیر پھیر کر پیش کی۔ لیکن اس کی بھی حقیقت بیان کی گئی۔ یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ امام لیث کا صحیح مذہب امام شافعی کی طرح جہری خواہ سری سب نمازوں میں وجوب کا ہے، مولوی صاحب کی ان کی طرف ترک القراءۃ کی نسبت غلط اور مردود ثابت ہوئی۔

**رابعاً:**...... امام ابن عبدالبر کے علاوہ کئی دیگر علماء نے لیث کی طرف یہ نسبت کی ہے۔ امام ابن حزم المحلی صفحہ ۲۳۶ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ قرأۃ الامام فرض فی کل رکعۃ من کل صلوٰۃ اما ما کان مأموما او منفردا والفرض والتطوع سواء والرجال والنسآء" یعنی فاتحہ ہر نماز میں ہر رکعت میں پڑھنا فرض ہے، پھر اگرچہ امام کی حالت میں ہو یا مقتدی کی الخ اس کے بعد ادلہ اور اقوال نقل کرتے ہوئے صفحہ ۲۲۹ پر فرماتے ہیں کہ "وقال الشافعی فی آخر قوله کقولنا وهو قول الاوزاعی واللیث بن سعد" اسی طرح امام نووی شرح المہذب صفحہ ۳۶۵ ج ۳) میں بھی ان سے وجوب نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "حکاه القاضی ابو الطیب عن اللیث بن سعد اسی طرح امام موفق الدین ابن قدامه المغنی صفحه ۶۰۰ ج ۱ میں بھی ان سے وجوب نقل کرتے ہیں۔ الغرض ائمہ معتبرین ابو یعقوب بویطی۔ حافظ ابن عبدالبر، امام ابن حزم،، امام نووی اور امام ابن قدامہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ امام لیث بن سعد امام شافعی کی طرح قرأۃ خلف الامام کے قائل تھے اور مولوی صاحب کی نقل اس کے خلاف غلط ثابت ہوئی بلکہ آپ کے حنفی بھائی لکھنوی امام الکلام صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں وقال الآخرون لا یترك احد من المأمومین قرأۃ فاتحۃ الکتاب خلف امامه فی ما اسر وفی ما اجهر وممن قال بهذا الشافعی بمصر وعلیه اکثر اصحابه وهو قول الاوزاعی واللیث بن سعد" یعنی مقتدیوں میں سے بھی ایک نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا نہیں چھوڑے، اگرچہ نماز جہری ہو یا سری۔ یہی مذہب امام شافعی اوزاعی اور لیث بن سعد کا ہے۔

آگے عنوان رکھتے ہیں کہ درج ذیل حضرات جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔

**جواب:**...... اس عنوان کا مولوی صاحب کو کیا فائدہ؟ اگر بالفرض یہ جہری میں قائل نہ تھے تو سری میں تو تھے یہ بات بھی آپ کے مذہب کے خلاف ہے اس کے لیے یہ قوی دلائل نہیں ہیں اور نہ ہی ہمیں ان سے کوئی نقصان پہنچتا ہے ہمارے لیے صحیح احادیث کافی ہیں۔ ورنہ ایسے اقوال تو ہم بھی پیش کر سکتے ہیں، تاہم جو اقوال نقل کیے ہیں ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مؤطا امام مالک سے عروہ بن زبیر کا قول نقل کرتے ہیں۔

**جواب**:......اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں امام کے پیچھے صرف ان نمازوں میں قرأت کرتے تھے جن میں امام جہر سے قرأت نہیں کرتا تھا۔ اس میں مولوی صاحب کلمہ "صرف" بڑھا کر تخصیص کا مطلب لیتے ہیں لیکن اس روایت میں کوئی تخصیص نہیں۔ الفاظ یہ ہیں:...... انه كان يقرأ خلف الامام اذا لم يجهر فيها الامام بالقرأة (مؤطا صفحه ۷۸) اس میں صرف یہ بیان ہے کہ وہ سری نماز میں امام کے پیچھے پڑھتے تھے جہری کا انکار نہیں بلکہ جہری نماز میں امام کے سکتات میں پڑھنے کا حکم دیتے تھے چنانچہ جزء القراءۃ بیہقی صفحہ ۶۹، ۷۰ میں ہے "عن هشام بن عروة عن ابيه انه قال يا بُني اقرأوا وافي سكتة الا مام فانه لا تتم صلوٰة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب وفي رواية ابي عبدالله يُبَنَّي اقرأوا فيما سكت فيه الامام واسكتوا فيما جهر به الامام وقال يُبني لا تتم صلوٰة لا حد من الناس لا يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعدا مكتوبة ولا سبحة" یعنی وہ کہا کرتے تھے فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، پھر اگر چہ وہ نماز فرضی ہو یا نفلی ہو۔ امام کے پیچھے جب وہ جہری قرأت کر رہا ہے تب اس کے سکتوں میں قرأت کرنی چاہیے اور لکھنوی صاحب نے امام الکلام صفحہ ۳۰ پر انہیں جہری میں بھی قرأت خلف الامام کو واجب کہنے والوں میں شمار کیا ہے۔

آگے موطا کے حوالہ سے قاسم بن محمد کا اثر نقل کرتے ہیں۔

**جواب**:......اس کے ترجمہ میں بھی "صرف" کا لفظ بڑھاتے ہیں، حالانکہ الفاظ وہی ہیں جو عروہ بن زبیر کے ہیں۔ لہذا اس میں جہر کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ ان سے دوسری روایت مطلقاً مروی ہے۔ قال القاسم بن محمد كا ن رجال ائمة يقرؤن خلف الامام. اس طرح جزء القرأۃ بیہقی صفحہ ۷۰ میں ہے عن القاسم بن محمد كان رجال ائمة يقرؤن وراء الامام" یعنی امام کے پیچھے وہ قرأت کرتے تھے۔ اس میں مطلق قرات کا حکم ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان کی طرف جہر میں قرات نہ کرنے کی نسبت صحیح نہیں ہے بلکہ وہ سب نمازوں میں قرأۃ خلف الامام کا قائل تھے؛ نیز اوپر سعید بن میبّب کے قول میں امام بخاری کا قول گزرا کہ وہ دونوں یعنی عروہ اور قاسم قرأۃ خلف الامام کے قائل تھے۔

علاوہ ازیں ان دونوں بزرگوں کے کئی مسائل حنفی نہیں مانتے مثلاً عروہ بن زبیر کے متعلق ❶ مکمل سر کے مسح کے قائل تھے ❷ پیشاب کھڑے ہو کر کرنے کے قائل تھے ❸ مسح الخفین میں توقیت کے قائل نہ تھے ❹ اذان کے دوران بات کرنے کو جائز سمجھتے تھے ❺ نماز میں ہنسنے کی حالت میں صرف نماز کو دہرانے کا حکم دیتے تھے وضو کرنے کے لیے نہیں کہتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۶، ۱۲۳، ۱۸۵، ۲۱۲، ۳۸۷ ج۱) ❻ نابینا کی امامت کے قائل تھے ❼ فجر کی سنت کے بعد دائیں طرف لیٹتے تھے اگر چہ مسجد میں ہوں

❽ عصر نماز کے بعد دو رکعتوں کے قائل تھے (ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۱۴، ۲۴۸، ۲۵۳ ج ۲) ❾ مس الذکر کو ناقض الوضوء کہتے تھے (موطا صفحہ ۳۱) ❿ آخری جلسہ میں تورک کے قائل تھے (موطا صفحہ ۷۲) ⓫ برسات والی رات جمع بین الصلوٰتین کرتے تھے (بیہقی صفحہ ۱۶۹ ج ۳) وغیرھا من المسائل۔

اور قاسم بن محمد کے متعلق درج ذیل مسائل مشہور ہیں: ❶ سینگی کو ناقض الوضوء نہیں کہتے تھے ❷ نماز میں ہنسنے کو ناقض الوضوء نہیں سمجھتے تھے (ابن ابی شیبہ ۴۴، ۳۸۷ ج ۱) ❸ رفع الیدین کرتے تھے (جزء القراءۃ بخاری صفحہ ۱۳) وغیر ھا من المسائل

آگے تحفۃ الاحوذی کے حوالے سے اسحاق بن راہو یہ کے لیے لکھتے ہیں کہ وہ ان نمازوں میں قرأت کے قائل تھے جن میں قرأت آہستہ کی جائے۔

**جواب:** ...... صاحب تحفۃ الاحوذی نے معالم السنن خطابی کے حوالہ سے لکھا ہے، لیکن امام ترمذی عبادہ والی روایت کے بعد لکھتے ہیں کہ "والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین وھو قول مالك بن انس وابن المبارك واحمد واسحاق یرون القرأۃ خلف الامام" قرأت کے دونوں ابواب میں امام ترمذی نے تین مرتبہ اسحاق کو ذکر کیا ہے، تیسری مرتبہ اس طرح لکھتے ہیں کہ "وشدد قوم من اھل العلم فی ترك القرأۃ فاتحۃ الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لا تجزی صلوٰۃ الا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب وحدہ او خلف الامام وذھبوا الی ماروی عبادۃ بن الصامت عن النبی ﷺ وقرأ عبادۃ بن الصامت بعد النبی ﷺ خلف الامام وتأول قول النبی ﷺ لا صلوٰۃ اِلَّا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب وبہ یقول الشافعی واسحاق وغیر ھما." مطلب ظاہر ہے کہ کوئی بھی نماز فاتحہ پڑھنے کے بغیر نہ ہوگی پھر وہ اکیلا پڑھے یا امام کے پیچھے پڑھے یہ عبارت صریح ہے۔ کہ امام اسحاق ہر نماز میں امام کے پیچھے قرأت کو ضروری جانتے تھے۔ امام ترمذی ان سے اسناد ذکر کر کے اپنی سنن کے آخر صفحہ ۲۳۵ کتاب العلل میں جن فقہاء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کے متعلق سندیں ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ وما کان فیہ من قول احمد بن حنبل واسحاق بن ابراھیم فھو ما اخبر نا بہ اسحاق بن منصور عن احمد واسحاق الا ما فی ابواب الحج والدیات والحدود فانی لم اسمعہ من اسحاق بن منصور اخبرنی بہ محمد بن موسیٰ الاصم عن اسحاق بن منصور عن احمد واسحاق وبعض کلام اسحاق اخبر نا بہ محمد بن فلیح عن اسحاق. جیسا کہ یہ سند صحیح ہے لہٰذا امام ترمذی کی نقل کو مقدم کہا جائے گا۔ نیز حنفی مذہب کا امام عینی بھی اسی طرح کہتا ہے۔ چنانچہ

عمدۃ القاری صفحہ ۱۰ ج ۶ طبع منیریہ حدیث عبادہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ استدل بھذا الحدیث عبدالله بن المبارك والاوزاعی ومالك والشافعی واحمد واسحاق وابو ثور وداؤد علی وجوب القرأة خلف الامام فی جمیع الصلوٰت. یعنی اس عبادہ کی روایت سے سب ائمہ مذکور قرأۃ خلف الامام کے وجوب کے قائل تھے۔

قارئین:...... امام اسحاق بن راہویہ کے کئی مسائل ہیں جو فقہ حنفی کے خلاف ہیں ہم یہاں پر صرف ایک قول نقل کرتے ہیں۔ امام محمد بن نصر فرماتے ہیں کہ :...... سمعت اسحاق بن ابراهیم یقول قال ابن المبارك كان ابوحنیفه یتیما فی الحدیث (مختصر قیام اللیل صفحه ۱۲۳) یعنی ابوحنیفہ علم حدیث میں بالکل کورا اور یتیم تھا۔ اب دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب امام اسحاق کے قول کی کیا عزت کرتے ہے؟

آگے مؤطا کے حوالہ سے امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ سری نماز میں قرأت کے قائل تھے اور جہر نماز میں قائل نہ تھے۔

**جواب:** ...... یہ ان کا قول مؤطا میں ہے لیکن ان کا دوسرا قول بھی ہے کہ وہ جہری میں قرأت کے قائل تھے جیسا کہ امام ترمذی سے منقول ہے امام ترمذی امام مالک تک سند پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "وما كان من قول مالك بن انس فاكثره ما حدثنا به اسحاق بن موسٰی الانصاری نامعن بن عیسٰی القزاز عن مالك بن انس وما كان فیه من ابواب الصوم فاخبرنا به ابو مصعب المدینی عن مالك بن انس و بعض كلام مالك ما اخبرنا به موسی بن حزام اخبرنا عبدالله بن مسلمة القعنبی عن مالك بن انس. اس طرح آپ کے حنفی علامہ عینی کا تازہ قول بھی گزرا ہے۔ بلکہ امام قرطبی جو کہ مالکی مذہب کے مشہور امام ہیں۔ وہ اپنی مشہور تفسیر صفحہ ۱۱۹ ج ۱ میں امام مالک کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "الصحیح من هذه الاقوال قول الشافعی واحمد ومالك فی القول الاخر وان الفاتحة متعینة فی كل ركعة لكل احد علی العموم" یعنی صحیح یہ ہے کہ امام شافعی احمد اور مالک کا آخری قول ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں ضرور پڑھی جائے صفحہ ۱۲۰ پر ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث لاتے ہیں "فلا تقرؤا بشیٔ من القرآن الا بام القران" اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "هذا نص صریح فی المأموم واخرجه ابوعیسی الترمذی من حدیث محمد بن اسحاق بمعناه وقال حدیث حسن والعمل علی هذا الحدیث فی القراة خلف الامام عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ

والتابعین وھو قول مالك بن انس وابن المبارك والشافعی واحمد واسحاق یرون القرأة خلف الامام واخرجه دار قطنی فقال ھذا اسناد حسن ورجاله کلھم ثقات"

امام قرطبی کی ان عبارتوں سے چند باتیں معلوم ہوئیں: ❶ وہ بھی امام ترمذی سے نقل میں موافقت کرتے ہیں ❷ جہری نماز والی حدیث نقل کرنے کے بعد امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہیں اور اس کو رد نہیں کرتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام قرطبی امام مالک کو جہری نماز میں بھی فاتحہ خلف الامام کا قائل سمجھتے ہیں ❸ ان عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق صرف ایک ہی قول نہیں ہے جو مولوی صاحب نے نقل کیا بلکہ ان سے دوسرا قول بھی ثابت ہے کہ جہری نماز میں قرات کی جائے ❹ ان اقوال میں سے اسی قول کو صحیح کہتے ہیں جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے یعنی سب نمازوں میں قرات کی جائے۔ ❺ بلکہ قرأت کرنے والے قول کو آخری قول قرار دیتے ہیں گویا کہ پہلا قول منسوخ کہا جائے گا۔ جس سے امام صاحب نے رجوع کیا ہے۔ امام قرطبی مالکی مذہب کا ایک بڑا معروف امام ہے۔ علامہ ابن فرحون طبقات المالکیہ کی کتاب الدیباج المذہب صفحہ ۳۱۷ میں اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ کان من عباد الله الصالحین والعلماء العارفین والورعین الزاھدین فی الدنیا المشغولین بما یغنیھم من امور الاٰخرة اوقاته معمورة مابین توجه وعبادة وتصنیف.

قارئین:...... **اولاً:** مولوی صاحب کو امام مالک کے حوالہ سے خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر تسلیم کیا جائے کہ اس کے متعلق امام مالک کا ایک قول ہے تب بھی اس کے لیے مفید نہیں ہے کیونکہ امام مالک کم از کم سری نماز میں تو قرات خلف الامام کے قائل تھے جس کا مولوی صاحب کو بھی انکار نہیں لیکن ان کے اپنے مذہب کے مطابق بھی سری نماز میں قرات نہیں کرنی اس وجہ سے یہ قول نقل کرنے سے فائدہ تو نہ ہوا۔ بلکہ انہیں الٹا نقصان پہنچا باقی ہمارے لیے مضر نہیں ہے۔ اولا ہمارا مذہب اقوال پر نہیں ہے بلکہ حدیث پر ہے اور احادیث مبارکہ سے "کالشمس فی نصف النھار" مسئلہ ظاہر ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور آگے چل کر مزید معلوم ہوگا؛ لہٰذا اقوال میں کچھ بھی ہو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

**ثانیاً:**...... ہم نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ امام مالک جہری میں بھی قرأت کے قائل تھے۔ لہٰذا امام مالک کو ہمارے موافق کہا جائے گا نہ کہ تمہارے۔ ایضاً مولوی صاحب امام مالک کا قول پیش کر کے خوش تو ہوتے ہیں لیکن انہیں پتہ نہیں کہ امام مالک ان کے مذہب کے لیے کیا تاثرات رکھتے ہیں، چند معتبر اقوال ہم نقل کرتے ہیں پھر دیکھیں گے کہ مولوی صاحب امام صاحب کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟

❶ امام احمد اپنی کتاب العلل ومعرفۃ الرجال صفحہ ۱۶۸ پر فرماتے ہیں کہ "حدثنا عبدالله بن

ادریس قال قلت لمالک بن انس کان عندنا علقمة والاسود فقال قد کان عندکم من قلب الامر هکذا وقلب ابی کفه علی ظهرها یعنی ابا حنیفة ۔" یعنی ابوحنیفہ وہ شخص ہے جس نے دین کو تبدیل کر دیا ہے اور اس کو الٹا کر دیا ہے اس روایت کی سند بالکل صحیح اور سورج کی طرح روشن ہے اور نقل کرنے والے ایک دوسرے سے امام ہیں امام احمد کی امامت میں کسی کو شک نہیں، انہیں یحییٰ بن آدم ابوحاتم رازی، نسائی اور سلیمان بن حرب امام کہتے ہیں؛ قتیبہ بن سعید انہیں امام الدنیا کا لقب دیتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ "لو جلسنا مجلسا بالثنأ علیه ما ذکرنا فضائله بکمالها" احمد الدورقی فرماتے ہیں کہ "من سمعتموه یذکر احمد بسوء فاتهموه علی الاسلام (تہذیب صفحہ ۷۳ تا ۷۶ ج۱) بلکہ اس زمانہ میں سنی امام احمد کی محبت سے پہچانا جاتا تھا اور بدعتی ان کے بغض سے پہچانا جاتا تھا (مقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم صفحہ ۹۔ ۳۰۸) یہ روایت امام صاحب اپنی تصنیف کردہ کتاب میں لائے ہیں۔ وہ جن سے نقل کرتے ہیں وہ عبداللہ بن ادریس الاودی ہے وہ مشہور ثقہ اور معتبر ہے۔ انہیں عام ائمہ یحییٰ بن معین، نسائی، ابن سعد، ابن حبان، ابن خراش عجلی اور ابن المدینی وغیرھم ثقہ کہتے ہیں امام ابویعلی خلیلی فرماتے ہیں کہ ثقہ متفق علیہ یعنی ان کے معتبر ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ "هو حجة یحتج وهو امام من ائمة المسلمین ثقة (تہذیب صفحہ ۴۵۔ ۱۴۶ ج۵) امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۸۲ ج۱ میں انہیں یہ القاب دیتے ہیں کہ "الامام القدوة الحجة احد الاعلام" عبداللہ بن ادریس خود امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان کے پرانے ساتھی بھی ہیں، چنانچہ امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ کان عابداً فاضلا وکان یسلك فی کثیر من فتیاه ومذاهبه مسلك اهل المدینة وکان بینه وبین مالك صداقة (تهذیب صفحه ۱۴۵ ج۵) ایسے معتبر ناقلین کے بعد کوئی بھی عالم انکار نہیں کرسکتا کہ یہ قول امام مالک کا نہیں ہوگا اور یہی روایت امام مالک کی کتاب العلل صفحہ ۳۸۵ ج۱ میں ذکر ہوئی ہے۔ ◆ ۲ تاریخ بغداد صفحہ ۴۲۲ ج ۱۳ میں منصور بن ابی مزاحم سے روایت ہے کہ "قال سمعت مالك بن انس وذکر ابا حنیفة قال کادالدین کا دالدین (یعنی وہ دین میں حیلے بہانے کرتا تھا) منصور بن مزاحم ثقہ راوی ہے۔ جس طرح کہ تقریب میں تصریح ہوئی ہے۔ ائمہ میں سے ابن معین، ابوحاتم، دارقطنی اور ابن حبان وغیرھم نے ان کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب صفحہ ۳۱۲ ج۱) منصور سے خطیب دو سندوں سے یہ روایت لائے ہیں۔ ◆ ۳ کتاب المجروحین لابن حبان صفحہ ۷۳ ج ۳ میں ابو معمر اسماعیل بن ابراہیم الھذلی ولید بن مسلم سے روایت کرتے ہیں "قال سأل مالك بن انس رجلا یتکلم فی بلدك برأی ابی حنیفة قال نعم قال ان بلدکم اهل ان

لا یسکن" ایک شخص سے سوال کیا کہ کیا تمہارے شہر میں ابوحنیفہ کی رائے کا ذکر چلتا ہے۔ جواب دیا جی ہاں! امام مالک نے فرمایا تب تو تمہارے شہر کو سلامت نہیں رہنا چاہیے۔ یہ روایت تاریخ بغداد صفحہ ۴۲۱ ج ۱۳ میں دو تین سندوں سے مروی ہے کہ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ قال لی مالک الخ لہٰذا اس وجہ سے تدلیس کا شبہ باقی نہ رہا۔ کیونکہ اس روایت میں سماع کی تصریح ہے۔ ❹ تاریخ بغداد صفحہ ۳۹۴ ج ۱۳) میں ہے کہ امام ابو بکر بن ابی داؤد السجستانی نے ایک دن اپنے پانچ ساتھیوں سے کہا کہ "ما تقولون فی مسئلة اتفق علیها مالك واصحابه والشافعی واصحابه والاوزاعی واصحابه والحسن بن صالح واصحابه وسفیان الثوری واصحابه واحمد بن حنبل واصحابه فقالوا له ابا بکر لا تکون مسئلة اصح من هذه فقال هٰؤلاءِ کلهم اتفقوا علی تضلیل ابی حنیفة" یعنی تمہارا اس مسئلہ کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں تمام مذکور ائمہ اور ان کے ساتھی متفق ہوں انہوں نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ کون سا مسئلہ صحیح ہوگا؟ تو فرمانے لگے کہ یہ سب ابوحنیفہ کے ضال ہونے پر متفق ہیں۔ ان روایات کے علاوہ دیگر روایات بھی ان کتب میں موجود ہیں مولوی صاحب سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں کہ اب وہ امام مالک سے راضی ہیں یا نہیں؟

آگے کتاب الام کے حوالہ سے امام شافعی کی دو عبارتیں نقل کرتے ہیں جن سے مطلب لیتے ہیں کہ امام شافعی صرف سری میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔

## امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب

**جواب:** ...... **اوّلا:** امام شافعی کی جو پہلی عبارت نقل کی ہے وہ پوری نقل نہیں کی، کیونکہ اس سے انہیں نقصان ہوتا ہے۔ مکمل عبارت اس طرح سے ہے "قال الشافعی فواجب علی من صلی منفرداً او اماما ان یقرأ بام القرآن فی کل رکعة لا یجزیه غیر ها واجب ان یقرأ معها شیئا اٰیة او اکثرها وسأذکر المأموم ان شاء الله تعالیٰ قال الشافعی وان ترك من ام القرآن حرفا واحدا ناسیا او ساهیا لم یعتد بتلك الرکعة لان من ترك منها حرفا لا یقال له قرأ ام القرآن علی الکمال" آخری حصے کا مطلب یہ ہے کہ جس مقتدی نے بھول کر یا غلطی سے فاتحہ کا ایک حرف بھی چھوڑ دیا تو گویا کہ اس نے فاتحہ پڑھی ہی نہیں اب مولوی صاحب بتائیں کہ وہ خود امام شافعی کے موافق ہیں یا ان کی فقہ ان کے موافق ہے؟ ہرگز نہیں، خود امام شافعی اس عبارت سے چند سطریں پہلے فرماتے ہیں کہ انها فرض علی المصلی اذا کان یحسن یقرأها۔

**ثانیاً:** ...... دوسری عبارت میں بھی یہ تصریح نہیں کہ وہ جہری میں منع کرتے ہیں۔ بلکہ امام شافعی کتاب الام صفحہ ۱۵۱ ج ۷ میں ایک عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''اختلاف علی وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جس میں وہ آپ کو الزام دیتے ہیں کہ آپ کئی مسائل جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں نہیں مانتے۔ پھر اس پر چند مثالیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ ''هشيم عن منصور عن الحسن عن علي رضی اللہ عنہ قال اقرأ فيها ادركت مع الامام وهم لا يقولون بهذا يقولون انما يقرأ فيما يقضي لنفسه فاما وهو وراء الامام فلا قراءة عليه وعن نقول كل صلوٰة صليت خلف الامام والا مام يقرأ قرأة لا يسمع فيما قرأ فيها'' دراصل جو قرأت مطلق کے منکر ہیں ان کا رد کر رہے ہیں۔ لیکن جہری نماز میں قرأت کا انکار نہیں کرتے۔ پڑھنے والوں کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ مولوی صاحب نے دونوں جگہوں پر عبارتوں کے کافی حصے کاٹ کر پھر ذکر کیے ہیں۔ بلکہ ایک مقام پر دو قول نقل کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الام صفحہ ۱۸۸ ج ۱ میں ہے قال الشافعي اذا كانت صلوة خوف او غير خوف يجهر فيها بام القرآن فكل ركعة جهر فيها بام القرآن ففيها قولان احدهما لايجزی من صلى معه اذا امكنه ان يقرأ الا ان يقرأ بام القرآن والثاني يجزئه ان لا يقرأ ويكتفي بقرأة الامام واذ اكانت الصلوٰة اربعا او ثلاثا لم يجزه في واحد من القولين في الركعتين الآخرين او الركعة الآخرة الا ان يقرأ بام القرآن او يزيد ولا يكتفي بقرأة الا مام یہاں پر جہری قرأت میں بھی دو قول لکھے ہیں ایک تو مقتدی فاتحہ پڑھے اور دوسرا یہ کہ امام کا پڑھنا اپنے لیے کافی سمجھے، لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ اُن میں سے ان کا اپنا قول کون سا ہے ایک دوسری عبارت صفحہ ۱۸۳ ج ۱ میں ہے جس سے ان کے اپنے قول کی تعیین ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ولو خرج الامام من صلوته وسها عن ثلاث ركعات وقد جهر الامام في الركعتين ركع وسجد بلا قرأة واجتزأ بقرأة الامام في ركعة في قول من قال لايقرأ خلف الامام فيما يجهر فيه الامام ثم قرأ لنفسه فيما بقي ولم يجزه غير ذالك '' اس سے ثابت ہوا کہ جہری میں امام کی قرأت کو کافی سمجھنا امام شافعی کا اپنا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ مقتدی کو جہری میں بھی فاتحہ ضروری ہے۔ یہ تو تھا مولوی صاحب کی نقل کردہ عبارتوں کا جائزہ۔ اس کے بعد واضح ہونا چاہیے کہ امام شافعی کا اس کے متعلق مشہور مذہب ہے جیسا کہ ترمذی، بویطی، عینی اور ابن عبدالبر وغیرھم کے اقوال سے ظاہر ہوا۔ نیز ان کے خاص شاگرد امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی کتاب مختصر صفحہ ۷ ج ا علی ہامش الام میں لکھتے ہیں کہ قال المزني رحمة الله قدروی اصحابنا عن

الشافعی انہ قال یقرأ من خلفہ وان جہر بام القرآن قال محمد بن عاصم وابراھیم یقولان سمعنا الربیع یقول قال الشافعی یقرأ خلف الامام جہر اولم یجہر بام القرآن ، مزنی مختصر کے ابتدا میں لکھتے ہیں کہ اختصرت ھٰذا الکتاب من علم محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ ومن معنی قولہ لا قربۃ علی من ارادہ مع اعلامیہ نہیہ عن تقلیدہٖ وتقلید غیرہ لینظر فیہ لدینہ ویحتاط فیہ لنفسہٖ وباللہ التوفیق.

**ثالثاً**: ...... جنہوں نے امام شافعی سے جہری قرأت نہ کرنا نقل کیا ہے، انہوں نے یہ تصریح کی ہے یہ ان کا پہلا قول ہے۔ جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا اور ان کا آخری اور جدید قول یہ ہے کہ جہری میں قرأت کی جائے ایسی تصریح امام بیہقی نے جزء القرأۃ اور سنن کبریٰ میں کی ہے نیز امام بیہقی کتاب معرفۃ السنن والآثار صفحہ ۲۵۸ ج ا مصور میں فرماتے ہیں کہ "اخبرنا ابو سعید بن ابی عمرو قال حدثنا ابو العباس قال اخبرنا الربیع قال قال الشافعی رحمہ اللہ لا تجزی صلوٰۃ المرء حتی یقرأ بام القرآن فی کل رکعۃ اماما کان او ماموماً کان الامام یجہر او یخافت فعلی الماموم ان یقرأ بام القرآن فیہا یخافت الامام او جہر قال الامام الربیع وھذا آخر قول الشافعی سماعاً منہ وقد کان قبل ذلک یقول لا یقرأ الماموم خلف الامام فیہا یجہر الامام ویقرأ فیما یخافت فیہ وزاد علی ھذا فی کتاب البویطی فقال واحب الی ان یکون ذلک فی سکتۃ الامام. امام بیہقی نے اپنی سند سے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے اس طرح شافعی مذہب کا امام فقیہ ابو اسحاق شیرازی المہذب صفحہ ۷۲ ج ا میں تصریح کرتے ہیں کہ جہری میں امام شافعی کا آخری قول یہ ہے کہ مقتدی کے لیے قرأت واجب ہے اس طرح امام نووی شرح المہذب صفحہ ۳۶۴۔ ۳۶۰۔ میں ثابت کرتے ہیں۔ نیز حافظ ابن عبدالبر التمہید شرح المؤطا (قلمی) میں فرماتے ہیں کہ "وقال آخرون لا یترك احد من المأمومین قرأۃ فاتحۃ الکتاب خلف امامہ فیما جہر فیہ الامام بالقرأۃ لان قول رسول اللہ ﷺ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب عام لا یخصہ شیٌ لان رسول اللہ ﷺ لم یخص بقولہٖ ذلک مصلیا من مصل قالوا وقول اللہ عزوجل "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا" خاص واقع علٰی ماسوٰی فاتحۃ الکتاب وکذالك قولہ مالی انازع القراٰن وقولہ واذا قرأ فانصتوا اراد بعد فاتحۃ الکتاب وممن ذھب الی ھٰذہ الجملۃ الاوزاعی واللیث بن سعد وھو قول الشافعی بمصر وعلیہ اکثر اصحابھم منھم المزنی والبویطی وبہ قال ابو ثور. تھوڑا

آگے اور فرماتے ہیں وقال الا وزاعی و الشافعی وابو ثور علی الامام ان یسکت سکتة بعد التکبیرة الاولیٰ ویسکت بعد فاتحة الکتاب لیقرأ من خلفه بفاتحة الکتاب فان لم یفعل فاقرأ معه بفاتحة الکتاب واسرع القرأة هٰذا لفظ الاوزاعی وقول الشافعی وابی ثور مثله .......... ان عبارتوں سے ظاہر ہوا کہ امام شافعی کا آخری اور قطعی مسلک ہے کہ قرأت خلف الامام جہری خواہ سری میں کرنی ضروری ہے۔ مولوی محمد عمر صاحب کی نقل کو رد کرنے کے لیے مولوی صاحب نے جو کوشش کی ہے وہ خاک میں مل گئی۔ کیونکہ مولوی محمد عمر صاحب کی نقل امام مالک، شافعی، اور اسحاق کے بارے میں قوی اور مضبوط ثابت ہوئی ان کا ناقل امام ترمذی جو سب سے مقدم ہے اور ان کا مذہب باسناد نقل کرتے ہیں اور یقیناً انہوں نے موطا مالک اور کتاب الام للشافعی وغیرہ کتب ضرور دیکھی اور ان کا مطالعہ کیا ہوگا۔ وہ وقت کے امام محدث اور محقق تھے۔ انہوں نے ایسی نسبت اپنی تحقیق سے کی ہے اس کے مقابلے میں مولوی صاحب کے پاس کوئی دوسرا ناقل یا تحقیق کرنے والا نہیں ہے۔ مولوی صاحب! آپ مولوی محمد عمر صاحب پر جس قدر بھی ناراض ہوں لیکن امام ترمذی کو کیا کہیں گے کہ انہوں نے موطا مالک اور کتاب الام نہیں دیکھی تھی۔ "سبحانك هذا بهتان عظيم" نیز امام بیہقی سے زیادہ امام شافعی کے مذہب کا واقف کون ہوگا؟ اس کے بعد حافظ ابن عبدالبر کی عبارتیں گزریں امام ابن حزم کی عبارت بھی گزری کہ امام شافعی کا آخری قول یہی ہے کہ جہری خواہ سری میں قرأت خلف الامام کی جائے، اس طرح امام مالک کے متعلق امام ترمذی کے علاوہ مالکی مذہب کے امام مفسر قرطبی سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اب مولوی صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا کہ دوسروں کی نقل پر بھروسہ کر کے روایات اور قول نقل کرنا دوسری بات ہے اور اپنی تحقیق بحث ومباحثہ سے نقل کرنا اور بات ہے۔

شیر چیستان دگر ست وشیر نیستان دگر

**صفحہ ٦٠**:...... اس صفحہ پر (المغنی لابن قدامہ) کی روایت نقل کرتے ہیں۔

**جواب**:...... **اوّلاً**: اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ ان عبارتوں کے خلاف ہے۔

**ثانیا**:...... اس عبارت کا ترجمہ مولوی صاحب نے اس طرح سے کیا ہے "سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا نہ جہری نمازوں میں واجب ہے نہ سری نمازوں میں۔ ایک بڑی جماعت نے امام احمد بن حنبل سے اس کی تصریح نقل کی ہے اور یہ طریقہ امام زہری، سفیان، مالک، ابوحنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اگر اس عبارت کو تسلیم کیا جائے تو بھی اس میں استحباب کا انکار نہیں ہے۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری، بلکہ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ سب استحباب کے قائل تھے۔ جس کی عام فہم تعبیر یہ ہوتی ہے کہ

بموجب اس عبارت کے، ان سب کے نزدیک ہر نماز میں امام آہستہ پڑھے یا اونچی آواز سے پڑھے لیکن ہر حالت میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنا اچھا کام اور لائق ثواب ہے۔ اب بتائیں کہ کیا مولوی صاحب اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں؟ یا صرف عبارتیں نقل کرنے پر زور ہے۔

**ثالثاً**: ...... اس عبارت میں زہری اور ثوری کا نام بھی ہے۔ مولوی صاحب نے زہری کا سہارا لیا اور ان کے قول "فانتهى الناس عن القراة فيما جهر فيه" کی نقل پر بہت خوش نظر آتے تھے، اب اگر چہ زہری اس عبارت بموجب وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن سری خواہ جہری میں استحباب کے قائل تو کہے جائیں گے ورنہ وجوب کے انکار کا کوئی مطلب نہیں، پھر کہا جائے گا کہ زہری جملہ "فانتهى الناس" کا یہ مطلب نہیں سمجھا ہے۔ جو مولوی صاحب سمجھ رہے ہیں۔ اسی طرح امام مالک کی طرف جو جہری میں انکار کی نسبت تھی وہ غلط ثابت ہوئی۔

**رابعاً**: ...... امام ابوحنیفہ کا نام بھی ہے جب کہ ان کی طرف عدم وجوب کی نسبت کی جاتی ہے تو وہ استحباب کا جہری خواہ سری میں تو قائل کہا جائے گا۔ اب مولوی صاحب اپنے مذہب پر ماتم کریں یا امام ابوحنیفہ کو بھی چھوڑ دیں کیونکہ وہ استحباب کے قائل ہیں یا پھر اس عبارت سے دستبردار ہو جائیں۔

**خامساً**: ...... اس عبارت سے کچھ قبل صاحب مغنی خود لکھتے ہیں کہ "قال الا ستحباب ان يقرأ فی سكتات الا مام وفيما لا يجهر فيه هذا قول اكثر اهل العلم (المغنی صفحه ٦٠٢ ج ١) پر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اذا قرأ بعض الفاتحة فی سكتة الامام ثم قرأ الامام فانصت له ثم قرأ بقية الفاتحة فی السكتة الثانية فظاهر كلام احمد ان ذلك حسن (المغنی صفحه ٦٠٥ ج ١) ثابت ہوا کہ مولوی صاحب کی مغنی سے نقل کردہ عبارت اگر چہ کئی نقلوں سے معارض ہے کما تقدم۔ تاہم صاحب مغنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحب! وجوب نہیں لیکن استحباب کے قائل تھے۔ اسی وجہ سے یہ عبارت نقل کرنے سے مولوی صاحب کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ فلله الحمد.

**صفحه ٦١**: ...... اسی صفحہ پر مغنی کی دوسری عبارت لکھتے ہیں۔

**جواب**: ...... **اوّلاً**: یہاں پر بھی اس طرح وجوب کا انکار ہوتا ہے لیکن استحباب کا انکار نہیں لہٰذا مولوی صاحب اگر امام احمد کی طرف منسوب کیے ہوئے اس قول کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس قول کو معتبر جانتے ہیں تو پھر چاہے وجوب کا انکار کریں لیکن کم از کم استحباب کے قائل ہوں۔

**ثانیاً**: ...... امام احمد کی طرف اس قول میں بہت بڑا تامل ہے۔ کیونکہ امام احمد جیسے ماہر صاحب وسیع علم نبی ﷺ کے صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کی طرف اس قسم کی نسبت کس طرح کرتے ہیں۔ جو کہ

بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ جب کہ نبی ﷺ صریحاً مقتدیوں کو حکم دیتے ہیں (نماز بھی جہری ہے) کہ لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا ، اس طرح اوپر جزء القرأۃ بیہقی کے حوالہ سے حدیث گزری لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام ، اس قسم کی دوسری روایات بھی گزریں پھر جب کہ حدیث کے صریح الفاظ ہیں کہ الحمد کے بغیر کوئی بھی نماز نہیں اگر چہ مقتدی ہو اور خواہ نماز جہری ہو۔ امام صاحب اس حقیقت کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس طرح کئی صحابہ کا بھی یہی مسلک تھا چنانچہ عبادہ بن الصامت اسی باب میں مشہور ہیں نیز جزء القرأۃ بیہقی صفحہ ۶۳ پر ہے عن محمود بن الربیع قال صلینا صلوٰۃ الی جنبی عبادۃ بن الصامت فسمعتہ یقرأ بفاتحۃ الکتاب فلما فرغنا قلت ابا الولید الم اسمعک قرأت بفاتحۃ القرآن قال اجل انہ لا صلوٰۃ الا بھا قال ابن عون فکان یقال لرجاء ارأیت ان کان خلف الامام فیما یجھر فیقول ان جھر وان لم یجھر فلا بد من قرأۃ. اسی طرح امام بیہقی نے کئی صحابہ کے آثار نقل کیے ہیں۔ مثلاً عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿اقرأ خلف الامام ان جھر﴾ (یعنی جہر کی حالت میں بھی امام کے پیچھے قرأت کر) دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ " لا صلوٰہ الا بفاتحۃ الکتاب" راوی پوچھتا ہے کہ "قلت ارایت ان کنت خلف الامام قال اقرأ فی نفسک" ایک روایت میں ہے کہ "لا تجوز صلوۃ " یہ صریح ہے کہ امیر عمر جہری خواہ سری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ "لاتدع فاتحۃ الکتاب جھر الامام اولم یجھر" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے "اقرؤا اذا سکتوا واسکتوا اذا قرأوا فان الصلوٰۃ المخدجۃ التی لا قرأۃ فیھا" (یعنی جب امام سکتہ کرے تب قرأت کرو اور جب قرأت کرے خاموش رہو کیونکہ وہ نماز ناکمل (ناقص ہے جس میں فاتحہ کی قرأت نہ کی جائے) بلکہ ابوہریرہ کا مذہب اس باب میں مشہور ہے یہاں تک کہ رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو صحیح نہیں کہتے جس طرح کہ جزء القرأۃ بخاری کے حوالہ سے ذکر ہوا۔ ابو درداء کا قول ہے "لا تترک قرأۃ فاتحۃ الکتاب خلف الامام جھر اولم یجھر" عمران بن حصین کا قول ہے کہ "لا تزکوا صلوٰۃ مسلم الا بطھور ورکوع وسجود وفاتحۃ الکتاب وراء الامام اوغیر الامام" ان الفاظ پر غور کریں کہ "لا تزکوا" کا کیا معنی ہے؟ یعنی وہ نماز پاک نہیں ہے جس میں الحمد نہ پڑھی جائے جب وہ نماز پاک ہی نہیں رہی تو وہ باطل نہیں تو کیا ہوئی۔ اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن عاص کا اثر ہے "انہ کان یقرأ خلف رسول اللہ ﷺ اذا انصت واذا قرأ لم یقرأ فاذا انصت قرأ وکان رسول اللہ ﷺ یقول کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب

فھی خداج" معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ "ان کان خلف الامام فجھر اولم یجھر فلا بد من قرأة فاتحة الکتاب (المحلی صفحہ ۲۲۸ ج ۲) اس طرح کئی تابعین سے منقول ہے مثلاً عمرو بن زبیر اپنی اولاد کو سمجھاتے ہیں کہ "یا بنی اقرأوا خلف الامام فانه لا تتم الصلوٰة الا بفاتحة الکتاب (بیھقی صفحہ ۱۷۶ ج ۲) سعید بن جبیر کا قول گزرا کہ وان سمعت قرأته یعنی امام کی قرأت سن رہا ہو۔ تب بھی تجھے فاتحہ پڑھنی ہے۔ امام مکحول کے متعلق منقول ہے کہ "کان مکحول یقرأفی المغرب والعشاء والصبح بفاتحة الکتاب فی کل رکعة سرا قال مکحول اقرأ فیما جھر به الامام اذا قرأ بفاتحة الکتاب وسکت سرا فان لم یسکت اقرأ بھا قبله ومعه وبعده ولا تترکھا علی حال (سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۰ ج ۱)

صحابہ کرام اور تابعین سے اتنی زیادہ روایات ہوتے ہوئے امام صاحب کس طرح انکار کر سکتے ہیں؟ کیا امام صاحب نے یہ روایات نہیں دیکھیں؟ یقیناً دیکھی ہوں گی پھر کس طرح کہا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ خلف میں امام لیث اور اوزاعی کا نام لیا ہے۔ حالانکہ امام لیث کے متعلق تفصیل سے گزرا کہ وہ جہری نماز میں قرأت کو فرض کہتے ہیں اور امام شافعی سے اس مسئلہ میں موافق ہے اس طرح امام اوزاعی کا بھی یہی مذہب ہے جس طرح کہ پہلے علامہ عبدالبر کی عبارت گزری۔ نیز تمہید قلمی میں لکھتے ہیں کہ "وذکر الطبری عن العباس بن الولید بن یزید عن ابیه عن الاوزاعی قال یقرأ خلف الامام فیما اسر وفیما جھر وقال فاذا جھر فانصت واذا سکت فاقرأ یعنی فی سکتاته بین القرأتین" اسی طرح امام ابن حزم نے المحلی (صفحہ ۲۳۹ ج ۳) میں امام اوزاعی کے مذہب وجوب کو نقل کیا ہے۔ آپ کے حنفی عینی بھی امام اوزاعی کو واجب کہنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ لیث کے قول کے وقت ان کی عبارت گزری، یہ حقیقت ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ امام احمد کی طرف اس قول کی نسبت کرنا بعید از عقل ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ امام احمد ایسے حقائق کا انکار کریں۔

**ثالثا:**......خود مغنی صفحہ ۶۰۰ ج ۱ میں عبارت ہے جو امام احمد کی طرف اس غلط نقل کو رد کرتی ہے۔ چنانچہ پہلا وہ قول نقل کرتے ہیں جو وجوب کے متعلق نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ "والقول الآخر للشافعی یقرأ فیما جھر فیه الامام ونحوه عن اللیث والا وزاعی وابن عون ومکحول وابی ثور العموم قوله علیه السلام لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب متفق علیه وعن عبادة بن الصامت قال کنا خلف رسول الله ﷺ فی صلوٰة الفجر فقرأ فثقلت علیه القرأة فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم یا رسول الله قال لا تفعلوا الا

بفاتحة الکتاب فانه لا صلوٰة لمن لم یقرأبها رواه الا ثرم وابود اؤد ور وی عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من صلیٰ صلوٰة لم یقرأ فیها با م القراٰن فهی خداج فهی خداج فهی خداج غیر تمام قال فقلت یا ابا هریرة إنّی اکون احیانا ورآء الا مام قال فغمزذراعی وقال اقرأبها نفسك یا فارسی رواه مسلم وابو داؤد ولا نه رکن فی الصلوٰة فلم یسقط عن المأموم کالرکوع ولا نه من لزمه القیام لزمته القرأة مع القدرة کالامام والمنفرد .

**ناظرین:**...... اس عبارت میں چند باتیں بیان ہوئی ہیں۔

**الاوّل:**...... خود صاحب مغنی جو امام احمد سے قول نقل کرتے ہیں۔یہی مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے. وہ عبارت خود امام لیث اور امام اوزاعی سے جہری خواہ سری نماز میں اس قول کے خلاف قرأت خلف الامام کا وجوب نقل کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ خود ''مغنی'' کو بھی اس نقل پر اعتماد نہیں ہے۔ وگرنہ دوسری صورت میں خود صاحب مغنی کی نقل میں تناقض ہے۔

**الثانی:** ...... مکحول اور ابن عون تابعین کو بھی وجوب کے قائلین میں شمار کرتے ہیں۔جس کا معنی یہ ہوا کہ ان کا اس نقل پر بھروسہ نہیں ہے۔صحابی یا تابعی کسی سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہے۔پھر جس عبارت کو خود صاحب مغنی گرا رہے ہیں اس پر مولوی صاحب کس طرح بھروسہ کر سکتے ہیں۔

**الثالث:** ...... قائلین وجوب کی تین دلیلیں نقل کرتے ہیں: ❶ عام دلیل کہ الحمد کے بغیر نماز نہیں ہے۔ ❷ دوسری دلیل وہ حدیث جس میں خاص مقتدیوں کو خطاب ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے الحمد کے بغیر کچھ نہ پڑھو، کیونکہ جس نے اس کو پڑھا اس کی نماز نہیں ❸ خداج والی روایت۔کیا امام احمد کو یہ روایات معلوم تھیں یقیناً تھیں۔پھر کس طرح اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں.

**الرابع:** ...... ابوہریرہ کا مذہب بھی معلوم ہوا کہ وہ خداج والی حدیث کو امام خواہ مقتدی سب کے لیے عام سمجھتے ہیں۔ان سے جب امام کے پیچھے والے حالت متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ''اقرأ بها فی نفسك یا فارسی '' (یعنی دل میں پڑھ) پھر امام صاحب کس طرح انکار کرتے ہیں کہ کوئی بھی صحابی اس کا قائل نہ تھا۔

**الخامس:** ...... قائلین وجوب کی دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرأت نماز کا رکن ہے۔پھر جس طرح رکوع وغیرہ ارکان مقتدی سے ساقط نہیں ہیں اس طرح یہ رکن بھی اس سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ تمام ارکان اس کو خود ادا کرنے ہیں کیونکہ جب اس پہ قیام لازم ہے تو قرأت بھی لازم ہوگی۔جس کا معنی یہ ہے کہ یہ سب دلائل

کی بناء پر وجوب کے قائل تھے۔

**رابعاً:** ......خود امام احمد بن حنبل عبادہ بن الصامت والی مفصل روایت کو اپنی سند میں پانچ دفعہ لائے ہیں (صفحہ ۳۱۳ سے ۳۲۲ ج ۵) سب میں یہ الفاظ ہیں "فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا" ایک میں ہے "فانہ لا صلوٰۃ الا بھا" پھر یہ جہری نماز والی روایت اپنی کتاب میں متعدد بار روایت کرنے کے باوجود بھی امام احمد انکار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ یہ بات ان کی شان سے قطعاً بعید ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ امام صاحب اپنی تحقیق کے لحاظ سے کوئی بھی مذہب رکھتے ہوں۔ لیکن نقل کے لحاظ سے اس حقیقت کا کس طرح انکار کر گئے۔

**خامساً:** ...... امام ترمذی باب "ماجاء فی قرأۃ خلف الامام" میں عبادہ کی روایت ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ "والعمل علی ھذا الحدیث فی القرأۃ خلف الامام عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین وھو قول مالک بن انس وابن المبارك والشافعی واحمد واسحاق یرون القرأۃ خلف الامام" پھر جب کہ امام احمد کا اپنا عمل اور مسلک اسی حدیث کے موافق ہے جس میں صریحاً مقتدیوں کو خطاب ہے کہ "فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا" ان کی طرف اسی قول کی نسبت کس طرح ہو سکتی ہے!

**سادساً:** ...... اتنی زیادہ حقیقتوں کے ہوتے ہوئے بھی مولوی صاحب اپنی ضد پر قائم ہیں کہ یہ نقل صحیح ہے تو پھر ہم امام احمد سے دو تین دوسرے اقوال نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلے کہ امام احمد احناف اور ان کے امام کے بارے میں کیا تاثر رکھتے ہیں ❶ ان کے فرزند امام عبداللہ مسائل امام احمد بن حنبل صفحہ ۴۳۸ پر لکھتے ہیں کہ "قال سالت ابی عن الرجل یرید ان یسأل عن الشیء من امر دینه مما یبتلی به من الایمان فی الطلاق وغیرہ وفی مصرہٖ من اصحاب الرأی ومن اصحاب الحدیث لایحفظون ولا یعرفون الحدیث الضعیف ولا الا سناد القوی فلمن یسأل اصحاب الرأی؟ اوھٰؤلاءِ اعنی اصحاب الرای او ھٰؤلآء اعنی اصحاب الحدیث علی ماقد کان من قلة معر فتھم قال یسأل اصحاب الحدیث لا یسأل اصحاب الرأی ضعیف الحدیث [illegible] من رأی ابی حنیفه" اس نقل کے سچ ہونے میں کوئی بھی شک نہیں ہے کیونکہ اس کے ناقل خود امام صاحب کے فرزند ارجمند امام عبداللہ اپنی تصنیف کردہ کتاب جس میں اپنے والد کے مسائل جمع کرتے ہیں اس میں نقل کرتے ہیں۔ مغنی کی نقل کی طرح نہیں ہے جو صدیاں گزرنے کے بعد امام صاحب سے بغیر سند کے نقل کیا جائے۔ امید ہے کہ اب مولوی صاحب اگر کسی مسئلے میں مبتلا ہوئے تو اہل حدیث

سے پوچھیں گے نہ کہ اہل الرأی سے اور امام ابوحنیفہ کے قول کو ضعیف حدیث سے کم سمجھیں گے ❷ امام ابوداؤد السجستانی صاحب سنن بھی امام احمد کا شاگرد ہے۔ ان کی تصنیف کردہ کتاب مسائل الامام احمد مشہور ہے صفحہ ۲۷۵ پر ہے کہ "حدثنا ابو داؤد قال سمعت احمد یقول قال ابن عیینه اصحاب الرأی ثلاثة عثمان یعنی التی فی البصرة وربیعة بالمدینة وابو حنیفة بالکوفة" یہ سند بھی معتبر ہے کیونکہ امام ابوداؤد براہ راست امام احمد سے سنتے ہیں جو سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ بذات خود ایک مشہور امام ہیں۔ ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ اصحاب الرأی میں سے ہیں۔ اصحاب الرأی کے لیے جو تاثر امام احمد کا ہے وہ امام ابوداؤد اس کتاب کے صفحہ ۲۷۶ پر اس طرح بیان کرتے ہیں "قال سمعت احمد ذکر شیئا من امر اصحاب الرأی فقال یحتالون لنقض سنن رسول الله ﷺ" یعنی اصحاب الرأی رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو توڑنے کے لیے حیلے بہانے کرتے ہیں اور خود امام احمد اپنی کتاب العلل صفحہ ۲۵۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "اهل الرأی لا یروی عنهم" ❸ امام محمد بن نصر المروزی فرماتے ہیں کہ حدثنی علی بن سعید النسوی قال سمعت احمد بن حنبل یقول هٰؤلآءِ اصحاب ابی حنیفة لیس لهم بصر بشی من الحدیث ما هوالا الجرأة (مختصر قیام اللیل صفحہ ۲۱۳) یہ بھی نہایت صحیح سند ہے کیونکہ امام مروزی مشہور ثقات آئمہ میں سے ہیں۔ ابن عبدالحکم مصری کہتے ہیں کہ کان محمد بن نصر المروزی عند نا اماما فکیف بخراسان" اور ابوبکر احمد بن اسحٰق الفقیہ انہیں "امام من امة المسلمین" کا لقب دیتے ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ کان احد الا ئمة فی الدنیا ممن جمع وصنف وکان اعلم اهل زمانه بالاختلاف واکثرهم صیا نة فی العلم" (التہذیب صفحہ ۸۹۔۴۹ ج ۹) اور امام مروزی کے استاد براہ راست امام احمد سے نقل کرتے ہیں وہ بھی مشہور ثقات میں سے ہیں۔ انہیں امام نسائی صدوق ذہلی ثقہ اور حاکم محدث عصر کہتے ہیں۔ امام ابن حبان انہیں ثقات میں داخل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "کان متقنا من جلسآء احمد" ایسی صحیح سند والی نقل کو تو مولوی صاحب ضرور قبول کریں گے ❹ امام ابوداؤد مسائل احمد صفحہ ۲۷۵ پر فرماتے ہیں کہ "سمعت احمد یقول رأی رقبة بن مسقلة رجلا من این جئت فقال من عند ابی حنیفة فقال مضغت کلاما کثیر او رجعت من غیر ثقة" امام احمد کی اس نقل کو مولوی صاحب یقیناً مانیں گے اور یہی قول امام احمد نے اپنی کتاب العلل صفحہ ۱۲۴ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ امام ابوجعفر عقیلی اپنی کتاب الضعفاء صفحہ ۴۹۷ ج ۲ (قلمی) میں فرماتے ہیں کہ "حدثنا عبدالله بن احمد قال سالت ابی عن اسدؔ بن عمرو وابی یوسف فقال اصحاب ابی حنیفة لا ینبغی ان

یروی عنھم " یہ سند بھی اعلیٰ درجے کی ہے امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۳۔۲۴ ج ۳ میں عقیلی کو ذکر کرتے ہیں اور انہیں الحافظ الامام کا لقب دیتے ہیں اور مسلمہ بن القاسم کہتے ہیں کہ "جلیل القدر عظیم الخطر مارایت مثلہ" اور حافظ ابوالحسن بن سہل القطان سے نقل کرتے ہیں کہ "ثقۃ جلیل القدر عالم بالحدیث مقدم فی الحفظ " ان کے استاد خود امام احمد کے فرزند امام عبداللہ ہیں۔ جن کے ثقہ ہونے اور بزرگی میں کوئی شک نہیں ہے تقریب میں انہیں ثقہ کہتے ہیں اور خطیب فرماتے ہیں کہ کان ثقۃ ثبتا فھما امام نسائی کہتے ہیں کہ ثقہ ہے. امام دارقطنی کہتے ہیں کہ ثقہ نبیل ابوبکر الخلال کہتے ہیں کہ کان صالحاً صادق اللھجۃ کثیر الحیاء (التھذیب صفحہ ۱۴۳ ج ۵) حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۶۶۵ ج ۲ میں انہیں ان القاب سے یاد کرتے ہیں "الامام الحافظ الحجۃ ابو عبدالرحمن محدث العراق ولد امام العلماء" اس قسم کی روایت کتاب المجروحین لابن حبان صفحہ ۷۱ ج ۳ میں ہے۔

❺ کتاب الضعفاء کے اسی صفحہ پر موجود ہے کہ حدثنا عبداللہ بن احمد قال سمعت ابی یقول حدیث ابی حنیفۃ ضعیف ورأیہ ضعیف ❻ اسی صفحہ پر دوسری روایت ہے حدثنا عبداللہ قال حدثنی ابی قال حدثنا عبدالرحمن قال سألت سفیان عن حدیث عاصم بن ابی النجود فی المرتدۃ اسمعتہ فقال اما من ثقۃ فلا قال قال ابی وکان ابوحنیفۃ یرویہ" یہ سند نہایت بڑی شان والی ہے۔ اس میں چار امام اکھٹے ہوئے ہیں۔ امام عبداللہ ان کے والد امام احمد، ان کے استاد امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور ان کے استاد سفیان ثوری۔ ❼ امام ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل صفحہ ۴۵ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ "نا محمد بن حمویہ بن الحد ......... قال سمعت حصین بن الحسن المروزی یقول ذکر ابوحنیفۃ عند احمد بن حنبل فقال رأیہ مذموم وبدنہ لا یذکر " اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات اور سخت اقوال ہیں۔ ہم ان پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب امام احمد بن حنبل کے قول اور نقل کو معتبر کہتے ہیں یا نہیں؟

آگے شیخ عبدالقادر جیلانی کی عبارت نقل کرتے ہیں اور ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہے تو اس کو امام کی قرأت کے لیے خاموش رہنا چاہیے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** لیکن اس عبارت سے جو مولوی صاحب نے مطلب سمجھا ہے وہ صاف نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "فان قرأتھا فریضۃ وھی رکن تبطل الصلوٰۃ بترکھا" یعنی سورہ فاتحہ فرض ہے اور ایک رکن ہے جس کو چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور اس حکم سے مقتدی کو الگ نہیں کرتے۔ بلکہ چند سطریں چھوڑ کر فرماتے ہیں کہ "ثم یأتی بقرأۃ ما تیسر من

السور الكوامل وهي اولى من قرأة او اخرها واوسطها ويكون منصتا الى ما يقرأ متفهما الى ما يلفظ ويتلو وكذالك ان كان مأموماً ينصت الى قرأة الامام ويفهمها ويتعظ بمواعظها وزواجرها ويعتقد امتثال. اوامرها والانتهاء عن نواهيها هكذا الى ان تنتهي السورة (غنية الطالبين صفحه ۱۱۳ ج۲ طبع مصر) اب اس عبارت کو دہرا کر پڑھیں کہ سید صاحب یہ حکم مقتدی کو ماسوی فاتحہ کے لیے دے رہے ہیں نہ کہ فاتحہ کے لیے بلکہ اس کو تو رکن قرار دیتے ہیں اور اس کے چھوڑنے کو نماز کا باطل ہونا کہتے ہیں اور یہی بات مولوی صاحب کے مذہب کے لیے ضرب کاری ہے۔

**ثانیا**: ......مولوی صاحب کو لفظ "ينصت الى قرأة الامام الخ" سے دھوکا لگا ہے یہ خود پڑھنے والے کے لیے کہہ رہے ہیں یعنی ويكون منصتا الى ما يقرأ متفهما الى ما يلفظ ويتلو" اب سوچیں کہ اگر انصات کا معنی بالکل خاموش رہنا اور کچھ نہیں پڑھنا ہے تو پھر پڑھنے والے کو بھی سید صاحب انصات کا حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ کس طرح پڑھے گا؟ بلکہ یہاں پر اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی قرأت کی طرف پوری توجہ دے اس طرح مقتدی کو بھی حکم دیتے ہیں کہ وہ امام کی قرأت کی طرف توجہ دے اور سمجھنے کی کوشش کرے اور باقی قرأت سے خاموش رہنے کا نہ امام کو حکم دیتے ہیں اور نہ مقتدی کو مولوی صاحب کی یہ عبارت بقول ان کے برکت حاصل کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ اس برکت کی خبر ابھی پڑ جائے گی۔

**ثالثا**: ...... جو حصہ مولوی صاحب نے عبارت کا نقل کیا ہے۔ اس کی انتہا اس جملہ پر ہوتی ہے "هكذا الى ان تنتهي السورة" اس میں خود بیان ہے کہ یہ حکم فاتحہ کے بعد کی سورت کا ہے۔

**رابعا**: ......سید صاحب اس عبارت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "فاذا افرغ من القرأة ثبت قائما وسكت حتى يرجع اليه نفسه قبل ان يركع ولا يصل قرأة بتكبيرة الركوع ثم يكبر ويرفع يديه الى فروع اذنيه او حذو منكبيه عليه ما بينا في اوّل الكتاب" مولوی صاحب کے پاس اب برکت دہری پہنچ گئی۔ سید صاحب تو رفع الیدین کا حکم بھی دے رہے ہیں۔ پتہ نہیں کہ مولوی صاحب کے اعتقاد کا وضو قائم رہے گا یا نہیں؟

**خامسا**: ......صفحہ ۳ ج ۱ پر فرماتے ہیں کہ "فاذا اكملت هذه الشروط دخل في الصلوة بقوله الله اكبر لا يجزئه غيره من الالفاظ التعظيم ولها اركان وواجبات ومسنونات وهيئات اما الاركان فخمسة عشر القيام وتكبيرة الاحرام وقرأة الفاتحة والركوع والطمأنينة فيه والاعتدال عنه والطمأنينة فيه والسجود والطمأنينة فيه والجلوس

بیـن السجد تین والطمأنیة فیه والتشهد الآخیر والجلوس له والصلوٰۃ علی النبی ﷺ“ ان برکتوں کومولوی صاحب قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ ان پندرہ اشیاء کو آپ بھی رکن کہتے ہیں؟ آپ کی ہدایہ صفحہ ۹۱ ج ۱ میں چھ ارکان ہیں۔ تحریم، قیام مطلق قرأت، رکوع، سجدہ اور تشہد کے برابر آخری قعدہ، باقی ”نو“ ارکان کے آپ منکر ہیں، ان چھ میں بھی آپ کا جھگڑا ہے ایک تو سید صاحب کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے علاوہ کوئی بھی دوسرا لفظ تصریح کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہدایہ صفحہ ۱۰۰ ج ۱ میں ہے کہ ”فـان قال بدل التکبیر الـلـه اجل اوا عظم اوالرحمن اکبر او لا اله الا الله وغیره من اسماء الله تعالیٰ اجزاء عـنـد ابی حنیفة و محمد اور دوسرا کہ سید صاحب خاص سورہ فاتحہ کو رکن کہتے ہیں اور آپ کے نزدیک مطلق قرأت رکن ہے خاص فاتحہ نہیں۔ چنانچہ ہدایہ صفحہ ۱۰۴ ج ۱ میں ہے ”فـقـرأة الـفـاتـحة لا تتعین رکـن عـنـدنـا“ اس طرح سلام کو بھی آپ رکن کہتے ہی نہیں بلکہ آپ کا فیصلہ ہے کہ ”وان تـعـمـد الحدث فی هذه الحالة او تکلم او عمل عملا ینافی الصلوٰة تمت صلوٰته لا نه تعذر البناء لو جود القاطع لکن لا اعادة علیه لا نه لم یبق علیه شیء من الارکان (ہدایہ صفحہ ۱۳۰ ج ۱) یعنی حنفی مذہب کے مطابق تشہد پڑھنے کے بعد نمازی سلام کے عوض کوئی دوسرا کام کرے حتی کہ جان بوجھ کر اپنا وضو توڑے (یعنی دبر سے ہوا خارج کرے) نماز سے نکلے تو بھی اس کی نماز درست ہے اور دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے نماز کا کوئی رکن رہنے نہیں دیا۔ اب مولوی صاحب جواب دیں کہ آپ کو کون سی برکت منظور ہے سید صاحب کی غنیۃ الطالبین میں ذکر شدہ یا ہدایہ میں ذکر کردہ۔

**سادساً:** ......سید صاحب کی بڑی برکت آپ کے لیے ہے جو کہ احناف کو اہل سنت میں شمار نہیں کرتے چنانچہ صفحہ ۸۳ ج ۱ میں لکھتے ہیں ”الـفـصـل الثانی فی بیان الفرق الضآلة عن طریق الهدی“ اس فصل میں احادیث لاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امت تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ایک ناجی (چھٹکارے والا جنتی ہے) باقی بہتر ۷۲ گمراہ اور جہنمی ہیں۔ صفحہ ۸۵ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ ”فـصـل فـاصـل ثـلاث وسبـعیـن فـرقة عشـرة اهـل السـنة والخوارج والشیعة والمعتزلة والـمـرجـئة والمشبهة والجهمیة والضراریة والنجاریة والکلا بیة فاَهل السنة طآئفة واحدة والخوارج خمس عشرة فرقة والمعتزلة ست فرق والمرجئة اثنتا عشرة فرقة والشیـعة اثنتان والثلاثون فرقة والجهمیة واحدة والمشبهة ثلاث فرق فجمیع ذلك ثلاث وسبعون فرقة علی ما اخبر به النبی ﷺ۔ واما الفرقة الناجیة فهی اهل السنة و الجماعة فقد بیَّنّا مذهبهم واعتقا دهم علیٰ ما قدمنا ذکره. اهـ سید صاحب اپنی برکت اس

طرح بیان کرتے ہیں۔ ان تہتر فرقوں کے دس بنیادی فرقے ہیں۔ جس میں سے ایک اہل سنت ہے اور یہ فرقہ ناجیہ ہے دو تین سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ و ما اسمهم الا اصحاب الحدیث و اهل السنة ۔ یعنی ان کا نام اصحاب الحدیث (اہل حدیث) اور اہل السنۃ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ باقی بہتر فرقے دیگر نو فرقوں کی شاخیں ہیں۔ ان بنیادی نو ۹ فرقوں میں ایک فرقہ مرجیہ ہے جس کی بارہ ۱۲ شاخیں بتاتے ہیں پھر صفحہ ۹۰ ج ا پر فرماتے ہیں کہ "فصل واما المرجئة ففرقها اثننا عشر فرقة، الجهمية والصالحية والشرية واليوسية واليونانية والنجارية والغيلانية والشبيبة والحنفية والمعاذية والمريسية والكرامية۔ اهـ یعنی ان بارہ فرقوں میں سے ایک حنفی فرقہ ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک فرقے کی تعریف کر کے ان کے عقائد بیان کرتے ہیں۔ صفحہ ۹۱ ج ا میں فرماتے ہیں کہ "واما الحنيفية فهم اصحاب ابی حنيفة النعمان بن ثابت زعموا ان الايمان هو المعرفة والاقرار بالله ورسوله وبما جآء من عنده جملة على ما ذكره البرهوتی فی كتاب الشجره ."

ان عبارتوں کی ترتیب سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ سید صاحب حنفی جماعت کو اہل السنۃ میں شمار نہیں کرتے بلکہ باقی بہتر فرقے جنہیں فرقہ ضالہ کہہ چکے ہیں ان میں شمار کرتے ہیں اب مولوی صاحب کو چاہیے کہ وہ شاہ صاحب کی ان برکتوں سے جھولیاں بھر لیں۔

مبارك باشد وباشد مبارك
يك ايں است ديگر صد مبارك

**صفحہ ۶۲**:...... اس کے بعد مولوی صاحب ایک عنوان قائم کرتے ہیں "حضرات غیر مقلدین کے دلائل اور ان کی حقیقت" اس عنوان کے تحت مولوی صاحب نے جو گل افشانی کی ہے اس کی حقیقت ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے اس تفصیلی کلام سے معلوم ہوگی۔ سب سے پہلے مولوی عمر صاحب کی اس دلیل آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ﴾ کے متعلق کہنا کہ عام ہونے کے سبب امام اور مقتدی پر قرآن شریف کی قرأت واجب کرتی ہے اس کے جواب میں فتویٰ لگاتے ہیں کہ یہ جہالت ہے حالانکہ یہ فتویٰ سب سے پہلے ان کے بڑوں پر لگتا ہے۔ ان ہی کے مذہب میں اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار صفحہ ۱۵۷ پر لکھتے ہیں کہ "مثاله قوله تعالیٰ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ مع قوله تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا، فان الاوّل بعمومه يوجب القراة على المقتدی اهـ اب مولوی صاحب نور الانوار کے مصنف ملا جیون کے لیے بھی یہی فتویٰ لگائیں کہ انہوں نے اپنی جہالت ظاہر کی ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں

جب آپ کے حملے سے آپ کے بڑے نہیں بچ سکے تو پھر مولوی محمد عمر صاحب جیسے آپ سے کس طرح کی امید رکھ سکتے ہیں؟ اس کے بعد اس کے متعلق چھ سبب لکھتے ہیں پہلے میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے متعلق ہے۔ لیکن یہ معنی اس کے منافی نہیں ہے۔ کیا آیت دونوں باتوں پر مشتمل نہیں ہوسکتی؟ یہ اعتراض سب سے پہلے آپ کے احناف پر وارد ہوتا ہے۔ جو بقول شما ان تفاسیر کے خلاف ہے ایضاً تفسیر قرطبی صفحہ ۵۲۔۵۳ ج ۱۹ میں اس کے متعلق دو قول نقل کیے ہیں ایک تو اس سے مراد قرأت ہے اور دوسرا قول کہ قرأت سے مراد نماز ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ، قلت الاول اصح حملا للخطاب علی ظاهر اللفظ والقول الثانی مجاز فانه من تسمية الشیء ببعض ما هو من اعماله " ایضاً کوئی بھی آیت اپنے شان نزول تے پر بند نہیں ہوتی ہے کیونکہ قاعدہ ہے "العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب " ایضاً صاحب تنویر الایمان اگر چہ دوسروں سے یہ قول نقل کرتا ہے لیکن اس سے قبل خود اس طرح کہتا ہے کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی پہلے حکم کو منسوخ کیا پھر اب جو آپ کو آسان لگے وہ قرآن سے پڑھو تنویر الایمان صفحہ ۸۷ ج ۲۹) ایضاً اگر چہ اس سے مراد نماز ہے تب بھی اس کو قرآن کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں قرأت کی جاتی ہے اور یہی آپ کے حنفی علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ اس میں قرأت کا حکم سب کے لیے عام ہے۔

## مقلدین کے دلائل اور ان کی حقیقت

**ناظرین:**...... علماء احناف اس آیت سے دلیل لیتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ معین فرض نہیں ہے بلکہ مطلق قرأت نماز میں فرض ہے تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۱۳ ج ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ ان الامام ابا حنیفة رحمہ اللہ استدل بقوله تعالیٰ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ علی ان الفرض فی الصلوٰة مطلق القرأة الا الفاتحة بخصوصها " کیا اب اپنے امام کے استدلال کو غلط کہیں گے اور فتویٰ لگائیں گے؟ خود وہی ملا جیون التفسیرات الاحمدیہ صفحہ ۷۳۶ پر لکھتے ہیں کہ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ بعينه فی الصلوٰة علیٰ سبيل الوجوب او فی غير ها علی سبيل الندب او فا قيموا فی الليل ما تيسر من الصلوٰه والاول مختار صاحب المدارك والفقهآء والا صوليين والا خر مختار صاحب الكشاف والقاضی " ثابت ہوا کہ مفسرین کے اس کے متعلق دو قول ہیں۔ صرف ایک قول نہیں ہے جو کہ مولوی صاحب کا دعویٰ ہے۔ پھر لکھتے ہیں "اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے کوئی

بھی نقلی یا عقلی دلیل پیش نہیں کی اور دعوی بغیر دلیل کے غلط ہے۔ حالانکہ ان کا قول فی نفسہٖ دلیل ہے کیونکہ عام قطعی ہوتا ہے اور اپنے سب افراد کو شامل ہوتا ہے مولوی صاحب پر حق تھا کہ اس کی کسی دلیل سے تخصیص کرتے۔ بلکہ جہالت کا فتویٰ لگا کر اپنی علیت ظاہر کی ہے پھر اپنی تائید میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کرتے ہیں اس سے بھی حقیقت ظاہر ہے کہ قرأت قرآن ہے جو خود ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ ''اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اتنا وقت نماز پڑھتے تھے کہ ان کے پاؤں سوج جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ اتنا کھڑا ہونا قرآن پڑھنے کی وجہ سے تھا اور خود فائدہ میں لکھتے ہیں کہ ''اللہ کو معلوم ہے تم رات کو اس قدر نماز میں کھڑے ہونے کو پورا نہیں کرسکو گے۔ اس وجہ سے آپ پر مہربانی فرمائی۔ پھر جس قدر آسان لگے اتنا ہی قرآن پڑھو (تحفۃ الحدیث (۶۳) اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کھڑا ہونا قرآن کی وجہ سے تھا اور یہ امر قرأت کے متعلق ہے اسی وجہ سے مولوی محمد عمر صاحب کا دعویٰ ثابت کہا جائے گا۔ امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں کہ ''وفی الآیۃ دلالۃ علی انہ سمی ما تیسر من صلوٰۃ اللیل قراٰنا حیث قال ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ یرید ما تیسر من الصلوٰۃ التی یقرأ فیھا القرآن وھو کما سمی فی آیۃ اخریٰ صلوٰۃ الفجر قراٰنا لان القرآن یتلی فیھا قال اللہ عزوجل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا'' تھوڑا سا آگے چل کر فرماتے ہیں ''ولا شبھۃ واللہ اعلم انہ سماھا قراٰنا تنبیھا علی کون القرأۃ رکنا من ارکانھا التی لا تکون صلوٰۃ دونھا عند القدرۃ علیھا'' پھر دوسرا فائدہ یہ لکھتے ہیں کہ اس میں جو (سورہ فاتحہ) کے بعد طویل قرأت کی جاتی تھی۔ اس میں ہلکے پن اور تخفیف کا حکم اور آسانی کی گئی ہے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۶۳) خود تسلیم کرتے ہیں کہ نماز کی طوالت قرأت کی وجہ سے تھی۔

**صفحہ ٦٤**: ...... دوسرے سبب میں ابن عباس سے روایت پیش کرتے ہیں کہ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ﴾ ما زاد علی الفاتحۃ اور فائدہ کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اس سے یہ مراد لے رہے ہیں اور مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اسی سے مقتدی کو قرأت فاتحہ کا حکم ہے اوّلاً مولوی صاحب کے مضمون میں فاتحہ کا نام نہیں ہے بلکہ مطلق قرأت کا حکم ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی طرف سے فاتحہ کا لفظ بڑھا کر اعتراض کا سبب بڑھایا ہے درحقیقت مولوی محمد عمر صاحب کا یہ کہنا تھا کہ اس آیت میں ہر نماز کے لیے علی العموم مطلق قرات کا حکم ہے۔ جو امام خواہ مقتدی اور منفرد سب کو شامل ہے اور یہی استدلال حنفی مذہب کے لیے ضرب کاری ہے۔ اسی وجہ سے اِس عبارت میں مولوی صاحب نے لفظ فاتحہ بڑھا کر کیا سے کیا بنا کر اعتراض کیا ہے آنکھوں والے انصاف کریں کہ یہ گستاخی ہے یا مولوی صاحب کی اپنی لاعلمی! تیسرا سبب

اس طرح سے لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بالا مذکورہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ آیت کا حکم مقتدی کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ فاتحہ کے بعد کی قرأت مقتدی پر غیر مقلد حضرات کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ پھر اس آیت سے یہی ثابت ہے اور اس کا حکم ہے کہ مانا جائے کہ آیت کا حکم (قران سے جو آسان لگے وہ پڑھو) مقتدی کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے ہے۔ پھر یہ کہنا کہ آیت میں سب کو حکم ہے۔ غلط ثابت ہوا۔

**جواب:** ...... **اولاً:** آپ قبول کر چکے ہیں کہ آیت میں قرأت کا حکم ہے اور خود آپ نے اپنی تقریر کو منہدم کر دیا ہے۔

**ثانیا:** ...... اگر چہ بقول شما اس سے مراد فاتحہ کے علاوہ دوسرا قرآن ہے تو پھر عموم کے منافی نہیں ہے۔ جو اصل دعویٰ مولوی محمد عمر صاحب کا ہے وہ قائم ہے۔

**ثالثا:** ...... مولوی صاحب کا مقصد تھا کہ آیت میں سب کو قرأت کا حکم ہے۔ جس طرح آپ کے حنفیوں نے قبول کیا ہے۔ پھر اس آیت سے سب کے لیے حکم کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

**رابعاً:** ...... آپ کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک مقتدی کے لیے فاتحہ کے بعد قرأت واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اس لیے اس آیت میں مقتدی کے لیے حکم نہیں ہے دراصل ہم اس طرح کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر حدیث ہے جس میں مقتدی خواہ غیر مقتدی ہر نمازی کے لیے فاتحہ ضروری ہے۔ اور ماعدا الفاتحہ کے لیے حدیث میں ہے کہ جہری میں مقتدی قرأت نہ کرے اور سری میں منع نہیں۔ جیسا کہ ابن ماجہ۔ جزء القراۃ بخاری، جزء القراءۃ للبیہقی، سنن کبریٰ اور سنن دارقطنی وغیرہ میں روایات موجود ہیں۔ اس وجہ سے حدیث کی تفسیر چھوڑ کر آپ کی بات کون سنے گا؟ چوتھا سبب یہ لکھتے ہیں کہ ”کیا اس آیت کا معنی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں نہ آیا جو آپ صاف لفظوں میں مقتدی کو فرماتے کہ جب امام قرأت (فاتحہ وغیرہ) کرے تو تم خاموش اور چپ رہو۔“

**جواب:** ...... **اولاً:** مسلم شریف کی یہ حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے سمجھائی اور آپ نے سمجھایا کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ نیز فجر کی نماز کا قصہ مشہور ہے جس میں آپ نے مقتدیوں کو خاص فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ جس طرح روایت اوپر گزری اور آگے آئے گی۔ سب روایات کو ملانے کا نتیجہ یہ ہے کہ فاتحہ لازمی ہے اور جن دلائل کو نفی کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ فاتحہ کے لیے نص نہیں ہیں۔

**ثانیاً:** ...... آپ کی پیش کردہ روایت آیت سے استدلال کے منافی ہے۔ کیونکہ آیت کا حکم عام ہے اور ہر

ایک نمازی کو شامل ہے اور حدیث میں قید ہے کہ جب امام قرات کرے۔ مکمل قیام کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا استدلال اپنی جگہ پر قائم ہے پانچویں سبب میں لکھتے ہیں کہ آیت کا معنی ''تمھیں قرآن میں سے جو آسان لگے وہ پڑھو'' صاف بتا رہا ہے کہ اس سے سورہ فاتحہ ہرگز مراد نہیں ہے الخ۔

**جواب:** ...... گویا کہ مطلق حکم آپ مانتے ہیں۔ پھر پہلے جواب میں آپ نے جو اپنے جسم سے زیادہ زور لگایا وہ ''ھبآء منثورا'' ہو گیا یعنی کہ وضو ٹوٹ گیا۔ بلکہ اس طرح مولوی محمد عمر صاحب کے استدلال کو صحیح مان چکے ہیں۔ مولوی صاحب نے بھی اس آیت سے مطلق قرأت کے وجوب کو ثابت کیا ہے یہ آپ نے صفحہ ۶۴ پر تحریف کی ہے۔ جو فاتحہ کا لفظ بڑھا کر ان کی طرف غلط نسبت کی ہے مولوی محمد عمر صاحب نے صرف اس آیت سے فاتحہ کے لیے استدلال نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ساتھ تفسیر کے طور پر حدیث ملانے کے بعد نتیجہ نکالتے ہیں اور اس آیت سے صرف آپ کے اس خیال کو رد کرنا مقصود ہے۔ جو کہتے ہو کہ مقتدی کو بالکل خاموش رہنا ہے بلکہ ثابت کرنا ہے کہ پڑھنا ضرور ہے اور قرأت یعنی پڑھنے کے بغیر نماز نہ ہوگی باقی فاتحہ کا خصوصی حکم اور قرأت کی اس سے تعیین کرنا یہ حکم حدیث میں ہے باقی جو آپ نے آسانی والا عذر پیش کیا ہے وہ غلط ہے خواہ لفظاً خواہ معنیً۔ لفظاً اس وجہ سے کہ مسلمانوں میں دیکھا جائے گا کہ کس طرح ایسے لوگ ملتے ہیں جنہیں سورہ فاتحہ تو یاد ہو لیکن کوئی دوسری سورت شاید یاد نہ ہو لیکن ایسے لوگ مشکل سے ملیں گے جنہیں فاتحہ نہ آتی ہو اور انہیں دوسری سورتیں یاد ہوں۔ یہ فطری اصول دلیل ہے کہ سورت فاتحہ دیگر سب سورتوں سے آسان اور میسر ہے معنیً اس وجہ سے کہ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے اس وجہ سے اس کو ام القرآن یا ام الکتاب کہا جاتا ہے (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۱۳ ج ۱) نیز اس کو القرآن العظیم بھی کہا گیا ہے مثلاً ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾ (سورۃ حجر) اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ ''قال الحمد لله رب العالمين هى السبع المثانى والقرآن العظيم الذى او تيته .'' (المشکوٰۃ صفحہ ۱۸٤ ج ۱ کتاب فضائل القرآن) امام قرطبی صفحہ مذکورہ پر سورت فاتحہ کے نام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''السابع القرآن العظيم سميت بذالك لتضمنها جميع علوم القرآن وذالك انها تشتمل على الثناء على الله عزوجل باوصاف كماله وجلاله وعلى الامر بالعبادات والاخلاص فيها والاعتراف بالعجز عن القيام بشئ منها الا باعانته تعالىٰ وعلى الابتهال اليه فى الهداية الى الصراط المستقيم وكفاية احوال الناكثين وعلىٰ بيانه عاقبة الجاحدين'' پھر جب ثابت ہوا کہ سورۂ فاتحہ ہر لحاظ سے آسان ہے تو پھر تمہارا اعتراض باطل ہوا۔

**صفحہ ٦٥:** ...... چھٹے سبب میں لکھتے ہیں کہ ''اگر بالفرض ایک منٹ کے لیے تسلیم کیا جائے کہ آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ سے مقتدی کی قرأت کا حکم ہے۔ الخ

**جواب:** ...... **اولاً:** آپ اپنے قاعدے سے نکل چکے ہیں۔ کیونکہ آپ کے بڑے دونوں آیات کو متعارض کہہ کر ساقط کہتے ہیں اور آپ ناسخ ومنسوخ کا باجا بجا رہے ہیں۔

**ثانیاً:** ...... یہاں پر معاملہ برعکس ہے کیونکہ سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی ہے دیکھئے تفسیر خازن صفحہ ۱۷۲ ج ۲ والبغوی علی هامشه وروح المعانی صفحہ ۶۴ ج ۸ والاتقان للسیوطی صفحہ ۱۰ ج ۱ بلکہ اس کے متعلق ابن عباس سے روایت بھی لاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ واسناده جید ورجاله کلهم ثقات من علماء العربیة المشهورین اھ۔ والکشاف صفحہ ۸۵ ج ۲ والقرطبی صفحہ ۱۶۰ ج ۷ والنسفی صفحہ ۴۴ ج ۲ والبحر المحیط لابی حیان صفحہ ۲۶۴ ج ۴ والنہر الصادلہ ایضاً علی هامشہ صفحہ ۲۶۵ وابن کثیر صفحہ ۲۰۰ ج ۲ وروح البیان صفحہ ۲۳۳ ج ۳ التفسیر الکبیر الرازی صفحہ ۱۴ ج ۱۴ وغیرها من التفاسیر۔ اسی طرح بیان القرآن تھانوی میں بھی ہے اور سورہ مزمل اگرچہ مکی ہے لیکن آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ کے متعلق کئی علماء کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ علامہ سیوطی اتقان صفحہ ۱۰ ج ۱۔ میں ابن عباس سے روایت ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اور اس کے رواۃ کو بھی ثقہ کہتے ہیں اس روایت میں مکی سورتوں کے ذکر میں سورت مزمل کا اس طرح بیان ہے کہ ''والمزمل الایتین ان ربك یعلم انك تقوم...... الخ'' امام محمد بن نصر المروزی نے قیام اللیل میں کئی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ دیکھیے مختصر قیام اللیل صفحہ ۴۔ ۵۔ ۶ بلکہ خود مولوی صاحب نے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ اس سورت کا پہلا حصہ جب نازل ہوا تو اصحاب رسول اتنا وقت نماز پڑھتے کہ ان کے پاؤں سوج جاتے تھے جب کہ سورت کا آخری رکوع بارہ مہینوں کے بعد نازل ہوا تو تہجد نماز جو اس سے قبل فرض تھی نفل بن گئی (تحفة الحدیث صفحہ ٦٣) یہ حدیث اور ترجمہ خود بتاتا ہے کہ آیت مدینے میں نازل ہوئی ہے پھر جو آیت متقدم النزول ہے وہ متاخر النزول کو کس طرح منسوخ کرے گی۔ بلکہ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو کہا جاسکتا تھا۔

**ثالثاً:** ...... حدیث خداج کے راوی ابو ہریرہ ہیں جو متاخر الاسلام ہیں۔ چنانچہ تلخیص الحبیر صفحہ ۸ ج ۲ مطبوعہ پاکستان باب سجود التلاوۃ والشکر میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''قوله كان اسلام ابی هریرة بعد الهجرة بسنین هو كما قال فانه اسلم عام خیبر بلا خلاف'' اس طرح ابو ہریرہ کی حدیث کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۵۱ پر ان الفاظ سے ہے: ''عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال ﷺ ثم اقبل علینا

بوجهه فقال اتقرؤن خلف الامام بشيء فقال بعضهم نقرأ وقال بعضهم لا نقرأ فقال اقرأوا بفاتحة الكتاب " نیز عبادہ بن الصامت کی یہ حدیث جس میں فجر کی نماز کا ذکر ہے جس میں آپ مقتدیوں کو خاص فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں جس کا ذکر تحفۃ الحدیث صفحہ ۸۴ پر ہے اور اسی پر بحث ہوگی ان شاء اللہ۔ عبادہ بن الصامت نے اس جماعت کا جو واقعہ بیان کیا ہے وہ مدینہ منورہ کا ہے اوپر ثابت ہوا کہ آیت ﴿اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا﴾ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے ثابت ہوا کہ اس آیت میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں ہے۔ ورنہ آپ ﷺ اس کے نزول کے بعد ایسا حکم نہ دیتے لہٰذا مولوی صاحب کا نسخ کا دعویٰ غلط ہے۔ اسی طرح آیت ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ سے علامہ محمد عمر صاحب کے استدلال پر مولوی صاحب نے جو اعتراض کیے وہ سب باطل ہوئے۔ والحمد لله .

**صفحه ٦٦**: ...... اس کے بعد دوسری آیت "اقنتي لربك" سے مولانا محمد عمر صاحب کے استدلال پر پانچ اعتراض کئے ہیں۔ پہلے میں لکھتے ہیں کہ قنوت سے مراد اطاعت ہے اور اس سے قرأت کا معنی لینا اس کے متعلق پہلا شخص مولوی صاحب ہے جس نے یہ معنی لیا ہے جو تمام مفسرین کے خلاف ہے۔

## سورۃ مریم کی آیت سے استدلال اور اس کا جواب

**جواب**: ...... **اولاً**: یہ مولوی صاحب کی علمیت ہے حالانکہ امام قرطبی اپنی مایہ ناز تفسیر صفحہ ۲۱۴ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ "وكذلك من اطال القيام والقرأة والدعاء في الصلاة او اطال الخشوع والسكوت كل هؤلاءِ فاعلون للقنوت اور تفسير غرائب القرآن للقمي النيسابوري صفحہ ۲۹۷ ج ۲ میں ہے "قوموا لله قانتين عن ابن عباس ان القنوت هو الدعآء والذكر لقوله تعالىٰ (امن هو قانت انآء الليل ساجداً وقائما) ولان قوله حافظوا على الصلوٰت امر بما في الصلوٰة من الفعل فيكون القنوت عبارة عن كل ما في الصلوٰة من الذكر " ظاہر ہے کہ نماز کے اذکار میں سے قرأت بھی ہے خود آپ کے حنفی مذہب کا امام ابوبکر الجصاص الرازی احکام القرآن صفحہ ۴۴۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "مما كان اصل القنوت الدوام على الشي جاز ان يسمى مديم الطاعة قانتا وكذلك من اطال القيام والقراءة والدعاء في الصلوٰة او اطال الخشوع والسكوت كل هؤلآء فاعلوا القنوت وروى ان النبي ﷺ قنت شهرا يدعوا فيه على حي من احياء العرب والمراد به اطال قيام الدعاء .

**الحاصل**: ...... مولوی صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا کہ یہ معنی سب مفسرین کے خلاف ہے نیز مولوی

صاحب کا یہ قول رد ہوا کہ سب مفسرین قنوت کا معنی اطاعت کرنا لیتے ہیں۔ کیونکہ مفسرین نے قنوت کے متعدد معانی لکھے ہیں۔ پتہ نہیں کہ مولوی صاحب تفسیر بھی دیکھتے ہیں یا دوسروں کی سنی سنائی باتوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ آپ کے بزرگ زمخشری الکشاف صفحہ ۲۸۸ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "وقوموا لله فی الصلوٰة قانتین ذاکرین لله فی قیامکم والقنوت ان تذکر الله قائما" وھکذا فی النسفی صفحہ ۱۲۲ ج ۱۔ بلکہ علامہ اثیر الدین ابوحیان اندلسی تفسیر البحر المحیط صفحہ ۲۴۳ ج ۲ میں آیت ﴿قوموا لله قانتین﴾ کے تحت قنوت کے دس معانی نقل کرتے ہیں۔ جس میں لکھتے ہیں کہ (او قارئین) روی هذا عن عمر رضی اللہ عنہ نیز صفحہ ۴۵۶ ج ۲ میں آیت "اقنتی لربك" کے تحت لکھتے ہیں کہ والمراد بالقنوت هنا العبادة قاله الحسن والقتادة او طول القیام فی الصلوٰة قاله مجاهد وابن جریج والربیع او الطاعة او الاخلاص قاله ابن جبیر وفی قوله لربك اشارة الی ان تفرد بالعبادة وهو تخصصه بها والجمهور علی ما قاله مجاهد وهوا لمناسب فی المعنی لقوله واسجدی وار کعی ظاہر ہے کہ طول القیام قرأت سے ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ مولوی محمد عمر صاحب کے قول کو جمہور کی تائید حاصل ہے۔ مولوی صاحب کے دعوی کو رد کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ایضاً اس معنی کی طرف لغت کی کتب میں بھی ایسا اشارہ ملتا ہے جیسا کہ لغت کی مشہور کتاب لسان العرب صفحہ ۷۳۔۷۴ ج ۲ میں قنوت کے کئی معانی ذکر کیے ہیں جن میں سے "الدعاء فی الصلوٰة اور طول القیام بھی ذکر ہوا ہے بلکہ لکھتے ہیں کہ فحقیقة القنوت العبادة والدعاء لله عزوجل فی حال القیام ونحوه فی تاج العروس وغیرہ۔

دوسرا اعتراض لکھتے ہیں کہ "پھر جب ایک لفظ کے کئی معانی ہو سکتے ہیں تو اس لفظ سے دلیل کس طرح لی جا سکتی ہے؟"

**جواب:** ......لفظ مشترک سے سب معانی لیے جا سکتے ہیں بشرطیکہ ان میں تعارض نہ ہو جو ایک معنی لینے سے دوسرا معنی محال ہو جائے۔ لیکن جس صورت میں سب معانی لیے جا سکتے ہیں تو پھر تمام معانی لیے جائیں گے۔ جیسا کہ اما راغب اصفہانی نے مقدمۃ التفسیر الملحق بالمفردات فی غرائب القرآن صفحہ ۶۰۲ پر بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے مقدمۃ التفسیر صفحہ ۳۰۱ دسویں باب کی نویں فصل میں بیان کی ہے وہاں دیکھنا چاہیے، باقی رہا یہ قانون "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" مولوی صاحب کے لیے مفید نہیں ہے کیونکہ یہ تب ہوتا ہے جب ایک عبارت سے کسی جدا معنی کا احتمال ہو اس مقام پر مشترک لفظ کی بحث ہے یعنی ایک لفظ کے کئی معانی ہیں۔ بلکہ خود آپ کے فقہاء مشترک لفظ کی اس معنی کو ترجیح دیتے ہی جو قرین قیاس ہو۔

مشہور مفسر جو کہ ادیب اور لغوی بھی ہے یعنی ابوحیان صاحب البحر المحیط بھی اس معنی کو ترجیح دیتے ہیں جو مولوی محمد عمر صاحب نے لکھا ہے۔ مولوی صاحب نے قرینہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی وضاحت امام ابوحیان نے کر دی ہے یعنی کہ پوری آیت اس طرح ہے کہ ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (ال عمران) یعنی سجدہ اور رکوع کا ذکر خود قرینہ ہے قنوت سے مراد طول القیام فی الصلوٰۃ ہے جو کہ طول قرأت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مفسر موصوف نے قانتین کا معنی قارئین بھی لکھا ہے۔

تیسرے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ "قنوت" کا معنی خاموش رہنا بھی ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** اس طرح مولوی صاحب نے خود اپنے قانون کو توڑا ہے کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ "سب مفسرین قنوت کا معنی اطاعت کرنا لیتے ہیں۔ لیکن صرف یہ شخص قنوت سے قرأت مراد لے رہا ہے ان کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے (تحفة الحديث صفحة ٦٦) لہٰذا ہم بھی کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کے اس اعتراض کو رد کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

**ثانیاً:** ...... کلام سے سکوت۔ سکوت قرأت کو مستلزم نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ...... اگر اس آیت میں بقول مولوی صاحب نمازی کو چپ کرنے کا حکم ہے تو پھر اس صورت میں جب کہ آیت عام ہے تو پھر امام اور منفرد کو بھی قرأت نہیں کرنی چاہیے۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا

**رابعاً:** ...... اگر اس سکوت کو عام لیا جائے اور سکوت قرأت کے متعلق بھی حکم سمجھا جائے تو پھر اس صورت میں قنوت بمعنی قرأت جیسا کہ اوپر گزرا اور چپ رہنا ہے۔ دیگر معانی ایک دوسرے کے ایسے متعارض ہیں جو ان میں سے ایک معنی لیا جائے گا جو قرینہ کے موافق ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس آیت سے "واسجدی وارکعی" قرینہ ہے اور یہاں پر مراد قرأت ہے جس طرح کہ تفسیر بحر المحیط کی عبارت سے معلوم ہوا۔

**صفحہ ٦٧:** ...... اعتراض میں لکھتے ہیں کہ پوری آیت جماعت کے لیے وجوب کو ثابت کرتی ہے اور لکھتے ہیں کہ کیا پھر عورتوں کے لیے بھی قرأت کرنے کی طرح جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب اور ضروری ہے؟

**جواب:** ...... **اولاً:** عورتوں کی جماعت کے عدم وجوب کے لیے قرینہ صارفہ موجود ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں کئی عورتیں جماعت کے ساتھ آ کر نماز پڑھتی تھیں اور کئی آپس میں اکٹھی جماعت کر کے پڑھتی تھیں اور کئی اکیلی اپنے گھر میں پڑھتی تھیں جس طرح احادیث کی تتبع سے ظاہر ہے۔ اگر مولوی صاحب فاتحہ خلف الامام کے بارے میں کوئی ایسا قرینہ پیش کریں تو پھر اس قسم کی بات کریں۔ جو دلائل پیش کیے وہ ہوا کی زد میں آ گئے۔

**ثانیاً:** ...... مولوی محمد عمر صاحب جو کچھ آیت سے ظاہر ہوتا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کی تفسیر

حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے جماعت واجب نہیں ہے لیکن مولوی محمد عمر صاحب اس کو کم از کم مستحب اور اچھا کام تو سمجھتے ہیں لیکن تھکی آپ حنفیوں کو جو صرف عورتوں کی آپس میں جماعت کرنے کو بھی مکروہ کہتے ہیں چنانچہ آپ کی ہدایہ شریف صفحہ ۱۲۳ج ۱ میں ہے کہ "ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ لا نھا لا تخلوا عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ وان فعلن قامت الامام وسطھن لان عائشۃ فعلت کذلک وحمل فعلھا الجماعۃ علی ابتداء الاسلام ولا ن فی التقدم زیادۃ الکشف" باوجود اس بات کے تسلیم بھی کرتا ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کو جماعت کروائی اور صف کے درمیان میں کھڑی ہوئیں اور یہ واقعہ بھی آخری وقت کا ہے کیونکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جماعت مدینہ منورہ میں کروائی تھی۔ پھر بھی اس جماعت کو جو زمانہ نبوی میں ہوئی ہو۔ اس کو مکروہ کہتا ہے اور صف کے درمیان کھڑے ہونے کے ارتکاب کو حرام کہتا ہے اور عورتوں کی جماعت کو مانتا بھی ہے کہ زمانہ نبوی میں ہوئی ہے۔ تب بھی اس کو ننگوں کی جماعت کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ اب ایمان کے ساتھ بتائیں کہ قرآن وحدیث کے منکر آپ ہیں یا مولوی محمد عمر صاحب؟

مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

**صفحہ ٦٨:** ...... پانچویں اعتراض میں لکھتے ہیں کہ "یہ حکم بی بی مریم کے لیے ہے اور ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے الخ کہتے ہیں کہ آیت ﴿اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ سے منسوخ ہوگئی ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** سورۃ اعراف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا سورۃ آل عمران جس میں بی بی مریم علیہا السلام والی آیت ہے وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے کما فی الاتقان للسیوطی صفحہ ۱۰۔ ۱۱ج ۱ اور امام قرطبی اپنی تفسیر صفحہ ۱ج ۴ میں لکھتے ہیں کہ ھذہ السورۃ مدنیۃ باجماع وھکذفی التفاسیر الاُخر" پھر جو آیت متاخر النزول ہے وہ اس سے قبل نازل شدہ سے کس طرح منسوخ ہوگئی ہے؟ حالانکہ منسوخ کا ناسخ سے مقدم ہونا ضروری ہے "کمالا یخفی علی اولی النھی".

**ثانیا:** ......مقتدی کو قراءت سے منع کرنے کے متعلق مولوی صاحب کوئی بھی دلیل قابل قبول پیش نہیں کر سکے۔ لہٰذا جس صورت میں منع ثابت نہیں ہے تو پھر پچھلی امتوں میں نازل شدہ احکام کو ماننا ہے۔ جیسا کہ خود تسلیم کیا ہے وقال اللہ تعالیٰ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام) الغرض آیت نمبر ۲ پر مولوی صاحب نے جو بھی اعتراض کیے وہ سب غلط ثابت ہوئے۔ والحمد للہ.

آیت نمبر ۳۔ یعنی ﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ سے استدلال کو بھی غیر صحیح کہتے ہیں اور اس پر پانچ

اعتراض کرتے ہیں۔ پہلے میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں مقتدی کا ذکر ہے نہ کہ امام کا۔ نہ قرأت کا ذکر ہے نہ فاتحہ کا۔

**جواب:** ...... **اولاً:** اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے سورۃ اعراف کی اس سے قبل آیت پیش کی ہے اس میں بھی نہ امام کا ذکر ہے نہ مقتدی کا نہ فاتحہ کا اور نہ پھر قرات کا۔ بلکہ قرأت کا سکوت کے وقت حکم ہے۔ جو خود سری قرأت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ نیز سکتات کے وقت بھی منافی نہیں ہے۔ اس آیت ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ﴾ میں ذکر قرأت کو بھی شامل ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر: ۹) ﴿وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ﴾ (الزخرف) ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ (یوسف والتکویر) ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ o لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا﴾ (یٰس) وغیرھا من الآیات۔ لہٰذا اس آیت سے تو قرأت کا حکم ظاہر ہوتا ہے اور قرأت سے کوئی بھی ممانعت نہیں ثابت ہوتی۔

**ثانیا:** ...... مضمون کا سیاق اور ماقبل سے ربط بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ حکم بھی نماز میں ہے اگر پہلی آیت نماز کے متعلق نہیں ہے تو پھر آپ کا سارا استدلال ختم بصورت دیگر اگر پہلا حصہ نماز میں ہے تو پھر اس حصے کو بھی نماز میں تسلیم کرنا پڑے گا۔

**ثالثاً:** ...... سلف سے یہ تفسیر منقول ہے چنانچہ کتاب القرأۃ للبیہقی صفحہ ۸۳ میں امام زید بن اسلم تابعی سے مروی ہے کہ یقول فی قولہ ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا﴾ قال الذی یکون خلف الامام قال اللہ واذکر ربک فی نفسک قال یقول اذکر ربک وانصت فی نفسک امام بیہقی آگے فرماتے ہیں کہ فاخبر بانہ مأمور بالانصات والذکر معافیکون الا مر بالانصات راجعا الی ترک الجھر دون ترک الذکر فی النفس الذی ھو دون الجھر من القول ، امام ابن حزم المحلی صفحہ ۲۳۹ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ وتمام الآیۃ حجۃ علیھم لان اللہ تعالیٰ قال ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ قال علی فان کان اول الا یۃ فی الصلوٰۃ فآخر ھا فی الصلوٰۃ وان کان اٰخر ھا لیس فی الصلوٰۃ فاولھا لیس فی الصلوٰۃ ولیس فیھا الا الامر بالذکر سرّاو ترک الجھر فقط وھٰکذا نقول۔ صحابہ اور تابعین سے یہ تفسیر منقول ہے۔ جس طرح تفسیر الخازن اور بغوی صفحہ ۳۷۳ ج ۲ میں ابن عباس سے منقول ہے یعنی بالذکر القرأۃ فی الصلوٰۃ یرید یقرأ سرا فی نفسہ

اور تفسیر ابن جوزی صفحہ ۳۱۳ ج ۳ میں اس آیت کے چار معانی لکھے ہیں۔ احدھا انہ القرأۃ فی الصلوٰۃ قال لہ ابن عباس فعلی ھذا امر ان یقرأ فی نفسہ فی الصلوٰۃ الاسرار والثانی انہ القراۃ خلف الامام سرا فی نفسہ قالہ قتادۃ والثالث انہ ذکر اللہ باللسان والرابع انہ ذکر اللہ باستد امۃ الذکر لا یغفل عن اللہ تعالیٰ ذکر القولین الماوردی وفی المخاطب بھذا الذکر قولا ن احد ھما انہ المستمع للقرآن اما فی الصلوٰۃ واما من الخطیب قالہ ابن زید والثانی انہ خطاب النبی ﷺ ومعنا ہ عام فی جمیع المکلفین

اور تفسیر جمل صفحہ ۲۲۳ ج ۲۔ میں ہے کہ ”وھو عام فی الاذکار من قرأۃ القرآن والدعأ والتسبیح والتھلیل وغیرہ ذلك۔“

**صفحہ ۶۹**: ...... دوسرے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے لیے نہیں ہے کیونکہ یہ صیغہ واحد کا ہے اور خطاب نبی ﷺ کو ہے، لہٰذا اگر نماز کے لیے ہوتی تو آپ مغرب عشاء اور فجر کی نمازوں میں قرأت جہری نہ کرتے۔“

**جواب**: ...... یہ اعتراض بالکل غلط اور فرسودہ ہے۔

**اولاً**: ...... ابھی ابن جوزی کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ خطاب سب مکلفین کے لیے عام ہے۔ اسی طرح سب تفاسیر میں ہے پھر جس مفروضہ پر مولوی صاحب کا اعتراض رکھا ہوا ہے وہ ختم ہوگیا۔

**ثانیاً**: ...... اس خطاب کے متعلق دوسرا قول ہے کہ اس میں مخاطب مستمع للقرآن ہے۔ یعنی جس کو آیت ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ میں استماع اور انصات کا حکم ہے اس میں ہر کسی کے لیے حکم ہے کہ وہ آہستہ پڑھتا رہے۔ اس طرح سے دونوں آیات میں ربط برقرار رہے گا۔ جیسا کہ ابھی سلف کے اقوال سے معلوم ہوا۔

**ثالثاً**: ...... پہلے آیت کو مولوی صاحب نماز کے لیے کہتے ہیں حالانکہ اس میں نماز کا ذکر نہیں ہے آیت نمبر ۳ یعنی ﴿ان الذین عند ربك......الخ﴾ یہ بھی نماز کے متعلق ہے اس میں عبادت اور سجدے کا ذکر ہے پھر تعجب ہے کہ جب اوّل اور آخر آیت نماز کے لیے ہو اور درمیانی آیت نماز کے لیے نہ ہو۔

**رابعاً**: ...... جب ثابت ہوا کہ یہ حکم مستمع کے لیے ہے جیسا کہ امام مفسرین ابن جریر نے اپنی تفسیر جامع البیان صفحہ ۱۶۶ ج ۹ میں بھی لکھتے ہیں تو پھر یہ سوال غلط ہوا کہ تین نمازوں میں قرأت جہری کیوں کی جاتی ہے۔

**خامساً**: ...... آپ کے حنفی خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت میں مطلق جہر کی ممانعت نہیں چنانچہ علامہ قاضی ثناء اللہ حنفی مظہری نقشبندی پانی پتی تفسیر مظہری صفحہ ۴۵۲ ج ۳ میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”قلت واجاز

ان یکون المراد قرأة القرآن فوق السر دون الجهر جهرا متوسطاً نظیرہ قولہ تعالیٰ ولا تجھر بصلوٰتک ولا تخافت وابتغ بین ذلک سبیلا و یؤیدہ حدیث ابی قتادۃ الخ

پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ”جس پیغمبر آخر الزماں ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی اس نے نہ سمجھی سبحان اللہ برین عقل ودانش ببا ید گریست (تحفۃ الحدیث صفحہ ۶۹)

**جواب:** ...... اس قاعدے کے مطابق ہم کہتے ہیں کہ آیت ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ بنی آخر الزماں ﷺ پر نازل ہوئی اور آپ ﷺ اس کا مطلب زیادہ بہتر جانتے تھے۔ پھر اگر اس آیت میں مقتدی کے لیے قرأت سے ممانعت ہوتی تو آپ ﷺ کبھی بھی اس کے خلاف مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے کا حکم نہ دیتے جیسا کہ اوپر گزرا اور آگے چل کر بھی آئے گا مولوی صاحب نے خود اس قاعدے کی طرف رجوع کیا۔

تیسرے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ ”اگر اس آیت سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ثابت ہوتا تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ جمہور علماء اور بزرگانِ دین سے یہ بات ہرگز مخفی نہ رہتی۔

**جواب:** ...... **اوّلا:** رسول اللہ ﷺ نے صریحاً فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی صریحاً منع ثابت نہیں ہے، کما تقدم لہٰذا یہ سوال باطل ہوا۔

**ثانیاً:** ...... یہ تفسیر سلف سے منقول ہے خود بیضاوی جس کا آپ نے بھی حوالہ دیا ہے۔

**ثالثاً:** ...... بلکہ یہ آیت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت "اقرأ بها فی نفسك" کی تائید اور موافقت میں ہے۔

**صفحہ ۷۰:** ...... چوتھے اعتراض میں ابن کثیر کا قول ذکر کرتے ہیں کہ ”اس آیت سے مقتدی کے لیے قرأت کو ثابت کرنا عقل سے دور ہے۔ الخ



**جواب:** ...... **اوّلا:** مولوی صاحب ابن کثیر کی عبارت نہیں سمجھے، ابن کثیر کی مکمل عبارت اس طرح سے ہے ”وقد زعم ابن جریر وقبله عبدالرحمن بن زيد بن اسلم ان المراد بها امر السامع للقرآن فی حال استماعه بالذكر على هذه الصفة وهذا بعيد مناف للانصات المامور به (ابن کثیر صفحہ ۲۸۱ ج ۲) امام ابن جریر کی عبارت اس طرح سے ہے يقول تعالیٰ ذكره واذكر ايها المستمع المنصت للقرآن اذا قرئ فی صلوٰة او خطبة (ربك فی نفسك) يقول اتعظ بما فی ای القرآن واعتبر به وتذكر معادك اليه عند سماعكم “ اس کے بعد ابن زید یعنی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں ”واذكر ربك فی نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول لا يجهر بذالك“ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابن جریر اور عبدالرحمٰن

بن زید والوں کا کہنا یہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی کرتے رہو۔ اس کو ابن کثیر بعید اور غیر صحیح کہتے ہیں قرأت خلف الامام کے متعلق اس مقام پر نہ ابن زید کا قول ہے اور نہ ابن جریر کا۔ قرأت خلف الامام کے متعلق زید بن اسلم کا قول بیہقی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اس کو ابن کثیر نے نقل کیا اس کی نہ تردید کی ہے اور نہ اس کو بعید از عقل یا انصات المأمور بہ کے خلاف کہتے ہیں۔

**ثانیا:** ......علی التقدیر ابن جریر بھی امام مفسرین ہے۔ جس کے متعلق امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ "ما اعلم علی ادیم الارض اعلم من محمد بن جریر (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۱۲ ج ۲) لہٰذا اس مقام پر لغایۃٔ دو مفسرین کا اختلاف ہوا اور مولوی صاحب اپنی کم فہمی کی وجہ سے ابن کثیر کے قول کو اپنی تائید میں سمجھ کر اس کو سند بنا بیٹھے ورنہ ابن جریر نے یہ تفسیر سلف سے بھی نقل کی ہے اور اس کے ہم معنی مجاہد کا قول بھی نقل کیا ہے۔

**ثالثاً:** ......مولوی محمد عمر صاحب کا قول ربط آیات کی بناء پر ہے اس وجہ سے ابن خزیمہ کا جو قول گزرا کہ "فان کان اول الایۃ فی الصلوٰۃ فآخر ھا فی الصلوٰۃ......الخ اب بتائیں کہ پہلا حصہ "اذا قرئ القرآن" نماز کے بارے میں ہے یا نہیں علی الاول یہ بھی اس کے لیے ہے۔ وعلی الثانی پھر تو آیت سے استدلال ختم ہوگیا مولوی صاحب تشریح کرتے لکھتے ہیں کہ "عقل سے دور اس وجہ سے" کیونکہ اس آیت میں ایک لحاظ سے خدا کی یاد اور دعا کے طریقے کا بیان ہے الخ کیا سورہ الحمد قرأت یا دعا نہیں ہے؟ بلکہ قرآن تو افضل دعا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ "مقتدیوں کو خاموش رہنے کے حکم کے خلاف بھی ہے۔ الخ

**اولاً:** ......حالانکہ اس آیت ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ میں نہ مقتدی کا نام ہے نہ امام کا پھر اس کے خلاف کس طرح ہوا؟

**ثانیا:** ......تطبیق کی صورت موجود ہے اگر اس آیت کو نماز کے متعلق تسلیم کیا جائے تو انصات خاموش ہونے اور آہستہ پڑھنے دونوں کو مشترک ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا آیت کا آخری حصہ واضح کرتا ہے کہ اونچی آواز سے پڑھنے کی ممانعت ہے لہٰذا یہ متعین ہوا اور آیت کی تفسیر خود آیت سے ملی اس وجہ سے تعارض کا سوال نہ رہا۔

**ثالثاً:** ......اگر تعارض تسلیم بھی کیا جائے تو بھی آپ کے مذہب کے مطابق دونوں متعارض آیات کے لیے یہ حکم ہے کہ اذا تعارضتا تساقطتا جس طرح اوپر بیان ہوا۔ آپ اپنے اصول کے مطابق اس آیت سے ہاتھ دھو لیں اور اس کو استدلال کے طور پر پیش کرنے سے توبہ کریں باقی ہمارے لیے اس آیت کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں۔

پانچویں اعتراض میں لکھتے ہیں کہ ''یہ آیت دعا کے لیے ہے اس میں خدا کی یاد دہانی کا حکم ہے۔ جس طرح کہ بعینہٖ ان الفاظ سے قرآن پاک میں ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا .... الخ﴾

**جواب**: ...... پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ''قرات بھی دعا ہے اور قرآن پڑھنا خود اللہ تعالیٰ کی یاد دہانی ہے۔

**ثانیاً**: ...... اگر چہ تسلیم کیا جائے کہ دعا کے لیے ہے تب بھی مکمل آیت ہوگی۔ پھر آپ پہلے حصے سے کس طرح استدلال کرتے ہیں؟ اگر کہیں کہ اس میں قرأت کا لفظ ہے تو پھر یہ قرینہ بتا رہا ہے کہ یہاں پر ذکر سے مراد قرأت ہے اور آپ کی تاویل غلط ثابت ہوئی و ھو الثالث۔

**رابعاً**: ...... اگر اس آیت میں صرف ذکر ہی مراد ہے تو پھر آپ مقتدی کو کس ذکر کا حکم دیں گے؟ آیت میں تو حکم ہے کہ وانصتوا اور آپ انصات کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ بالکل خاموش رہو۔

**خامساً**: ...... علی التقدیر اس سے مراد ذکر خارج عن الصلوۃ ہے تب بھی جن مفسرین نے اس آیت سے مقتدی کے لیے آہستہ پڑھنے کا حکم لیا ہے وہ بھی اس کے خلاف نہیں ہے ٹھیک یہ آیت کی خوبی ہے کہ اس ایک میں سے کسی طرح مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ مولوی محمد عمر صاحب نے تفسیر بیضاوی کا حوالہ دیا ہے اس پر مولوی صاحب دو اعتراض کرتے ہیں پہلا یہ کہ ''یہ قول بے دلیل ہے'' حالانکہ بیضاوی کی عبارت اس طرح سے ہے'' واذكر ربك فی نفسك عام فی الاذكار من القرأه والدعاء وغير هما او امر المأمور بالقرأة سرّا بعد فراغ الامام عن قرأته كما هو مذهب الشافعی" امام بیضاوی کہتے ہیں کہ واذکر میں ذکر عام ہے۔ قرأت اور غیر قرأت کو شامل ہے۔ پھر مولوی صاحب کس طرح کہتے ہیں کہ یہ قول بے دلیل ہے حالانکہ "عموم فی نفسه" دلیل ہے اگر مولوی صاحب کو اس دلیل پر اطمینان نہ تھا تو اس کی تخصیص کے لیے کوئی دلیل پیش کرتے باقی اس کو بے دلیل کہنا ان کی اپنی علمیت کی شان ہے۔ امام بیضاوی دوسری بات یہ پیش کرتے ہیں کہ اس آیت میں مقتدی کو آہستہ قرأت کرنے کا حکم ہے اور اوپر بیان ہو چکا کہ آیت کا سیاق اور مضمون کا ربط اس بات کو چاہتا ہے اس وجہ سے مولوی صاحب کا یہ اعتراض فضول ہوا۔

**صفحہ ۷۱**: ...... دوسرے اعتراض میں کہتے ہیں کہ دیگر مفسرین مثلاً ابن کثیر صاحب جلالین اور بیان القران وغیرہ اس سے مراد دعا لیتے ہیں۔

**جواب**: ...... یہ بات بیضاوی کے فرمان کے معارض نہیں ہے کیونکہ وہ عموم مراد لیتے ہیں اور عموم میں ذکر اور دعا بھی شامل ہے لہٰذا اس میں کوئی مناجات نہیں

**ثانیاً**: ...... ابن کثیر کی عبارت پر بحث گزر چکی ہے تفسیر جلالین میں کوئی بھی ایسی تصریح نہیں کہ یہ آیت

خاص ذکر کے لیے ہے اور قرأت کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ تفسیر جمل علی الجلالین صفحہ ۲۲۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "قوله ای سرا ای اسمع نفسك وهو عام فی الا ذکار من قرأة القرآن والدعا والتسبیح والتهلیل وغیر ذالك" بیان القرآن میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی آپ کے خلاف لکھا ہے اور ذکر کو عام کہتے ہیں، پتہ نہیں مولوی صاحب نے تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں ہم ان کے عبارت نقل کر کے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں چنانچہ دونوں جملوں "اذا قرئ القرآن" اور "واذکر ربك" میں ربط دیتے ہوئے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اوپر قرآن سننے کا حکم اور اس کا ادب مذکور تھا آگے ذکر اللہ کا جس میں تلاوہ قرآن بھی داخل ہے حکم اور اس کا ادب مذکور ہوتا ہے جو اعظم مقاصد استماع سے ہے" ترجمہ اس طرح کرتے ہیں اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر (قرآن سے یا تسبیح وغیرہ سے خواہ) اپنے دل میں (آہستہ آواز سے) عاجزی کے ساتھ الخ (بیان القرآن صفحہ ۶۳۔۶۴ ج ۱ تاج کمپنی لاہور)
اس کے بعد احادیث پر بحث شروع کرتے ہیں پہلی حدیث "لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" کے متعلق مولوی محمد عمر صاحب کا قول نقل کرتے ہیں کہ "اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے امام خواہ مقتدی کے لیے سری خواہ جہری نماز میں فاتحہ پڑھنے کو لازم قرار دیا ہے۔

قارئین! امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے "باب وجوب القرأة للامام والمأموم فی الصلوات کلها فی الحضر والسفر ما یجهر فیها وما یخافت" اس طرح ابن عبدالبر التمہید میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ عام لا یخصه شیء لان رسول الله ﷺ لم یخص بقوله ذلك مصلیا من مصل علامہ کرمانی شرح بخاری صفحہ ۱۲۴ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ "وفیه دلیل علی ان قرأة الفاتحة واجبة علی الامام والمأموم والمنفرد فی الصلوٰة کلها وهو صریح فی دلالته علی جمیع اجزاء الترجمة" علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری صفحہ ۸۰ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ ای فی کل رکعة منفردا او اماماً او مأموماً سواء اسیر الامام او جهر" اس پر مولوی صاحب دو اعتراض کرتے ہیں اوّل یہ کہ آپ کہتے ہیں کہ کسی کا بھی قول بلا دلیل حجت نہیں ہے یہاں پر بھی مولوی صاحب نے اپنی کم علمی کی بناء پر نہ دلیل سمجھی اور نہ اس میں سے استدلال کو۔ ورنہ امام بخاری کا استدلال عموم کی بنا پر ہے، کیونکہ دلیل کے الفاظ ہر نماز کو شامل ہیں اور ہر نماز اس میں داخل ہے جس طرح کہ ابن عبدالبر اور دیگر کی کلام سے معلوم ہوا۔ مولوی صاحب نے جو بھی عدم قرأت کے لیے دلائل پیش کئے وہ سب بے کار ہوئے اور اس کے لیے غیر مفید رہے، لہٰذا تخصیص کے لیے کوئی دلیل نہیں عام اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس میں سب افراد شامل ہیں۔

**صفحہ ۷۳:** ...... دوسرا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ امام بخاری کے اساتذہ کے کہنے اور سمجھانے کے سبب یہ حدیث شریف صرف اس نمازی کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** امام بخاری کے مشہور استاذ عبداللہ بن زبیر حمیدی ہیں۔ جن کی حدیث سے اپنی صحیح کو شروع کیا ہے اور پہلی حدیث ان سے نقل کی ہے ان کا تو وہی مسلک ہے جس طرح جزء القرأۃ صفحہ ۶ طبع دہلی میں ان سے نقل کیا ہے امام ترمذی اپنی سنن صفحہ ۴۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ وھو قول مالك بن انس وابن المبارك والشافعي واحمد واسحاق يرون القرأة خلف الامام " آپ کے مذہب کا عظیم شخص علامہ عینی عمدۃ القاری صفحہ ۱۰ ج ۲ مطبع منیریہ میں اس حدیث کے تحت لکھتا ہے کہ استدلال بھذا الحديث عبدالله بن المبارك والاوزاعي والشافعي واحمد واسحاق وابو ثور وداؤد علىٰ وجوبِ القرأة الفاتحة خلف الامام في جميع الصلوٰة امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ دونوں امام بخاری کے استاد ہے۔ نیز امام علی بن مدینی بھی ان کے استاد ہیں جن کے متعلق فرماتے ہیں کہ "ما تصاغرت نفسي عند احد الا عند علي بن مديني" (تھذیب صفحہ ۵۰ ج ۹) ان کا بھی یہی مذہب ہے (جزء القرأة صفحہ ۱۷ طبع دھلی) آپ کے استاد یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ "وان قرأ انسان فليس به باس." (تاریخ یحییٰ بن معین صفحہ ۷۰ المصور)

**ثانیا:** ...... اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ آپ کے اساتذہ نے اس حدیث کو فرد واحد کی نماز کے لیے خاص سمجھا ہے تب بھی آپ کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اکیلے کے لیے بھی فاتحہ فرض نہیں ہے اس کے لیے بھی آپ نہیں کہتے کہ اگر اس نے فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ پھر ایسی تاویل کرتے ہوئے کچھ تو خیال کریں کہ یہ آپ کی گردن میں پڑ سکتی ہے۔

**ثالثا:** ...... عام حدیث کو کسی کے قول کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے لیے دلیل ضروری ہے اور بغیر دلیل کے کسی کے قول کو لینا آپ نے بھی غلط کہا ہے ان کا یہ قول بھی عجیب ہے جو لکھتے ہیں کہ "کیا مولوی صاحب امام بخاری کے قول پر عمل کر سکتے ہیں اور احناف حضرات۔ صحابہ اور امام بخاری کے اساتذہ کے فتویٰ پر عمل نہیں کر سکتے؟

**اولاً:** ...... تو مولوی محمد عمر صاحب یا کسی بھی اہل حدیث کا مذہب کسی غیر نبی کے قول پر عمل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مولوی صاحب نے حدیث پیش کی ہے جس کے الفاظ عام ہیں جس کی تخصیص کے لیے آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ امام بخاری جو کہ علم حدیث میں امام الدنیا کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کے قول کو تائید کے لیے پیش کیا ہے دلیل نہیں بنایا۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ الزام لگانا کہ وہ امام بخاری کے قول پر عمل کرتے ہیں"

اس کو محض بہتان کہا جائے گا یا مولوی صاحب کی لاعلمی پر محمول کیا جائے گا باقی اگر آپ اقوال پر عمل کرتے ہیں تو آپ پر کوئی معیار نہیں کیونکہ آپ کا مذہب کھچڑی ہے آپ کو احتجاج اور استشہاد کا فرق بھی معلوم نہیں۔

**ثانیاً:**...... ایک قول مدلل ہے اور اس کا مدار حدیث کے الفاظ ہیں اور دوسرا قول جس کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے اہل انصاف بتائیں کہ کون سا قول لینے کے قابل ہے۔ امام بخاری کا قول حدیث کے عین موافق ہے لہٰذا اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اصل متابعت حدیث شریف کی ہے باقی آپ اپنی فکر کریں جو بغیر دلیل کے ان کو اپنا سہارا سمجھ رہے ہیں اس کے بعد مولوی صاحب چار اشخاص کا حوالہ دیتے ہیں، پہلا جابر رضی اللہ عنہ کا اثر "الا وراء الامام" جس کے متعلق تفصیل سے بحث گزر چکی ہے کہ یہ اثر کسی بھی طرح آپ کے مسلک کی دلیل نہیں ہے دوسرا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے لیے بھی تفصیلی بحث گزر چکی ہے نیز آپ نے جو مؤطا کے حوالہ سے نقل کیا یہ مطلق ہے اور جو ہم نے ان سے نقل کئے ہیں ان میں صریحاً فاتحہ کا ذکر ہے ایک اثر میں بیان ہے کہ بیت اللہ کے رب سے شرم کرتا ہوں کہ نماز پڑھوں اور الحمد نہ پڑھوں۔ کما تقدم

تیسرا امام احمد سے بحوالہ ترمذی نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہے۔

**اولاً:**...... امام احمد کا مذہب پہلے ہی بیان ہو چکا ہے۔

**ثانیاً:** ...... امام احمد باوجود اس تاویل کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ چنانچہ امام ترمذی صفحہ ۴۲ ج ۱ میں اوپر والا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ واختار احمد مع هذه القرأة خلف الامام وان لا يترك الرجل فاتحة الكتاب وان كان خلف الامام."

**ثالثاً:**...... امام احمد کا یہ قول آپ کے نزدیک بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ آپ کے مذہب کے موجب اگر فرد واحد نماز میں فاتحہ نہ پڑھے تب بھی اس کی نماز ہو جاتی ہے اور امام احمد کا قول اس کے خلاف ہے۔

**رابعاً:**...... امام ترمذی اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ "واختار اصحاب الحديث ان لا يقرأ الرجل اذا جهر الامام بالقرأة وقالوا يتبع سكتات الامام وقد اختلف اهل العلم في القرأة خلف الامام" اور اصحاب الحدیث اہل الحدیث میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ صفحہ ۱۴۳ ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ "واما الامام احمد فكان على مذهب اهل الحديث." اس طرح امام احمد کے دونوں اقوال میں تطبیق ہوگئی۔ یعنی کہ حدیث کا حکم فرد واحد کے لیے ہے اور مقتدی کے لیے اس حالت میں ہے جب نماز سری ہو۔ اور جہری میں امام کے سکتات میں قرأت کی جائے۔

**صفحہ ۷۳:**...... چوتھا قول امام سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" یعنی جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔ یہ اثر اس شخص

کے بارے میں ہے جو فرداً نماز پڑھتا ہے۔

**جواب:**...... **اولاً:** یہ قول خود آپ کے خلاف ہے جو اس کو فرد کے لیے خاص کرتا ہے کیونکہ آپ کا مذہب ہے کہ اگر فرداً بھی فاتحہ نہ پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔ بلکہ اگر اور کچھ بھی پڑھے تب بھی ہو جاتی ہے جس طرح آپ کی کتب میں موجود ہے۔

**ثانیا:**...... حدیث نبوی کے عام الفاظ کو کسی کے قول کے ساتھ خاص کرنا کسی کا بھی مذہب نہیں ہے خود آپ کے فقہاء نے بھی ایسا قاعدہ نہیں لکھا۔ کیونکہ حدیث میں وحدہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ ''مَن'' کا لفظ ہے، پھر اس کا معنی وحدہ کرنا نہ تو لغت کے لحاظ سے اور نہ ہی محاورہ کے لحاظ سے صحیح ہے لہٰذا مولوی محمد عمر صاحب کا اعتراض صحیح اور قائم ہے۔

ناظرین! اس روایت ''لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب'' کے راوی عبادہ بن الصامت ہیں جو خود امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور اس کو فرض جانتے ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ مولوی صاحب نے اگر خواہ مخواہ اقوال کے ساتھ حدیث کو سمجھنا ہے تو پھر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا قول سب اقوال سے مقدم ہے۔ کیونکہ وہ خود راوی اور ناقل ہیں اور یہی اس کے مفہوم کو زیادہ سمجھتے ہیں کیونکہ قاعدہ ہے الراوی ادریٰ بمرویہ نیز علامہ ابن ہمام التحریر صفحہ ۳۸ میں لکھتے ہیں کہ ''حمل الصحابی مرویه المشترك ونحوه علی احد ما یحتمله وهو تأ ویله واجب القبول'' اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۱۶۲ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں ہے ''اذا روی الصحابی المحمل وحمل علی احد محملیه فالمتعین ذلك المحمل'' یہ تو اس صورت میں ہے جب کلام مجمل یا محمل ہو لیکن جس صورت میں روایت عام ہے اور اس کی تخصیص بھی ثابت نہیں ہے اس کا راوی صحابی بھی اس کو عام پر محمول کرتا ہے اور سری خواہ جہری نماز میں قرأۃ خلف الامام کا قائل و عامل رہتا ہے، پھر وہ لوگ اقوال کے پوجاری اور شیدائی ہیں ان کے لیے اس میں حدیث کے راوی کا قول کافی ہے۔

اس کے بعد مولوی محمد عمر صاحب کا پیش کردہ قاعدہ نقل کرتے ہیں کہ لا صلوٰۃ میں لانفی جنس کا ہے جو لفظ صلوٰۃ پر داخل ہے صلوٰۃ کا لفظ نکرہ ہے۔ لہٰذا اس سے عموم کا معنی نکلتا ہے الخ۔

ناظرین! یہ قاعدہ مشہور و معروف ہے چنانچہ نحو کی مشہور کتاب رضی شرح کافیہ صفحہ ۱۴۵ ج ۲ میں ہے کہ ''واعلم ان النکرة اذا وقعت فی سیاق النفی والنهی والا ستفهام استغرقت الجنس ظاهرًا مفردة كانت او مثناه او مجموعة علی ما ذكر نا فی حدا المعرفة'' اسی طرح آپ کے سب فقہاء حنفی لکھتے ہیں شیخ ابن الہمام التحریر صفحہ ۶۷ میں لکھتے ہیں کہ ''واعلم ان العربیة النكرة

المنفية بلا مركبة نص فى العموم و غيرها ظاهر " اس طرح علامہ امیر بادشاہ اس کی شرح تیسیر التحریر صفحہ ۳۰۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ نیز آپ کی نور الانوار صفحہ ۷۸ میں ہے والنكره فى موضع النفى تعم وذلك لانها فى اصل وضعها للماهية او لفرد واحد غير معين على اختلاف القولين فاذا دخل عليها النفى تعم اذنفى الماهية او لفرد الغير المعين لا يكون الا كذلك توضیح میں ہے، منها النكرة فى موضع النفى لقوله تعالىٰ قل من انزل الكتاب الذى جاء بهٖ موسىٰ فى جواب ما انزل الله على بشر من شئ وجه التمسك انهم قالوا ما انزل الله على بشر من شىء فلو لم يكن مثل هذا الكلام للسلب الكلى لم يستقم فى الرد عليهم الا يجاب الجزائى وهو قوله تعالىٰ قل من انزل الكتاب الذى جاء به موسىٰ (توضیح علی ہامش التلویح صفحہ ۵۵ ج ۱) تلویح میں ہے کہ ومن الفاظ العام النكرة الواقعة فى موقع ورد فيه النفى بان ينسحب عليها حكم النفى فيلزمها العموم ضرورة ان انتفاء فرد مبهم لا يكون الا بانتفاء جميع الافراد " فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۲۰۶ ج ۱ فی ذیل المستصفی للغزالی میں ہے ومنها النكرة المنفية ولا رجل فتحا اى النكرة المفتوحة والواقعة بعد لا التى لنفى الجنس نص فى العموم اور علامہ بزدوی کنز الوصول الی معرفۃ الاصول صفحہ ۱۱۰ میں لکھتے ہیں کہ ان النكرة فى النفى تعم وفى الاثبات تخص لان النفى دليل العموم وذلك ضرورى لا لمعنى فى صيغة الاسم وذلك انك اذا قلت ماجاء نى رجل فقد نفيت مجى رجل واحد نكرة ومن ضرورة نفيه نفى الجملة ليصح علمه بخلاف الاثبات لان مجئ رجل واحد لا يوجب مجئ غيره ضرورة هذا ضرب من دلائل العموم.

اس طرح حنفی مذہب کی اصول فقہ کی عام کتب میں ہے، پھر مولوی محمد عمر صاحب کا یہ قاعدہ پیش کرنا نہایت درست ہے اور اس سے استدلال کرنا خود آپ کے حنفی مذہب کے موافق ہے اس قانون پر مولوی صاحب نے چار اعتراض کیے ہیں۔

**صفحہ ۷۴:**...... پہلے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ "یہ نحو کا قانون صحیح حدیث کے خلاف ہے اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ابو داوٗد اور نسائی میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ مجھے قرآن کریم کی کوئی بھی آیت یاد کرنے کی طاقت نہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جو کہ اس کے قائم مقام ہو۔ آپ نے فرمایا تم "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله

واللہ اکبر ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم ” پڑھو۔الحدیث

**جواب** :...... **اولاً**: حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ یہ قانون غلط ہے۔

**ثانیاً**:...... خود آپ کے احناف نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے جیسا کہ عبارتیں گزریں پھر تو اس طرح آپ نے اپنے مذہب کا صفایا کر دیا۔

**ثالثاً**:...... یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کو قرآن کریم کی کوئی آیت یاد کرنے کی طاقت نہ ہو جس طرح کہ آپ نے خود ترجمہ میں لکھا ہے، لہٰذا یہ ایک مجبوری کی حالت ہے جس کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة) لہٰذا اصل قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس کی مثال اس طرح سمجھنی چاہیے کہ قیام نماز کا رکن ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یہ قاعدہ متفق علیہ ہے اور آپ کا بھی یہ مذہب ہے پھر اگر کوئی شخص بوجہ مرض کے قیام سے عاجز ہے کیا آپ اس شخص کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ یا ایسی نماز کو ناجائز کہیں گے؟ ہرگز نہیں! کیا پھر اس طرح آپ کا اصل قاعدہ ختم ہو جائے گا۔ حاشا وکلا۔ بلکہ اصل قاعدہ اپنی جگہ پر قائم ہے مجبوری اس سے مستثنیٰ ہے اسی طرح مسئلہ ما نحن فیہ میں سمجھیں۔ وھوالرابع

**خامساً**:...... علی التقدیر آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو شخص قرآن پاک کی آیات یاد کر سکتا ہے اس کی نماز فاتحہ کے بغیر نہ ہوگی۔

**سادساً**:...... حدیث میں حکم ہے کہ جو کوئی بھی آیت یاد نہ کر سکے تو وہ یہ کلمے پڑھے جس کا معنی یہ ہوا کہ نماز بہر حال پڑھنے سے ہوگی۔ خاموش رہنے سے نہ ہوگی۔

**سابعاً**:...... یہ حدیث خود آپ پر وارد ہوتی ہے کیونکہ امام اور منفرد کے لیے آپ کے مذہب کے مطابق کچھ نہ کچھ قرآن پڑھنا فرض ہے اور پہلی دو رکعتوں میں کچھ نہ پڑھنے سے نماز نہ ہوگی جس طرح کہ آپ کے مذہب کی کتب ہدایہ وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔ اس طرح اس حدیث سے آپ کے اعتراض کے مطابق آپ کا یہ کلیہ بھی ختم ہوا؛ کیونکہ یہ حدیث مقتدی کے لیے خاص نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ایسی تخصیص کا ذکر ہے ”فما ھو جو ابکم فھو جو ابنا۔ “

**ثامناً**:...... اگر کہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے لیے خاص ہے تو پھر آپ اپنے مذہب کا خاتمہ سمجھیں۔ کیونکہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ جو شخص قرآن کی آیات یاد کر سکتا ہے۔ اس کی نماز بغیر الحمد کے نہیں ہوگی خاص طور پر آپ کے مذہب میں جو پڑھے ہوئے یا حافظ ہیں یا خود آپ الحمد نہ پڑھیں گے تو آپ کی نماز نہ ہوگی کیونکہ آپ نے اس حدیث سے اس قاعدے کے لیے اس کو خاص کیا ہے جو قرآن کچھ بھی نہ پڑھ سکے آپ ان

میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا کم از کم یہ حدیث آپ کے قاعدے کے مطابق آپ کی جان "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" سے نہیں چھوٹ سکتی۔

دوسرے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص مادرزاد گونگا ہے جو نماز تو پڑھتا ہے لیکن قراءت نہیں کر سکتا۔

**جواب:**...... **اولاً:** یہ اعتراض آپ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ منفرد اور امام کے لیے کیا کہیں گے؟ فما هو جوابكم فهو جوابنا.

**ثانیا:**...... گونگے کے لیے عذر موجود ہے لہٰذا ایسی مثالوں سے قانون ختم نہیں ہوگا۔

**ثالثا:**...... تکبیر تحریمہ کہنا آپ کے نزدیک فرض ہے (ہدایہ صفحہ ۹۸ ج۱) پھر آپ کے اعتراض کے مطابق گونگے کی نماز تکبیر کہنے کے بغیر کس طرح ہوگی؟ اب ناظرین انصاف کریں کہ مولوی محمد عمر صاحب کا قانون ریزہ ریزہ ہوگیا یا معترض مولوی کی عقل۔

**صفحہ ۷۵:** ...... تیسرے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ یہ قانون کلیہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جب رکوع کی حالت میں جماعت میں شامل ہوئے اور اس حالت میں سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھی الخ۔

**جواب:**...... اس حدیث کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے کہ اس حدیث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں کوئی ایسا بیان نہیں کہ اس نے رکعت نہیں دہرائی یا اس کو دہرانے کا حکم نہیں ملا۔ كما مر مفصلا.

**ثانیا:** ...... على التقدير اگر یہ روایت فاتحہ والے مسئلے پر وارد ہوتی ہے تو پھر قیام والے مسئلے پر بھی وارد ہوتی ہے۔ کیونکہ قیام آپ کے نزدیک فرض اور رکن ہے (ہدایہ صفحہ مذکورہ) انہیں تو قیام بھی نہیں ملا۔ لہٰذا آپ کے کہنے کے مطابق قیام کی فرضیت نہ رہی۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

**ثالثا:** ...... قانون کو اس حدیث کے خلاف کہنا مولوی صاحب کی سینہ زوری ہے کیونکہ یہ قانون ان کے بڑوں اور مذہب کے چوہدریوں نے پیش کیا ہے مولوی صاحب سب کی حجامت بنا رہے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ جمہور علماء، صحابہ کرام، امام شافعی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام نووی کہہ رہے ہیں کہ جو شخص امام کو رکوع میں پہنچے اس کی یہ رکعت ہوگئی اس قسم کی باتوں کا جواب باصواب اوپر گزر چکا ہے۔ کیا جمہور ان تین شخصوں کا نام ہے؟ صحابہ میں سے کسی کا بھی نام نہیں لیا حالانکہ امام بخاری جزء القراءۃ صفحہ ۱۷ دہلی میں احفظ صحابہ ابوہریرہ ابوسعید خدری اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم سے اس کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ بلکہ جزء القراءۃ میں ثابت کرتے ہیں کہ جو بھی قراءت فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں وہ رکوع میں ملنے والے کی

رکعت کو درست نہیں کہتے۔ ایضاً جمہور فی نفسہ کوئی حجت نہیں ہے بلکہ حجت کی آپ کے فقہاء نے چار قسمیں لکھی ہیں کتاب، سنت اجماع اور قیاس مولوی صاحب نے پانچویں دلیل بڑھا کر اصول فقہ حنفی پر نئی عمارت تعمیر کی ہے۔

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کئی ایسے مسائل ہیں جن میں آپ جمہور کے خلاف ہیں مثلاً: ❶ حلالہ آپ کے مذہب کے علاوہ باقی تینوں مذاہب میں ممنوع ہے۔ ❷ احناف کے علاوہ باقی دیگر ایمان کو مرکب اور اس کو کم زیادہ ہونے والا مانتے ہیں اور اعمال کو ایمان کا جزء کہتے ہیں۔ ❸ جمہور کے نزدیک مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ کی طرح حرم ہے لیکن آپ احناف کے نزدیک حرم نہیں۔ ❹ نبی ﷺ کو نعوذ باللہ گالی دینے والا فقہ حنفی کے مطابق ذمی کا ذمہ نہ ہوگا لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ ❺ آپ کے نزدیک درہم کے برابر مغلظ نجاست کپڑے یا بدن پر لگی ہو تو نماز ہو جائے گی (ہدایہ صفحہ ۷۴ ج۱) لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ ❻ نماز میں کتے کا بچہ اٹھا کر نماز پڑھے تو جائز ہے (شامی صفحہ ۱۴۵ ج۱) ❼ جبری طلاق آپ کے مذہب کے مطابق ہو جاتی ہے لیکن جمہور کے نزدیک نہیں ہوگی۔ ❽ نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کے عوض جان بوجھ کر وضو توڑ کر نماز سے نکلے تو بھی نماز ہو جائے گی (ہدایہ صفحہ ۱۳۰ ج۱) ❾ فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۳۰۷ ج ۲ میں ہے کہ "كذالك لو تزوج بذات رحم محرم كالبنت والاخت والام والعمة والخالة وجامعها لا حد عليه في قول ابي حنيفة وان قال علمت انها حرام على عند ابي حنيفة ❿ قطار میں سے مال کے بھرے ہوئے اونٹ چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (ہدایہ) اس کے علاوہ دیگر بہت سے مسائل ہیں جن میں آپ کا مذہب جمہور کے خلاف ہے پھر کس طرح جمہور کا نام لیتے ہو؟ بلکہ ابن المبارک کا قول گزرا کہ کوفے کی ایک جماعت کے علاوہ باقی سب امام کے پیچھے الحمد پڑھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ جمہور کی مخالفت آپ کے کوفے سے چل رہی ہے باقی ہمارا مسلک واضح ہے ہمارا مذہب بالکل صاف اور شفاف ہے ہمارے لیے حجت صرف قرآن وحدیث ہے باقی اقوال کتنے بھی ہوں اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

الحاصل مولوی محمد عمر صاحب کا پیش کردہ قانون صحیح اور مضبوط ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم نے علماء نحو اور فقہاء حنفیہ سے بھی ثبوت پیش کیے ہیں مولوی صاحب نے ان کو گرانے کی کوشش کی لیکن انہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔

ناظرین! قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر لانفی جنس کا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً لا الہ الا اللہ اب مولوی صاحب کے قاعدے کے مطابق اس کلمے میں اللہ کے علاوہ دیگر سب معبودوں کی نفی نہیں کی جائے

گی۔ "لا نبی بعدی" میں مولوی صاحب کے کہنے کے مطابق بالکل نبوت کا انکار نہیں بلکہ نعوذ باللہ بعض قسم کے انبیاء آنے کا انکار ہے۔ ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ (یوسف) ﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ﴾ (الرعد) یہاں پر بھی کہیں گے کہ نفی عموم کے لیے نہیں ہے ﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ﴾ (یونس) "لا صلوٰة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس و لا صلوٰة بعد العصر حتی تغرب الشمس." (بخاری) "لا صلوٰة لمن لا وضوء له." (ابو داؤد ابن ماجه حاکم) یہاں پر بھی کہیں کہ کوئی نماز بغیر وضو کے ہو جاتی ہے۔ لا ضرر و لا ضرار (احمد۔ ابن ماجة) لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (احمد و الاربعة) لا وصية لوارث (دارقطنی) وغیرہ یہ سب مثالیں عموم کی ہیں اسی طرح لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب بھی سمجھنی چاہیے۔

**صفحہ ۷۶**: ......اس حدیث کے لیے تیسرا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ "بعض روایات میں یہ زیادتی موجود ہے کہ فصاعدا یا وما تیسر یا فما زاد یا سورة معها اور آگے چل کر اس زیادتی کو صحیح بنانے کے لیے ایڑیوں کا زور لگاتے ہیں۔"

**جواب**:...... **اولاً**: اس زیادتی میں کثیر کلام ہے ائمہ حدیث مثلاً بخاری، ابن حبان، ابن خزیمہ اور بیہقی وغیرہ اس کو معلول کہتے ہیں (جزء القراءة للبخاری صفحہ ۳ جزء القراءة للبیهقی صفحہ ۱۱ اور تلخیص الحبیر صفحہ ۲۳۰ ج ۱) لہٰذا یہ زیادتی حجت لینے کے قابل نہیں ہے اس زیادتی کو بچانے کے لیے مولوی صاحب نے قلم کا جو زور لگایا ہے وہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے. جیسا کہ اپنی جگہ بیان ہوگا۔

**ثانیاً**:...... علامہ ابوالحسن سندھی جسے علماء حنفیہ اپنا بھائی کہتے ہیں۔ وہ فتح الودود شرح ابوداؤد صفحہ ۱۳۰ قلمی میں لکھتے ہیں کہ "قوله فما زاد يحتمل ان تقديره فما زاد وهو حسن فلا يلزم وجوب غير الفاتحة والله تعالىٰ اعلم۔" پھر آگے فرماتے ہیں کہ قوله فما عدا يحتمل تقدير فما كان صاعدا فهو حسن والله تعالىٰ اعلم. یعنی فاتحہ کے بعد کے لیے وجوب نہیں ہے اس احتمال کے لیے چند قرائن موجود ہیں۔ اول اس روایت کے راویوں میں سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، وہ خود فرماتے ہیں کہ "فی كل صلوٰة يقرأ فما اسمعنا رسول الله ﷺ اسمعنا كم وما اخفى منا اخفينا منكم فقال له رجل ارأيت ان لم ازد على ام القرآن فقال ان زدت عليها فهو خير وان انتهيت اليها اجزأت عنك" دوسری روایت میں فرماتے ہیں "ومن قرأ بام الكتاب فقد اجزأت عنه ومن زاد فهو افضل" یہ دونوں روایات صحیح مسلم صفحہ ۱۷۰ ج ۱۔ مع النووی میں مروی ہیں۔

پھر جب کہ حدیث کا راوی علی تقدیر الصحۃ اس سے اس طرح سمجھتے ہیں کہ وجوب اور فرضیت صرف فاتحہ کے لیے ہے اور باقی قرأت واجب نہیں ہے حالانکہ اور آپ کے احناف کی عبارتوں سے ثابت کیا گیا کہ صحابی کسی روایت کو ایک احتمال پر محمول کرے تو اس کو قبول کرنا لازمی ہے۔ لہٰذا آپ کا اعتراض باطل ہوا۔

ثانی خود رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو صاف حکم دیا کہ "فلا تقرأوا بشی من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن" (ابو داؤد صفحہ ۸۳ ج ۱) اس حدیث نے اس روایت کی تفسیر کر دی کہ یہ فصاعدا کا حکم امام اور منفرد کے لیے ہے۔ نہ جہری نماز کے وقت مقتدی کے لیے۔

**ثالثاً**: ...... اس روایت کا راوی عبادہ بن الصامت جہری نماز میں امام کے پیچھے صرف فاتحہ پڑھتا تھا اسی روایت میں راوی نافع بن محمود کہتے ہیں کہ "واقبل عبادة وانا معه حتى صففنا خلف ابى نعيم ، ابو نعيم يجهر بالقرأة فجعل عبادة يقرأ بام القرآن فلما انصرفت قلت لعبادة سمعتك تقرأ بام القرآن وابو نعيم يجهر قال اجل الحديث" ثابت ہوا کہ عبادۃ بن الصامت بھی مقتدی کے لیے واجب صرف فاتحہ سمجھتے ہیں۔ "والراوى ادرىٰ بمرويه كما تقدم ۔"

رابع صحیح ابن خزیمہ صفحہ ۲۵۸ ج ۱ میں حدیث ہے، ان رسول الله ﷺ جاء فصلى ركعتين لم يقرأ فيهما الا بام الكتاب دوسری سند سے ہے ان النبى ﷺ قام فصلى ركعتين لم يقرأ فيهما الا بفاتحة الكتاب لم يزد على ذلك شيئا " اب مولوی صاحب بتائیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ نے واجب چھوڑنے کا ارتکاب کیا ہے۔ حاشا وکلا۔ بلکہ اس حدیث نے واضح کیا کہ فصاعدا والی روایت اگر صحیح تسلیم کر لی جائے تب بھی اس سے فاتحہ کے بعد قرأت نہ واجب ہے نہ فرض۔ امام ابن خزیمہ ابن عباس کی اس حدیث پر اس طرح باب باندھتے ہیں۔ "باب ذكر الدليل على ان الصلوٰة بقرأة فاتحة الكتاب جائزة دون غيرها من القرأة وان ما زاد على فاتح الكتاب من القرأة فى الصلوٰة فضلة فى خبر عبادة بن الصامت لا صلوٰة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب دلالة على ان من قرأ بها له صلوٰة وفى خبر ابى هريرة من صلى صلوٰة لم يقرأ فيها بام القرآن فهى خداج دلالة على ان من قرأ بفاتحة الكتاب فى الصلوٰة لم تكن صلوٰته خداج ."

الحاصل! علامہ سندھی والا احتمال ان دو لحاظ کی وجہ سے نہایت صحیح اور قوی ہے۔

**ثالثاً**: ...... اوپر ذکر ہوا حضرت عبادہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اس حدیث کے راوی ہیں اور یہ دونوں فاتحہ سے زیادہ قرأت کو واجب یا فرض نہیں جانتے یہ خود قرینہ قاطع ہے کہ یہ زیادتی ثابت نہیں ہے بلکہ اصل حدیث کے

الفاظ میں نہیں ہے۔ ورنہ اس کے راوی صحابہ کرام کبھی بھی اس کے خلاف عمل نہ کرتے اور فتویٰ نہ دیتے اگر آپ خوانخواہ اس کو صحیح کہتے ہیں۔ تب بھی آپ کے قاعدے کے مطابق یہ زیادتی منسوخ کہی جائے گی۔ کیونکہ اصول فقہ حنفی میں بیان ہوا ہے کہ اگر راوی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرے یا فتویٰ دے تو یہ حدیث منسوخ کہی جائے جائے گی اور اس طرح سمجھیں کہ صحابی کو اس حدیث کے منسوخ ہونے کا معلوم تھا تب بھی اس کے خلاف عمل کیا یا فتویٰ دیا یہاں پر بھی دونوں راوی اس زیادتی کے خلاف گئے ہیں ابوہریرہ اس زیادتی کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں عبادہ بن الصامت کا عمل اور قول اس کے خلاف ہے۔ لہٰذا آپ کے قاعدے کے مطابق یہ زیادتی اگر صحیح کہیں تب بھی منسوخ ثابت ہوئی۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

**رابعاً و خامساً:**...... التلخیص الحبیر صفحہ ۲۳۱ ج ۱ طبع پاکستان میں ہے کہ "وروی الحاکم من طریق اشهب عن ابن عیینة عن الزهری عن محمود بن الربیع عن عبادة مرفوعاً ام القرآن عوض من غیر ها ولیس غیر ها عوضا منها قال وله شواهد فساقها" جب سورہ فاتحہ دوسری ہر سورت کا عوض اور بدل ہو سکتی ہے لیکن اس کے عوض کوئی سورت نہیں ہو سکتی یہ حدیث اس روایت جس میں فصاعدا کی زیادتی کو آپ صحیح کہتے ہیں اس کی واضح تفسیر کر دی کہ یہ وجوبی حکم صرف فاتحہ کے لیے ہے اس کے پڑھنے کے بغیر نماز نہ ہوگی، پھر چاہے جتنا مرضی قرآن پڑھے، فاتحہ کا عوض نہیں بنے گا۔

**سادساً:**...... علماء لغت بھی یہی معنی کرتے ہیں کہ وجوب صرف فاتحہ کے لیے ہے نہ کہ باقی قرأت کے لیے چنانچہ لغت کی مشہور کتاب لسان العرب صفحہ ۲۵۳ ج ۳ میں ہے "وفی الحدیث لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصا عدا ای فما زاد علیها کقولهم اشتر یته بدر هم فصا عدا قال سیبویه وقالوا اخذ ته بدر هم فصا عدا حذ فوا الفعل لکثرة است عمالهم ایاه ولا انهم امنوا ان یکون علی الباء لا نك لو قلت اخذته بصاع کان قبیحا لانه صفة ولا یکون فی موضع الاسم کانه قال اخذ ته بدر هم فزاد الثمن صاعدا او فذهب صاعدا ولا یجوزان تقول وصاعدا لانك لا ترید ان تخبران الدر هم مع صاعد ثمن شئ کقولك بدر هم وزیادة ولکنك اخبرت باد نی الثمن فجعلته اولا ثم قررت شیئا بعدشئ لاثما ن شتیٰ" اس طرح تاج العروس شرح قاموس صفحہ ۳۹۸ ج ۲ میں ہے اس کا مصنف علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی آپ کا حنفی بھائی ہے خود زبیدی صاحب اپنی کتاب عقود الجواهر المدیفہ صفحہ ۲۵ ج ۱ میں

تصریح کرتے ہیں اسی طرح امام ابن الاثیر النہایہ صفحہ ۳۰ ج ۳ میں لکھتے ہیں۔ اس طرح آپ کے حنفی بھائی علامہ محمد طاہر مجمع بحار الانوار صفحہ ۲۴۷ ج ۲ میں لکھتے ہیں سب کہتے ہیں کہ اس کی مثال اس طرح سے ہے جیسے کہا جائے کہ "اشتریته بدرهم فصاعدا."

**سابعاً**: ...... دوسری حدیث میں بھی وہی لفظ ہیں جن پر امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ ۲ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ قوله فصاعدا غير معروف وما اردته حرفا اواكثر من ذالك الا ان يكون كقوله لا يقطع اليد الا فى ربع دينار فصاعدا فقد يقطع اليه فى دينار وفى اكثر من دينار."

قارئین! ...... یہ حدیث مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۲ باب قطع السرقۃ الفصل الاول کتاب الحدود میں اس طرح ہے عن عائشة عن النبى ﷺ قال لا تقطع يد السارق إلّا بربع دينار فصاعدا (متفق علیہ) یعنی چور کا چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنا کم از کم نصاب ربع دینار ہے۔ اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس طرح اس حدیث کے الفاظ بھی وہی ہیں یعنی فاتحہ سے کم میں نماز نہ ہوگی اس سے زیادہ کتنا بھی قرآن ہو۔

**ثامناً**: ...... علماء حنفیہ بھی یہی معنی کرتے ہیں آپ کے علامہ عبدالحق دہلوی اللمعات شرح المشکوٰۃ صفحہ ۱۲۸ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ "فصاعدا فى القاموس بلغ كذا فصاعدا اى مافوق ذلك وقد يقال ان هذا يدفع الوجوب لان الزائد ليس بواجب ويجاب بانه لدفع توهم قصر الحكم على الفاتحة كما فى قوله تقطع اليدين فى نصف دينار فصاعدا يعنى يتعين قرأة الفاتحه ولو زاد عليها شيئا فافهم" اور اشعۃ اللمعات صفحہ ۳۶۹ میں لکھتے ہیں کہ "فصاعدا پس بخواند فوق فاتحه وزياده براد يعنى فاتحه البته مى بايد خواند ومقتصر بر فاتحه هم نيست واگر چيزى زياده كند نيز درست ست ونحوه فى المرقاة شرح المشكوٰة لعلى القارى صفحه ۲۸۲ ج ۳.

**تاسعاً**: ...... اگر اس زیادتی کو تسلیم کیا جائے تب بھی باتفاق اہل اللغۃ کے فاکلمہ کا مابعد غیر ضروری ہوتا ہے۔ آپ کے سید انور شاہ کشمیری العرف الشذی جامع الترمذی صفحہ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں کہ زعم الاحناف مراد الحديث وجوب الفاتحة ووجوب ضم السورة ولكنه يخالف اللغة فان ارباب اللغة متفقون على ان ما بعد الفاء يكون غير ضرورى وصرح به سيبويه فى الكتاب فى باب الاضافة وقال ايضاً ان بعه بدرهم وصاعد فى هذا المراد غلط وكذلك بدرهم فصاعدا بجر صاعد ايضاً غلط بل ما عدا منصوبا عطف جملة على الجملة.

**عاشراً**: ...... ان سب باتوں سے ہم اغماض کرتے ہیں اور اس زیادتی کی صحت کو آپ کے خیال کے

مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ تب بھی دیکھتے ہیں کہ مولوی محمد عمر صاحب کی بات میں نہ کوئی لہر اور نہ ہل چل ہے کیونکہ آپ نے خود معنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''معنی ہوگی کہ الحمد اور دوسری قرأت کے علاوہ کوئی بھی نماز نہ ہوگی'' جس کا معنی یہ ہوا کہ آپ الحمد کی فرضیت مان چکے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ الحمد کے علاوہ نماز نہ ہوگی۔ باقی زائد قرأت'' اگر آپ اس زیادتی کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو خوشی سے آپ امام کے پیچھے الحمد کے ساتھ کوئی دوسری سورت بھی پڑھیں مگر خدارا الحمد شریف سے دشمنی نہ کریں آپ کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ؁ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف) بلکہ آسان صورت یہ ہے کہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ زیادتی صحیح نہیں ہے لہٰذا ہم صرف اس بات کے پابند ہیں۔ ہر حالت میں سورہ فاتحہ ضرور پڑھیں ورنہ نماز نہ ہوگی اور آپ جب اس بڑھائے ہوئے جملے کو صحیح تسلیم کرتے ہو تو آپ اس کے پابند اور مکلّف ہیں کہ ہر حالت میں آپ سورہ الحمد اور دوسری سورت پڑھتے ہیں دگرنہ آپ کے اعتقاد کے مطابق آپ کی نماز نہ ہوگی۔ وھو الحادی عشر

**والثانی عشر:** ...... ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اصل حدیث میں فاتحہ کا حکم ہے دوسری میں اس کی ممانعت نہیں اور نہ ہی اس کے ترک کے متعلق حکم ہے۔ بلکہ آپ کے گمان کے مطابق اس میں فاتحہ کے ساتھ ساتھ مزید قرأت پڑھنے کا بھی حکم ہے لہٰذا کوئی بھی تعارض نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ زیادتی فاتحہ کے علاوہ کو متضمن ہے۔

**والثالث عشر:** ...... آپ کا ہمیں الزام دینا کہ جب اس حدیث کے ساتھ اوپر والے لفظ بھی موجود ہیں پھر ان کو چھوڑ کر نصف حدیث پڑھنا کس طرح صحیح ہے یہ الزام ہم پر لازم نہیں ہوتا کیونکہ یہ زیادتی فصاعدا ہماری تحقیق کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا ہم پر لازم نہیں ہے بلکہ جس قدر ہمارے نزدیک حدیث ثابت ہے ہم اس کے شدت سے قائل اور اس پر پابندی سے عامل ہیں لیکن الزام تو آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ اس زیادتی کو صحیح مانتے ہو. اور آپ کا عقیدہ اور عمل اس کے خلاف ہے۔

مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

ناظرین: ...... انصاف کریں کہ مولوی صاحب نے "فصاعدا" والا اعتراض کر کے ہماری دلیل کو گرایا ہے یا اپنا چراغ گل کیا ہے، یعنی کوشش تو یہ کی تھی کہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت کریں اور سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے وجود کو غیر ثابت کریں لیکن اس کے برعکس اس کی فرضیت کو بڑی شدومد سے ثابت کر گئے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھنی چاہیے کہ زید عمرو کو کہتا ہے کہ تیرے پاس میری گھوڑی کھڑی ہے وہ واپس کر وہ جواب دیتا ہے کہ تو مجھ سے گھوڑی طلب نہیں کر سکتا اس کے لیے دلیل یہ دیتا ہے کہ میرے پاس صرف تیری

گھوڑی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہے۔ اب آنکھوں والے انصاف کریں کہ اس دلیل سے زید کے دعوے کو رد کیا گیا یا اس کے برعکس اس کی گھوڑی کو ثابت کیا۔ **وھو الرابع عشر**

ناظرین:...... اس نقطے کو محدثین کرام بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ۲ میں اس طرح فرماتے ہیں کہ "قال معمر عن الزھری لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام الکتاب فصا عدا وعامۃ الثقات لم یتابع معمر فلفی قولہ فصا عدا مع انہ قد اثبت فاتحۃ الکتاب" یعنی ایک طرف تو روایت معلول ہے۔ جو عام ثقہ اور معتبر راوی اسی حدیث میں فصا عدا کو زیادہ کرنے میں معمر راوی سے موافقت نہیں کرتے۔ تاہم اس کے باوجود بھی معمر نے اپنی روایت میں فاتحہ کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کو ثابت رکھا ہے اسی وجہ سے یہ حدیث ہر لحاظ سے احناف پر حجت ہے۔

الغرض:...... اس ساری تقریر سے مولوی صاحب کا لکھنا غلط ثابت ہوا جو صفحہ ۷۷ پر لکھتے ہیں کہ "حالانکہ اس حدیث سے مقتدی کے لیے فاتحہ اور سورت کو واجب قرار دینا اور اسی حدیث میں جب فاتحہ کے بعد قرأت کا حکم ہے اس کو واجب نہ سمجھنا یہ ناانصافی ہے. جب یہ زیادتی ثابت نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہات ذکر کی گئی ہیں علی تقدیر الصحۃ اس زیادتی کا حکم واجب نہیں ہے. لہٰذا ناانصافی کس طرح ہوئی؟ اگر واقعتاً آپ بے انصافی سمجھتے ہیں تو آپ پر فرض ہے کہ انصاف کے موجب عمل کریں۔ یعنی امام کے پیچھے الحمد بھی پڑھیں اور اس سے زیادہ یہ قرأت کریں لیکن آپ سورہ فاتحہ کا انکار نہیں کر سکتے بڑی ناانصافی تو آپ کی یہ ہے کہ لکھتے ہو کہ یہ حدیث صحیح ہے یعنی "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصا عدا" اور ترجمہ بھی یہی لکھتے ہو کہ "الحمد اور دوسری قرأت کے علاوہ کوئی بھی نماز نہ ہوگی لیکن پھر بھی جرأت کے ساتھ کہتے ہو کہ الحمد فرض نہیں ہے۔ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے اور اگر پڑھیں گے تو منہ میں آگ کے انگارے ڈالے جائیں گے۔ عجیب انصاف کرتے ہو۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری فتنہ کشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

پھر مولوی صاحب نے جو شعر لکھا ہے اس کے بھی خیر سے خود ہی مصداق ہیں لکھتے ہیں

شراب تعصب ملی تم کو سستی
بہت پی گئے لگ گئی فاقہ مستی

کیونکہ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ فصا عدا والی حدیث بھی صحیح ہے اور الحمد اور دوسری سورت کے علاوہ نماز نہ ہوگی اور پھر کہہ رہے ہیں کہ الحمد کی طرح دوسری سورت کو بھی واجب کہیں اور دوسری طرف ان کی نماز قرأت سے

بالکل خالی۔ یعنی شراب سستی ہونے کے باوجود بھی بھوکا۔ یعنی زیادہ قرأت کے ہوتے ہوئے بھی بے قرأت۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

**صفحہ ۷۷:** ...... پھر دوسرا اعتراض لکھتے ہیں کہ زیادتی فصاعدا بخاری شریف میں نہیں ہے اور جواب میں کہتے ہیں کہ فن حدیث میں یہ قانون ہے کہ اگر ایک روایت میں کچھ لفظ نہیں ہے لیکن اگر اسی روایت میں ایک معتبر راوی کوئی لفظ زیادہ بیان کر رہا ہے تو اس کو تسلیم کیا جائے گا۔ الخ

**جواب:** ...... **اوّلاً:** اعتراض کا جواب تو مولوی صاحب نے دیا ہی نہیں کہ یہ الفاظ بخاری میں ہیں یا نہیں اور اگر نہیں ہیں تو کیوں؟ اس وجہ سے اس اعتراض کا جواب تا حال ان کی گردن پر قرض باقی ہے۔

**ثانیاً:** ...... اس مقام پر یہ بحث نہیں کہ معمر ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ بلکہ محدثین کا کہنا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے اصل روایت میں یہ زیادتی نہیں امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۹۴۔ ۹۵ میں ابن خزیمہ سے نقل کرتے ہیں کہ وذكر محمد بن اسحاق بن حريث رحمه الله فصلا فی زيادة من زاد فی هذه الاخبار واذا قرأ فانصتوا قال لسنا بدفع ان تكون الزيادة فی الاخبار مقبولة من الحفاظ ولكن انما نقول اذا تكافأت الرواة فی الحفظ والاتفاق المعرفة بالاخبار فزاد متقن عالم بالاخبار كلمة قبلت زيادته لان الاخبار اذا تواترت بنقل اهل العلم له والحفظ والاتقان بخبر فزاد راو ليس مثلهم فی الحفظ والاتقان زيادة ان تلك الزيادة تكون مقبولة " الغرض کہ محدثین زیادۃ الثقہ کا انکار نہیں کرتے لیکن اس جگہ راوی کا وہم بتاتے ہیں "والوهم فلما يسلم منه الانسان " اس سوال کا جواب نہ آپ کے بڑے دے سکے ہیں اور نہ ہی آپ کے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔

**صفحہ ۷۸:** ...... اقوال نقل کرتے ہیں کہ معمر راوی ثقہ اور معتبر ہے، لیکن اس میں بحث نہیں ہے۔ بحث راوی کے وہم میں ہے جس کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اس کے بعد پھر کہتے ہیں کہ فصاعدا کی زیادتی نقل کرنے میں معمر اکیلا نہیں ہے، بلکہ اس کی متابعت میں چار اور بھی ہیں پہلا بحوالہ ابو داؤد سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں۔

**اوّلاً:** ...... یہی روایت سفیان بن عیینہ کے واسطہ سے بخاری مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ دارقطنی، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح ابو عوانہ، جزء القراءۃ بخاری جزء القراۃ بیہقی اور سنن کبریٰ بیہقی وغیرہ میں موجود ہے لیکن کسی میں بھی زیادتی مذکور نہیں ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابو داؤد کے نسخے میں وہم ہے اسی طرح مسند امام

شافعی، مسند احمد بن حنبل، مسند امام حمیدی، صحیح المنتقی لابن الجارود، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، شرح السنۃ للبغوی، ان تمام کتب کی طرف ہم نے مراجعت کی تو ان سب کتب میں یہ روایت سفیان بن عیینہ کے طرق سے موجود ہے لیکن کسی میں بھی فصاعدا کا لفظ مذکور نہیں ہے۔

**ثانیاً:** ...... امام بخاری اور فن حدیث کے دیگر ائمہ نے جب یہ تصریح کی ہے کہ فصاعدا کے لفظ بڑھانے میں معمر اکیلا ہے کسی بھی ثقہ یا معتبر راوی نے ان کے ساتھ نقل کرنے میں موافقت نہیں کی یہ تصریح اور یہ فیصلہ قاطع رہے۔ کہ سفیان بن عیینہ کی روایت میں یہ زیادتی نہیں۔

**ثالثاً:** ...... ابوداود کے نسخہ میں صفحہ ۸۳ ج ۱ پر یہ روایت ان الفاظ سے ہے "حدثنا قتيبة بن سعيد وابن السرح قالا حدثنا سفيان عن الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت يبلغ بها النبي ﷺ قال لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعدا قال سفيان لمن يصلي وحده" اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ سفیان کی روایت میں فصاعدا کا لفظ موجود ہے تب بھی مولوی صاحب کا اعتراض غلط ہوگا کیونکہ خود سفیان بن عیینہ فیصلہ دیتے ہیں کہ یہ ذکر کردہ حکم اس کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو۔ بقول مولوی صاحب امام کو تبعاً یہ حدیث شامل ہے۔ (تحفۃ الحدیث صفحہ ۷۷)

قارئین کرام: ...... کو یاد ہوگا کہ خود مولوی صاحب نے سفیان بن عیینہ کے اس قول "لمن يصلي وحده" کو اپنی دلیل بنایا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث "لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی، اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۷۳) لیکن سفیان کا یہ قول اس روایت میں بمع زیادتی کے لیے ہے اس لیے مولوی صاحب کو یہ قول تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ فصاعداً کا حکم مقتدی کے لیے نہیں ہے بلکہ فرد واحد کے لیے ہے اور ان کے کہنے کے مطابق تبعاً امام کے لیے بھی ہے۔ وھو الرابع۔

**خامساً:** ...... یہاں پر مولوی صاحب نے ظاہر اور واضح طور پر دھوکے بازی سے کام لیا ہے کہتے ہیں کہ بغیر لفظ فصاعدا کے صرف "لا صلوٰه لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" جس شخص نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔ اس کے متعلق امام سفیان بن عیینہ کا کہنا ہے کہ "لمن يصلي وحده" یعنی یہ حکم اس کے لیے ہے جو فرداً نماز پڑھتا ہے یہ سراسر دھوکا ہے بلکہ انہوں نے یہ الفاظ زیادتی سمیت والی روایت کے لیے کہے ہیں۔ یعنی "لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعدا" (یعنی جس شخص نے الحمد اور اس سے زیادہ قرأت نہ کی تو اس کی نماز نہ ہوگی) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو نماز فرداً پڑھتا ہو۔ اب قارئین انصاف کریں کہ۔ سفیان کیا فرما رہے ہیں اور مولوی

صاحب کس طرح دھوکے سے مطلب نکال رہے ہیں غالب گمان یہ ہے کہ مولوی صاحب نے خود یہ کتاب سنن ابی داؤد دیکھی ہوگی اور یہ حدیث بھی پڑھی ہوگی پھر جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے فصاعدا کے لفظ کو نکال کر کہتے ہیں کہ "سفیان لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" کے لیے یہ حکم دے رہے ہیں یا تو پھر خود کتاب نہیں دیکھی بلکہ کسی اور کی اندھی تقلید سے نقل کر گئے ہیں اس وجہ سے علامہ اقبال نے کہا تھا

تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی
راستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

بہر حال خود عمداً اس طرح کیا یا دوسرے کی تقلید کی دونوں صورتوں میں سفیان کا نام لینے سے انہیں فائدہ نہ ملا الٹا نقصان ہوا۔

**وهو السادس و السابع**: ...... ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ابوداؤد کے علاوہ باقی حدیث کی دوسری کتب میں سفیان کی روایت میں فصاعدا کا لفظ موجود نہیں اور سفیان کا یہی فیصلہ ہے کہ یہ حکم فرد کے لیے ہے وہ بھی اس جگہ پر مذکور ہے جس جگہ پر یہ زیادتی فصاعدا مذکور ہے. مولوی صاحب وہ کتاب دکھائیں جس میں یہ روایت سفیان کے طریق سے ہے. اور اس میں یہ زیادتی فصاعدا ہو اور سفیان کا یہ قول "لمن یصلی وحده" نہ ہو۔ ان شاء اللہ ہرگز نہیں دکھا سکتے؛ "ولیس له الی ذلك سبیل" بلکہ جس جگہ پر سفیان کا فیصلہ مذکور ہے اس جگہ پر فصاعدا کی زیادتی بھی مذکور ہے اب مولوی صاحب دو باتوں میں مختار ہیں یا تو سفیان کی روایت میں اس زیادتی ''فصاعدا'' پر قائم رہیں اور سفیان کا یہ قول قبول کریں تو وہ زیادتی کے ساتھ والا حکم خاص فرد واحد کے لیے ہے اور اس طرح ہم پر کیا ہوا اعتراض واپس لیں یا قبول کریں کہ سفیان کی روایت میں یہ زیادتی موجود نہیں اور محدثین کا فیصلہ صحیح ہے۔ کہ لفظ فصاعدا بڑھانے میں معمر اکیلا ہے۔ کسی بھی ثقہ راوی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔

**وهو الثامن**: ...... اور تیسری متابعت امام اوزاعی اور شعیب بن حمزہ کی نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت جزء القراءۃ بیہقی صفحہ ۱۱ پر اس طرح سے ہے "اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ اخبرنا ابو علی الحسین بن علی الحافظ نا عبدا للہ بن محمد بن بشر بن صالح الدینوری الحافظ ثنا احمد بن هارون المستملی المصیصی نا محمد بن حمیر ثنا الاوزاعی وشعیب بن ابی حمزة عن الزهری حدثنی محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا.

**اوّلاً:** ...... یہ سند صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں راوی احمد بن ھارون المستملی المصیصی ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال صفحہ ۷۶ ج ۱ میں امام ذہبی فرماتے ہیں کہ صاحب المناکیر عن الثقات قالہ ابن عدی۔ یہ ثقہ راویوں سے منکر روایات بیان کرتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت منکر کہی جائے گی۔ نیز اگر چہ ان کے استاد محمد بن حمیر کی توثیق وارد ہے لیکن امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یکتب حدیثه ولا یحتج به کما فی التهذیب صفحہ ۱۳۵ ج ۹ اس وجہ سے ان کی روایت بغیر متابعت کے قابل قبول نہیں ہے بخاری میں ان کی روایتیں ہیں اور دونوں متابعت سے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ "لیس له فی البخاری سوی حدیثین احدهما عن ابراهیم بن ابی عیلة عن عقبة بن وساج عن انس عن خضاب ابی بکر وذکرله متابعا والآخر عن ثابت بن عجلان عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال مر النبی ﷺ بعنز میتة فقال ما علی اهلها لو انتفعوا باها بها اورده فی الذبائح وله اصل من حدیث ابن عباس عنده فی الطهارة" جیسا کہ اس جگہ پر اوزاعی اور شعیب بن حمزہ سے بمع زیادتی یہ حدیث نقل کرنے میں وہ منفرد ہے اور ان کی متابعت کرنے والا کوئی نہیں لہٰذا اس وجہ سے بھی یہ روایت ضعیف کہی جائے گی۔ وھو الوجه الثانی۔

**ثالثاً:** ...... بلکہ امام اوزاعی کی اصل روایت میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے خود بیہقی جزء القرأة صفحہ ۱۲ میں عقبہ بن علقمہ البیروتی سے نقل فرماتے ہیں "حدثنی الاوزاعی وسألته عن رجل صلیٰ فنسی القرأة فقال قال الزهری اخبرنی محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوٰة لمن لم یقرأ فیها بام القرآن۔" ثابت ہوا کہ اوزاعی کی اصل روایت میں فصاعدا کے لفظ نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ ذکر کردہ روایت جس میں اوزاعی کا نام بھی آتا ہے وہ منکر اور مردود کہلائے گی۔

**رابعاً:** ...... خود امام اوزاعی کے فرزند محمد کی کتاب میں یہ حدیث موجود ہے جو وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اس میں زیادتی نہیں ہے، چنانچہ جزء القرأة بیہقی صفحہ مذکورہ میں روایت ہے " اخبرنا ابو عبدالله الحافظ انا ابو علی الحافظ نا احمد بن عمیر بن یوسف الدمشقی نا سعد بن محمد البیروتی قال وجدت فی کتاب محمد بن الاوزاعی بخط عبدالرحمن بن ابی العشرین عن ابیه عن عبدالرحمن بن عمر والاوزاعی قال سألت الزهری عن رجل صلی فنسی القرأة فقال الزهری حدثنی محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوٰة لمن لم یقرأ بام القرآن" پھر جب ان کے بیٹے کی کتاب میں بھی زیادتی موجود نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ اوزاعی کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔

**خامساً:** ......خود امام اوزاعی فاتحہ سے زیادہ نماز میں پڑھنے کے قائل نہ تھے، چنانچہ آپ کے مذہب کے امام ابوبکر الجصاص الرازی احکام القرآن صفحہ ۴۰ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ وفیما جھر فیما الامام لایقرأ من خلفه الا بام القرآن قال البویطی وکذلك یقول اللیث والاوزاعی اس طرح امام ابن عبدالبر الاستذکار صفحہ ۱۸۹ ج ۲ میں ذکر کرتے ہیں، نیز فقہ الامام الاوزاعی صفحہ ۱۷۸ ج ۱ مصنف عبداللہ محمد الجبوری میں بھی مذکور ہے۔ثابت ہوا کہ امام اوزاعی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے ورنہ اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے الغرض اندرونی خواہ بیرونی شہادتوں سے اچھی طرح واضح ہوا کہ جس روایت میں اوزاعی اور شعیب کا نام ہے وہ منکر اور ضعیف ہے۔لہٰذا یہ متابعت بھی کالعدم کہی جائے گی۔ چوتھی متابعت عبدالرحمٰن بن اسحاق مدنی کی ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت جزء القراءۃ للبیہقی صفحہ ۱۱ پر مذکور ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ۲ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ ”لا یقال ان عبدالرحمن بن اسحاق تابع معمر وان عبدالرحمن ربما روی عن الزهری ثم ادخل بینه وبین الزهری غیره ولا نعلم ان هذا من صحیح حدیثه (یعنی کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق نے معمر کی متابعت کی ہے اور عبدالرحمٰن بسا اوقات زہری سے بیان کرتا ہے، پھر اس نے زہری اور اپنے درمیان کسی اور کو داخل کیا. ہم اس کی یہ حدیث صحیح نہیں سمجھتے) امام بخاری کے کلام سے تین علتیں معلوم ہوئیں۔اول یہ کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق اور زہری کے درمیان دوسرا واسطہ ہے جو کہ مجہول ہے دوم کبھی واسطہ ذکر کرتا ہے اور کبھی بلا واسطہ بیان کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ روایت مضطرب ہے سوم۔عبدالرحمٰن بن اسحاق خود ثقہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کی توثیق اور تضعیف میں اختلاف ہے جیسا کہ تہذیب صفحہ ۱۳۷ سے ۱۳۹ تک اور میزان صفحہ ۹۷ ج ۲ میں ان کا ترجمہ مذکور ہے۔

امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ ”سالت عنه بالمدینة فلم ارهم یحصدونه وکذلك قال علی بن المدینی۔“ (میں نے ان کے متعلق مدینہ میں سوال کیا میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے ان کی تعریف کی اور اسی طرح علی بن مدینی نے کہا) امام ابو حاتم رازی یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ یکتب حدیثه ولا یحتج به (ان کی حدیث لکھی جائے گی لیکن اس سے حجت نہیں لی جائے گی) اس وجہ سے امام بخاری فرماتے ہیں کہ ”لیس ممن یعتمد علی حفظه اذا خالف من لیس دونه وان کان ممن یحتمل فی بعض“ (یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے حافظہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا جب وہ اپنے سے کم کی مخالفت کریں اگرچہ بعض میں احتمال ہو) لہٰذا یہ روایت صحیح نہ ہوئی اور یہ متابعت بھی کچھ شمار نہ ہوگی اور محدثین کا فیصلہ صحیح ثابت ہوا کہ معمر زیادتی ”فصاعدا“ نقل کرنے میں اکیلا ہے کسی بھی ثقہ اور معتبر راوی

نے ان کے ساتھ یہ زیادتی نقل کرنے میں موافقت نہیں کی۔ مولوی صاحب کی یہ بات غلط ہے کہ پانچ ثقہ راوی اس لفظ کو بیان کر رہے ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ معمر اکیلا ہے۔ دوسرا کوئی بھی ثقہ ان کے ساتھ شامل نہیں ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ''اس زیادتی کی تصدیق خود نبی ﷺ کے فرمان سے ہو رہی ہے جیسا کہ ابوہریرہ کی مرفوع حدیث اور ابو سعید خدری سے مرفوع حدیث میں بیان ہوا ہے جیسا کہ ابھی مندرجہ بالا بحث میں بیان ہوئی۔''

**جواب:** ...... یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں ابوہریرہ کی روایت ابو داوٗد میں اس سند سے مروی ہے حدثنا ابراهيم بن موسىٰ الرازی نا عيسىٰ عن جعفر بن ميمون البصري ثنا ابو عثمان النهدی قال حدثنی ابوهريرة فذكره'' اور عیسیٰ بن میمون کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں ''ليس بقوی فی الحديث'' (یعنی حدیث میں قوی نہیں ہے) امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ''ليس بثقة'' (وہ ثقہ نہیں ہے) امام نسائی فرماتے ہیں: ''ليس بالقوی'' (قوی نہیں ہے) امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ يكتب حديثه فی الضعفآء (ان کی احادیث ضعیفوں میں لکھی جاتی ہے) امام بخاری فرماتے ہیں ''ليس بشیء'' (یعنی وہ حدیث میں کچھ نہیں) امام یعقوب بن سفیان انہیں ان راویوں میں شمار کرتے ہیں جن سے کنارہ کرنا چاہیے کمافی التھذیب صفحہ ۱۰۹ ج ۲ حاکم، ابن حبان اور ابن شاہین نے ان کی توثیق کی ہے لیکن ان کا اس باب میں تساہل مشہور ہے۔ کیونکہ کئی ضعیف راویوں کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ بلکہ اس باب میں امام ابو بن عدی کا قول عدل وانصاف والا ہے. جو جرح کے باب میں معتدل اور منصف لکھے جاتے ہیں۔ اس طرح امام احمد بن حنبل کو بھی معتدل کہا جاتا ہے. خود آپ کے بھائی عبدالحی لکھنوی الرفع والتکمیل صفحہ ۲۵ طبع حلب میں دونوں ائمہ احمد اور ابن عدی کو معتدلین میں شمار کرتا ہے۔ امام عقیلی اپنی کتاب الضعفاء صفحہ ۱۸۱ ج اقلمی میں اس راوی کو ذکر کرتے ہیں اور امام احمد سے نقل کرتے ہیں: اخشی ان يكون ضعيف الحديث (میں ڈرتا ہوں کہ وہ ضعیف الحدیث ہے) اور امام یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ ''ليس بثقة'' (وہ ثقہ نہیں ہے) اس کے بعد ان کی یہ روایت لا کر فرماتے ہیں ''ولا يتابع عليه'' (یعنی اس پر متابعت نہیں) امام ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۱۹۴ ج ۱ میں اس روایت میں ان کے مجروح ہونے کا سبب بتاتے ہیں۔

ابوسعید والی حدیث کی سند ابو داوٗد میں اس طرح ہے۔

''حدثنا ابو الوليد الطيالسی ثنا همام عن قتادة عن ابی النضرة عن ابی سعيد فذكره

قتادة بن دعامة" مشہور مدلس ہے جس طرح کہ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین صفحہ۱۴ مرتبہ ثالث میں ذکر کیا ہے، یہ روایت صیغہ عن سے ذکر کی ہے، لہٰذا ضعیف ہے. اس کے بعد مولوی صاحب حدیث "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" کا چوتھا جواب اس طرح سے لکھتے ہیں کہ" قاعدہ ہے کہ "راوی الحدیث اعرف بالمراد من غیرہ" اور چونکہ اس حدیث کے مشہور راوی امام سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث منفرد (اکیلے پڑھنے والے) کے لیے ہے الخ اس عذر کا جواب بڑی تفصیل سے پہلے گزر چکا ہے خاص طور پر یہ بات کہ امام سفیان بن عیینہ کا جس سند میں یہ قول مذکور ہے اسی میں یہ زیادتی مذکور ہے۔ جیسا کہ ابو داوٗد صفحہ۸۳ ج۱ میں بھی ہے۔ "سفیان عن الزهری عن محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت یبلغ به النبی ﷺ قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصا عدا قال سفیان لمن یصلی وحدہ۔" یعنی اس مجموعی متن کے لیے سفیان نے حکم لگایا ہے نہ کہ صرف فاتحہ کے لیے ایسی کہیں بھی کوئی روایت نہیں جس میں "فصاعدا" کی زیادتی کے علاوہ سفیان کے طریق سے روایت ہو اور وہاں پر اس نے یہ حکم لگایا ہو کہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے لہٰذا سفیان کا نام لینے سے ہی مولوی صاحب نے اپنے دعویٰ کو گرا کر ڈھیر کر دیا ہے امام احمد بن حنبل کا قول امام ترمذی سنن صفحہ۴۲ ج۱ میں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "واختار احمد مع هذا القرأة خلف الامام ان لا یترك الرجل بفاتحة الکتاب وان کان خلف الامام"

الغرض امام احمد خود پڑھنے کے قائل تھے۔ اوپر امام قرطبی کی عبارت گذری کہ امام احمد کا آخری قول وجوب ہے۔ اس روایت کا اصل راوی عبادہ بن الصامت ہے اور وہ اسی قاعدے کے مطابق اپنی روایت کو زیادہ جانتا ہے۔ وہ خود جہری میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے۔ جس طرح کہ ابو داوٗد صفحہ۸۳ ج۱ میں روایت مذکور ہے جو پہلے گزر چکی ہے ثالثاً امام مکحول تابعی بھی اس روایت کا راوی ہے جس طرح ابو داوٗد کی سند میں مذکور ہے۔ آخر میں صفحہ۸۲ ج۱ میں خود امام مکحول کا فتویٰ مذکور ہے کہ "فکان مکحول یقرأ فی المغرب والعشاء والصبح بفاتحة الکتاب فی کل رکعة سرًا قال مکحول اقرأ فیها جهر به الا مام اذا قرأ بفاتحة الکتاب وسکت سوا فان لم یسکت اقرأ بها قبله ومعه وبعدہ لا تترکها علی حال" (یعنی امام قرأت کرتے تھے مغرب عشاء اور فجر میں فاتحہ کی ہر رکعت میں سری طور پر مکحول فرماتے ہیں کہ قرأت کرو جب امام جہر کرے اور فاتحہ پڑھے ہر رکعت میں سری طور پر جب وہ خاموش ہو پس اگر وہ خاموش نہ ہو تو قرأت کرو اس سے قبل اس کے ساتھ اور اس کے بعد اسی قرأت (فاتحہ) کو کسی بھی حالت میں مت چھوڑو) اس تابعی کا فیصلہ مقدم رکھا جائے گا وہ راوی حدیث بھی

ہے کیونکہ وہ امام احمد خواہ سفیان ان سے قبل کا ہے الغرض مولوی صاحب کا ذکر کردہ قانون بھی انہیں مہنگا پڑا۔

**صفحہ ۷۹:** ...... پھر کہتے ہیں کہ "اس حدیث کے راوی امام مالک، اما زہری امام اسحاق بن راھویہ، امام معمر، امام اوزاعی وغیرہ ہیں جن کا مسلک پہلے بیان ہو چکا ہے:

**جواب:** ...... معمر کا تو کہیں بھی ذکر نہیں آیا باقی دوسروں کے متعلق بیان ہو چکا کے امام اوزاعی کا مذہب ابھی بیان ہو چکا۔ امام مالک کے متعلق قرطبی کی عبارت گزری کہ وہ اپنے آخری قول کے مطابق وجوب کا قائل ہیں یہ سب اسی حدیث "لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" کی وجہ سے وجوب کے قائل تھے جس طرح کہ علامہ عینی حنفی کی عبارت گزری۔ عمدۃ القاری صفحہ ا ج ۶ طبع منیر یہ میں فرماتے ہیں کہ "استد ل بھذا الحدیث عبداللہ بن المبارك والاوزاعی ومالك والشافعی واحمد واسحاق وابو ثور وداؤد علی وجوب قرأة الفاتحة خلف الامام فی جمیع الصلوٰت" پھر لکھتے ہیں کہ "جمہور علماء اس شخص کی نماز کو صحیح کہتے ہیں جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو پھر اس حدیث سے ہر ایک نمازی کے لیے فاتحہ کو واجب کہنا قانون شکنی ہے جو صحیح نہیں" اس کے متعلق تفصیلی جواب گزر چکا ہے مولوی صاحب کو پتہ نہیں چلتا خود اپنے کلام سے اپنے ہی مذہب کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں کیونکہ حنفی مذہب کے مطابق قیام نماز میں فرض ہے۔ پھر اگر رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جائے تو پھر قیام کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کیونکہ رکوع میں ملنے والے کو قیام نہیں ملے گا پھر اس کے مطابق قیام کو فرض کہنا بھی قانون شکنی ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا.

پانچویں جواب میں صاحب سبل السلام کا کلام نقل کرتے ہیں کہ فھٰذا عبادة قرأ بھا جھراً الخ پھر فرماتے ہیں کہ "ان حضرات کو چاہیے کہ امام کے پیچھے اونچی آواز سے قرأت کریں۔" الخ

**جواب:** ...... **اولاً:** حدیث میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں کہ جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ عبادہ رضی اللہ عنہ نے جہری قرأت کی تھی۔ بلکہ راوی محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ "قلت لعبادة سمعتك تقرأ بام القرآن وابو نعیم یجھر الحدیث" یہ تو فقط وہ ایک شخص جوان کے ساتھ صف میں تھا وہ کہتا ہے کہ "واقبل عبادة وانا معه حتی صففنا خلف ابی نعیم" پھر برابر میں کھڑے ہونے والے شخص نے کوئی لفظ سن لیا جس سے اس نے سورت فاتحہ کو پڑھنا سمجھا۔ عام طرح پڑھنے کا ذکر ہی نہیں۔

**ثانیاً:** ...... خود صاحب سبل السلام ہر حال میں امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے پر زور دیتے ہیں اور یہی اس کلام کا حاصل مطلب ہے آپ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔

**ثالثاً:** ...... خود عبادہ بن الصامت نے امام کے پیچھے جہر سے پڑھنے کا حکم نہیں دیا صرف پڑھنا ضروری

کہتے ہیں۔

**رابعاً:** ......علی التقدیر اس طرح سے امام کے ساتھ منازعت لازم ہوگی جس کو رسول اللہ ﷺ نے رد فرمایا تھا کہ "انا اقول مالی ینازعنی القرآن" خود ابو ہریرہ کے قول میں تصریح ہے کہ "اقرأ بها فی نفسك ."

**الحاصل:** ......اس حدیث کی تخصیص کے لیے مولوی صاحب نے بہت ہاتھ پاؤں مارے تا کہ "من" عام نہ رہے لیکن پڑھنے والوں نے دیکھا کہ مولوی صاحب کی ساری کوشش بیکار اور ضایع گئی اور حدیث اپنی جگہ پر عام ہے اور سب نمازیوں کے لیے ہے امام خطابی معالم السنن صفحہ ۲۰۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں "هذا عموم لا یجوز تخصیصه الا بدلیل" خود اس حدیث کے راوی صحابی اور تابعی مکحول اس سے وجوب سمجھتے ہیں۔ نیز محمود بن ربیع تابعی جو عبادہ بن الصامت سے راوی ہیں انہوں نے بھی حدیث اور فیصلہ سن کر اعتراض نہیں کیا جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ان سے موافقت کی اور حدیث کا وہی مطلب سمجھا جو عبادہ نے بیان کیا۔ اسی طرح امام اوزاعی سفیان بن عیینہ علی بن مدینی وغیرہم نے بھی یہی مطلب سمجھا ہے۔ آپ کے حنفی بھائی علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود صفحہ ۴۳ ج ۵ میں سفیان کے قول کی شرح میں لکھتے ہیں "قال سفیان ای ابن عیینه وهذا الحکم ای نفی الصلوٰة بعدم القرأة بفاتحة الکتاب فصاعدا لمن یصلی وحده" امام احمد کا بھی آخری قول وجوب کے متعلق ہے اس کے بعد اس حدیث کے کون سے راوی ہونے چاہئیں؟ اب قارئین کرام انصاف کریں کہ ضد کس طرف ہے اور حقیقت کس طرف۔

## سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خراج والی روایت پر اعتراض اور اس کا جواب

**صفحہ ۸۱:** ......دوسری دلیل میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خداج والی روایت نقل کر کے اس کے دو جواب دیتے ہیں پہلے جواب میں لکھتے ہیں کہ "اقرأ بها فی نفسك" (ام القرآن کو دل میں پڑھ) یہ ابو ہریرہ کا فرمان ہے اور مرفوع حدیث "اذا قرأ فانصتوا" کے خلاف ہے۔

**جواب:** ......**اولاً:** ہمارا پہلا استدلال مرفوع حدیث سے ہے جس میں الفاظ ہیں کہ "من صلی صلوٰة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج هی خداج غیر تمام" مولوی صاحب خود ترجمہ لکھتے ہیں کہ جس شخص نے نماز پڑھی اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے۔ پوری نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پوری مکمل نہیں ہے تو پھر جو کہتے ہیں کہ الحمد کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ان کی

اس روایت میں پہلی دلیل یہی فرمان نبوی ہے۔

**ثانیاً**: ...... ابو ہریرہ خود اس حدیث کے راوی ہیں .مولوی صاحب قانون ذکر کر کے آئے ہیں اور اس پر زور دیا ہے کہ ''راوی اپنی روایت کے مفہوم کو زیادہ جانتا ہے لہٰذا اس مقام پر مولوی صاحب کو اپنے ذکر کردہ قانون کے مطابق حدیث کے راوی کے فیصلے کو قبول کرنا چاہیے۔

**ثالثاً**: ...... خود یہ جملہ بعض اسانید میں مرفوع بھی آیا ہے جیسا کہ صحیح ابن حبان صفحہ ۲۱۰ ج ۳ (بترتیب علاؤ الدین الفارسی) میں یہ حدیث اسی طرح ہے کہ ''اخبرنا محمد بن اسحاق بن خزیمة قال حدثنا محمد بن یحییٰ الذهلی قال حدثنا وهب بن جریر قال حدثنا شعبة عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابیه عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا تجزئ صلوٰة لا یقرأ فیها بفاتحة الکتاب قلت وان کنت خلف الامام قال فاخذ بیدی وقال اقرا فی نفسك'' علامہ زیلعی حنفی نے بھی اس روایت کو نصب الرایہ صفحہ ۳۶۶ ج ۱۔ میں بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ''رواه ابن خزیمة''

**رابعاً**: ...... علی التقدیر ابو ہریرہ کا یہ فتویٰ صرف رائے پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کے فرمان سے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فتویٰ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اقرأ بها فی نفسك فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول قال الله عزوجل قسمت الصلوٰة بینی وبین عبدی نصفین .'' (الحدیث) طریق استدلال یہ ہے کہ جب اس حدیث قدسی میں نماز کو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان میں تقسیم کرنے کی خوشخبری دی گئی ہے اور اس کے بعد سورت فاتحہ کے تقسیم کی جاتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ نماز ہے ہی سورت فاتحہ سے۔ لہٰذا اس کے علاوہ کسی بھی حالت میں نماز نہ ہوگی۔ اس وجہ سے علماء نے سورت فاتحہ کے ناموں میں الصلوٰۃ کو بھی شمار کیا ہے۔ جس طرح امام قرطبی نے اپنی تفسیر صفحہ ۱۱۱ ج ۱ میں ذکر کیا ہے کیونکہ کل کا اطلاق اس اعظم جزء پر ہوسکتا ہے جس کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم آئے۔ فهو الخامس

**والسادس**: ...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات اور عبادہ بن الصامت کی روایات وغیرہ یہ سب اس کے مؤید دلائل ہیں۔

**سابعاً**: ...... صحابی کی موقوف حدیث آپ کے نزدیک حجت ہے جب تک مرفوع حدیث اس کے خلاف نہ ہو جس طرح کہ آپ کا ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ صفحہ ۴۲۱ ج ۱ میں لکھتا ہے ''ان قول الصحابی حجة ویجب تقلیده عند نا اذا لم ینفه شی آخر من السنة'' مولوی صاحب نے اس جگہ پر لکھا ہے یہ قول مرفوع حدیث اذا قرأ فانصتوا کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ لیکن اس روایت کے متعلق پہلے ہی بیان ہو

چکا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ ہی فاتحہ سے منع کرنے کے لیے صریح ہے اگر خواہ مخواہ مولوی صاحب اس کو صحیح مانتے ہیں تب بھی انہیں ضرر پہنچے گا۔ کیونکہ اس کے راوی ابو ہریرہ ہیں لہٰذا حنفی مذہب کے مطابق یہ روایت منسوخ کہی جائے گی. اور حنفی اصول کے مطابق اگر کوئی صحابی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرے گا تو وہ اسی حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ اوپر گزرا لہٰذا مولوی صاحب کا یہ عذر یہ روایت مرفوع حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی غلط ہوا۔

**وھو الثامن والتاسع:**...... آپ کے اصول فقہ کی کتب مثلاً توضیح مع التلویح صفحہ ۱۷ ج ۲ اور نور الانوار صفحہ ۷۶ میں بیان ہوا ہے کہ صحابی کا قول اس وقت حجت ہے جب کسی دوسرے صحابی سے اس کے خلاف قول نہ ہو۔ اس جگہ پر کوئی بھی صحابی صریحاً ابو ہریرہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ کسی بھی صحابی سے صریحاً امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کی ممانعت وارد نہیں مولوی صاحب نے جو کچھ بھی نقل کیا اس میں کوئی بھی روایت صحیح یا صریح ثابت نہیں ہوئی۔ لہٰذا مولوی صاحب اگر چاہیں تو اس مقام پر اسے موقوف کہیں لیکن ان کے فقہی قاعدے کے مطابق اس کو قبول کرنے کے لیے پابند ہیں۔

**عاشراً:**...... حدیث میں صرف ابو ہریرہ کا قول موقوف ہے لیکن حدیث کا پہلا حصہ اس کے لیے واضح دلیل ہے جس کا ترجمہ خود مولوی صاحب نے اس طرح سے کیا ہے یہ نماز ناقص ہے پوری نہیں'' پھر جب فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے تو ہر حال میں فاتحہ پڑھنی ہے۔

دوسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ "قرأة في النفس" کے کئی معانی ہیں لیکن یہ معانی مولوی صاحب نے لکھے نہیں ہیں لہٰذا ان کا یہ کہنا ہے کہ سمجھنا چاہیے۔ حالانکہ قرأۃ فی النفس کا معنی آہستہ پڑھنا جس طرح اہل اللغۃ شراح اور فقہاء سب بیان کرتے ہیں یہ تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ

**صفحہ ۷۲:**...... لکھتے ہیں ''حقیقی معنی ہے کہ ''الحمد کو دل میں سوچے زبان نہ ہلائے''

**الجواب:**...... سوچنا اور زبان نہ ہلانا کس کا ترجمہ ہے؟ خدارا احادیث میں اپنے الفاظ نہ بڑھائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف جھوٹی نسبتیں نہ کریں۔ قرأت کے لفظ میں ہی زبان ہلانے کا معنی ہے کیونکہ قرأت زبان کا فعل ہے آپ کی فقہ کی کتاب ہدایہ صفحہ ۱۱۸ ج ۱ میں ہے "لان القرأة فعل اللسان دون الصماخ الخ امام بیھقی جزء القراۃ صفحہ ۱۷ میں لکھتے ہیں کہ والمراد بقوله اقرأ بهافي نفسك ان يتلفظ بها سرّادون الجهربها ولايجوز حمله على ذكرها بقلبه دون التلفظ بها لاجماع اهل اللسان على ان ذلك لا يسمىٰ قرأة ولا جماع اهل العلم على ان ذكرها بقلبه دون التلفظ بها ليس بشرط ولا مسنون فلا يجوز حمل الخبر

علی مالا یقول به احد ولا یساعده لسان العرب وبالله التوفیق ."

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ عربی زبان والوں کا اجماع اور اتفاق ہے کہ دل میں سوچنے کو قرأت نہیں کہا جاتا۔ اس کے علاوہ اس بات پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ دل میں سوچنا نہ نماز کے لیے شرط ہے نہ سنت۔ اب مولوی صاحب بتائیں کہ اس تاویل کو صحیح مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو انہیں مقتدی کے لیے امام کی قرأت کو سوچنا فرض کہنا چاہیے اور اس کے بغیر نماز کے باطل ہونے پر فتویٰ دینا چاہیے حالانکہ یہ بات ان کے مذہب کے خلاف ہے امام نووی شرح مسلم صفحہ ۱۷۰ ج۱ میں فرماتے ہیں کہ "قول ابی هريرة اقرأ بها في نفسك فمعنا ها اقرأ ها سرًا بحيث تسمع نفسك واما ما حمله بعض الما لكية وغير هم ان المراد تد بر ذٰلك وتذكره فلا يقبل لان القرأة لا تطلق الا على حركة اللسان بحيث يسمع نفسه ولهٰذا اتفقوا على ان الجنب لو تدبر القرآن بقلب من غير حركة اللسان لا يكون قارئاً مرتكباً لقرأة الجنب المحرمة " اب مولوی صاحب امام نووی کے اس اعتراض پر غور کریں۔ جب حنفی مذہب کے موجب جنبی کے لیے قرآن پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔ پھر جب کوئی جنبی شخص زبان سے قرات نہ کرے اور دل میں ان الفاظ پر غور وفکر کرے تو کیا مولوی صاحب حرام کا مرتکب کہیں گے؟ ہرگز نہیں ثابت ہوا کہ صرف غور کرنا قرأت نہیں ہے۔ ملا علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ فقيل لأبی هريرة انا نكون وراء الامام ای فهل نقرأ ام لا قال اقرأ بها ای بام القرآن فی نفسك سرا غير جهر۔ آپ کے علامہ عبدالحق دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۸ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ "اقرأ بها في نفسك اى سرا بحيث تسمع نفسك" اس طرح آپ کے علامہ انور شاہ کشمیری نے تو آپ کا کام تمام کر دیا ہے. چنانچہ العرف الشذی علی جامع الترمذی صفحہ ۱۴۹ میں لکھتے ہیں کہ "واما ما قال المد رسون من ان المراد بالقرأة فی نفسه التدبر والتفكر فلا يوا فقه اللغة فانه لم يثبت معنى التفكر للقرأة فى النفس" شاہ صاحب نے فیصلہ دے دیا کہ جو معنی مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور لغت کے خلاف ہے پھر لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اخبار پڑھتا ہے اور زبان کو حرکت نہیں دیتا کیا اس کے بارے میں کوئی کہہ سکے گا کہ اس نے اخبار نہیں پڑھی'' دل میں پڑھنے کا یہی مطلب ہے۔

**اولاً:**...... یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے سامنے اخبار یا کوئی اور چیز ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا اور غور کرتا چلا جاتا ہے بخلاف صورت "ما نحن فيه" کے کیونکہ اس میں مقتدی امام کے پیچھے کوئی حرف نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس کے سامنے کوئی قرآن ہے جس کو دیکھ کر سمجھتا ہے لہٰذا یہ قیاس صحیح

نہیں ہے قیاس مع الفارق قیاس کے قائلین کے نزدیک بھی مردود ہے نیز نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا آپ احناف کے نزدیک مکروہ بلکہ ممنوع ہے آپ کے فقہاء تو ایسی نماز کو باطل کہتے ہیں۔ جس طرح فتاوی عالمگیری اور قاضی خان میں تصریح ہے چنانچہ عالمگیری صفحہ ۱۰۱ ج ۱ میں ہے کہ "ویفسدھا قرأته من مصحف عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وقالا لا یفسده له، ان حمل المصحف وتقلیب الاوراق والنظر فیه عمل کثیر والصلوٰة عنه لا بد وعلی هذا لو کان مو ضوعاً بین ید یه علی رحل وهؤلا یحمل ولا یقلب اوقرأ المکتوب فی المحراب لا تفسدوا لان التلقن من المصحف تعلم لیس من اعمال الصلوٰة وهذا یو جب التسنویه بین المحمول وغیره فتفسد بکل حال وهو الصحیح هکذا فی الکافی.

**الحاصل**: ......مولوی صاحب کی یہ تاویل غلط اور فرسودہ ہے لغت اور محاورہ کے خلاف ہے لیکن ان کے مذہبی پیشواؤں کی تحقیق کے بھی خلاف ہے۔

**ثانیاً**: ......مولوی صاحب کی تاویل غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دل میں غور کرے اور زبان نہ ہلائے تو پھر غیر عالم ان پڑھ جو عربی زبان نہیں جانتا وہ امام کی قرأت میں کس طرح غور کرے گا؟ لہٰذا یہ تاویل بے کار ہے۔

**ثالثاً**: ......مولوی صاحب کو تعصب اور تعجیل کی وجہ سے اپنے مذہب کا بھی پتہ نہیں چلتا حالانکہ حنفی مذہب کے مطابق اگر کوئی قسم اٹھائے کہ قرآن پاک یا کوئی دوسری کتاب نہیں پڑھوں گا تو پھر اگر اول سے آخر تک اس کو دیکھ لیا اور سمجھ بھی گیا تب بھی مفتی بہ قول کے مطابق حانث نہ ہوگا نہ اس کی قسم ٹوٹے گی اور نہ ہی کفارہ لازم آئے گا فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۰۴ ج ۲ میں ہے "حلف لا یقرأ سورة من القرآن فنظر فیها حتی اتٰی الی آخر ها لا یحنث بالاتفاق کذافی الفتوی الکبریٰ ولو حلف لا یقرأ کتاب فلان فنظر فی کتابه وفهم ما فیه لا یحنث فی قول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ لعدم القراة وعلیه الفتوی" اس طرح فتاوی قاضی خان صفحہ ۳۲۳ میں ہے اب مولوی صاحب دو کشتیوں کے درمیان میں ہے چاہے تو اپنی تاویل سے دستبردار ہو جائیں اور اپنے مذہب کا پردہ چاک نہ کریں یا تو خوانخواہ اپنی تاویل پر قائم رہیں اور اپنے مذہب کا بیڑہ غرق کریں۔ اس فقہی عبارت سے معلوم ہوا کہ صرف دل میں غور کرنے اور زبان نہ ہلانے کو قرأت نہیں کہا جاتا۔

**رابعاً**: ......اس کے بعد مولوی صاحب ایک اعتراض لکھتے ہیں اور اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں "من کا لفظ ہر وقت عموم کے لیے استعمال ہوتا ہے، صحیح نہیں ہے الخ"

**جواب:**...... من عموم کے لیے آتا ہے لیکن جس جگہ پر خصوص کے لیے وارد ہوتا ہے تو کوئی قرینہ ہوتا ہے جس طرح آپ کی کتاب نور الانوار صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں "من وما يحتملان العموم والخصوص و اصلهما العموم يعني انهما في اصل الوضع للعموم ويستعملان في الخصوص بعارض القرآئن سواء استعملا في الاستفهام او الشرط اوالخبر وهكذا في اصول البزدوي صفحه ۶۸ والتوضيح مع التلويح صفحه ۵۹ ج۱ . لہٰذا اس مقام پر کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے مولوی صاحب نے جن روایات کا تذکرہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہیں اور نہ ہی صریح "كما تقدم" بلکہ قرینہ خود اسی روایت میں موجود ہے کہ اس کا راوی خود ابوہریرہ اس کو عموم سمجھتا ہے تب تو مقتدی ہونے کی صورت میں حکم دیتے ہیں کہ "اقرأبها في نفسك" راوی اپنی روایت کو دوسروں سے زیادہ سمجھ سکتا ہے جیسا کہ خود مولوی صاحب نے تحفۃ الحدیث صفحہ ۷۸ میں ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر مولوی صاحب نے تین مثالیں پیش کی ہیں، حالانکہ تینوں کے لیے قرینہ موجود ہے۔ پہلی مثال یہ پیش کرتے ہیں ﴿ويستغفرون لمن في الارض﴾ (الشوریٰ) اس کے لیے خود قرینہ پیش کرتے ہیں کہ اس کا معنی خاص ہے کیونکہ قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ويستغفرون للذين اٰمنوا﴾ (المؤمن) جب کہ خود قرینہ موجود ہے تو پھر یہ مثال کارگر نہیں ہے۔ یہاں بھی ایسا قرینہ دکھائیں مثلاً کسی حدیث میں دکھائیں کہ "من صلّى صلوٰة بغير امام او من صلى منفردا ولم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج" الحديث. تو پھر اس کو ذکر کردہ حدیث کے عام نہ ہونے کے لیے قرینہ بنایا جا سکتا تھا "والاّ فلا" یہاں پر لفظ ہیں کہ "من صلى صلوٰة" الحدیث من دراصل عموم کے لیے ہے۔ جس طرح کے آپ کے احناف کی عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔ نیز صلوۃ خود لفظ عام ہے یعنی کوئی بھی نماز. پھر یہ قرائن بتاتے ہیں کہ حکم عام ہے اور یہ آیت قانون نہیں بدلتی۔ بلکہ قرینہ سے حکم بدلا ہوا ہے اور یہاں پر قرینہ نہیں ہے دوسری مثال میں یہ آیت ذکر کرتے ہیں ﴿ءَ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِي السَّمَآءِ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمُ الۡاَرۡضَ﴾ (الملک) یہاں بھی قرینہ موجود ہے کہ یہ "یخسف" صیغہ واحد ہے لہٰذا جمع کا معنی نہ رہا۔ دوسرا کہ اس کام میں قدرت صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہے۔ لہٰذا اس کو اس حدیث پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ کئی آیات میں "من" عموم کے لیے ہے مثلاً "مَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران) مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖ (النحل) مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا (الجاثيه) مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰۤى اِلَّا مِثۡلَهَا (الانعام) مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا (يونس) مَنۡ خَشِىَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ وَجَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِيۡبِ

نِ ادۡخُلُوۡهَا بِسَلَامٍ (ق) ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِيَ رَبَّهٗ (البینہ) وَمَنۡ قَتَلَ مِنۡكُمۡ مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ (المائدہ) وَمَنۡ يَقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النسآء) وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَأً فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُؤۡمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهۡلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا (النسآء) مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ (النسآء) وَمَنۡ يَّظۡلِمۡ مِنۡكُمۡ نُذِقۡهُ عَذَابًا كَبِيۡرًا (الفرقان) وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ (البقرۃ) مَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ (البقرہ) مَنۡ كَانَ فِيۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِي الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا (بنی اسرائیل) وغیر ھا من الآیات ۔

**صفحہ ۸۳:** ......تیسری مثال میں بخاری کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں اور ترجمہ خود کرتے ہیں کہ ''تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جو احکام خداوندی میں امیر غریب اعلیٰ اور ادنیٰ کا فرق کرتے تھے۔

پھر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ من عام سے مراد صرف خاص اقوام ہیں نہ کہ سب پہلی۔ کیونکہ پہلے انبیاء کرام اور ان کے رفیق خدا کے عذاب سے ہلاک نہیں ہوئے تھے''

**قارئین:** ......مولوی صاحب کی عبارت بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ مولوی صاحب حدیث کی عبارت سمجھے ہیں؟ اگر نہیں سمجھے تو بے سمجھی سے یہ عبارت لکھی ہے یا پھر سمجھنے کے بعد دھوکا دیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ ''تم سے قبل جو ہلاک ہوئے وہ اس غلطی کی وجہ سے جو انہوں نے احکام خداوندی میں امیر غریب کا فرق کیا'' حدیث میں اس طرح نہیں کہ تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے'' اس طرح مَنْ کا کوئی معنی ہی نہیں کیا۔ حدیث عام لوگوں کے لیے نہیں بلکہ عام مجرموں کے لیے ہے۔ جن کے لیے کوئی تخصیص وارد نہیں لہٰذا یہ حدیث خود اس بات کی دلیل ہے کہ مَنْ عموم کے لیے ہے مولوی صاحب نے غلط ترجمہ کر کے مَن کا معنی بدل کر اپنے دعوی کے لیے دلیل بنایا ہے۔ حالانکہ کئی احادیث میں من عموم کے لیے وارد ہے ''من ابتاع طعام فلا یبعہ حتیٰ یستو فی (احمد۔ بخاری، مسلم) من احب لِلہ وابغض للہ ومنع للہ واعطیٰ للہ فقد استکمل الایمان (ابوداؤد) من احب لقآء اللہ احب اللہ لقائہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقآئہ (احمد، بخاری، مسلم) من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا ولیعتز ل مسجد نا ولیقعد بیتہ (بخاری۔ مسلم) من بنی لِلہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتافی الجنۃ (ابن ماجہ) من تاب قبل ان تطلع الشمس من مغر بھا تاب اللہ علیہ (مسلم) من حمل علینا السلاح فلیس منا (مالک، احمد، بخاری، مسلم) من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل بِی (احمد۔ بخاری۔ ترمذی) من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (احمد۔ بخاری۔

مسلم) من صلیٰ علی واحدۃ صلی اللہ علیہ بما عشرا (احمد۔ مسلم ، ) من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعد من النار (احمد۔ بخاری۔ مسلم) وغیرھا من الاحادیث الجامع الصغیر للسیوطی "صفحہ ۱۵۷ سے ۱۸۲ ج ۲" میں ہیں دیکھنی چاہئیں ان سب میں من عموم کے لیے ہے۔ لہٰذا یہاں پر حدیث میں "مَن صلی صلوٰۃ" الخ میں بھی من عموم کے لیے ہے اور ہر نمازی اس میں شامل ہے مولوی کی تاویلیں اور چکر اس کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکے گے اور نہ ہٹا سکیں ہیں۔

دوسرا اعتراض اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "اس روایت میں ہے کہ نماز پوری اور کامل نہیں ہے جس میں الحمد نہ پڑھی جائے۔ لہٰذا الحمد شریف پڑھنی چاہیے۔"

**قارئین**: ...... یہ ایسا اعتراض ہے جس کا جواب مولوی صاحب کے بڑوں سے بھی نہیں بن پایا۔ کیونکہ ہمیں نماز مکمل پڑھنے کا حکم ہے لہٰذا ناقص اور ادھوری نماز کس طرح قبول ہوگی؟ امام ابن عبدالبر الاستذکار صفحہ ۱۶۷ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ: و فی حدیث ابی ھریرۃ ھذا من الفقہ یجاب قرأۃ فاتحۃ الکتاب فی کل صلوٰۃ وان الصلوٰۃ اذا لم یقرأ فیھا فاتحۃ الکتاب فھی خداج وان قرأ فیھا بغیرھا من القرآن والخداج النقصان والفساد من قولھم اخدجت الناقۃ وخدجت اذا ولدت قبل تمام وقتھا او قبل تمام الخلق وذالک نتاج فاسد۔ واما تریر اھل البصرۃ فیقولون ان ھٰذا اسم خرج علی المصدر یقولون اخدجت الناقۃ ولدھا اذا ولدتہ) ناقصا للوقت فھی مخدِج والو لد مخدَج والمصدر الاخداج واما خدجت فرمت بو لدھا قبل الوقت نا قصا اوتاما فھی خادج والولد مخدوج وخدیج وھٰذا کلۃ قول الخلیل وابی حاتم والا صمعی وقال الاخفش خدجت الناقۃ اذا القت ولدھا لغیر تمام واخدجت اذا قذفت بہ قبل الوقت وان کان تمام الخلق وقد زعم من لم یوجب قراۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوٰۃ وقال ھی وغیر ھا سوآء۔ وان قولہ خداج یدل علیٰ جواز الصلوٰۃ لانہ نقصان والصلو اۃ الناقصۃ جائزۃ وھذا تحکم فاسد۔ والنظر یوجب فی النقصان الآتجوز معہ الصلوٰۃ لا نھا صلوٰۃ لم تتم ومن خرج من صلوٰۃ قبل ان یتمھا فعلیہ اعادتھا تامۃ کما امر علیٰ حسب حکمھا ومن ادعیٰ انھا تجوز مع اقرارہ بنقصھا فعلیہ الدلیل ولا سبیل الیہ من وجہ یلزم واللہ اعلم.

امام موصوف کی اس عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کی ہر

رکعت میں سورہ فاتحہ واجب ہے دوم اگر نہ پڑھے گا تو یہ خداج ہوگی سوم خداج نقصان اور فساد کو کہا جاتا ہے لہٰذا یہ نماز ناقص اور فاسد کہی جائے گی چہارم خداج عرب اس بچے کو کہتے ہیں جس کو اونٹنی اس کی پیدائش سے پہلے ہی گرا دے۔ اہل لغت کی کلام سے اس طرح ظاہر ہے پنجم باوجود ناقص ہونے کے نماز کو جائز کہنا فاسد حکم ہے ششم کیونکہ نماز مکمل کرنے سے قبل اس سے نکلنا حکم کی مخالفت ہے لہٰذا ایسی حالت میں نماز دہرانی (دوبارہ پڑھنی) ہوگی ہشتم باوجود اس اقرار کے کہ یہ نماز ناقص ہے پھر بھی اس کو صحیح اور جائز کہنے کے لیے کوئی بھی دلیل نہیں اس طرح دیگر شارحین بھی لکھتے ہیں۔ چنانچہ ابوسلیمان خطابی معالم السنن شرح ابی داؤد صفحہ ۲۰۳ ج۱ میں لکھتے ہیں کہ "قوله فهی خداج ناقصة۔ نقص فساد وبطلان تقول العرب اخدجت الناقة اذا القت ولدها وهو دم لم يستبن خلقه فهی مخدج والخداج اسم مبنی منه "امام نووی شرح مسلم صفحہ ۱۶۹ ج۱" علامہ زرقانی شرح موطا صفحہ ۱۷۵ ج۱۔ علامہ عزیزی السراج المنیر شرح جامع الصغیر صفحہ ۵۸ ج۱۔ علامہ عبدالرؤف المناوی فیض القدیر شرح الجامع الصغیر صفحہ ۲۶ ج۵ میں اس طرح فرماتے ہیں۔ اس طرح آپ کے حنفی بھائی مثلاً ملا علی قاری المرقاۃ صفحہ ۲۸۲ ج۲۔ علامہ عبدالحق لمعات صفحہ ۱۱۳ ج۳ علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم صفحہ ۲۹ ج۲ اور علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود فی حل ابی داؤد صفحہ ۳۸ ج۵ میں فرماتے ہیں اس طرح اہل لغت نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے چنانچہ امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ۳۵ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ "وقال ابو عبيد يقال اخدجت الناقة اذا اسقطت والسقط ميت لا ينتفع به امام ابو عبید مشہور امام فی اللغة والحدیث ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب غریب الحدیث صفحہ ۶۵ ج۱ میں اسی معنی کو تفصیل سے بیان کیا ہے اس طرح لغت کی دیگر کتب لسان العرب صفحہ ۲۲۸ ج۲ تاج العروس للزبیدی الحنفی المصباح المنیر للفیومی صفحہ ۱۷۷ ج۱ النهاية فی غریب الحدیث والاثر لابن الاثیر صفحہ ۱۲ ج۲ تکملة مجمع البحار شیخ محمد طاهر الفتنی الحنفی صفحہ ۵۱ وغیرها من کتب اللغة اور لغت کی مشہور کتاب اقرب الموارد صفحہ ۲۵۹ ج۱ میں ہے خدجت الدابة خدجا القت ولدها قبل تمام الايام وان كان تام الخلق فهی (خادج والولد خديج) اخدجت الشتوة قبل مطرها والداية جاءت بولد ناقص الخلق وان كان لوقته فهی مخدج والولد منخدج والشيئ نقص وصلوته نقص بعض اركانها" احناف کے مایہ ناز علامہ زمخشری اساس البلاغہ صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں واخدج صلوته اذا نقص بعض اركانها۔

الغرض شارحین حدیث خواہ علماء لغت جن میں علماء احناف بھی شمار ہیں جن کی عبارات سے ظاہر ہوا کہ الحمد کے بغیر نماز کو خداج کہا گیا ہے کہ اس کی مثال اس کچے بچے کی ہے جس سے نفع نہیں لیا جاسکتا۔

اس واضح مسئلہ کے لیے مولوی صاحب نے دو جواب لکھے ہیں پہلے جواب میں کہتے ہیں کہ ''شامل نہیں ہے۔ اس لفظ سے ہر نماز کے لیے الحمد شریف پڑھنا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ایک حدیث میں ''من تمام الصلوٰۃ الصلوٰۃ فی النعلین۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ حدیث حافظ نور الدین ہیثمی مجمع الزوائد صفحہ ۵۴ ج ۲ میں لا کر لکھتے ہیں کہ رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ علی بن عاصم وتکلم الناس فیہ کما ذکرہ المزی عن الخطیب۔ متکلم فیہ راوی کی روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس میں کافی جرح ہے۔ میزان الاعتدال صفحہ ۲۲۹ ج ۲ میں ہے:۔ قال یزید بن ھارون مازلنا نعرفہ بالکذب وقال ابن معین لیس بشئ وقال النسائی متروك الحدیث وقال البخاری لیس بالقوی عندھم یتکلمون فیہ۔ لہٰذا اس کی روایت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

**ثانیاً:** ...... اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ جوتا نہ پہننے والی کی نماز نہیں ہے اس حدیث میں صریح لفظ ہیں کہ جس شخص نے نماز پڑھی اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے پوری نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں مضامین میں فرق ہے۔

**ثالثاً:** ...... رسول اللہ ﷺ سے بغیر جوتوں کے نماز پڑھنا ثابت ہے عن عمرو بن شعیب من ابیہ عن جدہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ یصلی حافیا ومتنعلا رواہ ابو داؤد وکذٰ فی المشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الستر الفصل الثالث: لہٰذا یہ حدیث قرینہ ہے کہ بغیر جوتوں کے بھی نماز ہوسکتی ہے یہ روایت اگرچہ صحیح مان بھی لی جائے تب بھی اس سے مراد یہ نہ ہوگی کہ بغیر جوتوں کے نماز ادھوری ہے بخلاف قرأت والی حدیث کے کیونکہ اس کے لیئے قرینہ صارف نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی ایسی روایت ثابت نہیں ہوسکی جس میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت ہو۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ جواب بھی بے کار اور نعلین والی حدیث سے معارض کرنا غلط ہے۔

**صفحہ ۸٤:** ...... دوسرا جواب اس طرح لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ غیر تمام تفسیر لقولہ علیہ السلام وھذا اللفظ لا یقتضی الرکنیۃ''

**جواب:** ...... **اولاً:** اس قول کے لیے مولوی صاحب حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۲۹ حالانکہ اس جگہ پر یہ عبارت نظر نہیں آتی فتاوی ابن تیمیہ کی تین قسمیں ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں ایک

مجموع شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ جو کہ بمع فہرست ۳۷ جلدوں میں ہے دوسرا الفتاوی الکبری لا بن تیمیہ جو پانچ جلدوں میں ہے تیسرا مختصر الفتاویٰ المصر یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو ایک جلد میں چھپا ہوا ہے۔ تینوں میں فاتحہ اور بسم اللہ کی بحث میں یہ عبارت تلاش کی گئی لیکن نہ ملی معلوم نہیں کہ مولوی صاحب نے کہاں سے نقل کی ہے جیسا کہ مولوی صاحب کی ایسی بہت سے غلطیاں نکلی ہیں۔ کتب کے صفحات اکثر غلط نکلے ہیں اس وجہ سے صرف مولوی صاحب کی نقل پر کوئی محقق یقین نہیں کر سکتا۔

**ثانیا**: ...... بلکہ اس کے خلاف عبارتیں ملتی ہیں مجموع الفتاویٰ جلد ۲۳ صفحہ ۲۸۴ میں یہ الفاظ ہیں۔

وابوهريرة وغيره من الصحابة فهموا من قوله قسمت الصلوٰة بينى وبين عبدى نصفين فاذا قال العبدا لحمد لله رب العالمين اذ ذالك يعم الا مام والمأموم۔ اس عبارت سے مولوی صاحب کے دعویٰ کے خلاف چند امور ظاہر ہوتے ہیں اول یہ کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث کو امام خواہ مقتدی کے لیے عام سمجھا ہے لہٰذا مولوی صاحب کے قاعدے کے مطابق راوی کے فہم کو معتبر سمجھا جائے گا بلکہ صحابی کا فہم متاخرین کے فہم سے مقدم ہے دوم یہ کہ ابو ہریرہ اس سمجھ میں اکیلا نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ دوسرے صحابی بھی شامل ہیں جو اس حدیث کو عام سمجھتے ہیں سوم ابو ہریرہ کا قول "اقرا بها فى نفسك" صرف ان کی رائے پر مبنی نہیں ہے بلکہ مرفوع حدیث سے لیا ہوا ہے پھر مولوی صاحب کے سب حیلے باطل ہو گئے صفحہ ۳۰۰ جلد ۲۳ میں ہے "فقد يقال ان ابا هريرة انما امره بالقرأة فى ذٰلك من فضيلة المذكورة فى حديث القسمة لا لقوله من صلى صلوٰة لم يقرأ فيها بام القرآن فهى خداج فانه لو كان صلوٰة المأ موم خداجا اذا لم يقرأ لا مره بذلك للا جل ذلك الحديث ولم يعلل الامر بحديث القسمة اللهم الا ان يقال ذكره توكيد ا اولا نه لما قسم القرأة قسم الصلوٰة فدل على انه لا بد منها فى الصلوٰة لا نه لو خلت عنها لم تكن قسمة مجودة وعلى هذا يبق الحديثا ن مد لولهما واحد . اس عبارت کا خلاصہ اور حدیث کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ ابو ہریرہ اگر مقتدی کے لیے قرأت کو واجب سمجھتے تو خداج والی حدیث جواب میں پیش کرتے۔ صرف تقسیم والی حدیث پیش نہ کرتے لیکن اس کے لیے بھی اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ابو ہریرہ خداج والی حدیث پہلے ذکر کر چکے تھے اور پھر دوبارہ تاکید کے لیے تقسیم والی یہ حدیث پیش کی ہے۔ اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب قرأت الحمد کو تقسیم کرنے سے ہی نماز تقسیم ہو گئی تو پھر اس صورت میں نماز میں سورہ فاتحہ لازمی اور ضروری کہی جائے گی کیونکہ جس کی نماز سورہ فاتحہ سے خالی ہے وہ اس تقسیم سے محروم رہے گا گویا کہ دونوں احادیث کا مفہوم ایک ہی ہے اس عبارت میں نہ رکنیت کا انکار ہے

نہ وجوب کا بلکہ جو شبہ پیدا ہوتا ہے اس کو بھی رد کیا گیا ہے جلد ۲۲ صفحہ ۴۲۳ بسم اللہ کی بحث میں اس حدیث کے متعلق ہے کہ فحدیث ابی ھریرۃ دلیل علی انھا لیست من القرأۃ الواجبہ ولا من القرأۃ المقسومۃ" ثابت ہوا کہ اس حدیث میں قرأت فاتحہ کا وجوب ثابت ہے اور امام ابن تیمیہ صرف بسم اللہ جہر سے پڑھنے کا انکار کرتے ہیں۔ نہ کہ قرأت کے وجوب کا۔

**ثالثاً:**...... غیر تمام کا معنی خود مولوی صاحب یہ کر رہے ہیں کہ پوری نہیں ہے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۸۱)۔ پھر جس چیز کے علاوہ نماز پوری نہیں ہوتی تو وہ نماز کا رکن نہیں تو پھر آخر وہ کون سی چیز اس کا رکن ہوگی؟ ایسی حقیقت کا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کس طرح انکار کرسکتا ہے؟

**رابعاً:**...... خود اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ نماز خداج وہ ہے جس سے اس کا کوئی رکن مفقود ہو جائے پھر سورہ فاتحہ کی رکنیت ثابت کرنے کے لیے نبی ﷺ کا فرمان فھی خداج ہی کافی ہے۔ جب آپ نے اس پر تین دفعہ تاکید فرمائی اور اس کے بعد غیر تمام کہہ کر اس کو مزید مؤکد بنایا۔ ایسی صراحت کے بعد بھی رکنیت کا انکار سینہ زوری ہے۔

**خامساً:**...... فتاویٰ کی نقل کردہ عبارت کا ترجمہ مولوی صاحب اس طرح لکھتے ہیں کہ "غیر تمام کا لفظ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی تفسیر ہے" تحفۃ الحدیث صفحہ ۸۴ جب خداج کی یہ تفسیر ہے تو پھر غیر تمام یعنی پوری نہیں ہے یہ کہنے سے یا تفسیر سے رکنیت ثابت نہ ہوگی تو پھر کیا ہوا؟ یہ اعتراض مولوی صاحب اور ان کے ہم نواؤں پر قیامت تک قائم ہیں اس کے لیے ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں جو قابل قبول ہو۔

تیسری دلیل مولوی صاحب عبادہ بن صامت کی حدیث نقل کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ہم فجر نماز میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ قرأت کر رہے تھے اور آپ کو قرأت کرنا دشوار ہوگئی پھر جب فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا شاید تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں! اس پر آپ نے فرمایا صرف سورت فاتحہ پڑھو اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(تحفۃ الحدیث صفحہ ۸۴)

**قارئین:**...... حدیث کے الفاظ سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ واقعہ جہری نماز کا ہے کیونکہ فجر کی نماز تھی۔ دوم یہ کہ صحابہ کرام آپ کے پیچھے قرأت کرتے تھے سوم آپ نے انہیں صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ خاص خطاب مقتدیوں کے لیے تھا لہٰذا کسی دوسری تاویل کی گنجائش نہیں۔

**چہارم:**...... "صرف" کے لفظ سے ظاہر ہے کہ جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ قرأت سے منع کیا گیا ہے۔

لہٰذا مولوی صاحب کے تمام اعتراضات ختم ہوئے۔

**پنجم:**...... بلکہ مولوی صاحب نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں کما تقدم۔ اگر بالفرض یہ صحیح تسلیم کیے جائیں تب بھی سورت فاتحہ کے علاوہ قرأت کے لیے ہیں۔

**ششم:**...... یہ فرمان کہ اس (فاتحہ) کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یہ خاص حکم آپ مقتدیوں کو بتا رہے ہیں۔ لہٰذا مقتدی کے لیے یہ کہنا کہ الحمد کے بغیر نماز ہو جائے گی۔ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے باطل کہا جائے گا۔

**ھفتم:**......مولوی صاحب کی یہ تاویل کہ نفی کمال کی ہے باطل ہو گئی کیونکہ لفظ لا صلوٰۃ کا ترجمہ خود کر رہے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی۔

**ھشتم:**...... پہلی دلیل جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے یعنی لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ثابت ہوا کہ یہ اپنے عموم والی معنی پر باقی اور قائم ہے کیونکہ یہ فیصلہ خاص طور پر مقتدیوں کے لیے ہے اس کو مضبوط کر گئے کہ اس حدیث میں مقتدی بھی داخل ہیں۔

**نھم:**......مولوی صاحب نے کلمہ "من" کے متعلق جو بھاگ دوڑ کی ہے کہ وہ اس سے مقتدی کو خارج کر یں وہ بے سود ثابت ہوئی۔

**دھم:** ...... یہاں پر یہ بھی ثابت ہوا کہ مولوی صاحب نے کوشش کی کہ کلمہ "من" ہر جگہ پر عموم کے لیے استعمال نہیں ہوتا ہے اگر چہ اس کا بھی مدلل جواب دے چکے ہیں۔ لیکن اس حدیث نے ثابت کر دیا کہ اس حدیث یعنی "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" میں کلمہ مَن یقیناً عموم کے لیے ہی ہے "تلك عشرۃ کاملۃ" اس کے بعد مولوی صاحب نے اس حدیث کو غیر صحیح ثابت کرنے کے لیے جو محنت کی ہے اس کا جائزہ لے کر حقیقت قارئین کے سامنے واضح کی جاتی ہیں۔ اب تو وہ جرح وتعدیل کے میدان میں اتر چکے ہیں. اللہ خیر کرے

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

علامہ محمود الحسن کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "مسئلہ قرأت خلف الامام میں جو بھی احادیث صحیح ہیں وہ صریح مقتدی کے لیے نہیں اور جو صحیح نہیں ہیں وہ صریح ہیں"

**جواب:**...... **اولا**: صرف شیخ محمود الحسن کے کہنے پر یقین نہیں کیا جاسکتا چنانچہ اس قسم کی غلطیاں علامہ صاحب سے ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ ان کی مشہور کتاب "ایضاح الا دلۃ" صفحہ ۹۷ مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیو بند میں لکھتے ہیں کہ "جیسے منصب حکم اطاعت حکام ماتحت کے حق میں عطائے حکام بالا دست ہوتا ہے اور جیسے اطاعت حکام ماتحت سراسر اطاعت حکام بالا دست سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر اطاعت انبیاء

کرام علیہم السلام و جملہ اولی الامر بعینہٖ اطاعت خداوند جل جلالہ خیال کی جائے گی اور متبعین انبیاء کرام اور دیگر اولی الامر کو خارج از اطاعت خداوندی سمجھنا ایسا ہوگا جیسے متبعین احکام حکام ماتحت کو کوئی کم فہم خارج از اطاعت حکام بالا دست سمجھنے لگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا کہ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیا کرام علیہم السلام کے اور کوئی نہیں۔ سو دیکھئے کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام وہ جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔ آپ نے آیت ﴿فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اس قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔

وہی کتاب ایضاح الادلہ کتب خانہ فخر یہ امروہی دروازہ مراد آباد یوپی کی کوششوں سے دوبارہ شایع ہوئی۔ اس کے بعد صفحہ ۱۰۳ پر یہ عبارت موجود ہے اب مولوی صاحب بتائیں کہ آپ کے شیخ الہند صاحب نے جو یہ نئی آیت لکھی ہے یعنی ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ قرآن کی کون سی سورت اور کس پارے میں ہے۔ حفاظ کرام سے پوچھیں۔ قلمی اور چھپے ہوئے سب مصحف دیکھیں پھر جس شخص نے قرآن کریم کے ساتھ ہاتھا پائی کی ہو اس کے فیصلے پر کس طرح بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟

**ثانیاً:**...... اس دعوی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خود آپ کے لکھنوی حنفی نے چند احادیث کو صحیح مانا ہے دیکھئے امام الکلام مع حاشیہ غیث الغمام صفحہ ۲۵۵ سے ۲۵۹ اسی طرح علامہ عبدالصمد الفساوری حنفی رسالہ ''اعلام الاعلام فی قرأۃ الفاتحہ خلف الامام ملحق بہ کتاب لقطۃ العجلان للنواب صدیق الحسن خان صفحہ ۱۹۳ میں فرماتے ہیں ''وبالجمله فقد تقرر عند اهل التدين من السلف والخلف لزوم العمل بالحديث اذا صح وكذا الحسن ثم يكفينا فى ذالك ايراد واحد من المحدثين الجمع على قبو لهم اياه فى كتبهم وتصحيحهم او تحسينهم له فانهم اغنونا عن تفتش احوال الرواة وما ينا سبه كما هو المحقق الم قرر فعل هذا لزم القول لقرأة المأموم الفاتحة لو رود نحو من ثلاثين حديثا فى ذالك مابين صحيح وحسن وغيرهما بطرق عديدة وعمل عليه غير واحد من اهل القرون الثلثة بل اكثرهم كما سبق ولم يظهر الى الآن ما يستحق للنا سخية مع امكان التطبيق من النصوص الموجبة المانعة على العموم فتأ مل متصفا بالا نصاف هذا۔ یعنی تقریباً تیس احادیث مقتدی کی فاتحہ پڑھنے کے متعلق وارد ہیں۔ ان

میں کئی صحیح ہیں تو کچھ حسن ہیں ان کے علاوہ بھی روایات متعدد طرق سے ان کی تائید کے لیے موجود ہیں۔ پھر اس کے متعلق کس طرح کہتے ہو کہ اس کے لیے کوئی بھی صحیح اور صریح حدیث وارد نہیں ہے اس سے قبل علامہ حافظ ابوزرعہ ابن العراقی "طرح التثریب فی شرح التقریب" صفحہ ۲۶۹ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ "الا دلة الصحيحة قائمة على وجوب القرأة على المأموم مطلقا"

**ثالثاً:**...... عام محدثین اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں سب سے پہلے امام بخاری اس کو حجت بناتے ہیں۔ کما فی جزء القراءۃ صفحہ ۸۔ ۹۔ ۱۸ طبع دہلی اور علامہ شمس الدین بن عبدالہادی المقدسی المحرر فی الحدیث صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں؛ وصحہ البخاری۔ امام ترمذی اپنی سنن صفحہ ۶۱ میں فرماتے ہیں کہ "حدیث عبادہ! حسن۔ امام ابوداؤد اپنی سنن میں اس روایت کو لاکر اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں۔ آپ احناف کے نزدیک سکوت حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی انہاء السکن صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں کہ "ما سكت عنه ابو داؤد فهو صالح للا حتجاج به" بلکہ حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر صفحہ ۲۳۱ ج اطبع پاکستان میں فرماتے ہیں کہ "وصححه ابو داؤد" اس طرح امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح صفحہ ۳۶ ج ۳ میں اس کو روایت کیا ہے اور وہ اپنی کتاب میں وہ روایت لاتے ہیں جو صحیح اور متصل ہوتی ہے جس طرح ابتداء کتاب میں اپنی شرط اس طرح بیان کرتے ہیں "المختصر من المسند الصحيح عن النبى ﷺ بنقل العدل عن العدل موصولا اليه ﷺ من غير قطع فى اثناء الاسناد والجرح فى ناقل الاخبار التى نذكرها بمشية الله تعالىٰ" اس طرح امام ابن حبان کی پہلے شرط گزر چکی ہے کہ وہ اس روایت کو اپنی کتاب میں دلیل بناتے ہیں۔ جس میں پانچ خصلتیں ہوں۔ (۱) عدالت (۲) صدق فی الحدیث میں مشہور ہو (۳) عقل میں اکمال ہوش ہو (۴) علم اور روایت کے معنی ومفہوم کو جاننے والا ہو۔ (۵) اس کی روایت تدلیس وغیرہ سے پاک ہو۔ پھر ابن حبان کا اس روایت کو اپنی صحیح میں داخل کرنے سے ثابت ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ان تمام خصلتوں کے حامل ہیں۔ لہٰذا ابن حبان اس کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس طرح امام ابن الجارود نے بھی اپنی صحیح المنتقی صفحہ ۱۱۸ طبع مصر میں ذکر کیا ہے امام دارقطنی سنن صفحہ ۱۲۰ طبع ہند میں فرماتے ہیں کہ "هذا اسناد حسن" اور صفحہ ۱۲۱ میں دوسری سند سے لاکر فرماتے ہیں کہ "كلهم ثقات" پھر تیسری مرتبہ لاکر فرماتے ہیں کہ هذا اسناد حسن ورجاله ثقات كلهم . اس طرح امام حاکم نے بھی اپنی صحیح مستدرک صفحہ ۲۳۸ ج ۱ میں داخل کیا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک بھی صحیح کہی جائے گی۔ کیونکہ شروع کتاب میں فرماتے ہیں کہ "وانا استعين الله على اخراج احاديث رواتها ثقات قد احتج بمثلها الشيخان رحمهما الله او احدهما وهذا شرط الصحيح عند كافة فقهاء اهل

الاسلام۔ اسی طرح امام بیہقی بھی اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ جزء القرأۃ صفحہ ۳۷ میں فرماتے ہیں کہ "ھذا اسناد صحیح "اور صفحہ ۴۳ میں فرماتے ہیں کہ "وھذا اسنادہ صحیح وروانہ ثقات " اور امام دارقطنی سے نقل کرتے ہیں کہ "کلھم ثقات " اسی طرح سنن کبری صفحہ ۱۶۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ "والحدیث صحیح عن عبادۃ عن النبی ﷺ۔ امام ابن حزم المحلی صفحہ ۲۳۶ ج ۳ میں اس حدیث کو بطور حجت ذکر کرتے ہیں اور صفحہ ۲۴۱۔۲۴۲ ج ۳ میں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ اور شروح محلی صفحہ ۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں: ولیعلم من قراء کتابنا ھٰذا اننا لم نحتج الا بخبر صحیح من روایۃ الثقات مسند. امام نووی المجموع شرح المھذب صفحہ ۳۶۳ ج ۳ طبع منیریہ میں اس حدیث کو حسن کہتے ہیں اور امام بیہقی سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ امام ابن عبدالبر الاستذکار صفحہ ۱۹۰ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ وحدیث عبادۃ من روایۃ مکحول وغیرہ متصل مسنداً من روایۃ الثقات . امام خطابی معالم السنن شرح ابوداؤد صفحہ ۲۰۵ ج ۱ فرماتے ہیں واسنادہ جید لا طعن فیہ .

علامہ ابن الملقن البدر المنیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر (المصوار) باب صفۃ الصلوٰۃ الحدیث الخامس بعد العشرین میں یہ حدیث لاکر فرماتے ہیں کہ ھذا الحدیث جید. اس کے بعد امام ترمذی، دارقطنی، خطابی اور حاکم وغیرہ سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ امام ابن دقیق العید کتاب الالمام باحادیث الاحکام صفحہ ۱۰۲ میں لاتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "وفی اسنادہ ابن اسحاق فمن یحتج بہ فھو عندہ صحیح۔ جس طرح کہ ابن اسحاق ثقہ اور محدثین کے نزدیک حجت ہے لہٰذا حدیث صحیح کہی جائے گی۔ امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ ۱۸ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ "رایت علی بن عبداللہ یحتج بحدیث ابن اسحاق جس سے ثابت ہوا کہ امام ابن مدینی کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح ہے ابن دقیق العید کا اس کو الالمام میں داخل کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے چنانچہ شروع کتاب صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ "وشرطی فیہ ان لا اورد الاحادیث من وثقہ امام من مزکی رواۃ الاخبار وکان صحیحا علی طریقہ اھل الحدیث الحفاظ وآئمۃ الفقہ النظار ." ثابت ہوا کہ امام ابن دقیق العید کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث محدثین خواہ فقہاء کے نزدیک بھی صحیح ہے "امام ذہبی المھذب فی اختصار سنن الکبیر للبیھقی صفحہ ۱۳۵ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ وھو صحیح عن عبادۃ عن النبی ﷺ. اس کے علاوہ دارقطنی سے نقل کرتے ہیں کہ "رجالہ ثقات امام محی السنۃ بغوی شرح السنۃ" صفحہ ۸۲ ج ۳ میں یہ حدیث لاکر فرماتے ہیں کہ "قال ابو عیسی ھذا حدیث حسن" شروع کتاب صفحہ ۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "ولم اودع ھذا

الکتاب من الاحادیث الا ما اعتمدہ أئمة السلف الذین ھم اھل الصنعة المسلم لھم الامر من اھل عصر ھم وما دعوہ کتبھم فاما ما اعرضوا عنه من المقلوب والموضوع والمجھول واتفقوا علی ترکه فقد صنعت الکتاب عنھا۔ نیز کتاب مصابیح السنۃ صفحہ ۵۹ ج ۱ میں ان احادیث کو حسن شمار کرتے ہیں۔ امام قاضی ابو بکر ابن العربی عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی صفحہ ۱۰۷ ج ۲ میں یہ حدیث لا کر فرماتے ہیں کہ ”حدیث حسن“ امام قرطبی اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن صفحہ ۱۲۰ ج ۱ میں یہ حدیث لا کر اس کی امام ترمذی سے تحسین اور امام دار قطنی سے تصحیح نقل کرتے ہیں۔ امام ابن رشد القرطبی بدایۃ المجتہد صفحہ ۱۵۵ ج ۱ میں بحوالہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ”وحدیث عبادۃ بن الصامت ھذا من روایة مکحول وغیرہ متصل السند صحیح“ امام حافظ زکی الدین المنذری مختصر سنن ابی داؤد صفحہ ۳۹۰ ج ۱ میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ واخرجه الترمذی وقال حدیث حسن نیز امام حافظ ابن القیم تہذیب سنن ابی داؤد فی ذیل مختصر السنن صفحہ مذکورہ میں اس حدیث کو صحیح ثابت کرتے ہیں اور امام بخاری سے اس کا صحیح ہونا نقل کرتے ہیں۔ امام مجد الدین ابو البرکات ابن تیمیہ (یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دادا) کتاب المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ صفحہ ۳۸۸۔ ۳۸۹ ج ۱ میں یہ حدیث لا کر فرماتے ہیں کہ ”رواہ ابو داؤد والترمذی والبخاری فی جزء القرأۃ وصححه وله شواھد عنهٗ احمد وابن حبان“ اور دوسرے طریق سے یہ متن لا کر فرماتے ہیں کہ ”رواہ ابو داؤد والنسائی والدار قطنی قال کلھم ثقات“ پھر تینوں سندوں والا متن لا کر فرماتے ہیں کہ: رواہ الدار قطنی وقال رجاله کلھم ثقات حافظ ابن حجر عسقلانی الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ صفحہ ۹۴ طبع ہند میں فرماتے ہیں کہ ”اخرجه ابو داؤد باسناد رجاله ثقات“ نیز فتح الباری صفحہ ۲۴۴ ج ۲ سلفیہ میں بھی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں۔ علامہ ظفر احمد عثمانی انھاء السکن صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں کہ ”ما ذکرہ الحافظ من الاحادیث الزائدۃ فی فتح الباری وسکت عنه فھو صحیح او حسن عندہ کما صرح به فی مقدمته بھا نصه ثم استخرج ثانیا ما یتعلق به غرض صحیح فی ذلك الحدیث من الفوائد المتنیة والاسنادیة من تتمات وزیادات وکشف غامض وتصریح مدلس بسماع ومتابعة سامع من شیخ اختلط قبل ذلك منتزعاً کل ذالك من امھات المسانید والجوامع والمتخرجات والا جزاء الفوائد بشرط الصحة او الحسن فیما اوردہ من ذلك۔ نیز حافظ الامالی صفحہ ۴۷ قلمی میں فرماتے ہیں کہ ”ھذا حدیث حسن“

پھر جس روایت کی صحت پر علماء حدیث سلف خواہ خلف سب متفق ہوں اس کو آپ کی یہ عبارتیں کیا کر سکتی ہیں آپ کے شیخ الہند کا قول اس کو کچھ نقصان نہیں دے سکتا کیونکہ عام علماء حدیث اور فقہاء کے مقابلے میں ان کے اس مبہم قول کو کسی حقیقت پر بناء نہیں کہا جا سکتا۔

**رابعاً:** ..... خود کئی حنفی مذہب کے علماء نے اس روایت کو صحیح اور معتبر قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۱۲ ج ۲ میں امام بیہقی سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں اور اسے رد نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ قال البیھقی ورواہ ابراھیم بن سعد عن محمد بن اسحاق فذکر فیه سماع ابن اسحاق عن مکحول فصار الحدیث موصولاً صحیحا " علامہ عبدالحیٔ لکھنوی سعایۃ شرح الوقایہ صفحہ ۳۳۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "وقد ثبت بحدیث عبادة وھو حدیث صحیح قوی السند امرہ ﷺ بقرأة الفاتحة للمقتدی " عمدۃ الرعایۃ شرح الوقایۃ صفحہ ۱۴۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "اخرجه الترمذی والنسائی وابو داؤد والطبرانی فی معجمه الصغیر وغیر ھم بسند حسن " غیث الغمام حاشیۃ امام الکلام صفحہ ۲۵۶ میں لکھتے ہیں "ان حدیث عبادة صحیح او حسن عند جماعة من المحدثین " ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی صفحہ ۲۴۲ میں لکھتے ہیں: والماھر الذی اوتی حظا من الانصاف والفھم یعلم ان قول حسنھا ھو الاحکم. ملا علی قاری المرقاۃ شرح مشکوۃ صفحہ ۳۰۱ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "قال میرك نقلا عن ابن الملقن حدیث عبادة بن الصامت رواہ ابو داؤد والترمذی والدار قطنی وابن حبان والبیھقی والحاکم وقال الترمذی حسن وقال الدار قطنی اسنادہ حسن ورجاله ثقات وقال الخطابی اسنادہ جید لا مطعن فیه وقال الحاکم اسنادہ مستقیم وقال البیھقی صحیح " علامہ ابو الطیب سندھی مدنی حنفی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں "قال المصنف ھذا حدیث حسن صحیح (شروح اربعة ترمذی صفحه ٣١٤ ج ١) شیخ سلام اللہ دہلوی حنفی المحلی شرح الموطا قلمی میں لکھتے ہیں کہ: قال الترمذی حدیث حسن ورجاله ثقات وقال الخطابی اسنادہ جید لا یطعن فیه وقال الحاکم اسنادہ مستقیم۔ " اسی طرح علامہ محمد عابد سندھی حنفی المواھب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ صفحہ ۲۷۹ ج ۱ المصور میں ذکر کرتے ہیں۔ ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۲۳۹ میں یہ حدیث لاتے ہیں اور اس پر کوئی جرح نہیں کرتے۔ پھر جب آپ کے حنفی اس روایت کو صحیح یا حسن قرار دیتے ہیں پھر اس کے معتبر ہونے میں کون سا شک باقی رہا؟ بلکہ آپ کے شیخ الہند کے خلاف آپ کے حنفی کہتے ہیں کہ فاتحہ کی ممانعت کے لیے کوئی بھی حدیث ثابت نہیں۔ چنانچہ علامہ لکھنوی سعایۃ صفحہ ۳۰۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "واما عن رسول اللہ ﷺ

فلا یثبت النهی عن ذلك بسند یعتد به وكل ما روی عن ذلك غیر ثابت" قارئین اس اجمالی جواب کے بعد تفصیلی جواب لکھا جاتا ہے۔

**صفحہ ۸۵:** ......مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "حدیث کئی اسباب کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہے۔" الخ

**جواب:** ......اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تمام محدثین اور مذاہب اربعہ، حنفی مالکی شافعی اور حنبلی فقہاء نے اس روایت کے معتبر اور مقبول ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں کوئی ایسا سبب نہیں جس وجہ سے اس کو قابل عمل نہ سمجھا جائے۔ تاہم مولوی صاحب نے تین اسباب ذکر کیے ہیں جنہیں ترتیب وار ذکر کر کے اس کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

پہلے سبب میں لکھتے ہیں کہ "اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق موجود ہے جو غلط راوی ہے لہٰذا یہ حدیث عمل کرنے کے لائق نہیں۔"

## محمد بن اسحاق ثقہ راوی ہے

**جواب:** ...... **اولاً:** جس حدیث کو فن حدیث کے امام صحیح یا حسن کہیں، اس میں مجروح راوی ہو۔ یہ بات بعید از قیاس ہے۔

**ثانیاً:** ......محدثین کے ساتھ جب آپ کے ہم مذہب بھی اس کی تصحیح کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس راوی کو اس طرح نہیں سمجھتے جس طرح مولوی صاحب کا گمان ہے۔

**ثالثاً:** ...... بلکہ کئی حنفی مذہب کے مشہور علماء نے محمد بن اسحاق کو ثقہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ کے مذہب کا امام شیخ ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۳۰۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ: اما ابن اسحاق فثقة ثقة لا شبهة عند نا فی ذلك ولا عند محقق المحدثین" امام ابن ھمام کے قول سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق کے ثقہ اور معتبر ہونے میں احناف کو کوئی شک یا شبہ نہیں ہے۔ اب مولوی صاحب کو چاہیے کہ اپنا شک دور کریں دوسری صورت میں حنفی جماعت سے خود کو باہر سمجھیں نیز اسی کتاب صفحہ ۲۹۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ: وابن اسحاق ثقه علی ما هو الحق ان کی تیسری عبارت بھی ہے جو ان شاء اللہ عنقریب ذکر کی جائے گی اور علامہ جمال الدین زیلعی نصب الرایۃ صفحہ ۱۰۷ ج ۱ میں ائمہ حدیث کا کلام نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "محمد بن اسحاق اخرجه عنه مسلم وابو داؤد والنسائی وعاصم بن المنذر استشهد به البخاری فی مواضع وقال شعبة محمد بن اسحاق امیر المؤمنین فی الحدیث وقال عبدالله بن المبارك محمد بن اسحاق ثقه ثقة ثقه " علامہ عبدالحی لکھنوی

سعایۃ صفحہ ۳۷۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "ان المرجع فی ابن اسحاق التو ثیق فقد وثقه جماعة ممن یعتمد به" علامہ ملا علی قاری مرقاۃ صفحہ ۱۳۷ ج ۲ میں ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "وفی سندہٖ محمد بن اسحاق صاحب المغازی وصرح بالتحدیث فحدیثه صحیح قاله میرك". اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جہاں پر ابن اسحاق سماع کی تصریح کرے۔ یعنی حدثنا یا حدثنی وغیرہ کہے تو پھر اس کی حدیث صحیح ہے اسی حدیث میں ابن اسحاق نے اپنے سماع کی تصریح کی ہے چنانچہ ابن خزیمہ صفحہ ۳۶ ج ۳ صحیح ابن حبان صفحہ ۲۰۷ ج ۳ سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۱ طبع ہند، سنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۱۶۴ ج ۲ اور جزء القراءۃ للبیہقی صفحہ ۳۷ طبع ہند وغیرہ میں ابن اسحاق حدثنی مکحول کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ کے احناف کے فیصلے کے مطابق حدیث صحیح ہوگئی۔ شیخ سلام اللہ دہلوی حنفی محلی شرح موطا قلمی میں لکھتے ہیں کہ: محمد بن اسحاق ثقة علی ما هو الحق" علامہ عینی حنفی مذہب کے چوٹی کے بزرگ عمدۃ القاری شرح البخاری صفحہ ۲۷۰ ج ۷ المنیریہ میں لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق من الثقات الکبار عند الجمهور" کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۲۳۳ میں ہے کہ الحق فی ابن اسحاق هو التو ثیق وما نقل عن مالك لم یثبت ولو صح فلم یقبله اهل العلم کیف وقد قال شعبة امیر المؤمنین فی الحدیث. علامہ ابن الترکمانی حنفی الجوهر النقی" صفحہ ۱۶۳ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ وحدیث ابن اسحاق اتم" بلکہ ان پر کوئی بھی جرح ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ ابن ہمام جس کو آپ مجتہد فی المذہب مانتے ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ صفحہ ۱۵۹ میں ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: "هذا ان صح الحدیث بتوثیق ابن اسحاق وهو الحق الا بلج وما نقل عن مالك فیه لا یثبت ولو صح لم یقبله اهل العلم کیف وقد قال شعبة فیه وهو امیر المؤمنین فی الحدیث وروی عنه مثل الثوری وابن ادریس وحماد بن زید ویزید بن زریع وابن علیة وعبدالوارث وابن المبارك واحتمله احمد وابن معین وعامة اهل الحدیث غفر الله لهم وقد اطال البخاری فی تو ثیقه فی کتاب القرأة خلف الامام وذکره ابن حبان فی الثقات وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحاق واصطلح معه وبعث الیه هدیة ذکرها"

**قارئین**: ...... ابن ہمام حنفی مذہب کے امام اور اکثر علماء حنفیہ کا مرجع ہیں غور کریں کہ کس طرح علی الاعلان ابن اسحاق کی توثیق کر رہے ہیں انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث ثابت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ان کا ثقہ اور معتبر ہونا واضح اور ظاہر حق ہے اور ان پر کی گئی جرح کو رد کر رہے ہیں لکھنوی صاحب امام الکلام صفحہ

۲۶۲۔۲۶۳ میں فرماتے ہیں "انہ وان کان متکلما فیہ من جانب کثیر من الائمة لکن جروحھم لھا محامل صحیحة وقد عارضتھا تعدیل جمع من ثقات الامة ولذا صرح جمع من النقاد ان حدیثہ لا یحط عن درجة الحسن بل صححہ بعض اھل الاستناد" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابن اسحاق کے خلاف کوئی معتبر جرح وارد نہیں اور جو کچھ کیا گیا ہے وہ جرح اور قدح پر محمول نہیں ہے لہٰذا اس کی حدیث حسن کے درجہ سے کم نہیں ہے اور بعض نے تو اس کو صحیح کہا ہے۔ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ''امت کے ۹۵ فیصد علماء جرح وتعدیل اس پر متفق ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت دلیل نہیں بن سکتی'' خالص جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے ابن ہمام، عینی اور لکھنوی کی عبارتوں سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہے امام بخاری جزء القرأة صفحہ ۱۸ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ وقال علی عن ابن عیینة ما رایت احد أیتھم ابن اسحاق" یہ سند بالکل صحیح ہے۔ امام بخاری سے بڑھ کر کون معتبر ہوگا؟ ان کے استاد علی بن مدینی مشہور امام ہیں۔ جن کے لیے امام نسائی فرماتے ہیں کہ "کان اللہ خلق علی بن المدینی لھذا الشان" امام بخاری فرماتے ہیں: ما استصغرت نفسی عند احد الا عند علی بن المدینی (تھذیب صفحہ ۳۵۱۔ ۳۵۲ ج۷) یہ ابن المدینی امام سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں کہ ''میں نے کوئی بھی ایسا شخص نہیں دیکھا جو ابن اسحاق پر کوئی تہمت لگاتا ہو۔ امام ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ "ابن اسحاق رجل قد اجمع الکبرآء علی الاخذ عنہ وقد اختبرہ اھل الحدیث فروا صدقا وخبرا (تھذیب صفحہ ۴۲ ج۹) پھر جس کو کوئی بھی متہم نہیں کرتا اور علم حدیث کے تمام حافظ امام اس سے روایت لینے اور قبول کرنے پر اجماع کرتے ہیں۔ ان کے لیے کہنا کہ پچانوے فی صد اس کی حدیث سے دلیل نہیں لیتے، اتنا خطرناک جھوٹ ہے، جس سے زمین وآسمان پھٹ پڑیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں۔ جب رب العالمین کے سامنے قیامت کے دن فیصلہ ہوگا تب ایسے ظلمات اور ظلم کا پتہ چلے گا۔

خون من روز قیامت بودش دامن گیر
این نہ داغیست کہ از دامن قاتل برود

امام ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۲۴ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ "وقد احتج بہ ائمة" اس کے بعد مولوی صاحب کی اس تہمت کی کوئی حقیقت نہ رہی اس کے بعد مولوی صاحب کی نقل کردہ جرح کو نقل کر کے اس کی حقیقت ظاہر کی جاتی ہے یہاں مولوی صاحب نے کل چودہ اقوال نقل کیے ہیں۔ جن میں سے اکثر کے جواب آپ کے حنفی بھائی لکھنوی صاحب نے امام الکلام صفحہ ۲۶۲ سے ۲۷۳ میں امام ابن سید الناس کے

حوالے نقل کیے ہیں جس طرح تفصیل سے معلوم ہوتا سب سے پہلے امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں انہوں نے انہیں دجال اور کذاب کہا ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** خود آپ کے رئیس المذہب ابن ہمام نے اس کو رد کیا ہے جس طرح ان کی عبارت گذری۔ اس کے متعلق تین جواب دیئے ہیں پہلا یہ ہے کہ "لا یثبت" یعنی امام مالک سے یہ نقل ثابت نہیں۔ دوسرا یہ کہ "ولو صح لم یقبله اهل العلم" یعنی اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے تب بھی اہل علم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ تیسرا یہ کہ امام مالک نے علی تقدیر الثبوت اپنے قول سے رجوع کیا ہے۔ اور ان سے صلح کی ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ یہ قول اگر امام مالک نے کہا ہے تو باہمی اختلاف، عداوت اور منافرت سے کہا ہے اور ان کا یہ کہنا علم روایت میں جرح وتعدیل کے باب سے نہیں ہے اس قسم کا کلام مردود اور غیر مقبول ہوتا ہے آپ کے لکھنوی صاحب الرفع والتکمیل صفحہ ۱۸۷ طبع حلب میں لکھتے ہیں کہ "الجرح اذا صدر من تعصب او عداوة او منافرة او نحو ذالك فهو جرح مر دود ولا يؤمن به الا المطرود ولهذا لم يقبل قول الامام مالك فى (محمد بن اسحاق) صاحب مغازى انه دجال من الدجاجلة كما علم انه صدر من منا فرة باهرة بل حققوا انه حسن الحديث واحتجت به ائمة الحديث وقد بسطت الكلام فيه فى رسالتى امام الكلام فيما يتعلق بالقراة خلف الامام اهـ" لہٰذا اس قسم کا قول قبول نہیں ہے۔ وھو الرابع لکھنوی صاحب فرماتے ہیں کہ "واما مالك فانه كان ذالك منه مرة واحدة ثم عادله الى ما يحب وذالك لا نه لم يكن بين الحجاز احد اعلم باسباب الناس وايا مهم من ابن اسحاق وكان يزعم ان مالكا من اموالى ذى اصبح وكان مالك يزعم انه من الفسهاء فو قع بينهما لذالك معارضة لما صنف الما لك المؤطا قال ابن اسحق ايتو نى به فانا بيطار فنقل ذالك الى مالك فقال هذا دجال من الدجاجلة يروى عن اليهود وكان بينهما ما يكون بين الناس حتى عزم ابن اسحاق الخروج الى العراق فتصالحاً حينئذ واعطاه عند الوداع خمسين ديناراً ولم يكن ينكر مالك عليه من اجل الحديث انما كان ينكر عليه تتبعه غزوات النبى ﷺ من اولا د اليهود الذين اسلموا او حفظوا قصة خيبر وقريظة ونضير وما اشبه ذالك من الغرائب عن اسلا فهم وكان يتتبع هذا منهم ليعلم ذالك من غير ان يحتج بهم وكان مالك لا يروى الرواية الا عن متقن صدوق" اس عبارت سے سب جواب معلوم ہوتے ہیں۔ اول امام مالک ابن اسحاق کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد نہیں

رکھتے تھے ایک دفعہ ان سے یہ لفظ نکل گئے، پھر ان سے رجوع کر لیا۔ دوسرا یہ کہ دونوں کی آپس میں مخالفت پیدا ہو گئی۔ اس وجہ سے چونکہ ابن اسحاق حجاز کے علاقے میں لوگوں کے انساب اور خاندانی سلسلہ سب سے زیادہ جانتا تھا اور ان کا خیال تھا کہ امام مالک ذی اصبح کے قبیلے کے غلاموں میں سے ہے ادر امام مالک کا خیال تھا وہ بنی اصبح کے بڑے لوگوں سے ہے۔ اسی وجہ سے ان کی آپس میں باتوں کی لیں دیں ہوئی اور مخالفت شروع ہو گئی۔ تیسرا یہ کہ امام مالک نے جب موطا کتاب تصنیف کی تب ابن اسحاق نے ان کی کتاب پر تنقید کی۔ جس پر انہوں نے انہیں دجال کہا۔ جس کا صاف معنی ہے کہ امام مالک نے ان پر جرح نہیں کی بلکہ ذاتی معاملہ کی وجہ سے منافرت اور مخالفت پیدا ہوئی چوتھا امام مالک نے ان پر حدیث کی روایت کے متعلق کوئی کلام نہیں کی۔ صرف یہ اعتراض کیا تو انہوں نے بعض جنگوں کے معاملات جو انہوں نے یہودیوں کی اولاد سے نقل کیے ہیں۔ جو انہیں خیبر وغیرہ کے متعلق معلوم تھے۔ حالانکہ یہ یہودیوں کی اولاد بھی مسلمان ہو چکی تھی۔ یعنی کہ یہ بات بھی ان پر ملامت کرنے کا باعث نہیں بن سکتی. کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد ان میں بلا ثبوت جھوٹ بولنے کا گمان نہیں کیا جا سکتا پھر اگر ان سے اس قسم کے واقعات سنے جو انہوں نے اپنے دور میں دیکھے تھے۔ ان کے نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وھو الخامس

**سادساً:** ...... یہ کہ ابن اسحاق ان واقعات کو دلیل نہیں سمجھتے تھے بلکہ جس طرح وہ خود مورخ تھے لہٰذا معلومات کو بڑھانے کے لیے ایسے واقعات جمع کیے لہٰذا یہ چیز بھی ان کی جرح کا باعث نہیں۔

**سابعاً:** ...... یہ کہ امام مالک سچے اور پختہ راویوں کے علاوہ دیگر کی روایت کو نقل کرنے کا قائل نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے اعتراض کیا جس کا معنی کہ ابن اسحاق اور مالک کا آپس میں نظریاتی اختلاف تھا. جس طرح وقت کے آئمہ اور مجتہدین کا آپس میں نظریاتی اختلاف ہوتا ہے لیکن یہ گفتگو اور کلام جرح وتعدیل کے باب سے نہیں ہوتا۔

**قارئین:** ......ابن ہمام کی عبارت میں ذکر کردہ چار جوابات سے ان سات کو ملانے سے گیارہ جواب ہوتے ہیں۔ یہ عبارتیں حنفی مذہب کہ بڑے علماء کی ہیں. جنہوں نے خوب مدافعت کی ہے اور ابن اسحاق کو جرح سے محفوظ ثابت کیا ہے۔ مولوی صاحب کے لیے ان کے بڑوں کا فیصلہ اور تحقیق کافی اور شافی ہے۔ اس کے بعد محدثین میں سے دو بڑے چوٹی کے آئمہ کی عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔ فنقول وباللہ تعالیٰ التوفیق

**اولاً:** ......امام بخاری کی جزء القراۃ صفحہ ۱۸ طبع دہلی میں ہے "قال البخاری رأیت علی بن عبداللہ یحتج بحدیث ابن اسحاق وقال علی عن ابن ابی عیینۃ ما رأیت احدا یتھم ابن اسحاق حدثنا محمود قال حدثنا البخاری قال قال لی ابراھیم بن المنذر حدثنا عمر

بن عثمان ان الزهری کا ن یتلقف المغازی من ابن اسحاق المدنی فیما یحدثه عن عاصم بن عمر بن قتادة والذی یذکر عن مالك فی ابن اسحاق لا یکاد یبین وکان اسماعیل بن ابی اویس من اتبع من رأینا مالکا اخرج لی کتب ابن اسحاق عن ابیه عن المغازی وغیرها فا نتخبت منها کثیرا وقال لی ابراهیم بن حمزة کان عند ابراهیم بن سعد عن محمد بن اسحاق نحو من سبعة عشر الف حدیث فی الاحکام سوی المغازی وابراهیم بن سعد من اکثر اهل المدینة حدیثا فی زمانه ولو صح عن مالك تنا وله من ابن اسحاق فربما تکلم الانسان فیرمی صاحبه بشی واحد ولا یتهمه فی الامور کلها وقال ابراهیم بن المنذ رعن محمد بن فلیح نها نی مالك عن شیخین من قریش وقد اکثر عنهما فی الموطا وهما ممن یحتج بحدیثهما ولمینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیهم نحو ما یذکر عن ابراهیم من کلامه فی الشعبی وکلام الشعبی فی عکرمة وفیمن کان قبلهم وتأویل بعضهم فی العرض والنفس ولم یلتفت اهل العلم فی هذا النحوالا ببیان وحجة ولم یسقط عدالتهم الا ببرهان ثابت وحجة والکلام فی هذا کثیر وقال عبیدین یعیش حدثنا یونس بن بکیر قال سمعت شعبة یقول محمد بن اسحاق امیر المحدثین لحفظه وروی عنه الثوری وابن ادریس وحما د بن زید ویز ید بن زریع وابن علیة وعبدالوارث وابن المبارك وکذالك احتمله احمد ویحییٰ بن معین وعامة اهل العلم وقال لی علی بن عبدالله نظرت فی کتاب ابن اسحاق فما وجدت علیه الا فی حدیثین ویمکن ان یکونا صحیحین .

**ناظرین:** ......امام بخاری کی اس عبارت سے ستائیس جواب معلوم ہوتے ہیں پہلا یہ کہ امام ابن مدینی کا ان کی حدیث کو حجت بنانا عظیم دلیل ہے کہ امام مالک کے نزدیک ان کی حدیث رد کرنے جیسی نہ تھی کیونکہ ان کی اس فن میں جو شان ہے۔ وہ اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ نیز علامہ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں "لا اعلم مالکا ترك انسانا فی حدیثه شیءِ (تهذیب صفحه ۷ ج ۱۰) اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق کی حدیث میں کسی قسم کی جرح نہیں ہے ان کی حدیث میں نہ کوئی نقص دیکھا اور نہ اس کو چھوڑا ہے۔ وهو الثانی

**ثالثاً:** ......تیسرا یہ کہ ابن عیینہ کا قول کہ میں نے کسی کو بھی ابن اسحاق پر تہمت لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس

سے ثابت ہوا کہ اگر معاذ اللہ امام مالک ابن اسحاق کو کذاب یا دجال کہتے تو ابن عیینہ کبھی بھی ایسی بات نہ کرتے۔ حالانکہ وہ امام مالک کا شاگرد ہے (التهذيب صفحه ٦ ج ١٠) بلکہ ان کا ہم عصر ہے وہ سن ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے ہیں (تهذيب صفحه ١١٩ ج٤) اور امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ (العلل لا بن المديني صفحه ٨٠) لہٰذا امام مالک اگر ابن اسحاق کی روایت کو معتبر نہ سمجھتے تو امام سفیان بن عیینہ سے مخفی نہ رہتا۔

**قارئین!**...... امام ابن عیینہ ابن اسحاق کے ساتھ ستر سال سے زیادہ ان کی صحبت میں ہے۔ جس طرح خود فرماتے ہیں "جالست ابن اسحاق منذبضع سبعين سنة وما يتهمه احد من اهل المدينه ولا يقول فيه شيئاً (التهذيب صفحه ٤٠ ج٩) اس سے ثابت ہوا کہ امام مالک اگر یہ لفظ کہتے تو ابن عیینہ سے مخفی نہ رہتا۔ امام ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ "انما كنا نتبع اثار مالك وننظر الى الشيخ ان نكتب عنه وان لا تر كناه (التهذيب صفحه ٩ ج ١٠ بحواله صحيح ابن خزيمه) ثابت ہوا کہ امام مالک کا ابن اسحاق پر جرح کرنا تو دور کی بات لیکن وہ ان سے روایات کرتے اور کہتے رہے۔ ورنہ ابن عیینہ کبھی بھی ان کی روایت کو حجت نہ بناتے پھر جب ثابت ہوا کہ امام مالک خود ان سے روایات لیتے تھے تو پھر ان کی طرف یہ نسبت کہ وہ ان کے حق میں ایسے الفاظ کہتے تھے صحیح نہیں کہی جائے گی۔ وهو الرابع

**خامساً:**...... یہ کہ امام بخاری کا اپنا قول کہ "ولو صح" جس سے ثابت ہوا کہ خود امام بخاری اس نقل کو امام مالک سے صحیح نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ایسے قرائن پیش کیے ہیں جن سے اس نسبت کا نقلا خواہ عقلا مردود ہونا ثابت ہوا۔

**سادساً:**...... یہ کہ امام بخاری کا یہ کہنا کہ (لا يكاد يبين) جس کا مطلب یہ کہ اگر وہ یہ نقل تسلیم کرتے تب بھی اس میں کوئی وضاحت نہیں کہ کس وقت جھوٹ بولا۔ کیونکہ جس کو اہل علم حجت سمجھیں اور بڑے محدثین ان سے احادیث لیتے رہے۔ اس کو جھوٹا کہنے کے لیے ثبوت اور دلیل چاہیے اور امام اللغة الراغب الاصبهاني المفردات في غريب القرآن صفحہ ۶۹ میں لکھتے ہیں "ولا يكاد يبين اى يبين" پھر جب کہ یہ قول مبہم ہے تو جرح اور قدح کے لیے کارآمد نہیں ہے۔

**سابعاً:**...... یہ کہ امام بخاری اس قول کو صیغہ مجہول سے نقل کرتے ہیں "والذي يذكر عن مالك الخ" یہ صیغہ تمریض ہے جس سے ظاہر ہوا کہ امام بخاری کی تحقیق کے مطابق امام مالک کی طرف نسبت کردہ یہ قول نقل اور روایت کے لحاظ سے معتبر نہیں ہے۔ آپ کے عینی صاحب عمدة القاری کے آغاز میں امام بخاری کے متعلق فرماتے ہے کہ "ولا اختلف في صحة تنقيده اثنان۔ جس طرح عبارت گزری۔

**ثامناً:** ...... یہ کہ اپنے استاد اسماعیل بن ابی اویس سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس ابن اسحاق سے احادیث کی کتب سے نقل کی ہوئی تھیں۔ جن میں نمازی اور دیگر احکام کی احادیث تھیں۔ جن میں سے میں نے اکثر احادیث تلاش کیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ ہم نے جو علماء دیکھے ان میں سے زیادہ کوئی دوسرا امام مالک کی تابعداری کرنے والا نہیں دیکھا۔ یہ زبردست قرینہ ہے کہ امام مالک نے نہ ابن اسحاق پر جرح کی ہے اور نہ ان کی احادیث کو رد کیا ہے ورنہ سب سے زیادہ ان کی تابعداری کرنے والا ابن اسحاق کی احادیث جمع نہ کرتا نہ پڑھتا اور نہ ہی انہیں پڑھاتا۔

**قارئین!** ......اسماعیل بن ابی اویس امام مالک کا بھانجا اور مشہور شاگرد ہے (تہذیب صفحہ ۳۱۰ ج ۱) موطا کے مشہور راویوں میں سے ہے خود صحیح بخاری میں کئی روایات ان کے واسطے سے امام مالک سے مروی ہیں۔

تعجب کا مقام ہے کہ امام مالک جس شخص کو کذاب اور دجال کہے اور ان کا خاص شاگرد ان کی احادیث پڑھتا اور پڑھاتا رہے اہل بصیرت کے لیے اتنا ہی کافی ہے وھو التاسع۔ دسواں یہ کہ ابراھیم بن سعد زہری جو مدینہ والوں میں اپنے زمانہ والوں میں زیادہ احادیث والا تھا. اس نے ابن اسحاق سے سترہ ھزار احادیث صرف احکام اور مسائل میں لی ہیں۔ حالانکہ یہ بھی امام مالک کا ہم عصر ہے اور سنہ ۱۰۸ھ میں پیدا ہوا ہے ان کی عمر ۷۵ سال تھی (تہذیب صفحہ ۱۲۳ ج ۱) اگر امام مالک، ابن اسحاق کے متعلق ایسا ہی نظریہ رکھتے تھے جس طرح مولوی صاحب نے نقل کیا ہے کبھی بھی ابراھیم بن سعد ان سے احادیث نہ لیتا۔ کیونکہ امام مالک جو دار الھجرہ کے لقب سے مشہور ہے کمافی التھذیب صفحہ ۵ ج ۱۰ و تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۰۷ ج ۱ پھر وہ جس شخص کے لیے اس طرح جرح کرے پھر بھی اس کی حدیث کو وقت کے محدث پڑھتے اور پڑھاتے رہیں بعید از قیاس ہے۔ بلکہ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق کی احادیث احکام اور مسائل کے متعلق خود امام مالک کی زندگی میں اور ان کی موجودگی میں رائج تھیں اور محدثین ان سے احادیث سنتے اور لیتے رہے۔ حالانکہ ابراھیم بن سعد بھی اصل مدنی ہے الحادی العشر۔ بارھواں یہ کہ اگر بالفرض امام مالک سے یہ نقل ثابت تسلیم کی جائے تب بھی اس کو کوئی خاص بات کے متعلق کہا جاسکتا ہے جس طرح اوپر آپس میں نسب نامہ پر تنازع ذکر کرتے ہیں یعنی جس طرح کوئی انسان کسی کے حق میں کسی خاص بات کے متعلق کلام کرے نہ کہ اس کی ساری زندگی کو مقدوح کرے۔ تیرھواں:...... یہ محمد بن فلیح نقل کرتے ہیں کہ امام مالک نے مجھے دو راویوں کی روایت سے منع کیا لیکن خود انہوں نے دونوں سے اپنی کتاب موطا میں بہت سی روایات لائے ہیں اور دونوں راوی حجت بنانے کے قابل ہیں۔ ثابت ہوا کہ امام مالک کا کلام ہر وقت جرح پر مبنی نہیں ہوتا. اور نہ ہی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کی روایت حجت ہی نہیں۔ بلکہ اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا یہ کلام اگر ان

سے صحیح مانا جائے تب بھی اس کے دیگر صحیح عمل موجود ہیں جس طرح لکھنوی کی کلام میں گذرا۔ چودھواں یہ کہ اس قسم کی کلام اس باب سے ہے جس طرح ہم عصر ایک دوسرے سے کلام نہیں کرتے جس کی طرف اہل علم کوئی توجہ نہیں دیتے مثلاً ابراھیم نخعی کا شعبی کے متعلق کلام اور شعبی کا عکرمہ کے متعلق کلام. اس طرح یہ کلام بھی معتبر نہیں پندرھواں:...... یہ کہ کسی شخص کو اپنی عدالت اور ثقاھت یعنی معتبر ہونے کے درجے سے کسی مضبوط دلیل اور واضح بیان کے سواء (علاوہ) اس کو گرایا نہیں جاسکتا. جس کا مطلب یہ کہ امام بخاری فیصلہ دیتے ہیں کہ ابن اسحاق کو عدالت سے گرانے کے لیے کوئی ایسا ثبوت اور وضاحت نہیں ہے. سولھواں:...... یہ کہ امام ابن المدینی کا قول کہ میں نے ابن اسحاق کی کتاب کو اچھی طرح پڑھا اور پرکھا تو اس میں دو احادیث کے علاوہ کوئی بھی حدیث قابل اعتراض نظر نہ آئی۔ پھر جب حدیث کے فن کا امام جس کی شان یہ ہے کہ گویا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے حدیث کی خدمت اور تحقیق کے لیے پیدا کیا ہے ان کی اس تحقیقی شہادت کے بعد کس کو جرأت ہے کہ اس کو کذاب یا دجال کہے چہ جائیکہ امام مالک جیسے محقق کی طرف یہ نسبت کی جائے۔

**قارئین!** ...... یہ دونوں اعتراض والی احادیث اسی حدیث (قراۃ فاتحہ خلف الامام) والی کے علاوہ ہیں۔ جس طرح امام بیہقی نے جزء القرأۃ صفحہ ۳۹۔۴۰ میں ذکر کی ہیں اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق کی یہ حدیث تو قطعاً قابل اعتراض نہیں ہے۔ وھوالسابع عشر۔ اٹھارھواں:...... یہ کہ ان میں ایک راوی موقوف نقل کرتے ہیں اور ابن اسحاق مرفوع نقل کرتے ہیں اور دوسری حدیث عام راوی ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں۔ اور ابن اسحاق دوسرے صحابی سے نقل کرتے ہیں یعنی ابن اسحاق کی سند کے علاوہ دوسری سند سے مرفوع بھی وارد ہے امام بیہقی ثابت کرتے ہیں کہ یہ دونوں قابل اعتراض احادیث دوسری سندوں سے بھی آئی ہیں اور یہ سندیں ذکر بھی کی ہیں۔ جس وجہ سے ان کا الزام بھی ابن اسحاق پر نہ رہا بلکہ ان روایات کی غربت بھی ختم ہوگئی اور صحت ثابت ہوئی اسی وجہ سے تو امام ابن المدینی نے بھی کہا کہ ممکن ہے یہ دونوں احادیث بھی صحیح ہوں۔ امام بیہقی سندیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ فخرج ابن اسحاق من عھدۃ الحدیثین کما قال البخاری عن علی بن المدینی ویمکن ان یکونا صحیحین (جزء القراۃ صفحہ ۴۰) پھر جب یہ دونوں احادیث بھی صحیح ہوگئیں تو پھر ابن اسحاق پر جرح کا کوئی جواز نہ رہا۔

انیسواں:...... اس تحقیق اور تدقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابن اسحاق کا تفرد بھی حجت ہے اور جس روایت میں اکیلا ہو۔ اس کو بھی ضعیف نہیں کہا جاسکتا بشرطیکہ اس میں کوئی دوسری علت نہ ہو۔ باقی صرف ابن اسحاق کی شخصیت کی وجہ سے کسی حدیث کو رد بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بیسواں:...... امام شعبہ بن حجاج کا قول ہے کہ ابن اسحاق محدثین کا امیر ہے۔

**قارئین!**......شعبہ امام مالک کا ہم عصر اور اس سے روایت کرنے والا ہے (تہذیب صفحہ ۳۴۱ ج ۴ صفحہ ۱۶ ج ۱) اور فن میں مشہور امام ہے یہاں تک کہ امام احمد کہتے ہیں کہ "کان شعبة امة وحده فی هذا الشان یعنی فی الرجال وبصره بالحدیث وتثبته وتنقیته للرجال" ابن حبان فرماتے ہیں کہ "کان من سادات اهل زمانه حفظا واتقاناً وورعاً وفضلاً وهو اول من فتش بالعراق عن امر المحدثین وجانب الضعفآء والمتروکین وصار علما یقتدی به وتبعه علیه بعده اهل العراق (التهذیب صفحه ٤٤ـ ٣٤٥ ج٤) اس امام کی شہادت ابن اسحاق کی شان کو بڑھاتی ہے بلکہ امام مالک سے اگر ایسے کلمات ابن اسحاق کے حق میں ثابت ہوئے تو کبھی بھی شعبہ انہیں اتنا بڑا مقام نہ دیتے۔ کیونکہ وہ امام مالک کی شان علمی حیثیت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں کہ "دخلت المدینة بعد موت نافع بسنة فرایت مالکا له حلقة فاذا اختلف الناس فی شیء نظروا الیه ما یقول (ترتیب المدارك للقاضی عیاضی صفحه ١٣٨ ج ١) لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ امام شعبہ ایسے شخص کو محدثین کا امیر کہتے ہیں۔ جس کو امام مالک کذاب یا دجال کہتے ہوں۔

**احد وعشرون:**......امام شعبہ اس طرح کہنے میں منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ امام یزید بن ہارون جس کے لیے تہذیب صفحہ ۳۶۶ ج ۱۱ میں ہے "احد الاعلام الحفاظ المشاهیر" یہ بھی کہتے ہیں کہ لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحاق علی المحدثین (تذکرة الحفاظ صفحه ١٧٣ ج ١)

**الثانی وعشرون:**......امام شعبہ انہیں امیر المحدثین ان کے حافظے کی وجہ سے کہتے ہیں یعنی ان کا حافظہ اس حد کو پہنچا ہوا تھا جو دیگر محدثین کے مقابلے میں امیر کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس طرح شعبہ خود فی نفسہ امام الوقت اور مشہور نقاد ہے پھر ان کا یہ فیصلہ ان کی تحقیق کی بناء پر ہے ایسے شخص کے لیے امام مالک کذاب یا دجال کہیں ان کی شان کے خلاف ہے۔

**الثالث وعشرون:**......عام کبار محدثین مثلاً سفیان الثوری، ابن ادریس حماد بن زید، یزید بن زریع، اسماعیل ابن علیہ، عبدالوارث اور عبداللہ بن مبارک جیسے ابن اسحاق سے روایت کریں ان کا حدیث لینا عظیم قرینہ ہے کہ امام مالک سے ان کے حق میں کچھ ثابت نہیں ہے۔ خاص طور پر سفیان الثوری اور عبداللہ بن المبارک امام مالک کے خاص شاگرد ہیں (تہذیب صفحہ ۶ ج ۱۰) اگر امام مالک اس طرح کہتے تو انہیں ضرور معلوم ہوتا اور اس کی روایت کو چھوڑ دیتے۔

**الرابع وعشرون:**......ابن مبارک کو آپ کے بڑی حنفی شمار کرتے چلے آئے ہیں۔ جس طرح عبدالقادر القرشی الحنفی الجوهرا المضیه فی طبقات الحنفیة صفحہ ۲۸۱ ج ۱ میں اور لکھنوی صاحب الفوائد البهیه فی تراجم الحنفیه

صفحہ ۱۰۳ میں انہیں ذکر کیا ہے۔ ان کا ابن اسحاق سے روایت لینا آپ احناف کے لیے کافی ہے اور آپ کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اگر ابن اسحاق واقعتاً مجروح ہوتا جس طرح مالک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو ان سے امام ابن مبارک کبھی بھی روایت نہ لیتے "وھو الخامس والعشرون۔"

**السادس وعشرون:** ...... عام ائمہ حدیث مثلاً احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور دیگر کا ابن اسحاق سے احادیث کو لینا، اخذ کرنا اور قبول کرنا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن اسحاق کے حق میں کوئی بھی ایسی سخت جرح ثابت نہیں ہے امام بخاری پر اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں جنہوں نے امام مالک کے ہم عصر اور شاگردوں سے لے کر اپنے اساتذہ تک تسلسل سے ثابت کیا کہ یہ سب ہر زمانے میں ابن اسحاق کو حجت مانتے اور ان کی روایت کو قبول کرتے رہے ہیں بلکہ ان کی تعریف اور توثیق کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا امام مالک کی طرف منسوب کیا ہوا یہ قول غیر صحیح ہے۔ "وھو السابع والعشرون۔"

**قارئین!** ...... ابن ہمام اور لکھنوی کی عبارتوں میں سے جو گیارہ "۱۱" جواب ذکر کیے گئے ان کو ملانے سے مجموعی اڑتیس ۳۸ جواب ہوئے۔

**رابعاً:** ...... دوسرے محدث امام ابن حبان ہیں انہوں نے پہلے وہ جواب ذکر کیے ہیں جو لکھنوی صاحب کی کلام میں گذرے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حدثنی محمد بن عبدالرحمن ثنا ابن قهزاد ثنا علی ثنا علی بن الحسين بن واقد قال دخلت علی ابن المبارك واذا هو وحده فقلت يا ابا عبدالرحمن كنت اشتهی ان القاك علی هذه الحالة قال هات قلت ما تقول في محمد بن اسحاق فقال اما انا وجدناه صدوقا ثلاث مرات سمعت محمد بن اسحاق الثقفي يقول سمعت المفضل بن غسان يقول سمعت يحيیٰ بن معين يقول كان محمد بن اسحاق ثبتا في الحديث قال ابو حاتم لم يكن احد بالمدينة يقارن ابن اسحاق في علمه ولا يوازيه في جمعه وكان شعبة وسفيان يقولان محمد بن اسحاق امير المؤمنين في الحديث ومن احسن الناس سياقا في الاخبار واحسنهم حفظا لمتونها وانما اتی ما اوتی لانه كان يدلس عن الضعفاء فوقع المناكير في روايته من قبل اولئك فاما اذا بين سماع فيما يرويه فهو ثبت يحتج بروايته سمعت محمد بن اسحاق بن خزيمة يقول سمعت محمد بن يحيیٰ الذهلي او ساله كرخوية عن محمد بن اسحاق فقال سمعت علی بن المديني يقول محمد بن اسحاق صدوق والدليل علیٰ صدقه انه ما روی عن احد من الاجلة الا روی عن رجل عنه

لهذا يدل على صدقه سمعت محمد بن احمد المسندی يقول سمعت محمد بن نصر الفراء يقول قلت لعلی ابن المدينی ما تقول فی محمد بن اسحاق فقال الله قدادرك نافعا وروی عنه عن رجل عنه وعن رجل عنه عن رجل عنه هل يدل هذا الا علی الصدق قال ابو حاتم كان محمد بن اسحاق يكتب عن من فوقه ومثله ودونه لرغبته فی العلم وحرصه عليه فربما يروی عن رجل قد راٰه ويروی عن آخر عنه فی موضع آخر يروی عن رجل عن رجل فلو كان ممن يستحل الكذب لم يحتج الی الانزال بل كان يحدث عمن راه ويقتصر عليه فهٰذا مما يدل علیٰ صدقهٖ وعدالتهٖ فی الروايات وانما نمعن الكلام فی هذا الفصل عند ذكر نا له اياه فی الفصل بين النقلة ان قضی الله ذالك وشآء سمعت محمد بن احمد المسندی يقول سمعت محمد بن نصر الفراء يقول سمعت يحيیٰ بن يحيیٰ وذكر عنده محمد بن اسحاق فوثقه. (كتاب الثقات لا بن حبان صفحه ٢٤٣ ـ ٢٤٤ ج٣قلمی)

اس عبارت سے سترہ جواب معلوم ہوتے ہیں:

❶ ...... یہ کہ امام ابن المبارک کا قول "انا وجدناه صدوقا ثلاث مرات" تین دفعہ ان کے سچے ہونے کی گواہی دینا زبردست دلیل ہے کہ یہ جھوٹا نہیں ہے اگر امام مالک انہیں جھوٹا کہتے تو امام ابن مبارک اتنی استقامت سے دہرا کر ان کی سچائی کی گواہی نہ دیتے۔

❷ ...... ابن مبارک کی یہ گواہی صرف عام گواہی نہیں ہے بلکہ ان کے تجربے کی بناء پر ہے تب تو کہتے ہیں کہ انا وجدناہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کافی وقت ان کے قریب رہے ان کی روایات کی چھان بین کر کے تحقیق کی۔

❸ ...... اور امام ابن معین کا ان کو ثبت فی الحدیث کہنا۔ کیونکہ جھوٹا راوی کبھی بھی اسی صفت کے لائق نہیں ہوتا۔ امام سخاوی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث صفحہ ۱۵۷ میں ثبت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "الثابت القلب واللسان والكتاب والحجة" اس عبارت کو آپ کے حنفی بھائی علامہ ابوالفتاح ابو غدۃ الرفع والتکمیل لکھنوی کے حاشیہ صفحہ ٦٦ میں بھی نقل کیا ہے پھر جس کی زبان ثابت ہے جھوٹ اس کی شان شایان نہیں ہے کیا اس کی طرف یہ نسبت ہو سکتی ہے؟ بلکہ قلب کا ثابت ہونا بھی دلیل ہے کہ کبھی اس شخص نے جھوٹ بولنے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ وھو الرابع

❺ ...... تو "ثبت" اس کو کہا جاتا ہے جو حجت ہو۔ کیونکہ یہ تعدیل اور توثیق کے الفاظ کے اعلیٰ اور

سب سے بلند مرتبے میں سے ہیں چنانچہ علامہ الامیر محمد بن اسماعیل الصنعانی صاحب سبل السلام توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار صفحہ ۲۶۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ "فاذا قیل للواحد من الرواۃ انه ثقة او متقن فهو محتج بحديثه قال ابن الصلاح وكذا اذا قال ثبت او حجة فكل هذه الالفاظ من المرتبه الاولى وهذه الصفات قد تضمنه العدالة والحفظ " اگر امام مالک ان کے حق میں یہ الفاظ کہتے تو امام ابن معین ہرگز انہیں ثبت اور حجت نہ مانتے۔

❻ ...... مدینہ منورہ میں ابن اسحاق سے ان کے زمانہ میں علم خواہ احادیث جمع کرنے میں ان کا کوئی بھی ہمسر اور برابر نہ تھا پھر ایسے شخص کے بارے میں ایسا خیال کرنا انتہائی سوءِ ظن ہے آپ کے حنفی بھائی علامہ ظفر احمد عثمانی انہاء السکن صفحہ ۴۵ بحوالہ ابن جریر لکھتے ہیں "ومن ثبتت عدالته لم تقبل فيه الجرح وما تسقط العدالة بالظن .

❼ ...... ابن اسحاق کو امام شعبہ کی طرح امام سفیان الثوری بھی امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے۔ امام سفیان ثوری امام مالک کے ہم عصر اور ان سے روایت لینے والے ہیں۔ (التهذيب صفحه ٦ ج ١٠) امام سفیان ثوری کا مقام بھی معروف ہے امام عبدالرحمٰن بن مہدی یہاں تک فرماتے ہیں "كان وهب يقدم سفيان في الحفظ على مالك " ابن مبارک فرماتے ہیں "كتبت عن الف ومائة شيخ ما كتبت عن افضل من سفيان " حالانکہ ابن مبارک نے امام مالک سے بھی احادیث لی ہیں۔ کما تقدم۔ شعبہ، ابن عیینہ، ابو عاصم، ابن معین اور دیگر کئی ائمہ انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں (تهذيب صفحه ١١٣ ج ٤) پھر ان کی گواہی اس الزام کو ختم کر دیتی ہے۔

❽ ...... ابن اسحاق احادیث کے سیاق، ان کے متون اور الفاظ کو یاد کرنے میں بھی مدینہ کے سب علماء سے اچھا اور بہتر تھا جس کا معنی کہ ان سے غلطی کا واقع ہونا بھی مشکل تھا چہ جائیکہ وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولے۔

❾ ...... ان کی روایات میں بعض روایات غیر صحیح صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے بعض ضعیف راویوں سے نقل کی ہیں۔ جو کہ غالباً استشہاد کے طور پر ہوں۔ لیکن اس کی وجہ سے وہ خود ضعیف نہیں ہو سکتے کیونکہ کئی ثقہ راوی ضعیف راویوں سے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً خود امام مالک عبدالکریم بن ابی المخارق سے موطا صفحہ ۱۴۲ باب وضع الیدین احداہما علی الاخری فی الصلوٰۃ میں روایت لائے ہیں اور عبدالکریم مشہور ضعیف راوی ہے جس کو امام نسائی اور دارقطنی متروک کہتے ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں لا يختلفون في ضعفه (الميزان صفحه ١٤٥ ج ٢) ابن حبان کہتے ہیں "كان كثير الوهم فاحش الخطأ فلما كثر ذلك منه بطل الاحتجاج به (تهذيب صفحه ٣٧٨ ج ٦) امام ابن معین فرماتے ہیں "كل من روى

عنه مالك فهو ثقه الا عبدالكريم (تهذیب صفحه۷ ج ۱۰) کیا پھر اسی وجہ سے امام مالک کو بھی ضعیف کہا جائے گا؟ نعوذ باللہ من ذلك اسی وجہ سے اس سبب سے ابن اسحاق بھی ضعیف نہ ہوا۔

⓾...... ابن اسحاق پر صرف تدلیس کا الزام ہے پھر اگر وہ سماع کی تصریح کرتا ہے مثلاً حدثنی ، حدثنا ، سمعت وغیرہ صیغہ جات سے اپنے استاد سے حدیث لاتا ہے تو پھر یہ حجت ہے۔

⓫...... امام ابن مدینی کا ان کو سچا کہنا اس سے ثابت ہوا کہ وہ جھوٹ سے بری ہیں۔

⓬...... امام ابن مدینی ان کی صداقت پر دلیل بھی قائم کرتے ہیں کہ ابن اسحاق کسی جلیل القدر صحابی سے روایت کرتے ہیں تو پھر کبھی دوسرے لوگوں کے واسطے سے بھی اس سے روایت لاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ نہایت دیانتدار اور سچا تھا۔ کیونکہ جب اس کو ایک روایت بڑے شان والے راوی سے براہِ راست مل چکی ہے پھر اسی روایت کو دوبارہ دوسروں کے واسطہ سے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی ؛ بلکہ وہ امین تھے۔ لہٰذا جو روایت جس طرح ملی اس طرح نقل کرتے رہے ہیں مثلاً نافع کے زمانے کو پایا بھی ہے ان سے روایات لی بھی ہیں پھر بھی کئی روایات دوسرے راویوں کے واسطہ سے نافع سے لاتے رہے ہیں۔ یہ سچائی کی نہایت بین دلیل ہے ورنہ واسطے والے راویوں کی روایات سے راوی حذف کر کے براہ راست نقل کرتا تو تب بھی کوئی شک نہ کرتا بلکہ اس طرح سند میں علو اور قرب حاصل ہوتا۔ یہ چیز محدثین کے نزدیک خاص طور پر مطلوب اور مرغوب ہے اور اس طرح ان کی یہ ناجائز حرکت مخفی رہتی اور ان کی شان میں اضافہ آتا کہ انہوں نے امام نافع سے بے شمار روایات سنی ہوئی ہیں۔ عام طور پر جھوٹے راوی ایسی حرکات کرتے ہیں جس طرح اسماء الرجال کی کتب کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اس بندے نے ایمانداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بلکہ جو روایت جس طرح ملی اس طرح نقل کی۔ یعنی جو احادیث نافع سے سنیں وہ ان سے براہ راست روایات کی ہیں جو دوسروں کے واسطے سے سنیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں اور براہ راست نافع سے نقل نہیں کیں یہ اس کی صداقت کے لیے برہان عظیم ہے ایسے شخص میں جھوٹ کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا وھو الثالث عشر .

**قارئین!** ...... امام ابن المدینی کی یہ مدافعت تحقیق کی بناء پر ہے لہٰذا امام مالک کی طرف منسوب شدہ یہ قول اگر نقلاً معتبر تسلیم کیا جائے تب بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اُن کی نہ ابن اسحاق سے اتنی زیادہ مجلس تھی نہ اتنی معرفت چنانچہ امام یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کہ ”سالت ابن المدینی کیف حدیث ابن اسحاق عندك فقال صحیح قلت فكلام مالك فیه قال مالك لم یجالسه ولم یعرفه“ (تهذیب صفحه ٤٢ ج۹) یہ ہے امام مالک کی طرف منسوب کی گئی جرح کی حقیقت وھو الرابع عشر

۱۵......ابن اسحاق کو علم حدیث حاصل کرنے کی اتنی زیادہ حرص تھی جو اپنے سے بڑے خواہ چھوٹے عالم سے علم حاصل کرتے تھے اور بعض مواقع پر بالواسطہ اور بلاواسطہ جس طرح روایت ملتی تھی امانت سے نقل کرتے تھے ان کی سچائی اور عدالت کے لیے اس قدر ہی کافی ہے کیونکہ اگر وہ جھوٹ کو حلال سمجھتے تو عالی روایت کے ہوتے ہوئے نازل کو ساتھ جمع نہ کرتے نہ بالواسطہ والی روایات کو جمع کرتے۔ بلکہ ابن حبان کے اس جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق جھوٹ کو حرام سمجھتے تھے لہٰذا ان کی طرف یہ نسبت عقل سلیم قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوگی۔ وھو السادس

۱۶......امام یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری امام مالک کے مشہور شاگرد ہیں جس کے متعلق امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں "ھو امام لا ھل الدنیا (تھذیب صفحہ ۹۷۔ ۲۹۶ ج ۱۱) امام یحییٰ ذہلی فرماتے ہیں کہ "مـا رایـت احدا اجل ولا اخوف لربه من یحیی بن یحییٰ (تذکرۃ الحفاظ ۴۱۶ ج ۲) ایسے شخص کی توثیق بھی بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ سوچنے کی بات ہے کہ جس شخص کو امام مالک کذاب یا دجال کہیں اور اس کے عام شاگرد ساتھی ہمعصر اور معتقدین اسی شخص کو ثقہ کہیں۔ سچا پکاریں اس سے روایات لیں اس کی احادیث کو قبول کریں اور اہل مدینہ میں سے کسی سے بھی ان کے متعلق تہمت یا ان میں کلام اور جرح کے علم یا خبر ہونے کا انکار کریں نہایت محال ہے۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں

**قارئین!**......کل جواب کی تعداد پچپن (۵۵) ہوئی اس کے بعد ہم مولوی صاحب کی تسلی اور تشفی کے لیے مزید ذکر کرتے ہیں:

مجھ سا مشتاق جہاں میں کوئی پاؤ گے نہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

۵۶......مولوی صاحب نے میزان کے حوالے سے امام مالک کا قول نقل کیا ہے لیکن پوری عبارت نقل نہیں کی وہ عبارت اس طرح سے ہے۔

"وقـال یـحیـیٰ بن آدم حدثنا ابن ادریس قال کنت عند مالك فقیل له ان ابن اسحاق یـقـول اعر ضوا علی علم مالك فانی بیطاره فقال مالك انظر وا الی دجال من الدجا جلة" معلوم ہوا کہ امام مالک کی کتب پر جب ابن اسحاق نے تنقید کی اور کہا کہ میں ان کتب کا آپریشن اور علاج کرتا ہوں۔ جب یہ بات امام مالک تک پہنچی تب غصے میں یہ الفاظ کہے لہٰذا یہ جرح شمار نہ ہوں گے۔

۵۷......امام مالک کے بڑے اور مشہور استاذ امام ابن شہاب زہری ابن اسحاق کے لیے کیا رائے رکھتے ہیں۔

وہ بھی قابل شنید ہے چنانچہ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم صفحہ ۱۹۳ ج ۳ ق ۲ میں ہے "قال ابن شهاب لايزال با لمدينة علم ما بقى هذا بها" یعنی ابن اسحاق کی دوسری روایت ابن ابی ذئب سے ہے۔ يقول كنا عند الزهرى فنظر الى محمد بن اسحاق مقبلا فقال الزهرى لا يزال بالحجاز علم كثير ما دام هذا لاحوال بين اظهر هم .

**قارئین!** ......خود امام مالک زہری کے حق میں فرماتے ہیں کہ بقى ابن شهاب وما له فى الدنيا نظير (تذكرة الحفاظ صفحه ۱۰۹ ج ۱) امام مالک موطا میں اکثر مرفوع روایات ان ہی سے لاتے ہیں۔ یہ ابن اسحاق کا اس طرح شان بیان کرتے ہیں الجرح والتعدیل صفحہ مذکورہ پر ابن عیینہ سے مروی ہے رأيت محمد بن اسحاق جاء الى ابن شهاب فقال كيف انت يا محمد ان تكون قال لست اصل اليك مع اذنك هذا فدعا البواب فقال اذا جاءك فلا تحجبه عنى " اتنی تعظیم اور تکریم استاد کی دیکھ کر پھر بھی امام مالک ان کے حق میں یہ لفظ کہیں ناممکن ہے بلکہ وہ شہادت دے رہے ہیں اور پورے حجاز میں اس وقت تک علم رہے گا جب تک یہ شخص موجود ہے پھر ایسے شخص کے حق میں امام مالک جرح کریں ناقابل قبول ہے۔"وهو الثامن والخمسون . "

۵۹ ......الجرح والتعدیل صفحہ ۱۹۲ ج ۳ ق ۲ میں روایت ہے "انا ابو بكر بن ابى خيثمة فيما كتب الى نا ابراهيم بن المنذر عن ابن عيينة انه قال ما يقول اصحابك فى محمد بن اسحاق قال قلت يقولون انه كذاب قال لا تقل ذالك " جس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابن عیینہ نے اس نقل کو غلط قرار دیا اور اس طرح کہنے سے روکا۔

۶۰ ......مولوی صاحب نے جو تاریخ بغداد کے حوالے سے روایت نقل کی ہے اس کی سند اس طرح ہے "اخبرنى محمد بن الحسين القطان قال انبأنا دعلج بن احمد قال انبأنا احمد بن على الابار قال نبانا ابراهيم بن زياد سبلان قال نبأنا حسين بن عروة قال سمعت مالك بن انس فذكره " یہ سند آپ احناف کے نزدیک بالکل جھوٹی اور باطل ہے چنانچہ آپ کا امام زاہد الکوثری تانیب الخطیب صفحہ ۳۲ میں احمد بن علی الآبار کے متعلق لکھتا ہے کہ والآبا رحشوى افاك مأ جور القلم كما سبق اور صفحہ ۱۹ پر اس پر سخت جملہ نقل کرتا ہے اس طرح دعلج بن احمد کے لیے لکھتا ہے کہ "اس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے" لہٰذا یہ روایت آپ کے نزدیک غیر ثابت ٹھہری۔

۶۱ ......جھوٹ کی اس نسبت کی حقیقت بھی یہ ہے، چنانچہ امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں "قال لى وهيب بن خالد انه كذاب قلت لوهيب ما يدريك قال قال لى مالك اشهدانه كذاب قلت

لمالك ما يدريك قال قال هشام بن عروة انه كذاب قلت لهشام بن عروة ما يدريك قال حدث عن امراتی الفاطمة الحديث اعيون الا ترفى فنون المغازی والشمائل والسير للحافظ ابن سيد الناس (صفحہ ١٢۔ ١٣ ج ١) اس سے ظاہر ہوا کہ یہ قول امام مالک کا اپنی تحقیق سے نہیں ہے بلکہ ہشام بن عروہ کا بیان نقل کیا ہے اور وہ بھی صرف اس بات کی وجہ کہ اس کی گھر والی سے روایت کی ہے حالانکہ یہ کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خود امام احمد ان کے اسی قول کو رد کر رہے ہیں کہ "وما ينكر هشام لعله جاء فاستأذن عليها فاذنت له اجسبه قال ولم يعلم (تاریخ بغداد الخطیب صفحہ ٢٣۔ ٢٢٢ ج ١) یعنی صرف اس روایت کی وجہ سے اس کو جھوٹا کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہشام کو پتہ نہ چلا ہو اور وہ اس کے پاس حدیث سننے کے لیے آیا ہو اور اس نے انہیں اجازت دی ہو جس طرح دوسرے عام راوی ازواج مطہرات امہات المومنین اور دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن وغیرہ سے کئی روایات کرتے ہیں بلکہ امام بخاری جزء القراۃ صفحہ ١٨ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ "لو صح عن هشام جائز ان يكتب اليه فان اهل المدينة يرون الكتاب جائز لان النبی ﷺ كتب لا ميرا لسرية كتابا وقال لا تقرأه حتى تبلغ مكان كذا وكذا فلما بلغ فتح الكتاب واخبر هم بما قال النبی ﷺ وحكم بذالك وكذالك الخلفاء والآئمة يقضون كتاب بعضهم الى بعض وجائز ان يكون سمع منها وبينهما حجاب وهشام لم يشهد." الغرض امام احمد اور امام بخاری کی کلام سے تین احتمال معلوم ہوتے ایک تو ہشام کے گھر والی نے حدیث سننے کے لیے اس کو آنے کی اجازت دی ہو۔ دوسرا یہ کہ بعید نہیں کہ اس نے ابن اسحاق کی طرف احادیث لکھ کر بھیجی ہوں اور مدینہ کے علماء ایک دوسرے کی طرف روایات لکھ کر بھیجتے تھے اور اس طرح روایت کو جائز سمجھتے تھے، تیسرا یہ کہ پردے کے باہر ابن اسحاق نے اس سے احادیث سنی ہوں۔ جس طرح خود رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق فرمایا ہے کہ ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ (الاحزاب) جب یہ تینوں صورتیں اس کے خاوند ہشام کی غیر موجودگی میں ہوسکتی ہیں تو پھر صرف اپنی لاعلمی کی بناء پر اس پر جھوٹے ہونے کا فتوی دینا کس قدر صحیح ہے۔ ثابت ہوا کہ امام مالک کی طرف منسوب شدہ یہ قول کسی واضح دلیل کی بناء پر نہیں ہے۔ صرف عدم علم کی بناء پہ ہے بلکہ امام بخاری کا قول "لو صح عن هشام" اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "يذكر عن هشام" اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود ہشام سے ہی اس حکایت کی صحت قطعی نہیں ہے پھر ایسے موہوم قول کی بناء پر ایسے شخص کو جھوٹا کہا جائے اور اس کی روایات کو رد کیا جائے جس کے لیے امام مالک کے استاد ساتھی اور شاگرد سب

اس کی تعریف میں "رطب اللسان" ہیں اور اس سے روایات لیتے رہے ہیں. انصاف کے خلاف ہے وھو الثانی وستون.

۶۳ ..... امام ابن حبان اور علامہ ابن ہمام کی عبارتوں سے ظاہر ہوا کہ امام مالک نے اپنے قول سے رجوع کیا تھا اور ابن اسحاق سے صلح کی تھی اور اس کو ھدیہ اور تحائف دیئے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام مالک نے اس کی روایت میں جرح نہیں کی۔ بلکہ غصے سے کہا جس سے رجوع کیا اور اگر جرح کی ہوتی تو اس سے رجوع کرنا یا کذاب اور دجال سے صلح کرنا امام مالک کی شان کے خلاف ہے بلکہ اس سے صلح سے ثابت ہوا کہ وہ امام مالک کے نزدیک ثقہ اور معتبر راوی تھا تب تو اس سے صلح کی۔ لہٰذا امام مالک اس پر جرح کرنے والوں میں سے نہیں بلکہ اس کو معتبر راوی سمجھ کر ان سے میل ملاپ کیا۔ گویا کہ جس امام مالک کا تم نے سہارا لیا وہ بھی آپ کے برخلاف اس کو ثقہ سمجھتا ہے۔ وھو الرابع والستون

۶۴ ..... ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد۔

حیف ہے وہ بھی تیرا چاہنے والا نکلا

۶۵ ..... اگر امام مالک نعوذ باللہ اس کو کذاب اور دجال سمجھتے تو اس کے مذہب کے معتبر علماء کبھی بھی اس کو کسی شمار میں نہ لاتے اور نہ اس کی حدیث کو حجت بناتے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے خاص طور پر امام ابن عبدالبر جو مالکی مذہب کا امام سمجھے جاتے ہیں وہ اس کی کئی احادیث کو اپنی کتاب التمھید میں حجت بناتا ہیں۔ ایک جگہ پر اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ التمھید صفحہ ۵۹۔ ۱۵۸ ج ۲ میں ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں "وھو صحیح عن عائشه من روایة غیر مالك اخبر نا عبدالوارث بن سفیان قرأ منی علیه ان قاسم بن اصبغ حد ثهم قال حدثنا عبید بن عبدالواحد قال حدثنا احمد بن محمد بن ایوب قال حدثنا ابراهیم بن سعد عن محمد بن اسحاق عن یحییٰ بن عباد بن عبدالله بن الزبیر عن عائشه الخ۔ اس طرح قاضی عیاض جو مالکی مذہب کا مشہور امام ہے وہ اپنی کتاب الالماع صفحہ ۵۶ اور ۲۱۹ میں ابن اسحاق کے واسطے سے روایات دلیل کے طور پر لاتے ہیں اور صفحہ ۱۱۴ میں ابن اسحاق کو امام زہری کے خاص اصحاب میں سے شمار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ "من اصحاب الزهری ومن هم الا مالك وابن عمه ابو اویس ومحمد بن اسحق وابراهیم بن سعد ویونس بن یزید وطبقتهم" اس طرح ان کی کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ میں متعدد مقامات پر ان سے نقل کرتے ہیں بلکہ صفحہ ۱۷۔ ۲۷۲ ج ۲ طبع استنبول میں ایک حدیث اپنی سند سے بطور احتجاج لاتے ہیں۔ جس میں ابن اسحاق کا واسطہ ہے اور وہ اس روایت میں منفرد ہے جس طرح

مالکی مذہب کے امام ابو الولید الباجی المنتقی شرح الموطا صفحہ ۳ ج ۲ میں بیان کیا ہے اور اس میں اسی حدیث کو دلیل بنایا ہے۔

◆ ۶۶...... خود مولوی صاحب ان کے متعلق جو اپنی رائے پیش کرتے ہیں کہ "محمد بن اسحاق کو اگرچہ تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن احکام کے متعلق جو روایات ہیں۔ اس میں امت کے پچانوے فیصد علماء جرح وتعدیل کے اس پر متفق ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت دلیل نہیں بن سکتی لہٰذا اس روایت پر کوئی اعتبار نہیں ہے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۸۵) پچانوے فی صد علماء کے متعلق بحث گزر چکی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس شخص کو امام مالک کے قول پر اعتبار کرتے ہوئے مولوی صاحب کذاب اور دجال جانتا ہے اور ابن اسحاق پر جرح کے لیے امام مالک کی طرف منسوب شدہ قول کو اپنی بڑی سند سمجھتا ہے۔ لیکن وہی شخص تاریخ اور مغازی میں امام کس طرح سمجھا جا سکتا ہے ظاہر تعارض اور کلام میں تضاد ہے کیونکہ جھوٹے کی نقل پر کیا اعتبار جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں جھوٹ بول سکتا ہے وہ دوسری باتوں میں کس طرح جھوٹ بولنے میں دیر کرے گا۔ خاص طور پر مغازی میں رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کے واقعات ہیں وہ بھی تو احادیث ہیں پھر ان میں اس کو امام مانتے ہیں اور احکام میں ان کی احادیث کو جھوٹ کہتے ہیں۔ عجیب دو رنگی ہے۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

بلکہ یہ فرق وہاں پر کیا جاتا ہے جس جگہ کوئی راوی کسی حدیث کے خاص فن میں مثلاً احکام فضائل، اور مغازی وغیرہ میں خاص مشہور ہو اور دوسرے فنون میں اتنا ماہر نہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک خاص فن پر زیادہ توجہ دینے کی وجہ سے باقی فنون میں قدرے کمزور سمجھا جاتا ہے لیکن یہ کون سا اندھیرا ہے جو اس کو جھوٹا اور دجال بھی سمجھا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو حدیث کے بعض فنون میں امام بھی سمجھا جائے اس طرح خود مولوی صاحب کے اپنی کلام نے ہی ان کی نقل کا کام تمام کر دیا۔ وھو السابع والستون (۶۷)

**قارئین!** ...... امام مالک سے خود امام ابوحنیفہ کے بارے میں بھی خطرناک اقوال مروی ہیں ایک قول تو اوپر امام مالک کے مذہب پر بحث میں گزرا۔ جو کہا کہ "قلب الامر" اور تاریخ بغداد صفحہ ۴۱۵ ج ۱۳ میں ہے "قال مالک ما ولد فی الاسلام مولود اضر علی اھل الاسلام من ابی حنیفۃ" اقوال تو اور بھی بہت سے ہیں جو بعد میں ذکر ہوں گے۔ لیکن اب یہ دیکھیں کہ مولوی صاحب امام مالک سے اس نقل شدہ قول کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں کیا امام صاحب کے متعلق وہ بھی ایسا نظریہ رکھتے ہیں؟ جو اس قول میں مذکور ہے اگر نہیں تو انصاف کا تقاضہ ہے کہ خواہ مخواہ محدثین پر جرح کرنے کی اتنی جرات نہ کرے ورنہ

نتیجہ دیکھ رہے ہیں۔ وھو الثامن والستون (٦٨)

اس کے بعد دوسرا قول تہذیب کے حوالہ سے امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ "لم یکن یحتج به فی السنن۔"

**جواب:**...... **اولاً:** خود ابن ہمام کی کلام میں گزرا کہ "قد احتمله احمد الخ" جس سے ثابت ہوا کہ وہ ابن اسحاق کی احادیث کو مانتے تھے۔

**ثانیا:**...... خود لکھنوی صاحب نے یہ جواب دیا ہے کہ "واما قول عبدالله عن ابيه لم يكن يحتج به فی السنن فقد يكون لما انس منه التسامح فی غير السنن هی جل عمله فی المغازی والسير فطرد الباب ويعارضه تعديل من عدله (امام الكلام صفحه ٢٦٩ طبع پاكستان) وہ دو جواب دیتے ہیں ایک تو یہ کوئی جرح نہیں ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ مغازی اور سیرت کے علاوہ دیگر مسائل میں احادیث جمع کرنے میں تساہل کرتا ہو ورنہ کئی راوی گزرے ہیں جو ضعیف راویوں سے بھی روایت کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک ابن اسحاق ہے اس صورت میں لغایتہٖ اس طرح ہوگا امام احمد کے قول کے مطابق ان کی احادیث دیکھی جائیں گی جو معتبر راویوں سے ہوں گی وہ لے لی جائیں گی۔ یہ شرط صرف ابن اسحاق کے لیے خاص نہیں ہے۔ بلکہ سب کے لیے عام ہے اور یہ ان کے ضعیف ہونے کا سبب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ حدیث جس کو مولوی صاحب نے رد کرنے کے لیے اتنا زیادہ زور لگایا ہے ابن اسحاق کسی ضعیف راوی سے روایت نہیں لائے۔ اس کے علاوہ سماع کی تصریح بھی کرتے ہیں لہٰذا تدلیس کا شبہ بھی باقی نہ رہا۔ دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ امام احمد کے اس قول کے مقابلے میں دیگر سے توثیق اور تعدیل بھی ثابت ہے، لہٰذا اس قول سے ابن اسحاق کو ضعیف سمجھنا یا ان کی احادیث کو علی الاطلاق حجت سے گرانے کی مراد لینا درست نہیں ہے یہ تینوں جواب احناف کی طرف سے ہیں۔ وھو الثالث

**رابعا:**...... امام بخاری کی کلام میں گزرا کہ "احتمله احمد. الخ یہ شہادت سب سے وزنی ہے امام احمد ابن حنبل سے امام بخاری روایات لینے والے ہیں۔ لہٰذا یہ نقل سب سے مقدم ہے۔

**خامسا:**...... اس قول کا حوالہ مولوی صاحب نے تہذیب کا دیا ہے تہذیب صفحہ ۴۴ ج ۹ میں مذکور ہے اور اس میں امام صاحب سے ان کے فرزند عبداللہ بن احمد ناقل ہیں اور یہ آپ احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے جس طرح آپ کا امام زاہد الکوثری تانیب الخطیب صفحہ ۱۱۶ پر لکھتے ہیں۔

**سادسا:**...... یہ قول تاریخ بغداد صفحہ ۲۳۰ ج ۱ میں مذکور ہے جس کی سند اس طرح سے ہے اخبرنا علی بن محمد الدقاق قال قرأنا علی الحسين بن هارون عن ابی العباس بن سعيد قال

سمعت عبدالله بن احمد فذکره " اس سند میں عبداللہ بن احمد ہے جو آپ احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ابوالعباس بن سعید راوی ہے۔ جو کہ ابوالعباس بن عقدہ ہے کما فی تاریخ بغداد صفحہ ۱۴۶ ج ۸ وہ مذھباً شیعہ تھا۔ اس پر جرح کی گئی ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال صفحہ ۶۴۔ ۶۵ ج ۱ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۴۱ ج ۳ لسان المیزان صفحہ ۲۶۳ سے ۲۶۵ ج ۱ اور تاریخ بغداد صفحہ ۲۱۔ ۲۲ ج ۵ میں مذکور ہے مثلاً قال البرقانی قلت للدار قطنی ایش اکبر فی نفسك من ابن عقدة قال الاكثار بالمناكير وقال حمزة بن محمد بن طاهر سمعت الدار قطنی يقول هو رجل سوء وقال ابو عمر بن حيويه كان ابن عقدة يملی مثالب ای صحابة فتركه . " لہٰذا یہ روایت سنداً بھی قابل قبول نہیں رہی۔

**سابعاً**:...... بلکہ اسی تہذیب صفحہ ۴۱ ج ۹ میں ہے "قال احمد بن حنبل " سے اس کے خلاف منقول ہے۔ وقال الاثرم عن احمد هو حسن الحديث۔ میزان الاعتدال صفحہ ۲۱ ج ۳ میں ہے قال احمد بن حنبل هو حسن الحديث . "

**ثامناً**:...... تاریخ ابن خلکان صفحہ ۲۷۶ ج ۴ طبع بیروت میں ہے "وحكی عن يحيیٰ بن معين واحمد بن حنبل ويحيیٰ بن سعيد القطان انهم وثقوا محمد بن اسحاق واحتجوا بحديثه " اس عبارت نے تمام کام تمام کر دیئے۔ کیونکہ "لم يحتج " والی عبارت جو اس کے خلاف تھی وہ صحیح ثابت نہیں ہو سکی۔ حنبلی مذہب کے زبردست عالم حافظ ابن رجب شرح علل الترمذی صفحہ ۱۳۲ میں خود امام احمد کا قول نقل کرتے ہیں کہ "هو الصالح الحديث واحتج به انا ايضاً " امام صاحب کے اس اعتراف نے مولوی صاحب کی سب امیدیں خاک میں ملا دیں ہیں۔

**تاسعاً**:...... اگرچہ مولوی صاحب کے نقل کردہ اس قول کو صحیح تسلیم کیا جائے تب بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح وہ مدلس ہے، لہٰذا جہاں پر سماع کی تصریح نہیں کرتا وہاں پر حجت نہیں۔ کیونکہ امام احمد سے ثابت ہوا کہ انہیں حسن الحدیث بھی کہتے ہیں اور اس کی حدیث سے حجت بھی لیتے ہیں۔ لہٰذا اس قول سے وہ روایت مراد لی جائے گی جو لفظ "عـــن" سے روایت کی گئی ہوگی۔ امام احمد نے خود بھی ایسی تصریح کی ہے چنانچہ امام ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل صفحہ ۱۹۳ ج ۳ ق ۲ میں فرماتے ہیں۔ انا علی بن ابی طاهر فيما كتب الی قال نا الاثرم قال قلت لابی عبدالله ما تقول فی محمد بن اسحاق قال هو كثير التدليس جدا فكان احسن حديثه عندی ما قال اخبرنی وسمعت " ثابت ہوا کہ امام احمد کے نزدیک ان کی وہ حدیث حجت نہیں جو "عـــن" سے روایت کی گئی ہو جب کہ اس حدیث

یعنی فاتحہ خلف الامام والی میں ابن اسحاق نے حدثنی کہہ کر سماع کی تصریح کی ہے۔ لہٰذا امام احمد کی جرح اس حدیث پر نہ ہوگی۔

**وھو العاشر:** ...... فتلك عشرة كاملة ۔ الغرض امام احمد کی طرف یہ نسبت علی الاطلاق نہیں ہے لیکن اس حالت میں جب سماع کی تصریح نہ ہو، نیز امام احمد ان کی روایات سماع تصریح کی صورت میں قبول کرتے ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے لیے کیا کہتے ہیں. کچھ اقوال اوپر امام احمد کے مذہب کے بیان میں گزر چکے ہیں جس طرح فرماتے ہیں "رأيه مذموم وحديثه لا يذكر" (كتاب الضعفاء للعقيلي صفحه ٦٢٣ ج٢ قلمی) یعنی ان کی حدیث ذکر کرنے کے قابل نہیں ہے اب یہ قول امام احمد کا مولوی صاحب مانتے ہیں یا صرف ابن اسحاق پر ہی حسد کرتے ہیں، سعدی نے سچ کہا تھا ؎

حسود راچہ کنم کو در حدش میسوزد

تیسرا قول میزان کے حوالہ سے امام یحییٰ بن سعید القطان سے نقل کرتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ ابن اسحاق بڑا جھوٹا ہے۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** میزان کی مکمل عبارت مولوی صاحب نے نقل نہیں کی مکمل عبارت اس طرح سے ہے۔

ابو قلابة الرقاشي حدثني ابو داؤد سليمان بن داؤد قال قال يحيٰى القطان اشهد ان محمد بن اسحاق كذاب قلت وما يدريك قال قال لي وهيب فقلت لوهيب وما يدريك قال قال لي مالك بن انس فقلت لمالك وما يدريك قال قال لي هشام بن عروة قلت لهشام بن عروة وما يدريك قال حدث عن امرأتي فاطمة بنت المنذر وادخلت علي وهي بنت تسع وما راها رجل لقيت الله تعالىٰ (ميزان صفحه ٢٢ ج٣)

ابو الولید الرقاشی جس کا نام عبدالملک بن محمد ہے۔ یہ معتبر الحفظ ہے جس طرح تقریب میں بیان ہوا ہے لہٰذا ایسی روایت معتبر نہیں ہوئی خود آپ کے امام کوثری نے اس پر جرح کی ہے، چنانچہ تانیب الخطیب صفحہ ۱۶۹ میں ایک روایت کے بارے میں کہتے ہیں "في سنده ابو قلابة الرقاشي كثير الخطأفي الاسانيد والمتون على مانقله الخطيب عن الدار قطني " لہٰذا یہ روایت آپ احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ وھو الثانی

**ثالثاً:** ...... یہ وہی عبارت ہے جو امام مالک کی طرف منسوب کردہ قول کے جواب نمبر ۶۱ میں گزری۔ یعنی یحییٰ القطان اپنی تحقیق سے اس طرح نہیں کہتے بلکہ وہیب سے نقل کرتے ہیں. وہ مالک سے وہ ہشام سے اور ان کا قول بھی کسی دلیل کی بناء پر نہیں ہے جس طرح اوپر کئی وجوہات سے بیان کیا گیا۔ ثابت ہوا کہ یہ ایک

موہوم کلام ہے۔کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وھو الرابع

**خامساً**: ......خود امام ذہبی اس عبارت کو نقل کر کے پورے زور شور سے رد کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ "قلت قد اجبنا عن هذا والرجل فما قال انه رأها فبمثل هذا يعتمد على تكذيب رجل من اهل العلم هذا مردود ثم قد روى عنها محمد بن سوقة ولها رواية عن ام سلمة وجد تها اسماء ثم ما قيل من انها ادخلت عليه وهي بنت تسمع غلط بين ما ادرى ممن وقع من رواة الحكاية فانها اكبر من هشام بثلاث عشرة سنة ولعلها ما زفت اليه الا وقد قاربت بضعا وعشرين سنة واخذ عنها ابن اسحاق وهي بنت بضع وخمسين سنة او اكثر. (ميزان الاعتدال صفحه ٢٢ ج٣)

**قارئین!** ......اس عبارت کو بار بار پڑھیں امام ذہبی کس طرح اس واقعہ کی قلعی کھولتے ہیں۔اس سے چند امور معلوم ہوئے۔ایک تو ایسی باتوں کا جواب امام ذہبی دے چکے ہیں۔دوسرا کہ ایسی موہوم باتوں کی بناء پر کسی عالم کو جھوٹا کہنا مردود اور باطل ہے۔تیسرا یہ کہ ہشام کے قول کی بناء اس بات پر ہے کہ ابن اسحاق نے ان کی بیوی سے کس طرح روایت کی۔ حالانکہ ان سے دوسرے راوی رجال بھی ہیں۔مثلاً محمد بن سوقہ پھر جس طرح اس نے روایت کی اس طرح ابن اسحاق نے بھی لی۔ بلکہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس سے کوئی راوی روایت کرے اور خوامخواہ اس کے خاوند کو بھی پتہ چلے۔ وھو الرابع۔ اسی روایت میں ہشام کا قول ہے کہ "و رآها رجل حتى لقيت الله "اور محمد بن سوقہ کی اس سے روایت اس بات کو رد کرتی ہے۔ وھو الخامس

**سادساً**: ...... یہ ہے کہ یہ حکایت خود حقیقت کے خلاف ہے۔کیونکہ اس میں ہے کہ ہشام سے اس کی شادی کے وقت اس کی عمر نو سال تھی۔ حالانکہ یہ ایک واضح غلطی ہے کیونکہ وہ عورت خود ہشام سے تیرہ سال عمر میں بڑی تھی خود تہذیب صفحہ ۴۴۴ ج ۱۲ میں ہشام سے منقول ہے کہ "كانت اكبر منى بثلاث عشرة سنة" غالباً اس کی شادی اٹھائیس یا انتیس سال کی عمر میں ہوئی ہے اور ابن اسحاق نے اس سے روایات اس وقت لی ہیں جب اس کی عمر پچاس سال سے زائد تھی۔ یہ سب حقیقتیں بتاتی ہیں کہ یہ حکایت بالکل نامعقول اور غیر مقبول ہے۔اس کے ساتھ مجموعی نو (۹) جواب ہوئے اور دسواں جواب خود لکھنوی صاحب نے امام الکلام صفحہ ۲۷۰ میں دیتے ہیں کہ "فلا يبعد ان يكون قلد مالكا "یعنی یحییٰ القطان نے اپنی تحقیق سے فیصلہ نہیں دیا اور بعید نہیں ہے کہ امام مالک کے قول کو نقل کیا ہو۔یعنی جس کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی کما تقدم

۱۔ ابھی تاریخ ابن خلکان کا حوالہ گزرا کہ یحییٰ بن سعید القطان اس کی حدیث سے حجت لیتا تھا۔جس کا

مطلب ظاہر ہے کہ وہ خود اس الزام سے ابن اسحاق کو بری سمجھتا تھا ۱۲۔ اوپر گزرا کہ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ ابن اسحاق پر کوئی الزام لگا تا ہو حالانکہ وہ یحییٰ القطان کا استاد ہے ان سے احادیث بھی لی ہیں (تہذیب صفحہ ۲۱۷ ج ۱۱) خود یحییٰ ان کے حق میں کہتا ہے کہ سفیان امام منذر اربعین سنۃ (تہذیب صفحہ ۱۱۹ ج ۴) لہٰذا اگر یحییٰ القطان کا ابن اسحاق کے متعلق ایسا ہی نظریہ ہوتا تو پہلے امام سفیان بن عیینہ کو معلوم ہوتا امام یحییٰ القطان امام ابوحنیفہ کے حق میں فرماتے ہیں کہ: "لم یکن بصاحب الحدیث" (کتاب الضعفآء للعقیلی صفحہ ٦٢١ ج٢ قلمی) بعینہٖ نقل امام ذہبی مناقب للامام ابی حنیفہ صفحہ ۲۷۔ ۲۸ میں ذکر کی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اقوال بعد میں ذکر کیے جائیں گے۔

چوتھا قول بحوالہ ضعفاء صغیر نسائی لکھتے ہیں کہ یہ راوی قوی (صحیح) نہیں ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** خود لکھنوی صاحب کی کلام میں اس کا جواب موجود ہے۔ کہ اس قسم کی جرح غیر مفسر ہے جس کا کوئی سبب بیان نہیں ہوا لہٰذا معتبر نہیں کہے جائیں گے۔ آپ کا حنفی بھائی ظفر احمد عثمانی انھاء السکن صفحہ ۴۳ میں لکھتے ہیں کہ "امام الجرح فانه لا یقبل الا مفسراً مبیناً بسبب الجرح لأن الجرح یحصل بامر واحد فلا یشق ذکره ولان الناس مختلفون فی اسباب الجرح فیطلق احدهم الجرح بناء علی ما اعتقده جرحاً ولیس بجرح فی نفس الامر فلا بد من بیان سببه لیظهرا هو قادح ام لا۔ فابن الصلاح وهذا ظاهر مقرر فی الفقه واصوله وذکر الخطیب انه متعب الائمة من حفاظ الحدیث کالشیخین وغیرهما" لہٰذا جرح مبہم مقبول نہیں ہے صفحہ ۴۴ میں لکھتے ہیں کہ "والحاصل ان الراوی اذا لم یکن فیه توثیق من احد وجرحه واحد جرحا مبهما بل لا بد من کونه مفسرا ببیان السبب" جس طرح اس مقام پر ابن اسحاق کے لیے بہت سی توثیقات منقول ہیں مثلاً ابن معین، احمد، ابن حبان، ابن المدینی، ابن سعد، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری وغیرھم۔ ابن البرقی یہاں تک کہتے ہیں کہ "لم ارا اهل الحدیث یختلفون فی ثقته وحسن حدیثهٖ وروایتهٖ کما فی التهذیب صفحہ ۳۹ سے ۴۶ ج ۹ خود احناف نے ان کو ثقہ کہا ہے جس طرح اوپر گزرا اس صورت میں ان کے حق میں خود حنفی قاعدے کے مطابق مبہم جرح قبول نہیں ہوتی۔ وهو الثانی

اس کے خلاف تعدیل مفسر موجود ہے۔ چنانچہ امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ وقد فتشت احادیثه الکثیرة فلم اجد فیها ما یتهیأ ان یقطع علیه بالضعف (التهذیب صفحہ ٤٥ ج٩) یعنی میں نے اس کی کئی احادیث جانچ پڑتال کی لیکن مجھے ان میں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس وجہ سے اس پر ضعیف

ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہو۔ وھو الثالث ورابعاً۔ الجرح والتعدیل لا بن ابی حاتم صفحہ ۱۹۲ ج۳ ق۲ میں کہ سئل ابو زرعة عن محمد بن اسحاق بن یسار فقال صدوق من تکلم فی محمد بن اسحاق؟ محمد بن اسحاق صدوق" اس کا مطلب یہ کہ ائمہ حدیث نے اس کے حق میں کسی جرح یا کلام کو کسی اعتبار سے کچھ نہیں لاتے۔

**خامساً:**...... امام نسائی سے ان کی تعدیل بھی ثابت ہے کیونکہ آپ کے احناف کے اصول کے مطابق امام نسائی اپنی سنن المجتبیٰ میں جو حدیث لائے ہیں۔ وہ ان کے نزدیک صحیح ہے چنانچہ آپ کے بزرگ علامہ بشیر احمد عثمانی فتح الملہم صفحہ ۱۲ ج ۳ میں حدیث اذا قرء فانصتوا کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ امام نسائی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔اور دلیل بھی یہی دیتے ہیں۔ کہ اپنی سنن میں اس روایت کو لائے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ثم النسائی من حیث اخراجه ایاه فی مجتباه" اس عبارت کی تقلید میں خود مولوی صاحب نے بھی تحفۃ الحدیث صفحہ ۲۹ میں امام نسائی سے روایت کی تصحیح کا دعویٰ کیا ہے آپ کے اس قاعدے کے مطابق ابن اسحاق کے طریق سے سنن نسائی میں کئی روایات موجود ہیں جس طرح تقریب اور تہذیب میں اس طرف اشارہ کیا ہوا ہے۔ لہٰذا ابن اسحاق کی حدیث حنفی قاعدے کے مطابق امام نسائی کے نزدیک صحیح کہی جائے گی۔ اسی طرح امام نسائی کے دو فیصلے ایک دوسرے کے معارض کہلائیں گے۔اب مولوی صاحب چار صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کریں یا ترجیح، اس صورت میں تعدیل راجح ہوگی کیونکہ مبہم جرح وتعدیل کے مقابلے میں بحث نہیں جس طرح تھانوی صاحب کی کلام میں گزرا، یا تطبیق، اس صورت میں ہوگی کہ ابن اسحٰق اعلی درجے کا ثقہ یا اوثق الناس یعنی سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید الانصاری، امام حسن بصری اور نافع وغیرہ جیسے لوگوں کے درجے کا نہیں ہے۔ لیکن اس کی حدیث صحیح یا حسن کے درجے سے گری ہوئی نہیں، یا نسخ اس صورت میں بھی ان کا آخری قول تعدیل سمجھا جائے گا کیونکہ عام معدلین جن میں امام نسائی کے خاص استاد علی بن المدینی بھی ہیں ان سب نے ان کی تعدیل کی ہے اور بعید نہیں ہے کہ امام نسائی نے تحقیق کے بعد اس کی حدیث صحیح سمجھی ہو، دوسرا یہ کہ تعارضا تساقطا پر عمل کرے۔ پھر اس صورت میں امام نسائی کے قول سے ابن اسحاق خدا کے فضل سے آزاد ہوئے اور اس کے لیے عام محدثین کی توثیق اور تعدیل کافی ہے، نیز انہاء السکن صفحہ ۵۷ میں ہے "وکذا من اخرج له النسائی فی المجتبیٰ و سکت عنه فهو حجة" اس قول کے مطابق صرف امام نسائی کا ابن اسحاق سے روایت کرنا آپ کو حجت سمجھنا چاہیے۔

**سادساً:**...... احناف کے نزدیک امام نسائی کا ایسا قول یعنی "لیس بالقوی" جن کے حق میں دوسروں سے منقول ہیں تو معتبر نہیں ہے۔ مثلاً عبدا للہ بن المثنی جس کو امام نسائی "لیس بالقوی" کہتے ہیں اور

دیگر سے ان کی توثیق منقول ہے آپ کا تھانوی انھاء السکن صفحہ ۸۵ میں یہ باتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "واما علی اصلنا معشر الحنفیة فتفرد مثله حجة فی درجة حجیة الحسن وان لم یکن حجة فی درجه الصحیح فان التعدیل مقدم علی الجرح الا اذا کان مفسرا فاذا اختلف فی التوثیق والتضعیف ولم یکن الجرح مفسرا فالراوی ثقة عندنا لا کثرین فیقبل تفرده اذا لم یخالف الجماعة تستلزم رد ما رده واللہ تعالیٰ اعلم وضیع والحافظ الضیاء بغیر کون مثل هذا الراوی حجة فیما ینفرد به" لہٰذا ابن اسحاق کا تفرد یعنی جس میں اکیلا روایت کرے وہ بھی احناف کے نزدیک حجت ہے۔

**سابعاً**: ...... احناف کے نزدیک امام نسائی کا یہ قول کوئی بڑی جرح نہیں ہے بلکہ اس سے وہ بالکل ضعیف نہیں ہوتا انھاء السکن صفحہ ۹۳ میں ہے کہ "وهذا لا یلزم منه ضعف الراوی بالمرة" صفحہ ۹۶ پر ہے "هذا تلیین" اور التحریر لابن الہمام صفحہ ۳۱۸ میں ان الفاظ کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ ویخرج فی هؤلآء للاعتبار والمتابعات" ابن اسحاق کے لیے اس روایت کے متعلق متابعات موجود ہیں۔ جس طرح کہ آگے چل کر ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ لہٰذا یہ حدیث احناف کے قلم کے مطابق قابل قبول ہے۔

**ثامناً**: ...... امام نسائی احناف کے نزدیک جرح کے معاملے میں متعنت اور متشدد ہے اور ان کے ہاں متعنت کی جرح توثیق کے مقابلے معتبر نہیں ہے چنانچہ آپ کا تھانوی صاحب انھاء السکن صفحہ ۴۵ پر ہے "لا یحل لك ان تأخذ بقول کل جارح فی ای راو کان وان کان ذلك الجارح من الائمة او من مشاهیر علماء الامة فکثیرا ما یوجد امر مانعا من قبول جرحه وحینئذ یحکم برد جرحه وله صور کثیرة لا تخفی علی المطهرة" الخ ان صورتوں میں سے دوسری صورت ۴۶ پر اس طرح لکھتے ہیں کہ "منها ان یکون الجارح من المتعنتین المشددین فی الجرح فان هناك جمعاً من ائمة الجرح والتعدیل لهم تشددی فی لهم تشدد فی هذا الباب نیجرحون الراوی بادنی جرح ویطلقون علیه مالا ینبغی اطلاقه فمثل هذا توثیقه معتبر وجرحه لا یعتبر مالم یوافقه غیره من ینصف ویعتبر فمن المتعنتین المتشددین ابو حاتم والنسائی وابن معین وابو الحسن ابن القطان ویحییٰ بن سعید القطان وابن حبان وغیرهم فانهم معروفون بالاسراف فی الجرح والتعنت فیه" اور پھر صفحہ ۴۷ پر لکھتے ہیں کہ "قسم منهم متعنت فی التجریح متثبت فی التعدیل یغمز الراوی بالغلطتین والثلاث فهذا اذا اوثق شخصا فعض علی قوله بالنواجذ وتمسك بتوثیقه

واذا ضعف رجلا فانظر هل وافقه غيره على تضعيفه فان وافقه ولم يوثق ذلك الرجل احد من الحذاق فهو ضعيف وان وثقه احد فهذا هو الذى قالوا فيه لا يقبل فيه الجرح الا مفسر " یعنی حنفیہ کے قاعدے کے مطابق فیمانحن فیہ امام نسائی کا یہ قول ابن اسحاق کے حق میں مقبول نہیں ہے۔

**عاشرا:**..... ضعفاء صغیر امام نسائی، جو کہ تاریخ صغیر بخاری کے آخر میں ملحق ہے جس سے مولوی صاحب نے ابن اسحاق کے متعلق قول نقل کیا ہے کہ یہ راوی قوی نہیں ہے اسی ضعفاء صفحہ ۲۰۵ باب النون میں امام نسائی فرماتے ہیں کہ نعمان بن ثابت ابوحنیفہ لیس بالقوی فی الحدیث کو فی۔ یہ ابن اسحاق والے وہی الفاظ امام نسائی ابوحنیفہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور دونوں کے لیے کہتے ہیں کہ یہ راوی قوی نہیں ہے کیا اب مولوی صاحب امام نسائی کا یہ قول امام ابوحنیفہ کے حق میں بھی قبول کریں گے؟ ہم نے مولوی صاحب کے متعلق دیکھنا ہے کہ امام نسائی کے قول کے مطابق ابن اسحاق کی طرح امام صاحب سے ہاتھ دھوتے ہیں یا امام صاحب کا خیال رکھتے ہوئے اس کے بدلے میں ابن اسحاق کی جان بھی چھوڑے گا۔ کیونکہ امام نسائی جن راویوں کو غیر قوی کہتے ہیں ان کے زمرے میں امام صاحب بھی شامل ہے:

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی وعطار شد مست

اس کے علاوہ امام صاحب کے بارے میں امام نسائی کا مزید سخت کلام ہے جو کہ بعد میں نقل کیا جائے گا وتلك عشرة كاملة.

پانچواں قول تو مولوی صاحب نے نقل ہی نہیں کیا لیکن چوتھے کے بعد چھٹے قول میں ابن نمیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ "مجہول راویوں سے غلط روایات نقل کرتا تھا۔"

**جواب:**...... **اولا:** مولوی صاحب نے نقل کرنے میں خیانت کی ہے مکمل عبارت اسی طرح سے ہے "قال يعقوب بن شيبة سمعت ابن نمير يقول اذا حدث عن من سمع منه من المعروفين فهو حسن الحديث صدوق وانما اتى من انه يحدث عن المجهولين احاديث باطلة"

(التهذيب صفحه ۴۳ ج ۹)

گویا کہ ابن نمیر مطلق کلام نہیں کرتا بلکہ ان روایات کو رد کرتا ہے جو مجہول راویوں سے ہوں اور یہ ابن اسحاق کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کوئی بھی ثقہ راوی کسی بھی مجہول راوی سے روایت کرے تو یہ روایت ضعیف کہلائے گی۔ اس راوی کی وجہ سے نہیں لیکن اس مجہول راوی کی وجہ سے مثلاً ابوحنیفہ کئی ایسے راویوں سے

روایات لاتے ہیں۔ جو کہ مجہول ہیں جس طرح علی بن حسین الرازی عبدالرحمٰن بن حزم، محمد بن منصور بن ابی سلیمان البلخی، یزید الطوسی، اور ام الہیثم یہ سب مجہول ہیں ان سب کو آپ کے علامہ محمد حسن السنبلی حنفی نے تنسیق النظام فی مسند الامام علی الترتیب صفحہ ۷۵۔۶۴۔۱۳۔۹۱، ۱۲۳ میں ذکر کیا ہے ان کے علاوہ یحییٰ بن عبداللہ الحمیری یزید بن خالد کا ترجمہ تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الاربعۃ صفحہ ۹۵۔۲۹۳ میں ہے۔اس طرح نافع بن درھم، ابو الہیثم پندی الکوفی ولاء بن داؤد بن علی المدنی، یونس بن زھران کا ترجمہ الاعلام برواۃ، الامام قلمی للسجد الامجد میں موجود ہے) اور اسحاق بن ثابت حکم بن زیادہ، شیبہ بن مساور المکی۔ ابو الوارث السلمی وغیرھم (الایثار بمعرفۃ رواۃ الاثار للحافظ ابن حجر علی الترتیب صفحہ ۲۶، ۱۳، ۲۲، ۵۷ المصور) کیا ان مجہول راویوں سے روایات لینے کی وجہ سے امام صاحب کو مجروح کہیں گے۔ آپ کے امام محمد کی بھی کئی روایات مجہول راویوں سے ہیں۔ مثلاً موطا محمد صفحہ ۷۷ میں ہے: قال محمد حدثنا الشیخ ابوعلی الخ اور یہ مجہول ہے۔ جس کے حال کا کوئی پتہ نہیں جس طرح کہ لکھنوی صاحب نے التعلیق المجد میں ذکر کیا ہے۔ پھر اس بناء پر امام محمد کو ضعیف کہا جائے گا؟ ابراہیم نخعی جو کہ آپ کے مذہب کا مرجع ہے اس کا بھی مجہول راویوں سے روایت کرنا عالم اشکار ہے حافظ صلاح الدین العلائی جامع التحصیل صفحہ ۸۸ میں بحوالہ امام بیہقی نقل کرتے ہیں۔ انا نجده يروى عن قوم مجهولين لا يروى عنهم غيره مثل، هنى بن نويره وجذامة الطائى وقر شع الضبى ويزيد بن اوس وغير هم پھر آپ اپنے مورث اعلیٰ کو بھی ضعیف کہیں گے؟

**ثانیاً:** ......جس طرح کہ فاتحہ خلف الامام والی روایت میں ابن اسحاق کسی ضعیف راوی سے روایت نہیں لائے لہٰذا ابن نمیر کا قول اس حدیث پر لاگو نہیں ہے

**ثالثاً:** ......ابن نمیر خود تصدیق کرتے ہیں کہ ابن اسحاق جو روایت ثقہ اور معروف راویوں سے لائے اور سماع کی تصریح کرے تو پھر وہ حسن الحدیث اور صدوق ہے۔ جس کا معنی کہ ابن اسحاق پر ابن نمیر جرح نہیں کرتے۔ ایضاً یہ حدیث جس کے متعلق بحث ہو رہی ہے۔ وہ ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ اور سماع کی تصریح بھی کی ہوئی ہے جس طرح اوپر گذرا۔ لہٰذا یہ حدیث ابن نمیر کے نزدیک حسن اور قابل قبول کہی جائے گی۔ وهو الرابع.

**خامساً:** ......ابن نمیر سے جو امام ابوحنیفہ کے متعلق قول منقول ہے وہ بھی قابل غور ہے کتاب الضعفاء للعقیلی صفحہ ۶۲۱ ج ۲ قلمی میں ہے حدثنا محمد بن ايوب قال حدثنا محمد بن عبدالله بن نمير قال سمعت ابى قال ادركت الناس ما يكتبون بحديث عن ابى حنيفة فكيف

الرأی" کیا اب مولوی صاحب ابن نمیر کے اس قول کو بھی قبول کریں گے؟

**سادساً**:...... خود ابن نمیر آپ کے نزدیک معتبر نہیں ہے چنانچہ آپ کے سلطان ابوبکر بن ایوب نے کتاب السہم المصیب فی الرد علی الخطیب جو کہ خاص طور پر امام ابوحنیفہ کے دفاع کے لیے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ صفحہ ۸۹ پر رقم کرتے ہیں کہ: هذا ابن نمير لم يعرف انه من الفقهاء اصلاً ولا من المحدثين المعتبرين المعتد باقوالهم" پھر جب اس کا قول آپ کے نزدیک معتبر نہیں ہے تو پھر اس کے قول سے ابن اسحاق کو مجروح کس طرح بناتے ہو؟

**سابعاً**:...... یہاں پر مولوی صاحب ابن نمیر سے اس طرح الفاظ نقل کرتے ہیں وہ مجہول راویوں سے غلط روایتیں نقل کرتا ہے اب بتائیے کہ یہ حدیث قرأت خلف الامام کس مجہول راوی سے ہے اور اس میں کون سی غلطی ہے ورنہ ایسے قول نقل کرنے سے کیا فائدہ؟

**ثامناً**:...... لکھنوی صاحب نے امام الکلام صفحہ ۲۷۸ میں بھی جواب دیا ہے کہ "واما قول ابن نمير انه يحدث عن المجهولين الخ فلو لم ينقل توثيقه وتعديله لتردد الامر في التهمة بها بينه وبين من نقلها عنه واما مع التوثيق والتعديل فالحمل فيها على المجهولين لا عليه واما الطعنْ على العالم بروايته عن المجهولين فقريب قد حكى ذلك عن سفيان الثوری وغيره واكثر ما فيه عن التفرقة بين بعض حديثه وبعض حديثه فيرد ماروا ه عن المجهولين ويقبل ما حمله من المعروفين" اس کلام سے تین جواب معلوم ہوئے۔ اول یہ کہ جرح تب شمار ہوگی جب ابن اسحاق کے حق میں توثیق اور تعدیل منقول نہ ہو۔ جس صورت میں توثیق ثابت ہو تو یہ جرح مجہول راویوں پر ہوگی نہ کہ ابن اسحاق پر۔ وهو الثانی.

سوم اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے راوی کی روایات جو ثقہ راویوں سے ہوں وہ لی جائیں گی اور جو مجہول راویوں سے ہوں۔ وہ نہیں لی جائیں گی۔ اس طرح یہ دس جواب ہوئے۔

ساتویں قول میں تاریخ بغداد اور تہذیب کے حوالے سے وہیب بن خالد کا قول نقل کرتے ہیں کہ "ابن اسحاق جھوٹا ہے۔"

**جواب**: ...... **اولا**: تاریخ بغداد میں یہ قول مذکور ہی نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے اس کا حوالہ اس طرح دیا ہے صفحہ ۲۲۷ ج ۱ بلکہ ہم نے پورا ترجمہ صفحہ ۲۱۴ ج ۲۳۴ ج ۱ تک اچھی طرح تلاش کیا ہے کہ وہیب بن خالد کا قول سرے موجود ہی نہیں ہے۔

**ثانیاً**:...... تہذیب میں بھی اس طرح منقول نہیں بلکہ مولوی صاحب کے دیے ہوئے حوالے صفحہ ۴۵ ج ۹

کے مطابق امام ابن المدینی کا قول ان کی تردید میں مذکور ہے کہ وہیب بن خالد نے اس بات میں ہشام بن عروہ کی تقلید کی ہے یعنی ان کی اپنی تحقیق نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ...... یہ تمام تر ابوقلابہ الرقاشی کی نقل پر محمول ہے۔ لہٰذا یہ نقل ثابت ہی نہ ہوئی۔

**رابعاً:** ...... امام ذہبی خود اپنی کلام میں اس کو رد کر چکے ہیں کمامر۔

**الحاصل:** ...... یہ وہیب کا اپنا قول نہیں ہے اور نہ ہی اس کا فیصلہ ہے۔

آٹھواں قول بحوالہ تہذیب جریر بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث روایت کریں گے''

**جواب:** ...... **اولاً:** تہذیب میں جریر بن عبداللہ کا کوئی ایسا قول نہیں۔ مولوی صاحب نے غلط لکھا ہے۔ بلکہ اس مقام پر جریر بن عبدالحمید سے منقول ہے اور یہ قول تاریخ بغداد صفحہ ۳۴۸۔ ۴۹ ج ۷ میں مذکور ہے جریر بن عبدالحمید سے راوی علی بن یونس المروزی ہے جس کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کون ہے کس کتاب میں اس کی تفصیل مذکور ہی نہیں ہے۔ ایسے مجہول کی نقل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا وھو الثانی

**ثالثاً:** ...... جریر بن عبدالحمید خود آپ کے نزدیک معتبر اور قابل قبول نہیں ہے آپ کے امام کوثری تانیب الخطیب صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں۔ وجریر بن عبدالحمید مضطرب الحدیث لا یصلح الا ان یکون راعی غنم عند سلیمان بن حرب وکان سیء الحفظ انفرد بروایته حدیث الاخر الموضوع والکلام فیه طویل الذیل ولیس هو ممن یساق خبره فی صدد سرد المحفوظ عند النقله الافی مذهب الخطیب۔"

**رابعاً:** ...... مولوی صاحب نے مکمل عبارت نقل نہیں کی کیونکہ اس سے انہیں نقصان ہوتا ہے مکمل عبارت اس طرح ہے قال جریر بن عبدالحمید ظننت انی اعیش الی دهر یحدث فیه عن محمد بن اسحاق ویسکت فیه عن الحسن بن عمارة (تهذیب صفحه ۳۰۶ ج ۲) دراصل یہ جرح نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مجھے ایک زمانہ دیکھنا پڑا کہ لوگ محمد بن اسحاق کی احادیث لے رہے تھے اور حسن بن عمارہ کی حدیث نہیں لیتے تھے۔ اس سے لغایۃً یہ معلوم ہوا کہ انہیں حسن بن عمارہ کی حدیث چھوڑنے پر خوشی نہیں اور نہ ہی اسحاق کی روایات پر ناراضگی ہے۔

**خامساً:** ...... خود جریر بن عبدالحمید ابن اسحاق سے روایات لیتا ہے اور اس کا راوی ہے۔ (کما فی التهذیب ۲۹ ج ۹) پھر اگر وہ اس سے روایت کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے تو خود کس طرح ان سے روایات لیں اور کیوں ان کا شاگرد بنا۔ ثابت ہوا کہ اس کا اعتراض ابن اسحاق سے روایات لینے پر نہیں ہے بلکہ صرف

حسن بن عمارہ کی تائید میں ہے اسی وجہ سے یہ قول تہذیب میں حسن بن عمارہ کے ترجمہ میں ہے نہ کہ محمد بن اسحاق کے ترجمہ میں۔ اسی طرح تاریخ بغداد میں ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قول صرف حسن بن عمارہ کی تائید میں ہے نہ کہ ابن اسحاق کی تردید میں ہے۔ وھو السادس

**سابعاً:** ...... اگر اس قول کو صحیح تسلیم کیا جائے تب بھی مولوی صاحب کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا کیونکہ پچانوے فیصد جرح وتعدیل کے علماء اس پر متفق ہیں کہ محمد بن اسحٰق کی روایت دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ خود جریر بن عبدالحمید کے قول سے ثابت کر رہے ہیں کہ لوگ عام طور پر اس سے احادیث لیتے رہے۔

**ثامناً:** ...... ابھی اوپر کوثری کی عبارت میں گذرا کہ جریر بن عبدالحمید ان کے نزدیک مجروح ہے اور مجروح کی جرح قابل قبول نہیں ہوتی۔ آپ کے حنفی اصول انھاء السکن صفحہ ۴۵۔۴۶ میں ہے کہ "منها ان يكون الجارح نفسه مجروحا فحينئذ لا يبادر الى قبول جرحه وكذا تعديله ما لم يوافقه غيره الخ۔ اس کے بعد ابن حجر اور ذہبی کے قول نقل کر کے کہتا ہے کہ "قال ابن حبان ومن المحال ان يجرح العدل بكلام المجروح" پھر اگر جریر کا یہ قول ابن اسحاق کے حق میں جرح قبول کی جائے تب بھی حنفیہ کے مسلم قاعدے کے مطابق قبول نہ ہوگا۔

**تاسعاً:** ...... حسن بن عمارہ کو عام محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے مثلاً امام احمد ابو حاتم، مسلم، نسائی، دار قطنی، ساجی عمرو بن علی اور یعقوب بن شیبہ اس کو متروک کہتے ہیں بلکہ ساجی کہتا ہے کہ "اجمع اهل الحديث على ترك حديثه" امام احمد اس کی احادیث کو موضوع کہتے ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں "كان يضع" سہیل کہتے ہیں "ضعيف باجماع منهم" (تهذيب صفحه ٣٠٦ سے ٢٠٨ ج ٢) ایسے شخص کے حق میں جریر بن عبدالحمید تعریف کرے اور اس کی احادیث کو چھوڑنے پر افسوس کرے یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔ یہ قرینہ خود اس نقل کو مشکوک بناتا ہے۔ اگر کہیں کہ اس سے یہ قول ثابت ہے تو جواب میں ہم بھی کہیں گے یہ قول اگر چہ ان سے ثابت ہو تب بھی ابن اسحاق کے حق میں مقبول نہیں ہے کیونکہ بڑے ناقدین سے ان کے حق میں توثیق منقول ہے مثلاً یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، بخاری اور ابن حبان وغیرہم بلکہ ابن برقی کا قول گزرا کہ علم حدیث والے امام ان کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے جس طرح تہذیب کے حوالے سے گزرا۔ وھو العاشرہ۔ تلك عشرة كاملة .

نواں قول بحوالہ تہذیب یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

**جواب:** ...... **اولا:** یہ جرح مبہم ہے انھاء السکن صفحہ ۴۳ میں لکھا ہوا ہے کہ ایسی جرح مقبول نہیں ہے امام یحییٰ القطان کے قول کے پہلے جواب میں یہ عبارت گزری۔

**ثانیا**: ...... ابن معین احناف کے نزدیک متعنت اور متشدد ہے جس طرح انھاء السکن صفحہ ۴۶ میں ہے ایسے شخص کی جرح بھی تمہارے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ جس طرح امام نسائی کے قول کے آٹھویں جواب میں گزرا۔

**ثالثا**: ...... خود ابن معین سے ابن اسحاق کی توثیق کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔ خود تہذیب صفحہ ۳۹ ج ۹ میں ہے قال المفضل الغلابی سألت ابن معین عنه فقال کان ثقه وکان حسن الحدیث" صفحہ ۴ ج ۹ میں ہے قال ابن ابی خشیمة عن ابن معین قال عاصم بن عمر بن قتادة لایزال فی الناس علم ما بقی ابن اسحاق صفحہ ۴۴ پر ہے قال یعقوب بن شیبه سألت ابن معین عنه فقلت فی نفسك من صدقة شیء قال لا هو صدوق وقال ابن ابی خیثمة سمعت ابن معین یقول محمد بن اسحاق لیس به باس " اب مولوی صاحب انصاف کریں کہ یہاں پر تعدیل مقدم ہوگی یا جرح۔ آپ حنفیوں کا اصول ہے کہ تعدیل مقدم ہونی چاہیے۔ کیونکہ جرح مبہم ہے اور یہ بغیر تفسیر بیان کے قبول نہیں ہوتی۔ انھاء السکن صفحہ ۴۲ میں ہے التعدیل یقبل مبهما دون بیان السبب الخ اور صفحہ ۴۵ پر ہے اذا اجتمع فی الراوی جرح وتعدیل فلو کانا مبهمین یقدم التعدیل کما قد منا وان کان الجرح مفسرا والتعدیل مبهما قد مام الجرح هذا هو الاصح عند الفقهاء والاصولیین اور صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں کہ وقد علمت ان قولهم ضعیف اولیس بشیء او واه بمرة وغیر ذالك کل من الجرح المبهم فلا یؤثر ذلك فیمن کان فیه تعدیلا وتوثیقا من احد " ثابت ہوا کہ یہ جرح مبہم توثیق کے مقابلے میں مقبول نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی انھاء السکن کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جن کے حق میں ایک امام سے توثیق ثابت ہو تو بھی اس کے حق میں لفظ ضعیف وغیرہ مقبول نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اس کی ثقاہت یا عدالت پر کوئی اثر کر سکتے ہیں وهو الرابع۔

**خامسا**: ...... ابن معین کا ایک قول تاریخ بغداد صفحہ ۲۳۱ ج ۱ میں یہ بھی ہے کہ قال یحییٰ بن معین ابن اسحاق ثبت فی الحدیث'' یہ زبردست توثیق ہے اوپر اس کا معنی بیان کیا گیا۔ لہٰذا ابن معین سے ابن اسحاق کی توثیق ہی راجح اور معتبر ہے۔

**سادسا**: ...... اوپر امام احمد کے قول کے آٹھویں جواب تاریخ ابن خلکان کی عبارت گذری کہ ابن معین، ابن اسحاق کی حدیث سے حجت لیتے تھے۔ پھر ان کا انہیں ضعیف کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

**سابعا**: ...... آپ کے لیے آپ کے گھر کا جواب ہی کافی ہے آپ کے مذہب کے امام ابن الہمام نے صاف واضح کر دیا ہے کہ ابن معین نے ابن اسحاق سے احادیث لی ہیں۔ جس طرح ان کی کتاب فتح القدیر

کی عبارت گزری اس میں الفاظ ہیں "واحتمله احمد وابن معين وعامة اهل الحديث"

**ثامنا:** ......خود امام بخاری کی عبارت گذری اس میں بھی لفظ ہیں وكذلك احتمله احمد ويحيىٰ بن معين وعامة اهل العلم"

**قارئین!** ......امام بخاری یحییٰ بن معین کا شاگرد ہے۔ان کی نقل سب سے مقدم ہے ان کے حق میں تقریب میں لکھا ہوا ہے کہ "جبل الحفظ وامام الدنيا" خود آپ کے حنفی بھائی امیر علی تقریب کے حاشیہ صفحہ ۳۴۵ میں لکھتے ہیں کہ "الا مام البخاری من كبارا لا ولياء وكان ظهوره معجزة النبوة حارت العقول شانه والف فی ثناء علیه خطب رضی الله تعالیٰ عنه وارضاه وادخلنا فی احبائه انه المولی نعم المجيب" لہذا مخلص اہل علم امام بخاری کی نقل کے بعد اپنے دل میں یہ قطعی فیصلہ کریں گے کہ ابن اسحاق ابن معین کے ہاں ثقہ ہے اس کی احادیث قبول اور لینے کے قابل ہیں وهو التاسع .

**عاشرا:** ......یہی الفاظ امام ابن معین سے آپ کے مذہب کے محرر اور جامع امام محمد بن الحسن الشیبانی کے حق میں مروی ہیں چنانچہ تاریخ بغداد صفحہ ۱۸۰ ج ۲ میں ہے کہ "سمعت يحيىٰ بن معين يقول محمد بن الحسن ضعيف" اور یہی قول لسان المیزان صفحہ ۱۲۲ ج ۵ میں بھی منقول ہے۔اب مولوی صاحب کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب کو ابن اسحاق کی طرح ضعیف کہیں گے یا یہاں پر کوئی تاویل کریں گے پھر یہ تاویل ابن اسحاق کے لیے بھی چل سکتی ہے۔

**الحادی عشر:** ......یحییٰ بن معین کی اپنی تاریخ بروایۃ ابی خالد الدقاق صفحہ ۱۲۱ میں ہے کہ "سمعت يحيىٰ يقول حيث يرويه ابو حنيفة عن موسى بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر عن النبی ﷺ من كان له امام فقراة الامام له قراة قال ليس هو بشی انما هو عبدالله بن شداد ." اب مولوی صاحب ابن معین کے قول پر یقین رکھتے ہوئے امام صاحب کے لیے کہیں گے کہ "ليس بشیء" یعنی کوئی چیز نہیں ہے۔مولوی صاحب اس روایت قرأة الامام له قراة کو اپنی بڑی دلیل بناتے ہیں۔جیسا کہ اس پر تفصیلی کلام ہو چکا۔لیکن ابن معین نے اس کا کام تمام کر دیا۔دیکھیں کہ مولوی صاحب ابن معین پر اعتبار کر کے اس حدیث سے دست بردار ہوتے ہیں یا نہیں؟ وهو الثانی عشر

**والثالث عشر:** ......امام ابن معین کے خاص شاگرد امام بخاری، یعقوب بن شیبہ، ابو حاتم اور ابو زرعہ دمشقی جو کہ بذات خود نقاد اور جرح وتعدیل کے فن کے امام شمار ہوتے ہیں۔انہوں نے ابن اسحاق کو ثقہ اور معتبر قرار دیا ہے جس طرح عبارتیں گزریں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ابن معین کا قول معتبر اور تحقیقی ہے

جس میں توثیق ہے۔

**والرابع عشر:** ...... آپ کے حنفی بھائی علامہ عبدالفتاح ابوغدہ حاشیہ الرفع والتکمیل صفحہ ۵۴ پر لکھتے ہیں کہ ”اما اذا جاء الجرح والتعديل من عالم واحد كما اتفق ليحيىٰ بن معين واحمد وابن حبان فان العمل على آخر القولين منهما وان لم يعلم فالوا جب التو قف كما ذكره الزركشي في علوم الحديث“ اور ابن اسحاق کی توثیق کے لیے ہم نے ابن معین کے اقوال نقل کیے ہوئے ہیں۔ اور مولوی صاحب نے جو تضعیف کا قول نقل کیا۔ اگر اس کو تسلیم کیا جائے تب بھی ابن معین سے دو قول کہے جائیں گے ایک میں جرح اور دوسرے میں تعدیل ہے۔ حنفی فیصلے کے مطابق دیکھنا ہے کہ ان میں سے آخری قول کون سا ہے تو وہ راجح سمجھا جائے۔ اس مقام پر نظر اس طرح آتا ہے کہ تعدیل کا قول آخری ہے۔ کیونکہ اس طرف متعدد اقوال ہیں اور دوسرا یہ کہ ان کے شاگرد تعدیل کے قول کو قبول کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ کہ یہی ان کا آخری فیصلہ ہے۔ اگر تسلیم کیا جائے کہ دونوں اقوال میں یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ پہلا قول کون سا ہے اور بعد والا کون سا۔

اس صورت میں حتمی فیصلہ یہ ہے کہ توقف کیا جائے۔ یعنی دونوں اقوال میں جرح اور تعدیل کو نہ لیا جائے تو پھر اس طرح بھی آپ کا ابن معین سے جرح کو نقل کرنا بے سود ہوگا اور ابن اسحاق اس سے بفضل اللہ آزاد ہوئے ان کے لیے اوروں کی توثیقات ہی کافی ہیں۔ وھو الخامس عشر.

مولوی صاحب نے تحفۃ الحدیث صفحہ ۸۷ پر ایک قاعدہ نقل کیا ہے اس کے مطابق ہم کہتے ہیں کہ اگر ابن معین سے جرح ثابت ہو تب بھی یہ ابن اسحٰق کے زمانے کا نہیں تھا۔ اور ان کے ہم عصر ابن مبارک، ابن عیینہ اور شیبہ وغیرہم اور جو بھی ان کے ہم عصر ہیں۔ انہوں نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ لہٰذا ان کا قول مقدم کہا جائے گا۔ خاص طور پر امام زہری جو ان کا استاد بھی ہے ان کا موصوف کے حق میں تعریف کرنا جیسا کہ اوپر گذرا ان کے لائق ہے وھو السادس عشر.

**السابع عشر:** ...... علامہ لکھنوی الرفع والتکمیل صفحہ ۱۱۳۔۱۱۴ میں فرماتے ہیں کہ ”كثيرا ما تجد الاختلاف عن ابن معين وغيره من الائمة النقد في حق راو وهو قديكون لتغير الاجتهاد وقد يكون الاختلا ف كيفية السوال قال الحافظ ابن حجر في بذل الما عون في فضل الطاعون وقد وثقه اى ابا بلج يحيىٰ بن معين والنسائي محمد ابن سعد والدار قطني ونقل ابن الجوزي عن ابن معين انه ضعفه فان ثبت ذالك فقد يكون سئل عنه وعمن فوقه فضعفه بالنسبة اليه وهٰذه قائدة جليلة فيمن اختلف

النقل عن ابن معین فیہ نبہ علیہا ابو الولید الباجی فی کتابہ رجال البخاری:

**صفحہ ۸۶:** ...... دسواں قول امام ترمذی کی کتاب العلل کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ''بعض لوگوں نے محمد بن اسحاق پر حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے کلام کیا ہے۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** بعض لوگوں سے کیا مراد ہے؟ ایسے مجہول قول سے ایسے شخص کی روایت کو رد کرنا جس کے حق میں مشہور و معروف ائمہ جرح و تعدیل بخاری، ابن المدینی وغیرھم جیسی عظیم شخصیات کی توثیق موجود ہو۔ صحیح نہیں ہے۔

**ثانیاً:** ...... امام ترمذی کی عبارت اس طرح ہے ''وھکذا تکلم بعض اھل الحدیث فی سھیل بن ابی صالح ومحمد بن اسحاق وحماد بن سلمۃ ومحمد بن عجلان واشباہ ھؤلآءِ من الآئمۃ انما تکلّمُوا فیھم من قبل حفظھم فی بعض ما رووا وقد حدث عنھم الآئمۃ (العلل الملحق بالسنن للترمذی صفحہ ۲۳۷ ج۲) امام ترمذی نے کچھ بھی بیان نہیں کیا کہ کون ؒسا کلام کیا ہے اس وجہ سے جرح پھر بھی مبہم رہی اور یہ قابل قبول نہیں ہے۔ کما تقدم۔

**ثالثاً:** ...... من قبل حفظہ بھی قابل اعتراض ہے۔ کیونکہ اوپر امام شعبہ سے نقل ہوا کہ وہ ابن اسحاق اس کے زیادہ حفظ کی وجہ سے انہیں امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیتے ہیں۔

**رابعاً:** ...... امام بخاری نے ابن اسحاق کی تعریف اس طرح کی ہے محمد بن اسحاق ینبغی ان یکون لہ الف حدیث ینفرد بھا لا یشارکہ فیھا احد. (تاریخ بغداد صفحہ ۲۲۷ ج۱ التہذیب صفحہ ۴۲ ج۹) پھر جس کے حفظ اور علم کی یہ شان ہو اس کے حفظ پر اعتراض کس قدر صحیح ہے؟ خود حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۸۲ ج۱ میں انہیں الامام الحافظ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس طرح ابو معاویہ فرماتے ہیں ''کان ابن اسحاق من احفظ الناس'' (تہذیب صفحہ ۴۰ ج۹) ابن حبان کی عبارت میں الفاظ ذکر ہوئے کہ ''علم اور حفظ میں ان کے برابر کا کوئی شخص نہ تھا۔ وھو الخامس.

**سادساً:** ...... مجرد کلام کے لفظ سے ثقہ راوی کو مجروح نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ امام بخاری کے کلام میں گزرا کہ ''لم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس ''جس کا مطلب یہ کہ بعض لوگوں کی کلام مشکل سے کوئی چھوٹ سکے۔ لہٰذا جرح وہ قول شمار ہوگا جو دلیل سے ہو۔ امام بخاری کی کلام میں یہ لفظ تھے کہ ''ولم یلتفت اھل العلم فی ھذا النحو الا ببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الا ببرھاَن وحجۃ'' یہاں نہ برہان ہے نہ حجت۔

**سابعاً:** ...... امام ترمذی اس کے لیے مطلق کلام بھی شمار نہیں کرتے بلکہ ان کے الفاظ ہیں: ''وانما

تکلموا فیهم من قبل حفظهم فی بعض ما روی " یعنی ان کی بعض روایات میں کلام ہے۔اب مولوی صاحب ثابت کریں کہ اس حدیث یعنی قرأت خلف الامام والی میں بھی کوئی کلام کیا گیا ہے؟ اگر نہیں تو یہ حدیث سالم کہی جائے گی۔ اوپر ثابت ہوا کہ امام ترمذی خود اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ اس حدیث میں کوئی کلام نہیں ہے۔ وهو الثامن۔

**تاسعاً**:...... امام ترمذی خود اس قول کو رد کرتے ہیں کہ "وقد حدث عنهم الائمة "جس کا معنی یہ کہ ائمہ حدیث نے ابن اسحاق کی احادیث کو نہیں چھوڑا۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی ایسا مؤثر اور قادح کلام نہیں ہے جس سبب ان کی روایت چھوڑی جائے۔ وهو العاشر۔

**الحادی عشر**:...... خود امام ترمذی اس کو جرح شمار نہیں کرتے بلکہ ابن اسحاق کو ثقہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام موصوف اپنی سنن صفحہ ۱۷۔ ۱۶ ج ۱۔ باب فی المذی یصیب الثوب ، کتاب الطهارة میں ایک حدیث لاتے ہیں جس کی سند میں ابن اسحاق کا واسطہ ہے پھر فیصلہ دیتے ہیں کہ "هذا حديث حسن صحيح لا نعرف مثل الا من حديث محمد بن اسحاق فی المذی مثل هذا" ثابت ہوا کہ امام ترمذی ابن اسحاق کو ثقہ اور حجت سمجھتے ہیں تو ان کی حدیث کو حسن اور صحیح جیسی اعلیٰ صفات سے نوازتے ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک اعلیٰ درجے کی صحیح ہے۔ بلکہ قابل غور بات یہ ہے کہ امام ترمذی یہ تصریح بھی کرتے ہیں کہ اس حدیث کو روایت کرنے میں ابن اسحاق اکیلا اور منفرد ہے پھر بھی ان کی حدیث کو حسن اور صحیح کہنا اس میں دلیل ہے کہ ابن اسحاق اگرچہ منفرد ہے ان کی کوئی متابعت نہیں ہے تب بھی ان کی حدیث حجت اور قابل قبول ہے وهو الثانی عشر۔

**الثالث عشر**:...... علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری صفحہ ۳۷ ج ۱۷۔ المنیریۃ میں لکھتے ہیں کہ "واحتجت به الاربعة" یعنی سنن اربعہ والوں۔ نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ ان چاروں آئمہ نے ابن اسحاق کی حدیث کو حجت بنایا ہے۔ ثابت ہوا کہ امام ترمذی ان کے حق میں جرح کرنے والے نہیں۔

**والرابع عشر**:...... اس عبارت میں جن میں کلام کا ذکر ہے ان میں محمد بن عجلان بھی ہے۔ جو ابوہریرہ والی حدیث "واذا قرأ فانصتوا" کا راوی ہے۔ جس کو مولوی صاحب نے تحفۃ الحدیث صفحہ ۳۱ پر اپنی دوسری دلیل بنایا ہے جس پر مکمل بحث گزر چکی ہے پھر اگر امام ترمذی کی اس عبارت کی وجہ سے مولوی صاحب ابن اسحاق کو ضعیف کہتے ہیں تو پھر محمد بن عجلان کو بھی ضعیف کہیں اور ان کی حدیث "واذا قرأ فانصتوا" سے دستبردار ہوں جائیں۔

**الخامس عشر**:...... امام ترمذی، امام بخاری کے مشہور شاگرد ہیں، ان سے اسماء الرجال اور علل الحدیث

میں کافی معلومات حاصل کی ہیں۔ خود کتاب العلل کے شروع (صفحہ ۳۳۵ ج ۲) میں تصریح کرتے ہیں "وما کان فیہ من ذکر العلل والاحادیث والرجال والتاریخ فھو ما استخرجتہ من کتاب التاریخ واکثر ما ناظرت بہ محمد بن اسماعیل" جابجا اپنی سنن میں امام بخاری سے اقوال نقل کرتے رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "لم ار أعلم بالعلل والا سانید من محمد بن اسماعیل "بخاری" (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۵) امام بخاری کی وفات کے بعد روتے تھے یہاں تک کہ وہ نابینا ہو گئے (تہذیب صفحہ ۳۸۹ ج ۹) اوپر امام بخاری کلام ذکر ہوا جو انہوں نے جزء القراۃ میں ابن اسحاق کی توثیق اور ان کے دفاع میں تقریباً پورا صفحہ بھرا ہے۔ کیا یہ امام ترمذی سے مخفی تھا؟ ہرگز نہیں جس سے ثابت ہوا کہ امام ترمذی ابن اسحاق کو ثقہ مانتے تھے۔

**السادس عشر:** ...... یہ جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں امام ترمذی کا اپنا فیصلہ نہیں تھا۔ بلکہ نقل تھا۔ امام ترمذی دوسری نقل بھی لائے ہیں چنانچہ سنن ترمذی صفحہ ۲۹ ج ا باب فضل الاذان ابواب الصلوۃ میں ہے قال ابو عیسی سمعت الجارود یقول سمعت وکیعا لو لا جابر الجعفی لکان اھل الکوفہ بغیر حدیث ولو لا حماد لکان اھل الکوفۃ بغیر فقہ" جابر جعفی مشہور ضعیف راوی ہے خود امام ترمذی اس قول کے بعد فرماتے ہیں کہ جابر الجعفی ضعفوہ ترکہ یحیی بن سعید وعبدالرحمن بن مھدی اور انہیں شعبی، زائدہ، لیث بن ابی سلیم، ابن عینہ ابن معین وغیرہم کذاب کہتے ہیں بلکہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں "ما لقیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی" یعنی ان جیسا جھوٹا دوسرا میں نے نہیں دیکھا (تہذیب صفحہ ۴۷ سے ۴۹ ج ۲) اب اس قول سے معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کا صدر اور مرکز کوفہ شہر ہے۔ اس میں جو بھی احادیث ہیں وہ سب جھوٹے راوی کی ہیں۔ اب مولوی صاحب بتائیں کہ کیا اس نقل پر اعتماد کریں گے؟

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد کرتے<br>
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

**گیارھواں:** ......قول علامہ ذہبی کے تذکرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "ابن اسحاق کی روایت صحت کے درجے سے گری ہوئی حلال اور حرام کے مسائل میں یہ دلیل نہیں بن سکتی"۔

**جواب:** ...... **اولا:** امام ذہبی نے ابن اسحاق کی حدیث کے حسن ہونے کا انکار نہیں کیا۔ حسن حدیث بھی احتجاج اور دلیل لینے میں صحیح حدیث کے ساتھ شریک ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی مشہور کتاب نخبۃ الفکر صفحہ ۳۳ میں ہے "وھذا القسم من الحسن مشارك للصحیح فی الاحتجاج بہ وان کان

دونـہ" (یعنی یہ حسن کی قسم احتجاج اور دلیل لینے میں صحیح کے شریک ہے اگر چہ اس سے کم ہے) آپ کے علامہ ملا علی القاری شرح النخبۃ صفحہ ۷۳ میں اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ " ای فـی اصـل الاستدلال والعمل به ولهذا ادرجته طائفة من المحدثين فى نوع الصحيح " (یعنی اس سے استدلال لینے میں محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح کی قسم میں داخل کیا ہے)

**ثانیاً:** ......تذکرۃ الحفاظ"صفحہ ۱۷۲۔۱۷۳ ج ۱" میں امام ذہبی نے ان کی تعریف اور توثیق میں فرمایا ہے۔ اس کو ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ شروع میں الامام الحافظ کہتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ "كان احداوعية العلم" اور کہتے ہیں کہ "هو صدوق فى نفسه مرض " اور کہتے ہیں "ولا بالواهى " جس کا معنی یہ کہ وہ انہیں ضعیف نہیں کہتے بلکہ انہیں حسن الحدیث قرار دیتے ہیں۔

**ثالثاً:** ......اپنی دوسری کتب میں تصریح کرتے ہیں کہ "حسن الحدیث" ہے چنانچہ الکاشف صفحہ ۱۹ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "حديثه حسن وقد صححه جماعة "اس قول کو لکھنوی صاحب نے بھی امام الکلام صفحہ ۲۶۳ میں ذکر کیا ہے اور امام ذہبی دیوان الضعفاء صفحہ ۲۶۵ میں فرماتے ہیں کہ "محمد بن اسحاق بن يسار ثقة ان شاء الله صدوق احتج به خلق من الائمة ولا سيما فى المغازى " المغنی صفحہ ۵۵۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں احد الا علام صدوق قوى الحديث امام لا سيما فى السير " اور کتاب ذكر اسماء من تكلم فيه وهو موثق صفحہ ۲۴ قلمی میں انہیں صدوق کہتے ہیں۔ العبر فى خبر من غبر صفحہ ۲۱۶ ج ۱ میں فرماتے ہیں "كان بحرا من بحور العلم ذكيا حافظا طلاباً للعلم اخبار بانسابه علامة " اور دولۃ الاسلام صفحہ ۷۹ ج ۱ میں سنہ ۱۵۱ھ کے متعلق لکھتے ہیں "وفيهامات محمد بن اسحاق بن يسار المدنى صاحب السيرة الذى يقول فيه شعبة كان ابن اسحاق امير المؤمنين فى الحديث" اور میزان الاعتدال صفحہ ۲۱ سے ۲۴ ج ۳ میں ان کا ترجمہ مذکور ہے ابتدا میں فرماتے ہیں "احد الائمة الا علام " اور اقوال نقل کرتے ہوئے امام مالک ہشام اور القطان کے اقوال کو رد کرتے ہیں آخر میں فرماتے ہیں "فالذى يظهر لى فى ابن اسحاق حسن الحديث صالح الحال صدوق وما انفرد به ففيه نكارة فان فى حفظه شيئا قدا حتج به ائمة والله اعلم وقد استشهد به مسلم بخمسة احاديث لا بن اسحاق ذكر فى صحيحه امام ذہبی کی سب عبارتوں سے ظاہر ہوا کہ وہ حسن الحدیث ہے۔ یہ بھی قبول کرتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت ان کی حدیث کو صحیح مانتی ہے۔ وهو الرابع

**وخامساً:** ......انہیں سیرت اور مغازی کے علاوہ بھی علم حدیث کا امام مانتے ہیں۔ جس طرح کہ ان کے

قول"امام لا سیما فی السیر" اس پر دلالت کرتا ہے۔

**سادساً:**......صدوق کہنے سے ان کی طرف کذب کی نسبت کو غلط ثابت کرتے ہیں۔

**سابعاً:** ...... یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ کئی حدیث کے امام ان سے روایت میں حجت لیتے ہیں۔ دیوان الضعفآء کی عبارت سے واضح ہے کہ مغازی کے علاوہ دیگر احادیث کو بھی حجت سمجھتے ہیں۔ وھو الثامن

**وتاسعاً:**......انہوں نے انفراد کے متعلق جو لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی روایات میں کئی افراد ہیں۔

کیونکہ بڑے علم والے کے پاس کئی اتنی روایات ہوتی ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتیں۔ امام بخاری کا قول اوپر گذرا کہ ابن اسحاق کی یہ شان ہے کہ ان کے پاس ایسی ہزاروں روایات ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔

**عاشراً:** ......اگر اس سے قبول کیا جائے کہ ابن اسحاق جن روایات میں منفرد ہے۔ ان میں منکر روایات بھی ملتی ہیں تب بھی یہاں پر مضر نہیں کیونکہ صرف وہ روایات رد کی جائیں گی۔ جن میں نکارت ہوگی اور مولوی صاحب ایسی نکارت اس میں ثابت نہیں کر سکتے۔

**والحادی عشر:** ......کسی راوی کی روایات میں کچھ مناکیر ہوں تو اس کی وجہ سے وہ ضعیف نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ وہ منکر روایت رد کی جائیں گی۔ خود امام ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۵۶ ج۱ میں ایک ترجمہ اس طرح ذکر کرتے ہیں "احمد بن عتاب المروزی عن عبدالرحیم بن زید العمی قال احمد بن سعید بن معدان شیخ صالح روی الفضائل والمناکیر قلت ماکل من روی المناکیر بضعیف" اور انھاء السکن صفحہ ۶۳ میں یہ عبارت ذکر کی گئی ہے اور اس قاعدے پر مکمل زور نہیں دیا گیا۔ اس طرح آپ لکھنوی صاحب الرفع والتکمیل صفحہ ۹۳ پر ذہبی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ پھر صفحہ ۹۴ پر لکھتے ہیں "قال السخاوی فی فتح المغیث قال ابن دقیق العید فی شرح الا لھام قولھم روی مناکیر لا یقتضی بمجردہ ترك روایته حتی تکثر المناکیر فی روایته وینتھی الی ان یقال فیه منکر الحدیث لان منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترك لحدیثه والعبارۃ الا خری لا تقتضی الدیمومة کیف وقد قال احمد بن حنبل فی محمد بن ابراھیم التیمی یروی احادیث منکرۃ وھو ممن اتفق علیه الشیخان والیه المرجع فی حدیث انما الا عمال بالنیات.

**والثانی عشر:** ...... اس حدیث کے شروع میں ہم امام ذہبی کی کتاب المھذب فی اختصار السنن الکبیر

سے ان کا قول نقل کر چکے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے ثابت ہوا کہ جن روایات میں امام ذہبی کو نکارت یا منکر ہونے کا شبہ ہے یہ حدیث ان میں سے نہیں ہے وھو المطلوب۔

**والثالث عشر:** ...... اگر ان سب باتوں سے اغماض کیا جائے تب بھی یہ حدیث صرف ابن اسحاق کے واسطہ سے نہیں آئی بلکہ اس میں اور معتبر راوی متابع ہیں۔ جس طرح آگے چل کر بیان ہوگا۔ لہٰذا امام ذہبی کے اس قول کا کوئی بھی مطلب ہو۔ لیکن وہ اس حدیث پر لاگو نہیں ہوتا۔

**والرابع عشر:** ...... ذہبی کا قول "ان فی حفظه شیئا" خود ذہبی کا اپنا قول اس کے معارض ہے جو خود تذکرہ میں انہیں الحافظ کہتے ہیں۔ اوپر ذکر ہوا کہ انہیں احفظ الناس بھی کہا گیا ہے امام شعبہ بھی انہیں امیر المومنین فی الحدیث بھی ان کے حافظے کی وجہ سے کہتے ہیں۔

**والخامس عشر:** ...... یہ حدیث کسی چیز کے حرام یا حلال ہونے کا حکم نہیں بتاتی لہٰذا ذہبی کے قول سے یہ بالاتر ہے کیونکہ مولوی صاحب خود نقل کرتے ہیں کہ حلال اور حرام کے مسائل میں ان کی روایت دلیل نہیں بن سکتی۔ لہٰذا ایسی جو بھی احادیث ہوں مولوی صاحب کے قاعدے کے مطابق انہیں اگرچہ دلیل نہ بنائیں لیکن اس حدیث سے انکار کرنے کے لیے مولوی صاحب کو کون سا حق حاصل ہے۔

**والسادس عشر:** ...... امام ذہبی کتاب مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحب صفحہ ۲۷ پر امام صاحب کے متعلق فرماتے ہیں "فصل فی الاحتجاج بحدیثه اختلفوا فی حدیثه علی قولین فمنهم من قبله ورآه حجة ومنهم من لینه لکثرة غلطه فی الحدیث لیس الا" کیا اب مولوی صاحب امام ذہبی کے اس قول کو بھی مانیں گے یا صرف اسماء الرجال کے فن سے ہی کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کریں گے۔

قارئین: ...... امام ذہبی کے دونوں جملے آپ کے سامنے ہیں۔ امام ابن اسحاق کے متعلق فرماتے ہیں ان فی حفظه شیئا یعنی ان کے حافظے میں کوئی چیز ہے، امام ابوحنیفہ کے متعلق فرماتے ہیں "لکثرة غلطه فی الحدیث" یعنی احادیث روایت کرنے میں بہت غلطیاں کرتے تھے۔ شرح النخبۃ صفحہ ۵۹ پر ہے "فمن فحش غلطه او کثرة غفلته او ظهر فسقه فحدیثه منکر" اور متن میں فرماتے ہیں: "ثم الطعن اما ان یکون لکذب الراوی او تهمة بذالك او فحش غلطه" شرح میں فرماتے ہیں کہ "ای کثرته" اور جس کے حفظ میں کچھ کمی ہوتی ہے تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔ جیسا کہ شرح النخبۃ صفحہ ۳۳ میں ہے "فان خف الضبط ای قل یقال خف القوم خفوا فاقلوا والمراد مع بقیة الشروط المتقدمه فی حد الصحیح فهو حسن لذاته" اور دونوں کے معیار کو دیکھیں امام ذہبی کے کلام کی روشنی میں دونوں کو تولیں اور پرکھیں۔ ایسا فیصلہ امام ذہبی سے قبل کے

لوگ بھی دے چکے ہیں۔

مثلاً: امام ابن حبان کی کتاب الثقات کی عبارت گزری وہ ابن اسحاق کے متعلق فرماتے ہیں "لم یکن احد بالمدینة یقارن، ابن اسحاق فی علمه ولا یوازیه فی جمعه وکان شعبه وسفیان یقولان محمد بن اسحق امیر المومنین فی الحدیث ومن احسن الناس سیاقا فی الاخبار واحسنهم حفظا لمتونها " یہ سب ان کے قوت حافظہ، اتقان، وسعت علمی اور صحت روایت کا ذکر ہے وہی امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۶۳ ج ۳ میں امام ابوحنیفہ کے متعلق فرماتے ہیں "لم یکن الحدیث صناعته حدث بمائة وثلاثین حدیثا مسانید ماله حدیث فی الدنیا غیرها اخطأ منها فی مائة وعشرین حدیثا اما ان یکون اقلب اسناده وغیر متنه من حیث لا یعلم فلما غلب خطأه علی صوابه اسحق ترك الاحتجاج به فی الاخبار. " الغرض امام ذہبی کا کلام مولوی صاحب کے لیے بیحد مہنگا ہے۔

**بارھواں قول:**...... درایہ کے حوالہ سے ابن حجر کا قول نقل کرتے ہیں کہ "ابن اسحاق کی روایت احکام میں دلیل نہیں بن سکتی خاص طور پر جب روایت کرنے میں اکیلا ہو اور جب کوئی معتبر راوی ان کی مخالفت کرے تو ابن اسحاق کی روایت توجہ کے لائق نہیں۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** درایہ کی مکمل عبارت مولوی صاحب نے نقل نہیں کی۔ ترجمہ بھی صحیح نہیں کیا۔ عبارت اس طرح ہے ایک روایت لانے کے بعد لکھتے ہیں "هذا بخلاف ما رواه جابر وابن الزبیر وابن اسحاق لا یحتج به ما ینفرد به من الاحکام فضلا عما اذا خالفه من هو اثبت منه۔ واللہ اعلم اول اس میں یہ بات ہے کہ جابر صحابی کی حدیث مسلم میں ہے حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ان کے خلاف ابن اسحاق اکیلے کی روایت قبول نہ ہوگی ایسی صورت یہاں بھی دکھائیں۔

**ثانیاً:** ......اس حکم میں ابن اسحاق اکیلا نہیں ہے لیکن ان کے ساتھ دوسری جماعت بھی ہے کما سیأتی۔ لہٰذا حافظ صاحب کا یہ قول اس حدیث پر لاگو نہیں ہے کیونکہ خود حافظ صاحب اس حدیث کی تصحیح کر چکے ہیں جیسا کہ تلخیص الحبیر کے حوالے سے عبارت نقل کی گئی۔ وهو الثالث

**رابعاً:**......خود اسی درایہ صفحہ ۹۴ میں یہ حدیث ابو داؤد والی قرأت خلف الامام کے باب میں لائے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں اخرجه ابو داؤد باسناد رجاله ثقات وبهذا یجمع الادلة المثبتة للقرأة والنافیة لها واللہ اعلم" اس عبارت میں حافظ صاحب دونوں باتیں سمجھا گئے۔ اول یہ کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں لہٰذا حافظ صاحب کے نزدیک ابن اسحاق ثقہ کہا جائے گا۔ دوسرا کہ یہ فیصلہ بھی ابو داؤد

کی سند کے لیے دیتے ہیں۔ جس کو نقل کر کے مولوی صاحب نے جرح شروع کی ہے۔ تیسرا یہ کہ یہی حدیث ہے جس سے دونوں اطراف کے دلائل (یعنی قرأت کے اثبات اور نفی سب) میں تطبیق آ جاتی ہے۔ یعنی آپ مقتدیوں کو فرماتے ہیں۔ فلا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب " ثابت ہوا کہ الحمد کی ممانعت نہیں ہے بلکہ جہری نماز میں الحمد سے زائد پڑھنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ الحمد کے لیے صریح حکم موجود ہے پھر جس حدیث کو حافظ صاحب صحیح ثابت کر رہے ہیں۔ اور اس کو فریقین کے دلائل کے لیے حکم اور ثالث قرار دے رہے ہیں اس کو رد کرنے کے لیے خود اس حافظ صاحب کا سہارا لیا جائے انتہائی سینہ زوری ہے وھو الخامس۔

**سادساً:** ...... حافظ صاحب کا کلام دوسری کتاب میں بھی ہے چنانچہ تہذیب صفحہ ۴۱ ج ۹ میں بحوالہ ابن المدینی اور صفحہ ۴۶ ج ۹ میں بحوالہ ذہبی ابن اسحاق کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں اور التلخیص الحبیر "صفحہ ۲۳۱ ج ۱" میں ابن اسحاق کی یہ حدیث یعنی قرأۃ خلف الامام والی نقل کرتے ہیں اور محدثین ابو داؤد وغیرہ سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ لسان المیزان صفحہ ۱۸۳ ج ۶ میں ان کے حق میں کہتے ہیں "احد الائمة الاعلام" مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۵۸ میں لکھتے ہیں، مختلف فی الاحتجاج والجمھور علی قبولہ فی السیر قد استفسر من اطلق علیه الجرح فبان ان سببه غیر قادح " اس سے معلوم ہوا کہ اگر چہ اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے لیکن حافظ صاحب اس کے حجت ہونے کو ترجیح دیتے ہیں حافظ ابن حجر القول المسدد صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں "ان الائمة قبلوا حدیثه واکثر ما عیب فیه التدلیس والروایة عن المجهولین واما هو فی نفسه فصدوق وهو حجة فی المغازی عند الجمهور " یہ دونوں اعتراض کارگر نہیں۔ کیونکہ انہوں نے سماع کی تصریح کی ہے کما تقدم۔ لہٰذا تدلیس والا اعتراض نہ رہا اور یہ حدیث کسی مجہول راوی سے نہیں ہے بلکہ ثقات سے ہے لہٰذا یہ دونوں اعتراض مضر نہیں ہیں۔ بلکہ حافظ صاحب نے صدوق کہہ کر ان کی تعدیل کی ہے حافظ صاحب فتح الباری صفحہ ۱۶۳ ج ۱۱ سلفیہ میں ابن اسحاق کے متعلق فرماتے ہیں "لکن ما ینفرد به وان لم یبلغ درجة الصحیح فهو فی درجة الحسن اذا صرح بالتحدیث " حافظ صاحب تقریب میں لکھتے ہیں کہ "محمد بن اسحاق بن یسار ابو بکر المطلبی مولا هم المدنی نزیل العراق امام المغازی صدوق یدلس ورمی بالتشیع والقدر۔

**قارئین!** ...... حافظ ابن حجر کی کتاب تقریب التہذیب ان کی کتاب تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہے تہذیب میں جو راویوں کے متعلق اقوال ہیں۔ ان کی تحقیق اور چھان بین کر کے جو کچھ حق اور انصاف نظر آیا ہے وہ تقریب میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مقدمہ میں فرماتے ہیں "وهی انی احکم علی کل شخص منهم

بحكم يشمل اصح ما قيل فيه واعدل ماوصف به بالخص عبادة واخلص اشارة۔"

ابن اسحاق کے متعلق جو اقوال حافظ صاحب نے تہذیب میں نقل کیے ہیں۔ ان میں تحقیق کر کے چار یا تین نقل کیے ہیں جن میں سے دو پہلے فیصلے کے طور پر کہے ہیں۔ دو کو بغیر فیصلے کے نقل کیا ہے۔ ان کا پہلا فیصلہ ہے کہ "هو صدوق" یعنی سچا ہے جس کا معنی کہ ان کی طرف جو کذب وغیرہ کی نسبت کی ہے وہ غلط ہے۔ نیز صدوق راوی کی روایت حجت اور قابل قبول ہے چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال کے آغاز صفحہ ۳ ج ۱ میں فرماتے ہیں "فاعلى العبارات فى الرواة المقبولين ثبت حجة وثبت حافظ وثقه متقن وثقة ثم ثقة صدوق ولا بأس به الخ حافظ صاحب نے انہیں ثقہ بھی کہا ہے جیسا کہ درایہ کی عبارت سے معلوم ہوا اور ثقہ کی روایت کے حجت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ دوسرا فیصلہ ان کا یہ ہے۔ کہ ابن اسحاق تدلیس کرتا ہے۔ لیکن جس طرح کہ اس حدیث میں حدثنی کہہ کر سماع کی تصریح کی ہے لہٰذا ان کی حدیث قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ مقبول اور حجت ہے۔ دوسری دو باتیں یہ کیں ہیں کہ "رمى بالتسيع والقدر"

**اولاً:**...... رمی صیغہ مجہول ہے نامعلوم کہ کس نے ان پر الزام لگایا ہے اس کا الزام معتبر ہے یا نہیں حافظ صاحب کے نزدیک یہ الزام معتبر نہیں ہے ورنہ اس کے متعلق فیصلہ دیتے۔ بلکہ نقل کا حوالہ تمریض کے صیغہ سے دیا ہے جو کہ اکثر طور پر غیر ثابت بات کے لیے کہا جاتا ہے۔

**ثانیاً** ...... پوری تہذیب میں کوئی بھی ایسا قول نہیں جس سے ان کا تشیع سمجھا جائے۔ نہ میزان میں نہ ضعفاء عقیلی میں، نہ تاریخ بغداد میں کس کا قول ہے۔ بلکہ خطیب کا اپنا قول ہے کہ انه كان يتشيع "لیکن اس کے لیے بھی کوئی دلیل یا ثبوت پیش نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ناقد سے نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ نسبت صحیح نہیں ہوئی۔

**ثالثاً** ......قدریہ کے متعلق ان کی طرف نسبت مردود اور مدفوع ہے۔ خود ابن نمیر جس سے مولوی صاحب نے جرح نقل کی ہے وہ خود کہتا ہے كان محمد بن اسحاق يرمى بالقدر وكان بعد الناس (تاریخ بغداد صفحہ ۲۶۔ ۲۲۵ ج ۱) یعنی تقدیر کے الزام سے دور تھا۔ یہی عبارت "امام ابن سید الناس عیون الاثر صفحہ ۹ ج ۱" میں "حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۲۱ ج ۳" اور حافظ ابن حجر تہذیب صفحہ ۴۲ ج ۹ میں لائے ہیں۔

**رابعاً:** ......شیعہ مذہب کے اسماء الرجال کی کتب ہمارے پاس موجود ہیں لیکن کوئی بھی ابن اسحاق کو شیعہ یا امامیہ شمار نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں عامی اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کا شیخ الطائفۃ ابو جعفر الطّوسی احوال الرجال الشیعہ صفحہ ۴۷ قلمی میں لکھتے ہیں کہ "محمد بن اسحاق المدنى صاحب السيرة عامى"

اور ابوعمر الکشی اپنی کتاب رجال الکشی صفحہ ۳۲۳ میں لکھتے ہیں "محمد بن اسحاق و محمد بن المنکدر و عمر و بن خالد الواسطی و عبد الملك بن جریج والحسین بن علوان الکلبی هٰؤلآء من رجال العامة الا ان لهم میلا و محبة شدیدة" ثابت ہوا کہ انہیں شیعہ جماعت سے باہر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ عام اس کو کہتے ہیں جو ان کی جماعت شیعہ سے باہر ہو۔ خود ابوجعفر الطوسی کی کتاب الاستبصار میں جابجا یہ بیان ہے خاص طور پر صفحہ ۶۵۔ ۶۶ ج ۱ میں ایک روایت علی رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں۔ جس میں وضو کرتے پاؤں دھونے کا ثبوت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وضو کر رہے تھے آخر میں لفظ ہیں "وغسلت قدمی فقال لی یا علی خلل بین الاصابع لا تخلل بالنار" اس روایت پر اس طرح کلام کرتا ہے "فهذا خبر موافق للعامه وقد ورد مورد التقیة لان المعلوم الذی لا یخالف فیه الشك من مذاهب ائمتنا علیهم السلام القول بالمسح علی الرجلین وذلك اشهر من ان ید خل فیه شك او ارتیاب بیّن ذلك ان رواة هذا الخبر کلهم عامة ورجال الزیدیة وما یختصون بروایة لا یعمل به علی ما بیّن فی غیر موضع" ثابت ہوا کہ یہ عامی اس کو کہتے ہیں جو سنی ہو اور شیعہ نہ ہو۔

**خامساً**: ...... آپ کا امام کوثری حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۳۲۸ میں حافظ ابن حجر کو متعصب ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا آپ حافظ صاحب کے قول پر کس طرح بھروسہ کریں گے؟

**الحاصل**: ...... حافظ صاحب کے کلام میں ابن اسحاق کی توثیق ثابت ہوتی ہے انہوں نے اس مبحوث فیہ حدیث کو حسن یا صحیح قرار دیا ہے۔

تیرھویں نمبر پر زاد المعاد کے حوالہ سے ابن قیم سے نقل کرتے ہیں کہ "امام احمد ابن اسحاق کی روایت کو منکر (صحیح حدیث کے خلاف) لکھتے ہیں اور امام احمد نے انہیں ضعیف کہا ہے"

**جواب**: ...... اولا ابن قیم کا یہ اپنا فیصلہ نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف اہل علم سے قول نقل کرتے ہیں کہ "وقال حدیث ابن اسحاق اصح منها.

**ثانیاً**: ...... حافظ ابن قیم بذات خود ابن اسحاق کو ثقہ مانتے ہیں چنانچہ اسی "زاد المعاد صفحہ ۹۹ ج ۱" میں ایک حدیث ابن اسحاق کے واسطے سے بطور دلیل لاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں "قال البیهقی و محمد بن اسحاق اذا ذکر سماعه من الروایة وکان الراوی ثقة استقام الاسناد وهذا حدیث حسن صحیح الاسناد" یہ حدیث جس کے متعلق بحث ہے وہ ابن اسحاق ثقہ راوی سے لائے ہیں اور سماع کی تصریح بھی کی ہے۔ لہٰذا ابن قیم کی تحقیق کے مطابق صحیح کہی جائے گی وهو الثالث

**رابعاً:** ...... حافظ ابن قیم تہذیب سنن ابی داؤد صفحہ ۳۹۰ ج ا۔ فی ذیل مختصر السنن لابی داؤد المنذری میں فرماتے ہیں "قال البیهقی وقد رواه ابراهیم بن سعد عن محمد بن اسحق فذكر سماعه فيه من مكحول فصار الحديث بذالك موصولا صحيحاً وقد رواه البخاری فی كتاب القرأة خلف الامام وقال هو صحيح ووثق ابن اسحاق واثنیٰ عليه واحتج بحديثه فيه ثم رواه من غير حديث ابن اسحاق ايضاً وقال هو صحيح۔ گویا کہ ابن قیم پورے زور وشور سے ابن اسحاق کو ثقہ ثابت کر رہے ہیں۔ نیز ابن قیم اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان صفحہ ۳۰۲ ج ا میں مسند احمد کی طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ حالانکہ اس کی سند میں ابن اسحاق کا واسطہ ہے اور "جلاء الافهام فی الصلاة والسلام علی خير الانام" صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں "ان ابن اسحاق ثقة لم يجرح بما يوجب ترك الاحتجاج به وقد وثقه كبار الائمة واثنوا عليه بالحفظ والعدالة الذين هما ركنا الرواية۔

**خامساً:** ...... امام احمد کے قول کے مطابق اوپر تحقیق کی گئی کہ وہ ابن اسحاق کو ثقہ تسلیم کرتے ہیں اور اس کی حدیث سے خود حجت پکڑتے ہیں۔

**سادساً:** ...... مولوی صاحب منکر کا معنی صحیح حدیث کے خلاف کرتے ہیں حالانکہ یہ حدیث (قرأة خلف الامام والی) کسی بھی صحیح حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں یہ الفاظ ہوں کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ لہٰذا امام احمد کا قول اس حدیث پر منطبق نہیں ہوتا۔

**سابعاً:** ...... جس حدیث کے متعلق ابن قیم نے امام احمد کا کلام نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرزند کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی لیکن آپ کا زیلعی نصب الرایۃ صفحہ ۲۸۰ ج ۳ میں اس حدیث کی تحسین کرتا ہے جس کا معنی کہ آپ احناف کے نزدیک امام احمد کا کلام مقبول نہیں، بلکہ نصب الرایہ کے حاشیہ بغية الالمعی جو آپ کے احناف کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں اسی روایت کی مزید تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وصححه ابو حزم فی المحلی"

**قارئین!** ...... ابن اسحاق کی روایت فاتحہ خلف الامام کے متعلق مروی ہے اس کو حنفی ضعیف شمار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مذہب کے خلاف ہے اور بچے پر نماز نہ پڑھنے کے متعلق ابن اسحاق کی روایت کو دلیل بناتے ہیں جو ان کے مذہب کے موافق ہے۔ اس کو تحقیق کہا جائے گا یا تدلیس وهو الثامن.

**تاسعاً:** ...... ابن قیم احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے چنانچہ آپ کے لکھنوی صاحب نے غیث الغمام حاشیہ امام الکلام صفحہ ۶۴ پر انہیں خفیف العقل کہا ہے اور صفحہ ۷۵ پر انہیں قلة العقل کا الزام دیا ہے۔ پھر کہتے

ہیں کہ "معجب برأیه سيء العقل جری علیه الامور "پھر ایسے شخص کا قول نقل کرنے سے آپ کو کیا فائدہ؟

**عاشراً:** ......ابن قیم کی عبارت اسی طرح ہے "قال احمد فی روایة حنبل هذا حدیث منکر الخ" جس کا معنی کہ یہ قول ابن قیم کے نزدیک محقق نہیں ہے۔ بلکہ ایک روایت ہے اور دیگر کئی روایات میں توثیق اور تعدیل ہے جس طرح اوپر گذرا۔ لہٰذا ان سے تعدیل والی روایت راجح ہے۔ اس وجہ سے کہ دیگر محدثین کی توثیق کے موافق ہے۔ دوسرا یہ کہ امام احمد کے توثیق والے قول کو کبار محدثین خود امام بخاری نے معتبر سمجھا ہے جس طرح کہ گزر چکا ہے۔ خود آپ کے امام المذہب ابن ھمام نے کہا کہ احتملہ احمد جس طرح کہ اوپر گذرا۔ تیسرا یہ کہ جرح مبہم، تعدیل کے مقابلے میں معتبر نہیں ہے. جس طرح آپ احناف کے اصول سے ثابت کیا گیا۔ بلکہ خود ابن قیم نے پورے زور سے ابن اسحاق کی توثیق اور اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے کما تقدم جس سے ثابت ہوا کہ خود ابن قیم کے ہاں امام احمد سے یہ روایت معتبر ہے جس میں ابن اسحاق کی توثیق کی گئی ہے وھو الحادی عشر .

چودھواں قول بحوالہ نیل الاوطار قاضی شوکانی سے نقل کرتے ہیں'' ابن اسحاق حجت نہیں ہے خاص طور پر جب عن سے روایت کرے۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ فاتحہ والی حدیث عن سے نہیں ہے بلکہ تحدیث سے ہے کما تقدم اور متابعت بھی موجود ہے۔ اس حالت میں قاضی شوکانی ابن اسحاق کی حدیث کو حجت مانتے ہیں۔ چنانچہ اسی نیل الاوطار صفحہ ۸۲۔ ۱۸۳ ج ۲ میں عبادہ والی یہ حدیث لا کر اس کی ائمہ حدیث سے تصحیح نقل کرتے پھر آخر میں فرماتے ہیں کہ "محمد بن اسحاق قد صرح بالتحدیث فذهبت مظنة تدلیسه وتابعه من تقدم" اس عبارت سے ثابت ہوا کہ قاضی شوکانی کا کلام جو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے وہ اس فاتحہ والی حدیث پر منطبق نہیں ہے وھو الثانی .

**ثالثاً:** ......خود شوکانی ابن اسحاق کو ثقہ سمجھتے ہیں صرف تدلیس کا اعتراض کرتے ہیں اور جس جگہ پر سماع کی تصریح ہے تو اس حدیث کو قابل قبول کہتے ہیں۔ چنانچہ نیل الاوطار صفحہ ۳ ج ۲ میں ایک حدیث کے تحت کہتے ہیں کہ "اخرجه ایضاً الحاکم فی المستدرك وفی اسناده محمد بن اسحاق ولکنه صرح بالتجدیث"

**الحاصل:** ......مولوی صاحب نے دس کی تعداد بتائی۔ لیکن پندرہ قول نقل کیے۔ جن میں سے کسی ایک قول سے بھی ابن اسحاق پر جرح ثابت نہ ہوئی بلکہ عام ائمہ حدیث اس کو ثقہ تسلیم کرتے ہیں۔ خود حنفی مذہب کے

بڑے علماء بھی انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں اور مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ پچانوے فی صد اس کی روایت قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ نہ محدثین کے فیصلے کے مطابق صحیح ہے اور نہ ہی بڑے حنفیوں کو قبول ہو۔ بلکہ تاریخ ابن خلکان صفحہ ۲۷۶ ج ۹ میں ہے "کان محمد المذکور ثبتا فی الحدیث عند اکثر العلماء" آگے فرماتے ہیں کہ "وذکر الساجی ان اصحاب الزهری کانوا یلجأو الی محمد بن اسحاق فیما شکوا فیه من حدیث الزهری ثقة منهم بحفظه" پھر جس شخص کی اتنی بڑی شان ہے اس کے حافظہ پر اتنا اعتماد ہے اس کی خلاف مولوی صاحب جتنا چاہیں زور لگائیں لیکن اس کا کچھ بھی نہیں بگڑ سکتے۔

**تصویر کا دوسرا رخ:**...... مولوی صاحب خواہ مخواہ اسماء الرجال میں نکل پڑے ہیں۔ اب ہم انہیں بتاتے ہیں کہ جن تیرہ اشخاص سے قول نقل کیے ہیں۔ ان میں سی کسی ایک سے بھی آپ کی مراد پوری نہیں ہوتی ائمہ کے لیے کیا فیصلہ دیتے ہیں۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھے گا ذرا دیکھ بھال کے

ترتیب وار ان ائمہ کے اقوال سنیں جن سے آپ نے نقل کیا ہے۔ پہلا امام مالک جس کا ایک قول تو اوپر گزرا۔ دوسرا قول تاریخ بغداد صفحہ ۴۲۱ ج ۳ میں ہے "حدثنا الولید بن مسلم قال قال لی مالك بن انس ایتکلم برأي ابی حنیفه عند کم قلت نعم قال ما ینبغی لبلد کم ان تسکن (ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا کیا تمہارے شہر میں ابوحنیفہ کی رائے چلتی ہے میں نے کہا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا اس شہر کو باقی نہیں رہنا چاہیے) یہی قول امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۷۳ ج ۳ میں بھی لائے ہیں اور ابن عدی نے کتاب الکامل میں بھی ذکر کیا ہے تیسرا قول امام ابن ابی حاتم کتاب آداب الشافعی ومناقبہ صفحہ ۲۱۲ پر فرماتے ہیں "ثنا ابی حدثنا ابن ابی سریج قال سمعت الشافعی یقول سمعت مالکاً وقیل له اتعرف ابا حنیفه فقال نعم ما ظنکم برجل لو قال هذه السیارة من ذهب لقام دونها حتی یجعلها من ذهب وهی من خشب او حجارة قال ابو محمد یعنی انه کان یثبت علی الخطأ ویحتج دونه ولا یرجع الی الصواب (۱۳۱) بان له" چوتھا قول تاریخ بغداد کے اسی صفحہ پر ہے "سئل مالك بن انس عن قول عمر فی العراق بها الداء العضال قال الهلکة فی الدین ومنهم ابو حنیفه" یہ قول امام ابن عدی نے کتاب الکامل میں اور حافظ ابن عبدالبر نے الانتقاء صفحہ ۱۵۰ پر ذکر کیا ہے پانچواں قول کامل

ابن عدی میں ہے "سمعت ابن ابی داؤد یقول الوقیعة فی ابی حنیفة الجماعة من العلماء لان امام الصلوٰة ایوب السختیانی وقد تکلم فیه واما م الکوفة الثوری وقد تکلم فیه وامام الحجاز مالك وقد تکلم فیه وامام مصر اللیث بن سعدی وقد تکلم فیه وامام الشام الاوزاعی وقد تکلم فیه وامام خراسان عبدالله بن المبارك وقد تکلم فیه" اور امام محمد کے متعلق امام مالک کی یہ رائے ہے تاریخ بغداد صفحہ ۱۷۵-۱۷۴ ج ۲ میں یہ واقعہ ہے کہ امام محمد" امام مالک کے پاس آیا کہا من این انت قال من اهل هذه واشار الی الارض فقال مامن اهل المدینه احد لا اعرفه فقال ما اکثر من لا تعرف ثم نهض۔ قالوا لمالك هذا محمد بن الحسن صاحب ابی حنیفة فقال مالك محمد بن الحسن کیف یکذب وقد ذکرانه من اهل المدینه وقالوا انما قال من اهل هذه واشار الارض قال هذا اشد علی من ذلك" اور امام ابو یوسف کے لیے ان کا یہی نظریہ ہے چنانچہ کتاب الضعفاء للعقیلی صفحہ ۴۷۶ ج ۲ قلمی میں ہے "حدثنا عبدالله بن احمد بن شبویه قال سمعت اباجاء قتیبه بن سعید یذکر عن معن بن عیسیٰ قال دخل مالك بن انس علی امیر المؤمنین هارون وهو بالمدینة ومعه ابو یوسف قال فقال له یا ابا عبد الله هذا ابو یوسف قال ذلك مرتین فقلت نعم یا امیر المؤمنین ولم التفت الیه قال ذلك مرتین او ثلاثة فقال ابو یوسف یا ابا عبدالله ما تقول فی مسئلة کذا وکذا قال فقلت یا هذا اذا رایتنی جلست مجلس اهل الباطل فتعال فسلنی۔ دوسرے نمبر پر مولوی صاحب نے امام احمد بن حنبل کا قول ذکر کیا ہے۔ آپ کے ائمہ کے بارے میں ان کے کچھ اقوال ذکر ہو چکے ہیں مزید اقوال عرض کیے جاتے ہیں۔ کتاب الضعفاء للعقیلی صفحہ ۲۲۳ ج ۲ قلمی میں ہے حدثنا سلیمان بن داؤد القزاز قال سمعت احمد بن الحسن الترمذی قال سمعت احمد بن حنبل یقول ابو حنیفة یکذب (یعنی احمد بن حنبل سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ابوحنیفہ جھوٹ بولتا ہے) یہ روایت تاریخ بغداد صفحہ ۴۴۸ ج ۱۳ میں موجود ہے دوسری روایت کتاب المجروحین لابن حبان صفحہ ۷۱ ج ۳ میں ہے "واخبرنا الحسن بن اسحاق بن ابراهیم الخولانی بطر سوس قال حدثنا محمد بن جابر المروزی قال سمعت زیاد بن ایوب یقول سألت احمد بن حنبل عن الروایة عن ابی حنیفة وابی یوسف فقال اری الروایة عنهما" (یعنی احمد بن حنبل سے ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمانے لگے کہ میں ان کی روایت کو صحیح نہیں سمجھتا) لسان المیزان صفحہ ۱۲۲ ج ۵ میں ہے "عن

احمد اما محمد بن الحسن وشيخه وكانا مخالفين للاثر" (یعنی امام احمد سے یہ بات ہے کہ محمد بن حسن اور ان کے استاد (ابوحنیفہ) یہ دونوں اثر (حدیث) کے مخالف ہیں۔ تیسرے نمبر پر یحییٰ القطان ہیں۔ جنہیں مولوی صاحب جرح وتعدیل کا امام مانتے ہیں۔ ان کا قول کتاب الضعفآء للعقیلی صفحہ ۶۷۱ میں ہے۔ "حدثنا محمد بن عيسى قال حدثنا صالح قال حدثنا على بن المدينى قال سمعت يحيىٰ بن سعيد يقول مربى ابوحنيفه وانا فى سوق الكوفة فقال لى قيس القياس هذا ابوحنيفه فلم اسئله عن شئ قال يحيىٰ وكان جارى بالكوفة فما قربته ولا سألته عن شئ" (امام یحییٰ القطان فرماتے ہیں میرے پاس سے ابوحنیفہ کوفہ کے بازار میں سے گذرے میرے لیے کہا کہ یہ قیاس کرنے والے ابوحنیفہ ہیں میں نے ان سے کوئی سوال نہ کیا یحییٰ فرماتے ہیں کہ وہ کوفہ میں میرے پڑوسی تھے میں نہ تو ان کے قریب ہوا اور نہ ہی ان سے کبھی کوئی سوال پوچھا) یہ روایت جرح وتعدیل لامام ابن ابی حاتم صفحہ ۴۴۹ ج ۴ ق میں ہے اور تاریخ بغداد صفحہ ۴۱۳ ج ۱۳۔ میں بھی ہے۔ دوسرا قول تاریخ بغداد صفحہ ۴۴۶ ج ۱۳ میں ہے "سمعت يحيىٰ بن سعيد يقول سمعت شعبة يقول كف من تراب من ابى حنيفة" یعنی یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک مٹھی مٹی کی ابوحنیفہ سے بہتر ہے" چوتھے نمبر میں امام نسائی کا ذکر کیا ہے۔ ان کا قول امام ابوحنیفہ کے متعلق بحوالہ کتاب الضعفا گزرا۔ نیز کتاب الطبقات الملحق مع الضعفآء صفحہ ۳۱۰ پاک اور طبع ہند صفحہ ۲۵ اور نسخہ قلمی صفحہ ۸۰ میں فرماتے ہیں کہ وابوحنيفه ليس بالقوى فى الحديث وهو كثير الغلط والخطأ على قلة روايته والضعفآء من اصحابه يوسف بن الخالد السمتى كذاب والحسن بن زياد الؤلوى كذاب خبيث و محمد بن الحسن ضعيف اور امام نسائی رساله تسميه فقهاء الامصار من الصحابة فمن بعد هم۔ صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں کہ "وابوحنيفه ليس بالقوى فى الحديث" (یعنی ابوحنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہے) امام نسائی اپنی سنن کے آخر صفحہ ۲۹۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔ "اخبر نا اسحاق بن ابراهيم اخبر نا جرير عن ابن شبرمة قال قال طلحة لا هل الكوفة فى النبيذ فتنة يربوا فيها الصغير ويهرم فيها الكبير" امام ابن جوزی کی کتاب الضعفآء صفحہ ۳۹۶ قلمی میں امام نسائی کی امام ابوحنیفہ کے متعلق جرح نقل ہے۔ اور۔ صفحہ ۳۳۵۔ قلمی میں امام محمد کے متعلق اسی طرح کی جرح نقل کی گئی ہے۔ پانچواں نمبر مذکور نہیں۔ چھٹے نمبر میں ابن نمیر کا قول نقل کیا ہے۔ حالانکہ اس نے ابن اسحاق کی توثیق کی ہے۔ کما مر اور اس کا کلام امام ابوحنیفہ کے متعلق ذکر ہو چکا ہے۔ ساتویں قول میں وہیب بن خالد ہے حالانکہ اس کی اپنی جرح نہیں ہے بلکہ

ناقل ہے اور نقل بھی ثابت نہیں۔ کما تقدم۔ آٹھویں نمبر میں جریر بن عبداللہ کہتے ہیں لیکن اس نام سے تو کسی بھی کتاب میں منقول نہیں۔ بلکہ جریر بن عبدالحمید کا قول ہے اور یہ بھی جرح کی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ الجرح والتعدیل (لابن ابی حاتم صفحہ ۴۵۰ ج ۴ ق ۱) میں "انا ابراهيم بن يعقوب الجوز جانی فی ما كتب الی قال حدثنی اسحاق بن راهويه قال سمعت جريرا يقول قال محمد بن جابر اليمانی سرق ابو حنيفه كتب حماد منی" (یعنی محمد بن جابر یمانی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے میرے پاس سے حماد کی کتب چرالیں) کیا اب مولوی صاحب امام صاحب کے متعلق یہ قول قبول کریں گے؟ حالانکہ وہ سراقہ الحدیث شدید جرح شمار ہوتی ہے۔ "كما لا يخفى على من مارس الفن" امام حماد بن ابی سلیمان سے امام صاحب کی روایتیں بھی اس قول سے ختم ہوگئیں۔ کیونکہ ان سے نقل نہیں کہی جائیں گی۔ جرح وتعدیل میں اس قول کے ساتھ دوسرا قول اس طرح ہے "قال عبدالله يعنی ابن المبارك ان اصحابی ليلومونی فی الرواية عن ابی حنيفة و ذاك انه اخذ كتاب محمد بن جابر عن حماد بن ابی سليمان فروی عن حماد ولم يسمعه منه" نویں نمبر پر ابن معین کا نام لیا ہے۔ ان کا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے متعلق قول گزرا مزید حوالہ جات ذکر کیے جاتے ہیں۔ کتاب الضعفآء للعقیلی صفحہ ۶۲۳ ج ۲ قلمی میں ہے "حدثنا محمد بن عثمان قال سمعت يحيىٰ بن معين وسئل عن ابی حنيفة فقال كان يضعف فی الحديث" یہ قول تاریخ بغداد۔ صفحہ ۴۵۰ ج ۱۳۔ میں بھی ہے تاریخ بغداد کے اس صفحہ میں دوسرا قول "حدثنا احمد بن سعيد بن ابی مريم قال وسألته يعنی يحيىٰ بن معين عن ابی حنيفة فقال لا يكتب حديثه" یہ قول امام ابن عدی کتاب الکامل میں بھی لائے ہیں کہ "لا يكتب حديثه" ابن معین کے اس قول کو امام ابن جوزی کتاب الضعفآء صفحہ ۳۹۶ قلمی میں اور امام ذہبی دیوان الضعفآء والمتروکین صفحہ ۳۱۸ میں بھی لائے ہیں تیسرا قول تاریخ بغداد صفحہ ۴۴۵ ج ۱۳ میں محمد بن حماد المقری سے ہے کہ "قال وسألت يحيىٰ بن معين عن ابی حنيفة فقال ايش كان عند ابی حنيفة من الحديث حتى تسئل عنه" چوتھا قول سنن دارقطنی صفحہ ۳۷۲ طبع ھند میں ہے "نا محمد بن مخلد نا ابن ابی خيثمه قال سمعت يحيىٰ بن معين يقول كان الثوری يعيب علی ابی حنيفة حديثا يرويه ولم يروه غير ابی حنيفة عن العاصم عن ابی رزين" اس قول کو زیلعی حنفی نصب الرایہ (صفحہ ۴۵۸ ج ۳) میں اور حافظ ابن حجر الدرایۃ (صفحہ ۲۷۲) طبع ھند میں بھی ذکر کیا ہے قاضی ابو یوسف کے متعلق کتاب الضعفاء للعقیلی (صفحہ ۴۴۷ ج ۲) میں ہے "حدثنا محمد بن عثمان قال سمعت يحيىٰ بن معين

سئل عن ابی یوسف القاضی فقال لم یکن یعرف الحدیث " دوسرا قول تاریخ بغداد (صفحہ ۲۴۸۵ ج ۱۴) میں ہے کہ "حدثنا احمد بن سعید بن ابی مریم قال وسألته یعنی یحییٰ بن معین عن ابی یوسف فقال لا یکتب حدیثه" اور میزان الاعتدال للذہبی صفحہ ۳۲۱ ج ۳ اور لسان المیزان صفحہ ۳۰۱ ج ۶ میں ہے۔ وقد روی عن یحییٰ بن معین تلیین ابی یوسف " اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کے متعلق کتاب الضعفآء العقیلی صفحہ ۴۳۷ ج ۲ ق میں ہے "حدثنا احمد بن محمد بن صدقة قال سمعت العباس بن محمد الدوری یقول سمعت یحییٰ بن معین یقول محمد جهمی کذاب " یہ قول لسان المیزان صفحہ ۱۲۲ ج ۵ میں بھی مذکور ہے امام ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۲۷۶ ج ۳ میں یہ قول دوسری سند سے لائے ہیں "اخبرنا الضحاك بن هارون قال حدثنا محمد بن احمد الاصغری قال سمعت یحییٰ بن معین یقول محمد بن الحسن کذاب صاحب ابی حنیفة " اور یہ قول علامہ محمد بن ابی الفتح البعلی مختصر کتاب اسماء المجروحین صفحہ ۱۰۳ قلمی میں بھی لائے ہیں۔ نیز یہ قول امام ابن عدی الکامل میں پھر دوسری سند سے بھی لائے ہیں "قال سمعت احمد بن محمد بن سعید یقول سمعت محمد بن سعد العوفی یقول سمعت یحییٰ بن معین یقول محمد بن الحسن کذاب " دوسرے دو قول تاریخ بغداد صفحہ ۸۰۔۱۸۱ ج ۲ میں ہیں۔ نا معاویة بن صالح بن ابی عبدالله قال سمعت یحییٰ بن معین یقول محمد بن الحسن ضعیف انا احمد بن سعید بن ابی مریم قال وسألته یعنی ابن معین عن محمد بن الحسین قال لیس بشی فلا تکتب حدیثه " (یعنی میں نے ابن معین سے محمد بن حسن کے بارے میں سوال کیا تو فرمانے لگے "وہ کوئی چیز نہیں" اس کی حدیث نہ لکھا کرو) یہ دونوں اقوال لسان المیزان صفحہ ۱۲۲ ج ۵ میں بھی ہیں۔ دسویں نمبر پر امام ترمذی کو ذکر کیا ہے۔ ان کا ایک قول اوپر ذکر ہو چکا ہے دوسرا قول سنن ترمذی (صفحہ ۱۱۰ ج ۱) ابواب الحج باب ماجاء فی اشعار البدن میں اس طرح ہے۔ کہ امام ترمذی اشعار (قربانی کے اونٹ کی دائیں طرف نشان کے لیے چیرا دینے کے) متعلق حدیث لا کر فرماتے ہیں کہ "سمعت یوسف بن عیسیٰ یقول سمعت وکیعاً یقول حین روی هذا الحدیث فقال لا تنظروا الی قول اهل الرأی فی هذا فان الا شعار سنة وقولهم بدعة قال سمعت ابا السائب یقول کنا عند وکیع فقال لرجل ممن ینظر فی الرأی اشعر رسول الله ﷺ ویقول ابو حنیفة هو مثلة قال الرجل فانه قد روی عن ابراهیم النخعی انه قال الا شعار مثلة قال فرأیت وکیعا غضب غضبا شدیداً

وقال اقول لك قال رسول الله ﷺ وتقول قال ابراهيم ما احقك بان تحبس ثم لا تخرج حتیٰ تنزع عن قولك هذا . " اب مولوی صاحب امام ترمذی کے اس قول کو قبول کریں گے یا اپنے امام کے قول کو بدعت کہیں گے؟ گیارھویں نمبر پر امام ذہبی کا حوالہ دیتے ہیں حالانکہ امام ذہبی میزان الاعتدال جوان کی جرح وتعدیل کی مشہور کتاب ہے اس کے صفحہ ۲۳۷ ج ۳ مطبع السعادۃ مصر میں اور صفحہ ۲۶۵ ج ۴ مطبع عیسی البابی الحلبی وشرکاء مصر میں امام ابوحنیفہ کے متعلق ترجمہ اس طرح ذکر کرتے ہیں "النعمان بن ثابت بن زوطی ابو حنیفه الكوفی امام اهل الرای ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی وآخرون وترجم له الخطیب فی فصلین من تاریخه واستو فی كلام الفريقين معد ليه و مغعفية" اور صفحہ ۱۰۵ ج ۱ مطبع ۳ السعادۃ اور صفحہ ۲۲۶ ج ۱ مطبع عیسی البابی میں امام صاحب کا ترجمہ اس طرح ذکر کرتے ہیں "اسماعيل بن حماد بن النعمان ثابت الكوفی عن ابيه عن جده قال ابن عدی ثلاثتهم ضعفاء " اور دیوان الضعفاء صفحہ ۲۰ ج ۱ میں فرماتے ہیں اسماعيل بن حماد بن ابی حنيفه قال اين عدی ما يرويه غلط وتصحيف وزيادات وله احاديث صالحة وقال النسائی ليس بالقوی فی الحديث كثير الغلط علی قلة روايته وقال ابن معين لا يكتب حديثه " اور ابو یوسف کے متعلق میزان صفحہ ۳۲۱ ج ۳ میں اور امام محمد کے متعلق صفحہ ۴۲ ج ۲ دیکھیے۔ دیوان الضعفاء صفحہ ۲۴۵ میں لکھتے ہیں کہ "يعقوب بن ابراهيم القاضی قال البخاری تركوه وقال الفلاس كان ابو يوسف صدوقا كثيرا الغلط " اور صفحہ ۲۶۹ میں فرماتے ہیں کہ محمد بن الحسن الشیبانی الفقیہ ضعفہ النسائی وغیرہ۔ اسی طرح ان کی کتاب المغنی فی الضعفاء صفحہ ۷۵۶ ج ۲ میں ابو یوسف کا ترجمہ اور صفحہ ۵۶۷ ج ۲ میں محمد بن الحسن الشیبانی کا ترجمہ دیکھنا چاہیے۔

بارھویں نمبر پر حافظ ابن حجر کا نام لیتے ہیں۔ حافظ صاحب لسان المیزان (صفحہ ۹۸۔ ۳۹۹ ج ۱) میں امام ابوحنیفہ کے پوتے کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ اسماعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت الكوفی عن ابيه عن جده قال ابن عدی ثلاثتهم ضعفاء ......... وهو من دعاة المأمون فی المحنة بخلق القرآن وكان يقول فی دار المأمون هو دينی ودين ابی وجدی وكذب عليهما قال الطبری ثنا عبدالله بن احمد ثنا اسحاق بن ابراهيم البغوی ابن عم احمد بن منيع اخبر نی ابو عثمان سعيد بن صبيح اخبر نی ابو عمرو الشيبانی قال لما ولی اسماعيل بن حماد بن ابی حنيفة مضيت حتی دخلت عليه فقلت بلغنی انك تقول القرآن كلام الله وهو مخلوق قال هذا دينی ودين ابائی

مختصراً۔ اس طرح حافظ ابن حجر الدرایہ صفحہ ۹۳ طبع ہند میں امام دار قطنی اور ابن عدی سے امام صاحب پر جرح نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "قال الدار قطني وابن عدى لم يسنده غير ابى حنيفة وتابعه الحسن بن عمارة وهما ضعيفا ن اور صفحہ ۲۷۲ میں بحوالہ ابن معین سفیان الثوری سے جرح نقل کرتے ہیں کہ "ثم اخرج (يعني الدار قطني) عن يحيىٰ بن معين قال كان الثورى يعيب على ابى حنيفة رواية هذا الحديث عن عاصم اور لسان المیزان صفحہ ۱۲۲ ج ۵ میں امام محمد کے متعلق کافی جرح نقل کرتے ہیں۔ مثلاً خود ابو یوسف سے نقل کرتے ہیں "قال ابو يوسف محمد بن الحسن يكذب علي" اس کے علاوہ ابن عدی، احمد بن حنبل، ابو زرعہ الرازی، الساجی، ابن معین اسد بن عمرو عبدالرحمٰن بن مہدی اور عمر بن علی وغیرھم سے جرح نقل کرتے ہیں صفحہ ۳۰۰۔ ۳۰۱ ج ۶ میں قاضی ابو یوسف کے متعلق مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "واذكر العقيلي بسند صحيح عن ابن المبارك انه وهاه وعن ويزيد بن هارون لا تحل الرواية عنه كان ليعطى اموال اليتمىٰ مضاربة ويجعل الربع لنفسه يعني انه كان يقترضها على ذمته وعن الفضيل بن عياض وقيل له ما تقول فى علم ابى يوسف قال اى علم هو درایۃ صفحہ ۳۴۰ طبع ہند میں فرماتے ہیں کہ "قال الدار قطني وهم ابو حنيفة فى قوله ابن يزيد وانما هو ابن ابى زياد وهو القداح وفى رفعه فانما هو موقوف۔ تیرھویں نمبر پر حافظ ابن قیم سے نقل کرتے ہیں لیکن حافظ صاحب موصوف مولوی صاحب کی مشہور روایت "قرأة الامام له قرأة" کے متعلق جو فیصلہ دیتے ہیں وہ مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ حافظ موصوف تہذیب السنن لابی داؤد (صفحہ ۲۹۳ ج ۱) مع مختصر سنن ابی داؤد للمنذری میں فرماتے ہیں۔ "واما حديث جابر يرفعه من كان له امام فقرأة الامام له قرأة فله علتان احدا هما ان شعبة والثورى وابن عيينه وابا عوانة وجماعة من الحفاظ رووه عن موسى بن ابى عائشه عن عبدالله بن شداد مرسلا والعلة الثانية انه لا يصح رفعه وانما المعروف وقفه قال الحاكم سمعت سلمة بن محمد يقول سألت ابا موسى الرازى الحافظ عن الحديث المروى عن النبى ﷺ من كان له امام فقرأة الامام له قرأة فقال لم يصح فيه عن النبى ﷺ شئ انها اعتمد مشائخنا فيه على الروايات عن على وابن مسعود والصحابة قال الحاكم اعجبنى هذا لما سمعته فان ابا موسى احفظ من رأينا من اصحاب الرأى تحت اديم السماء وقد رفعه جابر الجعفى وليث بن ابى سليم عن ابى الزبير عن جابر وتا بعهما من

ھو اضعف منھما او مثلھما۔ اب دیکھیں کہ مولوی صاحب ابن قیم کے اس فیصلے کو بھی قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ ایضاً امام جعفر صادق نے امام ابوحنیفہ کو جو تنبیہ کی ہے وہ بھی قابل عبرت ہے جس کو حافظ ابن قیم اعلام الموقعین (صفحہ ۲۵۵ ج ۱ طبع مصر) اور (صفحہ ۹۳ ج ۱) طبع ھند میں ابن شبرمہ سے نقل کیا ہے "قال دخلت انا وابو حنیفة علی جعفر ابن محمد بن الحنیفة فسلمت علیه وکنت له صدیقا ثم اقبلت علی جعفر وقلت متع الله بك ھذا رجل من اھل العراق وله فقه وعقل فقال لی جعفر لعله الذی یقیس الدین برأیه ثم اقبل علی فقال اھو النعمان فقال له ابو حنیفة نعم اصلحك الله فقال له جعفر اتق الله ولا تقس الدین برأیك فان اول من قاس ابلیس اذ امر الله بالسجود لآدم فقال انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین ثم قال لابی حنیفة اخبرنی عن کلمة ولھا شرك وآخر ھا ایما ن فقال لا ادری قال جعفر ھی لا الٰه الا الله فلو قال لا الٰه ثم امسك کان مشرکا فھذه کلمة اولھا شرك وآخر ھا ایما ن ثم قال له ویحك ایھما اعظم عند الله قتل النفس التی حرم الله او الزنا قال بل قتل النفس فقال له جعفر ان الله قدرلك فی قتل النفس شاھدین ولم یقبل فی الزنا الا اربعة فکیف یقوم لك قیاس ثم قال ایھما اعظم عند الله الصوم اوالصلوٰة قال بل الصلوٰة قال فما بال المرأة اذا حاضت تقضی الصیام ولا تقضی الصلوٰة اتق الله یا عبدالله ولا تقس فانا نقف غدا نحن وانت بین یدی الله فنقول قال الله عزوجل قال رسول الله ﷺ تقول انت واصحابك قسنا ورأینا فیفعل الله بنا ربکم مایشاء۔" کیا اب مولوی صاحب ابن قیم کی اس نقل کو صحیح مانیں گے؟ چودھویں نمبر پر قاضی شوکانی کا نام لیا ہے حالانکہ قاضی موصوف نیل الاوطار (صفحہ ۱۷۵ ج ۱) "باب ھل یسن تکرار مسح الرأس ام لا" میں فرماتے ہیں "اما حدیث علی فھو عند الدار قطنی من طریق عبد خیر من رِوایة ابی یوسف عن ابی حنیفة عن خالد بن علقمة عنه وقال ان ابا حنیفة خالف الحافظ فی ذلك فقال ثلاثا وانما ھو مرة واحدة" اور صفحہ ۲۲۸ ج ۲ میں آپ کی مشہور دلیل قرأۃ الامام لہ قرأۃ کے بارے میں لکھتے ہیں "الحدیث قال الدار قطنی لم یسنده عن موسی بن ابی عائشة غیر ابی حنیفة والحسن بن عمارة وھما ضعیفان قال روی ھذا الحدیث سفیان الثوری وشعبة واسرائیل وشریك وابو خالد الدالانی وابو الاحوص وسفیان بن عیینة وحریث بن عبدالحمید وغیر ھم عن موسی بن

ابی عائشة عن عبداللہ بن شداد مرسلا عن النبی ﷺ وھو الصواب' اب دیکھنا یہ ہے کہ مولوی صاحب ان علماء اور ائمہ کے ہمارے نقل کردہ اقوال بھی قبول کرتے ہیں یا صرف ابن اسحاق سے خدا واسطے دشمنی ہے۔

خود ایک اعتراض نقل کرتے ہیں کہ ابن اسحاق حجت ہے۔ کیونکہ امام بخاری نے ان سے روایت نقل کی ہے اس کے دو جواب دیتے ہیں۔ امام بخاری نے احکام کے متعلق جو بھی احادیث ذکر کی ہیں ان میں محمد بن اسحق کی روایت کہیں بھی نہیں ہے۔

**جواب:** ...... **اولا:** امام بخاری احکام میں بھی ان کی روایات لائے ہیں جس طرح صحیح بخاری (صفحہ ۱۹۸ ج ۱) "باب قول الله تعالیٰ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله" اور کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۲۳۸ ج ۱ باب من اعتمر قبل الحج ابواب العمرۃ۔

**ثانیا:** ......خود امام بخاری کی عبارت گذری کہ انہوں نے حجت ثابت کرنے کے لیے کتنی تفصیل سے لکھا ہے۔ بلکہ اس میں یہ عبارت بھی ہے کہ "قال لی ابراھیم بن حمزۃ کان عند ابراھیم بن سعد عن محمد بن اسحاق نحو من سبعة عشر الف حدیث فی الاحکام سوی المغازی وابراھیم بن سعد من اکثر اھل المدینة حدیثا فی زمانه (جزء القرأۃ بخاری صفحہ ۱۸ طبع دھلی) بلکہ ابواب العمرۃ میں امام بخاری ابن اسحاق کی روایت ابراہیم بن سعد کے واسطہ سے لائے ہیں۔ وھو الثالث.

**رابعا:** ...... یہ بھی سوال غلط ہے کہ تاریخ میں حجت ہے اور باقی احکام کی روایات میں نہیں کیونکہ تاریخ سے مراد کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے واقعات یا دوسرے واقعات علی الاول۔ یہ بھی تو احادیث ہیں۔ پھر ایک حدیث میں معتبر اور دوسری میں غیر معتبر۔ یہ بھی عجیب قاعدہ ہے اور خود یہ مبحوث فیہ حدیث بھی جو کہ فجر کی نماز کے متعلق ہے یہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کا واقعہ ہے۔ وعلی الثانی جو شخص احادیث میں معتبر نہیں ہے یا رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے سے شرم محسوس نہیں کرتا اس کا دیگر واقعات اور قصہ جات میں کیا اعتبار ہوگا؟ لہٰذا یہ تفریق صحیح نہیں ہے وھو الخامس.

**سادسا:** ...... آپ کے مذہب کا امام ابن الہمام فتح القدیر (صفحہ ۱۵۹۔۲۹۲۔۳۰۱ ج ۱) میں بڑی شد و مد سے ابن اسحاق کو ثقہ اور اس کی حدیث کو حجت مانتا ہے اور تاریخ وغیرہ کا کوئی فرق نہیں کرتا۔

**سابعا:** ......خود آپ کے حنفی ابن اسحاق کی کئی روایات کو قبول کرتے ہیں اور حجت کہتے ہیں جس کی چند مثالیں پیش کیں جاتی ہیں۔

(۱) ہدایہ صفحہ ۸۳ ج ۱ میں ہے "ویستحب تعجیل المغرب لان تأخیر ھا مکروہ لما فیہ من التشبہ بالیھود وقال علیہ السلام لا یزال امتی بخیر ماعجلوا المغرب و اخروا العشاء" اور تعجیل مغرب کے لیے صاحب ہدایہ جس حدیث کو اپنے لیے حجت بناتے ہیں اس کی سند میں ابن اسحاق ہے دیکھیے فتح القدیر لابن الہمام صفحہ ۵۸۔۱۵۹ ج ۱ اور نصب الرایہ للزیلعی صفحہ ۲۴۶ ج ۱ بنایہ شرح ھدایہ للعینی.

(۲) فتح القدیر صفحہ ۲۹۱ ج ۱ میں ہے "ولنا حدیث جید اخرجہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ عنہ ﷺ قال من اشار فی الصلوٰۃ تفھم او تفقہ فقد قطع الصلوٰۃ واعلہ ابن الجوزی بابن اسحاق وابو غطفان مجھول وتعقب بان ابا غطفان ھو ابن طریف ویقال ابن مالك المری وثقہ ابن معین والنسائی واخرج لہ مسلم وما عن الدار قطنی قال لنا ابن ابی داؤد ابو غطفان مجھول لا یقبل وابن اسحاق ثقۃ علی ما ھوالحق ، ابن ہمام شرعی احکام میں ابن اسحاق کی حدیث کو جید کہتے ہیں اور اپنے مذہب کے لیے حجت بناتے ہیں۔ اور ان پر جرح ہوئی ہے اس کو رد کرتے ہیں۔

(۳) حنفی مذہب کے مطابق اس چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جس کی قیمت دس درہموں سے کم نہ ہو (ہدایہ صفحہ ۵۳۷ کتاب السرقۃ) اس کے لیے حنفی مذہب کا چوٹی کا امام طحاوی شرح معانی الآثار صفحہ ۹۳ ج ۲ میں ان متعلق سب سے پہلے جو دلیل پیش کرتے ہیں۔ اس کی سند میں ابن اسحاق ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری صفحہ ۲۷۹ ج ۲۳ میں امام ابوحنیفہ، ابو یوسف محمد اور زفر کا مذہب یہ نقل کرتے ہیں "لا تقطع حتی یکون عشرۃ دراھم مضروبۃ" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "واحتجوا فی ذالك بما رواہ الطحاوی الخ" پھر طحاوی کی حدیث ابن اسحاق کے واسطہ سے لاتے ہیں۔ یعنی آپ کے ائمہ نے ابن اسحاق کی حدیث کو اس حکم میں حجت بنایا ہے۔

(۴) فتح القدیر (صفحہ ۱۶۷ ج ۱) باب الاذان میں ہے "لابی داؤد وابن خزیمۃ بسند فیہ محمد بن اسحاق عن عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ قال لما امر النبی ﷺ بالناقوس" الحدیث یعنی بغیر ترجیح کے متعلق حدیث لانے کے بعد فرماتے ہیں قال ابن خزیمۃ سمعت محمد بن یحییٰ یقول لیس فی اخبار عبداللہ بن زید فی قصۃ الاذان اصح من ھذا الی ان قال وخبر ابن اسحاق ھذا ثابت صحیح لان محمد بن عبداللہ بن زید سمعہ من ابیہ ومحمد بن اسحاق سمعہ من محمد بن ابراھیم التیمی ولیس ھو مما ابن اسحاق وقال

الترمذی فی علله الکبیر سألت محمد بن اسماعیل عن هذا الحدیث فقال هو عندی صحیح۔

(۵) زیلعی نصب الرأیہ (صفحہ ۹ ج۱) میں مسواک کے متعلق جن روایات کو بطور دلیل لاتے ہیں۔ ان میں ایک روایت زید بن خالد الجہنی کی ہے یعنی لو لا ان اشق علی امتی لا مر تهم بالسواك عند كل صلوٰة " اور ترمذی سے تصحیح بھی نقل کرتے ہیں۔ اور اس کی سند میں بھی ابن اسحاق ہے۔ صاحب ہدایہ صفحہ ۱۴۴ ج۱ باب صلوٰۃ الوتر میں وتر کے وجوب کے لیے جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کے لیے زیلعی نصب الرایہ (صفحہ ۱۰۹ ج۱) میں سب سے پہلے خارجہ بن خذافہ کی حدیث لاتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ اس کی سند میں ابن اسحاق ہے اس کی تصحیح بھی کرتے ہیں اس طرح ابن ہمام فتح القدیر صفحہ ۳۰۱ ج۱ میں بھی اس روایت کی تصحیح کرتے ہیں۔

(۶) ھدایہ (صفحہ ۸۲ ج۱) میں ہے ویستحب الا سفار بالفجر لقوله علیه الاسلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر وقال الشافعی یستحب التعجیل فی کل صلوٰة والحجة علیه ما رویناه " اور ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۱۵۷ ج۱ میں اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں "ما رویناه من قوله علیه الصلوٰة والسلام فی الفجر اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر رواه الترمذی وقال حسن صحیح یہ حدیث ترمذی (صفحہ ۲۲ ج۱) باب فی الاسفار بالفجر میں اس سند سے ہے "حدثنا هناد نا عبدة عن محمد بن اسحاق عن عاصم بن عمر بن قتادة عن محمود بن لبید عن رافع بن خدیج فذکره " الغرض ایسی کئی مثالیں ہیں پھر جب مولوی صاحب کے اکابر ابن اسحاق کی احادیث کو احکام میں بھی حجت مانتے ہیں۔ اور انہیں دلیل بناتے ہیں۔ پھر پتا نہیں کہ مولوی صاحب کس مذہب پر ہے۔ محدثین کی مخالف کے لیے سربستہ کھڑے ہیں۔ لیکن اپنے احناف کا بھی بھرم نہیں رکھتے۔

**قارئین!** ...... عجیب دیانت ہے کہ ابن اسحاق حنفی مذہب کے خلاف کوئی روایت نقل کرے تو پھر وہ دجال اور جھوٹا ہے اور حجت نہیں ہے۔ لیکن اگر وہی شخص احناف کے موافق کوئی روایت نقل کرے تو پھر وہ ثقہ ہے اور معتبر ہے اور ان کی روایت حجت ہے۔ اس کو "تلاعب بالدین" کہا جائے یا فرقہ پرستی یا اندھا تعصب۔ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُونَ﴾

**صفحہ ۸۷:** ...... دوسرا جواب اسی طرح دیتے ہیں کہ "امام بخاری ابن اسحاق کا ہم عصر نہ تھا، امام مالک یحییٰ القطان اور ہشام اس زمانہ کے تھے"

**جواب:** ...... **اولاً**: یہ بھی مولوی صاحب نے نیا قاعدہ نکالا ہے جو کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ مصطلح یا اصول حدیث کی کسی بھی کتاب سے ایسا قانون دکھا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ خود آپ کے احناف نے بھی ایسا قانون ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ معاصر کی جرح ہم عصر کے حق میں حجت اور دلیل کے بغیر قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ معاصرت منافرت کا سبب ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ کے لکھنوی صاحب الرفع والتکمیل صفحہ ۱۹۱ میں کہتے ہیں "ومن ثم قالوا لا یقبل جرح المعاصر علی المعاصر ای اذا کان بلا حجة لان المعاصرة تفضی غالبا الی المنافرة" لہٰذا متأخرین کی کلام میں یہ خدشہ نہیں رہتا وھو الثانی.

**ثالثاً**: ......خود مولوی صاحب آگے چل کر اس اعتراض کو گراتے ہیں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کے متعلق شعبہ کی جرح کا جواب دیتے ہیں کہ "محدثین نے ابراہیم بن عثمان پر جو جرح کی ہے انہوں نے اس کا کوئی واضح سبب نہیں بتایا لیکن محض امام شعبہ کے مقلد ہیں۔ وہ انہیں ضعیف سمجھتے ہیں (اور اس کی حقیقت واضح ہو چکی ہے) کیونکہ وہ ابراہیم بن عثمان کا ہم عصر تھا (یعنی اس زمانہ کا) اور دیگر سب بعد کے محدث ہیں۔ ابو شیبہ کے ہم عصر نہیں ہیں لہٰذا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کی جرح بھی قبول نہ ہوگی (تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۷۰) معلوم نہیں کہ مولوی صاحب کا پہلا قاعدہ سچا ہے یا بعد والا۔

**رابعاً**: ......خود مولوی صاحب نے جو ابن اسحاق کے متعلق جرح نقل کی ہیں۔ وہ اکثر ان لوگوں سے ہیں جو ابن اسحاق کے زمانہ کے نہ تھے۔ بلکہ متأخر تھے مثلاً: امام احمد ابن حنبل، امام نسائی، امام ابن معین اور امام ترمذی اس طرح حافظ ذہبی حافظ ابن حجر حافظ ابن قیم اور قاضی شوکانی پھر ان کی جرح کیوں نقل کی ہیں۔

**خامساً**: ......امام مالک اگرچہ ان کے زمانے کے تھے۔ لیکن ان سے زیادہ میل جول نہ تھا جس طرح کہ اوپر تہذیب صفحہ ۴۲ ج ۹ میں امام ابن مدینی کا قول گذرا کہ "مالك لم یجالسه ولم یرفعه" لہٰذا محققین کا قول بھی معتبر ہوگا اس کے خلاف امام سفیان بن عیینہ کے ساتھ ستر سال سے زیادہ وقت گزرا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "ما یتهمه احد من اهل المدینه ولا یقول فیه شیأً (تهذیب صفحه ۴۰ ج ۹) لہٰذا اگر مولوی صاحب کو ہم عصر کا قول ہی چاہیے تو پھر امام ابن عیینہ سے زیادہ بہتر قول کس کا ہوگا وھو السادس.

**سابعاً**: ...... امام مالک وغیرہ سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے ثبوت میں بڑی بحث ہے۔ اگر ثبوت تسلیم کیا جائے تب بھی اس سے جرح ثابت نہیں ہوتی۔ کما تقدم۔ بلکہ ان کے معاصرین سے ان کی توثیق ثابت ہوتی ہے۔

**ثامناً**: ...... امام بخاری اگرچہ متأخر ہیں۔ لیکن مختلف اقوال دیکھ کر ان کی چھان بین کر کے تحقیق کی ہے لہٰذا

ان کا قول آخری فیصلہ ہے کہا جائے گا خاص طور پر جب وہ اکیلا نہ ہو۔ ان کے ساتھ اس فیصلے میں اور دیگر ائمہ حدیث بھی شامل ہیں۔ وھو التاسع ۔

**وعاشر:**......خود آپ کے احناف نے بھی اس فیصلے کو برقرار رکھا ہے۔ جس طرح اوپر اقوال گذرے۔ اس کے لیے لکھنوی صاحب الرفع والتکمیل صفحہ ۱۸۹ عبدالفتاح ابو غدہ کا اس پر حاشیہ صفحہ ۱۹۱ عثمانی صاحب انھاء السکن کا صفحہ ۲۰ اور ۸۶ اور ابو غدہ کا حاشیہ قواعد فی علوم الحدیث کا صفحہ ۷۳ دیکھیں۔

**الحادی عشر:** ......اگرچہ امام بخاری ابن اسحاق کے زمانے کے نہ تھے لیکن انہیں ان کا حال معلوم ہے مثلاً علی بن مدینی کا ان کے استاد ہیں سفیان بن عیینہ ابن مدینی کے استاد ہیں وہ ابن اسحاق کے ہم عصر (ہم زمانہ) ہیں ان کے علاوہ امام احمد امام بخاری کے استاد ہیں اور ابن عیینہ کے شاگرد ہیں اسی ابن عیینہ نے ابن اسحاق کی توثیق کی ہے جس طرح اوپر گذرا۔ لہٰذا یہ عذر کارگر نہیں۔

**الحاصل:**......مولوی صاحب نے ابن اسحاق کے متعلق جو بے جا زور لگایا اور کتاب کے صفحات سیاہ کیے۔ ان سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا بلکہ ابن اسحٰق ثقہ اور قابل حجت ثابت ہوا۔ والحمد للہ۔ لہٰذا ابن اسحاق کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف نہیں ہو سکتی۔

مولوی صاحب نے شیخ الہند کا قول نقل کیا کہ قرأت خلف الامام کے متعلق کوئی بھی حدیث وارد نہیں اس کو اگرچہ اچھی طرح رد کیا گیا تاہم یہاں پر آپ کے شیخ الہند کے استاد علامہ رشید احمد گنگوہی کا کلام نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ الکوکب الدری علی جامع الترمذی صفحہ ۱۴۵ پر اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔ "ولا یخفی علیك ان طعنهم فی محمد بن اسحاق غیر مقبول کیف وقداخذ البخاری منه فی بعض ما ادرجه فی صحیحه ووثقه آخرون فالحق ان الحدیث ان لم یبلغ منزلة الصحة لکلام من کلم منهم فی من کلم منهم الا ان حسنه لا ینکر" اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ ابن اسحاق کے حق میں احناف نے جو جرح نقل کی ہے وہ مقبول نہیں۔ دوسری یہ کہ کئی محدثین نے ان کی توثیق کی ہے تیسری یہ کہ لہٰذا ان کی یہ حدیث (فاتحہ خلف الامام والی) اگر اس کو صحیح نہ بھی مانا جائے تو بھی حسن ضرور ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا چوتھی یہ کہ امام بخاری نے ان سے اپنی صحیح میں احادیث لی ہیں پانچویں یہ کہ مولوی صاحب کا اوپر والا اعتراض بھی غلط ثابت ہوا۔

**قارئین!**......اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام ابن اسحاق کی شخصیت مولوی صاحب کے ناجائز حملے سے آزاد ہوئی۔ وہ بری ہوئے۔ لہٰذا ان کی یہ حدیث فاتحہ خلف الامام والی اس پر حجت ہے۔ اور اس کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم ہم قارئین کی مزید افادیت کے لیے بتانا چاہتے ہیں کہ عبادہ بن صامت کی اس حدیث

کو نقل کرنے والا صرف اکیلا ابن اسحاق نہیں ہے جس سے مولوی صاحب کو بے پناہ تکلیف ہے۔ بلکہ دیگر کئی ان کے متابع ہیں جن میں سے زید بن واقد الدمشقی جو کہ مشہور ثقہ ہے۔ کما فی التقریب۔ اس کی حدیث جزء القرأۃ بخاری صفحہ ۸ پر ہے "قال ثنا صدقه بن خالد ثنا زید بن واقد عن حزام بن حکیم ومکحول عن ربیعة الانصاری عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ وكان على ايلياء فابطأ عبادة من الصلوٰة الصبح فاقام ابو نعيم الصلوٰة وكان اول من اذن ببيت المقدس فجئت مع عبادة حتى صف الناس وابو نعيم يجهر بالقرأة فقرأ عبادة بام القرآن حتىٰ فهمتها منه فلما انصرف قلت سمعت تقرأ بام القرآن فقال نعم صلى بنا النبى صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوٰة التى يجهر فيها بام القرآن فقال لا يقرأن احد كم اذا جهر بالقرأة الا بام القرآن" یہ حدیث جزء القرأۃ للبیہقی صفحہ ۴۲۔۴۳ میں بھی ہے۔ اس کے آخر میں لفظ ہیں کہ "فانه لا صلوٰة لمن لم يقرأ بها" امام بیہقی اس کے حق میں فرماتے ہیں کہ "هذا اسناد صحيح ورواته ثقات" اس کے علاوہ یہ روایت نسائی صفحہ ج ۱ ابو داؤد صفحہ ۱۱۹ ج ۱ دار قطنی صفحہ ۱۲۱ طبع ہند سنن الکبری للبیہقی صفحہ ۱۶۴ ج ۲ مسند الشامیین للطبرانی صفحہ ۲۳۸ اور صفحہ ۲۸۶ قلمی وغیرہ کتب میں بھی مروی ہے۔ دوسرا متابعت کرنے والا سعید بن عبدالعزیز التنوخی ہے وہ بھی ثقات میں سے ہے اس کی حدیث مستدرک حاکم صفحہ ۲۳۸ ج ۱ میں ہے۔ "حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا ابو زرعة عبدالرحمن بن عمرو الدمشقى ثنا الوليد بن عتبة ثنا الوليد بن مسلم حدثنى غير واحد منهم عبدالعزيز التنوخى عن مكحول عن محمود عن ابى نعيم انه سمع عبادة بن الصامت عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم هل تقرؤن فى الصلوٰة معى قلنا نعم قالا فلا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب، یہ حدیث دار قطنی صفحہ ۱۲۱ طبع ہند، سنن الکبری للبیہقی صفحہ ۱۶۵ ج ۲ جزء القرأۃ للبیہقی صفحہ ۶۰ اور مسند الشامیین صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۶ اور صفحہ ۶۸۶ قلمی میں بھی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر راویوں کی متابعت بھی ہیں۔ ابو داؤد اور جزء القرأۃ للبیہقی وغیرہ میں بھی مذکور ہیں۔ الغرض مولوی صاحب کو اگر ابن اسحاق سے خواہ مخواہ تکلیف ہے تو پھر دوسروں کی روایات قبول کریں بلکہ اس طرح یہ کہنا بھی باطل ہوا جو کہتے ہیں کہ ابن اسحاق کا تفرد حجت نہیں ہے جب وہ اس مقام پر منفرد یا اکیلے نہیں ہیں لہٰذا مولوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے حیلے بہانے ختم ہوئے۔

اس حدیث کے متعلق مولوی صاحب دوسرا سبب یہ پیش کرتے ہیں کہ "اس کی سند میں مکحول ہے۔"

**جواب:** ...... **اولا:** مکحول کے متعلق جو تدلیس کا الزام ہے وہ مطلق نہیں ہے خاص اس صورت میں ہے جب

کبار صحابہ سے روایت کرے نہ کہ صغار سے۔ یہ روایت محمود بن ربیع سے ہے جو صغار صحابہ سے ہے چنانچہ تقریب میں لکھتے ہیں کہ "صحابی صغیر وجل روایته عن الصحابة" ایسی تفصیل خود امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۰۷ ج ۱ میں مکحول کے ترجمہ میں بیان کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ "یدلس عن ابی ابن کعب وعبادة بن الصامت وعائشة والکبار وروی عن ابی امامة الباهلی وواثلة ابن الاسقع وانس بن مالك ومحمود بن الربیع وعبدالرحمن بن غنم وابی ادریس الخولانی وابی سلام ممطور وخلق" بلکہ ثابت ہوا کہ جس سے تدلیس کا شبہ ہے وہ دوسرے ہیں۔ محمود بن ربیع سے ان کی روایت میں تدلیس کا شبہ نہیں ہے وهو الثانی .

**ثالثاً:** ...... مکحول اس روایت میں منفرد نہیں ہے بلکہ حزام بن حکیم جو مشہور ثقہ ہے کما فی التقریب۔ اس نے مکحول کی متابعت کی ہے۔ جس طرح کہ جزء القراءۃ للبخاری کے حوالہ سے ان کی حدیث گذری۔ نیز یہ روایت دار قطنی صفحہ ۱۲۱ طبع ہند، السنن الکبری للبیہقی صفحہ ۱۶۵ ج ۲، جزء القراءۃ للبیہقی صفحہ ۴۲ پر بھی موجود ہے دوسری متابعت مستدرک حاکم صفحہ ۲۲۸ ج ۱ میں عبداللہ بن عمرو بن الحارث کی مذکور ہے اور متابعت کی صورت میں تدلیس کا شبہ نہیں رہتا۔

**رابعاً:** ...... حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہیں کہ مکحول نے عبادہ سے کوئی حدیث نہیں سنی یہ کلام یہاں پر مضر نہیں۔ کیونکہ عبادہ کی یہ حدیث محمد بن ربیع سے مکحول نقل کرتے ہیں۔

**خامساً:** ...... بحوالہ میزان ابن سعد سے نقل کرتے ہیں۔ کہ محدثین کی جماعت نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ حالانکہ کسی معتبر ناقل کا نام ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس سے قبل ذہبی کہتے ہیں کہ "وثقه غیر واحد۔"

**سادساً:** ...... بغیة الالمعي کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ مکحول نے محمود بن ربیع سے کوئی بھی حدیث نہیں سنی۔ حالانکہ یہ کہنا بھی غلط ہے۔ جزء القراءۃ للبیہقی صفحہ ۴۳ میں ہے قال ابو عبداللہ قال ابو علی الحافظ مکحول سمع هذا الحدیث من محمود بن ربیع اور صفحہ ۴۴ پر فرماتے ہیں کہ "اخبرنا ابو عبدالله انا ابو علی قال سمعت احمد بن عمیر یقول سمعت موسی بن سهل الرملی وهو اخو علی بن سهل یقول سمع مکحول من محمود بن الربیع۔ لہٰذا یہ کوئی معتبر عذر نہیں ہے۔

**قارئین!** ...... اس حدیث کے لیے دوسری سندیں بھی ہیں جن میں یہ دونوں راوی ابن اسحاق اور مکحول جن سے مولوی صاحب ڈرتے ہیں وہ نہیں ہے مثلاً جزء القراءۃ للبخاری صفحہ ۹ پر ہے "حدثنا عتبة بن سعید عن اسماعیل عن الاوزاعی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن عبادة بن الصامت

رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ لا صحابه تقرؤن القرآن اذا كنتم معی فی الصلوٰة قالوا نعم يا رسول الله فهٰذا هذا قال فلا تفعلوا الا بام القرآن" اور جزء القرأة للبیہقی صفحہ ۴۶ میں بھی یہ حدیث موجود ہے اس سند میں اوپر والے دونوں راوی نہیں ہیں۔ دوسری سند مسند الشامیین للطبرانی صفحہ ۴۱۶ قلمی میں ہے "حدثنا يحيیٰ بن عبدالباقی الاذنی ثنا المتوكل بن محمد بن ابی اسودة ثنا الحارث بن عطية عن الاوزاعی عن حسن بن الحسن عن رجاء بن حيوة عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ لا صحابه تقرؤن اذا كنتم معی فی الصلوٰة؟ قالوا نعم يا رسول الله ﷺ قال فلا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب۔ اب مولوی صاحب کے قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔

اس حدیث پر تیسرا اعتراض اضطراب کا کرتے ہیں لکھتے ہیں "کبھی سیدھا حضرت عبادہ سے یہ روایت کرتے ہیں دیکھیے دارقطنی جلد ا ص ۱۲۱۔ (۲) کبھی نافع بن محمود بن ربیع سے روایت کرتے ہیں دیکھیں ابو داود جلد ا صفحہ ۱۱۹۔ (۳) کبھی محمود بن ربیع عن ابی نعیم عن عبادۃ سے روایت کرتے ہیں۔ دیکھیں اصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۲۶ (۴) کبھی عن رجاء بن حیوۃ عن عبداللہ بن عمرو عن عبادہ سے روایت کرتے ہیں کتاب القرأۃ صفحہ ۴۶۔ (۵) کبھی رجاء بن حیوۃ عن محمود بن ربیع عن عبادۃ سے روایت کرتے ہیں پھر جس روایت کی سند میں اتنی گڑبڑ ہو اس سے احکام کے متعلق کس طرح دلیل لی جاسکتی ہے۔ یہ سب حوالے احسن الکلام سے لیے ہیں"

**جواب:** ...... اضطراب اس صورت میں ہوتا ہے کہ مختلف طرق صحت کے درجے میں سب برابر ہوں دوسری شرط یہ ہے کہ اس اختلاف کے وقت روایات میں توفیق اور تطبیق ناممکن ہو علماء حدیث نے یہی تصریح کی ہے چنانچہ مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۱۴۴ طبع بمبی میں ہے اضطرب من الحديث هو الذی تختلف الرواية فيه فيرويه بعضهم على وجه وبعضهم على وجه آخر مخالف له وانما نسمّيه مضطربا اذا تساوت الروايتان اما اذا ترجحت احداهما بحيث لا تقاومها الاخرىٰ بان يكون راويها احفظ او اكثر صحبة للمروی عنه او غير ذلك من وجوه الترجيحات المعتمدة فالحكم للراجحة ولا يطلق عليه حينئذ وصف المضطرب ولا له حكمه۔ ثم قد يقع الاضطراب فی متن الحديث وقد يقع فی الاسناد وقد يقع ذالك من راوی واحد وقد يقع من رواة له جماعة علامہ لکھنوی حنفی ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی صفحہ ۲۲۵ میں لکھتے کہ "اختلفت الروايتان متنا او سندا ان ترجحت احدهما على الاخرىٰ بوجه من وجوه الترجيح المذكورة فی موضعها نحوان يكون راويها ای

راوی احد هما احفظ من راوی الروایة المخالفة لها او اکثر صحبة للمروی عنه ای شیخه الذی جاء الا ختلاف فی الروایة من تلا مذته فالحکم الراجح فیعمل به ویترك المرجوح فلا یکون مضطربا ولا یضر الاختلاف فی الاحتجاج به اذ لاعبرة للمرجوح بجنب الراجع والا ای وان لم تتر جح احدی الروایتین المختلفتین علی الاخریٰ بل تساوتا فمضطرب وهو الذی یختص الضعیف باتصاف به فیترك کما اذا تعارض الحدیثان تعارضا لم یتدفع بوجه من وجوه دفعه تسا قطا وصیر الی دلیل غیر هما اور مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۲۸۔۴۲۹ میں ہے "وحدیث الا ختلاف علی الحفاظ فی الحدیث لا یوجب انه ، یکون مضطربا الا بشر طین احدهما استواء وجوه الا ختلاف فمتیٰ رجع احد الا قوال قدم ولا یعل الصحیح بالمرجوح ثانیهما مع الاستواءِ ان یتعذر الجمع علیٰ قواعد المحدثین ویغلب علی الظن ان ذالك الحافظ لم یضبط ذالك الحدیث بعینه فحینئذٍ یحکم علیٰ تلك الروایة وحدها بالاضطراب ویتو قف عن الحکم بصحة ذالك الحدیث لذالك ." اس مقام پر دونوں شرطیں مفقود ہیں کیونکہ مولوی صاحب نے اپنی کلام میں دوقسموں کے اختلاف بیان کیے ہیں کہ مکحول کبھی براہ راست نقل کرتا ہے اور کبھی درمیان میں واسطہ لاتا ہے۔ یہ اختلاف قادح نہیں کیونکہ براہ راست والی صورت میں یہ روایت مرسل کہی جائے گی اور واسطے والی صورت میں متصل ہوئی اور متصل مرسل سے قطعاً راجح ہے لہٰذا راجح مقبول ہوگی اور مرجوح کو نہیں لیا جائے گا۔ پھر جب کہ دونوں روایات صحت کے درجے میں برابری نہیں ہیں تو یہ اضطراب نہ رہا جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا۔

دوسرا اختلاف یہ نقل کرتے ہیں کہ مکحول مختلف لوگوں سے روایت کرتا ہے یہ بھی اختلاف کچھ قادح نہیں ہے کیونکہ مکحول کا سب سے نقل کرنا بعید اور ناممکن نہیں ہے۔ چنانچہ امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۴۳ پر فرماتے ہیں "قال لنا ابو عبدالله قال ابو علی الحافظ مکحول سمع هذا الحدیث من محمود بن الربیع ومن ابنه نافع بن محمود بن الربیع ونافع بن محمود وابو محمود بن الربیع سمعاه من عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ اخبر نا ابو عبدالله انا ابو علی قال سمعت احمد بن عمیر یقول سمعت موسی بن سهل الرمی وهو اخو علی بن سهل یقول سمع مکحول من محمود بن الربیع ومن نافع بن محمود بن الربیع اور صفحہ ۴۶۔۴۷ پر فرماتے ہیں فهذا حدیث سمعه مکحول الشامی وهو احد ائمة اهل الشام من محمود بن

الربیع ونافع بن محمود کلاهما عن عبادة بن الصامت وسمعه حزام بن حکیم من نافع بن محمود عن عبادة وسمعه رجاء بن حیوة وهو احد ائمة اهل الشام من محمود بن الربیع عن عبادة الا ان من شان اهل العلم فی الروایة ان یروی الحدیث مرة متوصلة ویرویه اخری مترسلة حتی اذا سئل عن اسناده فحینئذ یذکره ویکون الحدیث عنده مسندا وموقوفاً فیذکره مرةً مسندا ومرة موقوفا والحجة قائمة بموصوله وموقوفه وفی وصل من وصله دلالة علیٰ صحة مخرج حدیث من ارسله ارسال من ارسله شاهد لصحة حدیث من وصله وفی کل ذالك دلالة علیٰ انتشار هذا الحدیث عن عبادة عن الصامت عن النبی ﷺ مسندا ثم من فتواه به موقوما وانما تعجب من تعجب من قرأته خلف الامام فیما یجهر لامام فیه بالقراة اذهاب من ذهب الیٰ ترك القرأة خلق الامام فیما یجهر الامام فیه بالقرأة حین قال النبی ﷺ ما لی انازع القرآن ولم یسمه استثناء النبی ﷺ قرأة فاتحة الکتاب سرا وقوله ﷺ فانه لا صلوٰة لمن لم یقرأ بها وسمعه عبادة بن الصامت واتقنه واداه واظهره فوجب الرجوع الیه فی ذالك قال ابو عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری رحمه الله فیما قرأته من کتابه والذی زاد مکحول وحرام بن حکیم ورجاء بن حیوة عن ابن الربیع عن عبادة فهو تبع لماروی الزهری قال حدثنی محمود بن الربیع ان عبادة اخبره عن النبی ﷺ قوله یعنی لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب وقد مضیٰ ذکره۔ اس عبارت کو بار بار پڑھیں جب کہ تطبیق ممکن ہے اور مکحول کا سب سے نقل کرنا بعید نہیں ہے۔ تو پھر یہ اختلاف ضعف کا سبب نہ بنا۔ بلکہ یہ تو حدیث کے مشہور ہونے کی دلیل ہے۔ یہ راوی مکحول کے استاد ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ اس سے روایت کو مزید تقویت ملتی ہے (والحمدللہ) امام ابن حبان کتاب الثقات صفحہ ۳۴۴ ج ۲ قلمی اور مطبوعہ صفحہ: ۴۷۰ ج ۵ میں فرماتے ہیں۔ نافع بن محمود بن ربیعه من اهل ایلیاء یروی عن عبادة بن الصامت روی عنه حرام بن حکیم ومکحول متین جرها فی القرأة خلف الامام یخالف متن خیر محمود بن الربیع عن عبادة کانهما حدیثا ن احد هما ثم من الاخر وعند مکحول خیران جمیعاً من محمود بن الربیع ونافع بن محمود بن ربیعة وعند الزهری الخبر عن محمود بن الربیع مختصر غیر مستقطی " یہ عبارت لکھنوی صاحب نے غیث الغمام حاشیہ امام الکلام صفحہ ۲۶۰

میں بھی ذکر کی ہے۔ ثابت ہوا کہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بالکل صحیح اور جرح سے سالم ہے مولوی صاحب نے جو بھی اعتراض کیے وہ خدا کے فضل و کرم سے سب دور ہوئے۔ عبادہ کی اس روایت کے لیے بھی بہت سے شاہد ہیں (ا) امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ ۲۸ میں فرماتے ہیں "ثنا یحییٰ بن یوسف قال انبأ عبدالله عن ایوب عن ابی قلابة عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلّی الله علیه وسلم صلّی یا صحابه فلما قضٰی صلواته اقبل علیهم بو جه فقال اتقرؤن فی صلوٰتکم والامام یقرأ فسکتوا فقال ثلاث مرات فقال قائل او قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا و لیقرأ احد کم بفاتحة الکتاب فی نفسه" یہ حدیث صحیح ابن حبان صفحہ ۲۴۷ ج ۳ بالترتیب علاؤ الدین الفارسی، سنن کبریٰ للبیہقی صفحہ ۱۶۶ ج ۲ اور جزء القرأۃ للبیہقی صفحہ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰ میں بھی مروی ہے حافظ نور الدین ہیثمی مجمع الزوائد صفحہ ۱۱۰ ج ۳ میں بھی حدیث لا کر فرماتے ہیں۔ رواہ ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات .

(۲) جزء القرأۃ للبیہقی صفحہ ۵۳ اور سنن کبری بیہقی صفحہ ۱۶۶ ج ۲ میں سلیمان التیمی سے روایت ہے کہ "قال حدثت عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال اتقرؤن خلفی قالوا نعم قال فلا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب" اس سند میں اگر چہ ارسال ہے کہ سلیمان التیمی کا استاد مذکور نہیں ہے، لیکن دوسری سند سے راوی کی تصریح ہوئی ہے۔ کہ وہ یحیٰی بن کثیر ہے چنانچہ امام بیہقی سنن کبریٰ میں یہ روایت لانے کے بعد لکھتے ہیں کہ "کذالك رواه محمد بن ابی بکر المقد می عن یزید بن هارون وهو مر سل وقد روی عن وجه اخر عن یحییٰ بن ابی کثیر عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه فیما ذکر نا عنه"

(۳) امام بخاری جزء القرأۃ صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں ثنا شجاع بن الولید قال ثنا النضر قال ثنا عکرمة قال حدثنی عمرو بن سعد عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تقرؤن خلفی قالوا نعم انا النهذوا هذا قال فلا تفعلوا الا بام الکتاب ." یہ حدیث امام بیہقی جزء القرأۃ صفحہ ۵۳ میں بھی لائے ہیں۔

(۴) جزء القرأۃ للبیہقی صفحہ ۵۱ پر ابو قلابہ کے طریق سے ہے عن محمد بن ابی عائشه عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احد کم بفاتحة الکتاب" یہ روایت سنن کبریٰ بیہقی صفحہ ۱۶۶ ج ۲ میں بھی مذکور ہے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ "هذا اسناد جید" اسی معنی کی حدیث امام بخاری جزء

القرأۃ صفحہ ۹ پر بھی لائے ہیں۔ امام ابن حبان اپنی صحیح صفحہ ۲۵۷ ج ۲ بالترتیب الفارسی میں اوپر ذکر کردہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث لاکر فرماتے ہیں: سمع هذا الخبر ابو قلابه عن محمد بن ابی عائشة عن بعض اصحاب النبی ﷺ وسمعه من انس بن مالك رضی اللہ عنہ فالطریقان محفوظان" اس کے علاوہ دیگر کئی شواہد ہیں جو امام بیہقی نے جزء القرأۃ میں ذکر کیے ہیں۔؛ ان شواہد پر باب باندھا ہے باب ذکر الشواهد التی تشهد لروایة عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ فی استثناء قرأة الفاتحة الکتاب بالصحة مع استغفاء ها عن الشواهد"

**الحاصل**: ...... امام ابن اسحاق ثقہ اور معتبر ثابت ہوا۔ ان پر کوئی جرح باقی قائم نہ رہی۔ امام الشام مکحول کی تدلیس کا بھی کوئی شبہ نہ رہا یہ حدیث صحیح ثابت ہوئی۔ جس کی صحت محدثین کے علاوہ احناف نے بھی تسلیم کی ہے۔

ابن اسحاق اور مکحول اسی کی سند میں منفرد اور اکیلے نہیں ہیں، بلکہ دوسرے کئی راوی ان کی متابعت کرنے کرنے والے ہیں۔ لہٰذا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں کوئی شبہ نہ رہا بلکہ اس کے شواہد دیگر اصحاب سے پیش کیے گئے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ نہایت مشہور اور معروف ہے۔ جس کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نقل کرتی ہے۔ لہٰذا یہ قطعی اور یقینی کہا جائے گا اور پھر یہ مسئلے کے لیے نہایت واضح اور روشن دلیل ہے۔ کیونکہ یہ نماز فجر کا واقعہ ہے۔ لہٰذا جہری نماز میں امام کے پیچھے سورت الحمد نہ پڑھنے کے لیے زور لگایا وہ ہوا بن کر اڑ گیا۔ یہاں پر صریح ذکر ہے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں سورت فاتحہ پڑھتے تھے اور آپ کا مقتدیوں کو فرمان تھا کہ جہری نماز میں اور کچھ نہ پڑھیں لیکن سورت فاتحہ پڑھیں اس سے ثابت ہوا کہ مولوی صاحب اور ان کے ہم پیالہ بھائیوں نے جو روایات نفی یا منع کے لیے جمع کی ہیں۔ اگر چہ وہ صحیح بھی نہیں ہیں۔ جس طرح تفصیل سے گزرا مگر بالفرض والتقدیر اس کو صحیح تسلیم بھی کیا جائے تب بھی اس سے مراد سورت الحمد کے علاوہ باقی قرأت ہوگی۔ کیونکہ خود ان میں سے کسی میں بھی صریحاً صورت الحمد سے منع ذکر نہیں کی بلکہ سب مطلق وارد ہیں۔ لہٰذا جب کہ اس روایت میں الحمد کا حکم اور باقی قرأت سے منع ہے۔ یہ ان سب روایات کے لیے بیان ہے کہ ان میں باقی قرأت کی ممانعت ہے۔ نہ کہ فاتحہ کی اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر مقتدیوں اور اس کے پڑھنے والوں کو خطاب فرمایا کہ "فانه لا صلوٰة لمن لم یقرأ بها" (کیونکہ جس شخص نے الحمد نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہے) مولوی صاحب کے مدعی کی گردن توڑ دیتا ہے۔ کیونکہ خاص طور پر مقتدیوں کو حکم دینا کہ الحمد پڑھو۔ اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ایسا صریح حکم سن کر پھر کون سا مسلمان ہے جو اس میں تردد کرے اور ہر نمازی امام ومقتدی خواہ اکیلا ہو ہر ایک کے لیے

سورت فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ نماز نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ اوپر حدیث گذری کہ "من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحة الکتاب (مسند الشامیین للطبرانی صفحہ ۱۵۴ اور صفحہ ۴۴۱ قلمی) دوسری حدیث گذری کہ "لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب خلف الامام" (جزء القرأة للبیهقی صفحه ٤٧) اس طرح تیسری حدیث جزء القرأۃ صفحہ ۵۲ پر ہے "من لم یقرأ بام الکتاب خلف الامام فصلوٰته خداج" اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ حسب ضرورت پورا ہوا۔




مسئلہ
2
مسئلہ رفع الیدین

**صفحہ ۸۹:**......اس مسئلہ کے متعلق مولوی صاحب ابتدا میں اس طرح سے گل افشانی کرتے ہیں ''رفع الیدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے بعد میں نہیں ہے۔''

**اجمالی جواب:**......مولوی صاحب کو علم ہی نہیں کے وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ نہیں سوچتے کہ جو پھندا تیار کر رہے ہیں وہ ان کی اپنی گردن میں پورا آ رہا ہے۔ مولوی صاحب کے مذہب میں ہے کہ وتر میں دعا قنوت کے وقت رفع الیدین کی جائے چنانچہ ہدایہ صفحہ ۱۴۵ ج۱ میں ہے کہ "واذا اراد ان یقنت کبر لان الحالة قدا ختلفت ورفع یدیه وقنت لقوله علیه السلام لا تر فع الا یدی الا فی سبع مواطن وذکر منها القنوت" اب مولوی صاحب بتائیں کہ رفع الیدین تکبیر تحریمہ سے پہلے ہے یا بعد میں؟ ہدایہ یا دیگر فقہی کتب کا یہ فیصلہ مولوی صاحب کے اس جملے کے بعد کا نہیں ہے'' کہ موافق ہے یا مخالف۔ صاحب ہدایہ کی اس روایت کے متعلق جو آپ کے زیلعی نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ صفحہ ۱۳۶ ج۲ میں لکھتے ہیں کہ تقدم فی "سنة الصلوٰة ولیس فیه القنوت" اب مولوی صاحب بتائیں کہ خود آپ کے بزرگ کہہ رہے ہیں کہ اس روایت میں لفظ قنوت کا ذکر ہی نہیں ہے تو پھر مانتے ہو کہ رفع الیدین کیا جائے؟ صفۃ الصلوٰۃ میں زیلعی (صفحہ ۳۹۰ ج۱) اسی روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے اور دونوں روایات کے متن نقل کرتے ہیں۔ لیکن کسی میں بھی قنوت کا ذکر نہیں ہے اور دونوں کی اسناد کو ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے مذہب میں عیدین کی زائد تکبیروں میں رفع الیدین کرنا ہے۔ جس طرح آپ کے مذہب کے قائد ''محمد بن حسن الشیبانی کتاب الاصل ۳۷۴-۷۰ ج۱'' میں فرماتے ہیں "قال اذا افتتح الصلوٰہ رفع یدیه ثم یکبر ثلاثا فر فع یدیه ثم یکبر الخامسة ولا یر فع یدیه فاذا قام فی الثانیة قرأ کبر ثلاث تکبیرات ویر فع یدیه ثم یکبر الرابعة للرکوع ولا یر فع یدیه قلت و التکبیر فی الفطر والاضحی والخطبة والصلوٰة سواء قال نعم" (یعنی فرماتے ہیں کہ جب نماز (عید) شروع کرے گا ہاتھ اٹھائے گا پھر تین مرتبہ تکبیر کہے گا اور ہاتھ اٹھائے گا پھر پانچویں تکبیر (رکوع کے لیے کہے گا اور ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگا قرأت کرے گا۔ اور تین تکبیریں کہے گا اور ہاتھ نہیں اٹھائے گا، پھر چوتھی تکبیر رکوع کے لیے کہے گا لیکن ہاتھ نہیں اٹھائے گا میں نے کہا کہ تکبیرات نماز عید الفطر، الاضحیٰ، خطبہ اور نماز میں برابر ہیں، فرمایا جی ہاں) اب آپ بتائیں کہ امام صاحب کا قول آپ کے فرمان

''بعد میں نہیں ہے'' کے موافق ہے؟ ہرگز نہیں! اب کس کو جھوٹا کہیں آپ کی ہدایہ ''صفحہ ۱۴۷-۱۷۳ ج۱'' میں ہے کہ ''ویرفع یدیه فی تکبیرات العیدین یرید به ما سوی التکبیر فی الرکوع لقوله ﷺ لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن وذکر منها سبع مواطن وذکر من جملتها تکبیرات الاعیدا'' (یعنی نماز عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ اٹھائے گا علاوہ رکوع کی تکبیروں کے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائیں علاوہ سات مقامات کے اور ان میں سے عیدین کی تکبیریں ذکر کیں) اب مولوی صاحب بتائیں کہ یہ رفع الیدین تکبیر سے پہلے ہے یا بعد میں۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ ہدایہ میں جس روایت کا ذکر ہے اس کے متعلق خود آپ کے زیلعی تخریج ہدایہ یعنی نصب الرأیہ صفحہ ۲۲۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ ''تقدم فی صفة الصلوٰة ولیس فیه تکبیرات العیدین'' (یعنی نماز کے طریقہ میں یہ بات گذری اور اس میں عیدین کی تکبیروں کا ذکر نہیں ہے) اور صفۃ الصلوٰۃ میں یہی روایت ہے جس کو زیلعی نے ابن عباس اور ابن عمر سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور اس کا مطلب ذکر کیا لیکن اس میں عیدین کی تکبیروں کا کوئی ذکر نہیں اب عجیب سوال یہ ہے کہ مولوی صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ رفع الیدین صرف تکبیر اولیٰ میں ہے اس کے بعد نہیں ہے اور پھر اس کے بعد بھی کرتے ہیں۔ ایسے مقامات پر جن کا ثبوت دلیل شرعی میں کوئی نہیں اور جو روایت پیش کرتے ہیں وہ نہ صحیح ہیں اور نہ اس میں قنوت یا تکبیرات کا ذکر ہے جس کا اعتراف آپ کے احناف کو بھی ہیں، پھر بھی اپنے امام کے قول کو اپنی پیش کردہ احادیث کے مقابلے میں مقدم کرتے ہیں اور ان کی پیش کردہ روایات میں سے کسی میں بھی یہ لفظ نہیں ہیں کہ رکوع کرتے وقت یا رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہ کیا جائے بلکہ صرف تکبیر تحریمہ کا ذکر ہے۔ جس طرح کہ خود ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''پھر نماز پڑھائی اور صرف ایک مرتبہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین (ہاتھ اوپر) نہ کیا'' ''اور رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ'' کو اس کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اور اس قسم کی احادیث سے اس کو رد کرتے ہیں۔ پھر اپنے مذہب والی حنفی رفع الیدین کہاں سے لائے حالانکہ محدثین والی رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ کے متعلق بے شمار احادیث موجود ہیں۔ پھر اگر صرف ان کے امام کے کہنے کی وجہ سے یا ان کے فقہی فیصلہ کی خاطر ان کی پیش کردہ حدیث سے اس حنفی رفع الیدین کی استثناء کو برحق کہتے ہیں۔ اور محدثین والی رفع الیدین کو باوجود بے شمار احادیث کے اس سے مستثنیٰ نہیں کرتے؟ یہ بھی کوئی انصاف ہے! یا تو حنفی رفع الیدین کے متعلق بھی کوئی صحیح اور صریح حدیث دکھائیں جس طرح محدثین کی رفع الیدین کے متعلق صحیح اور صریح احادیث ہیں، ورنہ ان کا یہ اعتراض سب سے پہلے ان کے سر پر ہے اور جو یہ فیصلہ دیا ہے ''پھر نہیں ہے اس کو سب سے پہلے توڑنے والے خود ہیں اور جو روایات پیش کی

ہیں ان کا سب سے پہلا مخالف خود ہے :.......

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اس کے بعد تفصیلی جواب عرض کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے مجموعی دس دلائل کا ذکر کیا ہے پہلی دلیل میں ابن مسعود کی روایت نقل کرتے ہیں۔

## عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی اسنادی حیثیت

**جواب:** ...... یہ روایت صحیح نہیں ہے عام محدثین اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ قال ابن ابی حاتم عربی عبارت کتاب کے صفحہ ۱۵۰۔ ۱۵۱ سے نقل کی جائے۔

مطلب یہ کہ تمام محدثین مثلا ابو حاتم رازی، ابن ابی حاتم، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، یحییٰ بن آدم القرشی، امام بخاری، ابو داؤد، دارقطنی، ابن حبان، بیہقی، محمد بن نصر مروزی ابو بکر البزار، ابن عبد البر نووی اور حافظ ابن حجر یہ سب اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔ نیز امام ابن تیمیہ منہاج السنۃ صفحہ ۱۱۰ ج ۴ میں اس روایت کو جھوٹا اور باطل شمار کرتے ہیں۔ نیز حافظ ابن قیم المنار صفحہ ۴۹ میں اس کو باطل روایات میں شمار کرتے ہیں اور امام ابن مبارک تبع تابعی بھی اس کو غیر ثابت کہتے ہیں جیسا کہ آگے چل کر تفصیلاً بیان ہوگا۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ "اتفقوا علی وضعہ "جس طرح کہ" محمد طاہر فتنی حنفی تذکرۃ الموضوعات میں صفحہ ۳۹" اور علامہ ابوالحسن الکندی نے تنزیہ الشریعۃ صفحہ ۱۰۴ ج ۲ میں ذکر کیا ہے اس کا ضعف اس وجہ سے ہے۔

**اولاً:** ...... اس کی سند میں عاصم بن کلیب ہے جو اکیلا ہے اس کے متعلق امام علی بن مدینی فرماتے ہیں۔ لا یحتج اذا انفرد" (التھذیب صفحہ ۵۶ ج ۵) چونکہ یہاں پر کوئی شاہد نہیں ہے لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہ رہی۔ اور اس کے دفاع کے لیے مولوی صاحب نے جو کوشش کی اس کی اپنی جگہ پر پوری خبر لی جائے گی۔

**ثانیاً:** ......سند میں عبدالرحمٰن بن الاسود۔ عاصم بن کلیب کا استاد ہے جو علقمہ سے روایت کرتا ہے۔ اس میں انقطاع کا شبہ ہے "قال الحافظ المنذری فی مختصر السنن وقال غیر ابن المبارك لم یسمع عبدالرحمن من علقمة" (نصب الرایہ صفحہ ۳۹۵ ج ۱) (یعنی ابن مبارک کے علاوہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے علقمہ سے نہیں سنا) قل اگر چہ نا معلوم ہے لہٰذا الغایۃ اگر چہ فیصلہ قطعی نہیں ہوسکتا لیکن تاہم شبہ باقی ہے۔ قوی اور کثیر تعداد روایات کے مقابلے میں ایسی مشتبہ روایت مردود ہے۔

**ثالثاً:** ...... یہ روایت واہی طریق سے ہے جس طرح دارقطنی (صفحہ ۱۱۱) طبع ہند اور بیہقی صفحہ ۷۹ ج ۲) میں

اس سند سے ہے عن محمد بن جابر عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم عن علقمة عن ابن مسعود" حالانکہ محمد بن جابر مشہور ضعیف راوی ہے۔ میزان الاعتدال صفحہ ۳۳ ج ۳ میں ہے "ضعفه ابن معین والنسائی وقال البخاری لیس بالقوی وقال ابو حاتم سآء حفظه فی الآخر وذهبت کتبه قلت واضر وقال احمد لا یحدث عنه الا شر منه وقال ابن حبان کان اعمی یلحق فی کتبه ما لیس من حدیثه ویسرق ما ذکر به فیحدث به" (ابن معین اور نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں آخری عمر میں حافظہ خراب ہوگیا کتابیں ضائع ہوگئیں۔ امام احمد فرماتے ہیں اس سے صرف وہ حدیث بیان کرے گا جو اس سے زیادہ شریر ہوگا ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ نابینا تھے اپنی کتب میں وہ چیزیں داخل کر دیتے تھے جو اپنی حدیث نہ تھیں اور احادیث چوری کرتے تھے) اور تہذیب صفحہ ۷۹ ج ۹ میں ہے قال عمرو بن علی متروك الحدیث وقال ابو زرعة ساقط الحدیث وقال محمد بن عیسی الطباع سمعت ابن مهدی یضعفه وقال یعقوب بن سفیان والعجلی ضعیف (یعنی عمرو بن علی انہیں متروک الحدیث کہتے ہیں ابو زرعہ ساقط الحدیث کہتے ہیں محمد بن عیسٰی طباع کہتے ہیں کہ ابن مہدی سے سنا وہ انہیں ضعیف قرار دیتے تھے۔ یعقوب بن سفیان اور عجلی ضعیف کہتے ہیں اس قدر زیادہ ائمہ حدیث اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ بعض تو انہیں متروک الحدیث (متهم بالکذب) بعض ساقط کہتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ روایت خود ان کی گھڑی (تراشی) ہو۔ اسی وجہ سے کہ امام ابن جوزی نے کتاب الموضوعات صفحہ ۹۶ ج ۲ میں اس کو ذکر کیا ہے۔

**رابعاً:**...... ائمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ اس روایت میں راوی کو وہم ہوا ہے۔ آپ کی نصب الرایہ صفحہ ۳۹۶ ج ۱ میں ہے والبخاری وابو حاتم جعلا الوهم فیه من سفیان وابن القطان وغیره یجعلون الوهم من وکیع" یعنی سب اس کے وہم ہونے پر متفق ہیں پھر کسی کو بھی وہم ہوا ہو۔

**خامساً:**...... تحقیقی طور پر یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے آپ کے کعبہ قبلہ اور مذہبی رہنما امام محمد بن الحسن کی مؤطا صفحہ ۹۴ پر ہے "اخبر نا الثوری حدثنا حسین عن ابراهیم عن ابن مسعود انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة اور اس کو مرفوع کرنے میں اوپر والے راوی محمد بن جابر کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے یا ان کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا ان پر کئی جرحیں ہیں بلکہ ان کا حافظہ بالکل خراب تھا اور وہ مرگی کی بیماری میں مبتلا تھا انہیں دورے پڑتے تھے۔ جیسا کہ میزان صفحہ ۲۶۹ ج ۱ میں ان کا ترجمہ مذکور ہے۔

"قال الدار قطنی تفرد به محمد بن جابر وکان ضعیفا عن حماد عن ابراهیم

وغیرھما یرویه عن ابراھیم مرسلا عن عبدالله من فعله غیر مرفوع وھو الصواب وقال البیھقی فی سننه وکذالك رواہ حماد بن سلمة عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم عن ابن مسعود مرسلا (نصب الرایہ صفحہ ۳۹۶ ج ۱) (یعنی امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں محمد بن جابر نے تفرد کیا ہے وہ ضعیف تھا۔ انہوں نے حماد سے اور اس نے ابراھیم سے روایت لی ہے اور حماد کے علاوہ ابراہیم سے روایت کرتا ہے مرسل طور پر۔ عبداللہ سے اور جس نے غیر مرفوع (موقوف) بنائی اس نے صحیح کیا ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں۔ اس طرح اس کو روایت کیا ہے حماد بن سلمہ نے حماد بن ابی سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے اس نے ابن مسعود سے مرسل طور پر) بلکہ یہ عبارت اوپر ذکر کردہ انقطاع والے احتمال کو تقویت دیتی ہے۔

**سادساً**: ......خود اصل کتاب میں یہ روایت اس طرح نہیں بلکہ اس میں راوی کا تعارف ہوا ہے۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ: قال احمد بن حنبل عن یحییٰ بن آدم نظرت فی کتاب عبدالله بن ادریس عن عاصم بن کلیب ولیس فیه ثم لم یعد فھذا اصح لان الکتاب احفظ عند اھل العلم لان الرجل یحدث بشی ثم یرجع الی الکتاب فیکون کما فی الکتاب" (امام احمد بن حنبل یحیٰی بن آدم سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ادریس کی کتاب دیکھی۔ جو عاصم بن کلیب سے تھی اور اس میں "ثم لم یعد" یعنی دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھانے کے الفاظ نہیں تھے، یہی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ کتاب زیادہ احفظ ہے اہل علم کے نزدیک آدمی کوئی چیز بیان کرتا ہے پھر اصل کتاب کی طرف رجوع کرتا ہے پس وہی اصل بات ہوتی ہے جو کتاب میں موجود ہو) ثابت ہوا کہ اس میں وقت انتقالات رفع الیدین کرنے کا انکار اصل میں ہے ہی نہیں۔

**سابعاً**: ...... یہ روایت مقلوب ہے اور اس کے الفاظ میں ہیر پھیر ہوا ہے، اصل الفاظ اس طرح ہیں "قال البخاری فی جزئه حدثنا الحسن بن الربیع ثنا ابن ادریس عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود ثنا علقمة ان عبدالله قال علمنا رسول الله ﷺ الصلوٰۃ فقام فکبر ورفع یدیه ثم رکع فطبق بین یدیه فجعل بین رکبتیه فبلغ ذالك سعدا فقال صدق اخی الا بل کنا نفعل ذالك فی اول الاسلام ثم امرنا بھذا قال البخاری وھذا المحفوظ عند اھل النظر من حدیث عبدالله بن مسعود" (یعنی عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز سکھائی پس کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھائے پھر رکوع کیا اور اپنے ہاتھوں کی تطبیق بنا کر اپنے گھٹنوں کے درمیان رکھا۔ پس یہ بات سعد کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی نے سچی بات کی

ہے مگر یہ کام ہم ابتدائے اسلام میں کرتے تھے، پھر ہمیں اس کا حکم دیا گیا یعنی تطبیق نہ کرنے کا امام بخاری فرماتے ہیں یہ حدیث محفوظ ہے اہل نظر کے ہاں عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی نسبت سے) ثابت ہوا کہ یہ روایت محدثین کے نزدیک بمع ضعف شاذ بھی ہے۔

**ثامناً**: ...... بلکہ اصل روایت میں خود ابن مسعود رسول اکرم ﷺ سے رکوع کرتے وقت رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں جس طرح اوپر والی روایت میں تصریح ہوئی ہے۔"رفع یدیه ثم رکع" یعنی رفع الیدین کر کے پھر رکوع کیا اور یہ روایت "سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۹ طبع ہند" میں اس طرح سے ہے۔ قال علمنا رسول الله ﷺ الصلوٰة رفع یدیه ثم رکع الحدیث اور امام ابو داؤد بھی اپنی سنن صفحہ ۱۲۹ ج ا میں یہ روایت باب رفع الیدین کے باب میں لائے ہیں، پھر وہ الفاظ جو مولوی صاحب نے نقل کیے ہیں یعنی "لم یرفع یدیه الا فی مرة" کی نسبت ابن مسعود کی طرف کس طرح صحیح ہو سکتی ہے بلکہ محدثین نے انہیں بھی ان صحابہ کرام میں شمار کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں (نصب الرایه صفحه ۴۱۸ ج ۱۔ نقلاً عن البیهقی) بلکہ علامہ ابن الملقن البدر المنیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر) (المصور) میں فرماتے ہیں کہ "قال البیهقی فی الخلافیات ویعارضه بانه قد روی حدیثا مسلسلا عن علقمة عن عبدالله عن النبی ﷺ ذکر فیه الرفع عند الرکوع والرفع منه."

**تاسعاً**: ...... امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں "ولم یثبت عند اهل النظر ممن ادرکنا من اهل الحجاز واهل العراق منهم عبدالله بن الزبیر وعلی بن عبدالله بن جعفر ویحییٰ بن معین واحمد بن حنبل واسحاق بن راهویه وهؤلآء اهل العلم من بین اهل زمانهم فلم یثبت عند احد منهم علم فی ترك رفع الا یدی عن النبی ﷺ وله عن احد من اصحاب النبی ﷺ انه لم یرفع یدیه" (یعنی وہ اہل علم واہل نظر جنہیں ہم نے اہل عراق اور اہل حجاز میں سے دیکھا ہے ان میں سے عبداللہ بن زبیر، علی بن عبداللہ بن جعفر، ابن معین، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ان کے زمانے کے لوگوں میں سے کسی کے علم میں نہ تھا کہ رفع الیدین ترک ہے نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے رفع الیدین نہ کی ہو) پھر جب حجاز خواہ عراق کے علماء حدیث میں سے کسی کے بھی علم میں کوئی ایسی روایت نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ خواہ کسی ایک صحابی سے رفع الیدین چھوڑنے کا ثبوت ہو تو پھر مولوی صاحب کی ذکر کردہ اوپر والی روایت کس کھار میں ہوئی۔ خاص طور پر علم حدیث کے پائے کے پانچ امام یعنی حمیدی، ابن المدینی، ابن معین، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ان سب کے متفقہ

فیصلے کے مطابق یہ روایت بالکل غیر صحیح ہے۔ بلکہ امام بخاری نے تو ثابت کیا ہے صحابہ کرام سب رفع الیدین کرتے تھے۔ جیسا کہ آگے ذکر ہوگا جہاں پر مولوی صاحب نے صحابہ کے موقوف اثر ذکر کیے ہیں۔

**عاشرا** ...... خود امام وکیع جو اس روایت کی سند میں واقع ہے اور امام ترمذی کے استاد ہناد کے استاد اور عاصم بن کلیب کے شاگرد سفیان کے شاگرد ہیں وہ خود رفع الیدین کے قائل تھے (جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۱۱۔ ۱۵ طبع دہلی) اور سنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۸۲ ج ۲۔ میں وکیع سے روایت ہے کہ "قال صلیت فی مسجد الکوفة فاذا ابو حنیفة قائم یصلی وابن المبارك الی جنبه یصلی فاذا عبدالله یر فع یدیه وکلما رکع وکلما رفع وابوحنیفه لا یر فع فلما فر غوا من الصلوٰة قال ابو حنیفة لعبدالله یا ابا عبدالرحمن رأ یتك تکثر رفع الیدین اردت تطیر فقال له عبدالله یا ابا حنیفة قد رایتك تر فع یدیك حین افتتحت الصلوٰة فاردت ان تطیر فسکت ابو حنیفة قال وکیع فما رأیت احضر من جواب عبدالله لا بی حنیفة" (یعنی امام وکیع فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد کوفہ میں نماز پڑھی ابوحنیفہ بھی نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے پہلوں میں عبداللہ بن مبارک نماز پڑھ رہے اور عبداللہ رفع الیدین کرتے تھے جب رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور ابوحنیفہ ہاتھ نہیں اٹھا رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ابوحنیفہ نے عبداللہ بن مبارک سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن میں نے آپ کو کثرت سے رفع الیدین کرتے تھے۔ دیکھا ہے گویا کہ آپ اڑنے لگے ہیں ان کے جواب میں عبداللہ بن مبارک نے فرمایا، اے ابوحنیفہ! جب آپ نے نماز شروع کی تو آپ بھی اڑنے لگے تھے اس پر ابوحنیفہ خاموش ہوگئے امام وکیع فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے زیادہ حاضر جواب ابوحنیفہ کے لیے کوئی نہیں دیکھا) یہ واقعہ امام احمد بن حنبل کے فرزند امام عبداللہ کی کتاب السنۃ صفحہ ۵۹ پر اور امام ابن قتیبہ تاویل مختلف الحدیث صفحہ ۶۶ پر اور امام ابن حبان کتاب الثقات صفحہ ۱۷ ج ۴ (المخطوط) پر اور امام خطیب بغدادی تاریخ بغداد صفحہ ۴۱۶ ج ۱ میں ذکر کرتے ہیں اور یہ دس تو جیہات اسی حدیث کے ضعیف اور ناکارہ ہونے کے لیے کافی ہیں۔

## رفع الیدین والی روایات متواتر ہیں

**الجواب الثانی:** ...... اگر بفرض محال اس روایت کو معتبر مان لیا جائے تب بھی رفع الیدین کے متعلق کثیر تعداد میں جو روایات مروی ہیں ان کے مقابلے جیسی نہیں ہے اس کی چند وجوہات ہیں۔

**اول:** ...... اس روایت کے (علی شرط الصحۃ) خبر واحد ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور رفع الیدین کے

اثبات والی روایات کو محدثین خواہ احناف نے متواتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابن حزم المحلی صفحہ ۹۳ ج ۴ اور ابن حجر فتح الباری صفحہ ۱۴۶ ج ۱، شیخ الاسلام ابن تیمیہ القواعد النورانیہ الفقھیہ صفحہ ۴۸، علامہ مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادۃ صفحہ ۱۴، حافظ جلال الدین السیوطی الازھار المتناثرہ فی اخبار المتواترہ صفحہ ۱۶، شیخ سلام اللہ دہلوی حنفی المحلی شرح الموطا (قلمی) اور علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۷۱ میں یہ سب رفع الیدین کی احادیث کو متواتر مانتے ہیں اور سید انور شاہ کشمیری نیل الفرقدین صفحہ ۲۲ پر صاف کہتے ہیں کہ "ولیعلم ان الرفع متواتر اسنادا وعملاً لا یشك فیه ولم ینسخ فیه ولا حرف منه" یعنی رفع الیدین کی احادیث سنداً وعملاً متواتر ہیں ان میں کوئی شک نہیں اور ان کا کوئی حرف منسوخ نہیں ہوا) اور متواتر حدیث خبر واحد سے ہر حال میں راجح ہوتی ہے۔ اصول فقہ حنفیہ کی معتبر اور درسی کتاب نور الانوار صفحہ ۱۷۷ پر ہے "لا یکفر جاحده بل یضلل علی الاصح وقال الجصاص انه احد قسمی المتواتر فیفید علم الیقین ویکفر جاحده کالمتواتر علی مامر" یعنی متواتر کا منکر کافر ہے۔ اور خبر واحد کا منکر کافر نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ رفع الیدین کا مسئلہ متواتر احادیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے عقائد کے مسائل میں داخل ہے۔ لہٰذا ایسی موہوم روایت سے متواتر کا مقابلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

**الثانی**: ...... رفع الیدین کے ناقل صحابہ کرام کی تعداد کثیر ہے چنانچہ زیلعی حنفی نصب الرایہ صفحہ ۴۱۸ ج ۱ میں ۳۴ صحابہ کے نام شمار کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کی احادیث کے راوی ہیں اور لکھنوی صاحب التعلیق الممجد صفحہ ۷۱ پر ۲۳ صحابہ کی احادیث کہتے ہیں علامہ حافظ ابو الفضل عراقی ۵۰ صحابہ کی احادیث شمار کرتے ہیں فی فتح الباری صفحہ ۱۴۹ ج ۱ "وذکر شیخنا ابو الفضل انه تتبع من رواه من الصحابة فبلغوا خمسین رجلاً" امام نووی شرح المہذب صفحہ ۴۰۱ ج ۱ میں ابو علی الحافظ سے نقل کرتے ہیں کہ "روی الرفع عن النبی ﷺ ثلاثون من الصحابة رضی الله عنهم" امام ابن جوزی الموضوعات صفحہ ۹۸ ج ۲ میں ۲۶ صحابہ کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "وهذه حسنة قد رواها عن رسول الله ﷺ ابو بکر وعمر وعثمان وعلی وعبدالرحمن بن عوف وحسین بن علی بن ابی طالب ومعاذ بن جبل وعمار بن یاسر وابو موسیٰ وعمران بن حسین وابن عمر وابن عمرو وابن عباس وجابر وانس وابوهریرة ومالك بن الحارث وسهل بن سعد وبریدة ووائل بن حجر وعقبة بن عامر وابو سعید الخدری وابو حمید الساعدی وابو امامة الباهلی وعمر بن قتادة وعائشة واتفق علی العمل بها مالك والشافعی واحمد بن حنبل" (یعنی ان مذکور صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے رفع الیدین

کا عمل نقل کیا ہے اور ان سے امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل نے موافقت کی ہے) علامہ فیروز آبادی سفر السعادۃ صفحہ مذکورہ پر فرماتے ہیں "وقد صح فی هذا الباب اربع مائة خبر واثر رواه العشرة المبشرة بالجنة" یعنی اس باب میں چار سو اخبار و آثار مروی ہیں اور اس کو عشرہ مبشرہ صحابہ کرام نے بیان کیا ہے) اتنے زیادہ صحابہ کرام کی روایات اس روایت سے ہر لحاظ میں مقدم ہیں شاہ ولی اللہ الدہلوی حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۴۲ ج ۱۲ اصح المطابع میں لکھتے ہیں کہ "احادیث الرفع اکثر واثبت" یعنی رفع الیدین روایات زیادہ اور ثابت ہیں) اور لکھنوی صاحب التعلیق الممجد صفحہ ۷۱ پر لکھتے ہیں کہ "ان ثبوته عن النبی ﷺ اکثر وارجح" (یعنی رفع الیدین کا ثبوت نبی اکرم ﷺ سے اکثر اور راجح ہے) پھر لکھتے ہیں کہ القول بر جحان ثبوت الرفع عن رسول الله ﷺ"

**الثالث:** ...... خود ابن مسعود سے مرفوعاً خواہ موقوفاً رفع الیدین کی روایت موجود ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ لہٰذا یہی روایت راجح کہی جائے گی جو عام صحابہ کرام کی جماعت سے موافقت کرتی ہو۔

**الرابع:** ...... اگر بالفرض ابن مسعود سے عدم الرفع والی روایت کو ثابت تسلیم کیا جائے تب بھی حجت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ ابن مسعود بھول گئے ہوں۔ کیونکہ صحابہ کرام کی جم غفیر جماعت کی تکذیب لازم آئے گی۔ حالانکہ ابن مسعود سے کئی ایسی نسیان ہوئی ہیں۔ جن میں ہمیشہ سلف سے خلف تک مسلمان متفق رہے ہیں "قال صاحب التنقيح قال الفقيه ابو بكر ابن اسحاق ان رفع اليدين قد صح عن النبی ﷺ ثم عن الخلفاء الراشدين ثم عن الصحابة والتابعين وليس فی نسيان ابن مسعود لذالك ما يستغرب قد نسی ابن مسعود من القرآن مالم يختلف المسلمون فيه من بعدوهی المعوذتان ونسی ما اتفق العلماء علی نسخه كا لتطبيق ونسی كيف قيام الا ثنين خلفاالامام ونسی ما لم يختلف العلماء فيه ان النبی ﷺ صلی الصبح يوم النحرفی وقتها ونسی كيفية جمع النبی ﷺ بعرفة ونسی مالم يختلف العلماء فيه من وضع المرفق والساعد علی الارض فی السجود ونسی كيف كان يقرأ النبی ﷺ وما خلق الذكر والانثیٰ واذا جاز علی ابن مسعود ان ينسی مثل هذا فی الصلوٰة كيف لا يجوز مثلا فی رفع اليدين (نصب الرأيه للزيلعی الحنفی صفحه ۳۹۷ ج ۱۔ والتعليق الممجد لكهنوی صفحه ۷۳) (یعنی فقیہ ابو بکر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رفع الیدین صحیح طور پر نبی ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین ان کے بعد صحابہ کرام اور تابعین سے ثابت ہے۔ ابن مسعود کا اس میں بھولنا عجیب نہیں ہے کیونکہ ابن مسعود قرآن پاک سے وہ بھول گئے جن

پر مسلمان متفق ہیں۔ یعنی معوذتین اور تطبیق کا منسوخ ہونا جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور امام کے پیچھے دو آدمیوں کا کھڑا ہونا بھول گئے، جس میں اختلاف نہیں کہ نبی ﷺ نے نحر کے دن نماز اس کے وقت میں پڑھی اور نبی ﷺ کا عرفات میں نمازوں کا جمع کرنا بھول گئے اور اسی طرح جس میں علماء کا اختلاف نہیں کہ کہنی اور بازو سجدہ کے وقت زمین پر کس طرح رکھے جائیں گے اور سجدہ کیا جائے گا اور نبی اکرم ﷺ کس طرح سے ''وما خلق الذكر و الانثىٰ'' پڑھتے تھے جب ابن مسعود اس طرح کی باتیں بھول سکتے ہیں تو کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ رفع الیدین بھی بھول گئے ہوں) پھر جب ان سے اتنے سارے مسائل میں بھول ہوسکتی ہے تو پھر رفع الیدین کا بھولنا بھی ان سے ناممکن نہیں ہے بلکہ اوپر کئی ایسے مسائل بھی ہیں جنہیں خود حنفی حضرات بھی نہیں مانتے اور بھولنا کوئی عجیب بات نہیں ہے جس طرح کہ خود مولوی صاحب تحفۃ الحدیث صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں ''اول الناس اول ناس'' مثال مشہور ہے اور قرآن کریم میں ہے ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ﴾ (الاعلی) ﴿وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (الانعام) ﴿وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ﴾ (الکھف) ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ (طہ) پھر جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھول ممکن ہے تو پھر امتیوں سے بطریق اولی ممکن ہے۔

**الخامس:** ...... ابن مسعود کی روایت اگر چہ ضعیف ثابت ہوئی تاہم خواہ مخواہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رکوع اور اس سے اٹھتے وقت اور دو رکعات کے بعد اٹھتے ہوئے رفع الیدین نہ کی جائے۔ بلکہ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ایک دفعہ ہاتھ اٹھائے جائیں نہ کہ اس سے زیادہ کیونکہ مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''ولم یرفع یدیه الامرة واحدة مع تكبيرة الافتتاح'' اب کلمہ ''مع'' پر غور کیا جائے جو ظرف ہے اور اس کو کس کے متعلق کیا جاتا ہے؟ بظاہر تو فعل لم یرفع کے ساتھ متعلق ہوگا۔ اس طرح معنی یہ ہوگا کہ تکبیر افتتاح کے وقت رفع الیدین نہ کیا۔ لیکن ایک دفعہ یا پھر یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اوّل رکعت کے علاوہ باقی دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں نہ کیا۔ جس طرح کہ شافعیوں خواہ احناف کا مسلم بزرگ امام نووی شرح المھذب صفحہ ۴۰۲ ج ۳ میں لکھتے ہیں ''ذكر اصحابنا قالوا لو صح وجب تأويله على ان معناه لا يعود الى الرفع فى ابتداء واستفتاحه ولا فى اول باقى ركعات الصلوٰة الواحدة يتعين تأويله جمعا بين الاحاديث'' (یعنی ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کی تاویل کا یہ معنی ہوگا کہ استفتاح کی ابتدا میں دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے اور باقی نماز کی رکعات کی ابتدا میں اسی تاویل سے تواتر احادیث کو جمع کیا جاسکتا ہے) نیز علماء صوفیہ کا قائد اور زعماء حنفیہ کا مرجع اور ماوی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی مشہور کتاب الفتوحات المکیہ صفحہ ۱۳۷ ج ۱

میں لکھتا ہے کہ ”وغاية المفهوم من حديث ابن مسعود والبراء بن عازب انه كان عليه السلام يرفع يديه عند الاحرام مرة واحدة لا يزيد عليها اى انه رفع مرة واحدة لم يصنع ذالك مرتين عند الاحرام ويحتمل ان يريدا بقولهما لا يزيد اى لا يرفعهما مرة اخرىٰ فى باق الصلوٰة فما هو نص وقد ثبتت الزيادة برفعه عند الركوع والرفع منه وغير ذالك والزيادة من العدل ثقة مقبولة فالا ولىٰ رفعهما فى جميع المواطن التى جاء ت الرواية بالرفع فيها۔ (یعنی ابن مسعود اور براء بن عازب کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت ایک مرتبہ ہاتھ اٹھاتے تھے اس سے زیادہ نہیں۔ یعنی ایک دفعہ ہاتھ اٹھائے تکبیر تحریمہ کے وقت دو مرتبہ نہیں اٹھائے اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ باقی نماز میں نہیں اٹھائے۔ پس جو نص ثابت ہے اس میں زیادہ مرتبہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانا ہے اس کے علاوہ زیادہ عادل ثقہ راویوں سے مقبول ہے تمام مقامات پر جن کا ذکر روایات میں ہے ان میں ہاتھ اٹھانا بطریق اولیٰ لازم ہے) اب معنی ارجح اور انسب بلکہ متعین ہے۔ لو جوہ، پہلی یہ کہ دیگر روایات میں رفع الیدین کا حکم صریحاً موجود ہے لہٰذا جمعاً بين الادلة اس محتمل روایت کا معنی وہ ہوگا جو باقی روایات سے موافق ہو۔ دوسرا یہ کہ اوپر حدیث میں گذرا کہ خود ابن مسعود سے رفع الیدین عندالرکوع ثابت ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس روایت میں عندالرکوع کی نفی نہیں ہے تیسری یہ کہ آگے چل کر امام بخاری کی کلام سے ثابت ہوگا کہ سب صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے۔ جن میں سے ابن مسعود بھی ہیں لہٰذا روایت کا ایسا معنی ہونا چاہیے جو اس کے موافق ہو۔

**السادس**: ...... اثبات کی کئی ایسی روایات ہیں جو طبقہ اولیٰ میں سے ہیں مثلاً ابن عمر کی روایت صحیحین اور مؤطا مالک میں ہے اور مالک بن الحویرث کی حدیث صحیحین میں ہے اور وائل بن حجر کی روایت مسلم میں ہے اور ابن مسعود والی روایت جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے وہ طبقہ اولیٰ کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ بلکہ طبقہ ثانیہ میں سے ہے شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغۃ (صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۵ ج ۱) طبع منیریہ میں حدیث کی کتب کے پانچ طبقات ذکر کیے ہیں فرماتے ہیں کہ ”فالطبقة الاولى منحصر بالاستقراء فى ثلثة كتب المؤطا وصحيح البخارى وصحيح مسلم۔ والطبقة الثانيه كتب لم تبلغ مبلغ المؤطا وصحيحين۔ كسنن ابى داؤد وجامع الترمذى ومجتبى للنسائى۔“ مختصراً ثابت ہوا کہ آپ کی نقل کردہ حدیث ان احادیث کے مرتبے کو نہیں پہنچتی۔

**الحاصل**: ...... یہ روایت سنداً خواہ متناً دونوں لحاظ سے مولوی صاحب کے لیے مفید نہیں ہے۔ مولوی

صاحب اس روایت کے متعلق سات کتب کا حوالہ دیتے ہیں جن میں مشکوٰۃ عربی اور مشکوٰۃ مترجم سندھی کو دو کتابیں شمار کرتا ہے۔ یہ ہے مقلدین کا علم۔ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین (صفحہ ۴۵ ج ۱) میں فرماتے ہیں "ولا خلاف بین الناس ان التقلید لیس بعلم وان المقلد لا یطلق علیه اسم عالم" (یعنی لوگوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تقلید کوئی علم نہیں ہے اور مقلد کو عالم نہیں کہا جاسکتا) امام ابن جوزی تلبیس ابلیس صفحہ ۸۱ پر فرماتے ہیں کہ "اعلم ان المقلد علی غیر ثقة فیما قلد فیه وفی التقلید ابطال منفعة العقل لانه انما خلق للتأمل والتدبر وقبیح بمن اعطی شمعة یستضیء بها ان یطفئها و یمشی فی الظلمة" (یعنی یہ جاننا چاہیے کہ مقلد جو تقلید کرتا ہے ثقہ نہیں ہوتا تقلید کرنے سے عقل ختم ہوجاتی ہے۔ کیونکہ یہ غور وفکر کرنے کے لیے پیدا کیا گیا اور وہ بہت برا انسان ہے جس کو شمع (موم بتی) دی جائے تاکہ اس کے ساتھ روشنی حاصل کرے اور وہ اس کو بجھا کر اندھیرے میں چلتا ہے) بہرحال چھ کتب ہیں۔ ان میں سے چار میں تو اس روایت پر جرح موجود ہے چنانچہ امام ابوداؤد اپنی سنن (صفحہ ۹۔ ۱۱۰ ج ۱) میں ابن مسعود اور براء بن عازب سے روایت لاکر آخر میں فرماتے ہیں کہ "هذا الحدیث لیس بصحیح" (یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے) اور امام ترمذی اپنی سنن (صفحہ ۲۵ ج ۱) میں فرماتے ہیں کہ "قال عبدالله بن المبارك قد ثبت حدیث من یرفع وذکر حدیث الزهری عن سالم عن ابیه ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ لم یرفع الافی اوّل مرة حدثنا بذالك احمد بن عبدة الآملی ثنا وهب بن زمعة عن سفیان بن عبد الملك عن عبدالله بن المبارك" (یعنی امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ رفع الیدین کی حدیث ثابت ہے اور حدیث زہری سالم عن ابیہ بیان کی اور ابن مسعود کی یہ روایت کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ کے بعد دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے ثابت نہیں) اور مشکوٰۃ صفحہ ۷۷ باب صفة الصلوٰة الفصل۔ الثالث میں یہ حدیث لاکر فرماتے ہیں کہ "وقال ابو داؤد لیس هو بصحیح هذا المعنی" (یعنی امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ اس معنی میں صحیح نہیں ہے) اور نیل الاوطار (صفحہ ۱۸۷ ج ۲) باب حدیث ابن مبارک ابن، ابی حاتم، احمد بن حنبل، یحییٰ بن آدم، ابوداؤد، دارقطنی اور ابن حبان سے ان کا ضعیف ہونا ثابت کرتے ہیں۔ پھر تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "ولا یخفی علی المنصف ان هذه الحجج التی وروها منها ما هو متفق علی ضعفه وهو ما عدا حدیث ابن مسعود منها کما بینا ومنها ما هو مختلف فیه وهو حدیث ابن مسعود لما قد منا من تحسین الترمذی وتصحیح ابن حزم له ولکن این یقع هذا التحسین والتصحیح من قدح اولئك الائمة الا کابر

فیه غایة الامر ونهایته ان یکون ذالك الا ختلاف موجبا لسقوط الاستدلال به" جن کتب میں سے مولوی صاحب روایت نقل کر رہے ہیں ان میں سے اکثر کتب میں اس کا ضعیف ہونا مذکور ہے، پھر اس نمبر شماری سے مولوی صاحب کو کیا فائدہ؟ اس کے بعد مولوی صاحب فائدے کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت اس حدیث کو قوی بنانے کے لیے تین دلیلیں دیتے ہیں۔ جن کا جائزہ تفصیل سے لیا جاتا ہے۔ پہلی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔

**اولا:**...... کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کی فضیلت وعظمت اور زہد میں کسی بھی مسلمان کو شک نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہاں پر یہ سوال ہے کہ کیا اس روایت کی سند ابن مسعود تک صحیح طور پر علت اور شذوذ سے سلامتی کے ساتھ پہنچتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جس طرح اوپر گزرا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ خود ابن مسعود سے صحیح طور پر رفع الیدین کا اثبات منقول ہے۔

**تیسرا سوال:**...... یہ ہے کہ صحابہ کرام کا جم غفیر اسی روایت کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں۔

**چوتھا سوال:**...... یہ ہے کہ یہ نقل کردہ روایت مولوی صاحب کے دعوی کے لیے واضح اور صاف دلیل بھی نہیں ہے بلکہ اس میں کئی احتمال ہیں جس طرح اوپر گذرا اور دیگر عام روایات رفع الیدین کے اثبات میں صریح اور واضح ہیں۔ جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر صرف ابن مسعود کی فضیلت بیان کرنا کافی نہیں ہے۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور سعادت میں کس مسلمان کو شک ہے، لیکن تاہم آپ پر کئی جھوٹی روایات گھڑی گئی ہیں۔ پھر ان میں سے دلیل لینے والے کو ان کو صحیح ثابت کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کو کہا جائے گا کہ آپ کے فضائل سر آنکھوں پر لیکن یہ نقل آپ کی طرف منسوب کرنے کے لیے صحیح اور معتبر سند کی ضرورت ہے۔ خود مولوی صاحب نے فاتحہ کے مسئلے میں ہماری روایات پر جرح کی کوشش کی تھی، جس کو اگرچہ رد بھی کیا گیا لیکن ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ کے اثبات والی روایات کے راوی صحابہ کرام عبادہ بن الصامت اور دیگر ان کی فضیلت اور بزرگی میں ہمارے گمان کے مطابق مولوی صاحب کو شک نہ ہوگا۔ پھر ان روایات پر جرح کیوں کرنے لگے؟

**الغرض:**...... جب یہ روایت سنداً ثابت نہیں تو مولوی صاحب کو اس روایت سے دلیل لینے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہی صحیح اور صریح احادیث کے مقابلے میں اس کو پیش کر سکتے ہیں۔

# احناف کا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اختلاف

**قارئین:**......مولوی صاحب اوران کے ہمنوا ابن مسعودؓ کی فضیلت علمیت اور فقاہت کا بڑا شور مچاتے ہیں۔ لیکن ان سے مذکور کئی صحیح روایات نہیں مانتے بلکہ نظر انداز کردیتے ہیں ان میں سے چیدہ چیدہ یہاں پر پیش کی جاتی ہیں۔

**حدیث نمبر ۱:** ......صحیح بخاری صفحہ ۹۲۶ ج ۲ باب المصافحۃ کتاب الاستئذان میں ابن مسعود کی روایت التحیات کے متعلق ہے اس کے آخر میں الفاظ ہیں "وھو بین ظھرانینا فلما قبض قلنا السلام علی النبی ﷺ اب مولوی صاحب بتائیں کہ ابن مسعود کی اس نقل پر اعتبار کرتے ہیں؟ حالانکہ ابن مسعود اپنی خواہ دیگر صحابہ کی خبر دے رہے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد التحیات میں السلام علیك ایھا النبی کے بجائے السلام علی النبی کہتے تھے۔ خود آپ کے عینی حنفی عمدۃ القاری صفحہ ۲۵۴ ج ۲۲ طبع منیریہ میں لکھتے ہیں کہ "ظاھر ھا انھم کانوا یقولون السلام علیك ایھا النبی بکاف الخطاب فی حیاۃ النبی ﷺ فلما مات ترکوا الخطاب وذکروہ بلفظ الغیبۃ فصاروا یقولون السلام علی النبی (یعنی اس سے ظاہر ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں السلام علیك ایھا النبی ''کاف'' کے خطاب سے کہتے تھے جب آپ فوت ہوگئے تو خطاب کا لفظ ''کاف'' چھوڑ دیا اور صیغہ غائب سے پڑھنے لگے یعنی السلام علی النبی) اسی طرح علامہ سلام اللہ دہلوی حنفی محلی شرح المؤطا (قلمی) میں لکھتے ہیں کیا مولوی صاحب اوران کے ہمنواء اس ابن مسعود کی حدیث کو قبول یا اس پر عمل کریں گے؟

**حدیث نمبر ۲:**......صحیح مسلم مع النووی صفحہ ۲۱۲ میں ہے "حدثنا عبید اللہ بن معاذ العنبری قال نا ابی قال نا شعبۃ عن الحکم عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ ان النبی ﷺ صلی الظھر خمساً فلما سلم قیل لہ ازید فی الصلوٰۃ قال وما ذاك قالوا صلیت خمسا فسجد سجدتین (یعنی عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھادی پس جب سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہوگیا ہے آپ نے پوچھا وہ کیا؟ جواب دیا گیا کہ آپ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں آپ نے دوسجدے سہو کے کیے) یہ حدیث بالکل صحیح اور احناف کے سلسلۃ الذھب یعنی ابراھیم نخعی کے واسطہ سے ہے۔ وہ علقمہ سے اور وہ ابن مسعودؓ سے لیکن احناف اس کو نہیں مانتے اس لیے کہ ان کا مذہب اس کے خلاف ہے اس حدیث کو حنفی بھی صحیح تسلیم

کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ بابرتی عنایہ شرح ہدایہ صفحہ ۲۶۴ ج ا بر امش فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ "روی ان النبی ﷺ صلی الظهر خمسا ولم ینقل انه قعد فی الرابعة ولا انه اعاد صلوٰته" (یعنی روایت کیا گیا کہ نبی ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھائیں اور یہ منقول نہیں کہ آپ چوتھی رکعت میں بیٹھے اور نہ ہی نماز کا اعادہ کیا) اس کے باوجود بھی آپ کا مذہب ہے کہ "وان قید الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا (هداية صفحه ۱۵۹ ج ۱) اس جگہ پر مخالفت بالکل ظاہر ہے۔ صاحب عنایہ تسلیم بھی کرتا ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں آپ سے چوتھی رکعت میں قعدہ بھی منقول نہیں نہ نماز دہرانا مروی اور صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر پانچویں رکعت کے لیے اٹھا اور سجدہ میں گیا تو فرض باطل ہوا اور فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۲۹ ج ا میں ہے "وان قید الخامسه بسجلة فسد ظهره عند نا" كذا فی المحیط " یعنی اگر پانچویں رکعت کے سجدہ میں گیا تو ظہر کی نماز فاسد ہوگی۔ اسی طرح محیط میں ہے۔
اب پڑھنے والے غور کریں کہ ابن مسعود جس کو سب صحابہ میں اعلم وافقہ کہتے ہیں اس کی حدیث کی کس طرح مخالفت کرتے ہیں؟

**حدیث نمبر ۳**: ......سنن ترمذی صفحہ ۱۳۳ ج ا میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له " (یعنی رسول اللہ ﷺ حلالہ کرنے والے اور کروانے پر لعنت کرتے ہیں) امام ترمذی اس روایت کو صحیح کہتے ہیں اور امام ابن القطان اس کو صحیح اور ابن دقیق العید اس کو بخاری کی شرط پر مانتے ہیں (التلخیص الحبیر لا بن حجر صفحه ۱۷۰ ج ۳ طبع پاکستان) اور اس کے اور کئی شواہد ہیں لیکن احناف کا مذہب اس کے خلاف ہے عام طور پر حلالہ کراتے رہتے ہیں۔

**حدیث نمبر ٤**: ......طبرانی معجم صغیر صفحہ ۲۰۵ طبع ہند میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ان النبی ﷺ كان یقرأ فی صلوٰة الصبح یوم الجمعة الم تنزیل السجدة وهل اتی علی الانسان "یدیم ذلك " (یعنی نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورت الم تنزیل السجدہ اور ھل اتی علی الانسان پڑھتے تھے اور اس پر ہمیشگی کرتے تھے) لیکن مولوی صاحب کے مذہب کے مطابق اس طرح دوام اور ہمیشگی مکروہ ہے چنانچہ ہدایہ صفحہ ۱۰۲ ج ا میں ہے "ویکره ان یتوقت بشیءٍ من القرآن لشیءٍ من الصلوٰة " (یعنی نماز میں قرآن کا کوئی خاص حصہ مقرر کرنا مکروہ ہے) اور فتح القدیر (صفحہ ۲۳۸ ج ا) میں ابن ہمام اس عبارت کی شرح میں لکھتا ہے کہ "کالسجدة والانسان لفجر الجمعة " (یعنی جس طرح سورۃ سجدہ اور الانسان جمعہ کے دن) اور اس کے حاشیہ پر بابرتی العنایہ میں لکھتا ہے کہ "ویکره ان

یعین المصلی شیئا من القرآن مثل الم السجدة وھل اتی علی الانسان لشئ من الصلوٰة کالفجر یوم الجمعة لا علیٰ انه لا یجوز بغیر ھا وھو ایضاً احتراز عن مذھب الشافعی فانه قال یستحب ذالك لحدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یقرأھما فی صلوٰة الفجر فکیف یکون مکروھا وقلنا ان فی ذلك ھجر الباقی وابھام التفضیل بلا دلیل وذالك مکروہ" (یعنی مکروہ ہے کہ نمازی کوئی حصہ قرآن متعین کرے جس طرح کہ سورت الم سجدہ اور ھل اتی علی الانسان نمازوں کے لیے جس طرح جمعہ کا دن ہے اس لیے نہیں اس کے بغیر جائز نہیں بلکہ اس لیے کہ امام شافعی کے مذہب سے احتراز کیا جائے، کیونکہ وہ اس کو مستحب کہتے ہیں ابن مسعود کی حدیث کی وجہ سے بے شک نبی اکرم ﷺ ان دونوں سورتوں کو جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پڑھتے تھے، پھر مکروہ کس طرح اور ہم نے کہا کہ اس کو باقی چھوڑنا تفضیل کا ابہام ہے، جو کہ بلا دلیل ہے اور یہ مکروہ ہے) انتہائی دلیری ہے کہ ایک طرف قبول کیا جاتا ہے کہ ابن مسعود کی حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں یہ سورتیں پڑھتے تھے، پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس طرح ہمیشگی کرنا مکروہ ہے اس طرح شرم وحیاء کی چادر اتار کر کہا جائے کہ ابن مسعود سب سے اعلم اور افضل ہے اور ان کی حدیث کو ترجیح اور تقدم حاصل ہے مولوی صاحب اپنی کتاب میں دوسروں کو خیانت کا الزام دیتے ہیں لیکن اب غور کریں کہ یہ بدمروتی کہاں سے چلی ہے۔ نیز تطبیق کا مسئلہ مشہور ہے اور ابن مسعود حدیث نقل کرتے ہیں کہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے بجائے تطبیق دیے جائیں۔ لیکن حنفی اس حدیث کو بھی نہیں مانتے۔ جس طرح کہ پہلے فاتحہ کے مسئلہ میں امام محمد کی عبارت گذری جس میں کہتے ہیں کہ (لسنا ناخذ بقول ابن مسعود فی الثلثه) (الی قوله) (یعنی ہم ابن مسعود کے قول کو تین مقامات پر نہیں مانتے، وھو قول ابی حنیفة) یہ ابوحنیفہ کا قول ہے (کتاب الآثار للامام محمد صفحه ۲۲ طبع لاھور) اور ہم بحمد للہ ابن مسعود کی چاروں روایات قبول اور تسلیم کرتے ہیں کہ یہ صحیح ہیں اور ہمارا ان پر عمل ہے تطبیق والی روایت کے متعلق صریحاً نسخ وارد ہے۔ لہٰذا ہم بھی اس کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ لیکن نعوذ باللہ اس کی وجہ سے ابن مسعود کی شان میں کسی کمی کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن آپ کئی صحیح احادیث کو جو آپ کے مذہب کے خلاف ہیں انہیں نہیں مانتے۔ عدم رفع کے متعلق ابن مسعود کی یہ روایت جو مولوی صاحب نے نقل کی ہے، اس کے لیے اس طرح نہیں کہ اس کو ہم صحیح سمجھیں پھر بھی نہ مانیں یہ مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے ثابت کیا کہ یہ

روایت ایک تو غیر صحیح اور غیر صریح اور دوسری طرف صحیح اور صریح احادیث کے خلاف ہے۔

## امام ترمذی کی تحسین کی حقیقت

**صفحہ ۹۰**:...... دوسرے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

**جواب**: ...... **اوّلا**: امام ترمذی کی تحسین کے خلاف دیگر ناقدین سے تضعیف منقول ہے خود ترمذی اس مقام پر ابن مبارک جو ان سے مقدم ہیں اور دو واسطوں سے ان کے استاد ہیں ان سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت غیر ثابت ہے۔ لہٰذا بڑی جماعت کے سامنے صرف امام ترمذی کی تحسین کافی نہیں ہے۔

**ثانیاً**: ...... امام ترمذی کی تحسین علی الاطلاق معتبر نہیں ہے۔ بلکہ قبل تحقیق و تنقیح ہے۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال (صفحہ ۳۰۷ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ "یحییٰ بن یمان عن المنہا ل بن خلیفة قال البخاری فیه نظر عن حجاج بن ارطاة عن عطاء عن ابن عباس ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج له سراج حسنه (التر مذی) مع ضعف ثلاث فیه فلا یغتر بتحسین التر مذی فهٰذا المحاقة عالبها ضعاف (یعنی یحییٰ بن یمان۔ منہال بن خلیفہ سے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے۔ حجاج بن ارطاۃ سے وہ عطاء سے وہ ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات کو قبرستان میں داخل ہوئے آپ کے لیے چراغ جلایا گیا۔ اس کو (ترمذی) حسن کہا ہے اس میں تین ضعف ہیں امام ترمذی کی اس تحسین سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے) نیز صفحہ ۳۴۳ ج ۳ میں ہے "حسین بن عبدالاول حدثنا محمد بن ابی یزید الهمدانی حدثنا عمرو بن قیس بن عطیة عنْ ابی سعید مر فو عا یقول الله من شغله القرآن عن دعا ئی ومسئلتی ، اعطیته افضل ثواب الشاکرین حسنه الترمذی فلم یحسن " (یعنی ابوسعید مرفوع بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو قرآن نے دعا کرنے اور سوال کرنے سے مشغول کر دیا اس کو شاکرین کا افضل ثواب عطاء کروں گا امام ترمذی نے حسن کہا لیکن حسن نہیں ہے) نیز صفحہ ۳۵۷ ج ۲ میں کثیر بن عبداللہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ واما التر مذی فرو ی من حدیثه الصلح جائز بین المسلمین وصححه فلهٰذا لا یعتمد العلماء علی تصحیح التر مذی (یعنی امام ترمذی نے ان سے روایت بیان کی کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کروانا جائز ہے اور صحیح کہا ہے اس وجہ سے علماء ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے) اور علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ صفحہ ۳۰۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔ روی الترمذی من حدیث المنهال بن خلیفة ...... قال حدیث حسن وانکر علیه لان مداره علی الحجاج بن ارطاة وهو

مـدلـس لـم يـذكـر سماعاً وقال ابن القطان ومنها ل بن خليفة ضعفه ابن معين وقال البخاری رحمه الله فيه نظر (یعنی امام ترمذی نے منہال بن خلیفہ سے روایت بیان کی اور کہا حدیث حسن ہے اس پر انکار کیا گیا، کیونکہ اس حدیث کا دار و مدار حجاج بن ارطاۃ پر ہے وہ مدلس ہے اس کا سماع مذکور نہیں اور ابن قطان کہتے ہیں کہ منہال بن خلیفہ کو ابن معین اور امام بخاری نے ضعیف کہا ہے اور اس میں نظر ہے) ظاہر ہوا کہ امام ترمذی کا کسی حدیث کو حسن یا صحیح کہنا بغیر تفکر و تدبر کے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ عام طور پر تحقیق کے بعد منکشف ہوتا ہے کہ حقیقت اس کے خلاف ہے اسی وجہ سے علماء کا طبقہ ان کی تصحیح یا تحسین پر بغیر تحقیق اعتماد نہیں کرتا اور نہ صرف ان کے حسن کہنے سے اس روایت کا قابل حجت ہونا لازم آتا ہے۔ حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۹۴ قلمی اور صفحہ ۴۶ المصور میں فرماتے ہیں کہ "ان الـحـديـث اذا وصفه الترمذی بالحسن لا يلزم ان يحتج به" (یعنی امام ترمذی جب حسن کا وصف بیان کریں تو اس سے حجت لینا لازم نہیں ہے) بلکہ ان کی تصحیح یا تحسین اس وقت معتبر ہوگی جب اس کے خلاف دوسرا کوئی محقق نہ ہو اور اس روایت میں کوئی ایسا عیب یا علت نہ ہو جو اس کو ضعیف بنائے۔ بخـالف ما نحن فيه کیونکہ مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت میں دونوں شرائط مفقود ہیں کیونکہ کئی کبار محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں جن میں بخاری، ابو حاتم اور احمد بن حنبل وغیرھم جیسے نقاد بھی ہیں اور اس طرح اس میں ایک کے بجائے کئی علتیں ہیں جو اس کو باطل بناتی ہیں وهو الثالث.

**رابعاً:**...... امام ترمذی کئی ضعف والی روایات کو بھی حسن کہتے ہیں مثلاً راوی مستور ہو یا سئی الحفظ ہو یا کثیر الخطأ ہو۔ یا جس کا آخر میں حافظہ بدل چکا ہو۔ یا مدلس راوی ہو یا سند میں انقطاع ہو۔ ان سب حالتوں میں روایت کو حسن کہتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے النکت صفحہ ۱۸ قلمی اور صفحہ ۷۳ المصور میں ذکر کرتے ہیں اور اس کے لیے کئی مثالیں ذکر کی ہیں، پھر ثابت ہوا کہ امام ترمذی کا کسی روایت کو صرف حسن کہنا جس طرح یہاں پر ہے یہ عام محدثین کی اصطلاح کے مطابق تحسین نہیں ہے یعنی اس کو مصطلح اور اصول میں حسن کہا جائے۔ بلکہ ان کی اپنی خاص اصطلاح ہے جس طرح حافظ ابن حجر شرح النخبہ صفحہ ۳۵ میں فرماتے ہیں کہ "ان الترمذی لـم يـعـرف الحسن مطلقا وانما عرف بنوع خاص منه وقع فی كتابه" (یعنی امام ترمذی کی حسن مطلق معروف نہیں بلکہ وہ ان کی ایک خاص نوع ہے جو ان کی کتاب میں ہے) وهو الخامس.

**سادساً:**...... امام ترمذی کی حسن سے جو مراد ہے وہ اصطلاح خود بیان کرتے ہیں "وما ذكرنا فی هذا الـكـتـاب حديث حسن فانما اردنا حسن اسناده ، عندنا كل حديث يروى لا يكون

فی اسناده من یتهم بالکذب ولا یکون الحدیث شاذا ویروی من غیر وجه نحو ذالك فهو عند نا حدیث حسن (کتاب العلل الصغیر الملحق مع السنن صفحه ۲۴۰ ج ۲)

ثابت ہوا کہ اصطلاح حسن مرادنہیں ہے۔ حالانکہ حسن اصطلاحی کی تعریف اس طرح ہے۔ شرح النخبہ صفحہ ۲۴ میں ہے "وخبر الآحاد بنقل عدل تام الضبط متصل السند غیر معلل ولا شاذ هو صحیح لذاته" (یعنی اور خبر آحاد جس کو نقل کرنے والا عادل تام الضبط ہو، سند متصل اور بغیر علل کے اور شاذ نہ ہو وہ صحیح لذاتہ ہے) اور صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں "فان خف الضبط ای قل یقال خف القوم خفوا فاقلوا والمراد مع بقیة الشروط المقدمة فی حد الصحیح فهو الحسن لذاته" (یعنی اگر ضبط خفیف ہو یعنی قلیل ہو۔ کہا جاتا ہے تو خفیف ہوئی یعنی قلیل ہوئی اور اس سے مراد باقی تمام شرائط جو صحیح کی گذرے ہیں وہ موجود ہو تو وہ حسن لذاتہ ہے) یہ ہے حسن کی تعریف جس کو حجت سمجھا جاتا ہے۔ امام ترمذی کی یہ مرادنہیں ہے بلکہ ان کی خاص اصطلاح ہے اور ان کی یہ حسن ضعیف کے منافی نہیں ہے۔

**سابعاً**: ...... امام ترمذی کی پہلی شرط کہ اس میں کوئی جھوٹا راوی نہ ہو۔ جس پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو۔ جس کا مطلب ہے کہ کثیر الغلط یا فاحش الخطاء جس کی حدیث پر وہم غالب ہو تو وہ بھی حسن ہے۔ حافظ ابن رجب شرح علل ترمذی صفحہ ۲۸۸ پر فرماتے ہیں "وقد تقدم ان الرواة منهم من یتهم بالکذب و منهم من یغلبه علی حدیثه الوهم والغلط ومنهم الثقة الذی یقل غلطه ومنهم الثقة الذی یکثر غلطه فعلی ما ذکره الترمذی کلما کان فی اسناده متهم فلیس بحسن بشرط ان لا یکون شاذا" (یعنی یہ بات گذری کہ راویوں میں سے ایسے بھی ہیں جو متہم بالکذب ہیں اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جن پر ان کی احادیث پر ان کی غلطیاں اور وہم غالب ہے۔ ان میں وہ ثقہ جن کی غلطیاں کم ہیں اور ایسے بھی ثقہ ہیں جن کی غلطیاں زیادہ ہیں۔ امام ترمذی نے جو ذکر کیا کہ جب ان کی سند میں متہم بالکذب ہوگا وہ حسن اس شرط سے نہ ہوگی کہ وہ شاذ نہیں ہے) حالانکہ فاحش الغلط اور کثیر الخطأ راوی ضعیف ہوتا ہے اور اس کی روایت حسن نہیں ہوتی۔ بلکہ ضعیف شمار ہوتی ہے شرح النخبہ صفحہ ۵۹ میں ہے "فمن فحش غلطه او کثرت غفلته او ظهر فسقه فحدیثه منکر" (یعنی جس کی غلطیاں فحش۔ کثرت غفلت ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو اس کی حدیث منکر ہوتی ہے) نیز اس کی روایت کو مردود کی اقسام میں شمار کرتے ہیں لہٰذا امام ترمذی کا اس کو حسن کہنے سے لغایت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں۔ لیکن ایسی کوئی نفی نہیں کہ اس میں کوئی راوی متکلم فیہ اور مجروح قطعاً نہیں اس وجہ سے کہ اس کے ایک راوی عاصم بن کلیب کو اس روایت میں بالکل حجت نہیں سمجھا گیا جس میں وہ اکیلا اور منفرد ہو۔

لہٰذا امام ترمذی کی تحسین اس روایت کو قابل حجت بنانے کے لیے نہیں ہے یہ بھی اس وقت جب یہ قبول کیا جائے کہ اس میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں حالانکہ اس بات سے اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ ہم یہ اندیشہ بیان کر چکے ہیں کہ بعید نہیں کہ محمد بن جابر یمامی کا اس میں تصرف ہو اور وہ متہم بالکذب ہے۔ لہٰذا یہ شرط قطعی طور پر مکمل نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ ضمانت نہیں کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں ہے۔ وھو الثامن .

**تاسعاً:**...... امام ترمذی کی دوسری شرط کہ یہ روایت شاذ نہ ہو۔ یہ بات بھی اس کے حسن ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ روایت کے ضعیف ہونے کے لیے صرف یہی ایک سبب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کئی اور بھی اسباب ہیں۔ مثلاً کوئی راوی اس میں ضعیف ہو یا ایسا ہو جس کا تفرد حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ روایت ہے لہٰذا اگر یہ روایت قبول کی جائے اور کہا جائے کہ ابن مسعود کی یہ روایت شاذ نہیں ہے تب بھی اصطلاحی حسن نہیں ہوسکتی لیکن اوپر امام بخاری جو امام ترمذی کے استاد ہیں۔ ان سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ روایت شاذ بھی ہے جس کی تائید امام احمد اور دیگر ائمہ نے بھی کی ہے کما تقدم اس وجہ سے یہ شرط بھی یہاں پر مفقود ہے اور بعید نہیں ہے کہ امام ترمذی کو اس کا شذوذ معلوم نہ ہوسکا ہو۔ لیکن امام بخاری اور دیگر کو معلوم ہے ومن عرف الشیء حجة علی من لم یعرفه وھو العاشر .

**الحادی عشر:**...... امام ترمذی کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی سندیں ایک سے زائد ہوں لیکن اس مقام پر صرف ایک سند ہے یعنی عاصم بن کلیب والی دوسری محمد بن جابر یمامی والی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے یہاں پر اندیشہ ظاہر کیا کہ اس کا اس روایت میں ہاتھ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ سند ایک ہی کہی جائے گی۔ بصورت دیگر اگر یہ سند جدا بھی تسلیم کی جائے تب بھی کچھ فائدہ نہ دے گی۔ کیونکہ یہ راوی (محمد بن جابر) سخت ضعیف ہے لہٰذا یہ روایت شہادت اور تائید کے لیے کارگر نہیں ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔ لہٰذا یہ سند کالعدم کہی جائے گی۔ اور یہ عاصم بن کلیب والی ایک سند ہے لہٰذا ایک سے زائد سندیں یا من غیر وجہ والا سوال ہی نہ رہا اور اس وجہ کے لیے بھی یہ روایت مصداق نہیں بن سکتی۔

**الحاصل:**...... امام ترمذی کا "ھذا حدیث حسن" کہنے سے اصطلاحی حسن مراد نہیں ہے جس وجہ سے ان کے نزدیک بھی ضعیف ہوسکتی ہے بلکہ ان کی خاص اصطلاح ہے وہ بھی اس پر پوری طرح صادق نہیں آرہی جس وجہ سے عام محدثین کا حکم اس کے خلاف ہے اور یہی راجح ہے وھو الثانی عشر .

**والثالث عشر:**...... امام ترمذی نے ابن مسعود کی حدیث کے لیے صرف حسن کہا ہے اور ابن عمر کی اثبات رفع الیدین والی حدیث لاکر فرماتے ہیں حدیث ابن عمر حسن صحیح (سنن ترمذی صفحہ ۳۵ ج ۱) واضح ہے کہ صحیح حسن سے ہر لحاظ سے راجح ہے۔ بلکہ ثابت ہوا کہ خود امام ترمذی کے نزدیک ابن عمر کی حدیث ابن مسعود والی

روایت سے راجح ہے۔ وھو الرابع عشر۔

**والخامس عشر:** ...... ابن عمر والی حدیث کے لیے ان کا حسن کہنے سے مراد اصطلاحی حسن ہے کیونکہ ان کی خاص اصطلاح وہاں پر مراد ہوتی ہے جہاں پر صرف حسن کا لفظ استعمال کریں اور اس کے ساتھ کوئی دوسری صفت نہ ہو۔ جس طرح یہاں پر حسن کے ساتھ صحیح کی صفت بھی ملاتے ہیں چنانچہ شرح النخبہ صفحہ ۳۶ میں امام ترمذی کی حسن کی تعریف کے متعلق (یعنی جو ہم نے علل سے نقل کی ہے) عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "فعرف بھذا انه انما عرف الذی یقول فیه حسن فقط اما ما یقول فیه حسن صحیح او حسن غریب او حسن صحیح غریب لم یعرج علی تعریفه کما لم یعرج علی تعریف ما یقول فیه صحیح فقط او غریب فقط فکانه ترك ذالك استغناء بشھرته عند اھل الفن واقتصر علی تعریف ما یقول فیه کتابه حسن نقط اما لغموضه واما لانه اصطلاح جدید ولذالك قیده بقوله عند نا ولم ینسبه الی اھل الحدیث کما فعل الخطابی" ثابت ہوا کہ امام ترمذی کی حسن کی تعریف جو علل میں مذکور ہے یہ اس وقت مراد ہوتی ہے جب وہ صرف اکیلا صفت استعمال کریں اور جس مقام پر اس کے ساتھ دوسری صفت ملائیں تو پھر یہ حسن اصطلاحی مراد ہوگی اور یہ بھی صحیح کی طرح حجت ہوتی ہے شرح النخبۃ صفحہ ۲۳ میں ہے کہ "ھذا القسم من الحسن مشارك للصحیح فی الاحتجاج به وان کان دونه" اور امام ترمذی کی خاص اصطلاح یہ بھی ضعیف کی ایک قسم ہے۔

**الحاصل:** ...... امام ترمذی کی تحقیق کے مطابق بھی ابن عمر کی حدیث ابن مسعود کی روایت سے اقوی اور مقدم ہے۔

**السادس عشر:** ...... سب باتوں سے اغماض کر کے ابن مسعود کی روایت کو حسن اصطلاحی تسلیم کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ اس میں کوئی علت یا جرح نہیں ہے تب بھی ابن عمر کی روایت کے معارضہ کے قابل نہیں ہے۔ لوجوہ اول، خود شرح النخبہ کی عبارت میں ذکر ہوا کہ وان کان من دونه" یعنی حسن صحیح سے درجے میں کم ہے اور علامہ علی قاری حنفی شرح النخبہ صفحہ ۲۷۲ میں اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "ای دون الصحیح فی الرتبة والقوة کما عرف من حدیھما" یعنی حسن صحیح سے رتبے اور قوت میں کم ہوتی ہے جس طرح کہ وہ اپنی حد سے پہنچانی گئیں ہیں) اور علامہ سخاوی، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث صفحہ ۲۵ طبع ہند میں فرماتے ہیں کہ "الحسن لذاته اذا عارض الصحیح کان مرجوحا والصحیح راجحا" یعنی حسن لذاتہ جب صحیح کے معارض ہوگی تو مرجوح ہوگی اور صحیح راجح ہوگی) ثانی

یہ کہ ابن عمر کی حدیث ہر جرح سے صاف اور پاک ہے بخلاف حدیث ابن مسعود اس میں کئی طرح سے کلام ہے۔ ثالث ابن عمر کی حدیث متفق علیہ ہے علامہ سیوطی تدریب الراوی صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ "الصحیح اقسام متفاوتة بسبب تمكنه من شروط الصحة وعدمه اعلاها ما اتفق عليه البخاري ومسلم ثم ما انفرد به البخاري ووجه تأخره عما اتفقا عليه اختلاف العلماء ايهما ارجح ثم انفرد به مسلم ثم صحيح على شرطهما ولم يخرجه واحد منهما ووجه تأخره عما اخرجه احدهما تلقى الامام بالقبول له ثم صحيح على شرط البخاري ثم صحيح على شرط مسلم ثم صحيح عند غيرهما مستوفى فيه الشروط السابقة۔ وهكذا في شرح النخبة صفحه ٢٦ تا ٣١ ۔ یعنی خود صحیح کی سات اقسام ہیں۔ جن میں سے اعلیٰ قسم یہ ہے۔ جس حدیث کو روایت کرنے میں بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہو۔ پھر جو بخاری میں ہو۔ پھر جو مسلم میں ہو۔ اس کے بعد جو ان دونوں یعنی بخاری و مسلم کی شرائط پر۔ پھر جو صرف بخاری کی شرط پر ہو۔ پھر جو صرف مسلم کی شرط پر۔ اور جو ان دونوں کے علاوہ دیگر محدثین کے نزدیک صحیح ہو اور اس میں صحیح کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ ان ساتوں کے بعد حسن لذاتہ کا نمبر آتا ہے اگر ابن مسعود کی روایت کو اصطلاحی حسن تعبیر کیا جائے تب بھی آٹھویں نمبر پر آتی ہے اور ابن عمر کی حدیث پہلی نمبر پر ہے درمیان میں چھ اور درجے ہیں۔ رابع ابن مسعود کی شہادت میں کوئی دوسری حسن یا صحیح روایت بھی نہیں ہے۔ جو مولوی صاحب نے نقل کی ہیں وہ اس سے بھی اوھن اور اضعف ہے۔ ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اور ابن عمر کی حدیث کے لیے اور کئی صحیح روایات بطور شواہد کے موجود ہیں یعنی مالک بن حویرث کی روایت پہلے درجے کی ہے اور وائل بن حجر کی تیسرے درجے میں ہے۔ جو کہ صحیح مسلم میں مروی ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں۔ خامس ابن عمر کی حدیث اس سند سے ہے "الزهري عن سالم عن ابن عمر" اس کو بعض ائمہ حدیث نے اصح الاسانید قرار دیا ہے کما فی شرح النخبۃ صفحہ ۲۶ اور ابن مسعود کی روایت کی سند میں عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمہ عن ابن مسعود ہے۔ اس کو کسی نے اصح الاسانید کے بجائے خود اس کو کسی نے صحیح بھی نہیں کہا ہے "فاين الالف من الباء و الا بريز من الحصاء" ابن مسعود کی روایت خود احناف کے نزدیک مخصوص منہ البعض ہے جو قنوت وتر اور تکبیرات عیدین کی رفع الیدین کو اس سے خاص سمجھتے ہیں۔ تب تو اس وقت رفع الیدین کرتے ہیں۔ اور ابن عمر کی حدیث میں کسی بھی قسم کی تخصیص کا دخل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ راجح اور اقوی کہلائے گی امام حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۱۹ طبع دکن میں ترجیح کی وجوہات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "الوجه الثامن والثلاثون ان يكون احد الحديثين مخصصا والثاني لم يدخله

التخصيص فما لم يدخله التخصيص اولى لان التخصيص بضعف اللفظ ويمنعه من جريانه على مقتضاه ويصير مجازا عند جماعة من الآئمة بخلاف ما لم يد خله التخصيص فيكون اقوى" اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہیں حاصل کلام یہ کہ مولوی صاحب کا اس روایت کو حسن کہنا کسی بھی صورت میں ان کے لیے مفید نہیں ہے۔

نیز مولوی صاحب نے امام ترمذی کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں ''اکثر صحابہ اور تابعین، سفیان ثوری اور اہل کوفہ والوں کا یہ کہنا ہے کہ رفع الیدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے''

**جواب**:...... اس عبارت میں کئی وجوہات کی بناء پر کلام ہے۔

**اولا**:...... عبارت اس طرح سے ہے وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبى ﷺ والتابعين " حالانکہ غیر واحد کا معنی کثیر صحابہ اور تابعین کرنا غلط ہے کیونکہ دو شخصوں کو بھی غیر واحد کہا جا سکتا ہے پھر کثیر کا لفظ لکھ کر مولوی صاحب نے امام ترمذی پر جھوٹ باندھا ہے۔

**ثانیا**:...... اوپر امام بخاری کی عبارت گزری کہ ائمہ کی تحقیق کے مطابق ایک بھی صحابی سے رفع الیدین چھوڑنا ثابت نہیں ہے لہٰذا امام ترمذی کے کہنے کی مراد یہ ہوگی کہ غیر واحد سے اس طرح منقول ہے پھر نقل کبھی سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی۔ کیونکہ دوسری صورت میں اگر اس کا یہ معنی کیا جائے کہ امام ترمذی بالجزم کہتے ہیں کہ غیر واحد رفع الیدین نہ کرتے یا کرنے کے قائل نہ تھے تو پھر بقول امام بخاری کے قول کا معارض کہا جائے گا۔ کیونکہ امام بخاری ان سے اعلم ہیں اور ان کے ساتھ علم حدیث کے اساطین شامل ہیں یعنی ائمہ احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور حمیدی جس طرح اوپر جزء رفع الیدین کے حوالے سے عبارت گذری۔ وهو الثانى .

**وثالثا**: ...... بلکہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۸ طبع دہلی میں فرماتے ہیں حدثنی مسدد قال نا يزيد بن زريع عن سعد عن قتادة عن الحسن قال كان اصحاب النبى ﷺ كا نما ايديهم المراوح ير فعو نها اذا ركعوا واذا رفعوا رؤوسهم حدثنا موسى بن اسماعيل ثنا ابو هلال عن حميد بن هلال قال كان اصحاب النبى ﷺ اذا صلوا كان ايديهم حيا ل اذا نهم كانها المراوح قال البخارى فلم يستثن الحسن وحميد بن هلال احدا من اصحاب النبى ﷺ دون احد حدثنا محمد بن مقاتل انا عبدالله انا زائدة ابن قدامة ثنا عاصم بن كليب الجر مى حدثنا ابى ان وائل بن حجر ا خبره قال قلت لا نظر ن الىٰ صلوٰة رسول الله ﷺ كيف يصلى قال فنظرت اليه قال فكبر ورفع يديه

ثم لما اراد ان یرکع رفع یدیه مثلها ثم رفع راسه فرفع یدیه مثلها ثم جئت بعد ذالك فی زمان فیه برد علیهم جل الثیاب تحرك ایدیهم من تحت الثیاب قال البخاری ولم یستثن وائل من اصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم احدا اذا صلوا مع النبی ﷺ انه لم یرفع یدیه۔ (یعنی حسن کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کے ہاتھ گویا پنکھے تھے جب رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع الیدین کرتے تھے۔ دوسری روایت حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے ہاتھ کانوں کے برابر کرتے تھے گویا کہ وہ پنکھے ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ حمید بن ہلال اور حسن نے صحابہ کرام میں سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اور نہ کسی کو چھوڑا۔ تیسری روایت۔ وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو ضرور دیکھوں گا کہ آپ کس طرح پڑھتے ہیں کہتے ہیں کہ جب آپ نے تکبیر کہی ہاتھوں کو اٹھایا پھر جب رکوع کا ارادہ کیا ہاتھوں کو اٹھایا پھر جب اپنے سر کو اٹھایا اسی طرح اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر میں ایک وقت کے بعد دوبارہ آیا سردی کے دن تھے (اور لوگوں نے چادریں اوڑھی ہوئی تھیں) ان کے کپڑے حرکت کرتے تھے ہاتھ اٹھانے کی وجہ سے کپڑوں کے نیچے سے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ وائل سے صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو مستثنیٰ نہیں کیا کہ جب وہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو اس نے ہاتھ نہ اٹھائے ہوں) امام بخاری دلیل سے ثابت کرتے ہیں کہ سب صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے کسی سے بھی چھوڑنا ثابت نہیں اور حسن بصری حمید بن ہلال (دونوں تابعی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے۔ کسی بھی ایک صحابی کی استثناء نہیں کرتے کہ فلاں صحابی رفع الیدین نہیں کیا کرتا تھا اسی طرح وائل بن حجر صحابی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی نماز پڑھنا نقل کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ یہ رفع الیدین کرتے تھے اور یہ بھی کسی ایک صحابی کی استثناء نہیں کرتے کہ اس نے نہیں کی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سب کرتے تھے۔ اس طرح صرف سفیان ثوری کا قول مولوی صاحب کو کیا سہارا دے گا۔ ادھر امام ترمذی رفع الیدین کے اثبات کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وبهذا یقول بعض اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ منهم ابن عمرو جابر بن عبدالله وابوهریرة وانس وابن عباس وعبدالله بن الزبیر وغیر هم ومن التابعین الحسن البصری وعطاء وطاؤوس ومجاهد ونافع وسالم بن عبدالله وسعید بن جبیر وغیر هم وبه یقول عبدالله بن المبارك والشافعی واحمد، و اسحاق (سنن ترمذی صفحہ ۳۵ ج ۱) یعنی یہی بات بعض اہل علم نبی ﷺ کے صحابہ میں سے مذکور اور تابعین سے یہ...... کہتے ہیں) مولوی صاحب نے اگر اقوال سے تائید لینی ہے تو پھر سوچیں کہ امام ترمذی کس کی تائید کر رہے

ہیں۔ نیز امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۳ طبع دہلی میں فرماتے ہیں "وكذالك رواية عن عدة من علماء اهل مكة واهل الحجاز واهل العراق والشام والبصرة واليمن وعدة من اهل خراسان من هم سعيد بن جبير وعطاء بن ابى رباح ومجاهد والقاسم بن محمد والسالم بن عبدالله بن عمر الخطاب وعمر بن عبدالعزيز والنعمان بن ابى عياش والحسن وابن سيرين وطاؤوس ومكحول وعبد الله بن دينار ونافع مولىٰ عبد الله بن عمر و الحسن بن مسلم وقيس بن سعد وعدة كثيرة وكذالك يروى عن ام الدرداء انها كانت ترفع يديها وقد كان عبد الله بن المبارك يرفع يديه وكذالك عامة اصحاب ابن المبارك منهم على ابن الحسين وعبدالله بن عمر ويحيىٰ بن يحيىٰ ومحدثى اهل بخارىٰ منهم عيسىٰ بن موسىٰ وكعب بن سعيد ومحمد بن سلام وعبد الله بن محمد المسندى وعدة ممن لا يحصى لا اختلاف بين من وصفنا من اهل العلم وكان عبدالله بن الزبير (الحميدى) وعلى بن عبدالله (ابن المدينى) ويحيىٰ بن معين واحمد بن حنبل واسحاق بن ابراهيم (ابن راهويه) يثبتون عامة هذه الاحاديث من رسول الله ﷺ ويرونها حقا وهولاء اهل العلم من اهل زمانهم وكذالك روى عن عبدالله بن عمر بن الخطاب اور صفحہ ۲۰ دہلی میں امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں اور صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں کہ "حدثنا محمد يحيىٰ قال على مارأيت احدا من مشائخنا الا يرفع يديه فى الصلوٰة قال البخارى اى قلت سفيان كان يرفع يديه قال نعم قال البخارى قال احمد بن حنبل رأيت معتمرا ويحيىٰ بن سعيد وعبدالرحمان واسماعيل يرفعون ايديهم عند الركوع واذا رفعوا رؤسهم اور حافظ ابن عبدالبر الاستذکار صفحہ ۱۲۴ ج ۲ میں ابن عبدالحکم مالکی اور ابی بکر اسحاق بن ابراہیم سے نقل کرتے ہیں نیز فرماتے ہیں کہ "وقال الاوزاعى والشافعى واحمد بن حنبل ابو عبيد وابو ثور واسحاق ومحمد بن جرير الطبرى وجماعة اهل الحديث بالرفع على حديث ابن عمر. نیز التمہید صفحہ ۶۳ ب ج ۳ قلمی میں اصحاب ابوہریرہ، ابن عباس، جابر بن عبداللہ، ابن عمر اور ابن الزبیر سے رفع الیدین کرنا روایت کرتے ہیں، اور امام بیہقی السنن الکبری صفحہ ۸۵ا ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ وقد رويناه عن ابى قلابة وابى الزبير ثم عن مالك بن انس والاوزاعى والليث بن سعد وابن عيينة ثم عن الشافعى ويحيىٰ بن سعيد القطان، عبدالرحمن بن مهدى وعبدالله بن المبارك

ویحییٰ بن یحییٰ واحمد بن حنبل واسحاق بن ابراھیم الحنظلی وعدۃ کثیرۃ من اھل لا ٓثار بالبلد ان رحمھم اللہ تعالیٰ۔

**ثانیا**: ......خود سفیان ثوری بھی رفع الیدین کا منکر نہ تھا۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۵ طبع دہلی میں ان سے نقل کرتے ہیں کہ وہ رفع الیدین کی احادیث کو حق سمجھتا تھا۔ نیز امام ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۲۹۔ ۲۲۸ ج ۹ طبع مغرب میں ان سے روایت لاتے ہیں کہ "حدثنا عبدالوارث بن سفیان ثنا قاسم بن اصبغ ثنا احمد بن زھیر ثنا محمد بن زید الرفاعی ثنا داؤد بن یحییٰ بن یمان الثقۃ المأمون عن ابن المبارک قال صلیت الی جنب سفیان وانا ارید ان ارفع یدی اذا رکعت واذا رفعت فھممت بترکه و قلت فینھانی سفیان ثم قلت شیء ادین اللہ به ادعه ففعلت فلم ینھنی۔"

(یعنی ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان کے برابر نماز پڑھی اور میں رفع الیدین کا ارادہ رکھتا تھا کہ جب رکوع کروں اور رکوع سے سر اٹھاؤں۔ پس میں نے ترک کا ارادہ کر لیا اور سوچا کہ سفیان مجھے اس سے منع کرے گا پھر میں نے کہا کہ کس وجہ سے اللہ کے دین کو چھوڑ دوں؟ پس میں نے رفع الیدین کی انہوں نے مجھے منع نہیں کی۔"

ایضاً اہل کوفہ کا ذکر بھی مولوی صاحب کے لیے مفید نہیں ہے کیونکہ بگاڑ وہاں سے شروع ہوا ہے ورنہ سب رفع الیدین کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۳ طبع دہلی میں فرماتے ہیں کہ "ھؤلاءِ اھل مکۃ واھل المدینۃ واھل الیمن واھل العراق قد تواطؤا علی رفع الایدی" (یعنی تمام اہل مکہ، مدینہ، یمن اور عراق والے تسلسل سے رفع الیدین کر رہے ہیں) نیز امام محمد بن نصر المروزی فرماتے ہیں کہ "اجمع علماء الا مصار علی مشروعیۃ ذالک الا اھل الکوفه" فتح الباری صفحہ ۱۹، ۲۰ ج ۲ سلفیہ) (یعنی تمام تر شہروں کے لوگوں کا اس (رفع الیدین) کی مشروعیت پر اجماع ہے سوائے اہل کوفہ کے) ثابت ہوا کہ رفع الیدین کرنے والا مذہب قدیم ہے اور چھوڑنے والا حدث اور نیا ہے اور اس کا احداث بھی کوفہ سے شروع ہوا ہے اور حافظ ابن قیم اعلام الموقعین صفحہ ۳۷۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں "وانظر الی العمل فی زمن رسول اللہ ﷺ والصحابۃ خلفه وھم یرفعون ایدیھم فی الصلوٰۃ فی الرکوع والرفع منه ثم العمل فی زمن الصحابۃ بعدہ حتی کان عبداللہ بن عمر اذا رای من لا یرفع یدیه حصبه وھو عمل کان رای عین وجمھور التابعین یعمل به بالمدینۃ وغیرھا من الامصار کما حکاہ البخاری ومحمد بن نصر المروزی

وغیر هما عنهم ثم صار العمل بخلافه " (آپ ان لوگوں کا عمل دیکھیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ اپنے ہاتھوں کو نماز میں اٹھاتے تھے رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے۔ پھر صحابہ کے زمانہ میں اور اس کے بعد یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر اگر کسی کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کرتا تو اس کو کنکری مارتے تھے یہ ان کی آنکھوں کا دیکھا عمل تھا اور جمہور تابعین کا مدینہ وغیرہ میں یہی عمل تھا جس طرح کہ امام بخاری اور محمد بن نصر المروزی وغیرھما نے ان سے بیان کیا ہے پھر اس کے خلاف عمل ہو گیا)

تیسرے فائدے میں لکھتے ہیں کہ "اس حدیث میں جو بھی راوی ہیں مثلاً (۱) حضرت سفیان، (۲) عاصم بن کلیب (۳) عبدالرحمٰن بن الاسود (۴) علقمہ (۵) حضرت عبداللہ بن مسعود ان سب کا طریقہ یہی ہے کہ وہ رفع الیدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ ساری حقیقت جو مولوی صاحب نے لکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سفیان ثوری کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ وہ رفع الیدین کا قائل تھے منکر نہ تھے اور عاصم بن کلیب اور عبدالرحمٰن بن الاسود کے بارے میں مولوی صاحب کو تا قیامت چیلنج ہے کہ وہ کسی بھی کتاب سے صحیح سند سے ان کا ترک رفع الیدین ثابت کریں ولیس له الی ذالك سبیل. باقی علقمہ کے متعلق ایک روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۷ ج ۱ میں اس طرح سے ہے: حدثنا وکیع عن شریك عن جابر عن الاسود وعلقمة انهما کانا یر فعان ایدیهما اذا افتتحا ثم لا یعودان " لیکن یہ سند بالکل ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے جو کہ مشہور جھوٹا ہے۔ اس کو لیث بن ابی سلیم، زائدہ" امام یحییٰ بن معین اور جوز جانی کذاب کہتے ہیں (میزان صفحہ ۷۷۔ ۱۷۶ ج ۱) نیز شعبی سعید بن جبیر سفیان بن عیینہ اور احمد بن خداج بھی اس کو جھوٹا کہتے ہیں (التهذیب صفحه ٤٧ تا ٤٩ ج ۲) بلکہ امام ابوحنیفہ تو کہتے ہیں کہ "ما رایت اکذب من جابر الجعفی" (نصب الرایة صفحه ۷ ج ۲ میزان الاعتدال صفحه ۱۷٦ ج ۱ اور تهذیب صفحه ٤٨ ج ۲) یعنی اس جیسا جھوٹا میں نے نہیں دیکھا۔ نیز اس سے روایت کرنے والا شریک بن عبداللہ النخعی جس کا آخر عمر میں حافظہ بدل گیا تھا۔ جس طرح کہ میزان الاعتدال صفحہ ۴۴۴ ج ۱ میں یحییٰ بن سعید القطان سے اور تہذیب صفحہ ۳۳۶ ج ۴ میں ابن حبان اور عجلی سے منقول ہے نیز تقریب میں ہے "تغیر حفظه منذ ولی القضاء بالکوفة " (یعنی جب کوفہ میں قاضی بنایا گیا تو اس کا حافظہ تبدیل ہو گیا تھا) نیز علامہ ابن العجمی "الاعتباط بمعرفة من رمی بالاختلاط صفحہ ۱۴ میں اور علامہ ابو البرکات ابن الکیال الکواکب النیرات صفحہ ۴۷۔ ۴۸ میں ذکر کیا ہے لہٰذا یہ وجہ بھی ضعیف ہونے کے لیے کافی ہے۔ باقی ابن مسعود ان سے بھی صحیح روایت میں چھوڑنا ثابت نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے

جو روایت نقل کی اس کا حال بھی پڑھنے والوں نے دیکھا۔ اس میں کئی علتیں اور دھوکے ہیں۔ دوسری روایت موطا محمد صفحہ ۴۷ پر اس طرح ہے "قال محمد اخبر نا الثوری حدثنا حصین عن ابراھیم عن ابن مسعود انه کان یر فع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ" یہ روایت طحاوی صفحہ ۱۰۳ ج ۱ میں بھی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ابراہیم نخعی کا کسی بھی صحابی سے سماع یا لقاء نہیں چنانچہ ابن ابی حاتم کتاب المراسیل صفحہ ۱۴ پر امام علی بن مدینی اور ان کے والد امام ابو حاتم سے نقل کرتے ہیں کہ ابراھیم نخعی "لم یلق احدا من اصحاب النبی ﷺ" (یعنی ابراھیم نخعی کسی ایک صحابی رسول سے نہیں ملا) اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۳۵ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "ولم یصح له سماعا من صحابی" قلت اسقر الا مر ان ابراھیم حجة وانه اذا ارسل عن ابن مسعود وغیرہ فلیس بحسن (یعنی ابراہیم کا کسی صحابی سے سماع نہیں میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ ابراہیم ابن مسعود یا کسی اور صحابی سے اگر مرسلاً بیان کرے تو وہ حسن نہیں ہے) لہٰذا یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ اس لیے مولوی صاحب کا یہ فرمان لاف و ہوا سے بالا نہیں ہے۔

**ثانیا:**...... ان سے اس کے برعکس رفعِ الیدین کا اثبات کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ابن مسعود کے متعلق بحث اوپر گذری اور سفیان ثوری کے متعلق بھی گذرا کہ انہوں نے عبداللہ بن المبارک کو رفع الیدین کرتے دیکھا اور منع نہیں کیا حالانکہ عبداللہ بن مبارک کو خطرہ تھا کہ شاید منع کریں لیکن منع نہیں کیا اس سے ظاہر اس طرح ہوتا ہے کہ احادیث کی کثرت اور ان کی صحت کو دیکھ آخر انہیں بھی قائل ہونا پڑا اور اہل علم سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ حق ثابت ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔

باقی تین اشخاص جو رفع الیدین کے اثبات میں روایت کرتے ہیں ان کی روایات امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں ذکر کی ہیں، چنانچہ عاصم بن کلیب کی صفحہ ۷ طبع دہلی میں دو روایات ہیں۔ ایک "عاصم بن کلیب عن محارب بن دثار عن ابن عمر رفع یدیه فی الرکوع الحدیث . دوسری عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر الحضرمی انه صلی مع النبی ﷺ فلما کبر رفع یدیه فلما اراد ان یرکع رفع یدیه اور صفحہ ۸ میں ان کے والد کے واسطہ سے وائل بن حجر کی روایت مذکور ہے صفحہ ۱۴ میں بھی ہے اور صفحہ ۹ پر اس طرح ہے۔ عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود ثنا علقمة ان عبدالله رضی اللہ عنہ قال علمنا رسول الله ﷺ الصلوٰۃ فلما کبر رفع یدیه ثم رکع . الحدیث اس روایت میں علقمہ اور عبدالرحمٰن بن الاسود بھی ہے اور اس روایت میں عاصم منفرد نہیں ہے بلکہ ابن عمر اور وائل بن حجر سے روایات کئی طرق سے مروی ہیں جس وجہ سے کہا جاسکتا

ہے کہ یہ تینوں شخص عاصم، عبدالرحمٰن اور علقمہ رفع الیدین کے قائل تھے۔

**ثالثاً:**...... یہ شان ابن عمر کی اثبات والی حدیث کی ہے جو اس سند سے مروی ہے "الزھری عن سالم عن ابن عمر" حالانکہ ان تینوں کا عمل اس کے بارے میں مشہور و معروف ہے۔ چنانچہ زہری کے متعلق امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۰ طبع دہلی میں اس طرح روایت لاتے ہیں حدثنا محمد بن مقاتل ثنا عبداللہ انبأ ھشام عن الحسن وابن شھاب انھما کانا یقولان اذکبر احدکم للصلوٰۃ فلیرفع یدیہ حین یکبر وحین یرفع راسہ من الرکوع وکان ابن سیرین یقول ھو من تمام الصلوٰۃ" (یعنی حسن اور ابن شہاب دونوں کہا کرتے تھے جب تکبیر کہتے نماز کے لیے ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور رکوع سے سر اٹھائے تب بھی ہاتھ اٹھائے (رفع الیدین کرتے) اور امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ یہ نماز مکمل ہونے کا اہم حصہ ہے) ثابت ہوا کہ ابن شہاب زہری لوگوں کو رفع الیدین کرنے کا حکم دیتے تھے اور سالم کے متعلق صفحہ ۱۳ پر روایت لاتے ہیں: حدثنا محمد بن مقاتل انا عبداللہ انبأ عکرمۃ بن عمار قال رأیت سالم بن عبداللہ والقاسم بن محمد وعطاء و مکحول یرفعون ایدیھم فی الصلوٰۃ اذا رکعوا و اذا رفعوا (یعنی عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے مذکورہ تمام اشخاص کو رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے دیکھا) نیز صفحہ ۱۴ پر بھی یہ اثر لاتے ہیں نیز امام ابن عبدالبر نے التمہید صفحہ: ۲۱۸۔۲۳۰ ج ۹ (مغرب) میں بھی ذکر کیا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کئی طرق سے مروی ہے۔ جس طرح کہ امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں ذکر کیا ہے چنانچہ صفحہ ۵ پر ہے۔ "اخبرنا ایوب بن سلیمان ثنا ابو بکر بن ابی اویس انہ سمع سالم بن عبداللہ ان اباہ کان اذا رفع راسہ من السجود واذا اراد ان یقوم رفع یدیہ۔ حدثنا عبد اللہ بن صالح ثنا اللیث اخبرنی نافع ان عبداللہ بن عمر کان اذا استقبل الصلوٰۃ رفع یدیہ قال واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع واذ قام من السجدتین کبر اور صفحہ ۷۰ میں ہے حدثنا اسحاق بن ابراھیم الحنظلی ثنا محمد بن فضیل عن عاصم بن کلیب عن محارب بن دثار رایت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدیہ فی الرکوع اور صفحہ ۶۔ میں ہے حدثنا محمد بن مقاتل انا عبد اللہ عن ابن جریج قال اخبرنی الحسن بن مسلم انہ سمع طاؤوسا یسئل عن رفع الیدین قال رایت عبداللہ وعبد اللہ وعبد اللہ یرفعون ایدیھم فعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن الزبیر اور صفحہ ۱۰ میں ہے ثنا محمود انا عبد الرزاق انا ابن جریج اخبرنی نافع ان ابن عمر کان یکبر بیدیہ

حين يستفتح وحين يركع وحين يقول سمع الله لمن حمده: الحدیث اور صفحہ ۱۳ا۔ میں ہے۔ حدثنا ابو النعمان ثنا عبدالواحد بن زياد ثنا محارب بن دثار قال رايت عبد الله بن عمر اذا استفتح الصلوٰة كبرورفع يديه واذا اراد ان يركع رفع يديه واذا رفع راسه من الركوع۔ حدثنا العياش بن الوليد ثنا عبد الاعلیٰ ثنا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر الى النبی ﷺ (یہ حدیث صحیح بخاری صفحہ ۱۰۲ ج ۱۔ میں بھی مذکور ہے) حدثنا ابراهيم بن المنذر ثنا معمر ثنا ابراهيم بن طهمان عن ابی الزبير قال رايت ابن عمر رضی اللہ عنہما حين قام الى الصلوٰة رفع يديه حتى يحاذی باذنيه وحين يرفع راسه من الركوع فاستوىٰ قائما فعل مثل ذالك حدثنا عبدالله بن صالح ثنا الليث حدثنی نافع ان عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما كان اذا استقبل الصلوٰة يرفع يديه واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع واذا قام من السجد تين كبر ورفع يديه: اتنے طرق سے ابن عمر سے رفع الیدین کا ثبوت ہے لہٰذا ابن عمر کی حدیث کے راوی اس پر عامل بھی ہیں نیز زہری سے اس روایت کے کئی ناقل ہیں۔ مثلاً امام مالک ان کی روایت موطا میں ہے اور بخاری صفحہ ۱۰۲ ج ۱ میں بھی ہے اور ان کا صحیح مسلک رفع الیدین کرنا ہے جیسا کہ اوپر امام بیہقی کی کلام میں گذرا اور حافظ ابن عبدالبر تمہید صفحہ ۲۱۳ ج ۹ میں لکھتے ہیں وروى ابن وهب والوليد بن مسلم وسعيد بن ابی مريم واشهب وابو المصعب عن مالك انه كان يرفع يديه على حديث ابن عمر هذا الى ان مات (یعنی انہوں نے بیان کیا کہ امام مالک ابن عمر کی اس حدیث کی وجہ سے رفع الیدین کرتے تھے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے) امام مالک سے روایت کرنے والے کئی راوی ہیں۔ مثلاً امام شافعی ان کی روایت سنن کبری بیہقی صفحہ ۶۹ ج ۲ میں ہے اور یہی ان کا مذہب ہے اور ان کے متعلق مشہور ہے کتاب الام صفحہ ۹۰ ج ۱ میں فرماتے ہیں "وبهٰذا نقول فنأمر كل مسلم اماما اومأموما او منفردا رجلا او امرأة ان يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة واذ اكبر للركوع واذا رفع راسه من الركوع (یعنی فرماتے ہیں کہ ہم ہر مسلمان کو حکم دیتے ہیں وہ امام یا مقتدی، اکیلا آدمی یا عورت، یہ کہ وہ رفع الیدین کرے جب نماز شروع کرے اور جب رکوع کرے اور رکوع سے سر اٹھائے) نیز امام مالک سے عبداللہ بن وہب اور عبدالرحمٰن بن مہدی روایت کرتے ہیں۔ جس طرح کہ بیہقی صفحہ مذکورہ پر بیان ہوا ہے اور عبداللہ بن وہب خود امام مالک سے رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں۔ جس طرح ابن عبدالبر سے نقل کیا گیا اور عبدالرحمٰن بن مہدی بھی رفع الیدین کا قائل اور عامل تھا۔ جس طرح جزء رفع الیدین کے حوالہ سے گزرا۔ بلکہ عبدالرحمٰن بن مہدی تو اس حدیث کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

چنانچہ علامہ سخاوی فتح المغیث صفحہ ۳۲۳ طبع ہند میں ذکر کرتے ہیں کہ "وصلیٰ رجل ممن یکتب الحدیث بجنب ابن مھدی ولم یر فع یدیه فلما سلم قال له الم تکتب عن ابن عیینه حدیث الزھری عن سالم عن ابیه ان النبی ﷺ کان یر فع یدیه فی کل تکبیرة قال نعم قال فما ذا تقول لربك اذا لقیك فی ترکك ولھذا وعدم استعماله" (یعنی ابن مہدی کے برابر ایک آدمی نے نماز پڑھی وہ احادیث لکھا کرتا تھا اور رفع الیدین نہیں کر رہا تھا جب اس نے سلام پھیرا اسے کہا کیا تو نے نہیں لکھا ابن عیینہ عن الزہری عن سالم عن ابیہ یعنی نبی اکرم ﷺ ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرتے تھے وہ آدمی کہنے لگا جی ہاں۔ فرمانے لگے کہ جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور رفع الیدین ترک کرنے اور اس حدیث پر عمل نہ کرنے کا کیا جواب دو گے؟) نیز امام مالک سے روایت کرنے والوں میں یحییٰ بن سعید القطان اور عبداللہ بن مبارک بھی ہیں، جس طرح کہ ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۲۱۰ ج ۹ اور زیلعی حنفی نے نصب الرایہ صفحہ ۴۰۹ ج ۱ میں ذکر کیا ہے اور دونوں رفع الیدین کے قائل تھے جس طرح ابن مبارک سے قولاً وعملاً ذکر ہوا اور یحییٰ القطان کے متعلق بھی جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۴ طبع دہلی میں اس طرح ہے حدثنا علی بن عبداللہ ثنا سفیان ثنا الزھری عن سالم بن عبداللہ عن ابیه قال رأیت رسول اللہ ﷺ یر فع یدیه اذا کبر واذا رفع راسه من الرکوع ولا یر فع بین السجدتین قال علی بن عبد اللہ وکان اعلم اھل زمانه رفع الیدین حق علی المسلمین بماروی الزھری عن سالم عن ابیه اور ابن عیینہ بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ جیسا کہ جزء رفع الیدین کے حوالے سے گذرا اور سفیان سے روایت کرنے والے علی بن مدینی بھی رفع الیدین کے قائل اور عامل تھے۔ جس طرح اوپر بیان ہوا۔ نیز اس روایت میں تشریح ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں پر حق ہے کہ وہ رفع الیدین کریں: نیز سفیان سے اس حدیث کا راوی امام احمد بن حنبل بھی ہے۔ ان کی حدیث ان کی اپنی سند صفحہ ۸ ج ۲۔ میں مذکور ہے اور رفع الیدین کے متعلق امام احمد کا مذہب مشہور ہے۔ جیسا کہ اوپر ترمذی اور دیگر حوالہ جات سے گذرا۔ بلکہ فرماتے ہیں "من لم یرفع یدیه فی الصلوٰة فھم ناقص الصلوٰة" (المنھج الا حمد فی تراجم اصحاب الامام احمد لا بی الیمن العلیمی صفحہ ۷۸ ج ۱ ومختصر کتاب الحجة المصوں) مزید فرماتے ہیں کہ "ھو منقوص فی نفسه" (مسائل الامام احمد لا بی داؤد السجستانی صفحہ ۳۱) اور لکھتے ہیں کہ "رأیت احمد یر فع یدیه عند الرکوع وعند الرفع من الرکوع کرفعه عند افتتاح الصلوٰة" اور امام احمد فرماتے ہیں کہ "رفع الیدین فی الصلوٰة زیادة فی الحسنات" (مناقب الامام احمد لابن الجوزی صفحہ ۱۷۰) بلکہ

امام احمد کی آخری نماز جس میں رکوع سجدہ یا اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہ تھی۔ تب بھی اس میں رفع الیدین کی) (دیکھیے الامام احمد بن حنبل لابی عبداللہ حنبل بن اسحاق صفحہ ۱۰۔ ۱۱۱) نیز سفیان سے یحییٰ تمیمی بھی اس روایت کے راوی ہیں اور ان کی حدیث صحیح مسلم مع النووی میں ہے اور وہ بھی رفع الیدین کرتے تھے جس طرح اوپر صفحہ ۱۰۸ ج البیہقی کے حوالے سے گذرا۔ نیز سفیان سے امام شافعی بھی راوی ہیں۔ میں جیسا کہ کتاب الام صفحہ ۹۰ ج ۱ میں حدیث مذکور ہے نیز مسند الشافعی تخریج الامام ابی العباس صفحہ ۱۲ میں ہے اخبرنا سفیان عن الزهری عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه حتى يحاذى منكبيه واذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع ولا يرفع بين السجدتين " (یعنی امام شافعی سفیان سے بسند زہری، سالم عن ابیہ بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ والد سالم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ جب نماز شروع کرتے رفع الیدین کرتے جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی کرتے۔ لیکن دو سجدوں کے درمیان نہیں کرتے) نیز ترتیب مسند الشافعی صفحہ ۷۶ مصنفہ محمد عابد السندھی الحنفی میں بھی موجود ہے۔ اور سفیان سے امام حمیدی بھی اس حدیث کے راوی ہیں۔ ان کی حدیث صحیح ابوعوانہ صفحہ ۹۱ ج ۲ میں ہے اور امام حمیدی کا مذہب بھی رفع الیدین کرنا ہے۔ جس طرح کہ امام بخاری کے جزء رفع الیدین سے نقل کیا گیا اور سفیان سے ابن نمیر بھی راوی ہے ان کی روایت مسلم۔ صفحہ ۱۶۸ ج ۱۔ مع النووی میں ہے۔ ان کا بھی یہی مذہب ہے کما فی المحلی صفحہ ۹۰ ج ۴ ایضاً ابن شہاب زہری سے مالک اور ابن عیینہ کے علاوہ اور بھی کئی اس حدیث کے ناقل ہیں۔ مثلاً ابن جریج ان کی حدیث۔ مصنف عبدالرزاق صفحہ ۶۷ ج ۲۔ مسلم۔ صفحہ ۱۶۸ ج ۱۔ مع النووی اور ابوعوانہ۔ صفحہ ۹۱ ج ۲۔ میں ہے اور ان کا مذہب بھی رفع الیدین کرنا ہے اور ان سے راوی عبدالرزاق ان کا مذہب بھی رفع الیدین کرنا ہے جس طرح سنن کبریٰ للبیہقی۔ صفحہ ۷۳۔ ۷۴ ج ۲۔ میں حدیث مذکور ہے اور ان سے دوسرے راوی ایوب السختیانی ہیں۔ ان کی حدیث امام طبرانی نے المعجم الکبیر۔ صفحہ ۳۱۹ ج ۱۔ میں روایت کی ہے اور یہ بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ اس کے راوی حماد اور ان سے ناقل ابوالنعمان محمد بن الفضل ہے سب باقاعدہ رفع الیدین کرتے تھے، جس طرح بیہقی صفحہ ۷۳ ج ۲ میں حدیث ہے کہ "اخبرنا ابو عبدالله الحافظ ثنا ابو عبد الله محمد ابن عبدالله الصفار الزاهد املاء من اصل كتابه قال قال ابو اسماعيل محمد بن اسماعيل السلمى صليت خلف ابى النعمان محمد بن الفضل فرفع يديه حين افتتح الصلوٰة وحين ركع وحين رفع راسه من الركوع فسالته عن ذالك فقال صليت خلف ايوب السختيانى فكان يرفع يديه افتتح الصلواة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع

فسالته فقال رایت عطاء ابن ابی رباح یر فع یدیه اذا افتتح الصلوٰة واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع فسالته فقال صلیت خلف عبدالله بن الزبیر فکان یر فع یدیه اذا افتتح الصلوٰة واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع فسالته فقال عبد الله بن الزبیر صلیت خلف ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فکان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع-وقال ابو بکر صلیت خلف رسول الله ﷺ فکان یر فع یدیه اذا افتتح الصلوٰة واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع رواته ثقات۔ یعنی ابواسماعیل محمد بن اسماعیل السلمی کہتے ہیں کہ میں نے ابونعمان محمد بن فضل کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کی اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا۔ میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے حماد بن زید کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے نماز شروع کرتے وقت اور جب رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھایا تو رفع الیدین کی۔ میں نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے ایوب السختیانی کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نماز شروع کرتے وقت اور جب رکوع کیا اور رکوع سے اٹھایا تو رفع الیدین کی۔ ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح کو دیکھا وہ نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے۔ ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کے پیچھے نماز پڑھی وہ بھی نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے۔ ان سے سوال کیا تو عبداللہ بن زبیر نے فرمایا میں نے ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی وہ بھی نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے تو رفع الیدین کرتے تھے اور ابوبکر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔ (اس کی راوی ثقہ ہیں)

**الغرض:**...... زہری والی حدیث روایت کرنے والوں کے لحاظ سے مشہور ہے اس کی کئی سندیں ہیں اور عام روایت کرنے والے سب اس پر عامل ہیں ایسی شان مولوی صاحب کی پیش کردہ روایت کی کہاں ہو سکتی ہے؟

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر ایک کے لیے دار و رسن کہاں؟

اس کے بعد مولوی صاحب نے اپنی پیش کردہ ابن مسعود والی روایت پر پانچ اعتراضات کا ذکر کیا اور ان کا جواب لکھا۔ ان کی حقیقت پیش کی جاتی ہے پہلے اعتراض میں ہماری کتاب ضرب الیدین علی منکری رفع

الیدین اور علامہ حافظ محمد عمر ڈیپلائی کی شرح مشکوٰۃ سے نقل کرتے ہیں کہ ''عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ثابت نہیں۔''

**قارئین**:...... مولوی صاحب نے دونوں کتب سے مکمل عبارت نقل نہیں کی ہماری کتاب میں عبارت اس طرح سے ہے ''زہری والی روایت صحیح ہے جو صحیح کتب میں مروی ہے اور ابن مسعود والی روایت صحیح نہیں ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک تبع تابعی امام صاحب کے شاگرد فرماتے ہیں کہ ''قد ثبت حدیث من یرفع و ذکر حدیث الزھری عن سالم عن ابیہ ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ لم یرفع الا اول مرۃ (سنن الترمذی صفحہ ۳۵ ج ۱) (یعنی فرماتے ہیں کہ رفع الیدین والی حدیث جو زہری سالم عن ابیہ ثابت ہے ابن مسعود کی حدیث کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلی مرتبہ کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھائے ثابت نہیں ہے) ابن عمر والی روایت رفع الیدین کرنے کے متعلق ثابت ہے اور ابن مسعود کی رفع الیدین نہ کرنے والی ثابت نہیں ہے (ضرب الیدین صفحہ ۲۱) اس عبارت کا مولوی صاحب صرف آخری حصہ بیان کرتے ہیں جبکہ اوپر والی عبارت کھا گئے ہیں۔ کیوں اس میں کئی ایک وجوہات کی بنا پر انہیں نقصان ہوتا۔

**اولاً**:...... دونوں روایات (ابن عمر اور ابن مسعود) میں مقابلہ کیا گیا ہے۔

**ثانیاً**:...... ابن مبارک ابوحنیفہ کا شاگرد ہے بلکہ آپ انہیں حنفی کہتے ہیں۔ (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ للقرشی (صفحہ ۲۸۱ ج ۱) والفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ لکھنوی صفحہ ۱۰۳) نیز علامہ عبدالرشید نعمانی حاشیہ دراسات اللبیب صفحہ ۳۰۱ میں ابن مبارک کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''من خواص اصحاب فقیہ الملۃ ابی حنیفۃ الامام القائمین بمذھبہ'' (یعنی ابن مبارک فقیہ ملت ابوحنیفہ کے خاص الخاص میں سے ہیں) ایسے شخص کا قول احناف کے لیے سب سے مقدم ہے۔ مولوی صاحب نے اس عبارت سے علیحدگی اسی لیے کی تھی کہ انہیں اس سے اپنی گردن ٹوٹنے کا خدشہ تھا۔ کیونکہ جس روایت کو امام ابوحنیفہ کا شاگرد بلکہ بقول نعمانی ان کا خاص ساتھی جس روایت کو اپنی تحقیق سے غیر ثابت کہے۔ اس کو آج کل کے حنفی تیرھویں چودھویں صدی کے کہاں سے ثابت کر سکتے ہیں۔

**ثالثاً**:...... ابن مبارک اپنی دونوں روایات اثبات اور نفی کو پیش کر کے دونوں کے درمیان فیصلہ دیتے ہیں اس وجہ سے مولوی صاحب نے عبارت تو ذکر کی۔ کیونکہ ان کے تسلیم شدہ مذہبی سرداران کے مذہب کا بیڑہ غرق کرتے ہیں اور مولوی محمد عمر کی عبارت اس طرح سے ہے ''ترمذی نے رفع الیدین کے باب میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ رفع الیدین کرنے والی حدیث صحیح اور ثابت ہے۔ ابن مسعود والی حدیث رفع الیدین نہ کرنا نسبتاً ثابت نہیں ہے'' (شرح مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۶ ج ۱) اس عبارت میں بھی مولوی

صاحب کو نقصان تھا۔ کیونکہ مولوی محمد عمر صاحب نے بحوالہ ترمذی نقل کیا ہے۔ گویا کہ امام ترمذی بھی اس کے ساتھ موافق ہیں اور اسی کو رد نہیں کرتے۔ اس کے بعد اس اعتراض کے لیے مولوی صاحب نے دو اعتراض لکھے ہیں ان کی حقیقت پیش کی جاتی ہے۔ جواب میں پہلے تو مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ''عبداللہ بن مبارک کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی کوشش کی ہے۔ اس وجہ سے ٹھوکر کھائی ہے'' حالانکہ یہ بندوق خود آپ کے مذہبی رہنماء نے چلائی ہے اور خیر سے گھایل بھی آپ کو ایسا کیا ہے جو صدیاں بیت گئیں اب تک جس روایت کو ابن مبارک غیر ثابت کہہ گئے ہیں اس کو آپ میں سے کوئی بھی قانونی طور پر ثابت نہیں کر سکا اور ہم ٹھوکر تو تب کھاتے جب ابن مبارک کا قول صحیح نہ ہوتا۔ بلکہ ہم نے اس کو کئی دلائل سے ثابت کیا ہے اور اس میں سے کئی علتیں ظاہر کی ہیں اور ابن مبارک اکیلا بھی نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ کئی سلف سے خلف تک محدث ان کے ہم خیال ہیں بلکہ ٹھوکر تو مولوی صاحب نے خود کھائی ہے کہ وہ ابن مبارک کے قول کو مکمل سمجھ بھی نہ سکا۔ ایک سے دوسرا کچھ لکھ گیا۔ چنانچہ جواب میں لکھتے ہیں کہ ''ابن مسعود کو خود امام ترمذی نے سند سے بیان کر کے ثابت کیا ہے اس سے زیادہ کیا ثابت کیا جائے۔

**اولاً:**...... صرف سند ذکر کرنا ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ سند بیان کرنے کے بعد ہی تحقیق کا میدان ہموار ہوتا ہے کہ اس کے راویوں کے متعلق معلوم کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ ثقہ یا کوئی دوسری علت تو نہیں ہے وہ امام ابن مبارک نے دیکھ کر ہی فیصلہ کیا ہے۔ کہ یہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ وھو الثانی .

**ثالثاً:** ...... امام ابن مبارک کا یہ فیصلہ مدلل ہے اور سند دیکھنے کے بعد ہی ہم نے اس روایت کی سند خواہ متن میں سے علتیں نکال کر پڑھنے والوں کے سامنے پیش کی ہیں۔ اگر سند نہ ہوئی تو ابن مبارک یہ فیصلہ نہ دیتے بلکہ کہتے کہ "لا یو جد غیرہ . "

**رابعاً:**...... مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ امام ترمذی نے سند بیان کی ہے جس سے ظاہر ہے کہ ابن مبارک کی کلام کو نہیں سمجھے۔ ورنہ اس کے لیے یہ جواب تھا کہ قواعد محدثین کے تحت اس روایت کی سند کو صحیح ثابت کرتے۔ سچ ہے کہ

کم من عائب قولا صحیحا
وآفتہ من الفہم السقیم

**خامساً:** ...... مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ''اس سے مزید کیا ثبوت پیش کیا جائے'' اس سے ثابت ہوا کہ مولوی صاحب کے پاس اس روایت کے ثبوت کے لیے صرف سند ذکر کرنا اور راویوں کے نام لینا اس حد تک علم ہے توثیق اور تضعیف یا تصحیح اور توہین سے علم بالا ہے۔ اب پڑھنے والے انصاف کریں کہ ٹھوکر کس

نے کھائی ہے جنہوں نے ابن مبارک کے قول کو سمجھا اور تحقیق کر کے علّتیں نکال کر روایت کو غیر ثابت کیا اور ابن مبارک کے علاوہ دیگر آئمہ سے بھی اس کی تائید نقل کی۔ یا وہ جس نے تحقیق توثیق اور تضعیف تو دور رہی صرف راویوں کے نام لے کر اور سند دیکھ کر خوشی منائی۔

**صفحہ ۹۱:** ......لیکن پھر لکھتے ہیں کہ ''امام ترمذی نے ابن مبارک کے قول کو نقل کیا پھر حدیث صحیح سند سے ثابت کر کے دکھائی'' الخ۔

**جواب:** ...... یہ ہے مولوی صاحب کا علم نہ ابن مبارک کے قول کا جواب دیتے ہیں اور نہ مکمل طور پر راویوں کی توثیق ثابت کرتے ہیں اور نہ ہی ان علتوں کا جواب دیتے ہیں جو آئمہ حدیث نے اس روایت میں بتائی ہیں خالی صحیح کا فیصلہ دے دیتے ہیں۔ سچ کہا گیا ہے ''آنکھ بنی ہی نہیں پیلو خان نے چاند دیکھ لیا'' کیونکہ امام موصوف ابن مبارک کا قول نقل کر کے روایت کی سند پیش کرتے ہیں تاکہ بصیرت والے انصاف کریں کہ امام ابن مبارک کا فیصلہ صحیح ہے یا غلط؟ سند میں کیا ہیر پھیر ہے؟ کون سی علت ہے؟ بحمد اللہ امام ترمذی کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے کتاب پڑھنے والوں کو اندھیرے میں نہیں رکھا۔ بلکہ سند واضح کر دکھائی تاکہ قارئین تحقیق کر سکیں۔ چنانچہ بفضل اللہ ہم نے اس روایت میں کئی علّتیں نکال کر دکھائیں اور ثابت کیا کہ امام ابن مبارک کا قول صواب اور درست ہے یہ مولوی صاحب ہیں جو اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں اور بغیر تحقیق کے سند کو صحیح کہہ کر اپنے مذہب کے بڑے کو غلط ثابت کر رہے ہیں۔

**قارئین!** ......امام ابن مبارک کا یہ فیصلہ امام بیہقی السنن الکبری صفحہ ۷۹ ج ۲ میں لائے ہیں اس میں الفاظ یوں ہیں ''سمعت عبداللہ بن المبارك يقول لم يثبت عندي حديث ابن مسعود ان رسول الله ﷺ رفع يديه اول مرة ثم لم يرجع وقد ثبت عندي حديث رفع اليدين ذكره عبيد الله ومالك ومعمر وابن ابي حفصة عن الزهري عن سالم عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال واراه واسعا ثم قال عبدالله كاني انظر الى النبي ﷺ وهو يرفع يديه في الصلوٰة لكثرة الاحاديث وجودة الاسانيد'' (یعنی ابن مبارک سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک ابن مسعود کی حدیث ثابت نہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر دوبارہ نہیں اٹھائے اور تحقیق میرے نزدیک ابن عمر کی حدیث ثابت ہے اور میں اس میں وسعت دیکھتا ہوں۔ پھر عبداللہ نے کہا کہ گویا میں نبی ﷺ کو دیکھتا ہوں کہ آپ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں اس کی وجہ کثرت احادیث اور ان کی اسانید ہیں) اس تفصیلی عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ ابن مسعود والی روایت کے لیے کہتے ہیں کہ ''لم يثبت عندي'' یعنی میرے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ جس کا

مطلب یہ کہ مولوی صاحب ان کی عبارت کو غلط سمجھے ہیں۔ انہوں نے اس سند کا انکارنہیں کیا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ میری تحقیق کے مطابق ثابت نہیں ہے۔ ثانی، ابن عمر والی روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ "وقد ثبت عندی" یعنی میرے نزدیک یہ ثابت ہوچکی ہے۔ یہ وضاحت بتاتی ہے کہ اس کا ثبوت تحقیق کی بناء پر کہتے ہیں۔

**ثالثاً**:...... اس کے لیے دلیل بھی دیتے ہیں۔ ذکرہ عبید اللہ ومالك ومعمر وابن ابی حفصة عن الزھری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ" یعنی اس کو ذکر کرنے والے عبید اللہ مالک ابن ابی حفصہ زہری کی سند سے بیان کرتے ہیں وہ سب ثقہ معتبر اور مشہور ہیں۔ اور زہری کے یہ چاروں شاگردان کے استاد ہیں۔ اسی طرح چاروں سے ان کی حدیث تاریخ بغداد للخطیب صفحہ ۲۶۰ ج ۳ میں مروی ہے: حدثنا ابو الحسین محمد بن الحسین الحرانی المعدل حدثنا احمد بن جعفر بن حمدان حدثنا ابو عمر ومحمد بن محمود بن عدی المروزی حدثنا عمارة الحسن حدثنا ابن المبارك عن معمر و یونس ومالك وعبید الله ومحمد بن ابی حفصة عن الزھری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه كان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة حتی یكون حذو منكبیه واذا رفع راسه من الركوع وكان لا یفعل ذالك فی السجود" اور یہ حدیث صحیح ابوعوانہ صفحہ ۹۱۔۹۲ ج ۲ میں بھی ہے لیکن اس میں مالک کے علاوہ دیگر اساتذہ کا ذکر ہے حدثنا ابو محمد یحییٰ بن اسحاق بن سافری واحمد بن الولید الفحام قالا حدثنا زكریا بن عدی فانبا ابن المبارك عن یونس ومعمر وعبید الله بن عمر و محمد بن ابی حفصة عن الزھری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه كان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع ولا یفعل ذلك بین السجدتین.

**رابع**:...... اس کے بعد اپنا یقین پیش کرتے ہیں۔ كانی انظر الی النبی ﷺ وھو یرفع یدیه فی الصلوٰة" گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز میں رفع الیدین کرتے دیکھ رہا ہوں" ایسی یقینی حدیث کے معارض یا مقابلے والی حدیث کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔

**خامس**:...... اس کے لیے بھی جدوجہد پیش کرتے ہیں "لكثرة الاحادیث وجودة الاسانید." یعنی ایک تو اس کی تائید میں لاتعداد اور بے شمار احادیث ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کی سندیں اچھی یعنی مضبوط اور صحیح ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابن مبارک نے مولوی صاحب کی طرح اندھیرے میں تیرنہیں چلایا۔

لیکن کئی قوی دلائل کی بناء پر تحقیق کر کے ابن مسعود کی روایت کو غیر ثابت اور ابن عمر کی حدیث کو ثابت کہا ہے۔ فللہ الحمد

دوسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''حضرات غیر مقلد کہتے ہیں کسی امام کی تقلید کرنا گمراہی ہے پھر یہ، مولوی صاحب تقلید کر رہے ہیں''

**جواب**:......مولوی صاحب مصنف بھی بنتے ہیں اور رد بھی لکھتے ہیں قلم کو دوڑاتے بھی ہیں اور اوراق بھی سیاہ کرتے ہیں لیکن یہ علم نہیں رکھتے کہ تقلید کیا چیز ہے، اس کی تعریف کیا ہے؟ جس طرح کسی طالب علم کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ استاد کے پاس علامہ جامی کی کتاب یوسف زلیخا اس نے پڑھ کر مکمل کر کے استاد سے پوچھتا ہے۔ کہ زلیخا نر بود یا مادہ۔ تقلید کی تعریف خود آپ کے احناف نے اس طرح لکھی ہے۔ چنانچہ۔ مسلم الثبوت صفحہ ۲۸۹۔ طبع ہند اور اس کی شرح فواتح الرحموت (صفحہ ۴۰۰ ج ۲) ذیل المستصفی للغزالی میں وضاحت ہوئی ہے عبارت اس طرح ہے ''التقليد العمل بقول الغير من غير حجة متعلق بالعمل والمراد بالحجة حجة من حجج الاربع والا فقول المجتهد دليله وحجته كا خذ العامي من المجتهد واخذ المجتهد من مثله فالرجوع الى النبي ﷺ واصحابه الصلوٰة والسلام والا جماع ليس منه فانه رجوع الى الدليل وكذا رجوع العامي الى المفتي والقاضي الى العدول ليس هذا الرجوع نفسه تقليدا'' اور ابن الہمام التحریر صفحہ ٥٤٧ پر فرماتے ہیں کہ ''التقليد العمل بقول من ليس قوله احد الحجج بلا حجة منها فليس الرجوع الى النبي ﷺ والا جماع منه بل المجتهد والعامي الى مثله والى المفتي هذا هوا لمعروف'' ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے بھی قول کو بغیر دلیل کے تسلیم کرنا اور لینا ہی تقلید ہے۔ ہم نے ابن مبارک کا قول بغیر تحقیق کے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے لیے دیگر آئمہ کی تائیدیں پیش کیں اور اس کے قول کے صحیح ہونے کے لیے وجہ اور دلائل پیش کیے ہیں۔ اگر ہم نے تقلید کرنی ہوتی تو ہم صرف ابن مبارک کا قول کافی سمجھتے۔ اس روایت کی سند خواہ متن میں علتیں تلاش نہ کرتے۔ اسی کا نام تحقیق ہے۔ تقلید نہیں ہے مولوی صاحب جو تقلید کے گرویدہ ہیں اور خود کو مقلد سمجھتے ہیں اور غیر مقلد کو اچھا نہیں جانتے ان کے لیے ان کے مذہب کے امام اور ان کے امام اعظم کے شاگرد اور خاص ساتھی کا قول کافی تھا۔ لیکن اس کی تردید کر کے تقلید کے دائرے سے باہر نکل کر غیر مقلد بن گئے۔ اور چونکہ تقلید میں مکمل طور پر پھنسے ہوئے ہیں لہٰذا ان کی یہ تردید بے کار اور مردود ثابت ہوئی، کیونکہ وہ صرف اس گمان میں ہے کہ ان کے بڑے رفع الیدین کے قائل نہ تھے اور ابن مسعود کی اسی روایت کو لیتے آئے ہیں۔ لہٰذا اس روایت کو

بڑوں کے اعتقاد کی وجہ سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن چونکہ تحقیق اور تقلید دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شامی صفحہ ۳۵۷ ج ۱ میں ہے "فاخرج نفسك من ظلمة التقليد وحيرة الاوهام واستضئ بمصباح التحقيق" (یعنی اپنے نفس کو تقلید کے اندھیروں اور وہم پرستی کی دنیا سے نکال کر حق کے چراغ سے روشنی حاصل کر) یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ تقلید اور تحقیق دو الگ چیزیں ہیں۔ اسی وجہ سے مولوی صاحب تحقیق کے میدان میں ہر وقت ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں حنفی مذہب کا بڑا عالم علامہ زمخشری اطواق الذهب صفحہ ۴۴ مقالہ صفحہ ۳۷ میں فرماتے ہیں "ان كان للضلال ام فالتقليد امه" (یعنی اگر گمراہی کی کوئی ماں ہے تو وہ تقلید اس کی ماں ہے)

**الحاصل:** ...... یہ اعتراض تا قیامت مولوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں پر قائم ہے۔ مولوی صاحب نے جو جواب پیش کیا اس سے ان کی علمیت کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔ بحمد اللہ۔

دوسرا اعتراض یہ نقل کرتے ہیں کہ "ابو داؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے" اس کے جواب میں مولوی صاحب پہلے تو کہتے ہیں کہ یہ ابو داؤد نے اس حدیث کے لیے نہیں کہا بلکہ براء بن عازب والی کے لیے کہا ہے؟

**جواب:** ...... **اولاً:** امام ابو داؤد نے یہ فیصلہ دونوں روایات (ابن مسعود اور براء) کے لیے دیا ہے اور دونوں احادیث کے بعد یہ عبارت فرمائی ہے لیکن بعض نسخوں میں ابن مسعود والی حدیث کے بعد یہ عبارت مفقود ہے چنانچہ ابو داؤد مطبع انصاری بمع شرح عون المعبود (صفحہ ۲۷۲۔۲۷۳ ج ۱) میں ابن مسعود کی حدیث کے بعد متصل یہ عبارت ہے۔ قال ابو داؤد هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا اللفظ" (یعنی ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ طویل حدیث کا مختصر حصہ ہے اور ان الفاظ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے) اور عون المعبود میں مذکور ہے کہ اعلم ان هذا العبارة موجودة فی نسختين عتيقتين عندی وليس فی عامة نسخ ابی داؤد الموجودة عندی" (یعنی جاننا چاہیے کہ میرے پاس موجود دو عتیق نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے اور لیکن عام ابو داؤد کے نسخوں میں نہیں ہے) جس کا معنی کہ نسخوں میں اختلاف ہے یعنی بعض نسخوں میں موجود ہے اور بعض میں سے گری ہوئی ہے۔ علامہ محمود محمد خطاب السبکی المنهل العذب المورود شرح سنن الامام ابی داؤد (صفحہ ۱۵۳ ج ۵) میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ "وفی بعض النسخ زيادة قال ابو داؤد هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا المعنى" (یعنی بعض نسخوں میں زیادتی ہے ابو داؤد فرماتے ہیں یہ حدیث طویل حدیث کا مختصر ہے اور وہ اس معنی میں صحیح نہیں ہے) جس سے ثابت ہوا کہ مولوی

صاحب کا یہ انکار کرنا امام ابو داؤد نے ابن مسعود کی حدیث کے لیے ہرگز یہ الفاظ نہیں کہے غلط ثابت ہوا۔ خود آپ کے حنفی بھائی علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود صفحہ ۱۷ج ۴ طبع لکھنو میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ابوداؤد کے مجتبائی نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت موجود ہے۔ بلکہ صیغہ جزم سے نقل کرتے ہیں کہ قال ابو داؤد الخ۔ اس طرح ابو داؤد طبع مجتبائی صفحہ ۱۱۶ پر بھی یہ عبارت موجود ہے جس طرح علامہ حکیم محمد اسماعیل دہلوی نے جلاء العینین صفحہ ۹۳ پر ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری حنفی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ صفحہ ۲۶۹ ج ۲ طبع ملتان میں بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور علامہ میرک سے نقل کرتے ہیں کہ ”لیس فی سنن ابی داؤد علی ھذا المعنی وانما فیه لیس بصحیح فقط “ یعنی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابوداؤد اس حدیث کو غیر صحیح کہتے ہیں۔ اس طرح علامہ شیخ عبدالحق دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ عربی صفحہ ۱۱۰ ج ۳ اور اشعۃ اللمعات فارسی صفحہ ۳۹۱ ج ۱ میں اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

**ثانیاً:** ...... مشکوٰۃ شریف حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ جن میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کئی کتب کی احادیث ہیں اور جا بجا محدثین کی کلام بھی نقل کی گئی ہیں۔ اس میں ابن مسعود کی روایت کو لاکر صاحب مشکوٰۃ صفحہ ۷۷ طبع ہند باب صفۃ الصلوٰۃ الفصل الثالث میں فرماتے ہیں کہ ”رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وقال ابو داؤد لیس ھو بصحیح علی ھذا المعنی “ ثابت ہوا کہ یہ عبارت ابو داؤد کے صحیح نسخے میں موجود ہے۔

**ثالثاً:** ...... کئی علماء، محدث، فقہاء ابو داؤد سے اس کا غیر صحیح ہونا نقل کرتے ہیں چنانچہ امام حافظ ابن عبدالبر کتاب التمھید صفحہ ۲۲۰ ج ۹ میں فرماتے ہیں ”قال ابو داؤد فی حدیث عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة عن ابن مسعود قال الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فصلیٰ ولم یر فع یدیه الا مرۃ واحدۃ ھذا حدیث مختصر من حدیث طویل ولیس بصحیح علی ھذا المعنیٰ“ (یعنی ابو داؤد حدیث عاصم بن کلیب کے بارے میں فرماتے ہیں جو عاصم نے عبدالرحمٰن بن الاسود سے انہوں نے ابن مسعود سے بیان کی ابن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں۔ نماز پڑھی اور صرف ایک دفعہ اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔ یہ حدیث طویل حدیث سے مختصر ہے اور اس معنی میں صحیح نہیں ہے) اور امام ابن جوزی کتاب التحقیق صفحہ ۵۱ ج ۱ المصور میں فرماتے ہیں کہ ”وقال ابو داؤد ولیس بصحیح “ (یعنی ابوداؤد نے فرمایا صحیح نہیں ہے) اور امام سراج الدین ابن الملقن البدر المنیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر (المصور) باب صفۃ الصلوٰۃ الحدیث التاسع کی تخریج میں لکھتے ہیں کہ ”وقال ابو داؤد لیس ھو بصحیح علی ھٰذ اللفظ “

(یعنی ابو داؤد نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں ہے) اور حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر (صفحہ ۲۲۲ ج ۱) طبع مصر و پاکستان میں فرماتے ہیں "وقال ابو داؤد لیس ھو بصحیح" نیز امام شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۱۸۷ ج ۲ میں اور علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۲۰ ج ۱ میں ابکار المنن صفحہ ۲۰۱ ج ۱ میں اور علامہ ابو الوزیر احمد حسن الدہلوی تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ صفحہ ۱۴۷ ج ۱ میں ابو داؤد سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں ثابت ہوا کہ ابو داؤد کے صحیح نسخے میں یہ عبارت موجود ہے۔

**رابعاً:** ...... اگر بالفرض والتقدیر تسلیم کیا جائے کہ سنن ابی داؤد میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ تب بھی جب اس قدر علماء ان سے نقل کرتے ہیں تو اس سے یقیناً ظاہر ہے کہ امام ابو داؤد نے ابن مسعود کی حدیث کو ضرور غیر صحیح کہا ہے۔ پھر وہ سنن یا کسی اور کتاب میں بہر حال اس روایت کو غیر صحیح کہنے والوں میں شمار ہیں وھو المطلوب

اور مولوی صاحب پر اب تک اعتراض قائم ہے امام ابو داؤد اس کو صحیح نہیں مانتے۔ اس کے لیے ان کے پاس کوئی جواب نہیں بلکہ ابن الملقن البدر المنیر (حوالہ مذکورہ) میں امام نووی کی کتاب الخلاصہ سے نقل کرتے ہیں کہ "اتفقوا علی تضعیف ھذا الحدیث" (یعنی اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے) اور مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ابو داؤد نے یہ الفاظ براء بن عازب کی حدیث کے لیے کہے ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث مولوی صاحب کی دلیل نمبر ۲ کے جواب میں بیان ہوگی 

تیسرا اعتراض ہماری کتاب ضرب الیدین کے حوالہ سے اس روایت کے راوی عاصم بن کلیب کے بارے میں نقل کرتے ہیں لا یحتج بہ اذا انفرد (یعنی جب، وہ منفرد ہو تو حجت نہیں) دراصل یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا۔ بلکہ امام ابن مدینی کا قول نقل کیا ہے عبارت اس طرح ہے "لا یحتج به اذا انفرد" (تھذیب صفحہ ٥٦ ج ٥) اوّل مولوی صاحب کسی دوسرے معتبر راوی سے ثابت کریں۔ جو اس روایت کو نقل کرتا ہو۔ پھر یہ عاصم کی روایت شاہدی میں پیش کرے "واذ لیس فلیس" ضرب الیدین صفحہ ۵۵۔

قارئین! انصاف کریں کہ یہ ہمارا اپنا کہنا ہے یا ائمہ حدیث میں سے کسی ایک بڑے امام کا فیصلہ ہے؟ نیز امام ابن المدینی اس میں منفرد نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف یعقوب بن شیبہ بصری مسند عمر صفحہ ۸۳ ج ۱۰ میں ان کے ساتھ موافقت کرتے ہیں نیز حافظ المغرب امام ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۲۱۹ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "اما حدیث ابن مسعود عن النبی ﷺ انه کان لا یرفع یدیه فی الصلوٰۃ الا فی مرة واحدة فھو حدیث انفرد به عاصم بن کلیب واختلف علیه فی الفاظه وقد ضعف الحدیث احمد بن حنبل وعلله ورمی به" (یعنی ابن مسعود کی حدیث نبی ﷺ نے نہیں ہاتھ

اٹھائے نماز میں لیکن ایک ہی مرتبہ اس میں عاصم بن کلیب منفرد ہے اور اس پر اس کی الفاظ میں اختلاف ہے اور اس حدیث کو احمد بن حنبل نے ضعیف کہا اس کی علّتیں بیان کیں اور اس کو چھوڑ دیا ہے) اور حافظ ذہبی میزان صفحہ ۵ ج ۲ میں ابن المدینی کا قول لا کر اس کو رد نہیں کرتے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۷ میں ذکر کیا ہے۔ ہم نے ائمہ حدیث کا فیصلہ ذکر کیا تھا۔ مولوی صاحب پر فرض تھا کہ وہ اس اعتراض کو اس طرح دور کرے۔ کہ عاصم بن کلیب کی حدیث کے لیے کوئی معتبر راوی بطور شاہد پیش کرتے۔ یعنی جو ہمارا مطالبہ تھا وہ پورا کرتے۔ لیکن جب ان کے پاس ایسی شاہدی پیش کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے لہٰذا ہماری عبارت کو مکمل نقل نہ کیا۔ کہیں پردہ فاش نہ ہو جائے۔ لیکن جس کا پردہ اللہ فاش کرنا چاہے اس کو کون بچائے ﴿وَ مَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ﴾ (الحج) مولوی صاحب اصل جواب سے منہ موڑ کر۔ ہمارے اعتراض کو رد کرنے کے بجائے اس کو مضبوط بنا گئے ہیں اور بھی جواب دیئے ہیں۔ جن کا اس اعتراض پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پہلا جواب یہ دیتے ہیں کہ عاصم بن کلیب کی کئی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں؟

**جواب**: ...... **اولاً**: پوری صحاح ستہ کا یہ راوی نہیں ہے بخاری میں اس کی کوئی روایت مسند نہیں ہے صرف کتاب اللباس میں ان کی ایک روایت معلق لائے ہیں، جس طرح مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۵۷ میں مذکور ہے حافظ صاحب صفحہ ۴۵۶ میں لکھتے ہیں کہ "فصل فی سیاق من علق البخاری شیئا من احادیثھم ممن تکلم فیه وما یعلقه البخاری من احادیث ھولآءِ انما یوردہ فی مقام الاستشھاد وتکثیر الطرق" ثابت ہوا کہ امام بخاری یہ روایت بطور شاہد لائے ہیں۔ نہ کہ حجت کے طور پر وھو الثانی.

ابو الفضل، ابن القیسرانی کتاب الجمع بین الرجال الصحیحین میں عاصم بن کلیب کو بخاری کے راویوں میں شمار نہیں کرتے۔

**ثالثاً**: ...... مولوی صاحب کی کلام میں تناقض ہے۔ ایک طرف لکھتے ہیں کہ عاصم بن کلیب کی روایات صحاح ستہ میں ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ مسلم شریف میں بھی دو ہیں۔ کیا مسلم صحاح ستہ کے علاوہ کوئی ایک ساتویں کتاب ہے؟ پھر دوبارہ "لیکن" کہہ کر نمبر بڑھانا جھوٹا ہوتا ہے۔ اگر مسلم صحاح ستہ میں داخل نہیں ہے تو پھر مولوی صاحب اپنی صحاح ستہ کتب کے نام بیان کریں وہ کون سی ہیں۔ کیونکہ قدیم خواہ جدید حدیث کے علماء نے صحاح ستہ میں مسلم کو شمار کیا ہے۔

**رابعاً**: ...... بخاری مسلم کے علاوہ دیگر کتب میں کسی راوی کی حدیث ہونا اس کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں

ہے۔ کیونکہ ان میں کئی راوی غیر ثقہ بھی موجود ہیں ورنہ عبادہ بن الصامت کی فاتحہ والی روایت سنن ثلاثہ (نسائی، ابوداؤد اور ترمذی) میں ہے ان کے راویوں پر مولوی صاحب نے کیوں اعتراض کیا اور ابن اسحاق بھی ان کا راوی ہے اور بخاری میں تعلیقاً ان کی روایات ہیں کما فی التقریب والتھذیب۔ ان پر مولوی صاحب نے کیوں اعتراض کیا۔ یہ جواب نہ ہوا بلکہ مولوی صاحب پر دہرا اعتراض ہوا۔ وھو الخامس۔

**سادساً**: ...... زیلعی نصب الرایۃ (صفحہ ۳۹۶ ج ا) میں مسلم کی دو احادیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ ایک روایت مسلم (صفحہ ۱۹۷ ج ۱۲) للنووی کتاب اللباس والزینۃ میں اس طرح سے ہے۔ عاصم بن کلیب عن ابی بردة عن علی قال نهانی یعنی النبی ﷺ عن اجعل خاتمی فی هذه او التی تلیها الحدیث۔ (یعنی مجھے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ میں اس انگلی یا اس کے برابر والی میں انگوٹھی پہنوں) اس حدیث سے پہلے امام مسلم انس رضی اللہ عنہ سے حدیث لاتے ہیں کہ "کان خاتم النبی ﷺ فی هذه واشار الی الخنصر من یده الیسری (یعنی نبی ﷺ نے اس انگلی میں انگوٹھی پہنی ہوئی تھی اور چھنگلی (چھوٹی) انگلی کی طرف اشارہ کیا) جس کا معنی یہ کہ عاصم بن کلیب کی روایت انس والی روایت کے بعد متابعت اور شواہد کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ عاصم بن کلیب والی روایت امام مسلم چار طرق سے لائے ہیں پہلی میں عاصم بن کلیب سے راوی ابن ادریس دوسری میں سفیان ثوری، تیسری میں شعبہ اور چوتھے میں ابو الاحوص اور شعبہ جو عاصم سے روایت کرتے ہیں جو غلطی وغیرہ کا شبہ تھا وہ دور ہوگیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری (صفحہ ۳۰۰ ج ا) سلفیہ میں ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں "وقد اعله قوم بسماك بن حرب راویه عن عکرمة لانه کان یقبل التلقین لکن قد رواه عنه شعبة وهو لا یحمل عن شائخه الا صحیح حدیثهم۔"

**قارئین!** ......سماک بن حرب کے لیے قاعدہ ہے کہ ان کی روایت جو عکرمہ سے مروی ہو وہ مضطرب ہوگی۔ چنانچہ تقریب میں سماک بن حرب کے متعلق فرماتے ہیں کہ صدوق وروایته عن عکرمة خاصة مضطربة قد تغیر باخره فکان ربما یلقن" چونکہ اس روایت کا راوی شعبہ ہے۔ اس وجہ سے ان کی روایت میں غلطی اور اضطراب کا شبہ نہ رہا اور اسی طرح عاصم بن کلیب کو بھی محدثین نے کسی سبب کی بناء پر کہا ہے کہ ان کا تفرد حجت نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کے ساتھ کوئی معتبر شاہد نہ ہو۔ لیکن چونکہ اس خاتم والی مسلم کی روایت میں عاصم سے شعبہ راوی ہے۔ لہٰذا ان کی اس روایت میں کوئی شبہ نہ رہا جو حجت ہونے سے مانع ہو۔ لیکن ابن مسعود والی ترک رفع الیدین کی روایت میں عاصم بن کلیب منفرد ہے کوئی معتبر اس کا شاہد نہیں ہے اور یہ روایت شعبہ کے واسطہ سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو خاتم والی روایت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

**الغرض:** ...... امام مسلم یہ روایت عاصم سے احتجاج کے طور پر نہیں لائے بلکہ شہادت کے لیے وہ بھی شعبہ کے واسطہ سے دوسری حدیث مسلم صفحہ ۳۵۰ ج ۲ کتاب الدعوات میں اس طرح ہے "عاصم بن كليب عن ابى بردة عن على قال قال لى رسول الله ﷺ قل اللهم اهد نى وسددنى. الحديث اس روایت سے قبل امام مسلم اسی صفحہ پر یہ حدیث لاتے ہیں۔ نا شعبة عن ابى اسحاق عن ابى الاحوص عن عبدالله عن النبى ﷺ انه كان يقول اللهم انى اسئلك الهدىٰ والتقى والعفاف والغنىٰ" اور اس روایت کے لیے دوسری سند بھی ذکر کی ہے۔ پھر یہ عبداللہ بن مسعود والی روایت اصل ہے اور علی رضی اللہ عنہ والی روایت اس کی بالتبع ہے۔ گویا کہ یہ روایت بطور احتجاج نہیں ہے۔

تیسری روایت مسلم صفحہ ۴۱۳ ج ۲ مع النووی میں اس طرح ہے: عن عاصم بن كليب عن ابى هريرة قال دخلت أبى موسىٰ وهو فى بيت ابنة الفضل بن عباس فعطست" الحديث یعنی چھینک آنے کے متعلق یعنی اگر یہ چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو اس کو جواب دیا جائے۔ لیکن یہ روایت بھی امام مسلم بطور احتجاج نہیں لائے۔ بلکہ اس سے قبل انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث اس معنی میں لائے ہیں؛ جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت بھی متابعت کے طور پر لائے ہیں مطلب یہ کہ ہمارا اعتراض قائم ہے کہ عاصم بن کلیب متفرد ہو تو پھر حجت نہیں ہے اور مولوی صاحب نے جو مسلم کا نام لیا وہ ان کے لیے مفید نہیں ہے وهو السابع۔

**صفحہ ۹۳:** ...... اس کے بعد مولوی صاحب ائمہ سے عاصم بن کلیب کے لیے توثیق نقل کرتے ہیں:

**جواب:** ...... **اوّلاً:** ہم نے مطلق توثیق کا انکار تو نہیں کیا اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ وہ علی الاطلاق ضعیف ہے بات صرف اس قدر ہے کہ وہ اس حیثیت کا نہیں ہے کہ اس اکیلے کی روایت کو حجت سمجھا جائے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس کے لیے کوئی دوسرا معتبر شاہد ہو۔

**ثانیاً:** ...... تفصیلی جواب کے لیے عرض ہے کہ مولوی صاحب امام احمد کا قول ذکر کرتے ہیں کہ "لا باس بحديثه" (یعنی ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں) یہ لفظ تعدیل اور توثیق کے الفاظ میں سے پانچویں مرتبے میں ہیں۔ جیسا کہ امام سخاوی نے فتح المغیث صفحہ ۱۵۸ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ لکھنوی نے الرفع والتکمیل صفحہ ۷۷ پر ذکر کیا ہے اور اس سے قبل چار اور مراتب ہیں جو اس قسم کی تعدیل والے الفاظ راوی کے حجت ہونے پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ سخاوی فتح المغیث صفحہ ۱۵۹ میں لکھتے ہیں کہ "ثم ان الحكم فى اهل هذه المراتب الاحتجاج بالا ربعة الاولى منها واما التى بعد ها فانه لا يحتج باحد من اهلها لكون الفاظها لا تشعر بشر يطة الضبط بل يكتب حديثهم

ویـــختبــر ۔ " اس طرح آپ کے بھائی عبدالفتاح ابو غدہ الرفع والتکمیل لکھنوی کے حاشیہ صفحہ ۷۷ پر ذکر کرتے ہیں ثابت ہوا کہ پانچویں مرتبے والے لفظ جن میں "لا بـــا س" بھی ہے ایسے راویوں کی روایت سے حجت نہیں لی جاتی۔ بلکہ شاہد کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہے۔ یہ امام ابن معین کے لیے خاص ہے جو جس کے لیے "لاباس" کہے تو وہ راوی ثقہ ہے اور حجت ہے۔ یا امام دوحیم کے لیے ہے۔ حافظ عراقی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث صفحہ ۳۹ ج ۲ میں بیان کیا ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کو اس قول پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس قول کے مطابق عاصم بن کلیب حجت نہیں لیکن متابعت اور شاہد کے طور پر کارگر ہے اور یہی ہمارا کہنا ہے جسے خود مولوی صاحب نے امام احمد کے قول سے ثابت کیا اور یہ بھی امام مدینی کے قول کی تائید ہے۔ اس کے بعد امام نسائی سے نقل کرتے ہیں کہ ثقہ ہے۔ لیکن امام ابن المدینی کے قول میں مزید زیادتی ہے۔ جس کا معنی یہ کہ دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ شاہدی کے لیے معتبر ہے نہ کہ تفرد کی صورت میں۔ حالانکہ ابن المدینی کی عزت جو امام نسائی کے نزدیک ہے وہ امام ابن اسحاق کے بیان میں گزری۔ ایضاً امام نسائی طبقات ملحق بـالـضعفاء التاریخ الصغیر للبخاری صفحہ ۳۱۲ میں امام مکحول کو صحابہ کے بعد فقہاء میں سب سے پہلے شمار کیا ہے لیکن مولوی صاحب نے امام نسائی کو وہاں پر نہیں مانا بلکہ ان پر جرح کی ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ تیسری نمبر میں امام ابن معین سے نقل کرتے ہیں لیکن ان سے قول معارض منقول ہے۔ چنانچہ آپ کے حنفی بھائی ظفر احمد تھانوی انھاء السکن صفحہ ۹۹ میں امام ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ "کـل عاصم فی الدنیا ضعیف" (یعنی جو بھی عاصم دنیا میں ہے وہ ضعیف ہے) یہ قول مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۱۲ میں بھی مذکور ہے، بلکہ تاریخ یحییٰ بن معین بروایت ابی خالد صفحہ ۴۶ میں یہ بھی ہے "سمعت یحییٰ یقول جریر کان مر جئا" (یعنی میں نے یحییٰ سے سنا وہ کہتے تھے کہ جریر نے کہا وہ مرجیہ ہے) یعنی عاصم بن کلیب کو گویا کہ اہل سنت میں بھی شمار نہیں کرتے۔ چوتھے نمبر پر امام ابن حبان سے ذکر کرتے ہیں انہوں نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ خود ابن حبان عاصم بن کلیب کی ابن مسعود کی اس روایت کو صحیح نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس میں کئی علتیں ہیں جو اس کو باطل بناتی ہیں جس طرح عبارت اوپر گزری۔

**ثالثاً**: ...... ابن حبان نے تو محمد بن اسحاق کو بھی ثقات میں ذکر کیا ہے جس طرح اوپر گذرا اور جس تہذیب سے مولوی صاحب نے ابن حبان کی توثیق نقل کی ہے اس تہذیب میں ابن حبان سے ابن اسحاق کی توثیق منقول ہے کیا اس وجہ سے مولوی صاحب ابن اسحاق پر جرح کرنے سے توبہ کریں گے؟

**رابعاً**: ...... آپ کے مذہبی رہنماء امام زفر بن ہذیل کو ابن حبان نے کتاب الثقات قلمی صفحہ ۹۳ ج ۳ میں ذکر

کیا ہے اور فرماتے ہیں "وکان زفر متقنا حافظا قلیلا الخطا ولم یسلك مسلك صاحبیه فی قلة التیقظ فی الروایات وکان اقیس اصحابه و اکثر رجوعاً الی الحق اذا لاح له" (یعنی زفر حافظ متقن اور قلیل الخطاء تھا اور اپنے صاحبین کے طریقے پر نہیں چلا وہ روایات کے بارے میں بہت کم بیدار تھے اور یہ اپنے ساتھیوں میں ذہین اور جب حق واضح ہو جائے تو اس کی طرف رجوع کرنے والا تھا) یہاں پر صاحبیہ سے مراد امام ابوحنیفہ اور امام محمد ہیں۔ بقول ابن حبان یہ دونوں قلیل تیقظ اور حق ظاہر ہونے کے بعد بھی اس کی طرف لوٹنے والے نہ تھے۔ مولوی صاحب ابن حبان کی یہ بات قبول کریں گے؟

**خامساً**:...... امام ابن حبان ثقات صفحہ ۳۱۹ ج ۳ قلمی میں امام ابو یوسف کو بھی لاتے ہیں اور فرماتے ہیں "وکان شیخا متقنا لم یکن یسلك مسلك صاحبیه الا فی الفروع وکان یبانهما فی الایمان والقرآن حدثنی الحسن بن محمد بن سلیمان ثنا اسحاق بن ابراهیم القاضی ثنا قتیبة بن سعید قال سمعت ابا یوسف یقول الا یمان قول ، عمل یزید وینقص۔ حدثنا محمد بن اسحاق الثقفی ثنا عبدالله بن احمد بن حنبل ثنا محمود بن غیلان ثنا محمد بن سعید بن سالم الباهلی عن ابیه قال سالت ابا یوسف وهو بجرجان عن ابی حنیفة فقال ما تصنع به قد مات جهمیا" (یعنی ابی یوسف شیخ متقن تھا وہ صرف اختلاف رکھتا تھا نیز قتیبہ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف سے سنا وہ کہتے تھے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے بڑھتا اور کم ہوتا ہے۔ نیز محمد بن سعید بن سالم الباہلی کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف سے جرجان میں ابوحنیفہ کے متعلق سوال کیا۔ کہنے لگے اس کا کیا کرو گے وہ تو جہنمی ہو کر مرا ہے) اب مولوی صاحب ابن حبان کی عبارت بار بار پڑھیں اور دوسرے علماء کو بھی پڑھائیں پھر بتائیں کہ ابن حبان کو مانتے ہیں یا نہیں؟ خاص طور پر تین باتیں ذکر کی ہیں کہ امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے عقائد کے مسائل ایمان اور قرآن کے خلاف تھے۔ دوسرا یہ کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ایمان وہ ہے جس کو محدثین ایمان کہیں۔ نہ کہ جس طرح حنفی کہتے ہیں اور قول بھی ان سے ابن حبان اپنی سند سے نقل کرتے ہیں۔ کہ امام ابوحنیفہ کی وفات کس عقیدے پر ہوئی اب دیکھیں کہ مولوی صاحب ابن حبان کو کس قدر مانتے ہیں؟

پانچویں نمبر میں ابن مسعود کا قول نقل کرتے ہیں اس کی حدیث سے حجت لی جائے گی۔

**جواب**:...... **اولاً**: محققین نے ابن مدینی کے قول کو ترجیح دی ہے جس طرح حافظ ابن عبدالبر اور دیگر سے اوپر نقل کیا گیا؟

**ثانیاً**:...... امام ابن مدینی کا یہ کہنا کہ حجت نہیں ہے یہ ان کی اپنی تحقیق کی بناء پر ہے اور انہیں عاصم بن

کلیب کے متعلق جو کچھ علم حاصل ہوا ہے اسی بناء پر اس طرح کہا ہے، ومن عرف الشی حجة علی من لم یعرفه .

**ثالثاً:** ......ابن سعد کا قول مطلق ہے اور ابن مدینی کا قول مقید ہے جس وقت متفرد ہو تو اس کی روایت حجت نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ مقید کی نفی، مطلق کی نفی کو مستلزم نہیں ہے اور مطلق کے اثبات سے مقید کا اثبات لازم نہیں آ تا۔ لہٰذا دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے اور تطبیق ممکن ہے۔ یعنی ابن سعد کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عاصم بن کلیب حجت ہے اس وقت جب وہ اکیلا نہ ہو۔

**الحاصل:** ......مولوی صاحب نے جو اقوال نقل کیے وہ ان کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہوئے۔ بلکہ عاصم بن کلیب کے اکیلے ہونے کی صورت میں حجت ہونے کو کسی نے بھی ثابت نہیں کیا۔ اس کا حافظ ابن حجر کی کتاب فتح الباری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اس ایک روایت جس کی سند میں عاصم بن کلیب ہے اس کے لیے کہا ہے کہ ''سندہ جید۔''

**اولاً:**......فتح الباری (صفحہ ۳۸۳۔۳۸۴ ج ۱۲) میں عبارت اس طرح ہے، وقد روینا موصولا من طرق اسماعیل بن اسحاق القاضی عن سلیمان من حرب وهو من شیوخ البخاری عن حماد بن زید عن ایوب قال کان محمد یعنی ابن سیرین اذا قص علیه رجل انه رای النبی ﷺ قال صف لی الذی رایته فان وصف له صفة لا یعرفها قال لم تره وسنده صحیح ووجدت له ما یویده فاخرج الحاکم من طریق عاصم بن کلیب حدثنی ابی قال قلت لا بن عباس رایت النبی ﷺ فی المنام قال صفة لی قال ذکرت الحسن بن علی فشبهته به قال قدرایته وسنده جید '' (یعنی محمد بن سیرین کے پاس جب کوئی شخص واقعہ بیان کرتا کہ اس نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے تو وہ کہتے کہ مجھے اس طرح بیان کرو جس طرح تو نے دیکھا ہے اگر وہ اسی وصف میں بیان کرتا ہے جو معروف نہیں تو کہتے کہ تو نے نہیں دیکھا اور اس کی سند صحیح ہے اور اس کی تائید میں میں نے حاکم سے روایت پائی جو عاصم بن کلیب کے طریق سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا ہے ابن عباس نے کہا کہ اس کا وصف (صفت) بیان کرو مجھے حسن بن علی یاد آئے اور میں نے ان کی مشابہت میں بیان کیا تو فرمانے لگے کہ تو نے دیکھا ہے۔ اس کی سند جید ہے)۔

**قارئین:** ......اب غور کریں کہ حافظ صاحب نے یہاں پر روایت اوپر والی روایت کی تائید میں پیش کی ہے جس کی سند بھی صحیح ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ''وسنده صحیح ووجدت له ما یؤیده '' اس پر شاہد ہیں۔

**ثانیاً:** ......اس مشابہت کا ذکر کئی صحیح روایات میں مذکور ہے۔ چنانچہ صفحہ ۵۳۰ ج ۱ میں ہے "عن عقبة بن الحارث "قال رایت ابا بکر وحمل الحسن وهو يقول بابی شبيه بالنبی ﷺ ليس شبيه بعلی وعلی يضحك" (یعنی عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر کو دیکھا انہوں نے حسن کو اٹھایا ہوا تھا اور کہہ رہے تھے۔ میرے ماں باپ قربان ہوں اس کی مشابہت نبی ﷺ سے ہے علی سے نہیں ہے) اس کے بعد دوسری روایت اس طرح ہے "عن الزهری عن انس قال لم يكن احد اشبه بالنبی ﷺ من الحسن بن علی" (یعنی زہری انس سے بیان کرتے ہیں کہ حسن بن علی سے زیادہ نبی ﷺ سے مشابہ کوئی نہ تھا) اور انس کی روایت امام ترمذی سنن صفحہ ۲۱۹ ج ۲ میں لاکر فرماتے ہیں کہ "هذا حديث حسن صحيح" اور اس باب میں ابوحنیفہ کی روایت لائے ہیں۔ قال رايت رسول الله ﷺ فكان الحسن بن علی شبيهه" (یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا حسن بن علی آپ کے بہت زیادہ مشابہ تھے) اور کہتے ہیں کہ "هذا حديث حسن صحيح وفی الباب عن ابی بکر الصديق وابن عباس وابن الزبير" ثابت ہوا کہ اصل مسئلہ ثابت ہے۔

**ثالثاً:** ......حافظ نے عاصم بن کلیب کی اس روایت کو تو ضعیف کہا ہے جس طرح اوپر گذرا۔

**رابعاً:** ......حافظ صاحب نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۵۷ میں قبول کیا ہے کہ عاصم بن کلیب اکیلے ہونے کی صورت میں حجت نہیں ہے۔ وہ پھر ایسی سند کے لیے کس طرح "جید" کہیں گے جس میں وہ اکیلا ہو۔ ضرور کوئی متابعت ہوگی یا پھر کسی دوسری حدیث کی شہادت ہوگی جس طرح یہاں ثابت ہوا۔ اس کے بعد دوسرا جواب بھی اس طرح دیتے ہیں کہ "وائل بن حجر اور عبداللہ بن عمر کی احادیث (رفع الیدین کے اثبات کے متعلق) کی اسناد میں بھی عاصم بن کلیب کا واسطہ ہے" یہ جواب نہیں ہے لیکن اعتراض پر ایک اور اعتراض ہے۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب کی علیت کا پتا دیتا ہے کیونکہ ان دونوں احادیث میں عاصم بن کلیب اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ عام ثقات کے تابع ہے۔ ابن مسعود کی روایت کی طرح نہیں کہ صرف ایک راوی ہو۔ وائل بن حجر کی روایت جو اس کے علاوہ کئی طرق سے ہے مثلاً علقمہ بن وائل بن حجر عن ابیہ اور ان کی حدیث طحاوی (صفحہ ۱۳۲ ج ۱) طبع ہند، دار قطنی (صفحہ ۲۹۱ ج ۱) مصری، بیہقی (صفحہ ۸۱ ج ۱) اور جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۵ طبع دہلی میں ہے۔ حدثنا ابو نعيم الفضل بن دكين انبا قيس بن سليم العنبری قال سمعت علقمة بن وائل بن حجر حدثنی ابی قال صليت مع النبی ﷺ فكبر حين افتتح الصلوٰة ورفع يديه ثم رفع يديه حين اراد ان يركع وبعد الركوع (یعنی میرے باپ نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب نماز شروع کی تکبیر کہی اور رفع الیدین کیا، پھر جب

رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھایا (رفع الیدین کی) یہ حدیث سنن نسائی صفحہ ۱۰۵ ج ۱ میں بھی ہے دوسرا طریق شعبہ کا "اخبرنی عمرو بن مرة قال سمعت ابا البختری یحدث عن عبدالرحمن الیحصبی عن وائل" یہ حدیث ابوداؤد صفحہ ۱۵۷ اور مسند احمد صفحہ ۳۱۶ ج ۱ میں بھی ہے اس کے علاوہ اور طرق بھی ہیں۔ جس وجہ سے عاصم بن کلیب متفرد نہیں ہے۔

**ثانیاً**: ...... عاصم بن کلیب سے جو راوی اس حدیث میں ہیں ان میں شعبہ بھی ہے ان کی روایت جزء رفع الیدین صفحہ ۷ طبع دہلی میں مذکور ہے۔ اور ابھی تازہ بیان ہوا کہ شعبہ کے طریق سے اگر روایۃ آئے تو وہ روایت شبہ سے محفوظ ہے۔ اس طرح ابن عمر والی روایت میں صرف عاصم کی روایت پر اعتماد نہیں بلکہ ابوداؤد کا جہاں مولوی صاحب نے حوالہ دیا ہے اس روایت سے اوپر دوسری کئی سندیں مذکور ہیں لہٰذا یہ اعتراض مولوی صاحب کا واہی ہے۔ مولوی صاحب اگر ابن مسعود کی روایت کو دلیل بناتے ہیں تو اس کے لیے عاصم بن کلیب کا معتبر شاہد پیش کرے۔ ورنہ یہ اعتراض بھی تین نمبر جس میں کہا گیا کہ عاصم بن کلیب کا تفرد حجت نہیں ہے یہ مولوی صاحب اور ان کے ہم مذاہب پر ہمیشہ کے لیے قائم ہے۔

چوتھا اعتراض اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "بعض جاہل غیر مقلدین سے یہ بھی سنا گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین (سورۃ فلق اور ناس) کو قرآن کی سورتیں نہیں سمجھتے تھے انہیں بھول ہو گئی تھی وغیرہ"

**جواب**: ...... **اولاً**: اس طرح امام بیہقی صفحہ ۸۱ ج ۲ میں مشہور فقیہ ابوبکر بن ابی اسحاق سے نقل کرتے ہیں جس طرح عبارت اوپر گذری۔ اب مولوی صاحب انہیں بھی جاہل کہیں شیخ ابن الھادی نے کتاب التنقیح میں بھی نقل کیا ہے جس طرح زیلعی نے نصب الرایہ صفحہ ۳۹۷ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ پھر انہیں بھی جاہل کہیں گے؟ اور اپنے زیلعی کو بھی جاہل کہیں گے۔ جو بھی اعتراض کرتے حافظ ذہبی نے المھذب فی اختصار السنن الکبیر (صفحہ ۵۴ ج ۲) میں انہیں ذکر کیا ہے انہیں بھی جاہل کہیں؟ خود ابن الترکمانی حنفی الجوہر النقی میں امام بیہقی کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں اور کئی سوالات کے جواب دیتے ہیں لیکن اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتے۔

**ثانیاً**: ...... کئی تفاسیر میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر الدر المنثور صفحہ ۴۱۶ ج ۲ میں ہے۔ اخرج احمد والبزار والطبرانی وابن مردویہ من طرق صحیحة عن ابن عباس وابن مسعود انه کان یحك المعوذتین من المصحف ویقول لا تخلطوا القرآن بما لیس منه انهما لیستا من کتاب الله انما امر النبی ﷺ ان یتعوذ بهما وکان ابن مسعود لا یقرأ بهما قال البزار لم یتابع ابن مسعود احد من الصحابة وقد صح عن النبی ﷺ انه قرأ بهما فی الصلوٰة واثبتتا فی المصحف اور ابن کثیر صفحہ ۵۷۱ ج ۴ میں ہے وهذا مشهور عند کثیر

من القراء والفقهاء ان ابن مسعود كان لا يكتب المعوذ تين فى مصحفه فلعله لم يسمعهما من النبى ﷺ ولم يتواتر عنده ثم لعله رجع عن قوله ذالك الى قول الجماعة فان الصحابة رضی اللہ عنہم اثبتو هما فى المصاحف الا ئمة ونفذو هلاالى سائر الآفاق كذا لك ولله الحمد والمنة تفسیر قرطبی صفحہ ۲۱۵ ج ۲ میں ہے وزعم ابن مسعود انهما دعاء تعوذ به و ليستا من القرآن خالف به الاجماع من الصحابة واهل البيت۔ روح المعانی صفحہ ۲۸۲ ج ۳ میں ہے وعن ابن مسعود ان انكر قرآنيتهما۔" اس کے بعد درمنثور والی روایت کو ذکر کرتے ہیں۔ روح البیان صفحہ ۵۴۵ ج ۳۰ میں فرماتے ہیں "قال عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ جميع سورة القرآن مائة واثنتا عشرة سورة قال الفقيه فى البستان انما قال انما مائة واثنتا عشر سورة لانه كان لا يعد المعوذ يتن من القرآن وكان لا يكتبهما فى مصحفه ويقول انهما منزلتان من السمآء وهما من كلام رب العالمين ولكن النبى عليه السلام كان ير قى و يعوذ بهما فاشتبه عليه انهما من القرآن او ليستا منه فلم يكتبها فى المصحف ." وغير ها من التفاسير

اب ان مفسرین کو بھی مولوی صاحب جاہل کہیں گے؟

**ثالثاً**: ......کئی شراح حدیث نے بھی اس کو بیان کیا ہے چنانچہ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۴۳-۷۴۲ ج ۸ میں حمیدی، احمد، ابونعیم، عبداللہ بن احمد اور طبرانی وغیرھم کے حوالے سے چند روایات نقل کرتے ہیں اور ان روایات کو صحیح کہتے ہیں چنانچہ اس کے متعلق ابوبکر باقلانی کی ایک تاویل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وهو تاويل حسن الا ان الرواية الصحيحة الصريحة التى ذكر تها تد فع ذالك حديث جاء فيها ويقول انهما ليستا من كتاب الله۔ اس کے بعد بعض کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ ان کی نقل کو غلط اور باطل کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں کہتے ہیں والطعن فى الروايات الصحيحة بغير مستند لا يقبل بل الرواية صحيحة والتاويل محتمل اور علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری صفحہ ۱۱ ج ۲۰ طبع منیریہ میں فرماتے ہیں کہ فان قلت قد اخرج احمد وابن حبان من رواية حماد ابن سلمة عن عاصم بلفظ ان ابن مسعود كان لا يكتب المعوذ تين فى مصحفه واخرج عبدالله بن احمد فى زيادات المسند و الطبرانى وابن مردويه من طريق الا عمش عن ابى اسحاق عن عبد الرحمن بن يزيد النخعى قال كان عبدالله بن مسعود يحك المعوذتين من مصاحفه ويقول انهما ليستا من القرآن او من كتاب

اللہ تعالیٰ قلت قال البزار لم یتابع ابن مسعود علی ذالك احد من الصحابة وقد صح عن النبی ﷺ انہ قرأ هما فی الصلوٰة وهو فی صحیح مسلم عن عقبة بن عامر وزاد فیہ ابن حبان من وجه آخر عن عقبة بن عامر فان استطعت ان لا تفو تك قرأتهما فی صلواة فافعل واخرج احمد من طریق ابی العلاء بن الشخیر عن رجل من الصحابة ان النبی ﷺ اقرأه المعوذتین وقال له اذا انت صلیت فاقرأ بهما واسناده صحیح وروی سعید بن منصور من حدیث معاذ بن جبل ان النبی ﷺ صلی الصبح فقرأ فیهما بالمعوذتین." نیز لامع الدراری علی جامع البخاری صفحہ ۲۲۴ ج ۹ میں علامہ رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ "والمعروف عنه انه رضی الله تعالیٰ عنه انکر کونهما من القرآن" (یعنی یہی بات معروف ہے کہ موصوف رضی اللہ عنہ نے ان کا قرآن سے انکار کیا ہے) اب مولوی صاحب کے فیصلے کے مطابق یہ شارح بھی جاہل ہوئے؟

**رابعاً**: ......ابن کثیر کے قول سے معلوم ہوا کہ اکثر قاری اور فقہاء اس طرح کہتے ہیں۔ مولوی صاحب انہیں بھی جاہل کہیں گے؟ خود ان کے حنفی مثلاً عینی ابن الترکمانی، زیلعی، گنگوہی اور دیگر سب مولوی صاحب کے نزدیک جاہل ہوئے، یہ الگ اور دوسری بات ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ ابن مسعود نے اس قول سے رجوع کیا ہوگا۔ جس طرح کہ ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے اور مسلمانوں کو ایسی ہی امید صحابی سے ہونی چاہیے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا ابن مسعود سے ثبوت نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر کی فتح الباری میں مذکور عبارت میں اس قول کی تردید کرتی ہے کہ صحیح روایات موجود ہیں، لہٰذا بغیر کسی سبب کے ان کو رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس طرح کہنے والے ناقلین کو جاہل نہیں کہا۔ کیونکہ ان روایات کے ناقل محدثین عظام امام احمد، حمیدی اور بزار وغیرہم ہیں۔ ان کے علاوہ فقہاء اور مفسر بھی نقل کرنے والے ہیں۔ ان سب کو جاہل کہنے کی جرأت صرف مولوی صاحب نے کی ہے اور بعض نے اس قول میں تاویل کی ہے۔ پھر صحیح یا غلط لیکن ناقلین کو جاہل نہیں کہا۔ بلکہ بڑی جہالت ہے کہ مولوی صاحب کو اپنے مذہب کا بھی علم نہیں، کیونکہ ان کی فقہ کی کتب میں تصریح کی گئی ہے کہ معوذتین کے متعلق جو شخص انکار کرے کہ قرآن میں سے نہیں ہیں تو وہ کافر نہ ہوگا۔ آپ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۶۷۔۲۶۶ ج ۲ میں ہے "اذا انکر الرجل اٰية من القرآن او تسخر باية من القرآن وفی الخزانة او عاب کفر کذا فی التتار خانيه۔ اذا انکر الرجل کون المعوذتین من القرآن لا یکفر وقال بعض المتأخرین بکفر لا نعقا دالا جماع بعد الصدر الاول علی انهما من القرآن والصحیح هو الا ول لان الاجماع المتأخر

لا یرفع الاختلاف المتقدم کذا فی الظھیریة ۔" (یعنی جب کوئی شخص کسی آیت کا انکار کرے یا اس کا مذاق اڑائے اور خزانہ میں ہے کہ عیب نکالے وہ کافر ہے اسی طرح فتاویٰ تتارخانیہ میں ہے۔ نیز جب کوئی شخص معوذتین کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں۔ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ وہ کافر ہے کیونکہ صدر اول کے بعد اجماع ہے کہ وہ قرآن پاک میں سے ہیں صحیح بات پہلی ہے کیونکہ اجماع متاخر سے اختلاف متقدم رفع نہیں ہوتا۔ اسی طرح ظہیریہ میں ہے اور فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۸۸۲ طبع ہند کتاب السیر میں ہے کہ "ومن زعم ان المعوذتین لیستا من القرآن ذکر فی النوازل انه لا یکون کافرا" (یعنی جس نے گمان کیا کہ معوذتین قرآن میں سے نہیں ہیں "نوازل" میں ذکر ہے تو وہ کافر نہ ہوگا) اس کے بعد اعتراض کے مولوی صاحب دو جواب دیتے ہیں۔ پہلے میں ابن مسعود کی فضیلت کے متعلق احادیث پیش کرتے ہیں جس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ لہٰذا یہ کوئی جواب نہیں۔ باقی بھولنا تو خود مولوی صاحب مانتے ہیں۔ چنانچہ جواب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "بھولنا شریعت کا تقاضہ ہے اس سے تو انبیاء بھی باہر نہیں ہیں کیا غیر مقلدین کو یہ بھول گیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موزوں پر مسح کرنے سے ناواقف تھے مؤطا امام مالک (صفحہ ۱۲) اور رفع الیدین رکوع کے وقت حدیث کا راوی بھی یہی ہے۔ فافہم وتدبر (تحفة الحدیث صفحہ ۹۳) جب بھول ممکن ہے تو پھر معترض کا اعتراض یہی ہے کہ بعید نہیں کہ عبداللہ بن مسعود کو رفع الیدین کے متعلق بھول ہوگئی ہو۔ کیونکہ کئی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کرنا نقل کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔ اس اعتراض کا جواب مولوی صاحب کے پاس نہیں ہے۔

**ثانیاً**: ......خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مثال دے کر مولوی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ کسی بھی صحابی سے بھول ہوسکتی ہے اور بھول کی وجہ سے ان کی شان میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ اس طرح اعتراض خود مضبوط ہوگیا۔

**ثالثاً**: ......موطا مالک جہاں سے مولوی صاحب نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے اس کے آخر میں اس طرح سے ہے کہ ان کے والد نے انہیں موزوں پر مسح کا مسئلہ بتایا جس کے بعد ہے کہ "فقال عبدالله وان جاء احدنا من الغائط قال عمر نعم وان جاء احدکم من الغائط (موطا مالك صفحه ۱۲ طبع هند) (یعنی عبداللہ نے کہا کہ اگر کوئی قضاء حاجت سے آیا ہو تو عمر نے فرمایا جی ہاں اور قرآن کی آیت ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ پیش کی) اور بخاری "صفحہ ۳۳ ج ۱" میں یہ حدیث ہے کہ اس میں امیر عمرؓ اپنے فرزند کو کہتے ہیں کہ نعم اذا حدثك شیئاً سعد عن النبی ﷺ فلا تسأل عنه غیره " (یعنی جی ہاں جب سعد تجھے نبی ﷺ سے بیان کرے تو کسی اور سے مت سوال کر) ثابت ہوا کہ ابن عمر کا مسح علی الخفین سے انکار حدیث کے معلوم ہونے سے قبل کا ہے اور جب انہیں حدیث

معلوم ہوگئی ہے تو پھر مسلمان کا یہی گمان ہونا چاہیے کہ انہوں نے حدیث کو سن کر قبول کیا ہے اور ان کے متعلق مسلمان کبھی بھی یہ گمان نہیں کرے گا کہ حدیث سننے کے بعد بھی وہ انکار پر قائم رہا۔ معاذ اللہ۔ اسی طرح ابن مسعود کے متعلق بھی سمجھنا چاہیے۔ بلکہ تحقیق سے یہ ثابت ہوا اور آگے چل کر مزید ثبوت ملیں گے کہ ابن مسعود سے ترک رفع الیدین کے متعلق کوئی بھی صحیح روایت ثابت نہیں بلکہ ان سے رفع الیدین کا ثبوت موجود ہے۔ اگر مولوی صاحب خواہ مخواہ اس ضد پر قائم ہیں کہ ابن مسعود سے ترک کے متعلق روایت ثابت ہے تو پھر کہا جائے گا کہ ان کا رفع الیدین کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ انہوں نے بھی ابن عمر کی طرح حدیث ملنے کے بعد اس مسئلہ کو قبول کیا ہے۔ وھو الرابع .

**خامساً:**...... خود آپ کے احناف ابن مسعود کی کئی روایات اور ان کے کئی فتاویٰ اور مسائل نہیں مانتے جس طرح اوپر کئی مثالیں گزریں پھر آپ نے ان کی فضیلت کے متعلق جو روایات نقل کی ہیں ان کا کیا مطلب۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا .

**صفحہ ۹۳:**...... دوسرے جواب میں ابن حزم سے نقل کرتے ہیں کہ ''ابن مسعود کی طرف یہ نسبت جھوٹی ہے اسی طرح علامہ سیوطی اور نووی نے بھی کہا ہے۔''

**جواب:**...... حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہہ دیا ہے کہ جب اس قسم کا انکار ابن مسعود سے صحیح سند والی روایات میں ثابت ہے تو پھر ان کو رد کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے جس طرح مختصر عبارت اوپر گزری اور مکمل عبارت یہ ہے۔ "واما قول النووی فی شرح المھذب اجمع المسلمون علی ان المعوذتین والفاتحة من القرآن وان من جحد منھما شیئا کفر وما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح ففیه نظر وقد سبقه لنحو ذلك ابو محمد بن حزم فقال فی اوائل المحلی ما نقل عن ابن مسعود من انکار قرآنیة المعوذتین فھو کذب باطل وکذا قال الفخر الرازی فی اوائل تفسیره الا غلب علی الظن ان ھذا النقل عن ابن مسعود کذب باطل والطعن فی الروایات الصحیحة بغیر مستند لا یقبل بل الروایة صحیحة والتأویل محتمل والا جماع الذی نقله ان اراد شموله لکل عصر فھو مخدوش وان اراد استقراره فھو مقبول (فتح الباری صفحه ۷۴۳ ج۸ سلفیه) یعنی بغیر کسی دلیل کے صحیح روایات میں طعن کرنا قبول نہ ہوگا بلکہ روایات صحیح ثابت ہیں اور جو اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ بھی اجماع کلی کے متعلق صحیح نہیں۔ بلکہ یہ بات قابل قبول ہے کہ بعد میں اس پر اجماع ہوا۔ جس طرح کہ آپ کی فتاوی کی کتاب عالمگیری سے عبارت نقل کی گئی کہ اس پر اجماع پہلے نہیں بعد میں ہوا۔

**ثانیاً:**...... سیوطی کے متعلق مولوی صاحب نے خیانت کی ہے۔ بلکہ جھوٹ کہا ہے۔ کیونکہ سیوطی نے اس طرح نہیں کہا بلکہ اس کے برعکس نووی اور رازی کے کلام کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر کی عبارت اس کے جواب میں نقل کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں کہ "وحاصله انهما كانتا متواترين فی عصره لكنهما لم يتواتر عنده (الاتقان صفحه ۸۲ ج ۱ طبع قاهره) (یعنی ان کے زمانہ میں متواتر تھیں لیکن ان کے ہاں متواتر نہ تھیں)

**ثالثاً:**...... ابن کثیر کے اقوال میں سے گذرا کہ انکار ثابت ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ انہوں نے رجوع کیا ہو اور امام ابن حزم کے قول کا یہی مطلب ہوسکتا ہے، چنانچہ ان کی عبارت یوں ہے "وكل ما روى عن ابن مسعود من ان المعوذتين وام القرآن لم تكن فی مصحفه فكذب مو ضوع لا يصح وانما صحت عنه قرأة عاصم عن زر بن حبيش عن ابن مسعود وفيها ام القرآن ومعوذتان" (یعنی ابن مسعود سے یہ بات کی ام القرآن اور معوذتین ان کے مصحف میں نہ تھیں جھوٹ اور من گھڑت ہے اور صحیح نہیں اور ان سے صحیح طور پر اس کی قرأت بطریق عاصم عن زر بن حبیش عن ابن مسعود ثابت ہے اور اس میں فاتحہ اور معوذتین ہے اور یہ جب کہ اس سند سے ابن مسعود سے ان کے خلاف منقول ہے، چنانچہ مسند احمد میں ہے حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة اخبر نا عاصم بن بهدلة عن زر بن حبيش قال قلت لا بی بن كعب ان ابن مسعود لا يكتب المعوذ تين فی مصحفه الحديث۔ (یعنی زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب سے کہا کہ ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین نہیں لکھتے تھے) یہی روایت مسند حمیدی میں بواسطہ سفیان عن عبدہ بن ابی لبابہ وعاصم بن بہدلہ مذکور ہے۔ اس طرح مسند ابی یعلی موصلی میں اس طریق "ابراهيم عن علقمة قال كان عبدالله يحك المعوذتين من المصحف ويقول انها امر رسول الله ﷺ ان يتعوذ بهما ولم يكن عبدالله يقرأ بهما" (یعنی ابراھیم علقمہ سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود مصحف سے معوذتین کو مٹا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تعوذ کا حکم دیا ہے اور عبداللہ انہیں پڑھتے نہ تھے) اور عبداللہ بن احمد من طریق الاعمش عن ابی اسحاق عن عبدالرحمٰن بن یزید روایت لاتے ہیں کہ "قال كان عبدالله يحك المعوذتين من مصاحفه ويقول انهما ليستا من كتاب الله" (یعنی کہتے ہیں کہ عبداللہ معوذتین کو مصحف سے مٹاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ قرآن میں سے نہیں ہیں) یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۸۱ ج ۴ میں مذکور ہیں۔ یعنی بعینہ وہی سند یعنی عاصم بن بہدلۃ عن زر بن حبیش عن ابن مسعود اس سند سے ابن مسعود سے انکار بھی ثابت ہے اور دوسری سندیں بطور شواہد بھی ہیں۔ لہٰذا

امام ابن حزم کے قول کا مطلب ہے کہ اس وقت ان کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں کیونکہ ان سے رجوع ممکن ہے۔ ورنہ اتنی زیادہ اسناد کے ہونے کے باوجود بھی اس روایت کو غلط کہنا غیر صحیح ہے۔ بلکہ رجوع ممکن ہے اس طرح امام ابن حزم کے قول اور دیگر اقوال میں تطبیق آ جاتی ہے۔

**رابعاً:**...... اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ ابن مسعود سے ایسا انکار ثابت ہی نہیں ہے اور اتنی ساری روایات کا دیدہ دانستہ انکار کیا جائے تب بھی ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ ابن مسعود کی بھول کی اس کے علاوہ کئی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ پھر جب کہ ان سے صرف نماز میں اتنی باتوں میں بھول ہوسکتی ہے تو پھر رفع الیدین کے متعلق بھول ہونے میں کیسا تعجب اور استبعاد ہے۔

**الحاصل:**...... یہ اعتراض اپنی جگہ پر قائم بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو چکا ہے مولوی صاحب نے اس کو دور کرنے کے لیے جو صحیفہ زرق کیا اس سے کوئی دھن نہ نکلا۔ یہ سب اس بناء پر ہیں کہ ابن مسعود کی روایت صحیح تسلیم کی جائے حالانکہ تفصیل سے ثابت کیا گیا کہ یہ ردایت صحیح نہیں ہے۔

**صفحہ ۹٤:**...... پانچواں اعتراض مولوی محمد عمر صاحب مشکوٰۃ مترجم سے نقل کرتے ہیں کہ ''اس حدیث اور دیگر احادیث مثبت رفع الیدین (جن میں رفع الیدین ثابت ہوتی ہے) میں کچھ بھی منافات ادر مخالفت نہیں ہے۔ کیونکہ ان احادیث میں ایک زیادتی آئی ہوئی ہے (رکوع کے وقت رفع الیدین کرنا) جوابن مسعود کی احادیث میں نہیں ہے (اس میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین ہے) ثقہ راویوں کی زیادتی بالا تفاق قبول ہے؟

**جواب:**...... **اوّلاً:** مولوی محمد عمر صاحب اس عبارت سے پہلے اس روایت کو ضعیف اور باطل ثابت کرتے ہیں پھر لکھتے ہیں کہ ''اگر بالفرض حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کیا جائے اور امام کے طعن کا کوئی اعتبار بھی نہ کیا جائے تب بھی اس حدیث اور دیگر احادیث مثبت رفع الیدین میں کوئی منا فات اور مخالفت نہیں ہے۔'' (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸٦ ج ۱) صاف ظاہر ہے کہ مولوی محمد عمر صاحب کا اصل جواب اس روایت کو غیر صحیح اور باطل ثابت کرنا ہے۔ اس کے بعد بالفرض کہہ کر دوسرا جواب نقل کرتے ہیں جس کا مطلب کہ یہ جواب تب ہے جب اس کی صحت ثابت ہو ''واذا لیس فلیس'' مولوی صاحب پہلے اعتراض کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ بلکہ ہماری تقریر سے وہ اور بھی مضبوط ہوگیا۔ پھر وہ دوسرے اعتراض کا کیا جواب دے سکیں گے؟ کیونکہ ان کا چلایا ہوا تیران کے منہ لگا۔ یعنی جس قدر اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے زور لگایا اس قدر مزید اس کا ضعیف اور باطل ہونا ثابت ہوا۔

**ثانیاً:**...... مولوی صاحب نے جو قاعدہ پیش کیا ہے۔ وہ اصول حدیث کی سب کتب میں مذکور ہے اور ابن مسعود کی روایت اگر صحیح تسلیم کی جائے تب بھی اس بنا پر ہوگا کہ انہیں رفع الیدین کرنا نظر نہ آیا اگر آیا تو یاد نہ

رہا اور جن صحابہ نے رفع الیدین کرنا نقل کیا ہے۔ جس کا ہونا سوائے دیکھنے کے کچھ اور نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے کہ معتبر شخص کی گواہی میں جو زائد بات ہوتی ہے وہ قبول کی جاتی ہے یہ قاعدہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۵ طبع دہلی میں ذکر فرماتے ہیں "قال فاذا روی رجلان عن محدث قال احد هما رأیته فعل وقال الاٰخر لم اراه فالذی قال رایته فعل فهو شاهد والذی قال یفعل فلیس هو بشاهد لانه لم یحفظ الفعل وهکذا قال عبدالله بن الزبیر کشا هدین شهدا ان لفلان علیٰ فلان الف درهم باقراره وشهدا اٰخرانه لم یقر بشی یعمل بقول الشاهدین ویسقط ما سواء وکذا لك قال بلال ل٠رایت النبی ﷺ صلی فی الکعبة وقال الفضل بن عباس لم یصل واخذ الناس بقول بلال لانه شاهد ولم یلتفتوا الیٰ قول من قال لم یصل حین لم یحفظ.

**ثالثا**:...... یہ قانون کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے مولوی صاحب نے تحفۃ الحدیث صفحہ ۷۷ پر ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ قانون سب کے نزدیک قابل قبول ہے اور اس اعتراض کے مولوی صاحب دو جواب لکھتے ہیں کہ "مولوی صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حدیث عبداللہ بن مسعود میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین ہے لیکن رکوع کے وقت رفع الیدین کا انکار نہیں ہے۔ کیونکہ معنی اور الفاظ حدیث سے ظاہر ہے کہ رفع الیدین کی لیکن صرف ایک دفعہ تکبیر تحریمہ کے وقت۔"

**جواب**:...... **اوّلا**: اس اعتراض کو غلط کہنا خود غلط ہے۔ کیونکہ اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین کا صریحاً انکار نہیں۔ بلکہ اس میں کئی احتمال ہیں جس طرح اوپر بیان ہوا اور اثبات والی روایات میں رکوع کرنے، رکوع سے اٹھنے اور دو رکعتوں کے بعد اٹھنے کے وقت رفع الیدین کا صریحاً ذکر ہے۔ لہٰذا یہ حکم زائد کہا جائے گا۔

**ثانیا**:...... اگر ابن مسعود کی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے اور یہ بھی قبول کیا جائے کہ اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد پوری نماز میں رفع الیدین کی نفی ہے۔ تب بھی اثبات والی روایات مقدم ہوں گی۔ کیونکہ لغایۃً اس سے اتنا ثابت ہوگا کہ ابن مسعود (کی روایت صحیح ہے کہ) اس وقت کا ذکر کرتے ہیں کہ جب رکوع وغیرہ میں رفع الیدین شروع نہ ہوئی تھی، اور جو اثبات نقل کرتے ہیں وہ شروع ہونے کے بعد کی خبر دیتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام سب سچے ہیں کسی کے بارے میں بھی مسلمان نعوذ باللہ جھوٹ کا گمان نہیں رکھ سکتا اور رسول اللہ ﷺ کا نبوت کا زمانہ شریعت کے نازل ہونے کا ہے۔ ہر وقت نئے نئے احکام آرہے تھے یہاں تک کہ شریعت مکمل ہوئی جس وقت بھی نئے کام رسول اللہ ﷺ نے ظاہر کیے قولاً خواہ عملاً وہ صحابہ نے نقل

کے کلہاڑے اور مولوی عبدالحق کلہاڑے سے اپنے پاؤں کاٹے۔

اے اشک بار چشم ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو

مولوی صاحب اپنی عربی دانی جتاتے ہوئے ایک قاعدہ پیش کرتے ہیں کہ نفی کے بعد جب اثبات آتا ہے تو حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی صرف ایک دفعہ رفع الیدین ثابت ہوگی۔(تحفة الحدیث صفحہ ۹٤)

**جواب:** ...... **اولاً:** خود مولوی صاحب اس قانون کو توڑتے ہیں۔ کیونکہ حصر ہے تو پھر قنوت اور تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کیوں؟ یہ ایک مرتبہ نہ ہوا بلکہ کئی مرتبہ ہوا۔

**ثانیاً:** ......اس قاعدے کا مطلب بھی یہ ہے کہ "الا" جو مابعد یعنی مستثنیٰ اس کے ماقبل یعنی مستثنیٰ منہ سے خاص ہوگا۔ پھر اس کے مطابق عام مخصوص منہ البعض یعنی جس سے کوئی فرد خاص ہو چکا ہو۔ تو پھر اس کی قطعیت نہ رہی اور اس سے سب افراد کا خاص ہونا بھی بعید اور ممتنع ہے اس قاعدے نے خود آپ کا کام تمام کر دیا۔

کیونکہ اب اس عام سے دلیل کے لحاظ سے کسی فرد کو خاص کیا جا سکتا ہے۔ پھر جب کہ آپ وتر کی قنوت کے وقت رفع الیدین جس کے لیے کوئی دلیل نہیں اس کو عموم سے خاص کرتے ہو۔ پھر صحیح احادیث جو کثرت سے وارد ہیں۔ اس کی وجہ سے عند الركوع والرفع منه والقيام من الركعتين رفع اليدين کو اس سے خاص کرنا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ وهو الثالث.

**رابعاً:** ......صرف "الا" کے مابعد کے حکم کے متعلق علماء حنفیہ کے دو قول ہیں ایک قول کے مطابق اس کا کوئی حکم نہیں ہے۔ کما في التحرير لابن الهمام صفحہ ۱۱۲ ۔ وشرحه التيسر للا مير بادشاه (صفحہ ۲۹٤ ج ۱) تو پھر تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین پر آپ کو اپنی قوت زائل نہیں کرنی چاہیے۔

**خامساً:** ......یہ تخصیص کا دعویٰ بھی آپ کو مہنگا پڑے گا۔ کیونکہ روایت کے لفظ جو آپ نے اس طرح نقل کیے ہیں "الا مرة واحدة مع تكبيرة الا فتتاح" یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین ایک دفعہ کی جائے زیادہ نہیں۔ باقی تکبیر تحریمہ سے رفع الیدین کی نفی یا اثبات کا ذکر نہ رہا اور مثبت روایات جن میں زیادتی ہے وہ مقدم ہوں گی اور مولوی محمد عمر صاحب کا اعتراض بالکل صحیح ثابت ہوا۔ دوسرا جواب اس طرح سے دیتے ہیں کہ کئی روایات میں سجدے کا ذکر آیا ہے اور کہتے ہیں کہ "پھر ان احادیث سے جن میں سجدے میں رفع الیدین ہے ان پر زیادتی کیوں نہیں کی جا سکتی۔

**جواب:** ...... **اولاً:** سجدے والی سب روایات میں کلام ہے اور کوئی بھی ان میں صحیح نہیں ہے۔ مولوی صاحب

ان کو آگے چل کر ذکر کریں گے وہاں پر ان کی حقیقت ظاہر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ اگر مولوی صاحب ان کو صحیح سمجھتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو ٹھوکر مارتے ہیں۔ جو خود اپنے جواب کو غلط بناتے ہیں کیونکہ اگر سجدے والی زیادتی مولوی صاحب مانتے ہیں تو پھر رکوع والرفع منہ والی زیادتی تو بطریق اولیٰ تسلیم کرنی پڑے گی۔ ان روایات کے متعلق تفصیل اپنی جگہ پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

## سیّدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کی اسنادی حیثیت

**صفحہ ۹۵:**...... دوسری دلیل سیّدنا براء بن عازب کی روایت پیش کرتے ہیں۔

**جواب:**...... لیکن یہ روایت بھی مشہور ضعیف ہے۔ اس کو عام ائمہ حدیث ضعیف کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین کی تاریخ بروایۃ عباس الدوری (صفحہ ۲۶۴ ج ۳) اور (صفحہ ۴۲) المصور میں ہے "سمعت یحییٰ یقول حدیث البراء ان النبی ﷺ کان یرفع یدیہ لیس ھو بصحیح الاسناد" (یعنی میں نے یحییٰ سے سنا وہ کہتے تھے کہ حدیث براء نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھائے ...... حدیث سند کے لحاظ سے صحیح نہیں)۔ اس طرح حافظ ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۲۱۵ ج ۹ (مغرب) میں اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور نیز فرماتے ہیں کہ "ولھٰذان حدیثان معلولان عند اھل العلم بالحدیث (یعنی اس مسئلے میں دو حدیثیں علت والی ہیں اہل علم حدیث کے نزدیک) اور صفحہ ۲۲۱ ج ۹ اپنی سند سے امام المغرب ابن وضاح الاندلسی سے نقل کرتے ہیں کہ "الاحادیث التی تروی فی رفع الیدین فی الصلوٰۃ ثم لا یعود ضعیفۃ کلھا" (یعنی وہ احادیث جو نماز میں رفع الیدین کے متعلق مروی ہیں پھر دوبارہ نہیں کی یہ ضعیف ہیں) اور امام ابوبکر بزار سے نقل کرتے ہیں: "وھو حدیث لا یثبت ولا یحتج بہٖ" (یعنی یہ حدیث ثابت نہیں اور نہ ہی اس سے حجت لی جاسکتی ہے) اور السنن الکبریٰ للبیھقی (صفحہ ۷۶ ج ۲) میں ہے "اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو الحسن بن عبدوس ثنا عثمان بن سعید الدارمی قال سالت احمد بن حنبل عن ھذا الحدیث فقال لا یصح عنہ" (یعنی عثمان بن سعید دارمی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح نہیں ہے) اور التلخیص الحبیر لابن حجر (صفحہ ۲۲۱ ج ۱) طبع مصر و پاکستان میں ہے "وقال عثمان الدارمی عن احمد بن حنبل لا یصح وکذا ضعفہ البخاری واحمد یحییٰ

والدار می والحمیدی وغیر واحد وقال یحییٰ بن محمد بن یحییٰ سمعت احمد بن حنبل ھذا حدیث واھی " (یعنی عثمان دارمی کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل سے صحیح نہیں اور اس طرح اس کو بخاری نے احمد، یحییٰ، دارمی، حمیدی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور یحییٰ بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا وہ اس کو واھی کہتے تھے) اور امام ابوداؤد اپنی سنن صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ "ھذا الحدیث لیس بصحیح " (یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے) اور امام ابن حبان المجروحین (صفحہ ۱۰۱ ج ۳) میں اس کو احادیث واہیہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس طرح حافظ ذہبی نے المھذب فی اختصار السنن صفحہ ۵۱ ج ۲ میں بھی عثمان بن سعید دارمی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ امام احمد نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ "لا یصح" صحیح نہیں) اور علامہ ابن الملقن البدر المنیر المصور الحدیث التاسع کی تخریج میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں "واما الحدیث الثانی فھو حدیث البراء بن عازب فھو ضعیف باتفاق الحفاظ کسفیان بن عیینة والشافعی وعبد اللہ بن الزبیر الحمید ی شیخ البخاری واحمد بن حنبل ویحییٰ بن معین والدار می والبخاری وغیر ھم من المتقدمین وھٰؤلآء ارکان الحدیث وآئمة الاسلام۔ واما المتا خرون الذین ضعفوا فاکثر من ان تحصر کا بن عبدالبر والبیھقی وابن الجوزی وغیر ھم (یعنی دوسری حدیث براء بن عازب کی وہ ضعیف ہے باتفاق حفاظ مثلاً سفیان بن عیینہ، شافعی، عبداللہ بن زبیر الحمیدی شیخ البخاری، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، دار می اور بخاری وغیرھم متقدمین سے اور یہ لوگ ارکان حدیث اور ائمہ اسلام ہیں اور وہ متاخرین جنہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے وہ شمار سے زیادہ ہیں مثلاً ابن عبدالبر بیہقی ابن جوزی وغیرھم) نیز امام نووی شرح المھذب صفحہ ۴۰۲ ج ۳ میں فرماتے ہیں "جواب ائمة الحدیث وحفاظھم انہ حدیث ضعیف باتفاقھم " (یعنی آئمہ حدیث اور حفاظ کے اتفاق سے یہ حدیث ضعیف ہے) یعنی سب ائمہ حدیث جو مذکور ہیں ان کے علاوہ دیگر سب اس روایت کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔

**ثانیاً**:......اس کی سند میں راوی یزید بن ابی زیاد ہے جس کے متعلق اکثر کلام ہے اور ان کا آخر میں حافظہ خراب ہوگیا تھا۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معین تاریخ صفحہ ۶۷۱ ج ۲ بروایۃ الدوری میں فرماتی ہیں کہ "یزید بن ابی زیاد لیس بذالك " (یعنی یزید بن ابی زیاد اس کے لائق نہیں) نیز فرماتے ہیں کہ "ولا یحتج بحدیث یزید بن ابی الزیاد " (یعنی یزید بن ابی زیاد کی حدیث سے حجت نہیں لی جاسکتی) بروایت عثمان الدارمی صفحہ ۹۴۔۲۹۲ میں ہے "وسالته عن یزید بن ابی زیاد فقال لیس بالقوی " (یعنی میں نے اس سے یزید ابن ابی زیاد کے متعلق سوال کیا تھا انہوں نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہے) اور ابن ابی حاتم

الجرح والتعدیل صفحہ ۲۶۵ ج۴ ق۲ میں فرماتے ہیں کہ "سالت ابی عن یزید بن ابی زیاد فقال لیس بالقوی قال سالت ابا زرعة قال کو فی لین یکتب حدیثه ولا یحتج به" (یعنی میں نے اپنے والد سے یزید بن ابی زیاد کے متعلق سوال کیا تو فرمانے لگے وہ قوی نہیں۔ کہتے ہیں میں نے ابوزرعہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمانے لگے وہ کوفی لین الحدیث ہے اس کی حدیث لکھی جائے لیکن اس سے دلیل نہ لی جائے) امام ابن مبارک فرماتے ہیں "ارم به" یعنی ان کی روایت کو پھینک دو۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ کان فاعا، یعنی وہ حروف ملاتا اور جوڑتا تھا۔ وکیع فرماتے ہیں لیس بشیء (وہ کچھ بھی نہیں ہے) امام احمد فرماتے ہیں "لیس بذاك" یعنی اس قابل نہیں ہے۔ ابن فضل فرماتے ہیں کہ "من ائمة الشیعة الکبار (میزان الاعتدال صفحہ ۳۰۱۔ ۳۱۱ ج۳) جوزجانی فرماتے ہیں کہ سمعتهم یضعفون حدیثه (یعنی میں نے سنا وہ اس کی حدیث کو ضعیف کہتے تھے) بردیجی، نسائی اور ابو احمد حاکم فرماتے ہیں "لیس بالقوی" دارقطنی فرماتے ہیں "لا یخرج عنه فی الصحیح ضعیف یخطیء کثیرا ویلقن اذا لقن" (یعنی اس کی کوئی روایت صحیح میں نہیں ہے ضعیف اور بہت غلطیاں کرنے والا ہے) ابو اسامہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ میرے پاس پچاس مرتبہ بھی قسم اٹھائے تب بھی اس کو سچا نہیں مانوں گا۔ اور نیز اس کو ابن عدی اور ابن قانع نے بھی ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب ص ۳۳۰۔ ۳۳۱ ج۱۱)

امام حمیدی فرماتے ہیں ویزید یزید یعنی اپنی طرف سے احادیث میں حرف بڑھاتا تھا (سنن الکبری للبیهقی صفحہ ۷۶ ج۲) اور اس کو امام ابن حبان کتاب الضعفاء (صفحہ ۹۹ ج۳) میں نسائی کتاب الضعفآء صفحہ ۳۰۷ (ملحق مع التاریخ الصغیر) میں امام عقیلی کتاب الضعفآء قلمی (صفحہ ۶۹۷ ج۲) میں ذکر کرتے ہیں اور عقیلی شعبہ ابن مبارک، وکیع، ابن معین احمد، ابن المدینی اور ابو اسامہ سے اس کے متعلق جو بھی نقل کی گئی ہیں امام ابن الجوزی کتاب الموضوعات (صفحہ ۲۲۰ ج۲) میں فرماتے ہیں کہ قال ابن المبارك ارم بیزید وقال ابو حاتم الرازی کل احادیثه موضوعة وقال النسائی متروك الحدیث" (یعنی ابن مبارک فرماتے ہیں اس کی حدیث کو پھینک دو۔ ابو حاتم الرازی کہتے ہیں اس کی تمام احادیث موضوع ہیں اور نسائی فرماتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے) اس کے علاوہ یہ یزید بن ابی زیاد متغیر الحفظ بھی ہے یعنی آخر میں اس کا حافظہ بدل گیا تھا۔ جس طرح مسند الحمیدی۔ صفحہ ۳۱۶ ج۲۔) جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۹ طبع دهلی کتاب المجروحین لا بن حبان صفحہ ۱۰۰ ج۳ تهذیب۔ صفحہ ۳۲۰ ج۱۱۔ البیهقی۔ صفحہ ۸۶ ج۲۔ سنن دار قطنی صفحہ ۱۱۰۔ التلخیص الحبیر صفحہ ۲۲۱ نصب الرایه للزیلعی صفحہ ۳۔ ۴۰۲ ج۱۔ البدر

المنیر حوالہ مذکور النفح الشذی شرح جامع الترمذی لا بن سید الناس صفحہ ۲۲۰ ج ۱ (المصور) مقدمہ الجرح والتعدیل لا بن ابی حاتم صفحہ ۴۴ ج ۴ ق ۲۔ الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ صفحہ ۸۴ طبع ھند، الطبقات لا بن سعد صفحہ ۳۴۰ ج ۶ تاریخ و معرفۃ الرواۃ الثقات للعجلی صفحہ ۶۳ قلمی۔ دیوان الضعفآء للذھبی صفحہ ۳۴۲۔ المغنی للذھبی صفحہ ۷۴۹ ج ۲ شرح المھذب للنووی صفحہ ۴۰۲ ج ۳ کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفسوی صفحہ ۸۱ ج ۳۔ کتاب الموضوعات لا بن الجوزی صفحہ ۲۸ ج ۲۔ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی صفحہ ۴۲۷ ج ۲۔ کشف الاحوال فی نقد الرجال لعبد الوھاب المدراسی الحنفی صفحہ ۱۲۷ طبع ھند اور تقریب التھذیب وغیر ھا من الکتب میں مذکور ہے پھر اس قسم کے راوی کی روایت حجت نہیں ہوتی۔ وھو الثالث

**رابعاً:** ...... اوپر والی عبارات سے معلوم ہوا کہ یزید مشہور شیعہ بلکہ ان کے ائمہ میں سے ہے علامہ امیر علی حنفی تقریب کے حاشیہ صفحہ ۵۵۸ میں لکھتے ہیں کہ "من ائمۃ الشیعہ" پھر ایسا شخص یقیناً داعی الی البدعۃ بھی ہے کیونکہ ان کا امام اور پیشواء ہے اور خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۴۳۱ میں ابن فضیل سے منقول ہے کہ "وکان من ائمۃ الشیعۃ الکبار" پھر ایسے شخص کی روایت مقبول نہیں ہے۔

## راوی یزید بن ابی زیاد کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کا موقف

**الغرض:** ...... یزید کے بارے میں جو جرحیں ثابت ہوئیں ان سے یہ ثابت ہوگیا وہ ضعیف ہے حافظہ خراب تھا اور شیعہ کا پیشوا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر تقریب میں اس کے متعلق یہ وصفیں جمع کر کے فرماتے ہیں کہ "یزید بن ابی زیاد الھاشمی مولاھم الکوفی ضعیف کبر فتغیر فصار یتلقن وکان شیعاً" (یعنی یزید بن ابی زیاد الھاشمی کوفی ضعیف ہے جب بڑی عمر ہوئی تو حافظہ خراب ہوگیا تلقین کیا جاتا تھا اور شیعہ تھا) سب ائمہ حدیث تصریح کرتے ہیں کہ کلمہ "ثم لا یعود" جس کا ترجمہ مولوی صاحب نے یہ کیا ہے کہ "پھر دوبارہ ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے" (تحفۃ الحدیث صفحہ ۹۵) یہ زیادتی اصل حدیث میں نہیں ہے۔ بلکہ یزید بن ابی زیاد کا حافظہ بدلنے اور خراب ہونے کے بعد کوفہ والوں کے کہنے پر حدیث میں بڑھائی گئی ہے اور کوفہ جانے سے قبل یہ زیادتی اس حدیث میں ذکر نہیں کرتے تھے چنانچہ امام حمیدی اپنی مسند صفحہ ۳۱۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں "ثنا سفیان قال ثنا یزید بن ابی زیاد بمکۃ عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ

قال سفیان وقدم الکوفة فسمعته بحدیث به فزاد فیه ثم لا یعود فظننت انهم لقنوه وکان بمکة یومئذ احفظ منه یوم رایته بالکوفة وقالوا الی انه قد تغیر حفظه او ساء حفظه " (یعنی ہمیں سفیان نے بیان کیا کہتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ابی زیاد نے مکہ میں بیان کیا انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے انہوں نے براء بن عازب سے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھائے۔ سفیان (راوی) کہتے ہیں کہ (یزید) کوفہ آیا اس کو میں نے کہتے سنا وہ بیان کر رہے تھے اور اس میں اضافہ کرتے تھے "ثم لا یعود" میں نے سوچا کہ اس کو یہ کہا گیا ہے اور مکہ میں کوفہ کی بنسبت زیادہ احفظ تھے جب میں نے دیکھا تھا اور انہوں نے کہا کہ اس کا حافظہ خراب یا تبدیل ہو گیا تھا) امام سفیان بن عیینہ انہیں مکہ میں بھی ملے ہیں پھر کوفہ میں بھی ملے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کوفہ والے وقت کی بنسبت مکہ میں ان کا حافظہ اچھا تھا، اور کوفہ والے وقت میں اس کا حافظہ بدل کر خراب ہو چکا تھا اور مکہ میں یعنی حافظہ اچھا ہونے کی صورت میں میں نے یہ روایت ان سے سنی تو اس میں یہ زیادتی "ثم لا یعود" نہ تھی۔ پھر جب کوفہ میں ملے اور ان کا حافظہ بھی ٹھیک نہ تھا۔ اس وقت یہ الفاظ بڑھا کر بتائے اور امام ابن عیینہ اس طرح بھی کہتے ہیں کہ کوفے والوں نے یہ جملہ بڑھا دیا تھا اور اس کی تلقین کی ہے۔ امام ابن عیینہ کے بیان نے مولوی صاحب کی تمام امیدیں شرمندگی میں تبدیل کر دی ہیں اور اس بیان کی عام محدثین تائید کرتے ہیں مثلاً امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۹ امام بیہقی السنن الکبریٰ صفحہ ۷۶ ج ۲۔ امام ابن ابی حاتم مقدمۃ الجرح والتعدیل صفحہ ۴۳۔۴۴۔ امام یعقوب بن سلیمان المعرفۃ والتاریخ صفحہ ۸۱ ج ۳ اور امام خطیب بغدادی الکفایۃ صفحہ ۱۴۹۔ وغیرھم اور امام بیہقی امام شافعی سے اس کی تائید نقل کرتے ہیں "قال الشافعی رحمه الله وذهب سفیان الی ان یغلط یزید فی هذا الحدیث یقول کانه لقن هذا الحرف فتلقنه ولم یذکر سفیان یزید بالحفظ " (یعنی امام شافعی فرماتے ہیں کہ یزید کو اس حدیث میں مغالطہ ہوا ہے، کہتے ہیں گویا کہ یہ صرف انہیں تلقین کیا گیا ہے کیونکہ سفیان نے یزید کے حافظہ سے یہ ذکر نہیں کیا) اور اس کے بعد امام حمیدی سے نقل کرتے ہیں۔ قال الحمیدی قلنا لقائل هذا یعنی للمحتج بهٰذا انما رواه یزید ویزید یزید " (یعنی حمیدی کہتے ہیں کہ ہم نے اس لفظ کو کہنے والے یعنی دلیل لینے والے کو کہا کہ اس کو یزید نے روایت کیا اور یزید زیادتی کرتا ہے) اور امام عثمان بن سعید الدارمی سے تائید نقل کرتے ہیں کہ "قال سألت احمد بن حنبل عن هذا الحدیث فقال لا یصح عنه هذا الحدیث قال سمعت یحییٰ بن معین یضعف یزید بن ابی زیاد قال ابو سعید الدارمی ومما یحقق قول سفیان بن عیینة انهم لقنوه ان سفیان الثوری

وزهير بن معاوية وهشيماً وغيرهم من اهل العلم لم يجيئوا بها انما جاء بها من سمع منه آخرة" (میں نے احمد بن حنبل سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو فرمانے لگے کہ یہ حدیث اس (یزید بن ابی زیاد) سے صحیح نہیں۔ کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین سے سوال کیا وہ یزید بن ابی زیاد کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ ابوسعید دارمی کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ کے قول سے یہ بات تحقیقی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اس کو یہ لفظ تلقین کیے گئے۔ بے شک سفیان ثوری زہیر بن معاویہ اور ہشیم وغیرہ نے یہ لفظ ان سے بیان نہیں کئے۔ یہ لفظ صرف اس نے بیان کئے ہیں جس نے اس (یزید بن ابی زیاد) سے آخری عمر میں سماع کیا ہے) امام دارقطنی اپنی سنن صفحہ ۱۱۰ طبع ہند میں فرماتے ہیں کہ "انما لقن يزيد فى آخر عمره ثم لم يعد فتلقنه وكان قد اختلط" (یعنی یزید کو یہ الفاظ "ثم لم يعد" آخری عمر میں تلقین کیے گئے تھے اور آخری عمر اس کو اختلاط ہو گیا تھا) امام ابن حبان المجروحین صفحہ ۱۰۰ ج ۳۔ میں یزید بن ابی زیاد کے ترجمہ میں سفیان کا اوپر والا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "هذا خبر عول عليه اهل العراق فى نفى رفع اليدين فى الصلوٰة عند الركوع وعند الرفع الرأس منه وليس فى الخبر "ثم لم يعد" وهذه الزيادة لقنها اهل الكوفة يزيد بن ابى زياد فى آخر عمره فتلقن كما قال سفيان بن عيينه انه سمعه قديما بمكة يحدث بهذا الحديث باسقاط هذه اللفظة ومن لم يكن العلم ضاعته لا يذكر له الاحتجاج بما يشبه هذا من الاخبار الواهية" (یعنی یہ خبر اس پر اہل کوفہ نے ڈالی تھی نفی رفع الیدین کے بارے میں جب رکوع کیا جائے اور رکوع سے سر اٹھایا جائے اور حدیث میں "ثم لم يعد" کے الفاظ نہیں ہیں اور یہ زیادتی کی تلقین یزید بن ابی زیاد کو اہل کوفہ نے اس کو آخری عمر میں کی تھی اس نے یہ لفظ بھی یاد کر لیے جس شخص کا علم ضائع نہیں ہوا وہ اس جیسی واہی اخبار سے حجت نہیں لیتا) امام احمد کی کتاب العلل ومعرفۃ الرجال صفحہ ۱۱۶ ج ۱۔ میں ہے "سألت ابى عن حديث البراء بن عازب فى الرفع فقال حدثنا محمد بن جعفر غندر حدثنا شعبة عن يزيد بن ابى زياد قال سمعت ابن ابى ليلىٰ يقول سمعت البراء يحدث قو ما منهم كعب بن عجرة قال رايت رسول الله ﷺ حين افتتح الصلوٰة رفع يديه قال ابى وكان سفيان بن عيينه بقول سمعناه من يزيد هكذا قال سفيان ثم قدمت الكوفة قدمة فاذا هو يقول ثم لم يعد" (کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے براء کی حدیث کے متعلق سوال کیا جس میں رفع الیدین ہے کہنے لگے حدثنا محمد بن جعفر غندر حدثنا شعبة عن يزيد بن ابى زياد قال سمعت ابن ابى ليلىٰ وہ کہتے ہیں میں نے براء

سے سنا وہ ایک قوم کو بیان کر رہے تھے ان میں سے ایک کعب بن عجرہ بھی تھے، کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کی اپنے ہاتھوں کو اٹھایا میرے والد کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ کہتے تھے ہم نے یزید سے اس طرح سنا پھر سفیان کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں آیا وہاں وہ ثم لم یعد کے لفظ کہہ رہا تھا) زیلعی نصب الرایۃ صفحہ ۴۰۲ ج ا۔ میں بحوالہ حافظ ابن دقیق لکھتے ہیں کہ "وقال البیهقی سمعت الحاکم ابا عبدالله یقول یزید بن ابی زیاد کا ن یذکر بالحفظ فلما کبر ساء حفظه فکان یقلب الاسانید ویزید فی المتون ولا یمیز وقال الحاکم ثم قال البیهقی عنه بسنده عن احمد بن حنبل قال هذا حدیث واه قد کان یزید بن ابی زیاد یحدث به برهة من دهره فلا یذکر فیه ثم لا یعود فلما لقن اخذه فکان یذکر فیه" (امام بیہقی کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ الحاکم سے سنا وہ کہتے تھے یزید بن ابی زیاد اپنے حافظہ سے بیان کرتا تھا جب عمر بڑی ہوگئی اس کا حافظہ خراب ہو گیا وہ سندوں کو الٹا پلٹتا تھا اور متون میں اضافے کرتا تھا اور کوئی تمیز اور فرق نہ کرتا تھا۔ امام حاکم کہتے ہیں بیہقی نے اپنی سند سے احمد بن حنبل سے بیان کیا کہ یہ حدیث واہی ہے۔ کیونکہ یزید بن ابی زیاد ایک لمبے عرصے تک اس کو بغیر "ثم لا یعود" کے بیان کرتا رہا۔ جب اس کو تلقین کی گئی تو اس نے اس کو لے لیا اور یہ ذکر کرنے لگا) اور البدر المنیر المصور (حوالہ مذکورہ) میں ہے "واتفق هؤلاء الائمة المذکورون وغیر هم علی ان یزید بن ابی زیاد غلط فیه الخ (یعنی ائمہ مذکورہ وغیرھم کا اتفاق ہے کہ یزید بن ابی زیاد نے اس میں غلطی کی ہے) اس کے بعد اوپر والے حوالے ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن سید الناس شرح ترمذی صفحہ ۲۲۰ ج ا۔ المصور میں فرماتے ہیں کہ "یزید بن ابی زیاد فیه مقال والحدیث عند ابی داؤد قال لیس بصحیح ورواه الامام احمد وذکر الخطیب هذه الزیادة ثم لا یعود فی المدرج وقال انها لا تثبت عن النبی ﷺ لقنها یزید فی آخر عمره فتلقنها وقد حدث عن یزید باسقاطها الثوری وشعبة وابراهیم واسباط بن محمد وخالد الطحان وغیر هم من الحفاظ وذکر احادیثهم بذالك" (یعنی یزید بن ابی زیاد میں مقال ہے اور یہ حدیث ابی داؤد میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے اور اس کو روایت کیا امام احمد اور ذکر کیا خطیب نے اس زیادتی "ثم لا یعود" کو مدرج میں اور فرمایا یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں یزید کو آخری میں یہ الفاظ رٹائے (تلقین) کئے گئے اور یزید سے ان الفاظ کو ساقط کر کے ائمہ حفاظ مثلاً ثوری، شعبہ، ابراہیم، اسباط بن محمد خالد الطحان وغیرھم نے بیان اور ذکر کیا ہے) حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر صفحہ ۲۲۱ ج ا میں فرماتے ہیں کہ "واتفق الحفاظ علی ان قوله ثم لم یعد مدرج فی الخبر من قول

یزید بن ابی زیاد " (یعنی حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ "ثم لم یعد" کے الفاظ حدیث میں مدرج ہیں یزید بن ابی زیاد کی طرف سے) اس کے بعد اوپر والی عبارتیں نقل کرتے ہیں اور علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ المدرج الی المدرج صفحہ اقلمی حدیث ۴۔ میں لکھتے ہیں کہ "قوله لم يعد مدرج من زيادة يزيد بن ابى زياد نبه عليه سفيان بن عيينة اخرجه الشافعي وقد سمعه الحفاظ قديما بدونها هشيم وخالد الطحان وابن ادريس عند ابى داؤد والثورى وشعبة واسباط بن محمد عند احمد " (یعنی ان کا قول "لم يعد " یہ یزید بن ابی زیاد کی زیادتی مدرج کی گئی ہے یہاں پر سفیان بن عیینہ نے متنبہ کیا ہے اس کو شافعی نے تخریج بیان کیا ہے اس کو قدیم حفاظ نے سنا ہے اس زیادتی کے علاوہ ہشیم، خالد الطحان، ابن ادریس، ابی داؤد کے نزدیک ثوری، شعبہ اسباط بن محمد احمد کے نزدیک) اس طرح المغنی لابن قدامہ صفحہ ۵۳۹ ج۱۔ میں ہے اور امام ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۲۰۔ ۲۱۹ ج۹ مطبوع میں لکھتے ہیں کہ "واما حديث البراء بن عازب فى ذالك فانه انفرد يزيد بن ابى زياد عن عبدالرحمن بن ابى ليلىٰ عن البراء فرواه عنه الثقات الحفاظ منهم شعبة والثورى وابن عيينه وهشيم وخالد بن عبدالله الواسطى لم يذكر واحد منهم عنه فيه قوله ثم لا يعود وانما قاله فيه عنه من لا يحتج به على هولاءِ وحكى ابن عيينه عنه انه حدثهم به قديما وليس فيه ثم لا يعود ثم حدثهم به بعد ذالك فذكر فيه ثم لا يعود قال فنظرت فاذا ملحق السطرين . " (یعنی حدیث براء بن عازب میں یزید بن ابی زیاد، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ ان سے ثقات حفاظ نے روایت کیا ان میں سے شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، ہشیم خالد بن عبداللہ واسطی وغیرھم ہیں ان سب نے "ثم لا یعود " کے الفاظ ذکر نہیں کیے یہ الفاظ اس نے کہے ہیں۔ جس سے حجت نہیں لی جاسکتی۔ ابن عیینہ نے اس سے پہلے بیان کیا اس میں "ثم لا یعود " کے الفاظ نہ تھے۔ پھر دوبارہ بیان کیا تو اس میں "ثم لا یعود" کے الفاظ ذکر کیے۔ کہتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو اس میں دوسطریں اور ملائی گئیں تھیں) امام ابوسلیمان الخطابی معالم السنن شرح ابو داؤد صفحہ ۱۹۳ ج۱ میں فرماتے ہیں کہ "وحديث البراء لم يقل احد فيه ثم لا يعود غير شريك قال ابو داؤد وقد رواه هشيم وخالد وابن ادريس عن يزيد بن ابى زياد ولم يذكروا فيه ثم لا يعود وذكر عن سفيان بن عيينة ان يزيد حدثهم به قبل خروجه الى الكوفة فلم يذكر فيه ثم لا يعود فلما انصرف زاد فيه لا يعود فحمل ذالك منه على الحفظ والنسيان " (یعنی حدیث براء میں کسی ایک نے علاوہ شریک کے "ثم لا یعود" کے الفاظ نہیں کہے۔ ابو

داؤد کہتے ہیں اس کو ہشیم، خالد، ابن ادریس نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں "ثم لا یعود" کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ یزید نے انہیں کوفہ جانے سے قبل یہ حدیث بیان کی تو اس میں "ثم لا یعود" کے الفاظ نہیں تھے جب وہاں گئے تو اس میں لا یعود کی زیادتی کی "یہ ان سے غلطی یا بھول پر محمول کیا جائے گا) حافظ منذری مختصر سنن ابی داؤد صفحہ ۳۲۹ ج ا۔ مع تہذیب السنن لابن القیم میں فرماتے ہیں کہ فی اسنادہ یزید بن ابی زیاد......... ولا یحتج بحدیثہ" (یعنی اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جائے گی) اس کے بعد ائمہ حدیث دارقطنی، بخاری، ابو داؤد کے مذکورہ اقوال نقل کرتے ہیں امام ابن قیم مذکورہ اقوال نقل کر کے اس حدیث کو "الحدیث الواھی المضطرب المختلف" کہتے ہیں۔ ان عبارات سے یہ اہم باتیں معلوم ہوئیں:

**الاوّل:**...... یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔

**الثانی:**...... متغیر الحفظ ہے۔

**الثالث:**...... غلطیاں اور خطائیں بہت کرتا تھا اور بھول بہت زیادہ تھی۔

**الرابع:**...... بڑی عمر کا ہونے کے بعد اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

**الخامس:**...... سندیں تبدیل کرتا اور متن میں الفاظ بڑھاتا تھا۔

**السادس:**...... شیعہ کا پیشوا تھا السابع حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے کوئی بھی شخص۔ اس کو حدیث تبدیل کر کے بتاتا تھا تو اسے پتہ نہ چلتا تھا۔ جس طرح کوئی پڑھا جاتا اس طرح سن لیتا۔

**الثامن:**...... کلمہ لا یعود حافظہ تبدیل ہونے کے بعد بیان کیا ہے۔

**التاسع:**...... جس ثقات نے ان سے پہلے یہ حدیث سنی تھی اس میں یہ کلمہ نہ تھا بلکہ حافظہ تبدیل ہونے کے بعد بتایا ہے۔

**العاشر:**...... صرف انہوں نے اس سے یہ کلمہ نقل کیا ہے جنہوں نے حافظہ خراب ہونے کے بعد اس سے سنا ہے۔

**الحادی عشر:**...... یہ زیادتی آخری عمر میں کی ہے۔

**الثانی عشر:**...... یہ زیادتی نقل کرنے میں یزید منفرد اور اکیلا ہے۔ اس کا کوئی بھی شاہد نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت بمع ضعف کے شاذ اور منکر کہی جائے گی۔ وھو الثالث عشر

**والرابع عشر:**...... امام سفیان بن عیینہ کی تصریح کہ میں نے یہ زیادتی یزید کی لکھی ہوئی کتاب میں سطروں کے درمیان بڑھائی ہوئی دیکھی ہے جس کا معنی یہ کہ وہ اس قدر مفضل اور بے سمجھ ہو گیا تھا کہ اگر کوئی

اس کی کتاب میں کوئی حرف بڑھا کر لکھ جاتا تو بھی اس کو علم نہ ہوتا تھا اس طرح پڑھتا اور پڑھاتا تھا۔ وھو الخامس عشر

**والسادس عشر:**...... جس نے یہ زیادتی چوری چھپے اس کتاب میں لکھی ہے وہ خود مجہول ہے معلوم نہیں کہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ بلکہ دین کا دشمن معلوم ہوتا ہے جو احادیث میں حروف بڑھاتا ہے۔

**السابع عشر:**...... یزید بن ابی زیاد کو یہ تلقین کوفہ والوں نے کی اور انہوں نے یہ زیادتی اس میں بڑھا کر اس کو دی اور وہ تلقین قبول کرتا تھا اور اہل کوفہ کی یہ مشہور عادت ہے۔ اسی وجہ سے حجازی اسناد کو عراقی اسناد پر ترجیح حاصل ہے۔ امام حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۱۳ میں وجوہ ترجیح بیان کرتے فرماتے ہیں: الوجه الرابع عشر ان یکون اسناد احد الحدیثین حجاز یا و اسناد الآخر عراقیاً او شامیا سیما اذا کان الحدیث مدنی المخرج لا نهادار الهجرة ومجمع المهاجرین والانصار والحدیث اذا شاع عندهم وذاع وتلقوه بالقبول متن وقوی ولهٰذا قد منا صا عهم علی صاع غیر هم لا نهم شاهدوا الوحی و التنزیل وفیهم استقرت الشریعة وکان الشافعی رضی اللہ عنہ یقول کل حدیث لا یوجد له اصل فی حدیث الحجازیین واه واذ تداولته الثقات (یعنی یہ کہ دو حدیثوں کی سندوں میں ایک حجازی ہو دوسری عراقی یا شامی ہو۔ ضروری ہے کہ جب حدیث مدنی مخرج ہو۔ کیونکہ وہ دار الہجرت اور اجتماع انصار ومہاجرین ہے جب حدیث ان کے ہاں عام ہو اور اس کو انہوں نے قبول کیا ہو متن کے لحاظ سے قوی ہے اور اسی بناء پر ہم نے حجازی صاع کو دوسرے صاع پر مقدم رکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے وحی اور نزول قرآن کا مشاہدہ کیا ہے اور ان کے اندر شریعت تھی، امام شافعی فرماتے ہیں جو حدیث حجازیوں سے نہ ملے اس کی اصل کوئی نہیں اگر چہ وہ ثقات سے ہو) نیز امام شافعی فرماتے ہیں "اذا لم یوجد للحدیث من الحجاز اصل ذهب نخاعه (یعنی جب اصل حدیث حجاز سے نہ ملے تو اس کا مغز ختم ہوگیا) امام زہری فرماتے ہیں "اذا خرج الحدیث عن الحجاز انقطع نخاعة" نیز امام زہری فرماتے ہیں کہ "اذا سمعت با لحدیث العراقی فاردده ثم اردده به" (یعنی جب عراقی حدیث سنتا ہوں تو مجھے شک اور تردد ہوتا ہے) نیز فرماتے ہیں کہ "ان فی حدیث اهل الکوفة زغلا کثیر ا" (یعنی اہل کوفہ کی حدیث میں بہت دھوکہ ہوتا ہے) امام طاؤس تابعی فرماتے ہیں "اذا حد ثك العراقی مائة حدیث فاطرح تسعة وتسعین" (یعنی جب کوئی عراقی سو احادیث بیان کرے تو ننانوے پھینک (چھوڑ دے) امام ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ "اذا احدثك العراقی بالف حدیث فالق تسع مائة وتسعین وکن من الباقی فی شك"

(یعنی جب تجھے کوئی عراقی ایک ہزار حدیثیں بیان کرے تو نو سو ننانوے (۹۹۹) کو چھوڑ دے اور باقی میں بھی شک کر) امام خطیب فرماتے ہیں کہ "والکوفیون مثلھم فی الکثرۃ غیر ان روایاتھم کثیرۃ الزغل قلیلۃ السلامۃ من العلل (التدریب الراوی للسیوطی صفحہ ۲۳) (یعنی کوفیوں کی روایات میں بہت زیادہ دھوکہ ہے اور بہت ہی کم علل سے سلامت ہیں)

**الثامن عشر:**......اس زیادتی کو مدرج میں شمار کیا گیا ہے۔ یعنی یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں۔

**التاسع عشر:**......ائمہ حدیث کا اس حدیث کے غلط اور خطا ہونے پر اتفاق ہے اور اصل حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

**قارئین:**...... یہ چوتھا جواب ہے جو کئی جوابوں کا مجموعہ ہے۔

**خامساً:**......سند میں اضطراب موجود ہے۔ کیونکہ راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ مختلف طرح سے نقل کرتا ہے۔ کبھی عن اخیہ عیسی عن الحکم عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء اور کبھی عن الحکم عیسیٰ عن البراء اور کبھی تو عن عیسی عن ابیہ والحکم عن البراء۔ جس طرح کہ یہ طرق امام بخاری نے جزء رفع الیدین، دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں ذکر کیے ہیں اور حکم بن عتیبہ مشہور مدلس ہے۔ جیسا کہ ثقات ابن حبان صفحہ ۳۵ ج ۲۔ قلمی تہذیب صفحہ ۴۳۴ ج ۲۔ تقریب التہذیب، طبقات المدلسین لابن حجر صفحہ ۹۔ التبیین فی اسماء المدلسین لابی الوفاء اسبط بن العجمی صفحہ ۱۸ وغیرہ میں مذکور ہے اور وہ براء سے معنعن روایت کرتا ہے امام حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں "الوجہ التاسع عشر ان یکون احد الراویین لم یضطرب لفظہ والاخر قد اضطرب لفظہ فیر جع خبر من لم یضطرب لفظہ لانہ یدل علی حفظہ وضبطہ وسوء حفظ صاحبہ مثالہ حدیث ابن عمر کان النبی ﷺ یرفع یدیہ اذا کبر واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع۔ فھذا حدیث یروی عن ابن عمر من غیر وجہ وممن رواہ الزھری عن سالم ولم یختلف علیہ ولا اضطرب فی متنہ فکان اولیٰ بالمصیر الیہ من حدیث البراء بن عازب ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود لان ھذا الحدیث یعرف یزید بن ابی زیاد وقد اضطرب علیہ قال سفیان بن عیینۃ کان یزید یروی ھذا الحدیث ولا یذکر فیہ "ثم لا یعود" ثم دخلت الکوفۃ فرأیت یزید بن ابی زیاد یرویہ وقد زاد فیہ "ثم لا یعود" وکان قد لقن فتلقن اھـ (یعنی انیسویں وجہ دو راویوں میں سے ایک کے لفظ مضطرب ہوں اور دوسرا وہ جس کے لفظ مضطرب نہ ہوں۔

کیونکہ وہ اس کے ضبط اور حفظ پر دلالت کرتے ہیں اور اس کے ساتھی کے سوء حفظ پر بھی دلالت کرتے ہیں اس کی مثال حدیث ابن عمر کہ نبی ﷺ رفع الیدین کرتے تھے جب تکبیر کہتے جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے۔ یہ حدیث اس کے علاوہ دوسرے طریق سے ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ اس کو روایت کرنے والے زہری وہ سالم سے ہیں اور اس پر اختلاف نہیں اور نہ ہی اس کے متن میں اضطراب ہے اس کی طرف لوٹنا بالاولیٰ ضروری ہے بنسبت براء بن عازب کی حدیث سے۔ کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے رفع الیدین کرتے کانوں کے قریب تک دوبارہ نہ کرتے۔ یہ حدیث یزید بن ابی زیاد سے معروف ہے اور اس پر اضطراب ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ یزید اس حدیث کو بیان کرتا تھا لیکن "ثم لا یعود" کے لفظ ذکر نہیں کرتا تھا پھر میں کوفے داخل ہوا تو یزید کو دیکھا کہ وہ روایت کرنے میں "ثم لا یعود" کے الفاظ کا اضافہ کرتا تھا اس کو یہ الفاظ تلقین کیے گئے اور اس نے یاد کر لیے)

**سادساً**: ...... خود یزید بن ابی زیاد بھی کسی وقت اس زیادتی کا انکار کرتا ہے چنانچہ سنن دار قطنی صفحہ ۱۱۵ طبع ہند میں ہے "حدثنا ابو بکر الاٰدمی احمد بن محمد بن اسماعیل نا عبد اللہ بن محمد بن ایوب المخرمی نا علی بن عاصم نا محمد بن ابی لیلیٰ عن یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین قام الی الصلوٰۃ فکبر ورفع یدیہ حتی ساویٰ بھا اذنیہ ثم لم یعد قال علی فلما قدمت الکوفۃ قیل لی ان یزید حی فاتیتہ فحدثنی بھذا الحدیث فقال حدثنی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء قال رایت رسول اللہ ﷺ حین قام الی الصلوٰۃ فکبر ورفع یدیہ حتی ساوی بھما اذنیہ فقلت لہ اخبرنی ابن ابی لیلیٰ انک قلت ثم لم یعد قال لا احفظ ھذا فعاودتہ فقال ما احفظہ "۔ (یعنی امام دار قطنی فرماتے ہیں ہمیں ابو بکر ادمی احمد بن محمد بن اسماعیل نے بیان کیا ہمیں عبداللہ بن محمد بن ایوب المخرمی نے بیان کیا ہمیں علی بن عاصم نے بیان کیا ہمیں محمد بن ابی لیلیٰ نے یزید بن ابی لیلیٰ سے بیان کیا انہوں یزید بن ابی زیاد اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے براء بن عازب سے بیان کیا۔ براء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تکبیر کہی اور ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ کانوں کے برابر ہو گئے۔ پھر دوبارہ نہیں اٹھائے علی بن عاصم کہتے ہیں کہ دوبارہ جب میں کوفہ آیا تو مجھے کہا گیا کہ یزید ابھی زندہ ہے میں اس کے پاس گیا مجھے انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہنے لگے مجھے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بیان کیا براء بن عازب کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب نماز کے لیے کھڑے تکبیر کہی اور ہاتھ کانوں کے برابر

تک اٹھائے۔ میں نے کہا مجھے ابن ابی لیلیٰ نے بتایا کہ آپ کہتے ہیں "لم یعد" یعنی دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے کہنے لگے مجھے یاد نہیں۔ میں نے اپنی بات دوبارہ دہرائی تو کہنے لگے مجھے یاد نہیں) جب اس روایت کا مدار یزید بن ابی زیاد پر ہے وہ خود بار بار پوچھنے کے باوجود اس زیادتی کے متعلق جواب دیتا ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے پھر ان پر کیا اعتبار باقی رہا۔ بلکہ اس سے ثابت ہوا کہ یزید بن ابی زیاد سے علی بن عاصم کو یہ زیادتی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے پہنچی ہے اور یہ ابن ابی لیلیٰ خود قابل حجت نہیں ہے اور مشہور سئی الحفظ ہے۔ کما فی التقریب اور امام احمد فرماتے ہیں "سیء الحفظ مضطرب الحدیث کان فقهه احب الینا من الحدیث" (یعنی ابن ابی لیلیٰ سئی الحفظ اور مضطرب الحدیث ہے اس کی فقہ حدیث کی بہ نسبت ہمیں اچھی لگتی ہے) امام ابو حاتم فرماتے ہیں محله الصدق فکان سیء الحفظ اشتغل بالقضآء فسآء حفظه" (یعنی محل صدق میں ہے اس کا حافظہ خراب تھا اور قضاء میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کا حافظہ خراب ہوگیا) امام شعبہ فرماتے ہیں "ما رایت احدا اخطأ منه افادنی احادیث فاذاهی مقلوبة" (یعنی میں نے اس سے زیادہ غلطیاں کرنے والا نہیں دیکھا اس نے مجھے فائدہ دیا اس کی تمام تر احادیث مقلوب تھیں) امام دارقطنی فرماتے ہیں "کان ردی الحفظ کثیر الوهم" (یعنی حافظہ کا ردی اور بہت زیادہ وہم والا تھا) امام ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں کہ "عامة احادیثه مقلوبة" (یعنی اس کی عام احادیث بھی مقلوب ہیں) امام ابن جریر الطبری فرماتے ہیں کہ "لا یحتج به" (اس سے حجت نہیں لی جائے گی) امام ساجی فرماتے ہیں کہ کان سیء الحفظ لا یعتمد الکذب کان یمدح فی قضائه فاما فی الحدیث فلم یکن حجة" (حافظہ کا خراب جھوٹ کا اعتماد نہیں اس کے فیصلوں میں اس کی مدح سرائی کی جاتی تھی اور حدیث میں حجت نہیں ہے) اس راوی کا ترجمہ التهذیب صفحہ ۳۰۰ ج۹۔ الضعفآء للعقیلی صفحه ٤٧٤ ج۲ قلمی۔ الضعفآء لابن الجوزی صفحه ۳۸۳ قلمی کتاب المجروحین لابن حبان صفحه ۳٤۳ اور میزان الاعتدال صفحه ۸٦ ج۲۔ وغیرھا کتب میں دیکھنا چاہیے۔ بہر حال یہ روایت دو راویوں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی یعلی اور یزید بن ابی زیاد کے درمیان ہے اور دونوں راوی معتبر نہیں ہیں وھو السابع۔

**ثامناً**: ...... کئی ثقات اور معتبر راوی یزید سے یہ روایت نقل کرنے والے ہیں اور کسی کی روایت میں بھی زیادتی "ثم لا یعود" موجود نہیں۔ جیسا کہ اس کا بیان آگے چل کر ہوگا۔ جہاں پر خود مولوی صاحب اس بات کا تذکرہ کریں گے۔ لہٰذا ثقات کی روایت اس ضعیف روایت سے مقدم ہے۔

**تاسعاً**: ...... ان ثقات راویوں میں سے شعبہ بھی ہیں۔ جو زیادتی کے بغیر روایت لاتے ہیں۔ ان کی حدیث

دار قطنی وغیرہ میں ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بیان ہوگا، ان شاء اللہ۔ اوپر بیان ہوا کہ شعبہ اپنے اساتذہ سے اسی طرح حدیث نقل کرتے ہیں۔ جس طرح صحیح اور ثابت ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح طور پر اس زیادتی ''ثم لا یعود'' کے بغیر اور زیادتی والی صحیح نہیں ہے۔

**عاشراً:** ...... بلکہ براء کی اصل روایت میں رفع الیدین رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی مذکور ہے اس کے بعد جب یزید بن ابی زیاد کا حافظہ خراب ہوگیا اور یادداشت ختم ہوگئی تو کوفیوں نے غنیمت جانا اور ان کے سوء حفظ کا ناجائز فائدہ لیا۔ چنانچہ سنن کبریٰ بیہقی صفحہ ۷۷ ج ۲ میں حدیث موجود ہے ''قال اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو بکر احمد بن اسحاق الفقیه انبأ ابو مسلم ابراهیم بن عبداللہ واخبرنا ابو سعید المالینی انبأ ابو احمد بن عدی الحافظ ثنا الفضل بن حباب قالا ثنا ابراهیم بن بشار ثنا سفیان ثنا یزید بن ابی زیاد بمکة عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب قال رأیت النبی ﷺ اذا افتتح الصلوٰة واذا اراد ان یرکع واذا رفع راسه من الرکوع قال سفیان فلما قدمت الکوفة سمعته یقول یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یعود فظننت انهم لقنوه وکذا لك رواه عبدالکریم بن الهیثم الدیر عاقولی عن ابراهیم بن بشار'' یہ زیادتی سفیان بن عیینہ سے ابراہیم بن بشار نقل کرتے ہیں جو کہ سفیان کا قدیم ساتھی ہے انہیں ائمہ حدیث بخاری، ابن عدی، ابو حاتم اور طیالسی نے صدوق کہا ہے اور اس کو ابو عوانہ، حاکم اور یحییٰ بن الفضل ثقہ کہتے ہیں (التہذیب صفحہ ۱۰۶۔ ۱۰۷ ج ۱ اور ابن حبان نے ثقات صفحہ ۲۶ ج ۴، قلمی میں انہیں ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ''کان متقنا ضابطا صحب ابن عیینة سنین کثیرة وسمع حدیثه مراراً'' (یعنی وہ متقن اور ضابط تھا ابن عیینہ کی رفاقت میں کئی سال رہا اور ان سے کئی مرتبہ حدیث سنی) امام نسائی کا قول کہ ''لیس بالقوی'' جرح مبہم ہے لہٰذا ائمہ کی توثیق کے مقابلے میں معتبر نہیں ہے کما تقرر فی الاصول۔ اس طرح ابن معین کا قول کہ ''لیس بشیء لم یکن یکتب عند سفیان وکان یملی علی الناس مالم یقله سفیان'' (یعنی وہ کوئی چیز نہیں سفیان سے نہیں لکھتا تھا اور لوگوں کو وہ املا کرواتا تھا جو سفیان نے نہیں کہا) بھی ان کے لیے مضر نہیں ہے۔ الاوّل آئمہ کی توثیق ان کے حق میں موجود ہے۔ الثانی۔ نصب الرایہ صفحہ ۳۰۴ ج ۱ میں امام حاکم سے منقول ہے کہ ''هو ثقة من الطبقة الاولی من اصحاب ابن عیینه جالس ابن عیینة نیفا واربعین سنة'' (یعنی وہ ثقہ اور طبقہ اولیٰ میں سے اصحاب ابن عیینہ میں سے ہے اور ابن عیینہ کے پاس چالیس سال سے زائد رہا ہے) پھر جو شخص امام ابن عیینہ کی صحبت میں قریباً نصف صدی رہا ہو۔ اس کی روایت دیگر ہم سبق (کلاس والوں)

سے زیادہ اور راجح ہے۔ امام حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ "الوجه الحادي عشر ان يكون احد الراويين اكثر ملازمة لشيخه فان المحدث قد ينشط تاررة فيسوق الحديث على وجهه وقد يتكاسل في الاوقات فيقتصر على البعض اويرويه مرسلا الى غير ذالك من الا سباب فهذا الضرب يو جد كثير في حديث مالك بن انس رضى الله عنه۔ ولهٰذا قد منا يو نس بن يزيد الا يلى فى الزهرى على النعمان بن راشد وغير ه من الشاميين من اصحاب الزهرى لان يونس كان كثيرا الملازمة للزهرى حتى كان زامله فى اسفاره طول الصحبة له زياده تا ثير فيرجع به" (یعنی گیارھویں وجہ ان دوراویوں میں سے ایک اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ صحبت رکھنے (ساتھ رہنے) والا ہو۔ بعض اوقات محدث چاک و چوبند ہوتا ہے اور حدیث کو مکمل طور پر بیان کرتا ہے اور بسا اوقات سست (غفلت) ہوتا ہے اور وہ حدیث کا بعض حصہ بیان کرتا ہے یا اس کو مرسل روایت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں یہ مثال مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی احادیث میں بہت ہیں اسی وجہ سے ہم نے یونس بن یزید ایلی کو مقدم رکھا ہے نعمان بن راشد پر زہری کے معاملے میں۔ کیونکہ یونس آپ (زہری) کے ساتھ زیادہ رہنے والا تھا۔ یہاں تک کہ سفر میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس طوالت صحبت کی وجہ سے انہیں ترجیح حاصل ہے) بلکہ اگر ابراہیم بن بشار غیر معتبر ہوتا تو امام سفیان اتنا طویل عرصہ انہیں اپنی صحبت میں نہ رکھتے۔ بلکہ انہیں ساتھ رکھنا واضح دلیل ہے کہ وہ ان کے نزدیک قابل اعتماد تھا اور ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی جو ان کے لیے قابل ملامت یا اعتراض ہو۔ وهو الثالث والرابع خود امام ابن معین ان کے حفظ کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن حبان ثقات (حوالہ مذکورہ) ابراھیم بن بشار کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ "سمعت احمد بن زنجويه يقول سمعت جعفر بن ابى عثمان الطيالسى يقول سمعت يحيىٰ بن معين يقول كان الحميدى لا يكتب عند سفيان بن عيينه وابراهيم بن بشار احفظهما" (یعنی احمد بن زنجویہ کہتے ہیں میں نے جعفر بن ابی عثمان الطیالسی سے سنا وہ کہتے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حمیدی سفیان بن عیینہ کے پاس لکھتا نہیں تھا اور ابراہیم بن بشار ان سے حافظہ میں قوی تھا) پھر جب کہ امام ابن معین ان کو حفظ میں امام حمیدی سے زیادہ سمجھتے ہیں تو پھر ان کی روایت سفیان سے اصح اور اقدم کہی جائے گی۔

**والخامس**: ......لغایۃ امام ابن معین کی اس کلام سے یہ شبہ ہوگا کہ شاید سفیان سے براہ راست یہ روایت نہ سنی ہو۔ لیکن یہ شبہ یہاں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس حدیث میں سفیان سے سماع کی تصریح کرتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ ثنا سفیان جیسا کہ ابھی سند ذکر ہوئی۔ لہٰذا اس روایت کی سند میں کوئی شبہ نہ رہا اور ابراہیم بن بشار ثقہ ثابت ہوا اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے جس طرح کہ مولوی صاحب نے صفحہ ۷۷ میں ذکر کیا ہے اور شرح النخبۃ صفحہ ۳۷ میں تصریح کی گئی ہے امام ابن حبان کتاب الثقات صفحہ ا ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ " وزیادۃ الالفاظ عند نا مقبولۃ عن الثقات اذ جائز ان یحضر جماعۃ شیخا فی سماع شیء ثم یخفی علی بعض الشیء ویحفظ من ھو مثلہ او دونہ فی الاتقان کما بیناہ فی غیر موضع من کتبنا " (یعنی ثقات کی الفاظ کی زیادتی ہمارے نزدیک مقبول ہے جب جائز ہے کہ ایک جماعت شیخ سے سماع میں حاضر تھی بعض پر کوئی چیز مخفی رہے اور اس کا ہم مثل یا اس سے کم ہو وہ یاد کر لے جس طرح ہم نے اپنی کتب میں کئی مقامات پر بیان کیا ہے) ابراہیم بن بشار تک بھی سند صحیح ہے۔ چنانچہ ان سے دو سندیں ہیں پہلی سند میں ان کے شاگرد ابراہیم بن عبداللہ ابو مسلم الکجی ہے جس کی مسند مشہور ہے۔ جو کہ مشہور نبیل اور عالم بالحدیث ہے۔ اس کو دارقطنی وغیرہ ثقہ کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۷۷ ج ۲) اور ان سے ناقل ابو بکر احمد بن اسحاق الضبعی مشہور محدث اور فقیہ ہے۔ شذرات الذھب لا بن العمادی صفحہ ۳۶۱ ج ۲ میں امام حاکم سے منقول ہے کہ "یضرب بعقلہ المثل "اور حافظ تاج الدین ابن السبکی طبقات الشافعیہ صفحہ ۸۱ ج ۲۔ میں لکھتے ہیں کہ "احد الائمۃ الجامعین بین الفقہ والحدیث " اور ان سے ان کے شاگرد ابو عبداللہ الحافظ وہ امام حاکم مشہور مستدرک کا مصنف ہے اور دوسری سند میں ابراہیم بن بشار کا شاگرد الفضل بن الحباب ابو خلیفہ الجمحی ہے۔ وہ خود مشہور ثقہ ہے۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۳۲۹ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ "کان ثقۃ عالما ما علمت فیہ لینا الا ما قال السلیمانی انہ من الرافضۃ فھذا لم یصح عن ابی خلیفۃ " (یعنی وہ ثقہ عالم تھا میں نے اس میں کوئی لچک نہیں دیکھی۔ ''الا'' یہ کہ سلیمانی نے کہا ہے کہ وہ رافضی (شیعہ) تھا لیکن ابو خلیفہ سے یہ صحیح نہیں ہے) یعنی وہ ثقہ ہے اور سلیمانی کا یہ کہنا کہ وہ رافضی ہے صحیح نہیں ہے اور ابن حبان کتاب الثقات صفحہ ۱۹۵ ج ۴ قلمی میں اس کو ذکر کرتے ہیں اور مسلمہ بن القاسم کہتے ہیں "کان ثقہ مشھور ا" اور امام خلیلی کہتے ہیں کہ "ھو الی التو ثیق اقرب" (لسان المیزان لا بن حجر صفحہ ۴۴۹ ج ۴) (یعنی وہ توثیق کے قریب ہے) اور ان کے شاگرد احمد بن عدی جو کہ مشہور حافظ اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہے اور کتاب الکامل کا جو مصنف ہے انہیں ابن عساکر اور حمزہ السھمی نے ثقہ کہا ہے اور خلیلی کہتے ہیں کہ "کان عدیم النظر حفظا وجلالۃ " (یعنی وہ حافظ اور جلالت میں بے مثال تھا) اور ابن ابی مسلم کہتے ہیں کہ "ما رایت مثلہ " (تذکرۃ الحفاظ للذھبی صفحہ ۴۳۔ ۱۴۴ ج ۳) (یعنی میں نے ان جیسا نہیں دیکھا) ان سے راوی

ابوسعد المالینی احمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ الہروی جو کہ طاؤس الفقراء کے لقب سے مشہور ہے امام ذہبی ان کے متعلق تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۳۵۷ ج ۳ میں فرماتے ہیں کان ثقة متقناً یعنی وہ ثقہ اور متقن تھا۔

**الغرض:** ...... یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اس کی سند ابراھیم بن بشار تک مضبوط ہے ایک نہیں بلکہ دو سندیں ہیں۔ دونوں کے راوی ثقہ ہیں۔ ابراھیم بن بشار خود ثقہ، حافظ، سفیان بن عیینہ کا پرانا شاگرد اور قدیم صاحب ہے۔ یہ سفیان بن عیینہ سے اور سفیان، یزید سے براء بن عازب کی حدیث نقل کرتا ہے جس میں صریحاً مذکور ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز شروع کرتے وقت رکوع کرتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ یہ روایت اس وقت کی ہے جب یزید بن ابی زیاد کا حافظہ سالم تھا اور بدلا نہ تھا مکہ میں رہتا تھا اور کوفیوں کے ہتھے نہ چڑھا تھا اور یہ حدیث ابن عمر اور دیگر صحابہ کی رفع الیدین کی حدیث کے موافق ہے۔

**قارئین!** ......غور کریں! عبرت حاصل کریں! حدیث کیا تھی اور اس میں رفع الیدین کا صریحاً بیان تھا لیکن کوفے والوں نے اس کو بدل دیا اور یہودیوں کی پیروی کرتے ہوئے اس میں تحریف کر کے الفاظ بدل دیے۔ ثابت ہوا کہ براء بن عازب رفع الیدین کے اثبات کا راوی ہے نہ کہ نفی کا اسی وجہ سے ائمہ حدیث براء بن عازب کو رفع الیدین کی حدیث کے راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ جس طرح کہ زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۴۱۸ ج ۱ میں امام بیہقی سے نقل کرتے ہیں وھو الحادی عشر۔

**الثانی عشر:** ......خود کئی حنفی علماء اس روایت کا ضعیف ہونا ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً زیلعی کی عبارت گزری اور علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۷۱۔ پر اس روایت کا غیر صحیح ہونا قبول کرتے ہیں مخدوم محمد عابد سندھی المواھب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ صفحہ ۵۹۔ ۲۶۰۔ المصور میں اس روایت کو ضعیف ثابت کرتے ہیں اور ابراہیم بن بشار والی روایت یعنی براء بن عازب کی اثبات رفع الیدین کے متعلق حدیث کو صحیح ثابت کرتے ہیں علامہ انور شاہ کشمیری عرف الشذی صفحہ ۳۴۔ ۱۳۳۔ میں بھی اس روایت کا ضعیف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

**الحاصل:** ...... یہ روایت کسی بھی طرح قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور صحیح روایات کے مقابلے میں ان روایتوں کو پیش کرتے ہوئے مولوی صاحب کو خیال کرنا چاہیے۔ حافظ ابن قیم تہذیب السنن صفحہ ۳۵۹ ج ۱ فی ذیل مختصر السنن لابی داؤد المنذری میں براء بن عازب کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وجب ترکہ والرجوع الی الاحادیث الثابتة التی لم تختلف مثل" حدیث الزھری عن سالم عن ابیہ ونحوھا فمعارفتھا بمثل ھذا الحدیث الواھی المضطرب المختلف فی غایة البطلان" (یعنی اس روایت کو ترک کرنا اور ان روایات کی طرف رجوع کرنا جو ثابت ہیں اور ان میں

اختلاف نہیں واجب ہے ایسی واہی حدیث سے مقابلہ کرنا جو کہ مضطرب اور مغطرب اور انتہائی درجے کی باطل ہو)

مولوی صاحب نے اس روایت کے متعلق ابو داؤد، ترمذی اور طحاوی کا حوالہ دیا ہے اور لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مذکورہ کتب میں موجود ہے۔

**جواب:** ...... **اوّلاً:** مولوی صاحب کا یہ کہنا ہی غلط ہے۔ ترمذی میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ امام ترمذی صرف ابن مسعود کی روایت لا کر فرماتے ہیں کہ "وفی الباب عن البراء بن عازب "صرف حوالہ دیا ہے کہ اس باب میں براء سے بھی روایت مروی ہے۔ لیکن اپنی کتاب میں اس کو روایت نہیں کیا۔ آنکھوں والے ترمذی کی کتاب کھول کر دیکھیں تو اس میں کیا حدیث موجود ہے؟

ہرگز نہیں! مولوی صاحب نے یا تو خود سنن ترمذی دیکھی نہیں دوسرے کی نقل کی تقلید کی ہے جس وجہ سے غلطی کھائی ہے۔ یا پھر سنن ترمذی دیکھی ہے لیکن دیدہ دانستہ جھوٹ بولا ہے۔

**ثانیاً:** ......ابو داؤد کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن خود ابو داؤد اسی روایت کو لا کر اس کو غیر صحیح کہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ پھر اس حوالے سے مولوی صاحب کو کیا فائدہ؟

**ثالثاً:** ......تیسرا حوالہ طحاوی کا دیا ہے اور طحاوی خود شرح معانی الآثار صفحہ ۱۳۲ ج ۱۔ میں ابن مسعود اور براء کی روایات لا کر فرماتے ہیں کہ "فکان ھٰذا مما احتج به اهل هذا القول لقولهم رويناه عن النبی ﷺ فکان حجة مخالفهم عليهم فی ذالك قال مع ما رويناه نحن بتواتر الآثار وصحة اسانيدها واستقامتها فقولنا اولی من قولکم" (یعنی اس قول کو لینے والوں نے اس سے دلیل لی ہے کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے گویا کہ مخالفین پر حجت ہے۔ اس میں، اس کے ساتھ جو ہم نے متواتر آثار اور صحیح اور قوی اسانید سے روایت کیا ہمارا قول تمہارے قول سے زیادہ اولیٰ (بہتر) ہے) طحاوی اس کے بعد براء کی روایت کے متعلق اس باب میں کلام نہیں کرتا۔ جس کا معنی یہ ہوا کہ وہ براء کی روایت میں کلام کو تسلیم کرتا ہے اور اثبات رفع الیدین کی احادیث کو صحیح اور متواتر مانتا ہے۔

**رابعاً:** ......اس طرح صرف حوالہ جمع کرنا ہی کافی نہیں اور نہ ہی ان پر مولوی صاحب کو خوش ہونا چاہیے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ روایات صحیح ہوں ان کی اسناد اور متن علل سے خالی ہوں۔ کیونکہ براء کی اس روایت کے لیے اور بھی حوالے موجود ہیں مثلاً بخاری جزء رفع الیدین میں، دار قطنی اور بیہقی نے سنن میں بھی اس کو روایت کیا ہے، لیکن تینوں نے ہی اس کو ضعیف ثابت کیا ہے۔ اس طرح امام احمد بھی علل میں یہ روایت لائے ہیں اور اس کو ضعیف کہا ہے۔ امام حمیدی نے بھی مسند میں اس کو ضعیف ثابت کیا ہے۔ لہٰذا

صرف حوالہ کافی نہیں مولوی صاحب خواہ مخواہ چیخ وپکار کر رہے ہیں کہ غیر مقلدین فضول بہتان لگاتے ہیں کہ احناف حدیث پر عمل نہیں کرتے اور ابوحنیفہ کے قول پر چلتے ہیں الخ۔

**قارئین!**......اب انصاف کریں کہ یہ بہتان ہے یا حقیقت۔ کیونکہ ابن عمر کی حدیث رفع الیدین کے اثبات کے متعلق مشہور صحیح ہے اور اس کی صحت کے متعلق سب کا اتفاق ہے۔ لیکن چونکہ ان کے مذہب کے موافق نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کو لینا یا اس پر عمل کرنا تو درکنار بلکہ اس کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عدم رفع کی روایات جن میں بے شمار علتیں موجود ہیں اور ان کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق بھی ہے۔ لیکن جب وہ ان کے مذہب کے موافق ہو تو اس کو دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی حدیث پر چلتے ہیں۔ خدارا انصاف کریں کہ یہ دیانتداری ہے کہ اپنا بناوٹی مذہب اور پہلے سے ہی پینٹ شدہ ہو۔ پھر جو روایت اس کے موافق ملے پھر اگرچہ وہ روایت ضعیف ہو یا خطا ہو تب بھی اس کو دلیل بنایا جائے اور اگر صحیح احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہوں تو ان کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ تو مبتدعین کی علامت ہے اور نشانی ہے۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۱، پر فرماتے ہیں کہ "ولقد قال وكيع من طلب الحديث كما جاء فهو صاحب سنة ومن طلب الحديث ليقوى هواه فهو صاحب بدعة يعني لان الانسان ينبغي ان يلغي رايه لحديث النبي ﷺ حيث يثبت الحديث ولا يعلل بعلل لا يصح ليقوى هواه وقد ذكر عن النبي ﷺ لا يو من احد كم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به" (یعنی امام وکیع فرماتے ہیں جس نے اسی طرح حدیث طلب کی جس طرح بیان ہوئی وہ شخص صاحب سنت ہے اور جس نے اپنی خواہشات کو قوی کرنے کے لیے حدیث طلب کی وہ بدعتی ہے یعنی انسان کو چاہیے کہ اپنی رائے کو نبی ﷺ کی حدیث کی وجہ سے پھینک دے۔ جہاں پر حدیث ثابت ہو۔ اور اس میں علتیں نہ ڈھونڈتا رہے۔ تاکہ اس سے اپنی خواہشات کو پورا کرے نبی ﷺ سے ذکر کیا گیا کہ تم میں سے کوئی بھی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنی خواہشات کو میری شریعت کے تابع نہ کردے) اور امام خطیب بغدادی شرف اصحاب الحدیث صفحہ ۶۰ طبع انقرہ میں امام وکیع نے نقل کرتے ہیں کہ "يقول لو ان الرجل لم يصب فى الحديث شيئا الا انه يمنعه من الهوى كان قد اصاب فيه" (یعنی اگر حدیث انسان کو کوئی فائدہ نہ بھی دے تب بھی اس کو خواہشات سے روک دیتی ہے جو اس کے اندر آچکی ہیں) امام ابونعیم اخبار اصبہان صفحہ ۱۸ ج ۲۔ میں وکیع سے نقل کرتے ہیں کہ "يقول اهل السنة يرون مالهم وما عليهم واهل البدعة لا يرون الاما لهم" (یعنی اہل سنت دیکھتے ہیں کہ ان پر کیا حقوق واجب ہیں اور ان پر کیا ہے اور بدعتی نہیں دیکھتے سوائے ان کے لیے کیا ہے۔)

**قارئین!**...... امام وکیع کو علماء احناف اپنا شمار کرتے ہیں۔ دیکھیے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ للقرشی الحنفی صفحہ ۲۰۲ ج ۲ اور الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ لکھنوی صفحہ ۲۲۲ لہٰذا ان کا قول مولوی صاحب اور ان کے ہم پیالہ بھائیوں کے لیے سبق آموز ہے۔ علامہ محمد حیات سندھی اپنے رسالے تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صفحہ ۲۶۔ پر فرماتے ہیں کہ "وتراهم يقرؤن كتب الحديث ويطالعونها ويدرسونها لا يعملوا بها بل ليعلموا دلائل من قلدوه وتاويل ما خالف قوله ويبالغون في المحامل البعيدة واذا عجزوا عن المحمل قالوا من قلدنا اعلم منا بالحديث اولا يعلمون انهم يقيمون حجة الله تعالىٰ عليهم بذالك ولا يستوى العالم والجاهل فى ترك العمل بالحجة واذا مر عليهم حديث يوافق قول من قلدوه انبسطوا واذا مر عليهم حديث يخالف قوله او يوافق مذهب غيره ربما انقضوا ولم يسمعوا قال الله تعالىٰ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ " (یعنی آپ انہیں دیکھیں گے وہ کتب احادیث کا مطالعہ کرتے اور پڑھتے ہیں عمل کرنے کے لیے نہیں بلکہ جس کی تقلید کی ہے اس کے دلائل کو جاننے کے لیے اور جو قول اس (امام) کے خلاف ہے اس کی تاویل کے لیے اور محامل بعیدہ میں مبالغہ کرتے ہیں اور جب محمل سے عاجز آجاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جس کی ہم نے تقلید کی ہے وہ ہم سے حدیث کو زیادہ جاننے والا تھا کیا وہ جانتے نہیں یہ بات کر کے اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر قائم کر رہے ہیں۔ عالم اور جاہل ترک عمل میں برابر نہیں اور جب ایسی حدیث سے گزرتے ہیں جو ان کے امام کے قول کے موافق تو خوش ہوتے ہیں اور جب مخالف ہو تو کان اور آنکھیں بند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

اس کے بعد مولوی صاحب اس روایت پر دو اعتراض ذکر کرتے ہیں پہلا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "اس حدیث میں یزید بن ابی زیاد سے جب ان کا شاگرد ہشیم، خالد اور ابن ادریس یہ روایت ذکر کرتے ہیں تو اس میں ثم لا يعود کا لفظ استعمال نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ حدیث میں نہیں ہے۔ دراصل۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے اس کا مطلب ہے کہ تینوں راوی ہشیم، خالد اور ابن ادریس یزید بن ابی زیاد سے قدیم ناقل ہیں اور ان کا حافظہ خراب ہونے اور کوفیوں کے ہتھے چڑھنے سے پہلے ان سے روایت کرنے والے ہیں۔ پھر جب ان کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے تو یہ عظیم دلیل ہے کہ اصل روایت

میں یہ لفظ نہ تھے بعد میں کوفہ والوں نے بڑھائے ہیں۔

**ثانیاً**:......صرف یہ تین شخص نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ دیگر پانچ اور بھی ہیں سفیان ثوری، شعبہ، اسباط بن محمد، الجراح بن الملیح اور صالح بن عمر الواسطی کل آٹھ راوی ہیں جو سب کے سب یزید بن ابی زیاد سے اس روایت کے راوی ہیں اور کسی بھی روایت میں ثم لا یعود کے لفظ نہیں ہیں، چنانچہ ہشیم بن بشیر کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۳ ج ۱۔ مسند احمد صفحہ ۲۸۲ ج ۴۔ مسند ابو یعلی الموصلی صفحہ ۱۹۳ ج ۱۔ قلمی میں ہے اور خالد بن عبداللہ کی روایت سنن دار قطنی صفحہ ۱۱۰ طبع ھند، عبداللہ بن ادریس کی روایت مسند ابو یعلی صفحہ مذکورہ سفیان ثوری کی روایت جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۹ طبع دہلی، مصنف عبدالرزاق صفحہ ۷۰ ج ۲۔ مسند احمد صفحہ ۳۰۴ ج ۴۔ دار قطنی صفحہ ۱۱۰۔ طبع ہند میں شعبہ کی روایت امام احمد کی کتاب العلل صفحہ ۱۱۶ ج ۱ اور مسند احمد صفحہ ۳۰۳ ج ۴ اور دار قطنی میں اسباط بن محمد کی روایت مسند احمد صفحہ ۲۔ ۳۰۱ ج ۴۔ بیہقی صفحہ ۲۵ ج ۲۔ میں جراح بن الملیح کی روایت امام احمد کی العلل صفحہ ۱۱۷ ج ۱۔ میں، صالح بن عمر الواسطی کی روایت مسند ابو یعلی الموصلی صفحہ ۱۹۵ ج ۱۔ قلمیں میں ہے۔ تمام احادیث میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ نواں: زہیر بن معاویہ بھی یزید بن ابی زیاد سے روایت ہے۔ اس میں یہ زیادتی نہیں ہے جس طرح امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۹ پر۔ امام بیہقی صفحہ ۷۶ ج ۲۔ میں بحوالہ عثمان بن سعید الدارمی نے ذکر کیا ہے۔ پھر جب اتنی بڑی جماعت اس کو نقل کرتی ہے تو ثابت ہوا کہ اصل روایت میں یہ لفظ نہیں ہیں۔

**ثالثاً**:...... یہ اعتراض کرنے والا صرف ایک امام ابو داؤد نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ کئی نقاد حدیث اور ائمہ جرح وتعدیل بھی یہی اعتراض کر چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کتاب العلل صفحہ ۱۱۷ ج ۱۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۹۔ امام دار قطنی سنن صفحہ ۱۱۰ طبع ہند امام بیہقی سنن کبری صفحہ ۷۱ ج ۲، امام عثمان بن سعید الدارمی بحوالہ بیہقی امام محی السنۃ البغوی شرح السنۃ صفحہ ۲۵ ج ۳۔ امام ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۲۲۰ ج ۹، اور امام خطیب بغدادی بحوالہ ابن الملقن ذکر کرتے ہیں۔ یہ سب اس طرح کا اعتراض کر چکے ہیں پھر یہ اعتراض تو نہایت بڑا اور مضبوط ہے مولوی صاحب ایسی چوٹ برداشت کرنے کے قابل نہیں کیونکہ جو شخص پہاڑ پر سر مارے گا اس کا اپنا سر زخمی ہوگا لیکن پہاڑ کو کچھ نہ ہوگا۔

"یـا نـا طحاً جبلا شامخا اشفق علی راسك ولا تشفق علی الجبل" مثال مشہور ہے۔ جو جنیں وہی پالیں۔ جن محدثین کرام نے محنت کر کے سفر کیے دکھ سکھ سہہ کر، آرام قربان کر کے احادیث جمع کیں اور ان کی تحقیق وتنقیح کی اور کھرے کو کھوٹے سے الگ کیا ان سے مولوی صاحب کس طرح مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ مولوی صاحب ہی ہیں جو ایک آدھ روایت دیکھ کر بغلیں بجا رہے ہیں۔ لیکن محدثین کرام

ایک ایک حدیث کے لیے کس طرح چکر لگاتے تھے۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ "لو لم تکتب الحدیث من ثلاثین وجها ما عقلناه (کتاب المجروحین صفحہ ۳۳۰ ج ۲) (یعنی اگر حدیث تیس وجوہ سے نہ لکھی جاتی تب تک ہمیں صحیح سمجھ میں نہ آتیں)۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ "الباب اذا لم یجمع طرقه لم یتبین خطاء (مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۴۳) (یعنی جب تک اس کے بہت سے طرق جمع نہ ہوتے اس (حدیث) کی غلطیاں واضح نہ ہوتیں) امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں "لو لم تکتب الحدیث من ستین وجها ما عقلناه" (تدریب الراوی صفحہ ۱۷۹) (یعنی جب تک حدیث ساٹھ وجوہات سے لکھی نہ جاتی ہمیں سمجھ میں نہ آتی) یہ صرف ان کے لیے ہے کہ مختلف طرق دیکھنے سے روایت حدیث کی اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ سند یا متن میں کوئی اندراج الفاظ کی کمی یا زیادتی، شذوذ اور انقطاع وغیرہ کوئی بھی علت ہوتی تو ظاہر ہوجاتی اللہ کے ان بندوں نے اس روایت کے سب طرق دیکھ کر یہ فیصلہ دیا ہے۔

بنا کر دند خوش رسمی بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند آن پاسبان پاک سنت را

ان حضرات کی تحقیق کو مولوی صاحب جیسے کس طرح رد کر سکتے ہیں پڑھنے والوں کو بخوبی معلوم ہوگا کہ محدثین کی مخالفت کی وجہ سے مولوی صاحب کو کتنی بڑی ٹھوکر کھانی پڑی ہے۔

چنانچہ اس اعتراض کے تین جواب دیتے ہیں پہلے میں لکھتے ہیں کہ "اگر اوپر والے یزید کے شاگرد اس لفظ کو بیان نہیں کرتے تو اس سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لفظ حدیث میں نہیں ہیں کیونکہ فن حدیث کا قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے" "عدم الذکر لا یستلزم النفی."

**جواب:** ...... **اوّلاً:** یہ قاعدہ وہاں پر پیش کیا جاتا ہے جہاں خارج میں وجود کا امکان ہو۔ یہاں پر کون سا امکان ہے؟ آخر رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ جس چیز کی نسبت آپ کی طرف ثابت نہیں اس کے لیے امکان کس طرح درست ہوگا؟ مولوی صاحب کو کچھ ہوش ہونا چاہیے۔ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں۔

**ثانیاً:** ......اس زیادتی کو ذکر کرنے والا شریک ہے۔ امام بغوی شرح السنہ صفحہ ۲۵ میں فرماتے ہیں کہ "لم یقل احد فیه ثم لا یعود غیر شریك عن یزید بن ابی زیاد" (یعنی ثم لا یعود کے الفاظ یزید بن ابی زیاد سے شریک کے علاوہ کسی نے نہیں کہے) شریک بن عبداللہ النخعی خود ضعیف راوی ہے آخر میں ان کا حافظہ بدل گیا تھا۔ جس طرح تقریب "الاغتباط بمعرفۃ من رمی بالاختلاط للعجمی صفحہ ۱۴۔ الکواکب النیرات لابن الکیال صفحہ ۴۸ اور ثقات ابن حبان صفحہ ۱۲۰ ج ۳ قلمی میں لکھتے ہیں" وکان فی آخر عمره یخطی

فيروى تغير عليه حفظه " (یعنی آخر عمر میں روایت کرنے میں غلطیاں کرتا تھا اور اس کا حافظہ تبدیل ہو گیا تھا) میزان الاعتدال صفحہ ۴۴۴ ج ۱ میں ہے "وروى محمد بن يحيىٰ القطان عن ابيه قال رايت تخليطاً فى اصول شريك وقال عبدالجبار بن محمد قلت يحيىٰ بن سعيد زعموا ان شريكا خلط بآخره قال ما زال مخلطا" (یعنی محمد بن یحییٰ قطان اپنے باپ (والد) سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کو اصول شریک میں مخلط دیکھا عبدالجبار بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے کہا کہ لوگوں کا گمان ہے کہ شریک کو آخر میں اختلاط ہو گیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ مخلط رہا ہے) پھر ایسے شخص کی نقل پر کس طرح اعتبار کیا جائے گا۔ جب کہ دیگر ثقات حفاظ نقل نہیں کرتے۔ دوسرا راوی یزید سے اسماعیل بن زکریا الخلقانی ہے جس کی روایت دار قطنی صفحہ ۱۱۰ طبع ہند میں ہے ان کی البتہ توثیق کی گئی ہے لیکن ابن معین انہیں حجت تسلیم نہیں کرتے (التهذيب صفحه ۲۹۷ ج ۱) لہٰذا ایسے شخص کی نقل بھی ائمہ کبار کے مقابلے میں معتبر نہیں ہو سکتی۔ بخاری میں اسماعیل کی چار روایات ہیں تین میں متابعت ہے اور چوتھی کے لیے شاہد موجود ہے (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۳۹۰) اس کو امام بخاری نے حجت کے لیے ذکر نہیں کیا تو یہاں پر خاص طور پر ثقات کے خلاف وہ قبولیت کے لائق نہ رہا۔

**ثالثاً**:...... ان ثقات میں امام شعبہ بھی ہے۔ اوپر فتح الباری کے حوالہ سے گزرا کہ شعبہ اپنے اساتذہ سے اس طرح احادیث نقل کرتا ہے جس طرح صحیح ہوں۔ یہ حدیث شعبہ یزید بن ابی زیاد سے بغیر زیادتی "ثم لا يعود" کے روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت صحیح کہی جائے گی۔ اسی وجہ سے محدثین نے بغیر زیادتی والی حدیث کو صحیح اور زیادتی والی کو غیر صحیح کہا ہے یہ ان کی دوسری دلیل ہے۔

**رابعاً**:...... امام ابوسفیان بن عیینہ جو یزید سے دونوں طرح نقل کرتا ہے اور واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ حافظہ خراب ہونے سے قبل "ثم لا يعود" نہیں کہتا تھا۔ حافظہ خراب ہونے کے بعد کہتے ہیں۔ یہ تفصیل آخری تحقیق ہے یہ محدثین کی تیسری دلیل ہے۔

**خامساً**:...... بلکہ سفیان تو ایک روایت میں واضح کرتے ہیں کہ پہلے یزید حدیث بیان کرتا تھا تو اس میں رکوع اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین کا ذکر کرتا تھا اور حافظہ خراب ہونے کے بعد کوفہ میں انہیں پڑھایا گیا تو پھر کہنے لگا "ثم لا يعود" جس طرح اوپر بیہقی کی روایت گذری یہ محدثین کی چوتھی دلیل ہے ثابت ہوا کہ محدثین کا فیصلہ اٹل باتحقیق بڑھانا اور مدلل ہے۔

**صفحہ ۹۶**:...... دوسرا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ یزید کے دوسرے شاگرد یہ زیادتی نقل کرتے ہیں شریک، سفیان ثوری، وکیع، اسماعیل بن زکریا، اسرائیل بن یونس، محمد بن ابی لیلیٰ الخ۔

**جواب:**...... **اولاً:** شریک کے متعلق بحث گذری کہ وہ خود معتبر نہیں ہے تقریب میں لکھتے ہیں کہ صدوق یخطی کثیرا تغیر حفظه منذ ولی القضاء بالکوفة " (یعنی وہ صدوق ہے بہت غلطیاں کرنے والا جب کوفہ کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تو اس کا حافظہ تبدیل ہو گیا تھا۔)

**ثانیاً:**...... سفیان ثوری کا حوالہ ابوداؤد اور طحاوی سے دیتے ہیں۔ لیکن وہاں پر سفیان ثوری کی روایت نہیں بلکہ سفیان بن عیینہ کی ہے۔ ابوداؤد میں الفاظ اس طرح سے ہیں: حدثنا عبدالله بن محمد الزهری نا سفیان عن یزید نحو حدیث شریك لم یقل ثم لا یعود قال سفیان قال لنا بالکوفة بعد ثم لا یعود " (یعنی ہمیں عبداللہ بن محمد الزہری نے بیان کیا ہمیں سفیان نے یزید سے شریک کی حدیث کی طرح حدیث بیان کی، لیکن اس میں "ثم لا یعود" نہیں کہا۔ سفیان نے کہا کہ یہ الفاظ ہمیں کوفہ میں کہے) اب انصاف کریں کہ یہ سفیان ثوری ہے یا ابن عیینہ ہے اور وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ اس میں یہ جملہ "ثم لا یعود" نہیں بلکہ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ بعد میں یہ الفاظ کہے۔ وھو الثالث

**رابعاً:** ...... سفیان ثوری کی روایت میں ثم لا یعود کے لفظ نہیں ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ جزء رفع الیدین صفحہ ۹۔ میں یہ روایت اس طرح سے ہے۔ "حدثنا محمد عن یوسف ثنا سفیان عن یزید بن ابی زیاد عن ابن ابی لیلیٰ عن البراء رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ یرفع یدیه اذا کبر حذو اذنیه" (جب بھی نبی ﷺ نماز کے لیے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرتے تھے) امام بخاری کا استاد دونوں سفیان ثوری اور ابن عیینہ سے روایت ہے لیکن جس جگہ پر صرف سفیان کہے اور آگے نسبت نہ کرے تو اس سے سفیان ثوری ہی مراد ہوتا ہے۔ (فتح الباری صفحہ ۱۶۲ ج ۱) ثابت ہوا کہ سفیان ثوری کا زیادتی نقل نہ کرنے والوں میں شمار ہے۔

**خامساً:**...... وکیع کے متعلق مولوی صاحب غلطی کے شکار ہوئے ہیں۔ کیونکہ ابوداؤد میں سند اس طرح سے ہے: حدثنا حسین بن ابراهیم انا وکیع عن ابن ابی لیلیٰ عن اخیه عیسیٰ عن الحکم عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب۔ اس مقام پر چند باتیں قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ ناظرین غور فرمائیں وکیع اس روایت میں یزید بن ابی زیاد کا شاگرد ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ابن ابی لیلیٰ سے ناقل ہے۔ لہٰذا یہ مولوی صاحب کا خالص جھوٹ کہا جائے گا۔ کہ اس روایت میں وکیع کو یزید بن ابی زیاد کا شاگرد شمار کرتے ہیں۔ محدثین پر حملہ والی کی عاقبت اس طرح ذلت وخواری ہوتی ہے۔ الثانی ابن ابی لیلیٰ جو کہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے وہ خود ضعیف اور سیئ الحفظ ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا خود آپ کا حنفی امیر علی حاشیہ التقریب صفحہ ۴۵۸ میں قبول کرتا ہے کہ "اکثر هم من الوهم۔ الثالث ابن ابی لیلیٰ" خود اس

روایت میں اضطراب کرتا ہے۔ الرابع ابن ابی لیلیٰ خود ابو داؤد خواہ طحاوی کی سند میں یزید بن ابی زیاد سے راوی نہیں ہے۔ یہاں پر بھی مولوی صاحب نے اندازہ لگایا ہے لیکن ہم انہیں حقیقت بتاتے ہیں کہ یہاں پر بھی ابن ابی لیلیٰ سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں کہ "وروی وكيع عن ابن ابى ليلىٰ عن اخيه عيسى بن والحكم بن عتيبة عن ابن ابى ليلىٰ عن البراء رضی اللہ عنہ قال رأيت النبى ﷺ يرفع يديه اذا كبر ثم لم يرفع قال البخارى انما روى ابن ابى ليلىٰ هذا من حفظه فاما من حدث عن ابن ابى ليلىٰ من كتابه فانما حدث عن ابن ابى ليلىٰ عن يزيد فرفع الحديث الى تلقين يزيد والمحفوظ ما روى عنه الثورى وشعبة وابن عيينة قديماً۔ امام احمد کی کتاب العلل صفحہ ۱۱۹ج ا۔ میں ہے "عن محمد بن عبدالله النمير قال نظرت فى كتاب ابن ابى ليلىٰ فاذا هو يرويه عن يزيد بن ابى زياد وقال احمد انما هو يزيد بن ابى زياد كما روى ابن النمير من كتاب ابن ابى ليلى۔ امام بیہقی معرفۃ السنن والآثار صفحہ ۲۱۹ ج ا۔ المصور میں فرماتے ہیں کہ "وقد رواه محمد بن عبدالرحمن بن ابى ليلىٰ عن اخيه عيسى عن ابيه عن عبدالرحمن عن البراء و محمد بن عبدالرحمن اضعف عند اهل العلم بالحديث من يزيد بن ابى زياد واختلف عليه فى اسناده فقيل هكذا وقيل عنه عن الحكم عن ابن ابى ليلىٰ فعاد الحديث الى يزيد فقال عبدالله بن احمد بن حنبل كان ابى ينكر حديث الحكم وعيسىٰ ويقول انما هو يزيد بن ابى زياد" (یعنی اس کو محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے روایت کیا ہے اپنے بھائی عیسیٰ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عبدالرحمٰن سے انہوں نے براء بن عازب سے اور محمد بن عبدالرحمٰن سخت ضعیف ہے، حدیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک یزید بن ابی زیاد سے بھی زیادہ اور اس کی سند کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے کہا گیا ہے کہ اسی طرح ہے اور کہا گیا کہ انہوں نے حکم سے انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے اور حدیث یزید کی طرف لوٹتی ہے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں میرے والد (امام احمد) حکم اور عیسیٰ کی روایت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے یہ دراصل یزید بن ابی زیاد ہے) ثابت ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ کی کتاب؛ میں اس طرح ہے جب کہ وہ صرف یزید بن ابی زیاد سے روایت کرتا ہے۔ لیکن جب کتاب کے علاوہ بیان کرتا ہے تو وہ (دیگر) کے نام بھی لیتا تھا۔ کبھی خود عیسیٰ سے عن ابیہ عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ تو کبھی حکم اور عیسیٰ دونوں عن البراء سے تو کبھی پھر عیسیٰ سے عن ابیہ والحکم۔ جس طرح کہ اس کا حافظہ خراب تھا اسی وجہ سے کم اور زیادہ بیان کرتا تھا۔ تقریب میں اس کے لیے لکھتے ہیں کہ "سیء الحفظ

جدا" (یعنی ردیٔ الحفظ تھا) ورنہ ان کی روایت صرف یزید بن ابی زیاد سے ہے۔ وھو الخامس .

**والسادس:** ...... یہ بھی مولوی صاحب کا جھوٹ ثابت ہوا کہ وکیع اور ابن ابی لیلیٰ دونوں کو یزید بن ابی زیاد کا شاگرد شمار کر کے نمبر بڑھا رہے ہیں۔ حالانکہ وکیع نہیں ہے۔ صرف ایک ابن ابی لیلیٰ ہے۔ وہ بھی ثقہ نہیں ہے کہ اس کی متابعت کوئی فائدہ دے۔ لیکن ثقات کے مقابلے میں ان کی نقل کو مردود اور منکر کہا جائے گا۔ وھو السابع

**الثامن:** ...... امام بیہقی کی کلام سے معلوم ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ یزید بن ابی زیاد سے زیادہ ضعیف ہے۔ لہٰذا ان کی روایت پر مولوی صاحب جیسے مصنف ہی خوش ہو سکتے ہیں۔ ورنہ منصف اور اہل علم تو جانتے ہیں کہ یزید خود بھی ضعیف اور ان سے ناقل ابن ابی لیلیٰ بھی ضعیف ہے۔ گویا کہ پورا سلسلہ ہی کمزور اور بے کار ہے وھو التاسع .

**عاشر:** ...... جب ابن ابی لیلیٰ کی تحریر اور تقریر میں اتنا بڑا تضاد اور اختلاف ہے تو پھر ایسے شخص کی نقل پر کیا اعتبار ہے؟

**سادساً:** ...... اسماعیل بن زکریا کے متعلق معلوم ہو چکا کہ وہ اس حیثیت کا نہیں ہے کہ ثقات کے مقابلے میں اس کو معتبر مانا جائے۔

**سابعاً:** ...... اسرائیل بن یونس کے متعلق الجوھر النقی صفحہ ۷۶ ج ۲۔ فی ذیل السنن الکبریٰ کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن الجوہر النقی والے نے کوئی سند ذکر نہیں کی اور لکھتے ہیں واخرج البیھقی فی الخلافیات من طریق النضر بن شمیل عن اسرائیل ھو ابن یونس بن ابی اسحاق عن یزید " لیکن بیہقی اور نضر بن شمیل کے درمیان کوئی سند ذکر نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس مجہول روایت کو کس طرح قبول کیا جائے ایضاً مولوی صاحب مخالفت میں راوی کے لیے کچھ نہ کچھ جرح ذکر کرتے ہیں اگر چہ وہ معتبر نہ بھی ہو۔ اس طرح اسرائیل بن یونس میں بھی کوئی نہ کوئی جرح ضرور ہے۔ مثلاً امام ابن المدینی اور ابن حزم انہیں ضعیف کہتے ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ "منھم من یستضعفه " یعنی بعض اس کو ضعیف کہتے ہیں) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ "صالح الحدیث فی حدیثه لین " یعنی صالح الحدیث ہے اور اس کی حدیث میں کمزوری ہے) یحییٰ بن سعید القطان سے منقول ہے "کان لا یر ضاہ " (میزان صفحہ ۹۷ ج ۱) (یعنی وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے) وقال عثمان بن ابی شیبہ عن عبدالرحمٰن بن مہدی اسرائیل لص یسرق الحدیث (تہذیب صفحہ ۲۶۳ ج ۱) (یعنی عثمان بن ابی شیبہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے بیان کرتے ہیں کہ اسرائیل چور تھا احادیث چراتا تھا) درحقیقت ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں اور اسرائیل مشہور ثقہ ہے اور تقریب میں

لکھتے ہیں "ثقة تکلم فیه بلا حجة " (یعنی وہ ثقہ ہے اس میں بغیر دلیل کے کلام کیا گیا ہے۔ اس طرح میزان میں بھی اس کی جرح کو رد کیا گیا ہے۔ لیکن یہ اعتراض ہم نے صرف مولوی صاحب کے طریقے کے مطابق پیش کیا ہے۔ جس طرح کہ وہ ان پر قائم ہے۔ اس کے علاوہ ذہبی نے میزان صفحہ ۹۸ ج ا۔ میں لکھا ہے "شعبة اثبت منه الا فی ابی اسحاق " (یعنی شعبہ اس سے زیادہ ثابت ہے سوائے ابو اسحاق کے ؟) اور یہ روایت ابو اسحاق سے نہیں ہے شعبہ کی روایت میں ثم لا یعود کا لفظ نہیں ہے لہٰذا ان کے مقابلے میں اسرائیل کی روایت قبول نہ ہوگی۔ ایضاً صاحب جوہر النقی نے نضر بن شمیل کا نام ذکر کیا ہے۔ یہ راوی بھی آپ احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے کیونکہ آپ کا ہم عصر مذہبی بھائی مولوی خالق ڈنو ھالائی جن کی تحریر ہمارے پاس موجود ہے صفحہ ۱۳ پر ایک روایت کے متعلق لکھتا ہے "اوّلا: اس کی سند کا ایک راوی نضر بن شمیل ہے جو احناف کے سلسلے میں سخت متعصب ہے اور اسی نے احناف کثر ھم اللہ جماعتھم کی کتابوں کو مامون کے دور خلافت میں دھونے کا حکم دیا تھا'' (ابن ماجہ اور علم حدیث) پھر اس کی روایت آپ کو کیا فائدہ دے گی۔

**ثامناً**: ...... ابن ابی لیلیٰ کے متعلق ابو داؤد اور دار قطنی کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے متعلق پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ وہ ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔

**الغرض**: ...... مولوی صاحب نے چھ کے نام لیے جس میں سفیان اور وکیع کے متعلق ان کا جھوٹ ثابت ہوا۔ باقی چاروں میں اسرائیل تک روایت نہیں پہنچتی۔ اس کی سند نہیں۔ جتنی ہے وہ بھی غیر معتبر ہے۔ باقی تین اشخاص ان میں سے ابن ابی لیلیٰ ضعیف بلکہ یزید سے بھی اضعف اور شریک متغیر الحفظ ہے اور باقی اسماعیل بن زکریا ثقات کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ دوسری طرف مشہور ثقہ امام اور علم حدیث کے ماہر ہیں اسی وجہ سے محدثین نے ان کی بات کو صحیح اور ان کے مقابلے میں ضعیف راویوں کی نقل کو رد فرمایا ہے۔

**الغرض**: ...... مولوی صاحب کا یہ جواب بھی بے کار ہو کر ان کے منہ پر لگا۔

**تاسعاً**: ...... ان سب اعتراضات کو چھوڑ کر اور اس ساری تقریر کو خیال میں نہ بھی لایا جائے تب بھی اتنا ماننا پڑے گا کہ راویوں کا اختلاف ہے ایک یزید بن ابی زیاد سے ثم لا یعود نقل کرتے ہیں۔ دوسرے نقل نہیں کرتے لیکن ان کے لیے فیصلہ آسان ہے کہ جنھوں نے اس زیادتی کو نقل کیا ہے انہوں نے حافظہ خراب ہونے کے بعد نقل کیا ہے اور جو یزید کے حفظ ردی ہونے سے قبل کے راوی ہیں۔ ان کا سماع اس سے قدیم ہے وہ یہ الفاظ نقل نہیں کرتے۔ جس طرح امام بیہقی صفحہ ۷۶ ج ۲۔ میں امام ابو سعید عثمان بن سعید سے نقل کرتے ہیں "انما جاء بها من سمع بآخره " (یعنی یہ زیادتی والے الفاظ وہ نقل کرتا ہے جس نے

آخری عمر میں سماع کیا ہے) امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں کہ "والمحفوظ ما روی عنہ الثوری و شعبۃ وابن عیینۃ قدیما" (یعنی محفوظ وہ بات ہے جو ان سے ثوری اور شعبہ اور ابن عیینہ نے قدیم روایت کیا ہے)

**عاشراً:** ...... ان سب طرق اور اسناد کا مدار یزید بن ابی زیاد ہے۔ سب اس ایک سے نقل کرتے ہیں۔ ان کا حال اوپر معلوم ہوا۔ لہٰذا مولوی صاحب جتنے بھی نام لیں تب بھی روایت ضعیف ہے، کیونکہ یزید مشہور ضعیف راوی ہے۔ ان کو مولوی صاحب نے بچانے کی کوشش کی لیکن بے سود جس طرح بعد میں ظاہر ہوگا۔

تیسرا جواب اس طرح دیتے ہیں ''مولوی محمد عمر صاحب خود مشکوٰۃ کے حاشیہ صفحہ ۳۸۶ میں لکھتے ہیں کہ ثقہ راویوں کی زیادتی بالاتفاق قبول ہے، پھر ان معتبر راویوں سفیان اور وکیع وغیرہ سے زیادہ کون ثقہ ہوں گے۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** مولوی محمد عمر صاحب کا کہنا صحیح ہے اور اس کو مولوی صاحب نے غلط استعمال کیا ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب نے کسی ثقہ راوی کی روایت پیش نہیں کی اور یہ قانون ثقہ اور معتبر راوی کے لیے ہے۔ نہ کہ ابن ابی لیلیٰ جیسے لوگوں کے لیے۔ مولوی صاحب کے اس استدلال پر پرانا مقولہ بالکل صادق آتا ہے کہ "کلمۃ حق ارید بھا الباطل."

**ثانیاً:** ...... زیادتی ایسے ثقہ راوی کی معتبر ہوتی ہے۔ جو دیگر راویوں جیسا حفظ اور عدالت میں مشہور ہو۔ اوپر دوسرے باب میں "اذا قرأ فانصتوا" کی بحث میں امام ابن خزیمہ کی عبارت گذری کہ ثقہ کی زیادتی اس وقت معتبر ہے جب یہ سب ثقہ، حفظ اور اتقان میں برابر ہوں۔ پھر ایک ان میں سے کچھ الفاظ زیادہ ذکر کرے نہ کہ اس حالت میں جو عام ثقہ ایک طرح نقل کرتے ہیں لیکن ایک جو حفظ اور اتقاق میں ان سے کم ہے۔ وہ کوئی زیادتی کرے تو وہ بھی قبول کی جائے، اس طرح صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ابی لیلیٰ ان ثقات میں کسی ایک جیسا بھی نہیں ہے جنہوں نے یہ زیادتی ذکر نہیں کی مثلاً سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ شعبہ اور دیگر لہٰذا اس مقام پر یہ قاعدہ مولوی صاحب کے لیے مفید نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ...... مولوی صاحب وکیع اور سفیان کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کون ثقہ ہوگا۔ یقیناً یہ اوثق الناس میں شمار ہیں۔ لیکن ان دونوں نے یہ زیادتی ذکر نہیں کی۔ بلکہ سفیان ثوری کی روایت بغیر زیادتی کے ہے۔ جس طرح اوپر بیان ہوا۔ ہمیں مولوی صاحب کی بے بسی پر رحم آتا ہے جو ادھر اُدھر ہاتھ مار کر رسالوں سے باتیں تلاش کرتا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف ظاہر ہوں رہی ہے۔ پھر بے چارے کو خواہ مخواہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ وہ جو بھی نئی بات دیکھتے ہیں اس کو خوشی سے پیش کرتے ہیں اس کا انہیں ایسا جواب ملتا ہے جس سے ان کے دانت کھٹے (ترش) ہو جاتے ہیں۔

**الغرض:** یزید بن ابی زیاد سے یہ زیادتی نقل کرنے والے خود ثقہ یا معتبر راوی نہیں ہیں۔ جو ثقہ اور معتبر ہیں وہ یہ زیادتی نقل نہیں کرتے تحقیق کا میدان نہایت وسیع ہے اور مولوی صاحب کا گھوڑا اس کو سر نہیں کر سکتا۔

**دوسرا اعتراض:**...... اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ ''اس روایت میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے لہٰذا یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے۔''

**جواب:** ...... یہ اعتراض بالکل واضح ہے یزید کا حال اوپر اچھی طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کا حافظہ ایسا خراب تھا کہ وہ کوفیوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا تھا۔ بقول امام حمیدی احادیث میں الفاظ بڑھاتا تھا۔ بقول امام نسائی متروک الحدیث یعنی متہم بالکذب ہے۔ بقول امام شعبہ ''سینے پرونے'' کا کام کرتا تھا ابو اسامہ کہتے ہیں کہ اگر پچاس قسمیں بھی اٹھائے تب بھی اس کو سچا نہ مانا جائے۔ جس طرح اوپر گذرا۔ ایسے راوی کو انتہائی درجے کا ضعیف اور گرا ہوا کہا جائے گا۔ ان کی توثیق ہرگز ثابت نہ ہو سکے گی۔ نیز یہ شیعہ کے ائمہ میں سے تھا اور اس وقت کوفہ شیعوں کا مرکز تھا۔ پھر ایسا شخص تو اللہ تعالیٰ انہیں دے جس طرح چاہیں اس سے کام لیں۔ مولوی صاحب نے ایسے شخص کو بچانے کی کوشش کر کے اپنی شخصیت کو سیاہ داغ لگایا ہے۔ جس طرح آگے چل کر معلوم ہوگا۔

**صفحہ ۹۷:**...... اس اعتراض کے متعلق دو جواب دیتے ہیں پہلا یہ کہ ''یہ حدیث کی بالا کتب میں موجود ہے اس کے باوجود یہ راوی والا اعتراض کرنے سے ثابت ہوگا کہ حدیث کی کتب جو طبقہ ثانیہ میں شمار ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ حدیث کی صحیح کتب پر ایسے اعتراض کرنا صحیح نہ ہوگا''

**جواب:** ...... **اوّلا:** یہ قانون کس کتاب میں ہے کہ طبقہ ثانیہ کی کتب کی سب روایات صحیح ہیں اور ان میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے۔ یہ مولوی صاحب کی اپنی دماغی اختراع ہے۔ یہ ان کے چہیتوں کو قبول ہوگی جنہوں نے یہ کتاب چھپوائی ہے۔ لیکن علم حدیث سے ذرہ برابر تعلق رکھنے والے اس کو قبول نہ کریں گے۔

**ثانیاً:** ...... خود آپ کے رہنماء علامہ عبدالحق دہلوی حنفی مقدمہ مشکوٰۃ صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں کہ "ففی هذه الكتب الاربعة (ترمذی ، ابو داؤد ، نسائی ، ابن ماجه) اقسام من الاحاديث من الصحاح والحسان والضعاف وتسميتها بصحاح الست بطريق التغليب" (یعنی ان چار کتب میں مختلف قسم کی احادیث ہیں بعض صحیح اور حسن تو بعض ضعیف ہیں ان کا نام صحاح ستہ اغلبیت کے طور پر رکھا گیا ہے) ثابت ہوا کہ اس طبقہ کی کتب میں ضعیف احادیث بھی ہیں اور تغلیباً ان کتب کو صحیح شمار کیا گیا ہے۔ نہ کہ ان کی سب احادیث صحیح ہیں۔ خود آپ کے شیخ اکبر نے آپ کی حجامت کر ڈالی۔

**ثالثاً:** ...... خود ابو داؤد، نسائی اور ترمذی، تینوں ائمہ نے اپنی سنن میں کئی احادیث کو ضعیف اور غیر ثابت کہا

ہے پھر مولوی صاحب کا ایسا اعتراض خالص جہالت ہے۔

**رابعاً:** ......خود ان تینوں ائمہ نے کئی راویوں کو ضعیف کہا ہے جو لوگ روز مرہ ان کتب کو پڑھتے رہتے ہیں ان سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ اب قارئین انصاف کریں کہ ایسے راوی پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے یا اس اعتراض پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے؟ وہ بھی ایسا واہی اعتراض جس کا نہ کوئی منہ ہے نہ دم۔

**خامساً:** ......سنن نسائی میں یزید ابی زیاد کی روایات ہیں لیکن امام نسائی خود اس کے حق میں کہتے ہیں کہ "لیس بالقوی متروك الحدیث"

**سادساً:** ......امام ابو داؤد جس سنن میں یزید بن ابی زیاد کی روایت مولوی صاحب کو پیش کردہ لائے ہیں اور خود اس کو غیر صحیح کہہ رہے ہیں۔ پھر مولوی صاحب نے یہ تمام باتیں بھلا کر یہ قانون کہاں سے نکالا ہے۔

**سابعاً:** ......مولوی صاحب خود ہی اس قاعدے کا قائل نہیں ہے چنانچہ محمد بن اسحاق سنن اربعہ نسائی، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے۔ بخاری میں تعلیقاً ان کی روایات ہیں صحیح مسلم میں بھی ان کی روایات ہیں پھر ایسے راوی پر مولوی صاحب نے کیوں اعتراض کیا۔

**ثامناً:** ......خود ابن اسحاق کی روایت تینوں کتب نسائی، ابو داؤد اور ترمذی میں موجود ہے اور حدیث کی دیگر کتب میں موجود ہے۔ پھر جبکہ مولوی صاحب کے بقول یہ تینوں کتب صحاح میں سے ہیں پھر ان پر اعتراض کس طرح صحیح ہوگا؟ مولوی صاحب کو خبط کا عارضہ لاحق ہے۔ خود اعتراض کرتے ہیں اور پھر خود اس کو گراتے (ختم کرتے) ہیں۔

**تاسعاً:** ......خود مولوی صاحب صحیحین کی روایات پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ یہ کتب پہلے طبقہ کی ہیں اور دوسروں کو دوسرے طبقہ کی کتب کی احادیث پر اعتراض کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ یہ کون سا انصاف ہے؟

**عاشراً:** ......جب یزید کے بارے میں واضح اور صاف جرح موجود ہے اس کے مقابلے میں صرف یہ کہنا کہ فلاں کتاب میں حدیث موجود ہے لہٰذا اس پر اعتراض نہ کیا جائے یہ قاعدہ نہ تو محدثین کا ہے اور نہ فقہاء کا معلوم نہیں کہ مولوی صاحب کس دنیا کی باتیں کر رہے ہیں۔

**الحادی عشر:** ......حافظ ابن حجر النکت قلمی صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں۔ "ان فیها شیئا کثیرا لا یصلح للاحتجاج به بل وفیها مالا یصلح للاستشهاد من حدیث المتروکین" (یعنی ان میں کئی ایسی چیزیں ہیں جو کہ احتجاج کے بھی قابل نہیں ہیں بلکہ ایسی بھی ہیں جن سے استشہاد لینا بھی صحیح نہیں جیسا کہ متروکین کی حدیث) پھر جب ان پانچ کتب (مسند احمد، نسائی، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ) میں کئی احادیث حجت لینے کے قابل نہیں ہیں۔ بلکہ کئی ایسی بھی ہیں جو کہ صرف شہادت یا متابعت کی حیثیت کی بھی

ہے پھر مولوی صاحب کا ایسا اعتراض خالص جہالت ہے۔

**رابعاً:** ...... خود ان تینوں ائمہ نے کئی راویوں کو ضعیف کہا ہے جو لوگ روز مرہ ان کتب کو پڑھتے رہتے ہیں ان سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ اب قارئین انصاف کریں کہ ایسے راوی پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے یا اس اعتراض پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے؟ وہ بھی ایسا واہی اعتراض جس کا نہ کوئی منہ ہے نہ دم۔

**خامساً:** ...... سنن نسائی میں یزید ابی زیاد کی روایات ہیں لیکن امام نسائی خود اس کے حق میں کہتے ہیں کہ "لیس بالقوی متروك الحدیث"

**سادساً:** ...... امام ابوداؤد جس سنن میں یزید بن ابی زیاد کی روایت مولوی صاحب کو پیش کردہ لائے ہیں اور خود اس کو غیر صحیح کہہ رہے ہیں۔ پھر مولوی صاحب نے یہ تمام باتیں بھلا کر یہ قانون کہاں سے نکالا ہے۔

**سابعاً:** ...... مولوی صاحب خود ہی اس قاعدے کا قائل نہیں ہے چنانچہ محمد بن اسحاق سنن اربعہ نسائی، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے۔ بخاری میں تعلیقاً ان کی روایات ہیں صحیح مسلم میں بھی ان کی روایات ہیں پھر ایسے راوی پر مولوی صاحب نے کیوں اعتراض کیا۔

**ثامناً:** ...... خود ابن اسحاق کی روایت تینوں کتب نسائی، ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے اور حدیث کی دیگر کتب میں موجود ہے۔ پھر جبکہ مولوی صاحب کے بقول یہ تینوں کتب صحاح میں سے ہیں پھر ان پر اعتراض کس طرح صحیح ہوگا؟ مولوی صاحب کو خبط کا عارضہ لاحق ہے۔ خود اعتراض کرتے ہیں اور پھر خود اس کو گراتے (ختم کرتے) ہیں۔

**تاسعاً:** ...... خود مولوی صاحب صحیحین کی روایات پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ یہ کتب پہلے طبقہ کی ہیں اور دوسروں کو دوسرے طبقہ کی کتب کی احادیث پر اعتراض کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ یہ کون سا انصاف ہے؟

**عاشراً:** ...... جب یزید کے بارے میں واضح اور صاف جرح موجود ہے اس کے مقابلے میں صرف یہ کہنا کہ فلاں کتاب میں حدیث موجود ہے لہٰذا اس پر اعتراض نہ کیا جائے یہ قاعدہ نہ تو محدثین کا ہے اور نہ فقہاء کا معلوم نہیں کہ مولوی صاحب کس دنیا کی باتیں کر رہے ہیں۔

**الحادی عشر:** ...... حافظ ابن حجر النکت قلمی صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں۔ "ان فیھا شیئا کثیرا لا یصلح للاحتجاج به بل وفیھا مالا یصلح للاستشھاد من حدیث المتروکین" (یعنی ان میں کئی ایسی چیزیں ہیں جو کہ احتجاج کے بھی قابل نہیں ہیں بلکہ ایسی بھی ہیں جن سے استشہاد لینا بھی صحیح نہیں جیسا کہ متروکین کی حدیث) پھر جب ان پانچ کتب (مسند احمد، نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ) میں کئی احادیث حجت لینے کے قابل نہیں ہیں۔ بلکہ کئی ایسی بھی ہیں جو کہ صرف شہادت یا متابعت کی حیثیت کی بھی

نہیں ہیں۔ تو پھر مولوی صاحب ایسی بات کس طرح کرتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کا ضعف اور خرابی یا راویوں کے ضعف سے ہوتا ہے یا کوئی دوسری علت کی بناء پر ہوتا ہے۔

**الثانی عشر**: ...... حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۱۳۰ پر فرماتے ہیں کہ "فهذا المحتج ان كان متاهلا لمعرفة الصحيح من غيره فليس له ان يحتج بحديث من السنن من غير ان ينظر فى اتصال اسناده وحال رواته كما انه ليس له ان يحتج بحديث من المسانيد حتى يحيط كلما بذالك وان كان غير متاهلاً لدرك ذالك فسبيله ان ينظر فى الحديث ان كان قد خرج فى الصحيحين او صرح احد من الائمة لصحته فله ان يقلد فى ذالك وان لم يجد احدا صححه ولا حسنه فما له ان يقدم على الاحتجاج به فيكون كحا طب ليل فلعله يحتج بالباطل وهو لا يشعر . اب مولوی صاحب اپنی قسمت کا فیصلہ کریں کہ ان کی علمی حیثیت کیا ہے؟ اور ان کتب میں سے صحیح اور غیر صحیح کی تمیز کر سکتے ہیں؟ راویوں کے حال سے مکمل طور پر واقف ہیں؟ ان کے متعلق جرح وتعدیل کے جو مختلف اقوال ہیں ان میں سے تحقیق کر کے صحیح قول کا انتخاب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ پہلی صورت میں تو خود بھی مقلد نہ رہے۔ بلکہ مجتہد اور غیر مقلد ٹھہرے۔ پھر دوسروں کو غیر مقلد کہہ کر خود کو علیحدہ کیوں سمجھتے ہیں۔ یا خود کو ان میں شمار کیوں نہیں کرتے ایضاً اس صورت میں ان کا یہ جواب غلط ہے کیونکہ یزید بن ابی زیاد کے متعلق جرح عام اور متواتر ہے۔ سب ان کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ اس کے لیے دلائل موجود ہیں۔ یزید کا حافظہ خراب ہے۔ غلطیاں اور خطائیں بہت کرتا تھا۔ لفظ بڑھاتا تھا حدیث کے دشمنوں کا آلہ تھا۔ ایسے دلائل ہونے کے باوجود بھی راوی کو ضعیف نہ ماننا یہ تحقیق ہے یا اندھی تقلید بلکہ تقلید بھی نہیں کیونکہ ائمہ سابقین اس کو ضعیف کہہ چکے ہیں۔ بلکہ یہ مذہبی تعصب اور حدیث سے دشمنی ہے۔ دوسری صورت میں اگر مقلد ہے تب بھی اس روایت کو حجت یا دلیل کہنے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روایت نہ تو بخاری اور مسلم میں ہے اور نہ ائمہ نقاد حدیث میں سے کسی ایک نے اس کو حسن یا صحیح کہا ہے جس کی مولوی صاحب تقلید کر رہے ہیں۔ بلکہ عام ائمہ حدیث ابن عیینہ، احمد، یحییٰ بن معین، حمیدی، بزار بخاری، ابو داؤد، ابن وضاح، دارقطنی، عثمان الدارمی، ابن ابی حاتم، بیہقی، حاکم ابن عبدالبر۔ خطیب بغوی وغیرہم سب نے اس کو ضعیف کہا ہے حتی کہ بقول حافظ ابن الملقن، النووی اور ابن حجر اس کے ضعیف ہونے پر سب ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ پھر کس طرح ایسی حدیث کے راوی کو بچایا جا سکتا ہے سچ ہے کہ

شیر نیستان دگر است

وشیر جیستان دگر

بلکہ یہ رتبہ صحیحین کی روایت کا ہے جیسا کہ حافظ صاحب کی اوپر والی عبارت سے ظاہر ہوا۔ یعنی پہلے طبقے کی یہ شان ہے۔ دوسرے طبقہ والوں کے لیے نہیں۔ مولوی صاحب اس کے برعکس ہوس پرستی کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ طبقہ اولیٰ والی حدیث (ابن عمر کی) پر اعتراض کی جرأت کرتے ہیں اور طبقہ ثانیہ والی حدیث پر اعتراض کرنے والے پر غصہ کر رہے۔ ہیں پھر اگر چہ یہ اعتراض کتنا ہی قوی مضبوط اور دلائل سے آراستہ ہی کیوں نہ ہو۔

**الغرض:** ......مولوی صاحب کا یہ اعتراض تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہے: ﴿وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ بلکہ اس تفصیل سے یہ اعتراض تو یزید پر ہے۔ چودھویں کے چاند سے زیادہ روشن اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے والحمد للہ۔

دوسرا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ ''راوی یزید بن ابی زیاد بھی ضعیف نہیں ہے'' سبحان اللہ! یہ ہے چودھویں اور پندرھویں صدی کا امام الجرح والتعدیل اس گستاخی کا مصداق بھی خود بنا ہے۔ جو صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں کہ ''لوگ سب مر گئے تو ذکر ہوا فقیر'' جو جرح وتعدیل کے امام ہیں اور جھوٹ اور سچ کو پرکھنے والے ہیں وہ سب اس کو ضعیف کہہ چکے ہیں امام یحییٰ بن معین جن کے حق میں امام احمد فرماتے ہیں۔ اعلمنا بالرجال (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۴۳۰ ج ۲) یعنی ہم سب سے زیادہ رجال کو جاننے والا ہے) نیز فرماتے ہیں کہ: خلقه الله تعالىٰ لهذا الشان يظهر كذب الكذابين " (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مقام کے لیے پیدا کیا تھا تاکہ جھوٹوں کے جھوٹ کو ظاہر کرے) آپ کی وفات کے بعد آپ کی نعش کے پیچھے لوگوں کی آواز آرہی تھی "هذا الذى كان ينفى الكذب عن الرسول الله ﷺ (تهذيب صفحه ۷۶۔ ۲۷۷ ج ۱۱) (یعنی یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ کو دور کیا کرتا تھا) امام احمد جن کے لیے امام قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں "لو كان ادرك احمد بن حنبل عصر الثورى ومالك والاوزاعى والليث بن سعد لكان هو المقدم۔ (یعنی امام احمد بن حنبل اگر ان مذکورہ ائمہ کا زمانہ پاتے تو ان سب سے مقدم ہوتے نیز امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں "كان احمد بن حنبل بارع الفهم لمعرفة الحديث بصحيحه وسقيمه " (مقدمة الجرح والتعديل لا بن ابى حاتم صفحه ۳۰۹) (یعنی امام احمد حدیث کی صحت اور سقم کو بہت جلد سمجھنے والے تھے) اور امام دارقطنی خود اہل بغداد کو پکار کر کہتے ہیں کہ "يا اهل بغداد لا تظنوا ان احدا يقدر يكذب على رسول الله ﷺ وانا حى " (تهذيب تاريخ ابن عساكر صفحه ۱۴) (یعنی اہل بغداد جب تک میں زندہ ہوں کوئی بھی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے کی قدرت نہیں رکھ سکتا) اور علامہ عبدالحئی لکھنوی الرفع والتکمیل صفحہ

۱۲۵ پر ان دونوں ائمہ احمد اور دار قطنی کو معتدلین انصاف کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی متشدد نہیں ہیں جو حدود سے بڑھ جائیں اور نہ ہی ایسے متساہل ہیں جو تھوڑی بہت جرح سے چشم پوشی کر جائیں۔ ان سب نے اس (یزید بن ابی زیاد) کو ضعیف کہا ہے۔ جیسا کہ عبارتیں گذریں ابن عدی کا قول میزان میں ہے۔ اس طرح امام ابن المدینی جس کے لیے امام ابو حاتم فرماتے ہیں "کان ابن المدینی علما فی الناس فی معرفۃ الحدیث والعلل (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ٤٢٨ ج٢) (یعنی ابن مدینی لوگوں میں معرفت حدیث اور علل کی پہچان کرنے والے تھے) انہوں نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے (کتاب الضعفآء للعقیلی صفحہ ۲۹۸ ج ۲ قلمی) اور بھی بہت ہیں جن کے اقوال ذکر کیے گئے۔ ان سب کے مقابلے میں بڑا شیر کہا جائے گا کہ وہ ضعیف بھی نہیں ہے۔ کون سا عقلمند ہے جو ایک قول کو قبول کرے۔

**ثانیاً:** ...... انہوں نے اپنی جرح کے لیے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ پھر ایسی مفسر جرح کا مولوی صاحب کس طرح انکار کرتے ہیں۔ مولوی صاحب کون سے جرح وتعدیل کا امام اور ماہر ہیں جو ان کے قول کی طرف توجہ کی جائے بیچارے رسائل پر گذارہ کرنے والے آئمہ حدیث کے مقابلے میں اپنا فیصلہ پیش کرتے ہیں۔

"آخر آمد بود فخر الاولین" اس اجمال کے بعد تفصیلی جواب عرض کیا جاتا ہے کہ یہاں پر مولوی صاحب نے چار اماموں کے نام لیے ہیں پہلا ابو داؤد کا قول اس طرح نقل کیا ہے "میں نہیں جانتا کہ کسی نے ان کی روایت کو چھوڑا ہو اور دوسرا اس سے زیادہ مجھے پیارا ہو۔"

**جواب:** ...... **اوّلاً:** مولوی صاحب نے عبارت کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ تہذیب صفحہ ۳۳۰ ج ۱۱۔ میں عبارت اس طرح ہے "قال الاجری عن ابی داؤد لا اعلم احدا ترك حديثه وغيره احب الی منه" حالانکہ دوسرے حصے کا ترجمہ اس طرح سے ہے کہ یزید بن ابی زیاد کا غیر مجھے اس سے زیادہ پیارا ہے۔ مطلب یہ کہ طبقہ ثانیہ کی روایت اس کے مقابلے میں میرے نزدیک مقدم ہے۔ مولوی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں لفظ غیر۔ لفظ "احدا" پر عطف ہوگا یعنی لا اعلم کا مفعول بنا۔ یہ عبارت غیر مناسب ہونے کے ساتھ محدثین کی عام اصطلاح کے بھی خلاف ہے۔ جس شخص نے جرح وتعدیل کی کتب کا مطالعہ کیا ہے ان سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ نیز اس کا مطلب ہوگا کہ امام ابو داؤد یزید کو اپنے سب ہم عصروں سے مقدم سمجھتا ہے جن میں کئی مشہور کبار ثقات ہیں۔ مثلاً زہری، مجاہد، عکرمہ، اسماعیل بن ابی خالد، ثابت البنانی وغیرہم، ان سب سے یزید کو ابو داؤد ترجیح دے ہرگز ممکن نہیں ہے۔ ابو داؤد تو ایک بڑے امام ہیں، لیکن ایک ادنی عالم جس کو صرف دور سے ہی اسماء الرجال کی خوشبو آئی ہو وہ بھی یہ بات قبول نہیں کرے گا۔ وھو الثانی۔

**ثالثاً:** ...... یہ بات حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ کئی ائمہ حدیث جن میں امام ابوداؤد کے اساتذہ بھی شامل ہیں مثلاً احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، علی بن المدینی یہ سب اس کو ضعیف کہیں پھر بھی ابوداؤد کہے کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس کی روایت کو چھوڑا ہو۔ بلکہ لغایۃً اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ بالکلیہ اس کی روایات نہیں چھوڑی گئیں مثلاً متابعت یا شہادت کی صورت میں یا ثقات اور حفاظ کی موافقت میں نقل کرے یا تو ایسی روایات جو ان کے حافظہ کے خراب ہونے سے قبل کی ہوں تو اور (الگ) بات ہے۔ مثلاً حافظہ خراب ہونے سے قبل رفع الیدین کا اثبات کرتا ہے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کا ذکر کرتا ہے تو اس جیسی روایت لینے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہ اس وقت کی ہے جب حافظہ سلامت تھا اور کوفیوں کے پنجے میں نہ آیا تھا۔ ان کی یہ روایت دیگر صحیح روایات کے موافق اور ثقہ حفاظ کی روایات کی تائید میں ہے۔ یہی مراد امام ابوداؤد کے قول کی ہوسکتی ہے اسی وجہ سے خود امام ابوداؤد نے اس کی پچھلی روایت کو ضعیف کہا ہے جس طرح اوپر گزرا۔ وھو الرابع

**خامساً:** ......اسی بنیاد پر ابوداؤد نے اسی روایت کی تعلیل اس طرح کی ہے کہ "روی ھذا الحدیث ھشیم وخالد وابن ادریس عن یزید ولم یذکروا ثم لا یعود" (یعنی اس حدیث کو ہشیم، خالد، ابن ادریس نے یزید سے روایت کیا ہے اور اس میں "ثم لا یعود" کے لفظ ذکر نہیں کیے) یعنی ذکر نہ کرنے والوں کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

**سادساً:** ...... امام ابوداؤد کا یہ قول کہ "میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس کی حدیث کو چھوڑا ہو؟ یہ اس وقت کا ہوسکتا ہے کہ جب انہیں اپنے اساتذہ اور دیگر ائمہ کی جروح معلوم نہ ہوئی ہوں لیکن یہ ناممکن ہے کہ معلوم ہونے کے بعد بھی یہ خیال رکھتا ہو۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ان کا یہ قول پرانا ہے۔ ورنہ اتنے جم غفیر محدثین کے مقابلے میں فرد واحد کا قول کس طرح قبول ہوسکتا ہے۔

**سابعاً:** ......زیادہ سے زیادہ اتنا ہوگا کہ اس میں جرح تعدیل والوں کا اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ اس میں واقع جرح مفسر ہے لہٰذا یہ مقدم ہوگی۔ کیونکہ جرح مفسر ہر حال میں تعدیل پر مقدم ہوتی ہے جیسا کہ عام اہل فن نے ذکر کیا ہے۔ خاص طور پر آپ کے لکھنوی نے الرفع والتکمیل صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے سیوطی ابن حجر، علامہ اکرم سندھی، سخاوی اور نووی سے بھی اس طرح نقل کرتے ہیں۔

**ثامناً:** ......کئی کتب سے نقل کیا گیا کہ اس کو حالت ماقبل پر محمول سمجھا جائے۔

**تاسعاً:** ...... مولوی صاحب نے صفحہ ۸۷ پر یہ قانون ذکر کیا ہے کہ ہم عصر کی بات قبول کی جائے گی بعد والوں کی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس قاعدے کے مطابق ابوداؤد متاخر ہے اس سے ان کی ملاقات نہیں ہے

لیکن اس سے ملاقات کرنے والوں نے جرحین کی ہیں جس طرح شعبہ، سفیان بن عیینہ، ابن فضیل، ابواسامہ اور ابن المبارک وغیرہم جن کی عبارتیں گزر چکی ہیں۔

**عاشراً:** ......مولوی صاحب نے امام ابو داؤد کا سہارا لیا ہے۔ اس میں بھی بڑی غلطی کی ہے ہم امام ابو داؤد سے کچھ نقل کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب اس کو قبول کرتے ہیں یا ابو داؤد کا نام لینے سے ہی توبہ کرتے ہیں چنانچہ ان کی تصنیف کردہ کتاب مسائل الامام احمد صفحہ ۲۷۵۔۲۷۶ باب فی الرأی میں فرماتے ہیں سمعت احمد یقول قال ابن عیینه اصحاب الرای ثلاثة عثمان یعنی التی فی البصرة وربیعة بالمدینة وابو حنیفه بالکوفة" (یعنی احمد سے سنا کہتے تھے ابن عیینہ نے فرمایا اصحاب الرائے تین ہیں ایک عثمان بصرہ والا اور ربیعہ مدینہ میں اور ابوحنیفہ کوفہ میں) پھر نقل کرتے ہیں کہ "سمعت احمد ذکر شیئا من اصحاب الرای فقال یصلون؟ لنقض سنن رسول الله ﷺ) (احمد سے سنا انہوں نے اصحاب رائے کے بارے میں کچھ ذکر کیا فرمایا ..........سنتوں کو ختم کرنے کے لیے کرتے ہیں) اب ان دونوں روایات کو ملا کر مولوی صاحب فیصلہ کریں کہ امام ابو داؤد کی اس نقل پر اعتبار کریں گے؟ نیز فرماتے ہیں کہ "سمعت احمد یقول رای رقبة بن مسقلة رجلا فقال من این جئت قال من عند ابی حنیفة قال مضغت کلاماً کثیرا ورجعت من غیر ثقة" (یعنی رقبہ بن مسقلہ نے ایک آدمی کو دیکھا تو اس سے سوال کیا کہاں سے آئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ابوحنیفہ کے پاس سے کہنے لگے کہ تو نے بہت سا کلام چبایا ہے اور ایسے آدمی سے لوٹا ہے جو ثقہ نہیں ہے) اب مولوی صاحب ابو داؤد کی اس بات کو بھی قبول کریں گے یا صرف اپنے مطلب کو سامنے رکھیں گے۔ تلك عشرة کاملة" اس کے بعد دوسرے نمبر میں مولوی صاحب کہتے ہیں کہ "ابن شاہین کتاب الثقات میں لکھتے ہیں کہ احمد بن صالح نے کہا کہ یزید معتبر ہے۔

**جواب:** ...... **اوّلاً:** احمد بن صالح اس درجہ کا نہیں ہے کہ ائمہ حدیث احمد، ابن معین ابن المدینی دارقطنی اور بخاری وغیرھم کی جرح کے مقابلے میں ان کی توثیق کام دے سکے۔ خاص طور پر جب جرح مفسر واقع ہو۔ نیز احمد بن صالح کا قول حافظہ تبدیل ہونے سے قبل کا ہوسکتا ہے۔

**ثانیاً:** ......ان سے ناقل ابن شاہین ہے مولوی صاحب کو پتہ ہے کہ ابن شاہین نے آپ کے امام کے متعلق کیا کہا ہے فرماتے ہیں کہ "وابو حنیفة فقد کان من الفقه ما لا یدفع من علمه فیه ولم یکن فی الحدیث بالمضی لا ن للاسانید نقادا فاذالم یعرف الاسناد ما یکتب وما کذب نسب الی الضعف والله اعلم (تاریخ جرجان صفحه ۵۱۰ الملحق) اب اس فیصلہ پر مولوی

صاحب اعتبار کریں گے؟

**ثالثاً:** ......احمد بن صالح کا قول اگر بالفرض قبول کیا جائے تب بھی اسی صورت میں کہ اس کی روایت ثقات حفاظ کے خلاف نہ ہو جمعاً بین الاقوال اور یہاں پر اس طرح نہیں ہے۔

**رابعاً:** ......مولوی صاحب آگے اس کا قول لکھتے ہیں کہ ''جو شخص ان کے بارے میں کلام کرتا ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے'' بلکہ لفظ اس طرح ہیں کہ "لا یعجبنی قول من تکلم فیه (تهذیب صفحه ۳۳۱ ج ۱۱) یعنی کلام کرنے والے کا قول مجھے پسند نہیں ہے'' یہ مولوی صاحب کی غلطی ہے کہ قول کے لفظ کو حذف کر کے "من "کو فعل "لا یعجبنی" کا فاعل بناتے ہیں یہ ہے ان کی عرب دانی اچھا احمد بن صالح کبار ائمہ کے لیے اس طرح کیوں کہیں گے مجھے یہ پسند نہیں ہیں بلکہ یہ بات ممکن ہے پسندیدہ شخص کا قول بھی کسی وقت ناپسند ہو سکتا ہے۔لیکن اس جگہ پر یہ کراہت مضر نہیں ہے۔کیونکہ جرح کرنے والوں نے دلائل پیش کیے ہیں۔ان میں احمد بن صالح کو معذور سمجھا جاسکتا ہے لیکن ان کے اس قول سے ائمہ کی تمام جروح دور ہونے کا مولوی صاحب کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔

## کیا امام مسلم نے یزید سے روایت لی ہے؟

تیسرے نمبر پر امام مسلم کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے''

**جواب:** ...... **اوّلا:** امام مسلم نے توثیق تو نہیں کی جس پر مولوی صاحب خوش ہوں۔

**ثانیاً:** ......یہی سوال مولوی صاحب پر وارد ہوگا کیونکہ ابن عمر کی رفع الیدین والی حدیث جو صحیح بخاری اور مسلم دونوں میں ہے پھر بھی اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

**ثالثاً:** ......امام مسلم اس کی کوئی روایت صحیح میں اصولاً یا احتجاجاً نہیں لائے بلکہ دونوں صحیح روایت کے پیچھے متابعت میں لائے ہیں چنانچہ میزان صفحہ ۳۱۱ ج ۳۔ میں ہے "خرج له مسلم مقرونا باخر" (یعنی امام مسلم نے اسی کی روایت زہری سے مقرون لائے ہیں)

**رابعاً:** ......خود امام مسلم مقدمہ صحیح مسلم صفحہ ۳۔۴ ج ۱۔مع النووی میں اس طرح لکھتے ہیں "فانا نتوخی ان تقدم الاخبار التی هی اسلم من العیوب من غیر ها وانقیٰ من ان یکون ناقلوها اهل استقامة فی الحدیث واتقان لما نقلوا لم یو جد فی روایتهم اختلاف شدید ولا تخلیط فاحش کما قد عثر فیه علی کثیر من المحدثین وبان ذالك فی حدیثهم فاذا نحن تقصینا اخبار هذا الصنف من الناس اتبعنا ها اخباراً یقع فی اسانید ها بعض

من ليس بالموصوف بالحفظ والاتقاق كالصنف المقدم قبلهم علىٰ انهم وان كانوا فيما وصفنا دونهم فان اسم الستر واصدق وتعاطى العلم يشملهم كعطاء بن السائب ويزيد ابن ابى زياد وليث بن ابى سليم واضرا بهم من احمال الآثار ونقال الاخبار فهم وان كانوا بما وصفنا من العلم و الستر عند اهل العلم معروفين فغير هم من اقرانهم ممن عند هم ما ذكرنا من الاتقان والاستقامة فى الرواية يفضلو نهم فى الحال والمرتبة لان هذا عند اهل العلم درجة رفيعة وخصلة سنية الا ترى انك اذا وازنت هٰؤلاء الثلثة الذين سميٰنهم عطاء ويز يد وليثا بمنصور بن المعتمر وسليمان الاعمش واسماعيل بن ابى خالد فى اتقان الحديث والاستقامة فيه وجدتهم مبائنين لهم لا يد انونهم لا شك عند اهل العلم بالحديث فى ذالك للذى استفاض عندهم من صحة حفظ منصور والاعمش واسماعيل واتقانهم لحديثهم وانهم لم يعرفوا مثل ذالك من عطاء ويزيد وليث. " اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

**اولاً:**...... یہ کہ امام مسلم اپنی کتاب میں اصلی روایات ان لوگوں کی لاتے ہیں جو حفظ اور اتقان کے لحاظ سے مشہور ہیں اس کے بعد جو حفظ اور اتقان میں گرے ہوئے ہوں ان کی روایتیں ان روایات کی تائید کے لیے لاتے ہیں۔

**الثانی:**...... یزید بن ابی زیاد طبقہ ثانیہ میں سے ہے جو حفظ اور اتقان کے درجے پر نہیں ہیں

**الثالث:**...... ان کی روایات ثقہ کے مقابلے میں کوئی درجہ نہیں رکھتیں۔

**الرابع:**...... یزید بن ابی زیاد اور دوسرے منصور بن معتمر ایسے دیگر ثقہ کے درجے کے نہیں ہیں۔

**الخامس:**...... اہل علم حدیث نے سب کی روایات کو اچھی طرح پرکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ دونوں طبقات میں کتنا فرق ہے۔

**السادس:**...... پھر جب کہ یزید جیسے لوگوں کی روایت منصور اور ان جیسے لوگوں کی روایات کے مقابلے میں مقبول نہیں ہے۔ پھر جو ائمہ حدیث ہیں حفظ اور اتقان میں مثالی انسان ہیں مثلاً سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور شعبہ وغیرھم جیسے لوگوں کے مقابلے میں قطعاً معتبر نہیں ہے۔

**الغرض:**...... امام مسلم کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اگر چہ وہ اپنی کتاب میں یزید کی روایت لائے ہیں لیکن کس ارادے سے اور کس حقیقت سے لائے ہیں اس سے مولوی صاحب کا استدلال کرنا چور کے جھپٹے کے مثل ہے۔ والسابع.

**الثامن:** ...... طبقہ اولیٰ کے راوی عیوب سے پاک ہوتے ہیں۔لیکن نوع ثانیہ کے لیے ایسی ضمانت نہیں ہے۔جس میں یزید بن ابی زیاد بھی شامل ہے۔

**التاسع:** ...... پہلے طبقے والوں میں نہ تخلیط فاحش ہے اور نہ ہی ان کی روایات میں شدید اختلاف ملتا ہے۔ طبقہ ثانیہ یزید اور دیگران کے خلاف ہیں۔یعنی ان میں اس قسم کی تخلیط اور کثرت اختلاف ملتا رہتا ہے۔اسی وجہ سے امام مسلم نے یہاں پر یزید کی یہ روایت ذکر کی ہے جس کی تحقیق و تنقیح کی ہے اور اس میں اختلاف یا تخلیط نظر نہیں آیا اور ثقہ حفاظ کی روایات کے ساتھ موافقت دیکھی لیکن ایسی تحقیق کی یزید کے بارے میں اس روایت کے متعلق نہ مولوی صاحب میں ہمت ہے اور نہ ان کے ہم پیالہ بھائیوں میں۔کیونکہ مفلس مقلد میں یہ حیثیت کہاں سے آئی علامہ رومی مثنوی نے ٹھیک کہا ہے:

آں مقلد ہست چوں طفل علیل
گر چہ دار و بحث باریک وذلیل

اسی وجہ سے علامہ اقبال نے کہا تھا:

تقلید کی روشنی سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

شیخ سعدی نے کہا ہے:

عبادت بتقلید گمراھی ہست
خنکہ رہ روے راک آگاہی ہست

حافظ شیرازی نے کہا ہے:

بادہ خورو غم مخور وپند ینِد مقلد مشو
اعتبار سخن عام چہ خواھد بود ن

بلکہ محدثین کی شان تو یہ ہے تحقیق اور چھان بین کرتے ہیں انہوں نے تو ثابت کیا ہے کہ یزید خود ضعیف ہے اور اس کی یہ روایت غلط مضطرب اور شدید اختلاف والی ہے۔اس میں الفاظ بڑھائے ہوئے ہیں اور علتوں سے معلول ہے وهو العاشر .

**خامساً:** ......مولوی صاحب نے امام مسلم کا نام تو لیا ہے لیکن انہیں علم نہیں کہ ان کے امام کے لیے کیا کہا ہے چنانچہ کتاب التمیز صفحہ ۲۳ ج ۱۔قلمی میں فرماتے ہیں "فاما رواية ابی سنان عن علقمة فی متن هذا الحديث اذا قال فيه ان جبر ئيل عليه السلام قال جئت اسأل عن شرائع الاسلام

فهـذه زيادة مختلقة ليس من الحروف سبيل وانما ادخل هذا الحرف فى رواية هذا الـحـديـث شـر ذمة زيادة فى الحرف مثل ضرب النعمان بن ثابت وسعيد بن سنان ومـن نـحـا فـى الارجـاء نـحو هما وانما ارادوا بذالك تصويبا فى قوله فى الايمان وتـعقيد الارجاء ذالك مالم يرزقوا لهم الا وهنا وعن الحق الا بعدا وزادوا فى رواية الاخبار" تاریخ بغداد صفحہ ۴۵۱ ج ۱۳۔ میں ہے "اخبـر نـا ابـو حـازم الـعبـدون قال سمعت مـحـمـد بـن عبـدالـلـه الجوز قى يقول قرئ على مكى بن عبدان وانا اسمع قيل له سـمـعـت مسـلـم بـن الـحـجـاج يقول ابو حنيفة النعمان بن ثابت صاحب الرأى مـضـطرب الحديث ليس له كبير حديث صحيح۔ اب مولوی صاحب بتائیں کہ امام مسلم کے ان دو اقوال کو بھی قبول کریں گے۔

چوتھے نمبر میں امام ساجی سے نقل کرتے ہیں کہ یزید بڑا سچا ہے۔

## امام ساجی کی توثیق

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ قول اسماء الرجال کی کتب میں نہیں ملتا۔ نہ تہذیب میں، نہ میزان میں اور نہ کسی دوسری کتاب میں صرف آپ کے حنفی بھائی عینی شرح بخاری صفحہ ۲۷۳ ج ۵ طبع منیریہ میں نقل کرتے ہیں

**ثانیاً:** ......عینی کی عبارت اس طرح ہے "وقـال السـاجى صدوق وكذا قال ابن حبان " (یعنی ساجی نے کہا ہے کہ وہ صدوق (سچا) ہے۔ اسی طرح ابن حبان نے کہا ہے) حالانکہ ابن حبان نے صدوق نہیں کہا۔ بلکہ ان کی مکمل عبارت اس طرح سے ہے "وكـان يـزيـد صـدوقـا الا انـه لما كبر ساء حـفـظـه و تـغيـر فـكان يتلقن ما لقن فوقع المنا كير فى حديثه من تلقين غيره واياه واجـابته فيما ليس من حديثه لسؤ حفظه فسماع من سمع منه قبل دخوله الكوفة فى اول عـمـره سـمـاع صـحـيـح وسماع من يسمع منه فى آخر قدومه الكوفة بعد تغير حـفـظـه وتـلـقـنه ما يلقن سماع ليس بشىء " (كتـاب الـضـعـفـآء والمجروحين صفحه ۱۰۰ ج ۳) اسی طرح ابن حبان سے تہذیب صفحہ ۳۳۰ ج ۱۱ میں بھی منقول ہے۔ لیکن علامہ عینی نے مکمل عبارت حذف کر دی ہے۔ جس میں یزید کے متعلق سخت جرح کی گئی ہے اور صرف لفظ صدوق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس سے مولوی صاحب جیسے رسائل پڑھنے والے سمجھیں گے کہ ابن حبان اس کی توثیق کرنے والا ہے۔ حالانکہ انہوں نے اس پر سخت جرح کی ہے اور کتاب الثقات کے بجائے کتاب الـمـجـروحين

والضعفآء والمتروکین میں اس کو ذکر کیا ہے۔ لہٰذا نا معلوم امام ساجی کی بھی کلام ہو سکتی ہے کہ اس میں کافی عبارت حذف کر کے صرف لفظ صدوق نقل کیا ہو۔ لہٰذا یہ کلام قابل اعتبار نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ......امام ساجی نے آپ کے سب ائمہ پر جرح کی ہے چنانچہ حافظ ابن عبدالبر الانتقاء صفحہ ۱۵۰ میں لکھتے ہیں کہ وذکر الساجی فی کتاب العلل له فی باب ابی حنیفة انه استیب فی خلق القرآن فتاب (لسان المیزان صفحہ ۱۲۲ ج ۵) میں امام محمد بن الحسن شیبانی کے ترجمہ میں ہے کہ "قال ذکرنا الساجی کان مرجئا" (یعنی ہمیں ساجی نے بتایا کہ وہ مرجئہ تھا) اب مولوی صاحب امام صاحب کا یہ فیصلہ بھی قبول کریں گے؟

**الحاصل:** ......مولوی صاحب کا یہ جواب بھی کوئی علمی نہیں بلکہ جہالت کا مجموعہ اور پلندہ ہے اس کے بعد مولوی صاحب ابوداؤد کی جرح کی یہ تاویل کرتے ہیں۔

**نوٹ:** ......ابوداؤد جس حدیث کو "لیس بصحیح" (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) کہا ہے اس کو ہم نے اس رسالہ میں بیان نہیں کیا یہ حدیث وہی ہے جو امام ابوداؤد حسین بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے بیان کی ہے۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** امام ابوداؤد حدیث براء کے طرق نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ فیصلہ دیتے ہیں یعنی کسی طرح سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ہی روایت ہے اگر یہ پچھلی سند والی روایت جدا ہوتی اور یہ کلام فقط اسی سند کے لیے ہوتا تو امام صاحب اسی طرح فرماتے کہ "لیس بصحیح بهٰذا الا سناد (یعنی اس سند سے یہ روایت صحیح نہیں ہے) یا کہتے تھے کہ "والاوّل اصح" (پہلی سند زیادہ صحیح ہے) بلکہ انہوں نے مجموعی فیصلہ دیا کہ "هذا الحدیث لیس بصحیح "یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے مولوی صاحب کا یہ اوپر والا کہنا غلط ہے وهو الثانی.

**ثالثاً:** ......مولوی صاحب یہاں پر دو حدیثیں شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک سند ہے۔ جیسا کہ اوپر امام بخاری کی جزء القراءۃ کے حوالہ سے عبارت گذری کہ "انما روی ابن ابی لیلیٰ هذا من حفظه واما من حدث عن ابن ابی لیلیٰ من کتابه فانما حدث عن ابن ابی لیلیٰ عن یزید ورفع الحدیث الی تلقین یزید" یعنی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جو سئی الحفظ اور متغیر الحفظ ہے اس طرح اوپر گذرا اس نے اس روایت کو اسی طریق سے "عن اخیه عیسیٰ عن الحکم عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن البراء جس طرح ابوداؤد میں ہے یہ سند اس نے حفظ (یاد) سے سنائی یہ سب ان کے حافظہ کے خراب ہونے کی وجہ سے ان سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ لیکن ان کے جن شاگروں نے ان کی کتب سے یہ روایت نقل کی ہے اسی یزید کے واسطہ سے ہے۔ یعنی عن ابن ابی لیلیٰ عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ

جس کا مطلب یہ کہ یہ ایک سند ہے۔ دو الگ سندیں نہیں ہیں۔ لہٰذا امام ابو داؤد کے فیصلے کے مطابق مولوی صاحب کی تاویل غلط ہے۔ بلکہ یہ ایک ہی سند ہے۔ جس کو وہ ضعیف کہتے ہیں۔

**رابعاً:**...... امام ابو داؤد پہلی روایت شریک کے طریق سے لائے ہیں جو کہ متغیر الحفظ ہے کما تقدم۔ اس کے بعد سفیان کی روایت لاتے ہیں جو کہ اس سے زیادہ احفظ اور متقن بلکہ اوثق ہے۔ اس کی روایت لاتے اور لکھتے ہیں کہ یہ زیادتی ہر کوئی ذکر نہیں کرتا بلکہ اس سے نقل کرتا ہے کہ یہ زیادتی یزید نے کوفہ میں جانے کے بعد کی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دیگر ثقہ راوی ھشیم خالد اور عبداللہ بن ادریس بھی یزید سے روایت نقل کرتے ہیں لیکن اس میں زیادتی نہیں ہے۔ اس کے بعد امام ابو داؤد ابن ابی لیلیٰ ۱۲ والی سند لا کر فرماتے ہیں کہ "ھذا الحدیث لیس بصحیح" (یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے) بموجب انصاف عبارت سے اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو داؤد کا یہ فیصلہ اس متن کے لیے ہے نہ کہ کسی خاص سند کے لیے لیکن اگر مولوی صاحب خواہ مخواہ یہ فیصلہ صرف بعد والی سند کے لیے مانتے ہیں تب آنکھیں کھول کر دیکھے کہ امام ابو داؤد پہلی سند کو بھی منکر اور شاذ ثابت کر چکے ہیں۔ پھر مولوی صاحب کو ایک سند سے دو سندیں کرنے کا کیا فائدہ؟ اگر ایک بھی ہے تب بھی ضعیف ثابت اور اگر دو ہیں تب بھی ہر ایک کے لیے فیصلہ منظور ہے۔ مولوی صاحب کی اس کوشش کی مثال ایسی ہے کہ سندھی میں کہتے ہیں (یعنی کتاب بھی کھائی تب بھی پیٹ نہ بھرا)

**خامساً:**...... جب عام ائمہ حدیث امام ابو داؤد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس براء والی حدیث کو ضعیف ثابت کیا ہے جس طرح اوپر گذرا پھر مولوی صاحب کی بے معنی تاویل کی طرف کون دیکھے گا؟

تیسرے دلیل مولوی صاحب نے ''جابر بن سمرۃ کی روایت گھوڑوں کی دم والی ذکر کی ہے۔''

## جابر بن سمرۃ والی روایت سے استدلال قطعاً صحیح نہیں ہے

**جواب:** ...... **اولاً:** اس کا اس رفع الیدین (جس کے متعلق بحث جاری ہے) سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ رفع الیدین کے متعلق بے شمار احادیث ہیں جن کے متواتر ہونے کا خود آپ احناف کو بھی اعتراف ہے جس طرح اوپر گذرا۔ جن میں رسول اللہ ﷺ سے قولاً خواہ فعلاً رفع الیدین کا صریح ثبوت ہے۔ لہٰذا اس روایت میں یہ رفع الیدین ہرگز مراد نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے امام بخاری اس روایت سے رفع الیدین عند الرکوع والرفع منہ کی نفی پر دلیل لینے والوں کے لیے کہتے ہیں کہ اس کو علم حدیث کا حصہ حاصل نہیں ہے۔

(جزء رفع الیدین صفحہ ۹ ـ ۱۰ طبع دھلي اور التلخیص الحبیر صفحہ ۸۳ ج ۱)

**ثانیاً:**...... جبکہ رفع الیدین کا قطعی ثبوت موجود ہے اور جابر بن سمرۃ والی روایت جو مولوی صاحب نے نسائی

کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں رفع الیدین کا محل مذکور نہیں ہے۔ بلکہ مطلق ہے۔ مجمل اور مبہم معلوم نہیں کہ وہ لوگ کس وقت ہاتھ اٹھا رہے تھے۔ اس صورت میں یہ روایت اپنے سر خود مولوی صاحب کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ یہ روایت بذات خود نص نہیں ہے بلکہ دوسرے مقدمے کی محتاج ہے۔ جس میں تصریح ہو۔ یہ رفع الیدین رکوع یا اس سے اوپر اٹھتے ہوئے یا دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت ہے ایسا ثبوت اس حدیث سے آج تک نہ کوئی حنفی دے سکا ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی دے سکے گا اس وجہ سے یہ دلیل ناقص ہے۔ مولوی صاحب کے لیے اس کو بطور اپنا دعویٰ پیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ اس سے صحیح اور صریح احادیث کا معارضہ کیا جاسکتا ہے۔

**ثالثاً:**......اگر مولوی صاحب کہیں کہ اس روایت میں مطلق اور عموم ہے تب بھی صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں عموم کا کوئی لفظ نہیں اگر عموم تسلیم کیا جائے تب بھی اتنی ساری بے شمار روایات جن میں اثبات واضح طور پر مذکور ہے۔ وہ اس کی تخصیص کے لیے وہ بہت زائد ہیں۔

**رابعاً:**......مولوی صاحب حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ ''ہم نماز میں رفع الیدین کر رہے تھے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۹۷) اور تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) تکبیر کے ساتھ ہاتھ اُٹھانا۔ (۲) ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہنا (۳) تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھانا۔ تینوں صورتیں حدیث میں آئی ہیں۔ خود آپ کے احناف بھی ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۴۳ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ ''قوله بعد رفع يديه هذا احد الا قوال الثلثة وهو ان يرفع يديه اولا ثم يكبر وصححه في الهدٰاية ونسبه في المبسوط الى عامة مشائخنا وهو ثابت عن النبى ﷺ من حديث ابى حميد الساعدى اخرجه البخارى واصحاب السنن الاربعة والقول الثانى اشار اليه القدورى واختاره قاضى خان وغيره انه يقارن بين التكبير والرفع وتوافقه روايته وائل رضی اللہ عنہ انه راى رسول الله ﷺ يرفع يديه مع التكبير اخرجه احمد وابو داؤد والبيهقى والقول الثالث انه يكبر اولا ثم يرفع يديه ويشهد له حديث ابى داود كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوٰة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه ثم كبر وهما كذالك والحق ان الامر فيه واسع .'' پھر تیسری صورت میں یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ اُٹھانا یہ رفع الیدین تو نماز کے اندر ہوئی۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ سے انسان نماز میں داخل ہوچکا ہے پھر مولوی صاحب اس رفع الیدین کو بھی گھوڑوں کی دم کہیں گے؟ بلکہ لکھنوی صاحب کے حوالہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر پھر رفع الیدین کی ہے۔ اور ابو داؤد صفحہ ۱۰۵ میں ہے ''فقام

رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے قبلہ طرف منہ کیا تکبیر کہی اور ہاتھوں کو اٹھایا۔ یعنی رفع الیدین کی) یہ رفع الیدین تو نماز کے اندر تھی پھر اس کو گھوڑوں کی دم کہنا رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف۔ انتہائی بد خلقی اور گستاخی ہے۔ کوئی بھی با حیا مسلمان اس کے لیے جرات نہیں کر سکتا۔ ثابت ہوا کہ یہ روایت اس رفع الیدین کے لیے نہیں ہے۔ وھو الخامس .

**سادساً**: ...... خود مولوی صاحب آگے چل کر مسئلہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ''کئی بزرگوں اور علماء نے رفع الیدین کو منسوخ کہا ہے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۳۶) یہ بحث تو اپنی جگہ پر آئے گی کہ منسوخ ہے یا نہیں۔ لیکن اتنا ثابت ہوا کہ مولوی صاحب کچھ وقت پہلے رفع الیدین کا ہونا مانتے ہیں کیونکہ منسوخ وہ چیز ہے جو کسی وقت عمل میں ہو پھر اس کو ختم یا بند کیا جائے۔ اگر اصل میں ہی رفع الیدین نہ تھی تو پھر منسوخ کس طرح ہوئی۔ کیونکہ ناسخ کا منسوخ سے پہلے وجود لازمی ہے۔ پھر جب کہ مولوی صاحب مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ وقت رفع الیدین کی ہے تو پھر اس کو جابر بن سمرہ والی گھوڑوں کی دموں والی روایت میں داخل کرتے ہوئے انہیں شرم بھی نہیں آتی۔ کیونکہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے کچھ وقت اگر چہ ایک دفعہ کر کے چھوڑ دیا ہو یا منع کیا ہو تو اس کو مولوی صاحب منسوخ کہے یا ممنوع کہے یا ناجائز کہے لیکن خدا کا خوف کرے اس کو گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ نہ دے کوئی بھی مسلمان ایسی حرکت کو برداشت نہیں کر سکتا۔

**سابعاً**: ...... خود مولوی صاحب نے ترجمہ اس طرح کیا ہے ''حضور ﷺ نے فرمایا کہ انہیں کیا ہوا جو سرکش گھوڑوں کی طرح یہ ہاتھ اُٹھا رہے ہیں۔ (تحفۃ الحدیث صفحہ ۹۷ ـ ۹۸)

**قارئین!** ...... اب انصاف کریں کہ جس رفع الیدین کے متعلق بحث چل رہی ہے اس میں ہاتھ گھوڑوں کی دموں کی طرح اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں کبھی بھی نہیں۔ کیونکہ رفع الیدین میں ہاتھ سیدھے اوپر کندھوں یا کانوں تک اٹھائے جاتے ہیں اور گھوڑوں کی دمیں دائیں بائیں طرف ہلتی ہیں دونوں کی کیفیت میں بڑا فرق ہے۔ جس کو ہر کوئی آنکھوں والا سمجھ سکتا ہے۔ پھر جس طرح ہاتھ اٹھانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ کیفیت اس رفع الیدین کی نہیں ہے اور جو کیفیت منع ہے اس کا عامل کوئی بھی اہل حدیث نہیں ہے۔ یعنی اس روایت کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ ممانعت اس کیفیت کی ہوتی ہے۔ جو گھوڑوں کی دم کی حرکت سے مشابہت رکھتی ہو۔ جس سے ثابت ہوا کہ لوگ ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارے کر رہے تھے۔ تب تو آپ نے ان کو فرمایا کہ گھوڑوں کی دموں کی طرح کیوں ہاتھ اٹھاتے ہو نہ کہ وہ رفع الیدین کندھوں اور کانوں تک کر رہے تھے۔ اس وجہ سے یہ روایت محل نزاع سے خارج ہے کیونکہ جس مسئلے میں بحث ہے اس کے متعلق نہیں ہے۔ وھو الثامن .

**تاسعاً:** ...... اس صورت میں مولوی صاحب کو دو صورتوں میں سے ایک ضرور کرنی پڑے گی اگر اس روایت کو عدم رفع الیدین کی دلیل بناتے ہیں تو پھر منسوخ ہونے کے دعوی سے دستبردار ہوں اور دوسری صورت میں اگر اپنے دعوی پر قائم ہیں تو پھر اس روایت کو دلیل نہ بنائیں۔ ورنہ دونوں باتوں میں زبردست تناقض اور تعارض رہے گا اور ان کے فقہی قانون کے مطابق اذا تعارضتا تساقطتا کے مطابق دونوں باتیں ختم ہوں گی۔

**عاشرا:** ...... اس روایت کے آخر میں کہ "اسکنوا فی الصلوٰۃ" ہے مولوی صاحب ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ "نماز میں سکون کریں" حالانکہ رفع الیدین سکون کے منافی نہیں ہے بلکہ عین سکون ہے۔ خود آپ کے لکھنوی صاحب التعلیق الممجد صفحہ ٦٩ میں لکھتے ہیں کہ: "رفع الیدین عند الافتتاح وغیرہ خضوع واستکانة وابتهال و تعظیم الله واتباع سنة نبیه ﷺ " (یعنی نماز کے شروع وغیرہ میں رفع الیدین کرنا سکون اور خضوع ہے اس میں اللہ کی تعظیم اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع ہے) پھر جو کام خود سکون۔ عاجزی، اللہ کی تعظیم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہو۔ اس کو سکون یا خشوع وخضوع کے خلاف ہرگز نہیں کہا جاسکتا ثابت ہوا کہ یہ حدیث رفع الیدین کے بارے میں نہیں ہے اور نہ یہ حکم یا تشبیہ ان کے لیے ہے جنہوں رکوع یا اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی۔

**الحاصل:** ...... مولوی کا استدلال اس روایت سے ناکام ثابت ہوا۔

**صفحہ ٩٨:** ...... اس کے بعد مولوی صاحب حدیث کے متعلق ہماری کتاب ضرب الیدین سے پانچ اعتراض نقل کرتے ہیں پھر جواب لکھتے ہیں۔

**جواب:** ...... فی الواقع ہم نے ضرب الیدین مولوی میر محمد مرحوم ہالائی کے جواب میں لکھی ہے۔ اس کے صفحہ ۴۳ سے ۵۴ تک ہم نے اس حدیث پر استدلال کرنے پر سولہ اعتراض ذکر کیے ہیں۔ ❶ اس سے مراد سلام کے وقت اشارہ کرنا ہے۔ جیسا کہ مسلم کی دوسری حدیث اس کی تفسیر کرتی ہے۔ ❷ مسلم والی حدیث میں مولوی صاحب نے یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھایا ہے "ونحن رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ" عام محدث اس حدیث کو سلام کے متعلق کہتے ہیں۔ ❸ پھر تکبیر اولی۔ قنوت وتر اور تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کس کے مشابہ ہوگی۔ ❹ امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ سب صحابہ رفع الیدین کرتے تھے لہٰذا جابر بن سمرہؓ ان صحابہ میں شمار ہیں پھر اس کے خلاف کس طرح نقل کرتے ہیں۔ ❺ حدیث میں یہ الفاظ ہیں "انما یکفی احدکم ان یضع یده علی فخذه ثم یسلم" اس سے ظاہر ہے کہ یہ بیٹھنے والی حالت تھی نہ کہ رکوع سے اٹھتے وقت کی۔ ❻ بقول حافظ عراقی پچاس صحابہ سے احادیث منقول ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ رفع الیدین کرتے تھے بلکہ آپ نے حکم بھی کیا اور تا زندگی اس پر عمل پیرا بھی رہے۔ ایسی چیز کو گھوڑوں کی دموں سے کس طرح تشبیہ دیں گے۔ ⑦ خود آپ نے قبول کیا ہے۔ کہ ابتداء اسلام میں آپ رفع الیدین کرتے تھے پھر معاذ اللہ گھوڑوں کی دمیں تھیں۔ ⑧ بلکہ اس طرح سنت کو قبیح چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر سنت سے دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔ ⑨ گھوڑوں کی دموں کا اوپر ہونا دوسری کیفیت ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا رفع الیدین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ⑩ خود علماء احناف نے بھی اس حدیث کو سلام کے متعلق ذکر کیا ہے نہ کہ رفع الیدین کے باب میں جیسا کہ امام طحاوی اور علامہ نیموی کی آثار السنن سے نقل کیا گیا۔ ⑪ اس کے متعلق علماء کا اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ حدیث رفع الیدین کے متعلق نہیں ہے بلکہ سلام کے بارے میں ہے۔ ⑫ بلکہ جب سب صحابہ سے رفع الیدین کرنا ثابت ہے تو ان میں جابر بن سمرہ بھی شمار ہوں گے۔ ⑬ پھر اگر آپ کے کہنے کے مطابق تسلیم کیا جائے کہ یہ حدیث رفع الیدین کے متعلق ہے۔ تب بھی آپ کے اصول حنفی کے مطابق منسوخ کہی جائے گی۔ کیونکہ آپ کے قاعدے کے مطابق راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے یا فتوی دے تو وہ اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ جس طرح کہ اوپر گذرا۔ ⑭ جو کام رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا آپ نے حکم کیا ہو تو وہ عین سکون۔ ⑮ خشوع اور نماز کی زینت ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس سے تعلق نہیں رکھتی کیونکہ اس میں سکون کا حکم ہے اور رفع الیدین سکون کے منافی نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ روایت سلام کے وقت اشاروں سے متعلق ہے۔ جو کہ بظاہر نماز کے لیے داغ ہیں۔ پھر بھی اس سے حنفی نماز کو باطل نہیں کہتے صحیح مانتے ہیں مثلاً بحوالہ قاضی خان صفحہ ۶۵ ج ۱۔ میں مذکور ہے "قبلة المصلی امرأته دون شهوة لا تفسد صلوٰته" یعنی نمازی نے اپنی بیوی کا بغیر شہوت کے بوسہ لے لیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ وغیرہم من المسائل پھر رفع الیدین اس سے بھی زیادہ خشوع اور سکون کے منافی ہے۔ ⑯ اسی مسلم والی حدیث میں یہ لفظ ہیں "یتراصون فی الصف" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوں۔ آپ کا مذہب اس کے خلاف ہے پھر نصف حدیث پر ایمان اور نصف کا کفر کیوں؟ یہ تھے اعتراضات جن میں سے گیارہ تو مولوی صاحب حذف کر گئے حالانکہ ان گیارہ میں سے ہر ایک اعتراض اپنی جگہ پر وزن اور وہ حیثیت رکھتا ہے کہ مولوی صاحب کو اس روایت سے رفع الیدین کی نفی پر استدلال کرنے کا کوئی بھی حق نہیں رہتا۔ مولوی صاحب کا ان اعتراضات سے سکوت کرنا اور ان کو ذکر نہ کرنا دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ یا تو مولوی صاحب ان کے جوابات سے عاجز ہے۔ اور یہی بات قرین قیاس ہے۔ کیونکہ جو پانچ اعتراضات کے جواب ذکر کیے ہیں ان سے ان کی استدلالی خواہ دفاعی دونوں عمل قوتیں ظاہر ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا یا تو ان جوابات کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن پھر اعتراضات کو ذکر کر کے ان کا جواب دینے کا کیا مطلب؟ ان کے استدلال کو رد کرنے کے لیے ایک اعتراض ہی کافی تھا اس کے اجمالی جواب کے بعد تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلا اعتراض اس طرح سے لکھتے ہیں کہ ''وہ (صحابہ) سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارے کرتے تھے اس سے منع فرمایا نہ کہ مسنون رفع الیدین سے۔''

**جواب:**...... **اولاً:** یہاں پر بھی مولوی صاحب نے مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ اس عبارت کے بعد اس طرح سے ہے کہ ''کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہے اسی وجہ سے امام مسلم نے اس کے بعد یہ حدیث لا کر اس کی تفسیر اور مطلب واضح کیا ہے (ضرب الیدین صفحہ ۴۳۔ ۴۴) اس عبارت میں تین باتوں کا بیان ہے۔ ایک تو روایت مبہم ہے ہاتھوں کے اشارے کس وقت کرتے تھے اس کا بیان نہیں ہے اسی وجہ سے تفسیر کی ضرورت ہوئی۔ دوسری یہ کہ ایک حدیث دوسری کا بیان اور تفسیر کرتی ہے تیسرا کہ خود مسلم جس کی کتاب سے مولوی میر محمد مرحوم صاحب نے حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے اس حدیث مبہم سے متصل مفصل حدیث ذکر کر کے تفسیر کر دی ہے۔ مولوی صاحب ان تینوں باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ جس وجہ سے کوئی جواب نہیں دے سکا۔ بلکہ کوشش کی ہے کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ واقعات ہیں اور ان میں فرق ہے حالانکہ ہم نے جو باتیں پیش کی ہیں ان کا یہ جواب نہیں ہے۔

**ثانیاً:**...... جس چیز کو علم حدیث کی معرفت رکھنے والے ثابت کر چکے ہیں وہ تو ایک ہی واقعہ ہے اور صحابی ناقل بھی ایک ہی ہے پھر اس کو دو واقعات ثابت کرنے کے لیے مولوی صاحب نے جو زور لگایا ہے وہ بے سود ہے۔

**صفحہ ۹۹:** ...... تاہم یہاں پر اس کو الگ دو واقعات ثابت کرنے کے لیے چار تو جیہات پیش کی ہیں جن کی حقیقت پیش کی جاتی۔

اول وجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ ''پہلی حدیث میں صاف ظاہر ہے کہ صحابی الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے حضور اکرم ﷺ گھر سے باہر نکلے تو صحابہ کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان ہے''

**جواب:**...... یہ توجیہ سراسر بے کار اور موجب عار ہے۔ کیونکہ پہلی حدیث میں یہ لفظ صریح نہیں کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ اس وقت فرمائے تھے۔ دوسری روایت میں یہ بیان ہے کہ اس طرح اشارہ کرتے تھے۔ اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ آپ ان کو دیکھتے رہے۔ پہلی روایت کے مطابق آپ نے جب دیکھا تب یہ حکم

فرمایا للہذا یہ واقعہ ایک ہے کیونکہ فرض سے قبل جماعتی (نمازی) سنتیں پڑھتے ہیں اور امام جب آتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح کہ ان کی عادت تھی اور آپ نے ان کو منع اس وقت کیا جب آپ کو علم ہوا۔ دوسری وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''پہلی حدیث میں ''رافعوا ایدیکم'' ہاتھوں کو اوپر اٹھانے یعنی رفع الیدین کے صاف الفاظ موجود ہیں اور اس حدیث میں ''اشاربیدہ الی اجانبین ام تو منون بایدیکم'' اپنے ہاتھوں سے دونوں طرف اشارہ کرنا اور تم ہاتھوں سے کس کو اشارہ کر رہے تھے کہ الفاظ بیان ہوئے ہیں۔

**جواب**: ...... یہ وجہ بھی بے ہودہ بلکہ فرسودہ ہے کیونکہ سلام والی صورت میں ہاتھوں کا اٹھانا ہے۔ اس لیے کہ ہاتھ گھٹنوں پر تھے پھر اشارہ تب ہوگا جب گھٹنوں سے ہاتھ اوپر اٹھائے جائیں اس وجہ سے جواب بے نقاب ہے۔

**ثانیاً**: ..... مسلم کی تیسری روایت میں یہ الفاظ ہیں فکنا اذا سلمنا قلنا با یدینا السلام علیکم السلام علیکم ونظر الینا رسول اللہ ﷺ فقال ما شانکم تشیرون با یدیکم کا نہا اذناب خیل شمس اذا سلم احد کم فلیلتفت الی صاحبہٖ ولا یو می بیدہٖ (مع مسلم مع النووی صفحہ ۱۸۱ ج ۱) اشارہ عام ہے کس طرح ہاتھ حرکت کرتے ہاتھ اوپر اٹھتے یا کسی طرف لٹکتے سب اس میں شامل ہیں۔

**ثالثاً**: ...... بلکہ صحیح ابن حبان صفحہ ۲۷۶ ج ۳ بترتیب الفارسی میں اس طرح لفظ ہیں ''کنا اذا مع رسول اللہ ﷺ رفع احد نا یمنۃ ویسرۃ فقال رسول اللہ ﷺ مالی اراکم رافعی ایدیکم کانہا اذ نا ب خیل شمس (الحدیث) یہاں پر صریحاً ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ للہذا مولوی صاحب کی یہ تفریق باطل ہوئی۔ بلکہ ثابت ہوا کہ یہ ایک واقعہ ہے۔ کیونکہ دائیں بائیں کا بھی ذکر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر کرتا ہے۔ للہذا یہ ایک روایت ہے۔

تیسری وجہ میں لکھتے ہیں کہ ''پہلی حدیث میں ہر ایک صحابی کی الگ نماز ہے دوسری حدیث میں سب ملکر ہاتھوں سے اشارے اور سلام کر رہے تھے۔''

**جواب**: ...... یہ وجہ بھی باطل بلکہ خود مولوی صاحب کے لیے قاتل ہے۔ کیونکہ وہی پہلی وجہ ہے جس کا جواب گزر چکا ہے۔ اور بیان ہو چکا۔ کہ آپ نے اس وقت منع فرمایا جس وقت دیکھا اور دیکھا اس وقت جب آپ آرہے تھے نہ کہ آپ کے پیچھے۔ چوتھی وجہ میں لکھتے ہیں کہ ''پہلی حدیث میں رفع الیدین سے منع ہے اور عربی لفظ ہیں اسکنو لفی الصلوٰۃ (یعنی نماز میں سکینت اختیار کرو) اور دوسری حدیث میں یہ لفظ

نہیں ہیں۔

''ببین تفاوت رہ از کجا تا بہ کجاست'' اس سے صاف ظاہر ہوا کہ دونوں احادیث جدا جدا ہیں ایک نہیں ہے۔

**جواب:**...... یہ وجہ بھی غلط ہے۔ بلکہ مولوی صاحب کا جہل اور خبط ہے کیونکہ جس روایت میں یمین اور شمال کا ذکر ہے اس کے بعض طرق میں سکون کا لفظ مذکور ہے چنانچہ صحیح ابوعوانہ صفحہ ۲۳۹ ج ۲ میں روایت اس طرح ہے "عن جابر بن سمرة قال كنا اذا صلينا خلف النبى ﷺ يقول احدنا السلام عليكم السلام عليكم بـا يدينا يمينا وشمالا فقال رسول الله ﷺ. ما بال اقوام يرمون ايديهم كانها اذ ناب الخيل الشمس لا يسكن احدكم فى الصلوٰة ويشير باصبعه على فخذه ثم قال ليسلم احد كم على اخيه عن يمينه وعن شماله" آخری جملہ "لا یسکن" سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے نمازیوں کو فرمایا کہ نماز میں سکون کیوں نہیں اختیار کرتے اور سلام کے وقت دائیں بائیں طرف کیوں اشارہ کرتے ہو۔ بہر حال مولوی صاحب کی یہ امید بھی پوری نہ ہوئی۔

**ثانیاً:**......سکون کا حکم خود دلیل ہے کہ یہ رفع الیدین کے متعلق نہیں ہے بلکہ سلام کے اشاروں کے متعلق ہے۔ کیونکہ رفع الیدین خود سکون ہے۔ اوپر لکھنوی صاحب کی کلام گزری اور شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۰ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ "اسر فى رفع اليدين فعل تعظيمى ينه النص عن ترك الاشتغال النـافية لـلصلوٰة والدخول فى صبرة المناجاة نشرع ابتداء كل فعل من التعظيمات الثلاث لتنبه النفس ثمرة ذلك الفعل مستأنفا" آپ کے حنفی بھائی علامہ طاہر الفتنی الھندی مجمع بحار الانوار صفحہ ۸۰ میں لکھتے ہیں کہ الحكمة فى رفع اليدين انه تكملة واستكانه " (یعنی نماز میں رفع الیدین کی حکمت یہ ہے کہ نماز میں اس سے سکون اور نماز مکمل ہوتی ہے) اس کے متعلق امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی بے نظیر تقریر جو پیش کی جاتی ہے چنانچہ اپنی کتاب القواعدا النورانيه الفقهيه صفحه ٤٨ میں فرماتے ہیں "ومن ظن ان نهيه عن رفع الايدى هو النهى عن رفعها الىٰ منكبه حين الركوع وحين الرفع منه وحمله على ذالك فقد غلط فان الحديث جاء مفسراً بانهم كانوا اذا سلموا فى الصلواة سلام التحليل اشاروا بايديهم الى المسلم عليهم من عن اليمين ومن عن الشمال وتبين ذالك قوله مالى ارا كم رافعى ايديكم كانها اذناب خيل شمس والشمس جمع شموس وهوالذى تقول له العامة الشموص وهو الذى يحرك ذنبه ذات اليمين وذات الشمال وهى حركة لا سكون فيها۔ وامّا رفع الايدى عند الركوع وعند الرفع بمثل رفعما عند الاستفتاح فذالك مشروع باتفاق

المسلمين فكيف يكون الحديث نهيا عنه۔ وقوله اسكنوا فى الصلوة، يتضمن ذالك وبهذا صلى بعض الائمة الذين لم يكونوا يرون هذا الرفع الى جنب عبدالله ابن المبارك فرفع ابن المبارك يديه فقال له اتريد ان تطير فقال ان كنت تطير فى اول مرة فانما اطير فى الثانية والا فلا وهذا نقض كما ذكره من المعنى وايضاً فقد تواترت السنن عن النبى ﷺ اصحابه بهذا الرفع فلا يكون نهيا عنه ولا يكون ذالك الحديث معارضا بل لو قد تعارضا فاحاديث هذا الرفع كثيره متواترة يجب تقديمها على الخبر الواحد لو عارضا وهذا الرفع فيه سكون فقوله اسكنوا فى الصلواة لاينا فى هذا الرفع كرفع الاستفتاح وكسائر افعال الصلواه بل قوله اسكنوا يقتضى السكون فى كل بعض من فى ابعاض الصلوة وذالك يقتضى وجوب السكون فى الركوع والسجود والاعتدالين." مولوی صاحب کو چاہیے کہ یہ عبارت بار بار پڑھیں اپنے سب شکوک وشبہات دور کریں اور حدیث کے متعلق اپنے سینے کو سوءِظن سے صاف کریں۔

**الحاصل**:...... یہ اعتراض اپنی جگہ پر مستحکم ہے مولوی صاحب سے اس کے متعلق کوئی جواب نہیں بن سکا بلکہ اس تقریر سے مزید اس کو قوت حاصل ہوئی۔ والحمدللہ۔

دوسرے اعتراض میں ضرب الیدین کی عبارت اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "حدیث کو ذکر کرنے میں غلطی کی ہے اس میں جملہ "نحن رافعوا ایدینا"فی الصلوٰۃ" بڑھایا ہوا ہے ترجمہ بھی کیا ہے حضور ﷺ ہمارے پاس سے گذرے اس وقت ہم نماز پڑھ رہے تھے۔اور رفع الیدین کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔"

**جواب**:...... یہاں پر مولوی صاحب نے مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ ورنہ اس جواب کا باطل ہونا خود اس عبارت سے ہی ظاہر ہے۔ حالانکہ ضرب الیدین میں مولوی صاحب کی ذکر کردہ عبارت اس طرح سے ہے کہ "صحیح مسلم میں یہ لفظ ہی نہیں ہیں۔ خدارا علماء کرام صحیح مسلم کھول کر دیکھیں کہ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم رفع الیدین کر رہے تھے۔ خدارا منہ کو لگام دیں اس بے خوف قلم پر کنٹرول کریں جو حضور ﷺ کی احادیث میں حروف بڑھاتے اور کم کرتے وقت ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتا (ضرب الیدین صفحہ ۴۴)۔

**قارئین**:...... اب انصاف کریں کہ ہم نے صرف یہ انکار کیا ہے کہ یہ لفظ صحیح مسلم میں نہیں ہیں کیونکہ مولوی میر محمد صاحب نے یہ حدیث صحیح مسلم کے حوالے سے لکھ کر بحث کی ہے۔ جس کو ہم نے رد کیا ہے اور یہ رد بالکل صحیح اور سدید ہے۔ اس وقت بھی قارئین صحیح مسلم قلمی خواہ طبع شدہ نسخے بار بار کھول کر دیکھیں کہ اس کی اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں؟ کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آئیں گے۔ پھر شور وغل کیوں برپا کرتے ہو۔ مولوی

صاحب اس کو غصہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ایسے ناحق پر کس باغیرت مسلمان کو غصہ نہ آئے گا؟ مولوی صاحب اس کے متعلق صرف ایک جواب لکھتے ہیں اور شروع اس طرح سے کرتے ہیں ''پہلا جواب'' جس کا معنی یہ کہ اس کے بعد اور بھی جواب ہوں گے۔ لیکن اپنے مقتدیوں کو امید میں رکھ دیا، ایک جواب کے علاوہ دوسرا جواب نہیں لکھا۔ وہ بھی خیانت والا اور انتہائی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ جواب میں لکھتے ہیں کہ ''یہ لفظ حدیث میں موجود ہیں۔ اور حوالہ سنن نسائی کا دیتے ہیں۔ ''سوال از آسمان جواب از ریمان'' ہم نے اس طرح انکار نہیں کیا کہ کسی بھی حدیث کی کتاب میں یہ لفظ نہیں ہیں بلکہ ہمارا کہنا یہ تھا اور اب بھی کہتے ہیں کہ مسلم شریف کی حدیث میں یہ لفظ نہیں ہیں۔ بلکہ بڑھائے ہوئے ہیں اور صحیح مسلم کی طرف اس کی نسبت بالکل جھوٹ ہے۔

**صفحہ ۱۰۰:** ...... مولوی صاحب بھی وجد میں آتے ہیں کہ ''علماء حضرات کتاب کھول کر دیکھیں کہ یہ حدیث بالکل حرف بحرف ان الفاظ سے سنن نسائی مطبوع نور محمد صفحہ ۱۷۶ پر موجود ہے الخ۔

**قارئین:** ......اب مولوی صاحب کے جواب پر غور کریں اور ہماری کتاب ضرب الیدین کو بھی پڑھ کر دیکھیں پھر انصاف کریں کہ ہم نے سنن نسائی کا انکار کیا ہے کہ اس میں یہ لفظ نہیں ہیں۔ یا کسی دوسری کتاب کا ذکر کیا ہے؟ ہرگز نہیں ہم نے صرف صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہونے کا انکار کیا ہے۔ اس وجہ سے یا تو مولوی صاحب نے کھلم کھلا (واضح) خیانت کی ہے جو عبارت کا پہلا حصہ حذف کر کے پڑھنے والوں کو غلط تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کہ ہم نے خواہ مخواہ مولوی میر صاحب مرحوم پر اعتراض کیا ہے اور جو لفظ حدیث میں موجود ہیں ان کا انکار کیا ہے یا پھر ان کی اندھی جہالت کا ثبوت ہے کہ عبارت کو سمجھے بغیر اندھیرے میں تیر چلایا ہے۔ جس نے آگے جانے کے بجائے کمان سے ان کا اپنا سر پھاڑ دیا ہے تعجب ہے پھر کہتا ہے کہ ''آپ بھری مجلس میں انعام کا اعلان کریں اور وعدہ کریں کہ بغیر تحقیق کے دوسروں پر الزام نہیں لگائیں تو یہ بندہ آپ کو ہر وقت دکھانے کے لیے تیار ہے۔''

**جواب:** ......جس چیز کا ہم نے انکار کیا ہے یعنی کہ یہ لفظ صحیح مسلم میں نہیں ہیں اس کے لیے بھری مجلس میں تو کیا بلکہ اس کتاب میں تحریری اعلان کرتے ہیں کہ اگر مولوی صاحب یہ لفظ صحیح مسلم سے نکال کر دکھا دے تو اس کو پچاس ہزار روپے نقد انعام دیں گے۔ جس بات کا ہم نے انکار نہیں کیا اس کے متعلق مولوی صاحب کا انعام کے متعلق خواب شرمندہ تعبیر ہونے کے قابل نہیں ہے۔ ان کے معتقدین بھی اس امید میں ہوں گے کہ ''جیت کر آئے گا خیر سے'' اب یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہم نے جھوٹ کی یہ نسبت بغیر تحقیق کے ذکر نہیں کی۔ بلکہ واضح تحقیق سے کہا ہے اور یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جس کو کوئی بھی شخص سچ ثابت نہیں کر سکتا۔ اب

بھی قارئین صحیح مسلم کھول کر دیکھیں انہیں اس جھوٹ کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ باقی مولوی صاحب نے غلطی یا مغالطے کا الزام ہم پر بغیر تحقیق کے لگایا ہے۔ اسی وجہ سے یہ سارا راز کھلا ہے اور مولوی صاحب کی رسوائی ہوئی ہے، ﴿وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ (الحج) بقول شاعر:

نہ صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے

نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوایاں ہوتیں

تیسرے اعتراض میں ضرب الیدین سے نقل کرتے ہیں کہ ''سب محدث کہتے ہیں کہ یہ حدیث سلام کے بارے میں ہے۔''

**جواب**:......صرف محدثین ہی نہیں بلکہ فقہاء حنفیہ بھی اس طرح کہتے ہیں ضرب الیدین میں ان کی عبارات نقل کی گئی ہیں ان کے علاوہ امام ابن الجوزی کتاب التحقیق صفحہ ۵۶ پر فرماتے ہیں۔ یہ ایسا اعتراض ہے جس کا جواب مولوی صاحب کے بس سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ انکا ایسا مضبوط فیصلہ ہے اور اس کے اتنے قوی دلائل ہیں کہ مجبور ہوکر حنفی علماء کو بھی قبول کرنا پڑا۔ خود آپ کے مخدوم محمد عابد سندھی مدنی حنفی المواھب اللطیفہ شرح مسند الامام ابی حنیفہ صفحہ ۱۵۸ج۱ المصور میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں کہ یہ حدیث سلام کے متعلق ہے علامہ سندھی حاشیہ سنن نسائی صفحہ ۱۷۶ج۱ المجتبائی میں لکھتے ہیں کہ قوله رافعي ايدينا اى بالسلام ولذا عقبه بالرواية الثانيه۔ والمقصود النهى من الاشارة باليد عند السلام ولا دلالة فيه على النهى عن الرفع عتد الركوع وعند الرفع منه ولذالك قال النووى الاستد لال به على النهى عن الرفع عند الركوع وعند الرفع منه جهل قبيح " (یعنی ان کا قول کہ ہمارے ہاتھ سلام کے وقت اٹھے ہوئے تھے اور اسی لیے دوسری روایت بھی لائے ہیں اور اس اشارے سے منع کرنا جو مقصود ہے وہ سلام کے وقت ہے نہ کہ اس میں رکوع اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین سے منع کی دلالت ہے۔ اور اسی لیے امام نووی نے کہا ہے کہ جو شخص اس روایت سے رکوع اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین سے ممانعت کی دلیل لیتا ہے وہ انتہائی درجہ کا جاہل ہے) بلکہ اس کے متعلق علماء کا اجماع ہے۔ جس طرح کہ ضرب الیدین میں امام بخاری اور امام نووی کی عبارات گذریں ابھی تازہ امام ابن تیمیہ کی عبارت گذری پھر ایسے اجماعی فیصلے کو مولوی صاحب کس طرح رد کر سکتے ہیں اور یہاں پر بھی ایک جواب دیا ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ ''پہلا جواب'' اسی طرح یہاں پر بھی اپنے چہیتوں کو ایک جواب سے زائد کا آسرا دے کر انہیں درمیان میں چھوڑ کر بھاگ گیا اور ضرب الیدین کی عبارت کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا حصہ کہ سب محدثین کا کہنا ہے۔''

**صفحہ ۱۰۱:** ......اس پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ آپ ان کی تقلید کرتے ہیں۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** افسوس کہ مولوی صاحب کو تقلید اور تحقیق کا فرق معلوم نہیں ہے پھر ایسا شخص تصنیف کے لیے جرأت کرتا ہے تقلید اس قول کے لینے کو کہتے ہیں جس کی کوئی دلیل معلوم نہ ہو۔ جس طرح اوپر فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوا اور یہ محدثین کا قول بغیر دلیل کے نہیں ہے بلکہ اس کے لیے کئی دلائل ہیں ایک تو روایت میں ابہام ہے جس کی تفسیر دوسری روایت میں موجود ہے۔ دوسرا کہ کئی قرائن سے ثابت ہوا کہ جابر بن سمرہ کی دونوں روایات میں ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔

تیسرا:...... یہ کہ لفظ "اسکنوا فی الصلوٰۃ" واضح قرینہ ہے کہ اس میں رفع الیدین مراد نہیں ہے۔ کیونکہ رفع الیدین خود سکون اور خشوع ہے جیسا کہ لغت اور شروح حدیث وغیرہ کتب سے بیان کیا گیا۔

چوتھا:...... یہ کہ گھوڑوں کی دموں کی حرکت اور رفع الیدین کی کیفیت میں فرق ہے۔

پانچواں:...... یہ کہ خود حدیث میں دائیں اور بائیں طرف ہاتھوں سے اشارہ کرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ رفع الیدین اس طرح نہیں ہوتا۔

چھٹا:...... یہ کہ خود صحابی رفع الیدین کرتے تھے جس کا مطلب کہ اس حدیث میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔

ساتواں:...... یہ کہ اس روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ انہوں نے سلام کے وقت اشارے کیے۔

آٹھواں:...... یہ کہ کئی دیگر روایات میں رفع الیدین کا ثبوت موجود ہے لہٰذا اس روایت سے رفع الیدین کی ممانعت مراد نہیں ہوسکتی نواں: یہ کہ حدیث میں الفاظ ہیں کہ انما یکفی احد کم ان یضع یدہ علی فخذہ" (یعنی تمہارے لیے کافی ہے کہ تم اپنی ران پر ہاتھ رکھو) ثابت ہوا کہ یہ واقعہ سلام کا ہے۔

دسواں:...... یہ الفاظ ہیں کہ ثم یسلم علی اخیہ من یمینہ وشمالہ " یعنی پھر وہ سلام پھیرا دائیں اور بائیں طرف اپنے بھائی پر) یہ ساری بحث سلام کے متعلق ہے نہ کہ قیام اور رکوع کے متعلق۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی دلائل ہیں۔ جس کی بناء پر محدثین کرام یہ فیصلہ کر چکے ہیں ایسے مدلل اور برھان فیصلہ کو قبول کرنے سے کوئی بھی محقق انکار نہیں کرسکتا۔ مولوی صاحب خبط کے مرض میں بیمار ہے جو خود کو مقلد سمجھتا ہے اور کہلاتا بھی ہے اور اس میں فخر بھی محسوس کرتا ہے اور پھر کام محققین والے کرنا چاہتا ہے۔ کبھی استدلال کرتا ہے تو کسی وقت دلائل کا جواب لکھتا ہے اور کسی وقت اعتراض کرتا ہے اور جواب دیتا ہے اسی وجہ سے غلط بحث کے گھیرے میں آ گیا ہے۔ وھو الثانی .

**ثالثاً:** ......اوپر ہم نے ثابت کیا اس فیصلہ پر یہ روایت سلام کے بارے میں نہیں ہے۔ نہ رفع الیدین کے بارے میں اس پر اہل علم کا اجماع ہے اور اجماع کی طرف رجوع کرنا یا لوٹنا تقلید نہیں ہے جس طرح کہ

اصول فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت صفحہ ۲۷۹ اور اس کی شرح فواتح الرحموت صفحہ ۴۰۰ ج ۲۔ وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔

**الغرض:** ...... یہ تقلید نہیں ہے اس پر مولوی صاحب دو اعتراض کرتے ہیں پہلا یہ کہ ’’ کہتے ہیں کہ اگر آپ کے محدثین کے کہنے کو عزت ہے اہمیت ہے کہ پہلے حضرت ابن عمر والی روایت ، جس میں رفع الیدین کا بیان ہے اور آپ کے کہنے کے مطابق اصح الصحیح ہے۔ یہ روایت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ محدث ابو داوٗد اس حدیث پر بڑا اعتراض کرتے لکھتے ہیں کہ ”الصحیح قول ابن عمر لیس بمر فوع “صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے الخ۔

**جواب:** ...... **اولاً:** اسی اعتراض نے مولوی صاحب کی علمیت کا پردہ فاش کر دیا ہے کیونکہ ابن عمر کی حدیث کئی طرق سے مروی ہے اور اصح الطریق وہ ہے جو ان کے بیٹے سالم سے روایت کی گئی ہے جو خود مولوی صاحب نے صفحہ ۱۲۷ پر ذکر کی ہے۔ بلکہ انہوں نے نافع کی روایت کے متعلق کہا ہے جس طرح کہ سنن ابو داوٗد صفحہ ۱۰۸ پر مذکور ہے خود مولوی صاحب نے بھی حوالہ دیا ہے اور سالم والی روایت اس سے چار صفحات قبل صفحہ ۱۰۴ میں ذکر کی ہے کہاں کی بات مولوی صاحب کہاں لے آئے ہیں ایک روایت کی بات دوسری پر لگا رہے ہیں۔ ایسی بے علمی والا بھی محدثین سے مقابلہ کرتا ہے۔ یا جان بوجھ کر دھوکہ دیا ہے۔ لیکن دھوکے باز کا دھوکہ کہاں تک چل سکتا ہے بلکہ محدثین پر طعن کرنے کی وجہ سے ان کی علمیت کا راز فاش ہو گیا۔

گر خدا خواھد پردہ کس درد
ملیش اندر طعنہ نیکاں برد

**ثانیاً:** ...... ابو داوٗد کے اس قول کے خلاف امام بخاری اس نافع والی روایت کو بھی مرفوع اور صحیح کہتے ہیں اور اپنی صحیح صفحہ ۱۰۲ ج ۱ میں اس کو ذکر کیا ہے اس طرح امام دارقطنی بھی اس کو مرفوع اور صحیح کہتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۲۲۲ ج ۲ میں ذکر کیا ہے اس طرح امام بیہقی سنن کبری صفحہ ۷۰ ج ۲ میں بھی اس کو صحیح مانتے ہیں۔ امام ذہبی المھذب فی اختصار السنن الکبیر صفحہ ۴۶ ج ۲ میں بھی اس کو صحیح مانتے ہیں اور کوئی بھی اعتراض نہیں کرتے۔ اس طرح امام ابن حزم بھی اس روایت کے حجت کے قائل ہیں اپنی کتاب المحلی صفحہ ۹۰ ج ۴ میں بطور استدلال ذکر کیا ہے اور انہوں نے شروع کتاب میں شرط لگائی ہے کہ صرف صحیح احادیث سے استدلال لیں گے۔ جیسا کہ عبارت گذری۔ امام ابن خزیمہ سے فتح الباری صفحہ مذکورہ میں منقول ہے کہ اس کی سند صحیح ہے آپ کے عینی صاحب بھی عمدۃ القاری صفحہ ۲۸۷ ج ۵۔ طبع منیریہ میں لکھتے ہیں کہ ”ومیل البخاری الی رفعه فلذالك اخرج هذا الحديث‘

(یعنی امام بخاری اس کے مرفوع ہونے کی طرف مائل ہیں اور اسی لیے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لائے ہیں) لہٰذا امام بخاری کا قول راجح ہوا۔

**ثالثاً**: ...... امام بخاری کی تحقیق سب کے نزدیک مقدم ہے۔ آپ کے عینی عمدۃ القاری صفحہ ۲ ج ا۔ میں امام موصوف کے متعلق فرماتے ہیں کہ "ولا تنازع فی صحة تنقیده اثنان" ثابت ہوا کہ امام بخاری کا فیصلہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ لہٰذا مقدم رہا۔

**رابعاً**: ...... جابر بن سمرہؓ والی روایت پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ جابر بن سمرہ والی روایت کے متعلق محدثین کا اجماع ہے اور برخلاف اس کے نافع کی روایت کے متعلق صرف ابو داؤد کا قول ہے وہ دیگر محدثین کے خلاف ہے لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

**خامساً**: ...... دراصل ایسے قول کو تقلید کہا جائے تو بعید نہیں ہے لیکن اجماعی فیصلے کو قبول کرنا تو عین تحقیق ہے۔ اس قسم کا اعتراض کر کے مولوی صاحب نے اپنی علمیت دکھائی لیکن قارئین کرام نے دیکھا کہ خود اپنی ہاتھوں اپنی جڑ اکھاڑی۔

دوسرا اعتراض اس طرح کرتے ہیں کہ ''امام ترمذی رفع الیدین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "وبهذا يقول بعض اهل العلم" اہل علم میں سے بعض اس کے قائل ہیں اور اس وقت رفع الیدین نہ کرنے والی حدیث نقل کر کے پھر لکھتے ہیں کہ "وبه يقول غير واحد من اهل العلم" اہل علم میں سے بہت ہی اس کے قائل ہیں۔''

**جواب**: ...... غیر واحد سے معنی ''زیادہ کرنا'' صحیح نہیں ہے جس طرح اوپر بیان ہوا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک سے زائد۔

**ثانیاً**: ...... اوپر بیان ہوا کہ کسی بھی صحابی سے ترک ثابت نہیں ہے۔

**ثالثاً**: ...... رفع الیدین کے اثبات کے متعلق مولوی صاحب نے امام ترمذی کی مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ حالانکہ مکمل عبارت اس طرح ہے۔ "وبهذا يقول بعض اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ منهم ابن عمر وجابر بن عبدالله، وابوهريرة وانس وابن عباس وعبد الله بن الزبير وغير هم."

**قارئین**: ...... اب غور کریں کہ عدم رفع کے متعلق کسی صحابی کا نام نہیں لیتے صرف ایک سے زائد کا اشارہ کرتے ہیں اور اثبات والے باب میں چھ صحابہ کے نام لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ وغیرھم یعنی ان کے علاوہ، امام ترمذی کے فیصلے سے ظاہر ہے کہ رفع کے اثبات کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسری ترجیح اس طرح ہے کہ عدم

رفع کے متعلق فقط ابن مسعود کی روایت نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں وفی الباب عن البراء بن عازب " یعنی دو صحابہ کے نام لیتے ہیں اور رفع الیدین کے اثبات کے متعلق ابن عمر کی حدیث لا کر فرماتے ہیں کہ "وفی الباب عن عمر وعلی ووائل بن حجر ومالك بن الحویرث وانس وابی هریرة وابی حمید وابی سعید ، وسهل بن سعد ومحمد بن مسلمة وابی قتادة وابی موسیٰ الاشعری وجابر وعمیر اللیثی یعنی ابن عمر کے علاوہ چودہ صحابہ کرام کی احادیث بیان کرتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ امام ترمذی کا فیصلہ کس کے حق میں ہے۔

**رابعاً**: ...... امام ترمذی کا قول غیر واحد والا بھی مختلف فیہ ہے چنانچہ امام بخاری انکار کرتے ہیں رفع الیدین کے متعلق کوئی روایت مرفوع یا کسی صحابی کی موقوف ثابت نہیں ہے۔ اس صورت میں بھی امام بخاری کا قول راجح ہوگا۔ جس طرح کہ ابھی بیان ہوا۔ بلکہ امام بخاری اپنے فیصلے کی تائید میں وقت کے مشہور پانچ ائمہ کے نام نقل کیے ہیں۔ احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راھویہ، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور حمیدی۔ جس طرح اوپر جزء رفع الیدین کے حوالے سے گذرا۔ لہٰذا امام بخاری کا فیصلہ ہی راجح ہے۔ وھو الخامس .

**وسادساً**: ...... بلکہ دونوں کے اقوال میں تطبیق بھی ممکن ہے یعنی امام ترمذی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ غیر واحد صحابہ سے عدم رفع مروی ہے اور حجت اور عدم حجت کا کوئی حکم نہیں لگاتے امام بخاری اور دوسرے پانچ امام اس کی حجت کا انکار کرتے ہیں لیکن روایت کا انکار نہیں کرتے لہٰذا دونوں اقوال میں تعارض نہیں رہتا پھر جو روایت یا قول یا اثر سنداً ثابت نہیں ہوتا وہ تائید کس طرح کرے گا۔

**الغرض**: ...... امام ترمذی کا فیصلہ بھی مولوی صاحب کے لیے فائدہ مند نہیں ہے۔

**سابعاً**: ...... اگر ان سب باتوں سے اعراض کیا جائے۔ تب بھی اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام ترمذی کا فیصلہ یعنی جس طرح مولوی صاحب سمجھتے ہیں مختلف فیہ ہے۔ متفق علیہ نہیں ہے اور جابر بن سمرہ کی روایت کے متعلق محدثین کا فیصلہ بالاجماع اور متفق علیہ ہے۔ لہٰذا اس پر بھی مولوی صاحب کا قیاس صحیح نہیں ہے۔

ع ببین فرق از کجا هست تا بہ کجا

مولوی صاحب کو سوچنا چاہیے کہ محدثین کا عام فیصلہ دوسری چیز ہے اور کسی ایک محدث کا قول اور چیز ہے دونوں کی ایک حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا ہے مولوی صاحب سوچ سمجھ کر بولیں۔ یہاں ان کا چہیتوں سے واسطہ نہیں پڑا ہے کیونکہ ان کے چیلے تو اس طرح کہیں گے

ایں کرامت ولی ماچہ عجب
گربہ شاشید گفت باراں شد

اور یہاں پر ان سے پالا پڑا ہے جو جانتے ہیں کہ:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آز مائے ہوئے ہیں

امام ابوداؤد اور ترمذی دونوں ائمہ کے فیصلے کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ اب دیکھیں کہ مولوی صاحب ان کو کس قدر مانتے ہیں۔

**صفحہ ۱۰۲**: ...... دوسرا فقرہ یعنی یہ حدیث سلام کے بارے میں ہے اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ''آپ کہتے ہیں کہ "رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ" کا جملہ بڑھایا ہوا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث ہی الگ ہے اور سلام والی حدیث جدا ہے''

**جواب**: ...... اس جواب کا اس فقرے سے کیا تعلق کیا میرے یا آپ یا کسی اور کے کہنے سے بغیر کسی معتبر دلیل کے محدثین کا فیصلہ غلط ہوسکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔

**ثانیا**: ...... ہم نے اس جملے کا اس طرح انکار نہیں کیا کہ حدیث میں ہی نہیں بلکہ ہم نے صرف صحیح مسلم کے لیے انکار کیا ہے کہ اس میں نہیں ہے لہٰذا مولوی صاحب کا یہ جواب غفلت یا کم فہمی پر مبنی ہے۔

**ثالثاً**: ...... جب مولوی صاحب خود ہی لکھتے ہیں کہ'' حالانکہ ہم نے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ نسائی شریف صفحہ ۱۷۶ پر یہ الفاظ موجود ہیں اور ان کا ترجمہ بھی یہی ہے'' پھر یہ ایک حدیث کہی جائے گی۔ مولوی صاحب خود اپنے قلم سے محدثین کے فیصلے کی تائید کر رہے ہیں والحمد للہ۔

**رابعاً**: ...... اوپر قرائن اور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ تو پھر اس پر مولوی صاحب کا یہ اعتراض کہ''مان نہ مان میں تیرا مہمان'' کے باب سے ہے۔ اس کے بعد چوتھا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ''اس حدیث میں رفع الیدین کی ممانعت ہے تو وتر میں دعا قنوت کے وقت اور عیدین کی نماز میں رفع الیدین کیوں کی جاتی ہے۔

**جواب**: ...... یہ اعتراض نہایت واضح ہے اور ایسا الزام ہے جس سے جان چھڑانے کی طاقت نہ مولوی صاحب میں ہے اور نہ ہی ان کے ساتھیوں میں، کیونکہ اس حدیث سے مولوی صاحب کا استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ اس حدیث میں نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے کی ممانعت اور سکینت کا امر ہے۔ لہٰذا رکوع خواہ رکوع کے بعد قیام خواہ تیسری رکعت کے لیے اُٹھنا یہ سب نماز کے اندر ہیں۔ لہٰذا ممانعت ان کو بھی شامل ہے یہ ہے مولوی صاحب کا طریقہ استدلال باقی اس میں کوئی صریح بیان نہیں کہ رکوع یا کسی دوسری حالت میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں بلکہ ذکر کردہ فرض عموم پر ان کا استدلال بنا ہوا ہے تو پھر ہمیں بھی کہنے کا حق ہے کہ وتر

کی قنوت اور تکبیرات عیدین بھی نماز کے اندر ہیں کیونکہ اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم تک نماز ہی ہے اور یہ دونوں کام ان کے درمیان یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد اور سلام سے قبل کے ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کے طریقہ استدلال کے مطابق ان دونوں حالتوں میں ہاتھ اٹھانا ممنوع ہوں گے۔

**ثانیاً**: ......ہم اگر رفع الیدین کے قائل ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ اسی جابر بن سمرہ والی حدیث کو نہیں مانتے۔ حاشاوکلا۔ بلکہ اس وجہ سے اگر چہ کئی قرائن ہیں کہ یہ حدیث رفع الیدین کے متعلق نہیں ہے جس طرح اوپر بیان ہوا۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کئی بے شمار صحیح احادیث میں رفع الیدین کا ثبوت موجود ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس رفع الیدین کے متعلق نہیں ہوسکتی جس کا اتنا بڑا ثبوت موجود ہے۔ نیز اگر مولوی صاحب کا مفروضہ تسلیم بھی کیا جائے کہ روایت عام ہے تب بھی متواتر احادیث کی وجہ سے رفع الیدین اس سے خاص ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ہمارا پلہ بھاری ہے۔ لیکن مولوی صاحب اس حدیث سے کس طرح اپنا دامن چھڑا سکیں گے! جب کہ وتر کی قنوت کے وقت بہت سی احادیث تو درکنار لیکن ایک بھی حدیث نہیں ہے۔ پھر کس طرح انکار کریں گے کہ یہ رفع الیدین اس ممانعت میں داخل نہیں جو خود اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں یا ان میں سے ان دونوں کو کس طرح خاص کریں اور مستثنیٰ کریں گے۔ بلکہ تاحیات ان کی گردن میں پھندا پڑا رہے گا۔ پہلا جواب اس طرح لکھتے ہیں کہ ''اس حدیث سے رفع الیدین کی ممانعت صرف پنجگانہ نماز کے لیے ہے کیونکہ واقعہ اس کا شاہد ہے کہ صحابہ عیدین کی نماز نہیں پڑھ رہے تھے۔ اور نہ ہی وتر نماز تھی کیونکہ وتر نماز عام طور پر تہجد کے ساتھ رات کے آخری حصے میں پڑھی جاتی تھی صحابہ کا یہی معمول تھا۔ لہٰذا رفع الیدین کی ممانعت بھی پنجگانہ نماز پر لاگو ہوگی نہ کہ عیدین اور وتر کے لیے۔''

**جواب**: ...... **اولاً**: مولوی صاحب کا یہ سارا کلام هذیان اور لایعنی ہے۔ کیا وتر اور عیدین نمازیں نہیں ہیں؟ سب نمازوں کے مسائل ایک جیسے ہیں لیکن جن کے لیے کوئی خاص تصریح اور استثنیٰ وارد ہو۔ مثلاً تکبیر تحریمہ والی رفع الیدین وتر یا عیدین کی نمازوں کے لیے کی جاتی ہے۔ اس کے لیے کون سی خاص دلیل ہے؟ اس کو بھی فرض نماز کے لیے خاص کریں نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا وہ بھی مطلق مذکور ہے اس کو فرض یا نفلی نمازوں کے لیے خاص نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح سکون اور خشوع بھی سب نمازوں کے لیے ہے یا صرف فرضی یا نفلی نماز کے لیے۔

**ثانیاً**: ......اگر اس حدیث میں بقول مولوی صاحب رفع الیدین کی منع صرف پنجگانہ نماز کے لیے ہے تو پھر کہا جائے گا کہ نفل نمازوں، وتر، عیدین وغیرہ میں رکوع کرتے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت یا تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت رفع الیدین ممنوع نہیں ہے۔ مولوی صاحب بھی عیدین اور وتر میں رفع الیدین

کرے گا۔ واہ رے مولوی واہ۔ حنفیت کی مٹی آپ نے پلید کر کے رکھ دی۔ صاف الفاظ میں کہہ رہے ہو کہ صرف پنجگانہ نماز میں رفع الیدین ممنوع ہے باقی دوسری نمازوں میں ممنوع نہیں ہے یہ آپ کے امام صاحب کا مذہب ہے یا اس صدی میں نئی حنفیت کا سنگ بنیاد رکھا ہے؟

**ثالثاً:**...... اگر واقعتاً وتر اور عیدین میں رفع الیدین کی ممانعت لاگو نہیں ہوتی تو پھر خدا آپ کو بھی عقل دے کہ ان نمازوں میں رفع الیدین کر کے احادیث پر کسی نہ کسی وقت تو عمل کریں۔ کیونکہ آپ کی پیش کردہ حدیث بقول آپ کے صرف پنجگانہ نماز پر لاگو ہوتی ہے تو پھر دوسری نمازوں میں صحیح احادیث پر عمل کرنے سے آپ کو کون سی عار اور استنکاف ہے؟

**الغرض:** یہ کوئی جواب نہیں۔ مولوی صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے اس اعتراض کو مضبوط کیا۔ پھر لکھتے ہیں کہ ''کیونکہ ان میں رفع الیدین کرنا اگرچہ خلاف قیاس ہے لیکن احادیث سے ثابت ہے لہٰذا دونوں میں فرق کرنا لازم ہے۔''

**جواب:** ...... کہتے ہیں احادیث کیا مولوی صاحب ایک حدیث دکھائیں جس میں قنوت وتر کے وقت رفع الیدین کا بیان ہو یا عیدین کی تکبیرات میں رفع الیدین کے متعلق صحیح روایت ہو تا قیامت نہیں دکھا سکتے ''وکان بعضھم لبعض ظھیراً'' پھر تفریق کس چیز کی؟

**ثانیاً:** ......''رفع الیدین عند الرکوع والرفع منه والقیام من الرکعتین'' کے متعلق تو کئی احادیث ہیں لیکن مولوی صاحب کس طرح انکار کرتے ہیں۔

**ثالثاً:** ...... یہ بھی مولوی صاحب کا انتہائی نابینا پن ہے کہ رفع الیدین کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ لیکن ان کو غیر ثابت کہتے ہیں اور قنوت وغیرہ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں بالکل برعکس معاملہ ہے۔

بنے کیونکہ جو ہے سب کار الٹا
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

**رابعاً:** ...... جہاں تک ہماری تحقیق کے مطابق اس طرح تھا کہ وتر کی قنوت کے وقت رفع الیدین کے متعلق کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن اس طرح سمجھتے تھے کہ قنوت نازلہ والی روایات پر قیاس کرتے ہیں۔ لیکن اب مولوی صاحب نے نیا انکشاف کیا کہ یہ کام قیاس کے بھی خلاف ہے۔ اب تو مولوی صاحب کو کسی بھی حالت میں رفع الیدین چھوڑنی پڑے گی دیدہ باید اور اگر نہیں تو وہ اپنی مرضی پر جہاں چاہے بغیر دلیل رفع الیدین کرتا رہے اور اپنے زعم کے مطابق حدیث پیش کرتا ہے پھر اس کی مخالفت کرتا ہے اور دوسروں کو صحیح اور صریح

احادیث کے باوجود منع کرتا ہے ابن چہ بوالعجبی است۔

پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ''خاص طور پر اہل حدیث کو اس اعتراض سے بالکل فائدہ نہ ہوگا کیونکہ یہ قیاس کرنے کو بالکل اصولی طور پر مانتے ہی نہیں الخ۔

**جواب:** ...... **اوّلاً:** ایسا کوئی دوسرا فائدہ جو مولوی صاحب کو کتنا ہی کھٹکتا ہو لیکن جان نہیں چھڑا سکتے۔ دو صورتوں کے علاوہ انہیں کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ یا ان دونوں جگہوں پر رفع الیدین کا انکار کر کے حنفی مذہب کو غلط قرار دے یا تو اس حدیث سے دلیل لینے سے توبہ کرے۔ کیونکہ اس میں صریحاً نفی تو نہیں ہے۔ بقول مولوی صاحب کے یہ لفظ ہیں کہ نماز میں رفع الیدین نہیں تو پھر ان دو جگہوں پر بھی نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی نماز ہے۔

**ثانیاً:** ...... ہم نے قیاس تو نہیں کیا بلکہ الزام دیا ہے۔ مولوی صاحب کی علیت بھی یہ ہے جو قیاس اور الزام کا فرق نہیں سمجھ سکتے۔ قیاس تب ہوگا جب ہم قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کے قائل ہوں اور اس کے لیے عند الرکوع والرفع میں رفع الیدین والی حدیث سے دلیل لیں۔ بلکہ ہم نے تو خود تم پر اعتراض کیا ہے کہ اگر آپ جابر بن سمرہؓ والی روایت سے نماز میں رفع الیدین کی ممانعت لیتے ہو تو پھر خود کیوں کرتے ہو۔ یہ الزام ہے قیاس نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ...... اسی کا نام مولوی صاحب قیاس دے کر پھر کہتے ہیں کہ ''احادیث کے خلاف قیاس کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔'' جس کا مطلب یہ کہ مولوی صاحب قنوت وتر میں رفع الیدین کے متعلق دعوی کرتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے حالانکہ یہ خالص جھوٹ ہے۔ کسی بھی حدیث میں ایسا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح عیدین کے متعلق بھی صریح حدیث نہیں ہے۔

**صفحہ ۱۰۳:** ...... دوسرا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ ''عیدین اور پنجگانہ نمازوں میں بڑا فرق ہے۔ ❶ عید نماز کا مقصد الگ ہے اور پنجگانہ نماز کا مقصد الگ ہے۔ ❷ عیدین میں زائد تکبیریں ہیں پنجگانہ نماز میں نہیں ہیں۔ ❸ عید نماز میں خطبہ بعد میں ہوتا ہے اور جمعہ میں نماز سے قبل۔ دونوں میں اتنا فرق ہونے کے باوجود اس طرح کہنا اور اعتراض کرنا کہ پنجگانہ نماز میں رفع الیدین نہیں ہے لہٰذا عید میں نہیں ہونی چاہیے کس طرح صحیح ہوگا؟

**الجواب اوّلاً:** ...... یہاں پر قیاس تو ہے ہی نہیں اور نہ ہی مقیس اور مقیس علیہ ہے کہ ان میں فرق کیا جائے۔

**ثانیاً:** ...... یہ بھی مولوی صاحب کا کہنا نہایت غلط ہے کہ عید نماز کا مقصد الگ اور پنجگانہ نماز کا مقصد الگ کیوں کہ سب نمازیں فرضی خواہ نفلی بلکہ سب عبادتیں جسمانی خواہ مالی کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا۔ دوسرا کوئی بھی مقصد ہوا تو عبادت ہی باطل ہو جائے گی۔ پتہ نہیں کہ مولوی صاحب

نشے میں تھے یا کسی دوسری مجبوری میں تھے۔ جو اس طرح غیر ذمہ دارانہ لکھ گئے۔

**ثالثاً**: ...... مولوی صاحب کا یہ کہنا بھی انہیں مفید نہیں ہے کہ عیدین میں زائد تکبیریں ہیں اور پنجگانہ میں نہیں ہیں۔ کیونکہ وتر میں بھی زائد تکبیریں نہیں ہیں۔ اس کے متعلق تو الزام قبول کرے۔

**رابعاً**: ...... خطبے والا عذر بھی صحیح نہیں ہے ایک تو خطبہ نماز سے ہی خارج ہے اور یہاں پر بحث نماز کے متعلق چل رہی ہے نہ کہ نماز سے باہر کسی دوسرے کام کے متعلق۔ دوسرا یہ کہ وتر کے لیے بھی تو خطبہ نہ پہلے ہے نہ بعد میں وہاں پر مولوی صاحب کیا کریں گے؟

**خامساً**: ...... کوئی بھی مقصد ہو کوئی بھی نماز ہو ان میں کتنا فرق ہو لیکن جب تک اس کا نام نماز ہے تب تک یہ الزام آپ کی گردن میں ہمیشہ کے لیے مضبوط ہے۔ کیونکہ دلیل آپ نے پیش کی ہے۔ اس میں "رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ ہے اور آپ کے قول کے مطابق نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ہے۔ پھر ایک نماز میں رخصت دیں دوسری میں منع کریں۔ اس طرح آپ کو انواع حدیث بنانے کا کیا حق ہے؟ وھو السادس.

**سابعاً**: ...... حدیث میں "فی الصلوٰۃ" کا لفظ ہے۔ جو عام ہے پھر پنجگانہ نماز میں سے ایک وقت کی سنت پڑھ رہے تھے تب بھی غلط ہوگا۔ کیونکہ وقت کا لفظ تو حدیث میں ہے ہی نہیں۔ نیز وتر بھی غلط ہوگا۔ کیونکہ وقت کا لفظ تو حدیث میں ہے ہی نہیں۔ نیز وتر بھی عشاء کی سنت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ جس طرح آپ کی مساجد میں عام معمول ہے پھر اس کے لیے بھی وہی حکم ہونا چاہیے۔ آپ نے لکھا ہے کہ "وتر نماز تہجد کے ساتھ پڑھی جاتی ہے" (تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۰۲) لیکن کئی صحابہ سے اول وقت میں پڑھنا منقول ہے آپ کی ہدایہ صفحہ ۱۴۴ ج ۱۔ باب صلوۃ الوتر میں ہے کہ "وھو یؤدی فی وقت العشاء فاکتفی باذانہ واقامتہ الخ (یعنی وہ عشاء کے وقت ادا کیا جاتا ہے اسی کی اذان اور اقامت ہی کافی ہے)

**ثامناً**: ...... اگر نہیں تب بھی کم از کم جو عشاء کے وتر پڑھتے ہیں ان کو روکو اور کہو کہ گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ نہ ہلائیں۔

**تاسعاً**: ...... آپ کے اصول کے مطابق جمعہ اور دیگر نمازوں میں فرق ہے۔ جو اس کے لیے خطبہ ہے دیگر نمازوں کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ جمعہ کی صحت کے لیے آپ احناف کے ہاں کئی شرائط ہیں۔ جو کسی دوسری نماز کے لیے نہیں ہیں۔ پھر اس میں بھی رفع الیدین کو ممنوع نہ کہا جائیگا۔

**عاشراً**: ...... جب کہتے ہو یہ حدیث صرف پنجگانہ نماز کے لیے ہے پھر تہجد میں رفع الیدین آپ کے نزدیک ممنوع نہ ہوگی۔ الغرض یہ تھا مولوی صاحب کا جواب جس کو ریزہ ریزہ کر کے آپ کے سامنے رکھا گیا

ہے۔ اس کے باوجود بھی دل کو تھام کر لکھتے ہیں کہ ''امید ہے کہ اب بات سمجھ میں آ گئی ہوگی'' لیکن بیچارے مولوی صاحب کو ابھی اپنی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ دوسرے کو کیا سمجھائے گا جو شخص قیاس اور الزام میں فرق نہیں سمجھتا اور اعتراض اور استدلال میں تمیز نہیں کر سکتا۔ لا یدری ما یخرج من راسه '' یہ پتہ نہیں چلتا کہ کیا لکھ رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے وہ سمجھانے کی امید رکھتا ہے۔ امید ہے کہ آپ کے چھیتے بھی سمجھ جائیں گے اور کہیں گے کہ:

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی
جاکر کہ جو دیکھا تو عمامہ کے سوا ہیچ

پھر دوسری مثال دیتے ہیں کہ ''جس طرح پنجگانہ نماز میں ہر دو رکعات کے بعد قعدہ کرنا (التحیات کے لیے بیٹھنا) آپ کے نزدیک ضروری ہے تو پھر وتر کی تین رکعتیں پڑھتے وقت دو رکعات کے بعد قعدہ کیوں نہیں کرتے؟

**جواب**: ...... وتر کے درمیان قعدہ کی نفی پر حدیث آئی ہے اس کے متعلق چند احادیث ہیں۔ جن کا بیان وتر کی بحث میں آئے گا۔ ان شاء اللہ لہٰذا یہ مثال یہاں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

**ثانیاً**: ...... یہ ہے قیاس کی صورت جب دو رکعتوں پر قعدہ ہے تو پھر وتر کی دو رکعتوں پر بھی قعدہ ہو۔ وہ بھی حدیث کے مقابلے میں۔ جیسا کہ آگے احادیث بیان ہوں گی کہ تین رکعات وتر کے درمیان قعدہ نہیں ہے اور مولوی صاحب خود فرماتے ہیں کہ ''حدیث کے خلاف قیاس کرنا کسی کے بھی نزدیک حجت نہیں ہے (تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۰۳) لیکن پھر خود حدیث کے مقابلے میں قیاس کیوں کرتے ہیں؟ ''لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔''

**ثالثاً**: ...... جب مولوی صاحب فیصلہ کر چکے ہیں کہ پنجگانہ نماز اور دیگر نماز وتر وغیرہ میں فرق ہے تو پھر قعدہ کا حکم نماز پنجگانہ کے لیے ہے۔ اس کو وتر پر کس طرح لاگو کرتے ہیں؟ خود اپنے قاعدے کے خلاف کرتے ہیں اور خود اپنے سوال کے قاطع ہیں۔

**رابعاً**: ...... جب قبول کرتے ہو کہ وتر پنجگانہ نماز سے مشابہ ہے تو اپنے اس جواب سے دستبردار ہو جاؤ اور جابر بن سمرہ والی روایت جس کو آپ منع رفع الیدین کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہو اس کی وجہ سے قنوت وتر میں رفع الیدین کو ممنوع قرار دو اور کم از کم اس مسئلے کے متعلق تو حنفیت سے بیزاری کا اظہار کرو۔

**خامساً**: ......مولوی صاحب کہتے ہیں ''کیا وتر نماز نہیں ہے'' اگر نماز ہے تو ہم نے اعتراض ثابت کیا۔ والحمد لله

پانچواں اعتراض ضرب الیدین کے حوالہ سے اس طرح سے لکھتے ہیں کہ ''امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ سب صحابہ رفع الیدین کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جابر بن سمرہؓ بھی رفع الیدین کرتے تھے اور آپ خود کہتے ہیں کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرے گا تو وہ حدیث منسوخ کہی جائے گی۔ پھر یہ قانون یہاں نافذ نہ ہوگا۔

**جواب**:...... یہ اعتراض سمجھنے والوں کے لیے نہایت عبرت کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ جب سب صحابہ رفع الیدین کے عامل تھے اور کسی ایک سے بھی چھوڑنا ثابت نہیں ہے تو پھر یہ جابر بن سمرہ والی روایت مسنون رفع الیدین کے ممانعت کے متعلق نہیں کہی جائے گی۔ کیونکہ جابر بن سمرہؓ جماعت کا واقعہ بتاتے ہیں کہ ہمیں آپ نے سکون کا حکم فرمایا اور یہ بات عقل سے بالکل بعید ہے۔ کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے کسی کام کے متعلق سنیں۔ آپ اس سے منع کریں پھر بھی اس پر عمل کرتے رہیں۔ ایسی بدگمانی ان کے حق میں قطعاً غلط اور ناجائز ہے البتہ آپ کے حنفی اصول کے مطابق اس صورت میں حدیث منسوخ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ آپ کی اصول فقہ کی کتب میں بیان ہوا ہے۔ اور فقہاء نے وجہ بھی یہ ذکر کی ہے کہ صحابہ میں ایسا سوء ظن نہیں کرنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی حکم نقل کریں پھر اس کے خلاف عمل کریں یا فتویٰ دیں لہٰذا ایسی صورت میں صحابہ کرام کے حق میں حسن ظن رکھا جائے گا اور اس طرح سمجھا جائے گا کہ اس راوی صحابی کو اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم ہوا ہے تب اس کے خلاف عمل کیا یا فتوی دیا ہے۔ یہ قاعدہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس حدیث کا راوی اس کے خلاف عمل کرے یا فتوی دے لیکن جب کہ سب صحابہ رفع الیدین کرتے رہے تو ثابت ہوا کہ اس حدیث میں مسنون رفع الیدین کی نفی نہیں ہے بلکہ سلام کے متعلق ہے۔ جس طرح کہ دیگر قرائن سے ظاہر ہے اور اگر نہیں تب بھی آپ کو ایسی اجماعی صورت میں اپنے قاعدے کا خیال رکھتے ہوئے اس دلیل کو منسوخ سمجھنا چاہیے۔ یہ تقریر اپنے معنی میں واضح ہے جو کہ دراصل دو جوابوں پر متضمن ہے ایک تحقیقی دوسرا الزامی۔ اس کو دیکھنے کے بعد اس اعتراض کو ہر ایک انسان حق سمجھے گا اور قبول کرے گا لیکن تاہم مولوی صاحب نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

**صفحہ ۱۰۴**:...... لکھتے ہیں ''پہلا جواب'' لیکن ایک کے بعد ان کا گھوڑا چلنے سے عاجز آ گیا۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری اس حدیث کے راوی جابر بن سمرہؓ سے رفع الیدین کرنا ثابت نہیں کر سکتے نہ ہی آپ ثابت کر سکتے ہیں''

**جواب**:...... امام بخاری نے چار مقامات پر یہ مضمون استعمال کیا ہے فرماتے ہیں کہ '' قال الحسن وحميد بن هلال كان اصحاب رسول الله ﷺ يرفعون ايديهم لم يستثن احدا من

النبی ﷺ دون احد ولم یثبت عند اھل العلم اصحاب النبی ﷺ ما وصفنا" (جزء رفع الیدین صفحہ ۳ طبع دھلی) (یعنی حسن اور حمید بن ھلال کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے اور اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی ایک کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا اور نہ ہی کسی ایک سے اس کا عدم ثابت ہے) دوسری عبارت صفحہ ۱۰ طبع دھلی اوپر گذری ہے جس میں صریح بیان ہے کہ حجاز خواہ عراق کے علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے خواہ کسی صحابی سے رفع الیدین کا ترک ثابت نہیں ہے۔ اور صفحہ ۸۔ پر حسن بصری اور حمید بن ھلال سے روایات نقل کرتے ہیں صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے پھر فرماتے ہیں کہ لم یستثن الحسن وحمید بن ھلال احدا من اصحاب النبی ﷺ دون احد" اس کے بعد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث لاتے ہیں جس میں یہ بیان ہے کہ صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "لم یستثن وائل من اصحاب النبی ﷺ احدا اذا صلوا مع النبی ﷺ۔ انه لم یرفع یدیه" (یعنی وائل بن حجر نے کسی ایک صحابی کو مستثنیٰ نہیں کیا کہ اس نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور رفع الیدین نہ کی ہو) اور صفحہ ۱۵ پر فرماتے ہیں کہ "ولم یثبت عن احد من اصحاب النبی ﷺ انه یرفع یدیه ولیس اسانیده اصح من رفع الایدی" (یعنی کسی ایک صحابی سے ثابت نہیں کہ اس نے رفع الیدین نہ کی ہو اور عدم رفع کی ایک بھی سند رفع الیدین کرنے کی نسبت زیادہ صحیح نہیں) ان تصریحات کے بعد کون سا ثبوت درکار ہے، مولوی صاحب ہمیں الزام دیتے ہیں کہ ہم امام بخاری کی عبارت نہیں سمجھے اب عبارتیں ان کے سامنے ہیں۔ آنکھیں پھاڑ کر پڑھیں اور دیکھیں دوسرے علماء سے پڑھائیں پھر بتائیں کہ خود سمجھے ہیں؟

**ثانیاً**: ...... امام بخاری کا دعوی واضح ہے جب صحابی وائل اور دو تابعی عالم امام بصری اور حمید بن ھلال وضاحت سے کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے عام جملہ بولتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صحابی کو بھی خاص نہیں کرتے۔ نہ کسی کی استثناء کرتے ہیں کہ فلاں اور فلاں صحابی کے علاوہ باقی سب رفع الیدین کرتے تھے۔ بلکہ عام سے نقل کرتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام صحابہ عمل کرتے تھے۔

**ثالثاً**: ...... ایسے الفاظ سے خود حنفیہ بھی اجماع ثابت کرتے ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ کی حدیث "عن معمر بن میمون قال لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ یترکون اربع رکعات قبل الظھر ورکعتین قبل الفجر علیٰ حال" (یعنی صحابہ کرام کسی بھی حالت میں ظہر سے قبل چار رکعات اور فجر سے قبل دو رکعات نہیں چھوڑتے تھے) اس روایت میں نام کسی کا بھی نہیں ہے صرف اصحاب رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی آپ کے حنفی اس سے اجماع صحابہ ثابت کرتے ہیں جیسا کہ

علامہ امیر بادشاہ تیسیر التحریر صفحہ ۲۶۲ ج ۳ میں اور علامہ عبدالعلی انصاری فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۲۴۲ ج ۲ (فی ذیل المستصفی) میں ذکر کیا ہے اسی طرح یہاں بھی اصحاب کا لفظ ہے جس سے سب صحابہ مراد ہیں جب تک کہ کسی ایک کی صحیح سند سے تخصیص یا استثناء ثابت ہو۔

**رابعاً:**......اس اعتراض کے لیے یہ جواب ہی کافی نہیں ہے کہ جابر بن سمرہ سے بھی روایت دکھائیں۔ کیونکہ عموم میں وہ بھی شامل ہیں اور عام طور پر آپ احناف کے نزدیک بھی قطعی دلیل ہے۔ بلکہ جواب کا یہ طریقہ ہے کہ مولوی صاحب خود جابر بن سمرہ سے صحیح اور صریح سند سے ثابت کریں کہ وہ رفع الیدین نہ کرتے تھے یا اس کے قائل نہ تھے ایسے ثبوت کے بعد انہیں مستثنیٰ کریں پھر اس قسم کا جواب دیں جب تک مولوی صاحب اس قسم کا ثبوت نہیں دیتے تب تک اس اعتراض میں کوئی جھول نہیں ہے۔

**الحاصل:**......اس اعتراض کا جواب بھی مولوی صاحب کے پاس نہیں ہے بلکہ ان کی تقریر سے ظاہر ہے وہ اعتراض وجوب اور مناظرہ کے قواعد سے بھی واقف نہیں ہے اگر ان کے پاس جابر بن سمرہ کی استثناء کرنے کے لیے کوئی دلیل ہوتی تو ضرور پیش کرتے۔ اس کو پیش کرنے سے وہ عاجز ہے۔ لہٰذا اعتراض کے جواب کے بجائے غلط طریقے سے اعتراض کرتا ہے۔ اس کے لیے چند مثالیں بھی دیتا ہے جو ان کی علیت کا انکشاف کرتی ہیں۔ مثلاً کہتا ہے کہ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ "بہت سے صحابہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔"

**اوّلاً:**...... یہ لفظ امام ترمذی کے نہیں ہیں۔ بلکہ مولوی صاحب نے خود تراشے ہیں۔ امام ترمذی ابن مسعود کی حدیث لاکر فرماتے ہیں "به يقول غير واحد الخ" اس سے یہ کس طرح لیا کہ رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ "به" کا اشارہ حدیث کے مفہوم کی طرف ہے اور اگر یہ حدیث صحیح تسلیم کی جائے تب بھی رکوع یا رکوع سے اٹھتے وقت اس سے رفع الیدین کی نفی کے متعلق صراحت نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کئی احتمال ہیں۔ جس طرح اوپر بیان ہوا۔ ایسی صراحت ہوتی تو پھر مولوی صاحب کا یہ مطلب بیان کرنا صحیح ہوتا لیکن جب کہ مضمون محتمل ہے۔ تو اس غیر واحد کا مذہب بھی محتمل کہا جائے گا۔ صرف ان الفاظ کو دیکھ کر یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ امام ترمذی کہتے ہیں کہ غیر واحد رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ وھوالثانی۔

**ثالثاً:**......غیر واحد سے بہت سے مراد لینا صحیح نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

**رابعاً:**......اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ امام ترمذی کے قول سے مراد کثیر اصحاب ہیں۔ تب بھی اجماع کا دعویٰ نہیں بنے گا۔ کیونکہ لفظ کثیر بتاتا ہے کہ کچھ اس کے خلاف بھی ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ اجماع کے معنی پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی آپ کے کسی حنفی نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف اس مسئلہ میں جو بغیر کسی قید قلت یا کثرت کے اصحاب کا ذکر ہے۔ لہٰذا ایسے الفاظ اجماع کے معنی کا فائدہ دیتے ہیں۔

**خامساً**:......مولوی صاحب کی یہ مثال بھی وزن رکھتی اگر امام ترمذی رفع الیدین نہ کرنے کے لیے جدا مستقل باب باندھتے پھر حدیث لاتے پھر یہ الفاظ کہتے کہ ''بہ یقول الخ اس صورت میں۔ مولوی صاحب کہہ سکتے تھے کہ ''بہ'' کی ضمیر باب کے مفہوم اور معانی کی طرف راجع اور لوٹنے والی ہے۔ یعنی اس عدم رفع کے متعلق غیر واحد بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ اسی طرح بھی نہیں ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کی مراد اس مثال سے پایا تکمیل کو پہنچی۔ پھر امام ترمذی کے قول کے متعلق کہتے ہیں کہ ''ان کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت جابر بن سمرہؓ بھی رفع الیدین کرتے تھے'' حالانکہ مولوی صاحب کو یہ پتہ بھی نہیں ہے کہ بلا قید لفظ اصحاب'' اور غیر واحد میں بھی کوئی فرق ہے یا نہیں۔ پہلے جملہ میں سب شامل ہو سکتے ہیں۔ جب تک کہ استثناء کسی شخص کے متعلق وارد نہ ہو۔ لہٰذا ان میں جابر بن سمرہؓ داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے جملے میں ایک سے زائد کا ذکر ہے جس سے کوئی خاص شخص مراد نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے تعین کی ضرورت ہے۔ ایسی واضح بات کو بھی مولوی صاحب نہیں سمجھتے تو پھر اپنی علمیت پر ماتم کریں۔ پھر کہتے ہیں کہ اس طرح سے غیر مسلم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''تمہاری قوم کے لیے گوتم بدھ ، رام ، راجا وکر ماجیت وغیرہ ھادی (پیغمبر) ہیں الخ۔ مولوی صاحب کو کیا کہیں!

گر ہمیں مکتب است واین ملا
کار طفلاں تمام خواھد شد

اللہ تعالیٰ کا فرمان حق ہے کہ ﴿مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (النساء۔ المومن) یعنی کئی رسول اللہ تعالیٰ نے بتائے ہی نہیں ہیں۔ مطلوب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں۔ اللہ کا سارا فرمان سچا ہے باقی تعین کے لحاظ سے جو بتائے ہیں وہ برحق ، انہیں ماننا فرض ہے اور جو نہیں بتائے ان کے متعلق ہمیں اپنی طرف سے ''الف'' یا ''ب'' کے لیے فیصلے کرنے کا کوئی بھی حق نہیں ہے۔

**ثانیاً**:......آپ بھی ایسے سوال کرنے والوں کو کہہ سکتے ہیں کہ جو رسول اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں۔ ان میں سے آپ کی قوم میں سے کوئی بھی نہیں۔ اور آپ کی قوم کے لیے کسی کا نام نہیں لیا گیا اور نہ ہی بیان کیا گیا ہے لہٰذا تمہارے گوتم بدھ اور دیگر رسول نہیں کہلا سکتے۔ لیکن یہاں پر اس طرح نہیں ہے۔ ہر مذہب والے کے لیے صحابی ہیں اگر آپ کہیں کہ ہمارے مذہب حنفی کے لیے فلاں یا فلاں صحابی تھا۔ بلکہ یہاں پر لفظ ہیں۔ کہ صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے پھر کسی کا مذہب اس کے موافق ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ وہ کسی کے مذہب کے ساتھ پابند نہیں تھے۔ بلکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے پابند تھے۔ وھو الثالث

**رابعاً**: ...... مولوی صاحب کی یہ مثال یہاں پر تب موزوں ہوتی جب امام بخاری ان عبارتوں کے ساتھ یہ بھی ذکر کرتے کہ فلاں یا فلاں صحابی سے رفع الیدین چھوڑ نا ثابت ہے لیکن اس طرح ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ تو ہر جگہ تصریح کر رہے ہیں کہ کسی ایک سے بھی ترک کا ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ سب کرتے تھے۔ لہٰذا ایسی مثال اس جگہ پر پیش کرنا موزوں نہیں ہے۔

**خامساً**: ...... یہ جو مولوی صاحب نے ہندو رہنماؤں کے نام لیے ہیں ان کے کردار ہی ایسے ہیں جو نبی یا رسول کی شان سے بہت دور ہیں۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ ہندوؤں کے وید مزید پڑھ کر دیکھیں خاص طور پر ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۴۷ دیکھنا چاہیے۔ ثابت ہوا کہ غیر مسلموں کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اس آیت سے دلیل لینے کا کوئی حق ہے اس طرح مولوی صاحب بھی جابر بن سمرہ سے عدم رفع الیدین صحیح سند سے ثابت کریں پھر میدان میں آئیں۔ ''ھنوز دھلی دوراست'' جب تک اس طرح نہیں کرتا تب تک جو کچھ لکھ رہا ہے اپنی ہاتھوں سے اپنی مذہبی اور علمی عمارت کو خود منہدم کر رہا ہے۔

**صفحہ ۱۰۵** : ...... چوتھی دلیل امام بیہقی کی خلافیات کے حوالہ سے نصب الرایہ سے عباد بن زبیر کی روایت نقل کرتا ہے۔

**جواب**: ...... یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ صاحب نصب الرایہ اس کو لانے کے بعد لکھتے ہیں کہ قال الشیخ فی الامام وعباد ھذا تابعی فھو مرسل انتھی . (یعنی شیخ نے فرمایا امام میں عباد تابعی ہے اور یہ روایت مرسل ہے) حافظ ابن حجر الدرایہ صفحہ ۸۴ طبع ھند میں لکھتے ہیں کہ ''وھذا مرسل وفی اسنادہ ایضاً من ینظر فیہ'' یعنی مرسل ہونے کے علاوہ اس میں کئی راوی ایسے ہیں۔ جن میں بحث ہے۔ آپ کے حنفی بھائی لکھنوی التعلیق المجد صفحہ ۷۱ میں کچھ راوایات لاتے ہیں جن میں یہ بھی ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''وللمحدثین علی طرق ھذۃ الا خبار کلمات تدل علی عدم صحتھا'' یعنی محدثین کی طرف سے ان روایات کی اسناد پر ایسے کلمات ہیں جو ان کے غیر صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

**قارئین**: ...... اس روایت کی سند اس طرح ہے۔ اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ عن ابی العباس محمد بن یعقوب عن محمد بن اسحاق عن الحسن بن الربیع عن حفص بن غیاث عن محمد بن ابی یحییٰ عن عباد بن الزبیر ان رسول اللہ ﷺ . اس سند پر بچند وجوہ کلام ہے۔

**اولاً**: ...... بیہقی کے استاد ابو عبداللہ الحافظ جو کہ حاکم ہے وہ آپ احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے آپ کے مذہبی مقتداء کوثری تأنیب الخطیب صفحہ ۱۴۹۔ پر لکھتے ہیں کہ ''الحاکم شدید التعصب اختلط فی آخرہ ویقال انہ کان رافضیا خبیثا'' (یعنی حاکم شدید متعصب تھا آخری عمر میں اختلاط ہوگیا اور کہا

جاتا ہے کہ وہ خبیث رافضی (شیعہ) تھا) اوپر آپ کا ہم عصر مذہبی بھائی مولوی خالق ڈنو ھالائی اپنی تحریر صفحہ ۴ پر ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ان کی سند میں ایک راوی ابوعبداللہ الحافظ جو کہ رافضی تھے۔ پھر جس شخص کی تمہارے نزدیک یہ حیثیت ہے اس کی روایت کو کس طرح دلیل بناتے ہو۔ اگر واقعتاً ایسا تسلیم کرتے ہوتو اس روایت کو دلیل نہ بناؤ۔ اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو پھر اس پر ایسے حملے کیوں کرتے ہو۔ وھو الثانی

**ثالثاً**: ......اس کی سند میں دوسرا راوی الحسن بن الربیع ہے جس کے لیے آپ کے امام کوثری تأ نیب الخطیب صفحہ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں کہ "والحسن بن الربیع یقول فیه ابن معین لو کان یتقی الله لم یکن یحدث بالمغازی ما کان یحسن یقرؤھا" (یعنی حسن بن ربیع کے متعلق معین کہتے ہیں کہ اگر وہ اللہ سے ڈرتا تو مغازی نہ بیان کرتا۔ وہ اچھی طرح قرأت نہیں کرتا تھا۔ ابن شاہین کی ثقات متعلق جس میں سے آپ نے یزید بن ابی زیاد کے متعلق نقل کو معتبر سمجھ کر پیش کیا ہے) امام عثمان بن ابی شیبہ سے منقول ہے کہ "الحسن بن الربیع صدوق ولیس بحجة (تهذیب صفحه ۲۲۸ ج ۲) (یعنی حسن بن الربیع صدوق ہے لیکن حجت نہیں بن سکتا) گویا کہ یہ راوی آپ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

**ثالثاً**: ......حفص بن غیاث کا حافظہ آخر میں بدل گیا تھا جس طرح کہ تقریب، میزان صفحہ ۲۶۶ ج ۱۔ تہذیب صفحہ ۴۱۶ ج ۲ اور ملحق الکواکب النیرات صفحہ ۴۵۹ میں مذکور ہے۔

**رابعاً**: ...... یہ حفص بن غیاث مدلس بھی ہے۔ جیسا کہ تہذیب صفحہ ۴۸۱ ج ۲۔ میں امام احمد اور امام ابن سعد سے منقول ہے اور یہاں پر اپنے استاد سے معنعن روایت کرتا ہے۔

**خامساً**: ...... یہاں دوسری علت بھی ہے کہ حفص بن غیاث کی وہ حدیث معتبر ہے۔ جو کتاب سے بیان کرے نہ کہ وہ جو حافظ سے سنائی ہو۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ "ساء حفظه بعد ما استقصیٰ فمن کتب عنه من کتاب فهو صالح والا فهو کذاب" (الکواکب النیرات صفحه ٤٤٩) اور اس نے جتنی بھی بغداد یا کوفہ میں احادیث بیان کی ہیں وہ سب حافظ سے سنائی ہیں چنانچہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ جمیع ما حدث به حفص ببغداد والکوفة انما هو من حفظه کتبوا عن ثلاثه الاف او اربعة الاف من حفظه (میزان الاعتدال صفحه ۲۶۶ ج ۱) (یعنی کہ وہ جمیع احادیث جو حفص نے بغداد یا کوفہ میں بیان کی ہیں وہ حافظ سے بیان کی ہیں اس سے تین یا چار ہزار احادیث اس کے حافظہ سے لکھی گئی ہیں) یہ حدیث کوفہ میں بتائی ہے کیونکہ ان کے شاگرد حسن بن الربیع کوفی ہے (تهذیب صفحه ۲۷۸ ج ۲) لہٰذا اس وجہ سے بھی یہ روایت صحیح نہیں کہی جائے گی اور یہ اعتراض یہاں پر صحیح نہ ہوگا کہ حفص بن غیاث کی روایات بخاری میں بھی ہیں اوّل یہ پہلے

بیان ہو چکا ہے کہ صحیحین کی روایات ایسے راویوں سے جن کا آخر میں حافظہ تبدیل ہو گیا تھا۔ یہ سب حافظہ خراب ہونے سے قبل کی ہیں۔ دیکھیے تدریب الراوی صفحہ ۲۶۷۔ اس طرح مدلسین کی روایات بھی صحیحین میں متصل آئی ہیں۔ کیونکہ دوطرق سے سماع کی صراحت ہوئی ہے۔ جس طرح اوپر بیان ہوا۔ دوم بخاری میں ان کی صرف وہ روایات ہیں جو اعمش سے ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۳۹۸) امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ "اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غیاث" (تهذیب صفحه ٤١٦ ج ٢) یہ مولوی صاحب کی پیش کردہ روایت اعمش سے نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے راوی سے ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔

**سوم**: ...... یہ اعمش سے روایات بھی حفص کی کتاب میں سے ہیں۔ جس طرح کہ تہذیب اور مقدمہ فتح الباری حوالہ مذکورہ میں امام ابن المدینی سے منقول ہے۔ اور یہ روایت کتاب میں سے نہیں ہے بلکہ یاد (حفظ) سے سنائی ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

**سادساً**: ...... حفص بن غیاث کا استاد محمد بن یحییٰ ہے۔ اس کے متعلق امام یحییٰ بن سعید القطان، جس کو مولوی صاحب صفحہ ۸۵ پر جرح وتعدیل کا امام کہتے ہیں اور ابن اسحاق کے متعلق ان سے جرح نقل کرتے ہیں اور اس پر اعتبار کرتے ہیں۔ اس امام نے اس راوی پر کلام کی ہے۔ چنانچہ تہذیب صفحہ ۵۲۳ ج ۹۔ میزان صفحہ ۱۴۸ ج ۳۔ میں ہے کہ "قال ابو حاتم تکلم فیه یحییٰ القطان" یعنی ابوحاتم فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں یحییٰ القطان نے کلام کی ہے اگرچہ اس کی دوسرے ائمہ نے توثیق کی ہے۔ لیکن مولوی صاحب کے طریقہ کار کے مطابق یہ راوی حجت نہ ہوگا۔ نیز تہذیب میں ابن شاہین جس سے مولوی صاحب نے یزید بن ابی زیاد کے متعلق نقل کیا ہے اس سے منقول ہے کہ وہ اس راوی کے متعلق کہتے ہیں کہ فیه لین.

**سابعاً**: ...... عباد بن الزبیر کا علم نہیں کہ وہ کون ہے کسی کتاب میں ترجمہ نہیں ملتا۔ لہٰذا اتنی صحیح روایات کے مقابلے میں ایسے غیر معروف کی روایت کس طرح قبول کی جائے گی۔ حافظ ابن حجر الدرایہ صفحہ ۸۴ میں لکھتے ہیں کہ "وعباد هذا کانه ابن عبدالله بن الزبیر نسب الی جده" (یعنی یہ عباد گویا کہ ابن عبداللہ بن زبیر ہے اور اپنے دادا کی طرف منسوب ہے) لیکن یہ بھی حافظ صاحب کی طرف سے اس پر شک ہے۔ قطعی فیصلہ نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کو پہچاننے کے لیے اتنا ہی کافی نہیں ہے اگر بالفرض یہی راوی ہو۔ تب بھی اس کا والد عبداللہ بن الزبیر رفع الیدین کرتا تھا۔ جیسا کہ ابن مسعود کی روایت کی بحث میں بحوالہ بیہقی صفحہ ۷۳ ج ۲۔ میں گذرا کہ "قال صلیت خلف عبدالله بن الزبیر فکان یرفع یدیه اذا افتتح

الصلوٰۃ واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع" (یعنی میں نے عبداللہ بن زبیر کے پیچھے نماز پڑھی وہ رفع الیدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تھے) نیز جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۳۔ ۸۔ ۱۳ میں بھی مذکور ہے۔ پھر ان کا بیٹا کس طرح اس کے خلاف نقل کرتا ہے بلکہ عبداللہ بن زبیر خود صحابی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے بواسطہ ابو بکر الصدیق مسلسل رفع الیدین نقل کرتا ہے۔ جس طرح کہ بیہقی کی اوپر والی حدیث میں ذکر ہوا۔ نیز براہ راست رسول اللہ ﷺ سے بھی نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ ائمہ حدیث کے راویوں میں شمار کرتے ہیں جیسے سیوطی "الازھار المتناثرہ فی اخبار المتواترہ" صفحہ ۱۷۔ میں بیان کیا ہے۔ پھر وہ اس کا بیٹا کیسے ہوا۔ جو اس کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے نقل کرے۔ بلکہ عباد کا دادا عبداللہ بن زبیر کا والد زبیر بن عوام بھی رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کا راوی ہے جیسا کہ زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۴۱۸ ج ۱۔ میں بحوالہ امام حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے اور امام ابو الفضل عراقی تقریب الاسانید وترتیب المسانید صفحہ ۱۸ میں فرماتے ہیں کہ "انہ روی رفع الیدین من حدیث خمسین من الصحابۃ منھم العشرۃ" (یعنی انہوں نے رفع الیدین کی حدیث پچاس صحابہ سے روایت کی ہے ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں) اور عشرہ مبشرہ میں سے زبیر بن عوام بھی ہیں۔ ان کے فرزند حافظ ابو زرعہ ابن العراقی اس کتاب کی شرح التثریب فی شرح التقریب صفحہ ۲۶۴ ج ۲۔ میں بھی اس کی تائید کرتے ہیں حافظ ابن عبدالرحمٰن مندہ سے بھی اس کی تائید منقول ہے اسی طرح شیخ الاسلام زکریا الانصاری فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی صفحہ ۲۷۶ ج ۲ (فی ذیل التبصرۃ والتذکرۃ للعراقی) میں اور حافظ سخاوی فتح المغیث صفحہ ۳۴۷۔ میں بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس طرح حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۲۰ ج ۲۔ میں سلفیہ میں بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ پھر جب عباد بن عبداللہ کا دادا جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں زیادہ تھا۔ آپ نے انہیں حواری کہا۔ اس سے ہی رفع الیدین نقل کرتے ہیں۔ اور پوتا جو صحابی نہیں ہے وہ ان سے اس کے خلاف نقل کرے یہ بات عقل سلیم کے خلاف ہے۔ بہر حال اس جگہ پر یہ مسئلہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو وہ عباد بن زبیر دوسرا ہے۔ جو کہ غیر معروف ہے۔ یا تو عباد بن عبداللہ بن زبیر ہے تو اس پر یہ جھوٹ باندھا (گھڑا) گیا ہے جس پر قرائن بالا دلالت کرتے ہیں وھو الثامن.

**قارئین!** ...... یہ جملہ آٹھ علتیں ہیں جس کی بناء پر حافظ ابن حجر کا فرمان ہے کہ اس کی اسناد میں بحث ہے جس طرح اوپر گذرا۔ حافظ ابن قیم المنار المنیف صفحہ ۱۳۹۔ طبع حلب اور صفحہ ۵۰۔ طبع مصر میں اس کو موضوع یعنی من گھڑت کہتے ہیں۔ نویں علت اس میں یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت مجہول سند کے باب سے ہے۔ لہٰذا محدثین اس کو قبول نہیں کرتے۔ جیسا کہ عام کتب میں مذکور ہے۔ مثلاً مقدمہ صحیح

مسلم ، معرفة علوم الحديث للحاكم۔ كتاب التو حيد لا بن خزيمة، سنن تر مذى ، كتاب الثقات لا بن حبان ، المراسيل لا بن ابى حاتم ، معرفة السنن والآثار للبيهقى ، الكفاية للخطيب۔ الالماع للقاضى عياض ، وما يسع المحدث جهله لابى حفص، المقدمة لا بن الصلاح ، التقريب للنووى، الفية الحديث مع شرحه للعراقى، اختصار علوم الحديث لا بن كثير، الخلاصة للطيبى ، النكت لا بن حجر، فتح المغيث للسخاوى ، فتح الباقى للانصارى ، تدريب الراوى للسيوطى ، وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ کیونکہ گرا ہوا راوی مجہول ہے پتہ نہیں کہ وہ کون ہے۔شرح النخبۃ صفحہ ۵۰۔ پر ہے کہ "للجهل بحال المحذوف لانه يحتمل ان يكون صحابيا او تا بعيا وعلى الثانى يحتمل ان يكون ضعيفاً اوثقه وعلى الثانى يحتملِ ان يكون حمل عن الصحابى او عن تا بعى آخر وعلى الثانى فيعودا الاحتمال السابق ويتعدد اما با لتجويز العقلى فالى ما لا نهاية له واما بالا ستقراء فالى ستة او سبعة وهو اكثر ما وجد من رواية بعض التابعين عن بعض " آپ کے حنفی بھائی علامہ عبدالعزیز پڑھیاری کوثر النبی صفحہ ۲۴ پر بھی اس طرح کہتے ہیں کہ هو الصحيح واستدل بان الجهل بالراوى جهل بصفاته التى لا يقبل رواية الا به" اسی طرح آپ کے لکھنوی ظفر الامانی صفحہ ۱۹۷۔ پر مرسل کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے متعلق گیارہ قول نقل کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ "ولا يخفى علىٰ الفطن المتوقدان اكثر هذه الاقوال ضعيفة لا يعبأ بها واقواها هو قبول مرا سيل ثقات التابعين اذا اعلم تحريهم فى روايتهم ومراسيل الصحابة واحوطها مانص عليه الشافعى على ما ذكره فاحفظه " یعنی صرف وہ مرسل معتبر ہے۔جس کو ثقات تابعین میں سے کوئی روایت کرے اور اپنی روایت میں چھان بین اور تحقیق کرنے والا ہو۔ اس قاعدے نے آپ کے استدلال کو فضا میں بکھیر دیا ہے۔ کیونکہ آپ کی روایت کے راوی عباد بن الزبیر کے لیے تحقیق نہیں ہوئی کہ وہ کون ہے اور اس کی توثیق ثابت ہو۔ اس کی منزل بھی دور ہے۔ اگر قبول کیا جائے کہ وہ عباد بن عبداللہ بن زبیر ہے تب بھی اس کے لیے یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ اپنی روایت میں احتیاط سے کام لینے والا تھا۔ امام شافعی کا قاعدہ جس کو لکھنوی صاحب احتیاط کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ راوی بڑے تابعین میں سے ہو اور اس کی تائید دیگر راویوں سے ہوئی ہو۔ یہ بھی شرط یہاں پر مفقود ہے۔ لہٰذا آپ کے حنفی قاعدے کے مطابق بھی یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ پھر جب کہ مرسل میں ایک سے زائد راوی گرنے کا احتمال رہا۔ جس کا علم نہیں کہ وہ ثقہ ہیں یا ضعیف ہیں بلکہ حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۱۷۳ قلمی میں فرماتے ہیں کہ "وقد فتشت كثيرا من المراسيل فوجدت عنه غير

العدول" (یعنی: میں نے بہت سی مراسیل احادیث کی تفتیش کی تو اس میں غیر عادل راویوں کو پایا) اس وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں کہی جائے گی بلکہ ضعیف کہی جائے گی اس کے لیے مولوی صاحب دو جواب دیتے ہیں۔ پہلے میں کہتے ہیں کہ "موطا مالک حدیث کی کتب میں اول طبقہ میں ہے اس میں مرسل احادیث بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں اس سے ثابت ہوا کہ مرسل روایت حجت ہے۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** جب ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک ارسال اور انقطاع علت ہے۔ پھر چاہے کسی بھی کتاب میں ہو۔ تو یہ روایت معلول رہے گی۔ امام ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۵ ج ا۔ میں لکھتے ہیں کہ "واما ابوحنیفة واصحابه فانهم يقلبون المرسل ولا يردونه الابما يردون به المسند من التأويل والاعتلال على اصولهم فى ذالك وقال سائرا هل الفقه وجماعة اصحاب الحديث فى كل الا مصار فيما علمت الا نقطاع فى الاثر علة تمنع وجوب العمل به." بلکہ مرسل کو قبول کرنے والے بھی مقابلہ میں اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۷ ج ا۔ میں پھر لکھتے ہیں کہ "ثم انى تأ ملت كتب المنا ظرين والمختلفين من المتفقهين واصحاب الاثر من اصحابنا وغير هم فلم ارا احدا منهم يقنع من خصمه اذا احتج عليه بمرسل ولا يقبل منه فى ذالك خبرا مقطوعا وكلهم عند تحصيل المناظرة يطالب خصمه بالا تصال فى الاخبار الله المستعان" ثابت ہوا کہ خود مرسل کو ماننے والوں کو بھی اس پر اعتماد نہیں ہے وھو الثانی

**ثالثاً:** ...... سیوطی تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک صفحہ ۶ ج ا۔ میں لکھتے ہیں کہ "وقد صنف ابن عبدالبر كتا با فى وصل ما فى الموطا من المرسل والمنقطع والمعضل قال وجميع ما فيه من قوله بلغنى ومن قوله عن الثقة عنده ممالم يسنده احد ستون حديثا كلها مسندة من غير طريق مالك الا اربعة لا تعرف" (یعنی ابن عبدالبر نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں موطا کی مرسل منقطع اور معضل روایات کا موصول طور پر بیان ہے۔ اس میں امام مالک کا قول "بلغنى" یا "عن الثقة" وغیرہ۔ تقریباً اکسٹھ روایات سب کی سب مسند ہیں امام مالک کے طریق کے علاوہ سوائے چار کے جو کہ معروف نہیں ہیں) ثابت ہوا کہ مؤطا کو اوّل درجہ میں اس وجہ سے شمار کیا گیا ہے کہ اس کی جو مرسل اور منقطع روایات ہیں وہ دوسری سندوں سے موصول ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ درجہ دوسری کتاب کو نہیں مل سکتا۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ اول اپنی روایت کے لیے کوئی دوسری سند پیش کریں جو متصل اور موصول ہو۔ پھر اس کو موطا کی روایات پہ قیاس کریں۔ پانی دیکھنے سے پہلے ہی کپڑے اتار دینا صحیح نہیں ہیں وھو الرابع.

**خامساً**:......خود امام ابن عبدالبر تجرید التمہید صفحہ ۱۰۔ پر فرماتے ہیں کہ "انا قد وصلنا مراسیل المؤطافی کتاب التمہید من طرق الثقات وفی ذالك ما یبین لك صحة مراسیله ومن تأمل ذالك راه هنا لك والحمد لله " (یعنی ہم نے مراسیل موطا کو کتاب التمہید میں ثقات کے طرق سے موصول بیان کر دیا ہے جو آپ کے لیے مراسیل کی حجت کو واضح کر دیگا۔ اور جو اس کو دیکھنا چاہیے وہاں تمہید میں دیکھ لے۔ ثابت ہوا کہ موطا کی مرسل روایات کو اس لیے قبول کیا جاتا ہے کہ وہ دوسری اسناد سے متصل ثابت ہوئی ہیں۔ جن کے راوی ثقہ ہیں جس پر ابن عبدالبر کی کتاب التمہید شاہد ہے نہ صرف موطا میں ہونے کی وجہ سے یہ مرسل قبول کی گئی ہیں۔ جس طرح کہ مولوی صاحب کا گمان ہے لہٰذا مولوی صاحب کا یہ جواب پاش پاش (ریزہ ریزہ) ہوگیا۔

**سادساً**:......امام مالک فرماتے ہیں کہ "عرضت کتابی هذا علی سبعین فقیها من فقهاء المدینة فکلهم واطانی علیه فسمیته المؤطا (شرح زرقانی علی الموطا صفحہ ۷ ج ۱ ومقدمہ موطا الامام مالک اللسنوی صفحہ ۱۶) (یعنی میں نے اپنی یہ کتاب ستر (۷۰) فقہاء پر پیش کی سب نے اس کا اچھی طرح مطالعہ کیا اس کا نام میں نے مدینہ میں موطا رکھا) دوسری کسی کتاب کے لیے مولوی صاحب ایسی مقبولیت ثابت کریں پھر اس کی مرسل کو پیش کریں۔

**سابعاً**: ......اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ متصل اور موصول روایت مرسل یا منقطع سے راجح اور مقدم ہے۔ اس مقام پر مقابلے میں متصل اور صحیح روایات موجود ہیں تو پھر یہاں پر یہ مرسل کیا کام دے گی۔

**ثامناً**: ...... پہلے طبقے کی کتب کی احادیث دوسرے طبقات کی کتب کی احادیث سے مقدم ہیں لیکن یہ کہاں ہے۔ اس سند یا ان راویوں سے دوسری کسی کتاب میں ہو وہ بھی اس درجے میں ہوگی۔ مثلاً متغیر الحفظ کی روایت اگر بخاری یا مسلم میں ہے تو یہ حافظہ خراب ہونے سے قبل کی ہے اور مدلس کی روایت ان میں ہے تو دوسری سند سے اس کے لیے سماع ثابت ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ کیا ہر کتاب کے لیے یہ حکم ہے؟ اس طرح کچھ خطائیں کرنے والے کی روایات ہیں تو یہ چھان بین کر کے ذکر کی گئی ہیں۔ کیا سب کتب کے لیے یہ حکم ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر اس طرح نہیں ہے تو جس مدلس یا متغیر الحفظ "یا" بعض خطاء کرنے والے راوی بخاری یا مسلم میں ان کی روایت آ گئی تو پھر کیا اس راوی کی کتاب میں حدیث معتبر ہوگی کیا؟ قطعاً ایسا کوئی قانون نہیں۔ مولوی صاحب خواہ مخواہ دھوکہ نہ کھائیں اس طرح موطا کی مرسل روایات کو جن علماء نے قبول کیا ہے انہیں کئی خصوصیات حاصل ہیں۔ جو اوپر ذکر ہوئیں لہٰذا اس سے یہ سمجھنا کہ ہر کتاب کی مرسل روایت حجت ہے۔ جہالت اور واضح نادانی ہے اور یہ استدلال کہ چونکہ پہلے درجے کی کتب میں مرسل احادیث ہیں اس

وجہ سے مرسل حدیث حجت کہی جائے گی یہ مولوی صاحب کی نئی بناوٹی اصطلاح اور ان کی جیب کا قاعدہ ہے جس کو قبول کرنے کا کوئی شخص پابند نہیں ہے۔

**الغرض!**...... مولوی صاحب کا یہ جواب مردود ثابت ہوا اور اعتراض کو اس کی جگہ سے دور نہ کر سکے۔

دوسرے جواب میں تدریب الراوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''امام مالک کا مشہور قول ابوحنیفہ، امام احمد اور محدثین کی ایک جماعت اور امام احمد سے بھی مشہور یہ کہ مرسل حدیث صحیح ہے۔''

**جواب:** ...... **اوّلاً:** مولوی صاحب نے تدریب الراوی کی مکمل عبارت نقل نہیں کی مکمل عبارت اس طرح ہے کہ (ثم المرسل حديث ضعيف الا يحتج به (عند جما هير المحدثين والشافعي) كما حكاه عنهم مسلم في صدر صحيحه وابن عبد البر في التمهيد وحكاه الحاكم عن ابن المسيب ومالك (وكثيرا الفقهاء واصحاب الا صول) والنظر للجهل ان يكون غير صحابى واذا كان كذالك فيحتمل ان يكون ضعيفا وان اتفق ان يكون المرسل لا يروى الا عن ثقة فالتو ثيق مع الا بهام غير كاف كما سيأتى ولا نه اذا كان المجهول المسمى لا يقبل فالمجهول عينا وحالا اولىٰ (وقال مالك) فى المشهور عنه (وابو حنيفة فى طائفة) منهم احمد فى المشهور عنه (صخيع) قال المصنف فى شرح المهذب وقيد ابن عبد البر وغيره ذالك بما اذا لم يكن مرسل ممن لا يحترز ويرسل من غير الثقات فان كان فلا خلاف فى رده (تدریب الراوی صفحہ ٦٦،٦٧) اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ مولوی صاحب کا جھوٹ ثابت ہوا کہ محدثین کی جماعت بھی اس طرف گئی ہے۔ بلکہ ثابت ہوا کہ محدثین مرسل کو ضعیف کہتے ہیں۔

**ثانیاً:**...... امام مالک کا صرف یہی ایک قول نہیں بلکہ دو قول ہیں۔

**ثالثاً:**...... مرسل کو قبول کرنے والے قول کو مشہور اس لیے کہا ہے۔ کہ مالکی مذہب کے فقہاء کے نزدیک اس طرح مشہور ہے۔ جس طرح حاکم کے حوالہ سے ذکر کیا گیا اور امام حاکم کا قول ان کی کتاب المدخل فی اصول الحدیث صفحہ ۱۳ میں مذکور ہے فرماتے ہیں کہ ''والمراسيل واهيه عند جماعة اهل الحديث من فقهاء الحجاز غير محتج بها وهو قول سعيد بن المسيب ومحمد بن مسلم الزهرى ومالك بن انس الا صبحى وعبد الرحمن الاوزاعى ومحمد بن ادريس الشافعى واحمد بن حنبل ومن بعد هم من فقهاء المدينة وحجتهم فيه كتاب الله وسنة نبيه ﷺ وهو قوله تعالىٰ ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ الا ية

فقرن الله تعالیٰ الروایة بالسماع من نبیه ﷺ فی خطب ذوات عدد نضر الله امرا سمع مقالتی فوعاها حتی یؤدیها الی من یسمعها " (یعنی مراسیل روایات واہی ہیں ایک جماعت محدثین اور فقہاء حجاز کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔ یہ قول سعید بن مسیّب محمد بن مسلم زہری، مالک بن انس الاصبحی، عبدالرحمٰن الاوزاعی، محمد بن ادریس شافعی، احمد بن حنبل اور ان کے بعد کے فقہاء مدینہ کا ہے ان کا اس بارے میں دلیل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے اللہ کا فرمان ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ ..... الخ ...... ﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بات کو مختلف خطبات میں سننے والے بنا دیئے آپ کا فرمان کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جو میرے قول کو سنتا اس کو یاد کرتا اور سامع تک پہنچا دیتا ہے) امام حاکم کی عبارت سے واضح ہوا کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے کہ مرسل حجت نہیں ہے بلکہ یہ قول قرآن وسنت سے مؤید ہے اس طرح حافظ ابن عبدالبر اور اسماعیل قاضی مالکی مذہب کے امام اور بڑے محدث ہیں۔ بلکہ وہ خود مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ (جامع التحصیل فی احکام المراسیل للعلائی صفحہ ۳۱)

**رابعاً:** ......اسی طرح امام احمد بن حنبل کا صحیح مذہب بھی یہی ہے جس طرح حاکم نے نقل کیا ہے امام صلاح الدین العلائی جامع التحصیل صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں کہ "وهو الذی علیه جمهور اهل الحدیث او کلهم فهو قول عبد الرحمٰن بن مهدی ویحییٰ بن سعید القطان وعامة اصحابهما کابن المدینی وابی خیثمة وهذه الطبقة ثم من بعدهم کالدار قطنی والحاکم و الخطیب والبیهقی ومن یطول الکلام بذکرهم وکلا الامام احمد بن حنبل فی العلل یدل علی ترجیح هذا القول لانه وکل من یعلم علم علل الحدیث یعترض علی ما روی مسندا بالارسال له من بعض الطرق ویعلله به فلو کان المرسل حجه لا زمة لما اعترض به وقال ابن ابی حاتم (فی المراسیل صفحه ۱۳) سمعت ابی وابا زرعة یقولان لا یحتج بالمراسیل ولاتقوم الحجة الا بالا سانید الصحاح المتصل .

**سادساً:** ......اور علت نے یہ بھی بتا دیا کہ راوی مجہول ہے جس طرح کہ شرح نخبۃ سے نقل کیا گیا۔

**خامساً:** ......تدریب الراوی میں بھی بطور فیصل مرسل کو ضعیف کہا گیا ہے اور یہ حکم لگایا گیا ہے کہ "لایحتج به ."

**سابعاً:** ......حنفیہ کا ذکر بھی ہوا لیکن محقق احناف کا یہ کہنا ہے کہ مرسل مسند موصول کے مقابلے کی نہیں ہے امام علائی جامع التحصیل صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ "وقال اکثر المالکیة والمحققون من الحنفیة کابی جعفر الطحاوی وابی بکر الرازی بتقدیم المسند علی المرسل عند التعارض

واذ المرسل وان كان يحتج به ويوجب العمل ولكنه دون المسند " (یعنی اکثر مالکیوں اور محقق احناف کا کہنا ہے کہ جس طرح ابی جعفر الطحاوی وابوبکر الرازی ہیں مسند کو مرسل پر تقدیم حاصل ہے جب تعارض ہو۔ اگر چہ مرسل سے حجت لی جاتی ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی مسند سے کم درجے میں ہے) اس عبارت سے مالکیہ اور احناف کا مذہب واضح ہوا پھر خواہ عباد زبیر کی روایت کو حجت مانیں۔ لیکن ان کے بڑوں کی تحقیق کے مطابق ابن عمر یا دسروں کی احادیث اثبات رفع الیدین کے متعلق موصول اور مسند مروی ہیں۔ ان کے مقابلے میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔

**ثامناً:**...... تدریب الراوی کی عبارت کے آخر میں یہ فیصلہ مولوی صاحب کے لیے گردن توڑ ہے۔ یعنی کہ جنہوں نے مرسل کو قبول کیا ہے انہوں نے بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ راوی ارسال کرنے والا ایک تو ان راویوں میں سے نہ ہو جو احتیاط کرنے والے نہیں ہیں اور غیر ثقہ راویوں (ضعیف) سے بھی ارسال کرتے رہتے ہیں یعنی ہر ایک راوی ضعیف خواہ ثقہ سے ارسال کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے نہ ہو۔ بلکہ صرف ثقہ راویوں سے ارسال کرتا ہو۔ ایسا ثبوت عباد بن الزبیر کے لیے کہیں بھی موجود نہیں ہے اور نہ ہی مولوی صاحب پیش کر سکتے ہیں فاذا فات الشرط فات المشروط۔ اسی وجہ سے تو کہتے ہیں "فان كان فلا خلاف في رده " یعنی ایسی صورت میں جس میں راوی کے لیے ثبوت نہیں ہے کہ وہ صرف ثقہ سے ارسال کرتا ہے تو پھر اس کی مرسل کو رد کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ خود تدریب الراوی کی عبارت نے ہی مولوی صاحب کا کام تمام کر دیا وھو التاسع۔

**عاشراً:**...... تدریب الراوی میں امام مسلم کا بھی حوالہ ہے۔ امام موصوف کی عبارت صحیح مسلم کی ابتداً صفحہ ۲۲ ج ا۔ مع النووی میں اس طرح سے ہے "والمرسل من الروايات في اصل قولنا وقول اهل العلم ليس بحجة " (یعنی مرسل روایات ہمارے اصل قول اور اہل علم کے قول کے مطابق حجت نہیں ہے وہ جنہیں اہل علم کہتے ہیں ان میں امام مالک بھی داخل ہیں چنانچہ اس سے قبل صفحہ ۵ ج ا۔ میں فرماتے ہیں کہ "وقد شرحنا من مذهب الحديث واهله" الخ۔ تھوڑا سا آگے چل کر کہتے ہیں کہ "ائمة الحديث مثل مالك بن انس وشعبة بن الحجاج وسفيان بن عيينة ويحيىٰ بن سعيد القطان عبدالرحمن بن مهدي وغيرهم من الآئمة "

**قارئین:** ...... امام مسلم سے زیادہ دوسرا کون معتبر ناقل ہوگا۔ جو خود امام مالک اور دیگر علماء حدیث کا مذہب یہ بتاتے ہیں کہ مرسل حجت نہیں ہے اور مولوی صاحب کا یہ کہنا درست نہ ہوا بلکہ جس تدریب کا سہارا لیا اس کی عبارت مکمل نقل نہ کی ہم نے پوری عبارت نقل کر کے ان کی ناکام کوشش کی حقیقت کا انکشاف کیا

وللہ الحمد.

پھر تدریب الراوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن جریر فرماتے ہیں کہ سب تابعین کا اتفاق ہے کہ مرسل حدیث حجت ہے۔ دوسری صدی کے آخر تک کسی بھی بزرگ سے اس کا انکار کرنا بیان نہیں ہوا''

**جواب:** ...... خود اسی تدریب الراوی میں مذکور ہے کہ سعید بن مسیّب مرسل کو حجت نہیں مانتے تھے جیسا کہ عبارت گزری، سعید کبار تابعین میں سے ہیں۔ پھر یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہوگا۔

**ثانیاً:** ......خود آپ کے حنفی بھائی لکھنوی صاحب نے بھی اس کو رد کیا ہے چنانچہ ظفر الامانی صفحہ ۱۹۶ پر لکھتے ہیں کہ "بل ادعی ابن جریر الطبری وابن الحاجب اجماع التابعین علی قبوله والاحتجاج به ور دعليهما بانه قد نقل عدم الاحتجاج عن بعض التابعين كسعيد بن المسيب وابن سيرين والزهری فاين الاجماع (یعنی ابن جریر طبری اور ابن حاجب نے اس کے قبول کرتے اور اس سے دلیل لینے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان پر اسی بات کو رد کیا گیا ہے۔ کیونکہ بعض تابعین سے عدم احتجاج نقل کیا گیا مثلاً سعید بن مسیّب ابن سیرین اور زہری کا اجماع کہاں چلا گیا۔

**ثالثاً:** ......کئی تابعین سے مرسل روایت کو رد کرنا منقول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۷۵ قلمی میں لکھتے ہیں کہ "وكذا انكر الزهری عن اسحاق بن ابی فروة احاديث ارسلها . (یعنی اسی طرح زہری نے اسحاق بن فروہ کی مرسلات کا انکار کیا ہے) صفحہ ۸۵۔۱۸۴۔ پر اس دعوی کے متعلق فرماتے ہیں کہ لٰكنه مردود علی مدعيه فقد قال سعيد بن المسيب وهو من كبار التابعين ليس بحجة نقله عند الحاكم وكذا تقدم نقله عن محمد بن سيرين وعن الزهری وكذا كان يعيبه شعبة واقرانه والآخذون عنه كيحيىٰ القطان وعبدالرحمن بن مهدی وغيرواحد وكل هٰؤلآءِ قبل الشافعی ونقله الترمذی عن اكثر اهل الحديث " (یعنی اس کا دعوی کرنے والے کی بات کو رد کیا گیا ہے سعید بن مسیّب نے یہ بات کہی اور وہ کبار تابعین میں سے ہیں لیکن یہ حجت نہیں ہے ان سے حاکم نے نقل کیا اس طرح محمد بن سیرین اور زہری سے نقل کیا گیا شعبہ اور ان کے ساتھی ارسال کو عیب سمجھتے تھے۔ ان سے لینے والے یحییٰ القطان عبدالرحمٰن بن مہدی اور ایک سے زائد ہیں اور یہ تمام تر لوگ امام شافعی سے قبل کے ہیں اور امام ترمذی نے اکثر اہل حدیث سے اسی طرح نقل کیا ہے) خلیفہ عمر بن عبدالعزیز مشہور تابعی ہیں۔ وہ عروہ بن مسعود پر مرسل حدیث کے متعلق اعتراض کرتے ہیں۔ اور جب سند کے ساتھ موصول روایت پیش کرتے ہیں پھر قبول کرتے ہیں جس طرح کہ موطا مالک کے صفحہ ٦ کی پہلی حدیث میں مذکور ہے۔

**رابعاً:** ...... یہ کہنا بھی غلط ہے کہ دوسری صدی کے آخر تک کسی نے انکار نہیں کیا حالانکہ اوپر جامع التحصیل کی عبارت میں ذکر ہوا کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام یحییٰ بن سعید القطان بھی مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ دونوں دوسری صدی کے ہیں اور یہ دونوں سنہ ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے ہیں (تہذیب صفحہ ۲۸۱ ج ۶۔ صفحہ ۲۱۹ ج ۱۱) اس طرح امام عبداللہ بن مبارک سنہ ۱۸۱ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ (تہذیب صفحہ ۳۸۶ ج ۵) یہ بھی مرسل کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی ابتداء میں صفحہ ۱۲ ج ۱ مع النووی میں واقعہ مذکور ہے۔ کہ ابواسحاق الطالقانی کو کہا کہ "یا ابا اسحاق ان بین الحجاج بن دینار وبین النبی ﷺ مفاوز تنقطع فیها اعناق المطی " (یعنی اے ابواسحاق حجاج بن دینار اور نبی ﷺ کے درمیان بڑا لمبا فاصلہ ہے اس کو طے کرنے میں اونٹوں کی گردنیں ختم ہو جائیں۔)

**خامساً:** ......خود صحابہ کرام کے زمانہ میں مرسل روایات کو نہیں مانا گیا خود ابن عباس رضی اللہ عنہما بشیر بن کعب پر مرسل روایت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی ابتداء صفحہ ۱۰ ج ۱ میں مذکور ہے علامہ علائی جامع التحصیل صفحہ ۵۹ میں ابن عباس کی اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ "فهذا ابن عباس رضی اللہ عنہما لم یقبل مراسیل بشیر بن کعب وهو من ثقات التابعین الجلیلة الذین لم یتکلم فیهم واحتج به البخاری فی صحیحه فکیف بغیره " (یعنی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ جنہوں نے بشیر بن کعب کی مراسیل کو قبول نہیں کیا حالانکہ وہ جلیل القدر ثقہ تابعین میں سے ہیں جن کے بارے میں کسی نے کوئی بات نہیں کی اور اس سے امام بخاری نے حجت لی ہے تو پھر اس کے علاوہ کس کی مرسل کو قبول کیا جاسکتا ہے) النکت لابن حجر صفحہ ۱۷۵۔ قلمی میں مقدمہ صحیح مسلم کے حوالے سے مذکور ہے کہ "عن ابن عباس انه انکر علی بشیر بن کعب احد التابعین احادیث ارسلها وقال کنا نقبل الحدیث عن رسول الله ﷺ من کل احد فلما رکب الناس الصعب والذلول لم یقبل منه الا ما یعرف " (یعنی ابن عباس نے بشیر بن کعب کی مراسیل احادیث کا انکار کیا حالانکہ وہ تابعی ہیں کہتے ہیں کہ ہم حدیث رسول ہر کسی سے قبول کرتے تھے لیکن جب لوگ اوپر اور نیچے گھاٹیوں پر سوار ہوگئے تو ان سے صرف وہ چیز لی جاتی جو معروف ہوتی تھی) پھر جب کہ خود صحابہ کے دور میں ہی مرسل کا انکار تھا۔ تو پھر یہ کہنا کہ دوسری صدی کے آخر تک کسی نے انکار نہ کیا غلط ثابت ہوا۔ بلکہ اس روایت سے ثابت ہوا کہ سلف صالحین سے مرسل قبول کرنے کے متعلق جو منقول ہے اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ جب تک راویوں میں جھوٹ کی رسم نہ پڑی تھی جب اس زمانے میں رسم شروع ہوگئی تو انکار بھی شروع کر دیا لہٰذا مرسل روایت کسی بھی حال میں معتبر نہیں ہے وھو السادس۔

**سابعاً:** ......امام ابن جریر سے تو بالکل اس طرح نقل کیا ہے لیکن ان کی کسی بھی کتاب اور سند کا حوالہ نہیں دیا لہٰذا اس پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عقل اسی بات کو محال سمجھتی ہے۔ اتنی تصریحات اور بیانوں کے ہوتے ہوئے امام ابن جریر کس طرح کہتے ہیں کہ دوسری صدی کے آخر تک کسی نے مرسل کا انکار نہیں کیا الحاصل اسی اعتراض کے متعلق مولوی صاحب نے جو کچھ لکھا اس سے کوئی کھل تیل نہ نکلا۔ بلکہ اس حدیث میں ارسال کی علت موجود ہے اور یہ نواں جواب ہے۔

**عاشراً:** ......مرسل کو بھی اس صورت میں قبول کرتے ہیں کہ اس کی بقیہ سند صحیح اور سالم ہو۔ چنانچہ حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۸۵ قلمی میں لکھتے ہیں کہ ”لا یخفی ان محل قبول المرسل عند من یقبله انما هو حیث یصح باق الاسناد اما ان اشتمل علی علة اخری فلا یقبل“ (یعنی یہ بات مخفی نہیں کہ مرسل کے قبول کرنے کا محل یہ ہے کہ باقی سند صحیح ہو اور اگر اس میں کوئی اور علت ہوئی تو قبول نہ ہوگی) کیونکہ اس جگہ پر سند میں ارسال کے علاوہ دوسری علتیں ہم نے نکال کر ظاہر کی ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کی مرسل کو حجت بنانے کے لیے ساری کوشش کنویں کی تہہ میں چلی گئی۔

**الحادی عشر:** ......اگر ہم سب اعتراضات کو چھوڑیں اور مولوی صاحب کی کوشش کو تسلیم کریں کہ یہ روایت حجت لینے کے قابل ہے تب بھی سب سے پہلے مولوی صاحب پر یہ روایت حجت ہے اور ان کے مذہب کا ہی خاتمہ کرتی ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب نے روایت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو ہاتھ اوپر اُٹھاتے تھے۔ پھر نماز سے فارغ ہونے تک دوبارہ اوپر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ ان الفاظ پر غور کریں کہ مولوی صاحب اور ان کے ہم خیال نماز شروع کرنے (تکبیر اولی) کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک ہاتھ تو نہیں اٹھاتے؟ یقیناً اٹھاتے ہیں اور بعض حنفی تو جنازہ نماز میں بھی ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ جس طرح کہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب بدایع الصنایع للکاسانی صفحہ ۳۱۷ ج ۲۔ البحر الرائق لابن نجیم صفحہ ۱۹۷ ج ۲۔ تبیین الحقائق لزین الدین الزیلعی صفحہ ۲۴۱ ج ۱ اور خزانۃ الروایات صفحہ ۲۵۶۔ قلمی وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ لہٰذا وہ خود اس روایت کے مخالف ہیں۔ یا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے مذہب میں خلل ڈالیں یا تو اپنے مذہب کا بھرم رکھتے ہوئے اس روایت سے دستبردار ہوں۔ یہ تھی مولوی صاحب کی چوتھی دلیل جس کے متعلق بحث کی گئی۔

**صفحہ ۱۰۶:** ...... پانچویں دلیل بحوالہ نصب الرایہ خلافیات للبیہقی سے اس طرح نقل کرتے ہیں ”عن عبداللہ بن عون الخزاز حدثنا مالك عن الزهری عن سالم عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یعود“

**جواب**: ...... اس روایت کی سند پوری مذکور نہیں ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن عون الخزاز (جس سے اس جگہ پر سند شروع ہوئی ہے) امام بیہقی کا استاذ نہیں ہے۔ بلکہ ان سے بہت قدیم ہے۔ ماہ رمضان سنہ ۲۳۲ھ میں فوت ہوا ہے (تھذیب صفحہ ۳۵۰ ج ۵۔ تاریخ بغداد صفحہ ۳٦ ج ۱۰ ، الجمع بین رجال الصحیحین لا بن القیسرانی صفحہ ۲۷۷ ج ۱۔ وغیرہ) امام بیہقی کی پیدائش ماہ شعبان سنہ ۳۸۴ھ میں ہوئی ہے (المنتظم لا بن جوزی صفحہ ۲٤۲ ج۸، الانساب للسمعانی صفحہ ۱۰۱۔ طبع لندن تذکرۃ الحفاظ للذھبی صفحہ ۱۱۳۲ ج۳ طبقات الحفاظ للسیوطی صفحہ ٤۳٤ وغیرہ) جس کا معنی یہ کہ درمیان میں کم از کم ۱۰۰ سال کا عرصہ ہے پھر سند کے بغیر روایت کس طرح قبول کی جائے؟ آپ کے انورشاہ کشمیری نے العرف الشذی صفحہ ۱۳۳ میں لکھتا ہے کہ "ولم اطلع علی اوّل اسنادہ" یعنی اس کی سند کا شروع حصہ مجھے نہیں ملا۔ مولوی عبدالرشید نعمانی ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ صفحہ ۴۸۔ پر علامہ مغلطائی کی شرح ابن ماجہ کے حوالہ سے اس کی سند اس طرح لکھی ہے "محمد بن غالب احمد ابن محمد البرانی ثنا عبداللہ بن عون ثنا مالک الخ۔

**اوّلاً**: ...... خود مغلطائی نقل کرنے میں بہت وھم کرتا تھا جس طرح کہ حافظ ابن حجر نے لسان المیز ان صفحہ ۷۳۔۷۴ ج ٦۔ میں ذکر کیا ہے۔

**ثانیاً**: ...... اسی محمد بن غالب کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے اس مجھول کو کون قبول کرے؟ اور اگر کہیں کہ یہ محمد بن غالب تفتام ہے۔ جو کہ احمد بن محمد سے روایت کرتا ہے۔ تب بھی یہ بیہقی کا استاذ نہیں بنتا۔ کیونکہ وہ ماہ رمضان سنہ ۲۸۳ھ میں فوت ہوا ہے (تاریخ بغداد صفحہ ۱٤٦ ج۳، تذکرۃ الحفاظ صفحہ ٦۱۵ ج ۲۔ طبقات الحفاظ للسیوطی صفحہ ۲۷۰ المنتظم لا بن الجوزی صفحہ ۱٦۹ ج ۵ ) اور امام بیہقی کی ولادت سنہ ۳۸۴ھ میں ہوئی ہے کما تقدم۔ یعنی کہ امام بیہقی تفتام کی وفات کے بعد کم از کم سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں پتہ نہیں کہ درمیان میں کس کا واسطہ ہے اور وہ جھوٹا ہے یا سچا اور اگر کہیں کہ امام حاکم محمد بن عبداللہ الحافظ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ امام بیہقی کا مشہور استاد ہے اور وہ اکثر روایات ان سے ہی لاتے ہیں۔ یہ بھی کہنا کارگر نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ محض وھم اور شبہ ہے۔ جب تک ایسا ثبوت موجود نہیں ہے۔ تب تک معاملہ اندھیرے میں رہے گا اور ایسا ثبوت ملنا مشکل ہے۔ ایضاً اگر تسلیم کیا جائے کہ اس سند میں بیہقی کا استاد حاکم ہے۔ تب بھی سند متصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ امام حاکم سنہ ۳۲۱ھ ماہ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے ہیں۔ (تاریخ بغداد ،صفحہ ۳۷۳ ج ۱ المنتظم لا بن الجوزی صفحہ ۲۷٤ ج ۷ ، تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۰۳۹ ج ۳ ، طبقات الحفاظ للسیوطی صفحہ ٤۱۰ وغیرھا) جس کا مطلب کہ حاکم تفتام کی وفات

سے تقریباً ۳۸ سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ وہ ان سے کس طرح روایت کرتے ہیں۔ بہر حال دو حالتوں سے معاملہ خالی نہیں ہے۔ یا تو محمد بن غالب مجہول ہے جس کا سچا یا جھوٹا ہونے کا کوئی علم نہیں ہے اور اگر وہ ثقہ ہے تو پھر وہ بیہقی کا شاگرد نہیں ہے اور نہ ملاقات ہے اور نہ حاکم ان کا شاگرد ہے۔ نہ اس سے ملاقات ہوئی درمیان میں معلوم نہیں کس کا واسطہ ہے۔ جھوٹے راوی کا یا سچے راوی کا دونوں صورتوں میں روایت مجہول اور مجہول سند پر اظہار مسرت عالم کا کام نہیں ہے۔ بلکہ صحیح روایات کے مقابلے میں مجہول روایت کس کام کی؟

**ثالثاً:** ...... ائمہ حدیث نے اس روایت کو موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے۔ چنانچہ نصب الرایہ صفحہ ۴۰۴ ج ۱، جہاں سے مولوی صاحب نے روایت نقل کی ہے۔ اس مقام پر حافظ زیلعی لکھتے ہیں کہ "قال البیھقی قال الحاکم ھذا باطل موضوع لا یجوز ان یذکر الاعلی سبیل القدح فقد روینا با لا سانید الصحیحة عن مالك بخلاف ھذا ولم یذکر الدار قطنی ھذا فی غرائب حدیث مالك" (یعنی امام بیہقی کہتے ہیں کہ امام حاکم نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع باطل ہے اس کو صرف قدح کے طور پر ذکر کرنا جائز ہے ہم نے اسانید صحیحہ سے اس کے خلاف مالک سے روایت کی ہے اور امام دارقطنی نے غرائب حدیث مالک میں اس کو ذکر نہیں کیا) گویا کہ امام حاکم اور بیہقی اس کو موضوع (من گھڑت) قرار دیتے ہیں خود آپ کے زیلعی حنفی بھی اس کو رد نہیں کرتے۔ جس کا مطلب ظاہر ہے کہ زیلعی بھی اس کو موضوع سمجھتے ہیں۔ بلکہ نصب الرایہ پر آپ کے حنفی ادارہ المجلس العلمی کی طرف سے لکھا ہوا حاشیہ بنام "بغیه الالمعی فی تخریج الزیلعی" میں بھی اس کی تردید نہیں کی۔ نیز حافظ ابن حجر الدرایہ صفحہ ۸۴۔ طبع ھند میں اس کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ونقل (البیھقی) عن الحاکم انه موضوع وھو کما قال" یعنی یہ روایت واقعتاً موضوع ہے۔ جس طرح کہ حاکم نے فرمایا ہے تلخیص الحبیر صفحہ ۲۲۲ ج ۱۔ میں سیدھا سادہ فیصلہ دیتے ہیں کہ "رواہ البیھقی فی الخلافیات وھو مقلوب موضوع" (یعنی اس کو بیہقی نے خلافیات میں روایت کیا ہے اور یہ مقلوب اور موضوع ہے) اور حافظ ابن الملقن البدر المنیر (المصور) باب صفۃ الصلوٰۃ نویں حدیث کی تخریج میں "فصل فیما عارض ذالك من الاحادیث والآثار وبیان ضعفھا" میں فرماتے ہیں کہ "واما الحدیث الرابع وھو حدیث ابن عمر قال البیھقی وقبله الحاکم انه باطل موضوع لا یجوز ان یذکر الاعلی سبیل التعجب والقدح فیه وقدروینا بالاسانید الباھرة عن مالك بخلاف ھذا (اور چوتھی حدیث ابن عمر کی حدیث ہے امام بیہقی فرماتے ہیں اور ان سے پہلے حاکم فرما چکے ہیں کہ یہ باطل اور موضوع ہے۔ اس کو صرف تعجب اور قدح کے طور پر ذکر کرنا جائز ہے۔ ہم نے اس کو مالک سے صحیح

اسناد سے اس کے خلاف روایت کیا ہے) حافظ ابن قیم المنار المنیف فی الصحیح والضعیف صفحہ ۱۳۸۔ طبع حلب میں یہ روایت لا کر فرماتے ہیں کہ "ومن شم روائح الحدیث علی بعد شھدبالله انه موضوع" یعنی جس کو علم حدیث کی دور سے خوشبو آئی ہو وہ بھی اللہ کے لیے گواہی دے گا کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ اس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ صفحہ ۱۱۵ ج ۴۔ میں ایسی سب روایات کو باتفاق علماء حدیث جھوٹ کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ "وحدیث کان یر فع یدیه فی ابتداء الصلوٰۃ ثم لا یعود الی امثال ذالك من الاحادیث التی یصدق بعضها طائفة من الفقهاء ویبنون علیها الحلال والحرام واهل العلم بالحدیث متفقون علی انها کذب علی رسول الله ﷺ موضوعة وکذالك اهل العلم من الفقهاء ویعلمون ذالك" اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ایسی روایات کے جھوٹ ہونے پر علماء حدیث کا اتفاق ہے۔ بلکہ فقہاء جنہیں علم ہے وہ بھی اسی طرح جانتے ہیں۔ باقی ایک جماعت فقہاء کی اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتی ہے۔ کیونکہ انہیں علم نہیں ہے۔ امام موصوف یہ تصریح کر چکے ہیں کہ صاحب علم فقہاء اس کو جھوٹا اور موضوع سمجھتے ہیں۔ اس طرح آپ کے لکھنوی صاحب التعلیق المجد صفحہ ۷۱ پر اس کو غیر صحیح مانتے ہیں۔ امام ابن عبدالبر التمهید صفحه ۲۲۱ ج ۹ میں، امام ابن وضاح اندلسی سے نقل کرتے ہیں کہ "ثم لا یعود" والی سب روایات ضعیف ہیں۔

**رابعاً:** ...... اگر یہ راوی محمد بن غالب تفتام ہے تو اس کے متعلق دارقطنی کہتے ہیں "ثقة ما مون الا انه یخطی" (تذکرة الحفاظ صفحه ٦١٥ ج ٢) اس جیسی کوئی دوسری غلطی ہو سکتی ہے کہ ایک پوری جماعت امام مالک سے اس سند سے ایک طرح نقل کرے یعنی رفع الیدین ثابت کرے اور پھر کوئی دوسرا شخص، وہ بھی مجہول اور نا معلوم کہ کون ہے اس کے خلاف اس سند سے نقل کرے ایسی شاذ اور منکر روایت دنیا میں اور کوئی نہ ہوگی۔ مولوی صاحب بیچارے کو اصل کتب دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوتیں وہ صرف دوسرے قصے خوانوں کے بھروسہ پر جھوٹے سچے قصے جمع کر رہے ہیں۔

اس پر مولوی صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو موضوع (من گھڑت) کہا ہے جس روایت کو ائمہ حدیث موضوع کہیں اس کو دلیل بنانے پر مولوی صاحب کو آفرین ہو۔

**جواب:** ...... اس طرح دیتے ہیں کہ "امام بیہقی نے خود اس حدیث کو نقل کیا خود بتا نہیں سکتے کہ یہ حدیث کس طرح موضوع ہے؟ اور نہ حاکم بتا سکتے ہیں کہ اس حدیث میں کون سا راوی جھوٹا ہے؟"

**جواب:** ...... **اوّلا:** حاکم اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ محدثین کی ایک دوسری جماعت ہے جیسا کہ

اوپر گزرا۔

**ثانیاً:** ...... محدثین کی اس کلام کو خود آپ کے احناف نے بھی قبول کیا ہے۔ یہ ذکر بھی اوپر ہوا۔ پھر مولوی صاحب کی کلام کی طرف کون توجہ دے گا۔

**ثالثاً:** ...... امام حاکم کا یہ قول بغیر دلیل کے نہیں ہے۔ مولوی صاحب کو اگر علم ہوتا تو ایسے سوال کی جرات نہ کرتا، ہم اس مقام پر کچھ دلائل ذکر کرتے ہیں۔ دو دلیلیں خود نسب الرایہ کی عبارت میں مذکور ہیں۔ دلیل اوّل حاکم کا قول "وقد روينا بالاسانيد الصحيحة عن مالك بخلاف هذا" (یعنی ہم نے صحیح اسانید کے ساتھ امام مالک سے اس کے خلاف روایت کیا ہے) اور ظاہر ہے کہ امام مالک ہے اس سند کے ساتھ بڑی جماعت نقل کرنے والی ہے۔ جو کہ یہ ہیں۔

۱۔ یحییٰ بن یحییٰ الاندلسی ۲۔ عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی ۳۔ ابو مصعب الزبیری ۴۔ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ۵۔ سعید ابن الحکم بن ابی مریم ۶۔ معن بن عیسی القزاز ۷۔ امام شافعی ۸۔ یحییٰ بن یحییٰ نیسابوری ۹۔ اسحاق بن الطباع ۱۰۔ روح بن عبادہ ۱۱۔ عبداللہ بن نافع الزبیری ۱۲۔ کامل بن طلحہ ۱۳۔ اسحاق بن ابراھیم الحنینی ۱۴۔ ابو حذافہ احمد بن اسماعیل ۱۵۔ عبداللہ بن وھب مصری ۱۶۔ ابن القاسم ۱۷۔ یحییٰ بن سعید القطان ۱۸۔ عبداللہ بن ابی اویس ۱۹۔ عبدالرحمٰن بن مہدی ۲۰۔ جویریہ بن اسماء ۲۱۔ ابراھیم بن طھمان ۲۲۔ عبداللہ بن مبارک ۲۳۔ بشر بن عمر ۲۴۔ عثمان بن عمر ۲۵۔ عبداللہ بن یوسف التنیسی ۲۶۔ خالد بن مخلد ۲۷۔ مکی بن ابراھیم ۲۸۔ محمد بن الحسن الشیبانی ۲۹۔ خارجہ بن مصعب ۳۰۔ عبدالملک بن زیاد النصیبی ۳۱۔ عبداللہ بن نافع الصائغ ۳۲ موسی بن طارق ۳۳۔ مطرف بن عبداللہ ۳۴۔ قتیبۃ بن سعید (التمهيد ابن عبدالبر صفحه ۲۱۰ ج ۹) یہ چونتیس راوی امام مالک سے اسی سند سے رفع الیدین کرنے کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ اتنی شہرت اور تواتر والی روایت کے مقابلے میں ایک مجہول کا کہنا صاف جھوٹ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ دلیل الثانی۔ زیلعی کا قول "لم يذكر الدار قطني هذا في غرائب مالك" یعنی امام دارقطنی کی مشہور کتاب جس میں امام مالک کی یہ غریب اور ناپید روایات نقل کی ہیں ان میں یہ روایت نہیں ہے۔ جب کہ اس کتاب میں بھی یہ روایت نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ اس مجہول راوی نے امام مالک پر جھوٹ بولا ہے۔ الدلیل الثالث: امام مالک کی مشہور کتاب جو دنیا کے سب کتب خانوں میں موجود ہے لاکھوں علماء کی نظر سے گزر چکی ہے اس میں اس سند سے اثبات رفع الیدین کے متعلق صریح روایت موجود ہے۔ اس کے خلاف ایک مجہول کا امام مالک سے نقل کرنا اس کے جھوٹے ہونے میں کون سا شک ہے۔ کیا مولوی صاحب موطا کی روایت کو جھوٹ کہیں گے؟

الدلیل الرابع: امام مالک سے آپ کے حنفی مذہب کے امام محمد بن الحسن الشیبانی یہ روایت اس طرح نقل

کرتے ہیں۔ "اخبرنا مالك حدثنا الزهری عن سالم بن عبید الله بن عمر ان عبدالله بن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حذاء منکبیه واذا كبر للركوع رفع یدیه واذا رفع راسه من الركوع رفع یدیه ثم قال سمع الله لمن حمده ثم قال ربنا ذالك الحمد" (موطا محمد صفحه ٦٩) (یعنی عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اپنے کندوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے رفع الیدین کرتے تھے پھر سمع الله لمن حمده کہتے پھر اس کے بعد ربنا ذالک الحمد کہتے تھے) اور اس کے خلاف ایک مجہول راوی امام مالک سے نقل کرتا ہے کہ "یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یعود" اب مولوی صاحب اپنے حنفی امام کے خلاف مجہول کی نقل کو مانیں گے؟

الدلیل الخامس۔ امام مالک کے واسطہ سے اسی سند والی حدیث موطا محمد کے علاوہ مسند شافعی صفحہ ١٧ مسند احمد صفحہ ١٨ ج ٣ صحیح البخاری صفحہ ١٠٢ ج ١ صحیح ابوعوانہ صفحہ ٩١ ج ٢ صحیح ابن حبان صفحہ ٢٥٢ ج ٣ (بترتیب الفارسی) سنن نسائی صفحہ ١٠٢۔ ١٢٦ ج ١ جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ٥٠، طبع دھلی، مسند ابویعلی صفحہ ٢٥٥، قلمی شرح معانی الاثار للطحاوی الحنفی صفحہ ١٣١ ج ١، سنن الدارمی صفحہ ٢٤٢ ج ١، سنن کبری للبیہقی صفحہ ٦٩ ج ٢۔ المحلی صفحہ ٨٨ ج ٤۔ شرح السنۃ للبغوی صفحہ ٢٠ ج ٣، تاریخ بغداد صفحہ ٢٦١ ج ٣ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں۔ سب میں رفع الیدین کا اثبات ہے سب کی سندیں مختلف ہیں۔ ان سب سے آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں ان کے مقابلے میں یہ مجہول روایت یقیناً جھوٹی ہے۔

الدلیل السادس: بلکہ ابن شہاب زہری سے امام مالک کے علاوہ دیگر کئی ثقات اور حفاظ اس روایت کے راوی ہیں مثلاً۔ ١۔ محمد بن الولید الزبیدی۔ ٢۔ معمر بن راشد ٣۔ امام اوزاعی ٤۔ محمد بن اسحاق ٥۔ سفیان بن حسین، عقیل بن خالد ٧۔ شعیب بن ابی حمزہ ٨، امام سفیان بن عیینہ ٩ یونس بن یزید الایلی ١٠۔ یحییٰ بن سعید الانصاری جیسا کہ ابن عبدالبر نے التمہید حوالہ مذکور میں ذکر کیا ہے۔ دوسرے بھی ان سے راوی ہیں مثلاً۔ ١١۔ ابراھیم بن ابی علیہ ١٢۔ قرۃ ابن عبدالرحمٰن ١٣ امام ایوب السختیانی ان کی حدیث معجم الکبیر للطبرانی صفحہ ٢٧١۔ ٣١٩ ج ١٢ میں ہے اور ابن جریج بھی ہے۔ ان کی روایت مسند عبدالرزاق صفحہ ٦٧ ج ٢، ابوعوانہ صفحہ ٩١ ج ٢۔ دار قطنی صفحہ ١٠٧ ج ١۔ مصری میں ہے۔ ١٥۔ الولید بن محمد الموقری ان کی روایت موضح اوھام الجمع والتفریق للخطیب صفحہ ٤٣٨ ج ٢ میں ہے۔ ١٦۔ ھشیم بن بشیر کی حدیث معجم ابو طاہر السّلفی صفحہ ٢٥١ قلمی میں ہے۔ ١٧۔ عبداللہ بن عمر کی حدیث ابوعوانہ صفحہ ٩١ ج ٢، المحلیٰ صفحہ ٩٠ ج ٤، تاریخ بغداد صفحہ ٢٦٠ ج ٣ میں ہے۔ ١٨۔ محمد بن ابی حفصہ ان کی حدیث ابوعوانہ صفحہ ٩١ ج ٢، تاریخ بغداد صفحہ ٢٦٠ ج ٣ میں ہے۔ ١٩۔ امام زہری کا بھتیجا

ان کی حدیث دار قطنی صفحہ ۱۰۸ج ا۔ میں ہے۔ یہ جملہ ۱۹ ثقات جن میں کئی امام ہیں۔ وہ سب زہری سے اثبات رفع الیدین کی روایت نقل کرتے ہیں ثابت ہوا کہ اس مجہول نے امام زہری پر جھوٹ بولا ہے۔

الدلیل السابع: امام زہری کے علاوہ امام سالم سے دوسرے بھی راوی ہیں۔ مثلاً صفوان بن سلیم طبرانی صغیر صفحہ ۱۴۱ج ا۔ میں ہے "حدثنا یحییٰ بن علی محمد بن ہاشم ابو العباس الکتانی الحلبی حدثنا ابو نعیم عبید بن ہاشم حدثنا سفیان ابن عیینۃ عن الزہری وصفوان بن سیلم عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ ان النبی ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ واذا رکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین" یہ حدیث حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی صفحہ ۳۶۳ج ۳ میں بھی ہے۔ نیز فضل بن عطیہ کی حدیث طبرانی کبیر صفحہ ۳۲۳ج ۱۲ میں ہے۔ نیز ان سے امام عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بھی راوی ہیں جیسا کہ مسند عمر بن عبدالعزیز لابن الباغندی صفحہ ۳ج ۳، میں ہے اور خلیفہ کی دوسری روایت التمہید لابن عبدالبر صفحہ ۳۱۹ج ۹، میں بھی مذکور ہے جس کا یہ معنی کہ ہر لحاظ سے روایت کو شہرت حاصل ہے۔ اس وجہ سے مجہول روایت کو جھوٹ کہنے کے سواء کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ بلکہ سالم کو "لا یعود" کا کوئی علم نہیں ہے۔

**الدلیل الثامن:** ......خود ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے فرزند سالم اکیلے راوی نہیں ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ دوسرے بھی راوی ہیں۔ مثلاً ان کے غلام نافع۔ جس کی روایت موطا کے علاوہ صحیح بخاری صفحہ ۱۰۴ ج ۱۔ جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۱۲۔ ۱۵ طبع ہند، ابو داؤد صفحہ۱۰۸ ج ۱، السنن الکبری للبیہقی صفحہ ۲۴۔ ۱۸۔ ۱۳۶ ج۲۔ معرفۃ آثار السنن صفحہ ۲۱۴ ج ۱، المحلی صفحہ ۹۰ ج٤ شرح السنۃ للبغوی صفحہ ۲۱ ج۳۔ اخبار اصفہان لابی نعیم صفحہ ۲۹۸ ج ۱۔ تاریخ بغداد صفحہ ۳۹٤ ج۷ وغیرہ کتب میں موجود ہے اور محارب بن دثار کی روایت ابو داؤد، صفحہ ۱۰۸ ج ۱ اور جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۷ طبع دہلی میں ہے۔ ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر یہ روایت سراسر بہتان ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر کا قول مذکور ہے کہ وہ روایت مقلوب ہے۔ یہ بالکل صحیح اور سچ ثابت ہوا اور سب طرق کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ اس مجہول دشمن نے مشہور سند کو من گھڑت متن سے ملایا ہے اور ایک سند کو دوسرے متن سے ملانا یا ایک متن پر دوسری لگانا یہ خود وضع اور حدیث گھڑنے کی قسم ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال صفحہ ۴۷ج ۲ میں مذکور ہے۔ شرح نخبۃ صفحہ ۵۸ میں ہیں کہ "ثم المروی تارۃ یخترعہ الواضع وتارۃ یاخذمن کلام غیرہ کبعض السلف الصالح او قدماء الحکماء او الاسرائیلیات او یاخذ حدیثا ضعیف الاسناد فیرکب

لـه اسـنـادا صـحيحا ليروج " یعنیہ اس طرح اس مجہول راوی نے وہی لا یعود والا متن جس کی سند بالکل حد درجہ کی ضعیف ہے اور کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس متن کو جہلاء میں رواج دینے کے لیے مشہور اور صحیح سند لگائی۔ پھر اس کے موضوع ہونے میں کون سا شک باقی رہا۔ هو الدليل التاسع .

**والـدلـيل الـعاشر**: ...... مجہول راوی کی روایت کے موضوع ہونے میں بڑا گمان ہوتا ہے۔ اس کے لیے تاریخ بغداد میں بہت سی مثالیں ہیں خاص طور پر صفحہ ۲۰۹ ج ۴۔ میں امام ابو بکر خطیب بغدادی ایک واقعہ سند سے لاتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ "قلت لا ابعد ان تكون هذه الحكاية مو ضوعة وفی اسناد مـا غيـر واحد من المجهولين" (یعنی میں نے کہا کہ یہ بعید نہیں کہ یہ حکایت موضوع (من گھڑت) ہو اور اس کی سند میں ایک سے زائد مجہول ہیں) اس سند میں غیر واحد یعنی ایک سے زائد مجہول ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس روایت کا مجہول ہونا یقینی ہے۔

**الـدلـيـل الـحـادى عشر**: ...... اگر بالفرض اس سند کے ذکر کردہ سب راویوں پر جرح سے دستبردار ہو جائیں اور سب کو ثقہ اور متقن تسلیم کریں تب بھی ان میں کم از کم ایک راوی مجہول ضروری ہے اور عام طور پر موضوع احادیث کا یہی حال ہوتا ہے کہ سند کے دوسرے سب راوی ثقہ ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک مجہول یا کذاب ہوتا ہے۔ چنانچہ امام حاکم (المستدرک صفحہ ۶۰ ج ۳) میں ایک روایت لاکر فرماتے ہیں کہ: عبـد الـملك بـن عبـد الرحمٰن الذی فی هذا الاسناد مجهول لا نعرفه بعد الة ولا جرح والبـاقـون كـلـهم ثقات " (یعنی اس سند میں عبدالملک بن عبدالرحمٰن مجہول ہے ہم اس کے بارے میں جرح و تعدیل نہیں جانتے باقی سب راوی ثقہ ہیں) اور حافظ ذہبی پھر تلخیص المستدرک میں اس عبارت کے بعد فرماتے ہیں کہ "قـلت وهذا شان الموضوع يكون كل رواته ثقات سوى واحد " یعنی میں کہتا ہوں کہ موضوع کی یہی شان ہوتی ہے ایک کے علاوہ باقی سب ثقہ ہوتے ہیں اس طرح ابو بکر خطیب بغدادی تاریخ صفحہ ۳۳۰ ج ۴ میں احمد بن العباس بن حمویہ ابو بکر الخلال کے ترجمہ میں ان کے واسطہ سے ایک روایت لاکر فرماتے ہیں کہ "لا يثبـت هذا الحديث بهٰذا الا سناد والحمل فيه علی الخلال فـان كـل مـن عـداه مـن المذكورين فی اسناده ثقة " (یعنی یہ حدیث ثابت نہیں ہے اس کو علی الخلال پر محمول کرنا اس کے علاوہ مذکورہ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں)

**الـدلـيل الثانی عشر**: ...... اثبات والی حدیث کو خواہ تعامل کے لحاظ سے تواتر حاصل ہونا آپ احناف کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ جیسا کہ سید انور شاہ کشمیری نے نیل الفرقدین صفحہ ۶۲ پر ذکر کیا ہے جیسا کہ عبارت گذری۔ خاص طور پر اس سند کے (مـالـك عـن ابن شهاب الزهری عن سالم عن ابن عمر)

سب راوی عامل ہیں ابن عمر کے متعلق روایات صحیح بخاری صفحہ ۱۰۲ ج ا۔ جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ طبع دھلی مصنف عبدالرزاق صفحہ ۶۸۔ ۶۹ ج ۲۔ دارقطنی صفحہ ۱۰۸۔ طبع ھند، مؤطا محمد، صفحہ ۷۰، ابوداؤد صفحہ ۱۰۸ بیہقی صفحہ ۷۰ ج ۲، طحاوی صفحہ ۱۳۱ ج ا میں مذکور ہیں۔ ان روایات کا تفصیلی ذکر مولوی صاحب کی ذکر کردہ چھٹی دلیل میں ہوگا۔ ان شاء اللہ سالم کے لیے دو روایتیں موجود ہیں جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۱۳ پر ہے "حدثنا محمد بن مقاتل انا عبدالله انبا عكرمة بن عمار قال رايت سالم بن عبدالله والقاسم بن محمد وعطاء ومكحولا يرفعون ايديهم في الصلوٰة اذا ركعوا واذا رفعوا اهـ" اسی طرح صفحہ ۱۴ پر دوسری سند سے بھی روایت مذکور ہے۔ وہ روایت کتاب التمہید لابن عبدالبر صفحہ ۲۱۹ ج ۹۔ میں بھی مروی ہے۔ اور مسند عمر بن عبدالعزیز للباغندی صفحہ ۱۳، پر بھی ان سے روایت موجود ہے۔ بغوی شرح السنۃ صفحہ ۲۳ ج ۳، میں علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری صفحہ ۲۷۲ ج ۵ (طبع منیریہ) میں امام ابن حزم محلی صفحہ ۸۹ ج ۴۔ میں سالم کو رفع الیدین کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں اور امام ابن شہاب زہری کے متعلق جزء رفع الیدین صفحہ ۱۰ پر روایت موجود ہے حدثنا محمد بن مقاتل ثنا عبدالله انبأ هشام عن الحسن وابن شهاب انهما كانا يقولان اذا كبر احدكم للصلوٰة فليرفع يديه حين يكبر وحين يرفع رأسه من الركوع اهـ (یعنی حسن اور ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ جب نماز کے لیے تکبیر کہو تو رفع الیدین کرو۔ جب تکبیر کہے اور رکوع سے سر اٹھائے) اس طرح امام مالک کا مشہور اور آخری مذہب رفع الیدین کرنا ہے۔ جیسا کہ فتح الباری صفحہ ۲۲۱ ج ۲ (سلفیہ) شرح السنۃ للبغوی صفحہ ۲۳ ج ۳۔ جذوۃ المقتبس لابی عبدالحمید ے صفحہ ۱۳۰ التمہید صفحہ ۲۲۲ ج ۹ اور الاستذکار صفحہ ۱۲۴ ج ۲ وغیرہ میں مذکور ہے اس کے متعلق باقاعدہ بحث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئے گی۔ ان شاء اللہ جہاں پر مولوی صاحب نے امام مالک کے مذہب پر بحث کی ہے پھر جب کہ اس روایت کے راوی ترتیب وار رفع الیدین کے قائل اور عامل ہیں تو پھر اس سند سے پیش کردہ متن ان پر بہتان اور جھوٹ ہے۔ خاص طور پر آپ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی راوی اپنی نقل کردہ روایت کے خلاف عمل کرے تو اس کے عمل پر اعتبار ہوگا نہ کہ نقل پر۔ علامہ عبدالقادر قرشی حنفی الجواھر المضیہ فی طبقات الحنفیہ صفحہ ۴۲۷ ج ۲ کتاب الجامع میں لکھتے ہیں کہ "القاعدة الاصولية العظيمة المشهورة ان الراوى اذا عمل بخلاف ما روى فالعبرة بما رأى لا لما روى۔ وهذه قاعده عظيمة خرج بها الجواب عن عدة احاديث زعم الخصم انا خالفنا ها" یہ جملہ دلائل ہیں۔ جن کی بناء پر علم حدیث کے حذاق اور ماہرین نے اس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے اور مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ حاکم کا

یہ فیصلہ بغیر دلیل کے ہے غلط اور باطل ثابت ہوا۔ ایسے مدلل فیصلے کو قبول کرنا تقلید نہیں ہے۔ بلکہ تقلید یہ ہے جو بڑوں کا کہا ہوا ہو۔ پھر اگر چہ اس کے لیے صحیح روایت نہ بھی ہو اور جھوٹی روایت پر اس کا مدار ہو پھر بھی اس قول کو چمٹا رہے اور کہے کہ ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُونَ﴾ (الزخرف) مولوی صاحب خوش تو بہت ہوئے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ سند موجود ہے اور کہتے ہیں کہ ''حدیث کے راوی بھی موجود ہیں'' لیکن یہ معلوم نہیں کہ سند کے پورے راوی مذکور ہیں یا نہیں، سند مکمل ہے یا ادھوری۔ لیکن سند کی بحث چھیڑنے کی وجہ سے بھید ظاہر ہو گیا اور واضح ہوا کہ سند خداج اور مجہول ہے۔

**رابعاً**: ...... اس ساری تقریر سے چشم پوشی کی جائے تب بھی یہ روایت مولوی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ترجمہ اس طرح سے لکھتے ہیں کہ ''حضور نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے رفع الیدین کرتے تھے اور پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اب پڑھنے والے غور کریں کہ وتر کی قنوت کے وقت اور عیدین کی تکبیروں کے وقت ہاتھ اٹھانا اس سے پہلے ہے یا بعد میں جب مولوی صاحب اس حدیث کو صحیح بھی مانتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ ''حدیث صاف بتا رہی ہے کہ تکبیر اولی کے علاوہ حضور ﷺ نے رفع الیدین نہیں کی'' پھر وہ اور ان کے ہم مذہب تکبیر اولی کے علاوہ رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟

**الحاصل**: ...... مولوی صاحب اپنے مذہب کی تائید کے لیے ایک طرف تو جھوٹی روایات پیش کرتے ہیں دوسری طرف وہ بھی ان کے مذہب کے خلاف، معلوم نہیں کہ وہ اپنے مقابل کا رد کرتے ہیں یا خود اپنا!

## ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عدم رفع الیدین والی روایت انتہائی ضعیف ہے



**صفحہ ۱۰۷**: ...... چھٹی دلیل بحوالہ طحاوی ابن عمر کا موقوف اثر نقل کرتے ہیں۔

**جواب**: ...... یہ روایت بے کار ضعیف اور باطل ہے امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں کہ ''قال یحییٰ بن معین حدیث ابی بکر عن حصین انما ھو توھم منه لا اصل له'' (یعنی یحییٰ بن معین حدیث ابی بکر حصین سے دراصل اس کا وھم ہے اس کی اصل کچھ نہیں) پھر جس روایت کو امام یحییٰ بن معین وھم قرار دے اس کی تائید امام بخاری بھی کریں تو پھر کون سا عالم ہو گا جو اس روایت کو معتبر سمجھے گا؟

اور امام بیہقی المعرفة السنن والاثار صفحہ ۲۲۱۔۲۲۲ ج ۱ (المصور) میں فرماتے ہیں کہ ''وقد تكلم فی حدیث ابی بكر بن عیاش البخاری وغیره من الحفاظ بما لو علم المحتج به لم یحتج به علی الثابت من غیره قال البخاری والذی قال ابو بكر بن عیاش عن حصین عن مجاهد عن ابن عمر فی ذالك قد خولف فیه مجاهد قال وكیع عن

الربیع بن صبیح رأیت مجاهدا یر فع یدیه وقال ابن مهدی عن الربیع رایت مجاهدا یرفع یدیه اذا رکع واذا رفع راسه ، من الرکوع وقال جریر عن لیث انه ، کان یرفع یدیه وهٰذا احفظ عند اهل العلم قال وقال صدقة ان الذی روی حدیث مجاهد انه ، لم یر فع یدیه الا فی اول التکبیرة کان صاحبه قد تغیر بأخره یرید ابا بکر بن عیاش قال والذی رواه الربیع ولیث اولیٰ مع روایة طاؤس وسالم ونافع وابی الزبیر ومحارب ابن دثار وغیرهم قالوارأینا ابن عمر یرفع یدیه اذا کبر واذا رکع واذا رفع راسه اھـ نیز بیہقی کہتے ہیں کہ ”وهذا الحدیث فی القدیم کان یرویه ابو بکر عن حصین عن ابراهیم عن ابن مسعود مر سلا مو قوفا ثم اختلط علیه حین ساء حفظه فر وی ما قد خو لف فکیف یجوز دعوی النسخ فی حدیث ابن عمر بمثل هذا الحدیث الضعیف“ انتهی باختصار یسیر “ امام بیہقی کی کلام کو امام زیلعی نے نصب الرایہ صفحہ ۴۰۹ ج ۱۔ میں بھی ذکر کیا ہے اور علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۷۰۔ پر لکھتے ہیں کہ ”انه سند معلول لا یوازی الاسانید الصحیحة فقد اخرجه البیهقی من الطریق المذکور فی کتاب المعرفة السنن عن البخاری انه قال ابن عیاش قداختلط باخره وقد رواه الربیع ولیث وطاؤس وسالم ونافع و ابو الزبیر ومحارب بن دثار وغیر هم قالوا را ینا ابن عمر یرفع یدیه اذا کبر واذا رکع واذا رفع وکان ابو بکر بن عیاش یرویه قدیما عن حصین عن ابراهیم عن ابن مسعود مر سلا مو قوفا انه کان یر فع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یر فعهما بعد وهذا هو المحفوظ عن ابن عیاش والا ول خطأ فاحش لمخالفته الثقات عن ابن عمر۔ انتهیٰ “ ان عبارتوں سے چند امور ظاہر ہوئے۔

**اوّلاً:**...... ابوبکر بن عیاش راوی کا آخر میں حافظہ بدل گیا تھا۔ جیسا کہ امام بخاری نے جزء رفع الیدین صفحہ ۱۹ پر اور ان کے استاد حدقہ بن فضل سے اور زیلعی نے نصب الرایة صفحه ۴۰۹ ج ۱ میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے اور علامہ ابن العجمی الاغتباط بمعرفة من رمیٰ بالا ختلاط صفحه ۲۹ اور شیخ ابن الکیال الکواکب النیرات فی معرفة من اختلط من الرواة الثقات صفحه ۴۴۳ پر ذکر کیا ہے اور میزان صفحہ ۳۴۶ ج ۳۔ میں ہے کہ ”صدوق ثبت فی القرأة لکنه فی الحدیث یغلط ویهم وقال ابو نعیم لم یکن فی شیو خنا اکثر غلطا منه وقال احمد ربما غلط وقال ابن معین کثیر الغلط جدا۔ اھ“ (یعنی صدوق اور قراۃ میں ثبت ہے لیکن حدیث میں غلطیاں اور وہم کرنے والا ہے۔

ابو نعیم کہتے ہیں ہمارے شیوخ میں سے زیادہ غلطیاں کرنے والا تھا احمد فرماتے ہیں کہ بعض اوقات غلطیاں کرتا تھا ابن معین فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا تھا) نیز تہذیب صفحہ ۳۶۔۳۷ ج ۱۲ میں ابن حبان سے منقول ہے کہ وکان یحییٰ القطان وعلی بن المدینی یسیئا ن الرأی فیه وذالك انه لما کبر سآء حفظه فکان یهم اذا روی وقال الحاکم ابو احمد لیس بالحافظ عندهم " (یعنی یحییٰ قطان اور علی بن مدینی ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے کیونکہ جب وہ بڑی عمر کے ہو گئے تو ان کا حافظہ خراب ہو گیا اور انہیں وھم ہو جاتا تھا جب وہ روایت کرتے تھے حاکم کہتے ہیں کہ ابو احمد ان کے نزدیک حافظ نہیں ہے) اور بزار کہتے ہیں کہ "لم یکن بالحافظ " (یعنی حافظ نہ تھے) اس قسم کے راوی کا جب تک پتہ نہ چلے کہ حافظہ تبدیل ہونے سے پہلے کی ہے تب تک قبول نہ ہوگی۔ لکھنوی صاحب التعلیق الممجد صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ "ان فی طریق الطحاوی ابو بکر بن عیاش وهو متکلم فیه لا توازی روایته روایة وغیره من الثقات " یعنی طحاوی کی سند میں ابوبکر بن عیاش متکلم فیہ راوی ہے اس کی روایت دوسرے ثقات راویوں کے مقابل نہیں آ سکتی) اور ایسا ثبوت دینا مولوی صاحب کے بس سے باہر ہے۔ بلکہ یہ روایت تو یقیناً اختلاط کے بعد کی ہے۔ جس طرح کہ بیہقی نے اس کے متعلق تصریح کی ہے وهو الثانی . بلکہ جماعت کے خلاف ابن عمر سے یہ روایت نقل کرنا یہ خود واضح دلیل ہے کہ حافظہ تبدیل ہونے کے بعد کی ہے۔

**والرابع**: ...... ابوبکر بن عیاش کے استاد کا بھی آخر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ جس طرح کہ تہذیب صفحہ ۸۴۔۲۸۳ ج ۲ اور میزان صفحہ ۲۵۸ ج ۱۔ میں امام ابو حاتم اور نسائی سے منقول ہے نیز ابن الکیال الکواکب النیرات صفحہ ۱۴۴ پر اور ابن العجمی نے الاغتباط صفحہ ۹ پر ذکر کیا ہے اور ابن الصلاح نے مقدمہ صفحہ ۳۵۰ پر۔ سیوطی نے تدریب الراوی صفحہ ۲۶۵ پر بھی اس کو مختلط ثابت کیا ہے۔ بلکہ سیوطی نے امام ھارون سے بھی نقل کیا ہے۔

**خامساً**: ...... عام جماعت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع الیدین کرنا نقل کرتی ہے مثلاً طاؤس نافع، سالم، ابو الزبیر، محارب بن دثار وغیرھم کی روایات۔ اس کے خلاف ہیں جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا رفع الیدین کرنے کا صریحا بیان ہے اور یہ سب روایات امام بخاری جزء رفع الیدین میں لائے ہیں۔ چنانچہ امام طاؤس کی روایت صفحہ ۸ پر لائے ہیں کہ "حدثنا محمد بن مقاتل انا عبدالله عن ابن جریج قرأ قال اخبر نی الحسن بن المسلم انه سمع طاؤسا یسأل عن رفع الیدین فی الصلوٰة فقال رأیت عبدالله وعبد الله یر فعون ایدیهم فعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس وعبدالله

بن الزبیر الحدیث " (یعنی حسن بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے سنا نماز میں رفع الیدین کے متعلق ان سے سوال کیا گیا فرمانے لگے کہ میں نے عبداللہ اور عبداللہ اور عبداللہ کو دیکھا وہ نماز میں رفع الیدین کرتے تھے یہ عبداللہ عمر عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر تھے) جیسا کہ نصب الرایہ صفحہ ۴۱۷ ج ۱۔ میں مذکور ہے اور سالم اور نافع کی روایت صفحہ ۱۵ پر لاتے ہیں "قال حدثنا محمد بن عبداللہ بن حوشب ثنا عبدالوھاب ثنا عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه کان یرفع یدیه اذا دخل فی الصلوٰۃ واذا رکع واذا قال سمع اللہ لمن حمده واذا قام من الرکعتین یر فعھما وعن الزھری عن سالم عن عبد اللہ عن عمر رضی اللہ عنہما مثله " (یعنی عبداللہ بن عمر رفع الیدین کرتے تھے جب نماز میں داخل ہوتے جب رکوع کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمده کہتے اور جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تھے) یہ روایت مصنف عبدالرزاق صفحہ ۶۷ ج ۲ میں بھی ہے نیز نافع کی روایات جزء رفع الیدین میں اور بھی ہیں صفحہ ۲۵ پر ہے: "حدثنا عبداللہ بن صالح ثنا اللیث اخبرنی نافع ان عبداللہ بن عمر کان اذا استقبل الصلوٰۃ رفع یدیه قال واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع واذا قام من السجد تین کبر اور اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ "حدثنا العیاش بن الولید ثنا عبدالاعلی ثنا عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه کبر ورفع یدیه واذا رکع رفع یدیه واذا قال سمع اللہ لمن حمده رفع یدیه الحدیث یہ روایت صحیح بخاری صفحہ ۱۰۲ ج ۱۔ مصنف عبدالرزاق صفحہ ۶۸ ج ۲۔ مسند احمد صفحہ ۱۶۰ ج ۲۔ ابو داؤد صفحہ ۱۰۸۔ بیھقی صفحہ ۷۰ ج ۲ اور محلی صفحہ ۹۰ ج ٤ میں بھی مروی ہے اور ابوالزبیر کی روایت صفحہ ۱۲ پر لاتے ہیں: "حدثنا ابراھیم بن المنذر ثنا معمر ثنا ابراھیم بن طھمان عن ابی الزبیر قال رأیت ابن عمر رضی اللہ عنہما حین قام الی الصلوٰۃ رفع یدیه حتی یحاذی باذنیه وحین یر فع راسه من الرکوع فاستوی قائما فعل مثل ذالك" یہ روایت مسائل امام احمد لعبداللہ بن احمد صفحہ ۷۵ پر بھی ہے اور محارب بن دثار کی روایت صفحہ ۷ پر ہے "حدثنا اسحاق بن ابراھیم الحنظلی ثنا محمد بن فضیل عن عاصم بن کلیب عن محارب بن دثار رایت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدیه فی الرکوع الحدیث " یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۵ ج ۱ میں بھی ہے نیز جزء رفع الیدین صفحہ ۱۲ پر ہے حدثنا ابو النعمان ثنا عبد الواحد بن زیاد ثنا محارب بن دثار قال رایت عبداللہ عمر اذا افتتح الصلوٰۃ کبر ورفع یدیه واذا اراد ان یرکع رفع یدیه واذا رفع راسه من الرکوع اھـ ان پانچوں کے علاوہ عطاء بن ابی

رباح کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۵ میں ہے "حدثنا هشيم قال اخبرنا ليث عن عطاء قال رايت ابا سعيد الخدری وابن عمر وابن عباس وابن الزبير يرفعون ايديهم نحوا من حديث الزهری اهـ (یعنی عطا بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدری ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر کو دیکھا وہ رفع الیدین کرتے تھے جیسا کہ زہری کی حدیث میں بھی ہے) نیز نصب الرایہ صفحہ ۱۴۱۷ ج ۱۔ میں بھی بحوالہ بیہقی یہ روایت مذکور ہے گویا کہ ابن عمر سے رفع الیدین کرنا بہت مشہور ہے اور متعدد اسناد سے وارد ہے ایسی حالت میں مجاہد کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں نے انہیں رفع الیدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ مجاہد کی طرف یہ نسبت ہی غلط ہے حافظہ خراب ہونے کے بعد کی غلطی ہے۔ اسی وجہ سے امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین نے اس کو بے بنیاد کہا ہے۔

**سادساً:** ......خود امام مجاہد بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ جس طرح کہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ "وقال جرير عن ليث عن عطاء عن مجاهد انهما كانا يرفعان ايديهما فی الصلوٰة" (یعنی مجاہد اور عطاء نماز میں رفع الیدین کیا کرتے تھے پھر تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "وقال عبدالرحمن بن مهدی عن الربيع بن صبيح قال رايت محمد او الحسن وابانضرة والقاسم بن محمد وعطاء وطاؤساً ومجاهداً والحسن بن مسلم ونافعاً وابن ابی نجيح اذا افتتحوا الصلوٰة رفعوا ايديهم واذا ركعوا واذا رفعوا رؤسهم" (یعنی ربیع بن صبیح کہتے ہیں کہ میں نے محمد، حسن، ابونضرہ، قاسم بن محمد، عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن بن مسلم، نافع اور ابن ابی نجیح کو دیکھا جب نماز شروع کرتے جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے) پھر صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں کہ "وقال وكيع عن الربيع قال رأيت الحسن ومجاهد" الخ اور صفحہ ۱۹ پر دونوں روایات ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح امام بخاری صفحہ ۳ پر صحابہ اور تابعین کے نام ذکر کرتے ہیں۔ جو رفع الیدین کرتے تھے۔ ان میں مجاہد کا بھی بیان فرماتے ہیں۔ اس طرح امام ترمذی بھی مجاہد کو رفع الیدین کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ السنن صفحہ ۳۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "من التابعين الحسن البصری وعطاء وطاؤس ومجاهد ونافع وسالم بن عبدالله وسعيد بن الجبير وغير هم" یعنی تابعین میں سے رفع الیدین کرنے والے حسن بصری، عطاء، طاؤس، مجاہد، نافع، سالم بن عبداللہ، سعید بن جبیر وغیرھم ہیں) اس طرح زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۱۴۱۷ ج ۱ اور امام ابن حزم المحلیٰ صفحہ ۸۹ ج ٤ میں اور حافظ ابن عبدالبر الاستذكار صفحة ١٢٦ ج ٢ میں وغیرھم یہ سب ابن عمر کا مذہب رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف نہ کرنے کی نسبت مردود اور باطل ہے۔

**سابعاً:** ...... بلکہ اس سے ثابت ہوا کہ ابوبکر بن عیاش کی روایت دوسری معتبر روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ اور منکر کہلائے گی۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۹ پر فرماتے ہیں کہ "والذی قال ابو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد قال مارايت ابن عمر رضی اللہ عنہما یرفع یدیه فی شیٔ من الصلوٰة الافی التكبيرة الاولى فقد خولف فی ذالك عن مجاهد قال وكيع عن الربيع بن صبيح قال رايت مجاهدا یرفع یدیه اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع قال جریر عن لیث عن مجاهد انه کان یرفع یدیه وهذا احفظ عند اهل العلم۔"

**ثامناً:** ...... بلکہ وہی ابوبکر بن عیاش حافظہ خراب ہونے سے قبل یہ روایت دوسری طرح نقل کرتے تھے۔ یعنی عن حصین عن ابراھیم عن ابن مسعود وہ بھی مرسل اور موقوف اور حافظہ خراب ہونے کے بعد اس طرح نقل کرتے ہیں۔ یعنی کہ یہ روایت مقلوب اور تبدیل شدہ ہے وھو التاسع ۔

**عاشراً:** ......ایک سند کو دوسرے متن میں داخل کیا گیا ہے۔ اس قسم کی ترکیب کو بھی وضع کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پھر یہ غلطی خود ابوبکر بن عیاش سے ہوئی ہے یا کوفہ والوں نے ان کا حافظہ خراب ہونے کا ناجائز فائدہ لیا ہے۔ چنانچہ ان کی روایات میں اس طرح گڑ بڑ کر دی ہے گویا کہ ابوبکر خود بھی کوفی ہے کما فی التھذیب والتقریب جیسا کہ یزید بن ابی زیاد سے کیا کہ ایک روایت کو تبدیل کر کے دوسری طرح کر دی جس طرح کے پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

**الحاصل:** ...... یہ دس جواب بالا عبارت سے معلوم ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی جواب ہیں۔

**فالحادی عشر:** ......ابن عمر رضی اللہ عنہما کا رفع الیدین کرنے کے متعلق مذہب نہایت مشہور اور علم حدیث والوں کے نزدیک بہت بڑی شہرت حاصل کر چکا ہے اس کے خلاف ایسی غیر ثابت شدہ نقل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ حتی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جس کسی کو بھی رفع الیدین نہ کرتے ہوئے دیکھتے تھے اس کو کنکریاں مارتے تھے جس طرح کہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں کہ "حدثنا الحمیدی انبأ الولید بن مسلم قال سمعت زيد بن واقد يحدث عن نافع ان بن عمر رضی الله عنهما كان اذا رای رجلا لا یرفع یدیه اذا رکع واذا رفع رماه بالحصى . (ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی آدمی کو دیکھتے کہ وہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین نہ کرتا تو آپ اس کو پر کنکریاں مارتے تھے)

یہ روایت مسند حمیدی صفحہ ۲۲۲ ج ۲۔ مسائل الامام احمد لابنہ عبداللہ صفحہ ۷۰ دار قطنی صفحہ ۱۰۸ التمھید لابن عبدالبر صفحہ ۲۲۲ ج ۲ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم صفحہ ۲۱۸ تاریخ جرجان صفحہ ۴۳۳ اور مناقب الامام احمد بن حنبل صفحہ ۸۳۔ ۸۸ پر بھی مروی ہے پھر آپ کی طرف چھوڑنے کی نسبت کرنا بے بنیاد ہے امام بخاری اس روایت

کے بعد فرماتے ہیں کہ ”یروی عن ابی بکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد انه لم یر ابن عمر رضی الله عنهما رفع یدیه الا فی اول التکبیر وروی عنه اهل العلم انه ، لم یحفظ عن ابن عمر الا ان یکون سها کما یسهو الرجل فی الصلوٰة فی الشیء بعد الشیءِ کما ان اصحاب محمد ﷺ ربما یسهون فی الصلوٰة فیسلمون فی الرکعتین وفی الثلٰث الا تریٰ ابن عمر رضی الله عنهما کان یرمی من لا یرفع یدیه بالحصیٰ فکیف یترك ابن عمر شیئا یأمر به غیره وقد رأی النبی ﷺ فعله۔ اه“ امام بخاری کی اس عبارت سے چار اور جواب معلوم ہوئے۔

**اوّل:** ...... یہ کہ ابن عمر سے اہل علم کے نزدیک رفع الیدین کا چھوڑنا نہ مروی ہے اور نہ محفوظ ہے۔

**دوم:** ...... یہ کہ اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی کسی وقت اس کو بھول کی وجہ سے چھوڑا ہوگا جیسا کہ دیگر صحابہ سے بھی نماز میں بھول ہوتی رہی ہے اور بعض مرتبہ دو یا تین رکعات کے بعد سلام پھیر لیتے تھے اس طرح کا امکان ہوسکتا ہے باقی ابن عمر رفع الیدین چھوڑ دے یہ ناممکن ہے۔

**سوم:** ...... یہ تو اس طرح بھی ناممکن ہے کہ ابن عمر اوروں کو حکم کرے اور خود چھوڑ دے اور تمہید میں یہ روایت ان الفاظ سے ہے کہ ”اذا رای رجلا لا یرفع یدیه حصبه وامره ان یرفع یدیه“ (یعنی جب کسی کو رفع الیدین نہ کرتے ہوئے دیکھتے تو اس کو کنکریاں مارتے اور کرنے کا حکم دیتے) اور اس طرح تاریخ جرجان اور معرفۃ علوم الحدیث میں بھی الفاظ ہیں لہٰذا آپ کس طرح چھوڑیں گے۔ حالانکہ انہوں قرآن حکیم کا یہ حکم پڑھا اور سنا تھا ﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ﴾ (الصف) بلکہ یہ تو یہودیوں کی صفت ہے جیسا کہ فرمان ربانی ہے کہ ﴿اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ (البقرة) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس سے اعلیٰ اور مبرا ہے۔

**چھارم:** ...... یہ بھی ناممکن ہے کہ ابن عمر رسول اللہ ﷺ کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھیں جس طرح کہ متعدد روایات میں آپ سے مروی ہے۔ پھر بھی اس کے خلاف عمل کریں۔ اعاذه الله من ذالك.

یہ کل پندرہ جواب ہوئے۔

**فالسادس عشر:** ...... علیٰ فرض التسلیم محدثین کے مذہب کے مطابق ثقہ راوی کی روایت حجت ہے نہ کہ رائے۔ لہٰذا محدثین اگر مشہور اور مرفوع احادیث پیش کرتے ہیں ان کے مقابلے میں ایسا اثر پیش کرنا مولوی صاحب کو حق نہیں ہے۔

**السابع عشر:** ...... ابن عمر کی مرفوع روایت صرف ایک نہیں بلکہ دیگر کئی صحابہ سے بھی مروی ہے اور صحابی

کا اثر مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کے رئیس المذہب ابن ہمام کی عبارت بحوالہ فتح القدیر گزر چکی ہے۔

**الثامن عشر:** ......خود مولوی صاحب تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۰۱ پر قبول کر چکے ہیں اور صفحہ ۱۲۸ پر بھی قبول کرتے ہیں کہ ابن عمر سے رفع الیدین کرنے کی موقوف روایت صحیح اور ثابت ہے پھر وہ کس طرح ضعیف روایت پیش کرتے ہیں ان کی اپنی تحریر میں اتنا بڑا تضاد اور تخالف موجود ہے۔ ناحق سے بھرے ہوئے مضمون کی یہی حالت ہوتی ہے۔ بلکہ ابن عمر کا وہی اثر معتبر کہا جائے گا جو ان کی مرفوع روایت کے موافق ہو اور مولوی صاحب بھی اس کی صحت تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اثر جو ان کا مرفوع حدیث کے خلاف ہو اور سنداً بھی صحیح نہ ہو۔ وهو التاسع عشر .

**والعشرون:** ......ابن عمر کے مشہور شاگرد جو کہ حفاظ اور ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ سب رفع الیدین کرتے ہیں۔ مثلاً سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مجاہد، محمد بن سیرین، ابونضرہ المنذر بن مالک العبدی، نافع، طاؤس، سعید بن جبیر، ابو قلابہ، عبداللہ بن زید الجرمی، عبداللہ بن دینار اور وھب بن مسدد وغیرہم، یہ سب آپ کے شاگرد ہیں دیکھیے تہذیب ترتیب وار صفحہ ۲۹۔ ۳۲۸ ج ۵۔ ۲۶۴ ج ۲۔ ۲۱۴ ج ۹۔ ۳۰۲ ج ۱۰۔ ۲۲۵ ج ۵۔ ۴۵۵ ج ۱۰۔ ۲۰۱ ج ۵۔ ۱۶۸ ج ۱۱ اور ان میں سے پہلے نو کی روایات ابن عمر کی اس روایت کی بحث میں گزر چکی ہیں اور سعید بن جبیر کی روایت السنن الکبری للبیہقی صفحہ ۷۵ ج ۲۔ میں ہے اخبرنا محمد بن عبدالله حدثني محمد بن صالح ثنا يعقوب بن يوسف الاخرم ثنا الحسن بن عيسىٰ انبأ ابن المبارك انبأ عبدالملك بن ابى سليمان عن سعيد بن جبير انه سئل عن رفع اليدين فى الصلوٰة فقال هو شى يزين به الرجل صلوٰته كان اصحاب رسول الله ﷺ يرفعون ايديهم فى الافتتاح وعند الركوع واذا رفعوا رؤسهم . (سعید بن جبیر سے رفع الیدین کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا اس سے نماز کی خوبصورتی بڑھتی ہے۔ صحابہ کرام بھی نماز شروع کرتے وقت رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے) نیز اس کو بخاری نے جزء رفع الیدین صفحہ ۳ میں زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۴۱۷ ج ۱۔ میں رفع الیدین کرنے والوں میں شمار کیا ہے اور ابو قلابہ کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۵ ج ۱۔ میں اس طرح سے مذکور ہے "حدثنا ابن علية عن خالد ان ابا قلابة كان يرفع يديه اذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع" (یعنی ابو قلابہ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے) جزء رفع الیدین صفحہ ۱۲ اور صحیح بخاری صفحہ ۱۰۸ ج ۱۔ میں بھی مروی ہے۔ نیز حلیۃ الاولیاء لابی نعیم

صفحہ ۲۸۱ ج ۲ میں خالد الحذاء سے روایت ہے کہ "قال قلت لا بی قلابة ما هذا یعنی رفع الیدین فی الصلوٰة قال تعظیم " (یعنی خالد حذاء کہتے ہیں کہ میں نے ابوقلابہ سے کہا کہ یہ کیا ہے یعنی نماز میں رفع الیدین کرنا انہوں نے فرمایا کہ تعظیم کرنا ہے) اور نعمان بن ابی عیاش کی روایت جزء رفع الیدین صفحہ ۱۳ پر اس طرح سے ہے "حدثنا محمد بن المقاتل انبأ عبدالله بن عجلان قال سمعت النعمان بن ابی عیاش یقول لكل شی زینة وزینة الصلوٰة ان ترفع یدیك اذا كبرت واذا ركعت واذا رفعت راسك من الركوع (یعنی نعمان بن ابی عیاش کہتے تھے کہ ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت رفع الیدین ہے اور جب تو تکبیر کہے رکوع کرے اور رکوع سے سر اٹھائے رفع الیدین کر) اس روایت کو ابن عبدالبر الاستذ کار صفحہ ۱۲۳ ج ۲ اور حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر صفحہ ۲۱۰ ج ۱ میں بھی لائے ہیں اور عبداللہ بن دینار کی روایت التمهید لا بن عبدالبر صفحہ ۲۳۰ ج ۹ میں ہے "قال وذكره الاثرم ثنا ابو حذیفة ثنا عكرمة ابن عمار قال رایت سالما وطاؤساً وعطاء ونا فعا وعبدالله بن الزبیر مكحولا یر فعون ایدیهم فی استفتاح الصلوٰة وعند الركوع وعند رفع الرأس من الركوع حذوا المنكبین اه" (یعنی عکرمہ بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے سالم، طاوس، عطاء، نافع، عبداللہ بن زبیر اور مکحول کو دیکھا کہ وہ رفع الیدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے کندھوں کے برابر) انہیں امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۳ پر اور بیہقی صفحہ ۷۵ ج ۲ اور زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۴۱۷ ج ۱ میں رفع الیدین کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں اور وھب بن منبہ کی روایت مصنف عبدالرزاق صفحہ ۶۵ ج ۲۔ میں اس طرح ہے کہ "عبدالرزاق عن داؤد بن ابراهیم قال رایت وهب بن منبه اذا كبر فی الصلوٰة رفع یدیه حتی تكونا حذو اذنیه واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع " (یعنی وھب بن منبہ جب تکبیر کہتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے) نیز یہ روایت التمہید صفحہ ۲۲۸ ج ۹ میں بھی ہے۔

**قارئین:**...... یہ ہیں ابن عمر کے جلیل القدر تلامذہ۔ خاص طور پر سالم ان کے فرزند جو کہ مشہور امام ہیں اپنے والد کے مشابہ تھے۔ امام ابن حبان کتاب الثقات صفحہ ۳۰۵ ج ۴۔ میں فرماتے ہیں کہ "كان شبه اباه فی السمت والهدیٰ" (یعنی آپ سیرت و کردار میں اپنے والد کے مشابہ تھے) اور بقول ابن مبارک فقہاء سبعہ یعنی مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں سے تھے۔ جن کا فتویٰ دنیا میں چلتا تھا (تہذیب صفحہ ۴۳۷ ج ۳) اس طرح نافع اور عبداللہ بن دینار ان کے غلام اور خادم تھے اور نافع تو مشہور فقیہ ہے۔ خود ابن

عمر کا ان پر اس قدر اعتماد تھا جو کہتے تھے کہ "لقد من الله علینا بنافع (یعنی نافع کی وجہ سے اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے) (تہذیب صفحہ ۴۱۳ ج ۱۰) اور امام طاؤس جن کے لیے ابن حبان ثقات صفحہ ۳۹۱ ج ۴۔ میں فرماتے ہیں کہ "کان من عباد اهل الیمن ومن فقهاء هم ومن سادات التابعین اھ" (یعنی اہل یمن کے عبادت گذاروں، فقہاء اور سرداروں میں سے تھے) تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۹۰ ج ۱۔ میں ہے کہ کان رأسافی العلم والعمل له جلالة عظیمة (یعنی علم وعمل میں سب سے آگے تھے اور آپ کی شان بڑی بلند تھی) آپ کی پاس صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی اور خود صحابی ابن عباس ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ "انی لا ظن طائوسا من اهل الجنة (التهذیب صفحہ ۹۰ ج ۵) یعنی میں امید کرتا ہوں کہ طاؤس اہل جنت میں سے ہے اور قاسم بن محمد جو کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پوتا ہے۔ جن کے لیے یحییٰ بن سعید الانصاری فرماتے ہیں کہ "ما ادرکنا بالمدینة احداً نفضله علی القاسم اور ابو الزیاد کہتے ہیں کہ "ما رایت فقیها اعلم من قاسم وما رأیت احداً اعلم بالسنة منه (التذکرة صفحہ ۹۷ ج ۱) یعنی ہم نے مدینہ میں کسی کو نہ پایا جسے قاسم پر فضیلت دیں اور ابو الزیاد کہتے ہیں کہ میں فقہاء میں قاسم سے زیادہ علم رکھنے والا کسی کو نہیں پاتا اور نہ ہی اس سے زیادہ سنت کو جاننے والا پاتا ہوں) اور عطاء بن ابی رباح امام ابو حنیفہ کا استاد جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ما رایت فیمن لقیت افضل من عطاء (التهذیب صفحہ ۲۰۱ ج ۷ والتذکرة الحفاظ صفحہ ۹۸ ج ۱) یعنی میں جن لوگوں سے ملا ہوں ان میں عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا) اور دو سو صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے (الثقات لا بن حبان صفحہ ۲۶۵ ج ۶۔ السنن الکبری للبیهقی صفحہ ۵۹ ج ۲) اور امام حسن بصری جنہیں ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۱ ج ۱ میں شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور صحابی انس بن مالک لوگوں کو مسائل پوچھنے کے لیے ان کی طرف جانے کا کہتے ہیں اور امام محمد باقر ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ "ذالك الذی یشبه کلا مه کلام الانبیاً" (التهذیب صفحہ ۲۶۵ ج ۲) (یعنی ان کی کلام انبیاء کی کلام کے مشابہ ہے) امام مجاہد جن کے متعلق ذہبی فرماتے ہیں کہ اجمعت الامة علی امامة مجاهد والا حتجاج به (التهذیب صفحہ ۴۴ ج ۱۰) (یعنی امت کا مجاہد کو امام ماننے پر اور اس سے حجت پکڑنے پر اجماع ہے) اور محمد بن سیرین جن کے متعلق مورق العجلی کہتے ہیں کہ "ما رایت احدا افقه فی ورعه ولا اورع فی فقهه من ابن سیرین" اور ابو عوانہ الیشکری فرماتے ہیں کہ رایت ابن سیرین فما راه احد الاذکر الله (تذکرة الحفاظ صفحہ ۷۸ ج ۱) (یعنی میں نے ابن سیرین کو دیکھا اور انہیں دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے) اور آپ کی تیس صحابہ سے ملاقات ہے (کتاب الثقات لا

بن حبان صفحہ ۳۴۹ ج ۱) اور امام سعید بن جبیر جو کہ جہبذ العلماء کے لقب سے مشہور ہیں (التذکرۃ صفحہ ۷۶ ج ۱) صحابی عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ "یا اھل الکوفۃ تسئلونی وفیکم سعید بن جبیر" (معرفۃ القراء الکبراء علی الطبقات والاثار للذھبی صفحہ ۵۶ ج ۱۔ ونحوہ فی التھذیب صفحہ ۱۳ ج ۴) (اے اہل کوفہ تم مجھ سے سوال پوچھتے ہو حالانکہ تم میں سعید بن جبیر موجود ہے اور نعمان بن ابی عیاش جس کے متعلق ابوبکر بن منجویہ فرماتے ہیں کہ "کان شیخا کبیرا من افاضل ابناء رسول اللہ ﷺ" (التھذیب صفحہ ۴۵۵ ج ۱) (یعنی وہ بہت بڑے شیخ تھے اور ابناء رسول کے فاضل تھے) اور وھب بن منبہ جس کے متعلق ذھبی التذکرہ صفحہ ۱۰۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ "کان ثقۃ واسع العلم ینظر بکعب الاحبار فی زمانہ" رحمھم اللہ اجمعین" (یعنی آپ کی مثال کہا جاتا تھا) حیرت کا مقام ہے کہ ابن عمر کا گھرانہ آپ کی اولاد اور خادم اور اسی طرح ان کے ممتاز تلامذہ جن میں امام بزرگ، محدث، فقیہ اور اولیاء ہیں۔ یہ سب رفع الیدین کرنے والے ہوں۔ بلکہ بعض تو اس کو نماز کی زینت اور بعض تعظیم کہیں اور ابن سیرین تو کہتے ہیں کہ اس کے بغیر نماز مکمل ہی نہیں ہوتی اور آپ کا استاد نہ کرتا ہو؟ یہ قرینہ مکمل دلالت کرتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف رفع الیدین چھوڑنے کی نسبت غلط اور بے بنیاد ہے۔

ابن عمر رفع الیدین کو نماز کی زینت اور خوبصورتی کہتے ہیں۔ وہ کس طرح اس کو ترک کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ تمہید صفحہ ۲۲۸ ج ۹ میں روایت ہے کہ "ان عبداللہ بن عمر کان یقول لکل شی زینۃ وزینۃ الصلوٰۃ التکبیر ورفع الایدی فیھا۔ (عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ ہر چیز کی خوبصورتی ہوتی اور نماز کی خوبصورتی تکبیر اور ہاتھوں کا اٹھانا ہے) یہ روایت الاستذکار صفحہ ۱۲۲ ج ۲ میں بھی ہے۔

**الثانی والعشرون:** ...... قاعدہ مشہور ہے کہ "من عرف شی حجۃ علی من لم یعرفہ" نیز یہ بھی تو مسلم ہے کہ المثبت مقدم علی النافی" لہٰذا ابن عمر سے اثبات نقل کرنے والوں کی روایت معتبر ٹھہرے گی۔

**الثالث والعشرون:** ...... یہ روایت بھی جس کو مولوی صاحب بڑی گواہی تسلیم کرتے ہیں (تحفۃ الحدیث صفحہ ۱۰۸) کا ترجمہ اسی طرح کرتے ہیں کہ "حضرت مجاہد (مشہور تابعی) فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے تکبیر اولیٰ کے علاوہ نماز میں رفع الیدین نہ کی" اب اس گواہی کے مطابق مولوی صاحب اور ان کے دوسرے حنفی تکبیر اولی کے علاوہ نماز میں رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟ آخر کار اسی گواہی پر یہاں پر کون سا شک در پیش ہے۔ گویا کہ روایت بھی ان کے

نزدیک معمول بہا نہیں ہے۔

**الرابع والعشرون:** ...... یہ جواب آپ کے حنفی بھائی کی طرف سے ہے لکھنوی صاحب التعلیق المجد صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ "لقائل ان یعارض ویقول تجوز ان یکون فعل ابن عمر ماروا ہ مجاھد قبل ان تقوم الحجة بلزوم الرفع ثم لما ثبت عنده التزم الرفع اہ.

**الحاصل:** ...... یہ روایت مولوی صاحب کے لیے کسی بھی حالت میں مفید نہیں ہے۔ ابن عمر کے مذہب پر کسی بھی قسم کی تلبیس نہیں چل سکتی۔ کیونکہ اس باب میں ان کا مذہب نہایت مشہور ہے۔ اگر مولوی صاحب کو نظر نہ آئے تو ان کی قسمت۔

گر نہ بیند بروز شپر چشم
چشم آفتاب راچہ گناہ

مولوی صاحب اس روایت پر دو اعتراض نقل کرتے ہیں پہلے میں بحوالہ ضرب الیدین نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابوبکر بن العیاش متغیر الحفظ ہے اور متغیر الحفظ کی روایت معتبر نہیں ہے۔ دراصل یہ قاعدہ مشہور اور مسلم ہے۔ چنانچہ ضرب الیدین صفحہ ۱۳ پر اس کے بعد عبارت اس طرح سے ہے کہ "جیسا کہ اصول حدیث کی کتب میں مصرح ہوا ہے مثلاً شرح النخبة وشروحه وعلوم الحدیث للحاکم۔ الکفایة للخطیب مقدمه ابن الصلاح۔ تدریب الراوی للسیوطی وغیرہم اس قاعدے کی مولوی صاحب کس طرح مخالفت کرتے ہیں؟ یا کس طرح ایسی روایت کو بچا سکتے ہیں؟ اور لکھتے ہیں کہ "پہلا جواب" اور اصل لکھتا ایک ہی ہے اس میں اس طرح لکھتے ہیں کہ امام بخاری ابوبکر بن عیاش کی روایات اپنی صحیح میں لائے ہیں" الخ۔

**جواب:** ...... **اولاً:** پہلے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں جو بھی اس قسم کی روایات ہیں وہ راوی کے حافظہ خراب ہونے سے قبل کی ہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۱۹۷ پر ہے کہ واعلم ان من کان هذا القبیل محتجا بروایته فی الصحیحین او احد هما فانا نعرف علی الجملة ان ذالك مما تمیز وکان ما خوذا عنه قبل الاختلاط والله اعلم " (یعنی یہ بات جان لو کہ اس قسم کی جو بھی روایات صحیحین میں یا ان میں سے ایک میں ہیں اور ان سے حجت لی گئی ہے ہم جانتے ہیں مختصراً کہ جن میں تمیز کی گئی ہے اور یہ اختلاط سے قبل ان سے لی گئی ہیں واللہ اعلم) اور تدریب الراوی صفحہ ۲۶۷ پر ہے "ومن کان من هذا القبیل محتجابه فی الصحیح فهو مما عرف روایته قبل الاختلاط " (یعنی صحیح میں اس قسم کی جو بھی روایات ہیں اور ان سے حجت لی گئی ہے وہ اختلاط سے قبل کی

ہیں) اور ابن حجر النکت صفحہ ۵۳ قلمی میں فرماتے ہیں کہ "وكذا لم يخرجا من حديث المختلفين عمن سمع منهم بعد الاختلاط (یعنی بخاری ومسلم نے ان کی روایت کو ذکر نہیں کیا جن سے اختلاط کے بعد سنا ہو) لہٰذا یہ جواب مولوی صاحب کی صرف خوش فہمی ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ حافظ ابن حجر بالاعبارت کے بعد لکھتے ہیں کہ "فان كان كذالك لم يجز الحكم للحديث الذي فيه مدلس قدعنعنه او شيخ سمع ممن اختلط بعد الاختلاطه لانه على شرطهما وان كانا قد اخرجاه ذالك بالاسناد بعينه" لہٰذا دوسری کتب کو صحیحین پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اگر چہ اس کی سند بعینہٖ صحیحین والی ہو۔ لہٰذا مولوی صاحب کو طحاوی کی سند کو بخاری کی سند پر قیاس کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وهو الثاني .

**ثالثاً**: ...... حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۵۵۔ میں ثابت کیا ہے کہ امام بخاری ابوبکر بن ابی عیاش کی تمام تر روایات متابعت کے طور پر لائے ہیں۔ بلکہ اس کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ مولوی صاحب نے سات مقامات بتائے ہیں پہلا صفحہ ۲۳۲ ج ۱۔ میں پہلی روایت اس طرح لاتے ہیں کہ "حدثنا محمد بن حوشب ثنا هشيم ثنا منصور ابن زاذان عن عطاء عن ابن عباس" اس کے بعد وہی روایت دوسری سند سے لائے ہیں حدثنا احمد بن یونس نا ابوبکر بن عیاش عن عبدالعزیز بن رفیع عن عطاء عن ابن عباس الخ صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت متابعت میں لائی گئی ہے۔

دوسرے نمبر باب تعجیل الافطار صفحہ ۲۶۲ ج ۱۔ میں روایت سہل بن سعد کی لاکر اس کی متابعت میں ابن ابی اوفی کی روایت ابوبکر کے واسطہ سے لاتے ہیں۔ تیسرے نمبر پر صفحہ ۶۵۵ ج ۲ میں باب ان الناس قد جمعوا لكم الاية میں ابن عباس کی روایت دو سندوں سے لاتے ہیں پہلی ابوبکر عن ابی حصن عن ابی الضحی عن ابن عباس الخ دوسری اسرائیل عن ابی حصین عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس ہے یہاں پر بھی متابعت ہے۔

چوتھا نمبر صفحہ ۷۲۵ ج ۲ میں اس طرح سے ہے ابوبکر عن حصین عن عمرو بن میمون اور اس کی متابعت صفحہ ۸۷۔ ۱۸۶ ج ۱۔ میں اس طرح مذکور ہے جرير بن عبدالحميد قال حدثنا حصين بن عبدالرحمن عن عمرو بن ميمون الا ودی یہ حدیث لمبی ہے لیکن اس حدیث کے ابتداء میں وہی الفاظ اس میں موجود ہیں گویا کہ امام بخاری یہاں پر ابوبکر کی روایت جریر کی متابعت کے لیے لائے ہیں۔ اس کو تفصیل سے علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری صفحہ ۲۲۷ ج ۱۹۔ المنیر یہ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک حدیث ہے۔ ابوبکر والی روایت اس سے مختصر ہے۔ لیکن واقعہ ایک ہے۔ چنانچہ ابوبکر کی روایت کے تحت فرماتے ہیں کہ "والحديث طرف من حديث طويل قد مضى فى كتاب الجنائز فى باب قبر النبى ﷺ

فانہ اخرجہ ھناك عن قتیبة عن جریر بن عبدالحمید عن حصین عن عمر و بن میمون الحدیث " (یعنی یہ طویل حدیث کا حصہ ہے جو کہ کتاب الجنائز باب قبر النبی ﷺ میں گزر چکی ہے اور اس کو یہاں پر جریر بن عبدالحمید عن حصین عن عمرو بن میمون کی سند سے بیان کیا ہے) ثابت ہوا کہ یہاں پر بھی جریر بن عبدالحمید کی متابعت کی وجہ سے ابوبکر کی روایت لائی گئی ہے۔

**پانچواں**: ......صفحہ ۹۵۴ ج ۲۔ میں بلفظ ولکن الغنی عن النفس ۔ یہ ابوہریرہ کی روایت صرف ابوبکر کی سند سے نہیں ہے۔ چنانچہ فتح الباری صفحہ ۲۷۲ ج ۱۱۔ میں "فی روایة الاعرج عن ابی ھریرة عند احمد وسعید بن منصور وغیر ھما انما الغنأ فی النفس واصله فی المسلم (یعنی اعرج کی روایت میں جو کہ ابوہریرہ سے احمد اور سعید بن منصور وغیرھما سے ہے کہ غناء نفس کی ہوتی ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے) ثابت ہوا کہ اس روایت میں بھی ابوبکر منفرد نہیں ہے۔

**چھٹا**: ......صفحہ ۹۸۶ ج ۲ "باب اذا حنث نا سیا فی الایمان" اس باب میں صرف یہ ایک حدیث نہیں لائے۔ بلکہ گیارہ احادیث لائے ہیں گویا کہ شہادت میں لائی گئی ہیں۔ بلکہ یہ وہی پہلے نمبر والی روایت صفحہ ۲۲۲ ج ۱۔ میں وہی ہے جو اس سند سے ابوبکر عن عبدالعزیز بن رفیع عن عطاء عن ابن عباس ہے۔ یہ اوپر گزر چکی ہے اس کی متابعت دوسرے طریق سے بھی ہوئی۔

**ساتواں**: ......صفحہ ۱۱۱۸ ج ۲۔ باب کلام الرب یوم القیامة مع الانبیاء وغیر ھم" میں ہے یہاں پر بھی منفرد نہیں ہے چنانچہ پہلے انس رضی اللہ عنہ سے دو روایات لاتے ہیں۔ پہلے مختصر ابوبکر کے واسطہ سے دوسری مفصل جس میں ابوبکر کا واسطہ نہیں۔ ثابت ہوا کہ صرف اکیلے ابوبکر کی روایت کو حجت نہیں بنایا گیا۔ علاوہ ازیں اس باب میں دیگر پانچ روایات بھی لائے ہیں۔ یہ تھے سات مقامات جن کے مولوی صاحب نے حوالے دیئے ہیں اور خوشی میں پھولے سمانہیں رہے تھے۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ ڈھول کا پول کھل گیا۔ امام بخاری ان کی کوئی بھی روایت بطور حجت نہیں لائے۔ بلکہ متابعت میں لائے ہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کا معارضہ ان کے منہ پر واپس لگا۔

**رابعاً**: ...... جب ہم نے یہاں پر ثابت کیا کہ امام بخاری خود تصریح کرتے ہیں کہ ابوبکر کا حافظہ آخر میں خراب ہوگیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی صحیح میں کوئی ایسی روایت نہیں لائے جو متابعت کے بغیر ہو۔ یا ان کے حافظہ خراب ہونے سے قبل روایت کی ہو۔ اس سے مولوی صاحب کا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ ابوبکر بن عیاش کی روایات امام بخاری کے نزدیک قابل قبول ہیں بلکہ ان کا جھوٹ ہے۔ کیونکہ امام بخاری ان کو علی الاطلاق قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے لیے ان کے نزدیک دو شرطیں ہیں۔ ایک تو حافظہ خراب ہونے سے

قبل کی ہو نیز متابعت اور شہادت کے طور پر ہو نہ کہ احتجاج اور دلیل کے طور پر وھو الخامس.

**سادساً**: ......قول فوق کلام امام بیہقی سے ثابت ہوا کہ ابوبکر نے یہ روایت اس طرح حافظہ خراب ہونے کے بعد سنی ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی کوئی عذر نہیں چل سکتا۔ مولوی صاحب نے سوچ کر کوشش کی کہ امام بخاری میں تضاد ثابت کرے یا آپ کی احادیث میں طعن کرے یا آپ کے طریقہ کار سے ناجائز فائدہ حاصل کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام کوشان رماد میں ملا دیں وللہ الحمد۔

**صفحہ ۱۰۸**: ...... پھر دوسرا اعتراض ضرب الیدین صفحہ ۱۳ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر کا استاد یعنی حصین بن عبدالرحمٰن بھی متغیر الحفظ ہے دراصل ضرب الیدین میں تہذیب صفحہ ۳۸۶ ج ۲ کا حوالہ دیا ہے۔ اور عبارت تقریب کی نقل کی ہے کہ "تغیر حفظه فی الاخر" (یعنی عمر آخر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا) مولوی صاحب پر فرض تھا کہ یہاں پر بھی ثابت کرتے کہ یہ روایت ان کے حافظہ خراب ہونے سے قبل کی ہے لیکن اس کا ثبوت کہاں سے لائے؟ بلکہ اس کے عوض اور گل کھلاتے ہیں چنانچہ دو جواب لکھتے ہیں پہلے کہتے ہیں کہ "آخری عمر میں حافظہ خراب ہو جانے کی وجہ سے ان کی سب روایات تو غلط نہ ہوں گی صرف ان روایات پر اثر پڑے گا جو اس وقت روایت کی گئی ہوں۔ اب آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ ابوبکر بن عیاش نے یہ روایت حصین سے اس وقت حاصل کی تھی جب ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا الخ۔

**جواب**: ...... **اوّلاً**: واقعی اس کی سب روایات رد نہیں ہوں گی۔ لیکن قاعدے کے مطابق ایسے راوی کی روایت کی تین حالتیں ہیں

۱:...... یہ روایات اگر قبل حافظہ خراب کی ہیں۔

۲:...... یہ روایات اگر بعد حافظہ خراب کی ہیں۔

۳:...... یہ جن کے بارے میں پتہ نہ چلے کہ قبل حافظہ خراب کی ہیں یا بعد میں۔

پہلی صورت میں ان کی روایت مقبول ہے۔ باقی دونوں صورتوں میں ان کی روایت حجت نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب الکفایۃ للخطیب صفحہ ۱۳۷ پر ہے "فاذا تمیز للطالب ما سمعه ممن اختلط فی حالہ صحتہ جازله روایته وصح للعمل به" (جب طالب حدیث فرق کر سکے اختلاط کی صورت میں جو اس نے صحت کی حالت میں سنی ہوں اس کو روایت کرنا اور اس پر عمل کرنے کی اجازت ہے) مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۱۹۵ پر ہے کہ "والحکم فیھم انه یقبل حدیث من اخذ عنھم قبل الاختلاط ولا یقبل حدیث من اخذ عنھم بعد الاختلاط او اشکل امرہ فلم یدر ھل اخذ عنه قبل الاختلاط او بعده" (یعنی اس معاملے میں حکم ہے کہ جس نے اختلاط سے قبل احادیث لی ہوں وہ

قبول ہوں اور اگر اشکال ہو کہ اختلاط سے قبل لی ہیں یا بعد میں تو وہ مقبول نہ ہوں گی) اور فتح المغیث للحافظ العراقی صفحہ ۱۵۳ ج ۴ میں ہے کہ "ثم الحکم فیمن اختلط انه لا یقبل من حدیثه ما حدث به فی حال الا ختلاط وکذا ما ابهم امره واشکل فلم یدر حدث به قبل الاختلاط او بعد ما حدث به فی حال الا ختلال وکذا ما ابهم امره واشکل فلم یدر حدث به قبل الاختلاط او بعد وما حدث به قبل الاختلاط قبل وانما یتمیز ذالك با عتبار الرواة عنهم فمنهم من سمع فی الحالین ولم یتمیز اه. فتح المغیث للسخاوی صفحہ ۴۸۶ ج ۴ میں ہے "فما روی المتصف بذالك فیه ای فی حال الاختلاط اوابهم بنقل الهمزة مبینا للفاعل الامرفیه واشکل بحیث لم یعلم اروایته صدرت فی مال اتصافه به او قبله سقط حدیثه فی الصورتین بخلاف ما رواه قبل الاختلاط لثقته هکذا اطلقوه اه اور تدریب الراوی للسیوطی صفحہ ۲۶۳ میں ہے (فیقبل ماروی عنهم) مما حدثوابه (قبل الاختلاط ولا یقبل ما) حدثوابه (بعده او شك فیه) ویعرف ذالك باعتبار الرواة عنهم اه (یعنی وہ روایات جو انہوں نے اختلاط سے قبل بیان کی ہیں وہ مقبول ہوں اور جو اختلاط کے بعد یا جن میں شک ہو وہ قبول نہ کی جائیں گی اور ان کی پہچان ان سے بیان کرنے والے راویوں سے ہوگی) اسی طرح عام کتب میں بھی ہے لہٰذا جیسا کہ یہاں پر یہ علم نہیں کہ حصین بن عبدالرحمٰن سے یہ روایت حافظہ خراب ہونے سے قبل ہے یا بعد میں اس وجہ سے یہ مقبول نہ ہوگی۔ بلکہ مردود میں شمار ہوگی۔ بلکہ مولوی صاحب کا ہم سے یہ مطالبہ کرنا کہ ثابت کریں کہ ابو بکر نے حسین بن عبدالرحمٰن سے یہ روایت اس وقت سنی ہے جب ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا غلط ہے بلکہ ہمیں ان سے مطالبہ کرنے کا حق ہے کہ ثابت کریں کہ ابو بکر نے حصین سے یہ روایت اس وقت سنی تھی جب ان کا حافظہ خراب نہ ہوا تھا۔ ولیس له الی ذالک سبیل وهو الثانی۔

**وثالثاً**: ...... یہ مولوی صاحب کا اپنا من گھڑت قانون ہے جو ہم سے ایسا مطالبہ کرتے ہیں اس قسم کا مطالبہ قانون کے خلاف ہے کیونکہ مقصود ہے کہ روایت میں کوئی شبہ نہ رہے اور اگر شبہ ہوا تو روایت قبول نہ ہوگی۔ پھر جب کہ علم نہیں کہ روایت حافظہ خراب ہونے سے قبل کی ہے یا بعد کی تو اس صورت میں ثبوت روایت میں شبہ رہا اب ناظرین انصاف کریں کہ مطالبہ کرنے کا حق ہمارا ہے یا مولوی صاحب کا بلکہ یہ تو ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا مصدق ہے۔

یہ انداز جنون اچھا نکلا
لیا پہچان گو دیکھا نہ بھالا

اور دوسرا جواب۔ پھر اس طرح دیتے ہیں کہ "جس راوی کا حافظہ آخر میں بدل جائے۔ اس سے محدثین صحاح ستہ (احادیث کی چھ صحیح کتب) خود امام بخاری اور مسلم نے روایات نقل کی ہیں الخ۔

**جواب:** ...... **اولاً:** مولوی صاحب کا یہ جواب اور پہلا ایک دوسرے کے معارض ہیں اب ان کے چھیتے ان سے پوچھیں کہ دونوں میں سے کون سا جھوٹ اور کون سا سچ ہے؟

جھوٹ کہنے سے جن کو عار نہیں

ان کی باتوں کا اعتبار نہیں

پہلے جواب میں کہہ رہے تھے کہ "ان روایات پر اثر پڑے گا جو کہ اس وقت کی ہوگی۔ جس کا معنی کہ اس قید سے متغیر الحفظ راوی کی روایت کو خود بھی رد کر رہے ہیں۔ اور اس دوسرے جواب میں اس قانون کا انکار کرتے ہیں۔ پھر اگر صحیحین میں ایسی روایات ہیں۔ وہ بھی یعنی حافظہ خراب ہونے سے قبل کی ہیں جیسا کہ اس سے پہلے مقدمہ ابن الصلاح۔ النکت اور تدریب الراوی کے حوالہ سے عبارات گزر چکی ہیں۔ بلکہ فتح المغیث للعراقی صفحہ ۱۶۱ ج ۴ میں ہے کہ "واعلم ان كان من هذا القبيل محتجا بروايته في الصحيحين اور احدهما فانما نعرف على الجملة ان ذالك مما تميز وكان ما خوذا عنه قبل الاختلاط والله اعلم اھ (یہ جان لو کہ جو بھی روایات اس سے قبل ہوں ان سے صحیحین یا ان میں سے ایک میں حجت لی گئی ہے تو ہم مختصراً یہ جانتے ہیں کہ یہ ان میں سے ہے جن میں تمیز (فرق) کی گئی ہے اور یہ قبل اختلاط ہیں) فتح المغیث للسخاوی صفحہ ۴۸۶ میں ہے کہ "وما يقع في الصحيحين او احد هما من التخريج لمن وصف بالاختلاط من طريق من لم يسمع منه الابعده فانا نعرف على الجملة ان ذالك مما ثبت عند المخرج انه من قديم حديثه اھـ بلکہ سخاوی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بخاری و مسلم کی کوئی حدیث کسی ایسے راوی کی نہیں ہے جس سے راوی اس کے حافظہ کے خراب ہونے کے بعد نقل کرنے والا ہو۔ تب بھی ان کے لیے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ آئمہ (بخاری و مسلم) اس حدیث کو اپنی صحیح میں اس لیے لائے ہیں کہ ان کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حدیث قدیم ہے اور حافظہ خراب ہونے سے قبل کی ہے لہٰذا ان پر کسی دوسری کتاب کو قیاس نہیں کیا جاسکتا وهو الرابع.

**خامساً:** ...... مولوی صاحب نے چھ کتب کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا ایک ہی مرتبہ اور مقام نہیں ہے صحیحین کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ دوسری کتب کو نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی روایات بحث سے بالا ہیں باقی دوسری کتب میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی روایات ہیں جیسا کہ خود ترمذی، ابو داؤد، نسائی اپنی کتاب میں کئی احادیث کو ضعیف

اور معلول قرار دیتے ہیں۔ پھر اگر ان میں کسی حافظہ خراب ہونے والے راوی کی حدیث آ گئی تو اس سے یہ دلیل لینا صحیح نہیں کہ ایسے راوی کی سب روایات صحیح ہیں۔

**سادساً**: ...... مولوی صاحب چیختے ہیں کہ ''ایک ہی چوٹ سے سب احادیث کے دفتر آپ نے بیکار بنا دیئے'' ہم سب کتب کو نہیں بلکہ ان روایات کو جنہیں قواعد ناکارہ کرتے ہیں جو قواعد خود ان کتب کے مصنفین کے بنائے ہوئے ہیں اور خود کو ان سے مرتبط اور جڑا ہوا ثابت کرتے ہیں بات دراصل یہ ہے کہ مولوی صاحب بغیر کسی تحقیق کے روایات جمع کرتے رہے جب دیکھا کہ قواعد کی رو سے تو یہ سب بے کار ہوتی جاتی ہیں تو پھر چیخ و پکار کرنے لگا۔

آگ میں کود کر پروا نہ جو بے ہوش ہوا
جس کی الفت میں جلا اس سے ہم کو غوش ہوا

**صفحہ ۱۰۹**: ...... ساتویں دلیل بحوالہ طحاوی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کرتے ہیں۔ یہ روایت شرح معانی الآثار للطحاوی صفحہ ۱۳۳ ج ا۔ میں اس طرح ہے۔ حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابو الاحوص عن حصین عن ابراھیم قال کان عبداللہ لا یرفع یدیہ فی شیءٍ من الصلوٰۃ الا فی الافتتاح " الخ

## ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع الیدین والی روایت سخت ضعیف ہے

**جواب**: ...... یہ سند بھی ضعیف ہے۔

**اوّلاً**: ...... اس میں وہی حصین بن عبدالرحمٰن السلمی ہے (کشف الاستار عن رجال معانی الآثار صفحہ ۲۶) ان کا حافظہ آخر میں تبدیل ہو گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور یہ پتہ نہیں کہ ابو الاحوص نے ان سے یہ روایت حافظہ خراب ہونے سے پہلے سنی ہے یا بعد میں؟ لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے متعلق کافی عبارات ذکر ہو چکی ہیں۔ مزید پڑھیں۔ علامہ ابن العجمی الاغتباط صفحہ ۳ میں فرماتے ہیں کہ "ثم الحکم فی حدیث من اختلط من الثقات التفصیل فما حدث بہ قبل الاختلاط فانہ یقبل وان حدث بہ فیہ او اشکل امرہ فلم یدرأ اخذعنہ قبل الاختلاط او بعدہ فانہ لا یقبل اھ۔ (ثقات میں سے جس کو اختلاط ہو جائے اس کا حکم یہ ہے کہ جو احادیث اختلاط سے قبل ہوں وہ قبول ہوں اور اگر یہ معاملہ مشکل ہو جائے کہ یہ اختلاط سے قبل کی ہیں یا بعد کی تو وہ قبول نہیں ہوں گی) اور اس طرح علامہ ابو البرکات ابن الکیال نے الکواکب النیرات صفحہ ۶۲ پر فرماتے ہیں بلکہ اس طرح ظاہر ہوتا

ہے کہ یہ روایت حافظہ خراب ہونے کے بعد کی ہے۔ کیونکہ صرف چار محدث ہیں جنھوں نے حافظہ خراب ہونے سے قبل روایات سنی ہیں تدریب الراوی صفحہ ۲۶۵ پر ہے کہ "ومن سمع منه قديما سليمان التيمي والاعمش وشعبة وسفيان" (یعنی جنھوں قدیم (حافظہ خراب ہونے سے قبل) سنا ہے وہ سلیمان التیمی اعمش شعبہ اور سفیان ہیں) حالانکہ ان چاروں میں سے کوئی بھی اس سند میں نہیں ہے بلکہ ان سے راوی ابوالاحوص ہے۔ لہٰذا یہ شبہ قوی ہے کہ یہ روایت حافظہ خراب ہونے کے بعد کی ہے۔ وهو الثاني .

**ثالثاً:** ...... ابراہیم نخعی کا کسی بھی صحابی سے سماع یا لقاء نہیں ہے چنانچہ امام ابن ابی حاتم کتاب المراسیل صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں کہ "سمعت ابي يقول لم يلق ابراهيم النخعي احدا من اصحاب النبي ﷺ الا عائشة ولم يسمع منها شيئا فانه ادخل عليها وهو صغير وادرك انسا اه (یعنی میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ابراہیم نخعی کسی بھی صحابی رسول ﷺ سے نہیں ملا سواء عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور ان سے بھی کچھ نہیں سنا کیونکہ انہیں عائشہ کے پاس لایا گیا تو وہ چھوٹے تھے اور ابراہیم نے انس کا زمانہ پایا ہے)

**قارئین!** ...... مقام غور ہے کہ ابن مسعود سنہ ۳۲ یا ۳۳ میں فوت ہوئے ہیں (تہذیب صفحہ ۲۸ ج ۶) اور امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سنہ ۵۷ یا ۵۸ ھ میں فوت ہوئی ہیں (تہذیب صفحہ ۴۳۶ ج ۱۲) یعنی تقریباً پچیس سال بعد ابن مسعود کی وفات کے اور انس رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۹۰ ھ کے بعد ہوئی ہے مختلف اقوال ہیں بعض ۹۱ ھ تو بعض ۹۲ ھ تو بعض ۹۳ ھ تو بعض ۹۵ ھ کہتے ہیں (تہذیب صفحہ ۳۷۸ ج ۱) یعنی ابن مسعود کی وفات سے نصف صدی کے عرصہ سے بھی زیادہ بعد۔ پھر جب کہ ابراہیم نخعی کا ان دونوں انس و عائشہ رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے تو پھر ابن مسعودؓ سے کس طرح ہوسکتا ہے۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں "لم يلق النخعي احدا من اصحاب رسول الله ﷺ" (یعنی ابراہیم نخعی کسی صحابی رسول سے نہیں ملے) (تهذيب صفحه ۱۷۸ ج ۱ اور ميزان صفحه ۳۵ ج ۱ اور جامع التحصيل للعلائی صفحه ۲۱)

**رابعاً:** ...... خاص طور پر ابن مسعود سے مرسل روایت حجت نہیں ہے حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۳۵ ج ۱۔ میں لکھتے ہیں کہ "لم يصح سماع من اصحابی قلت وكان لا يحكم العربيه وربما لحن ونقموا عليه قوله لم يكن ابوهريرة فقيها وقال يونس بن بكير عن الاعمش قال ما رايت احدا روى حديثا لم يسمعه من ابراهيم قلت استقرا لا مر علی ان ابراهيم حجة وانه اذا ارسل عن ابن مسعود وغيره فليس ذالك بحسن اه اور حافظ ابن حجر طبقات المدلسین صفحہ ۳۸ پر کہتے ہیں کہ "كان يرسل كثيرا لا سيما عن ابن مسعود" (یعنی بہت زیادہ

مرسل بیان کرتا تھا بالخصوص ابن مسعود سے ) ثابت ہوا کہ نخعی کی ابن مسعود سے مرسل روایت معتبر نہیں ہے۔
بلکہ میزان کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابراھیم نخعی کی اکثر روایات ایسی ہوتی ہیں جو کہ براہ راست خود نہیں سنی ہوتیں پھر جس شخص کی یہ عادت ہو۔اس کی مرسل کتنی خطرناک ہوگی وھو الخامس .

**سادساً:** ......نخعی اس میں مشہور ہے کہ عام مجہول راویوں سے روایات کرتا رہتا تھا چنانچہ امام بیہقی جزء القراۃ صفحہ ۱۴۴ پر فرماتے ہیں کہ "وكذالك ابراهيم النخعي وان كان ثقة فانا نجده يروى عن قوم مجهولين لا يروى عنهم غير هم مثل هنى بن نويرة وحزامة الطائى وقرثع الضبى ويزيد بن اويس وغير هم (اور اسی طرح ابراھیم نخعی اگر چہ ثقہ ہے ہم اس کو پاتے ہیں کہ وہ مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے جن سے ان جیسوں کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا مثلاً۔ھنی بن نویرہ ، حزامہ الطائی ،قرثع الضبی اور یزید بن اویس وغیرہ) لہٰذا جب تک سند نہیں ہے تب تک درمیان میں واسطہ مجہول سمجھا جائے گا۔

**سابعاً:** ......ابراھیم نخعی مدلس بھی ہے جیسا کہ ابن العجمی نے التبیین فی اسماء المدلسین میں صفحہ ۶ پر ذکر کیا ہے نیز حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں طبقہ ثانیہ میں ان کو ذکر کیا ہے اور اس طبقہ کے مدلسین کی روایت آپ احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے علامہ نیموی التعلیق الحسن علی اثار السنن صفحہ ۹۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں۔

اور اس ارسال کے متعلق مولوی صاحب نے پانچ جواب لکھے ہیں۔ پہلے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''ابراھیم نخعی کی مرسل روایت محدثین کے نزدیک حجت ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ مراسيل ابراهيم النخعي صحيحة الا حديث تا جر البحرين ۔یعنی ابراھیم نخعی کی سب روایات (ایک کے علاوہ) صحیح ہیں''

**جواب:** ......اوّل تو یہاں پر ابن معین سے نقل میں بڑی خیانت کی گئی ہے کسی کتاب کا نام نہیں لیا گیا۔لیکن ان کے بڑے بڑے حوالے دیئے گئے ہیں۔نور الصباح مصنف حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی ہمارے سامنے موجود ہے۔ابن معین سے صفحہ ۱۸۳ پر لکھتے ہیں نیز فرماتے ہیں'' مرسلات النخعي صحيحة الاحديث تاجر البحرين (السنن الكبرى للبيهقى صفحه ١٤٨ ج ١ ـ نصب الراية صفحه ٥٢ ج ١ ـ دراية صفحه ١٦ ، مراسيل ابى داؤد صفحه ٤) چار کتب کے حوالے دیئے ہیں لیکن نقل میں بڑی خیانت کی گئی ہے چاروں کتب ہمارے سامنے ہیں۔بیہقی صفحہ ۱۴۸ پر اس طرح ہے۔اخبرنا ابو عبدالله الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب نا العباس بن محمد الدورى قال سمعت يحيى بن معين يقول مرسلات سعيد بن المسيب احسن من مرسلات

الحسن ومر سلات ابراهيم صحيحه الا حديث تا جر البحرين وحديث الضحك فی الصلوٰۃ ومر سل الزهری ليس بشی اه" اب قارئین کرام غور کریں کہ ابن معین صرف ایک حدیث تاجر البحرین والی کہتے ہیں یا اس کے ساتھ دوسری حدیث الضحك فی الصلوٰۃ بھی ہے؟ جان بوجھ کر عبارت کے دوسرے حصے یعنی دوسری حدیث کو حذف کیا گیا ہے۔ اس میں کون سا راز ہے وہ آگے چل کر بیان ہوگا ان شاء اللہ۔

حقائق کو جن میں چھپایا گیا ہے
وہ پردے نظر سے اٹھاتا رہوں گا

دوسری کتاب نصب الرایہ صفحہ ۵۲ ج ۱۔ میں عبارت اس طرح سے ہے "واسند ابن عدی عن یحییٰ بن معین انه قال مراسیل ابراهیم صحیحة الا حدیث تا جر البحرین وحدیث القهقهة۔ انتهیٰ۔ یہاں پر بھی لفظ حدیث القهقهه کو چھپایا ہے۔ تیسری کتاب الدرایہ لابن حجر میں صفحہ ۱۶ پر اس طرح ہے "واخرج ابن عدی فی الکامل عن یحییٰ بن معین قال مراسیل ابراهیم النخعی صحیحة الا حدیث تاجر البحرین وحدیث القهقهه اه۔ اس میں بھی دونوں احادیث کا ذکر ہے لیکن عمداً چھپایا گیا ہے۔ چوتھی کتاب مراسیل ابی داؤد کہتے ہیں۔ اس نقل میں تو دوہری خیانت کی گئی ہے۔ کیونکہ امام ابوداؤد کی کتاب المراسیل میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے۔ ہمارے پاس مراسیل ابوداؤد کے دو نسخے ہیں ایک مصر کا چھپا ہوا اور دوسرا پاکستان میں سنن ابی داؤد کے ساتھ آخر میں اصح المطابع والوں کا چھپا ہوا ہے۔ دونوں میں یہ عبارت نہیں ہے یہ نقل کرنے والے کی سینہ آزمائی ہے کہ انہوں نے امام ابوداؤد کی طرف غلط نسبت کی ہے۔ بلکہ سنہ ۱۳۳۹ھ میں مولوی سید محمد عمیم الاحسان المفتی نے مراسیل ابوداؤد کے لیے مقدمہ لکھا ہے۔ اس کے صفحہ ۴ پر یہ عبارت نقل کی ہے وہ بھی اس طرح ہے "واسند ابن عدی عن ابن معین انه قال مراسیل ابراهیم صحیحة الا حدیث تاجر البحرین وحدیث القهقهه اه" یعنی ابن معین کہتے ہیں کہ ابراھیم کی مرسل روایات دو روایات کے علاوہ صحیح ہیں ایک تاجر البحرین والی اور دوسری القهقهه فی الصلوٰۃ والی روایت۔ نقل کرنے والوں نے قہقہہ والی عبارت کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں حنفی مذہب کو زبردست چوٹ لگتی ہے۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

خود تاریخ ابن معین اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے پاس موجود ہے اس کے صفحہ ۲۰۷ ج ۳ مطبع سعود یہ اور نسخہ مصور صفحہ ۳۴ پر اس طرح موجود ہے۔ مرسلات ابراهيم صحيحة الاحديث تا جر

البحرین ، وحدیث الضحك فی الصلوٰۃ اھـ دراصل احناف کا مشہور مذہب ہے کہ نماز میں ہنسنا اور مسکرانا ناقض وضو ہے یہ حدیث ان کے بڑی دلیل ہے لیکن ابن معین اس کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے مولوی صاحب کے بڑوں نے اس کو چھپایا۔ کیونکہ اگر ظاہر کرتے ہیں تو ان کے مذہب کا بیڑہ غرق ہوتا ہے باقی مولوی صاحب بیچارے کو ہم معذور سمجھتے ہیں کیونکہ اس بیچارے نے یہ کتاب دیکھی ہی نہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ نصب الرایہ کے حاشیہ بغیۃ الالمعی صفحہ ۴۷ ج ا۔ سے نقل کیا ہو کیونکہ اس بزرگ نے بھی درایہ لابن حجر کے حوالہ سے عبارت نقل کی ہے لیکن اس بزرگ نے آخری جملہ وحدیث القهقهه کو حذف کر دیا۔ اصل عبارت میں ڈاکہ انہوں نے مارا ہے۔ مولوی صاحب نے صرف ان کا کمایا ہوا کھایا ہے۔ یہ ہے بغیر تحقیق کے دوسروں کی عبارتیں نقل کرنے کا نتیجہ جوٹھوکر در ٹھوکر کھا رہے ہیں اور اگر واقعتاً ابن حجر کی اصل کتاب درایہ سے عبارت نقل کی ہے تو پھر یہ ان کی خیانت اور دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے دھوکے سے بچائے۔ اب جب کہ حقیقت کھل کر واضح ہوگئی اور امام ابن معین کی عبارت سامنے آ گئی تو ہم مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ بتائیں کہ آپ ابن معین کی اس عبارت پر اعتبار کرتے ہیں۔ اور دوسری حدیث یعنی قہقہہ والی کو بھی باطل مانتے اور تسلیم کریں گے کہ اس مسئلہ میں آپ کا مذہب غیر صحیح روایت پر محمول ہے؟ دیدہ باید اور اگر معتبر نہیں تو پھر ایسا قول کیوں نقل کیا؟ مولوی صاحب تو خوشی میں اڑ رہے تھے کہ ''ایک کے علاوہ باقی سب روایات صحیح ہیں'' لیکن قارئین نے دیکھا کہ یہ سب جھوٹ اور ریت پر بنائی گئی عمارت ہے جو زلزلہ کی زد میں آ گئی۔ وھو الثانی۔

**ثالثا**: ...... امام ابن معین کے قول سے یہ مراد نہیں کہ وہ قابل حجت ہے بلکہ یہ تصحیح بنتی ہے، چنانچہ امام یحییٰ بن معین اپنی تاریخ صفحہ ۱۴ جلد ۴۔ میں فرماتے ہیں کہ "مراسیل ابراهیم احب الی من مراسیل الشعبی" (یعنی مراسیل ابراھیم مجھے زیادہ اچھی لگتی ہیں بنسبت شعبی کی مراسیل کے) گویا کہ مراتب کا ذکر ہے۔ نہ کہ ان کو بالکل صحیح جانتے ہیں۔ کیونکہ ضعیف روایات میں بھی بعض اخف اور بعض اشد ہوتی ہیں۔

**رابعاً**: ...... امام ابن معین کی تاریخ صفحہ ۲۸۵ ج ۳ میں ہے کہ "سمعت یحییٰ یقول ابراهیم النخعی ادخل علی عائشة اظن یحییٰ قال وھو صَبیٌّ" (یعنی میں نے یحییٰ سے سنا کہ ابراھیم کو عائشہ پر داخل کیا گیا میرا خیال ہے کہ یحییٰ نے کہا کہ وہ بچہ ہی تھا) پھر جب کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے وقت میں بچہ ہی تھا تو پھر ابن مسعود جو کہ ام المومنین سے کئی سال پہلے فوت ہوگئے تھے جس طرح کہ اوپر گزرا تو پھر اس کی روایت ابن مسعود سے کس طرح ابن معین صحیح کہیں گے؟

**خامساً**: ...... امام یحییٰ بن سعید القطان جنہیں مولوی صاحب صفحہ ۸۵ پر جرح وتعدیل کا امام مانتے ہیں وہ

امام یحییٰ بن معین سے متقدم ہے۔ بلکہ آپ کا استاد ہے (تہذیب صفحہ ۲۱۶۔۲۸۱ ج ۱۱) اس سے مراسیل لا بن ابی حاتم صفحہ ۱۲۔ پر کچھ روایات منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ "مالك عن سعيد بن المسيب احب الى من سفيان عن ابراهيم قال يحيىٰ وكل ضعيف" یعنی دونوں مراسیل ضعیف ہیں۔ لیکن نخعی والی مرسل ابن المسیب والی مرسل سے زیادہ ضعیف ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ "سفيان عن ابراهيم شبه لا شي لانه لو كان فيه اسناد صاح به" ثابت ہوا کہ نخعی جہاں پر ارسال کرتا ہے تو درمیان کا گرا ہوا واسطہ انہیں بھی معلوم نہیں ہوتا۔ ورنہ ضرور ذکر کرتا اور دوسری روایت میں ہے کہ "سمعت يحيىٰ يعنى ابن سعيد يقول كان شعبة يضعف ابراهيم عن على اه" بلکہ امام قطان کے قول کو امام شعبہ کی بھی تائید حاصل ہے۔ وھو السادس

**وسابعا**: ...... امام قطان نے تصریح کردی کہ نخعی کی مرسل روایت ایسی مجہول ہوتی ہے کہ گرے ہوئے واسطے کا کوئی پتہ ہی نہیں چلتا پھر اس کو صحیح کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

**ثامنا**: ...... بلکہ علی فرض التسلیم امام ابن معین کا قول ان کی ان روایات کی متعلق ہے جو کہ مرفوع ہوں اور ابراہیم نخعی بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہوں۔ یعنی قول کا مطلب ہے کہ اور طریق سے موصول ملتی ہیں۔ لیکن دو احادیث تاجر البحرین اور قہقہہ والی احادیث کی کوئی سند متصل نہیں ملتی۔ لیکن یہاں پر اس طرح نہیں ہے۔ نخعی یہ روایت ابن مسعود سے موقوفاً ان کا عمل نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ابن معین کا قول اس پر محمول نہیں ہے۔

**تاسعا**: ......لغایۃً اس قدر ہوگا کہ یہاں پر مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ یحییٰ بن معین ان کی مرسل کو صحیح کہتے ہیں (یہ بھی اس صورت میں جب اس کا وہ مطلب لیا جائے جو مولوی صاحب سمجھتے ہیں) اور یحییٰ القطان اس کو صحیح نہیں مانتے بلکہ لاشی کہتے ہیں اور تضاد میں ترجیح القطان کے قول کو حاصل ہوگی۔ ایک تو وہ ابن معین سے مقدم اور ان کے استاد ہیں۔ دوسرا کہ ان کے ساتھ امام شعبہ ہیں تیسرا کہ عام محدثین جو کہ مرسل روایات کو صحیح قرار نہیں دیتے یہ بات بھی ان کے قول کی مؤید ہے۔ چوتھا یہ کہ امام قطان نے اپنے قول کے لیے دلیل پیش کی ہے اور کہتے ہیں کہ گرے ہوئے واسطے کا انہیں علم نہیں ہے۔

**عاشرا**: ......امام ذہبی محقق ہے جنہوں نے تصریح کی ہے کہ نخعی کی ابن مسعود سے مرسل صحیح نہیں ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہی صحیح فیصلہ ہے۔

**الحادی عشر**: ...... یہاں پر مولوی صاحب نے امام ابن معین کے قول میں کمی کر کے نقل کیا اور اس سے غلط مطلب لے کر دلیل بنایا ہے۔ لیکن اسی امام نے حنفی مذہب کے ائمہ کے لیے جو کہا ہے (جیسا کہ عبارات

گزر چکی ہیں) اس کے متعلق مولوی صاحب کیا کہتے ہیں؟ کسی اعتبار میں لاتے ہیں؟ اگر نہیں تو ھوا پرستی کہی جائے گی۔ جس سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

دام گیسو میں پھنسا دل پاؤں میں زنجیر ہے
وہ تمہارا خواب تھا یہ خواب کی تعبیر ہے

دوسرے جواب میں تدریب الراوی کے حوالہ سے امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ "مراسیل ابراھیم النخعی لا باس بھا اہ"

## مراسل النخعی پر مکمل بحث

**جواب:**...... **اولاً:** مولوی صاحب نے پوری عبارت نقل نہیں کی تدریب صفحہ ۶۹ پر عبارت اس طرح ہے "وقال احمد بن حنبل مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات ومرسلات ابراھیم النخعی لا باس بھا ولیس فی المرسلات اضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن ابی رباح فانھما کانا یأ خذان عن کل احد ." اہ۔

(یعنی امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب کی مرسلات سب سے زیادہ صحیح ہیں اور مرسلات ابراہیم نخعی میں کوئی جرح نہیں حسن اور عطاء بن ابی رباح کی مرسلات سے زیادہ ضعیف کسی کی مرسلات نہیں کیونکہ یہ دونوں ہر کسی سے (بغیر تحقیق کے) لے لیتے تھے) اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ امام احمد نخعی کی عبارات کو صحیح نہیں مانتے بلکہ نسبتی فرق بتاتے ہیں۔

**ثانیاً:**...... امام احمد کا یہ قول بھی مرسل احادیث یعنی مرفوع روایات کے متعلق ہے اور ابن مسعود سے نخعی کی روایات کے متعلق نہیں ہے۔

**ثالثاً:**...... خود اس روایت کو امام احمد بالکل غلط شاذ سمجھتے ہیں چنانچہ آپ کی کتاب العلل صفحہ ۷۱ ج ۱ میں ہے وذکرت لابی حدیث الثوری عن حصین عن ابراھیم عن عبداللہ انہ کان یرفع یدیہ فی اول الصلوٰۃ ثم لا یعود قال ابی حدثنا ھشیم قال حدثنا حصین عن ابراھیم ولم یجزبہ ابراھیم وھشیم اعلم بحدیث حصین " یعنی امام احمد فرماتے ہیں کہ ابو الاحوص کی طرح ثوری ابراہیم نخعی سے عبد اللہ بن مسعود کی روایت نقل کرتے ہیں (جس طرح کہ مولوی صاحب نے طحاوی کے حوالہ سے ابو الاحوص کی روایت ذکر کی) اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ھشیم حصین سے بھی یہ روایت نقل کرتے ہیں اور اس میں ابراہیم نخعی کا اپنا عمل بتاتے ہیں اور امام احمد اپنا فیصلہ بتاتے ہیں۔ کہ حصین سے

روایات اور احادیث نقل کرنے میں ھشیم سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔ یعنی کہ اس کی روایت صحیح ہے اور یہ روایت ابن مسعود سے نہیں بلکہ خود نخعی سے ہے۔

**قارئین!**...... ھشیم کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۶ ج ۱۔ میں ہے۔ حدثنا هشيم اخبر نا حصين ومغيرة عن ابراهيم انه كان يقول اذا كبرت فى فاتحة الصلوٰة فارفع يديك ثم لا ترفعهما فيما بقى (یعنی مغیرہ ابراھیم سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب تو نماز شروع کرے تو اپنے ہاتھ اُٹھا اور باقی نماز میں نہ اُٹھا) ان سے دوسری سند لاتے ہیں "حدثنا ابو بكر بن عياش عن حصين ومغيرة عن ابراهيم قال لا ترفع يديك فى شى من الصلوٰة الا فى افتتاحه الاولى۔ اه" پھر ایک اور سند لائے ہیں کہ "حدثنا ابو بكر عن حجاج عن طلحة عن خيثمة وابراهيم قال كانا لا ير فعان ايديهما الا فى بدء الصلوٰة۔ اھ" ثابت ہوا کہ بعض بواسطہ نخعی ابن مسعود تک روایت پہنچاتے ہیں جس طرح کہ ابو الاحوص اور ثوری اور دیگر فقط نخعی کا اپنا قول یا عمل نقل کرتے ہیں۔ ابن مسعود تک نہیں پہنچاتے۔ یہ ایک خاص علت ہے۔ جس کی وجہ سے روایت معلول ہو جاتی ہے وھو الرابع .

**خامساً**:...... اگر آپ ترجیح کے مسئلہ پر آئیں تب بھی ان کا قول راجح ہوگا جو ابن مسعود تک قول نہیں پہنچاتے۔ بلکہ نخعی کی اپنی روایت کہتے ہیں۔ لوجوہ الاوّل: یہ کہ اس میں ھشیم بھی ہے جو حصین کی روایت کے متعلق دیگر سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور تہذیب صفحہ ۶۰۔۶۱ ج ۱۱ میں ہے کہ "قال عبدالرحمن بن مهدى كان هشيم احفظ الحديث من سفيان الثورى وقال الحارث بن شريح البقال سمعت يحيىٰ بن سعيد وعبدالرحمن بن مهدى يقولان هشيم فى حصين اثبت فى سفيان وشعبة وقال ابو داؤد قال احمد ليس احد اصح حديثا عن حصين من هشيم۔ اه" (یعنی عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ھشیم زیادہ یاد رکھنے والا تھا سفیان ثوری سے اور حارث بن شریح بقال کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی سے سنا وہ کہتے تھے کہ ھشیم زیادہ ثبت ہے حصین کے بارے میں سفیان اور شعبہ سے۔ ابو دوٗد کہتے ہیں کہ احمد نے فرمایا کہ ھشیم سے زیادہ صحیح نہیں کوئی بھی حصین سے بیان کرنے میں) پھر جب کہ ائمہ کبار فن حدیث یحییٰ بن سعید القطان۔ عبدالرحمٰن بن مہدی، ابو داوٗد اور احمد بن حنبل اس بات پر متفق ہیں کہ ھشیم حصین کی حدیث کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے اور حافظ ہیں اور ان کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ہے۔ حتی کہ سفیان ثوری اور نہ شعبہ تو پھر اس صورت میں ھشیم کی روایت صحیح اور محفوظ کہی جائے گی اور دوسری روایت شاذ ہوگی۔ الثانی ،

تابعی یا تبع تابعی کی روایت کو اصول حدیث میں مقطوع کہا جائے گا۔ ایسی روایات کے لیے ھشیم کو خصوصی حافظہ عطا کیا گیا تھا۔ چنانچہ تہذیب حوالہ مذکورہ میں ہے کہ قال ابن اسحق الحلاب عن ابراھیم الحربی کان حفاظ الحدیث اربعه ھشیم " شیخھم یحفظ ھذہ الاحادیث المقاطع یعنی المقطوعة حفظا عجبا۔ اھ۔ (یعنی ابن اسحاق الحلاب ابراھیم الحربی سے بیان کرتے ہیں کہ حدیث کے حافظ چار تھے ھشیم ان کے شیخ تھے وہ اس قسم یعنی مقطوعہ احادیث یاد کرتے تھے ان کا حافظہ بھی عجیب تھا) لہٰذا ابراھیم نخعی کی صحیح روایت اس طرح ہوگی جیسے ھشیم نقل کریں۔ الثالث۔ ھشیم اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ ابوبکر بن عیاش بھی ہے اور یہ آپ کے نزدیک حجت ہے اور ابوالاحوص سے کم نہیں ہے۔ جس طرح کہ یحییٰ بن معین اور ابو حاتم کا فیصلہ ہے (تہذیب صفحہ ۳۵ ج ۱۲) باقی ان کا متغیر الحفظ ہونا یہاں پر مضر نہیں ہے کیونکہ ایک طرف تو متابعت ہے دوسری طرف ان کی حیثیت ابوالاحوص جیسی ہے۔ الرابع آپ کے سلسلۃ الذھبیۃ کی سند بھی ابراھیم تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ آپ کے امام ابو یوسف کتاب الاٰثار صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں کہ "حدثنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراھیم انه قال ارفع یدیك فی افتتاح الصلوٰة ولا ترفع یدیك فیما سواھا۔ اھ۔" اور کتاب الاٰثار للامام محمد بن الحسن الشیبانی صفحہ ۱۹ پر بھی اس طرح لکھتے ہیں کہ "وکذالك بلغنا عن ابراھیم انه قال لا ترفع یدیك فی صلوٰتك بعد المرة الاولی۔ قال محمد وبه ناخذ وھو قول ابی حنیفة " (یعنی اس طرح ہمیں ابراھیم نخعی سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا کہ نماز میں صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے جائیں محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی بات کو لیں گے اور یہی قول ابوحنیفہ کا ہے) ثابت ہوا کہ آپ کے ائمہ کا استدلال اس مسئلہ میں ابراھیم نخعی تک ہے۔ آپ کی حنفی سند بھی ھشیم کی روایت کی مؤید ہے۔ صرف اختلاف ابوالاحوص اور ھشیم کا رہا۔ ابو الاحوص ابن مسعود تک سند پہنچاتے ہیں اور ان کے خلاف ابوبکر بن عیاش جو ان سے درجے میں کم نہیں ہے وہ نخعی کی روایت کہتے ہیں۔ لیکن ھشیم جو حصین کی روایات میں سب سے اعلم ہے۔ وہ ابن مسعود کی نہیں بلکہ نخعی کی روایت بناتا ہے۔ لہٰذا قطعاً صحیح بات یہ رہی کہ یہ روایت نخعی کی ہے نہ کہ ابن مسعود کی ائمہ حدیث بخاری اور آپ کے پانچ اساتذہ ابن معین، ابن المدینی، احمد، اسحٰق اور حمیدی کا فیصلہ ہے کہ کسی بھی صحابی سے رفع الیدین کا ترک ثابت نہیں ہے۔ اسی فیصلے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ نیز تحقیق سے اس فیصلے کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے۔ الغرض امام احمد کے قول نے مولوی صاحب کا کام تمام کیا۔ وللہ الحمد۔

تیسرے جواب میں بیہقی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نخعی کی مرسل روایات کو صحیح قرار دیا ہے الخ۔

**جواب:** ...... **اولاً:** امام بیہقی کی کلام اس طرح سے ہے۔ من المعلوم ان ابراھیم ما سمع من

احد من الصحابة فاذا حدث عن النبی ﷺ یکون بینه وبینه اثنان او اکثر فیتوقف فی قبوله من هذه الحیثیة اما ما حدث به عن الصحابة رضی اللہ عنہم فان کا ن عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقد صرح هو بثقة شیوخه عنه واما عن غیره فلا۔ (النکت لا بن حجر صفحه ۱۷۷ قلمی) اس سے ثابت ہوا کہ بیہقی خود اس کو صحیح نہیں کہتے۔ بلکہ تصریح کرتے ہیں کہ کسی بھی صحابی سے ابراھیم کا سماع ثابت نہیں ہے۔ البتہ اس قدر کہتے ہیں کہ ابن مسعود سے جب روایت کریں تو اس کے متعلق ان سے منقول ہے کہ ان کے استاد ابن مسعود سے ناقل ہیں۔ یہ ثقہ ہیں۔ گو یا کہ بیہقی اپنا فیصلہ نہیں دیتے بلکہ ان کا قول نقل کرتے ہیں یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب کے ذکر کردہ پانچویں جواب کے ردّ میں ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ لہٰذا مولوی صاحب کو بیہقی کے حوالہ سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

**ثانیا**:...... خود بیہقی تصریح کرتے ہیں کہ نخعی کی مرسل کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ جزء القراۃ صفحہ ۱۴۴ پر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "ارسال الزهری لیس بشیء وذالك انا نجده یروی عن سلیمان بن ارقم" (یعنی زہری کی مرسل کوئی چیز نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سلیمان بن ارقم سے روایت کرتے ہیں) اس کے بعد بیہقی فرماتے ہیں کہ "وکذالك ابراهیم النخعی وان کان ثقة فانا نجده یروی عن قوم مجهولین لا یروی عنهم غیره" (یعنی اور اس طرح ابراھیم نخعی کی مرسل روایات اگر چہ وہ خود ثقہ ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے جن سے ان کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا) ثابت ہوا کہ امام بیہقی ان کی مرسل بھی لاشیء سمجھتے ہیں اور السنن الکبری صفحہ ۲۷ ج ۸۔ میں فرماتے ہیں کہ "ورواية عن عبدالله منقطعة لا شك فيها" (یعنی اور عبداللہ سے روایت کرنا اس کے منقطع ہونے میں کوئی شک نہیں) یہاں پر تصریح کر دی کہ ابراھیم کی روایت ابن مسعود سے منقطع اور ٹوٹی ہوئی ہے وهو الثالث.

**رابعاً**:...... بلکہ مولوی صاحب نے الفاظ نقل کیے ہیں کہ اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے۔ یہ الفاظ ابراھیم کی روایت ابن مسعود سے منقطع ہونے کے بارے میں کہے ہیں کہ **لا شك فيها**۔

**خامساً**:...... نیز جزء القراۃ صفحہ ۱۴۳ پر فرماتے ہیں کہ "فا ما من بعد کبار التابعین الذین یتساهلون فی الرواة عن المجهولین والضعفاء فانا لا نقبل مراسیلهم لا نا لا ندری احمل الذی ارسل منهم حدیثا حدثه عن مو ثوق به او عن مرغوب عنه" (یعنی پس وہ کبار تابعین جو مجہول اور ضعیف راویوں سے روایت کرنے میں تساہل برتتے ہیں ہم ان کی مرسل روایت کو قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس نے یہ حدیث ثقہ سے بیان کی یا مرغوب عنہ سے (جس

سے اعراض کیا جائے) ثابت ہوا کہ امام بیہقی مرسل روایت کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں خاص طور پر جب ثابت کریں کہ نخعی مجہول راویوں سے روایات لاتا ہے تو پھر بیہقی کی طرف ایسی نسبت کس طرح صحیح ہوگی؟ چوتھے جواب میں امام دارقطنی سے نقل کرتے ہیں کہ "فهذه الرواية وان كان فيها ارسال ابراهيم النخعي فلا باس هو اعلم الناس بعبد الله وبرأيه وفتياه."

**الجواب:**...... یہ عبارت بھی مولوی صاحب کے لیے مفید نہیں ہے۔

**اوّلا:**...... امام دارقطنی نے فیہا ارسال کہہ کر اس کو مرسل اور منقطع ثابت کیا ہے یہی ہمارا دعوی ہے۔ جس کی امام دارقطنی کے کلام سے تائید ہوتی ہے مولوی صاحب کو یہ عبارت اس وقت فائدہ دیتی جب وہ اس روایت کو موصول کہتے بلکہ وہ تو اس کو مرسل کہہ رہے ہیں۔

**ثانیاً:** ...... خود امام دارقطنی مرسل کو حجت نہیں مانتے جیسا کہ حافظ صلاح الدین علائی نے جامع التحصیل صفحہ ۳۰ پر ذکر کیا ہے۔ بلکہ اپنی سنن میں کئی روایات کو صرف اس لیے معلول قرار دیا ہے۔ کہ ان میں ارسال یا انقطاع ہے۔ نیز ان کی کتاب العلل میں تو ایسی بہت سی تفصیل مل سکتی ہے۔

**ثالثاً:** ...... سنن دارقطنی کی ساری عبارت پڑھ کر دیکھیں کہ امام دارقطنی نخعی کی مرسل روایات کو صحیح یا حجت نہیں مانتے بلکہ ان کا استدلال دوسرے طریقے سے ہے کہ نخعی ابن مسعود کی رائے اور فتوی سے زیادہ واقف ہے۔ نہ کہ ان کی مرسل صحیح ہے۔

**رابعاً:** ...... بلکہ امام دارقطنی نے دلیل پیش کی ہے کہ "وقد اخذ ذالك عن اخواله علقمه والاسود وعبدالرحمن ابني يزيد وغير هم من كبراء اصحاب عبدالله اه" (اور تحقیق انہوں یہ علقمہ اسود اور عبدالرحمٰن بن یزید سے لیا ہے) مطلب ظاہر ہے کہ امام دارقطنی صرف مرسل روایت پر اعتماد نہیں کرتے۔ بلکہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ائمہ علقمہ، اسود اور عبدالرحمٰن سے یہ مسئلہ لیا ہے کیونکہ یہ عبداللہ ابن مسعود کے خاص صاحب تھے اور یہ ثبوت مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت کے لیے نہیں ہے اور چونکہ امام دارقطنی نے یہ روایت ان قرائن کی بناء شہادت کے لیے پیش کی ہے نہ کہ بالاصالۃ یا حجت کے طور پر مانتے ہیں اس لیے اس سے استدلال کرنا کہ امام دارقطنی نخعی کی مرسلات کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ الزام غلط بقرب بہتان ہے۔ وهو الخامس.

**سادساً:** ...... سنن کا مکمل مطالعہ کرنے والا امام دارقطنی کی طرف ایسی نسبت کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ کیونکہ امام موصوف صفحہ ۳۶۱ طبع ھند میں خشف بن مالک کے طریق سے ابن مسعود کی ایک روایت لا کر فرماتے ہیں کہ "هذا حديث ضعيف غير ثابت عند اهل المعرفة بالحديث من وجوه

عـدة" (یعنی کہ یہ معرفت حدیث رکھنے والوں کے ہاں کئی وجوہات کی بناء پر ضعیف اور غیر ثابت ہے) اس کے بعد چار وجوہات نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: "احـدهـا انـه مخالف لما رواه عبيدة ابن عبدالـلـه بـن مسعود عن ابيه بسند الصحيح عنه الذى لا مطعن فيه ولا تأويل عليه وابـو عبيدة اعلم۔ بحديث ابيه ومذهبه وفتياه من خشف بن مالك ونظرائه" (یعنی یہ جو ابوعبیدہ نے صحیح سند کے ساتھ اپنے والد سے روایت کیا اس کے خلاف ہے کیونکہ نہ اس میں طعن اور تاویل ہے اور ابوعبیدہ اپنے والد کی حدیث، اس کے مذہب اور فتوی کو خشف بن مالک وغیرہ سے زیادہ جاننے والا ہے) پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "ويشهـد ايـضـاً لـرواية ابـى عبيـده بن عبدالـلـه بن مسعـود عـن ابيه ما رواه وكيع وعبد الله بن وهب وغيرهما عن سفيان الثورى عن مـنـصـور عن ابراهيم عن عبد الله بن مسعود انه قال دية الخطا اخماساً۔اه" ثابت ہوا کہ امام موصوف نخعی کی روایت کو اصول یا حجت نہیں بناتے۔ بلکہ ابوعبیدہ کی روایت کے پیچھے اس کی تائید میں ذکر کرتے ہیں۔ نہ کہ خود اس کو دلیل بناتے ہیں؛ وهو السابع .

**ثامناً**:...... امام موصوف دوسری یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ اس ضعیف روایت کو ابن مسعود سے نقل کرنے والا خشف بن مالک اور اس سے زید بن جبیر بن خرمل الجشمی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں اور چونکہ ایسے مجہول کی روایت علماء حدیث کے نزدیک حجت نہیں ہے ثابت ہوا کہ امام موصوف اس مجہول روایت کو نخعی کی روایت سے جن کو تائید بھی حاصل ہے اور قرائن اس کے مؤید ہیں اس سے رد کر رہا ہے۔ آپ بھی اس طرح کر سکتے ہیں اگر ہم نے کوئی مجہول روایت پیش کی ہو۔ اس کے مقابلے میں نخعی کی ایسی روایت پیش کرو جس کی سند اس تک صحیح ہو۔ (نہ کہ اس غیر صحیح کی طرح) اور اس کو اور روایات کی تائید بھی حاصل ہو اور قرائن اس کے مؤید ہوں لیکن آپ کا حال تو یہ ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ

لڑتے ہیں ہاتھ میں تلوار بھی نہیں!

لہٰذا اس جگہ پر امام دارقطنی کا قول آپ کے لیے مفید نہیں ہے بلکہ آپ نے تو معاملہ برعکس کیا ہے کہ بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایات اور ان کے مقابلے میں نخعی کی روایت پیش کرتے ہو۔ کہاں دارقطنی کا طریقہ کار اور کہاں پر آپ کی نابینا والی چھینا جھپٹی۔ وهو التاسع .

**عاشراً**:...... امام دارقطنی تیسری یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ اس ضعیف روایت (جس کو رد کر رہے ہیں) میں راوی حجاج بن ارطاۃ ہے۔ جو کہ ضعیف اور مشہور مدلس ہے اور پھر اس کے متعلق مشہور ائمہ حدیث احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور یحییٰ بن سعید القطان سے جروح نقل کرتے ہیں۔ گویا کہ امام موصوف نے ایسی

ضعیف روایت کے مقابلے میں نخعی کی یہ روایت پیش کی ہے۔ جو کہ قرائن اور شہادتوں سے مؤید ہے اور ہم کوئی ایسی روایت پیش نہیں کرتے جس کے مقابلے میں آپ یہ روایت پیش کریں جس کو کسی بھی قرینے کی تائید حاصل نہ ہو۔

**الحادی عشر:** ...... چوتھی وجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ ضعیف روایت مضطرب بھی ہے اور رواۃ کو اس کی نقل میں سخت اختلاف ہے۔ یعنی امام موصوف نے اس ضعیف، مجہول اور مضطرب روایت کے مقابلے میں دلائل کا جو ایک مجموعہ پیش کیا ہے۔ جس میں نخعی کی ایک روایت بھی ہے۔ اب پڑھنے والے انصاف کریں کہ امام دارقطنی کیا فرمارہے ہیں۔ اور کیا تحقیق کررہے ہیں۔ اور اس سے مولوی صاحب جیسے کیا اخذ کررہے ہیں۔

**الغرض:** ...... امام دارقطنی کی عبارت مولوی صاحب کے لیے مفید نہیں بلکہ نقصان دہ ہے اور آخر میں اس قدر عرض کریں گے کہ امام دارقطنی کا نام تو مولوی صاحب نے لیا ہے لیکن انہیں یہ علم ہے؟ کہ امام موصوف نے ان کے مذہب کے ائمہ کے بارے میں کیا کہا ہے سنن دارقطنی صفحہ ۱۲۳ طبع ھند میں ایک روایت کے بارے میں ہے "لم یسنده عن موسی بن ابی عائشة غیر ابی حنیفه والحسن بن عمارة وهما ضعیفان اهـ" (یعنی اسے سنداً نہیں بیان کیا موسیٰ بن ابی عائشہ سے سواء ابوحنیفہ اور حسن بن ابی عمارہ کے اور وہ دونوں ضعیف ہیں) اور تاریخ بغداد صفحہ ۲۶۰ ج ۱۴ میں ہے کہ "حدثنا ابو الطیب طاهر بن عبدالله سمعت ابا الحسن الدار قطنی سئل عن ابی یوسف القاضی قال اعور بین عمیان اه" (یعنی ہمیں ابوطیب طاہر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے ابوالحسن دارقطنی سے سنا ان سے ابو یوسف قاضی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اندھوں کے درمیان کانا ہے) پتہ نہیں کہ مولوی صاحب امام دارقطنی کے اس فیصلے کو بھی مانتے ہیں یا نہیں؟

**پانچویں نمبر:** ...... پر اعمش کا قول نقل کرتے ہیں کہ "میں نے ابراہیم نخعی سے کہا کہ جب سند بیان کرو تو مرسل روایت نہ کرنا تب انہوں نے جواب دیا کہ جب میں کہوں کہ مجھے عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا تو مجھے ایک جماعت نے عبداللہ بن مسعود سے یہ بات بتائی ہے"

**جواب:** ...... ابراہیم نخعی سے مشہور قول اس طرح منقول ہے "فهو عن غیر واحد عن عبدالله جس طرح کہ ترمذی صفحہ ۲۳۹ ج ۲ کتاب العلل اور طبقات ابن سعد صفحہ ۲۷۲ ج ۶ میں ہے اور غیر واحد کا معنی ایک سے زائد اور جماعت کا لفظ جو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے۔ ان الفاظ سے روایت طحاوی صفحہ ۱۳۳ ج ۱ میں اس سند سے ہے "حدثنا ابراهیم بن مرزوق قال ثنا وهب او بشر بن عمر شك ابو جعفر عن شعبة عن الاعمش" اور یہ سند غیر صحیح ہے۔

**اولاً**: ...... طحاوی کا استاد ابراھیم بن مرزوق اس کے لیے تقریب میں ہے "عمی قبل موته يخطى ولا يرجع " (یعنی اپنی موت سے قبل نابینا ہوگئے خطا کرتے تھے اور اس سے رجوع نہیں کرتا تھا) اس طرح میزان صفحہ ۳۱ ج ۱ اور تہذیب صفحہ ۱۶۳ ج ۱۔ میں دار قطنی سے مروی ہے۔ یعنی کہ نابینا ہوگیا تھا اور غلطیاں کرتا تھا لیکن جب بتایا جاتا تو واپس نہ ہوتا تھا (یعنی رجوع نہیں کرتا تھا)

**ثانیاً**: ...... اس کے شیخ کے بارے میں اختلاف ہے خود ابو جعفر طحاوی کو ہی شک ہے کہ وھب بن عمر ہے یا بشر بن عمر ہے اور خود طحاوی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ "شك ابو جعفر" پھر جب تک اس کی تعیین نہیں ہوتی تب تک سند مقبول نہ ہوگی کیونکہ بشر تو معروف اور ثقہ ہے۔ لیکن وھب بن عمر معلوم نہیں کہ کون ہے ان کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ تقریب میں وھب بن عمر (واؤ سے یعنی عین کی زبر سے) ذکر کیا ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ دراصل وہ وھب بن عمر ہے اور اس کا ترجمہ اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ وهب بن عمرو بن عثمان النمری بفتح النون والمیم ابو عثمان اوابو عمر والبصری مستور من السابعة اہ" (یعنی وھب بن عمرو بن عثمان النمری نون اور میم کے فتحہ کے ساتھ ابو عثمان اور ابو عمرو البصری مستور الحال سے ہیں اور ساتویں طبقہ میں سے ہے) پھر اگر یہ ہے تو بھی غیر معروف اور اگر دوسرا ہے تو بھی مجہول ہے۔ بہر حال اس طرح سے سند صحیح نہیں ہے اور جن کتب میں غیر واحد کا لفظ ہے۔ اس سے مراد خواہ مخواہ جماعت لیں تب بھی جماعت دو کی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ الاثنان فما فوقها جماعة (فتح الباری صفحہ ۱۴۲ ج ۲) اگرچہ اس کو جماعت تسلیم کیا جائے تب بھی نہ معلوم کہ وہ کون ہیں۔ کیونکہ نخعی مجہولین سے روایت کرتا ہے۔ جس طرح کہ اوپر گذرا۔ پھر پتہ نہیں کہ یہاں پر مجہول ہیں یا معروف اور اگر معروف ہیں تو پتہ نہیں کہ ثقہ ہیں یا ضعیف اور اگر ثقہ ہیں تو مدلس تو نہیں ہیں۔ یا ان کا ابن مسعود سے سماع ثابت ہے یا نہیں اور اگر ضعیف ہیں تو ان کا ضعف شدید ہے یا خفیف۔ مثلاً متروک یا کذاب یا وضاع تو نہیں ہیں؟ اسی طرح جن سے نخعی نقل کرتا ہے۔ وہ اس روایت کو براہ راست ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں۔ یا وہاں پر بھی درمیان میں کوئی واسطہ ہے۔ کیونکہ اس طرح خود تابعین اور صحابہ میں بھی پانچ چھ واسطے ہو سکتے ہیں۔ جس طرح کہ بحوالہ شرح النخبہ صفحہ ۵۰ کی عبارت گذری۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ واسطوں والے بھی ثقہ ہیں یا غیر ثقہ؟ جب تک کہ یہ تمام احتمال رفع نہیں ہوتے تب تک یہ سند قبول نہیں ہوسکتی۔ حاصل کلام مرسل روایت ہر حالت میں غیر معتبر ہے۔ ابراھیم کی مرسل کو ثابت کرنے کے لیے مولوی صاحب نے جو وجوہ بیان کیں وہ سب باطل ہوئیں نیز وہ خود بھی اس روایت کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اس روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ "الا فی الافتتاح" اور ترجمہ کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود تکبیر

اولیٰ کے علاوہ رفع الیدین نہ کرتے تھے۔لیکن خود بھی اور ان کے مذہب والے بھی تکبیر اولیٰ کے بعد بھی رفع الیدین کرتے ہیں جس طرح کہ گزر چکا ہے۔

**صفحہ ۱۱۰**:......آٹھویں دلیل بحوالہ طحاوی من طریق اسود امیر عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کرتے ہیں۔

## سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی اسنادی حیثیت

**جواب**: ...... یہ اثر بھی ضعیف ہے اس کی سند طحاوی صفحہ۱۳۳ج۱۔ میں اس طرح ہے حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا الحمانی قال ثنا یحییٰ بن اٰدم عن الحسن بن عیاش عن عبدالملك بن ابحر عن الزبیر بن عدی عن ابراهیم عن الاسود قال رایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یرفع یدیه فما اوّل تکبیرة ثم لا یعود اه " (یعنی اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے)۔

**اوّل**: ......الحمانی یہ یحیٰی بن عبدالحمید ہے جس کے لیے تقریب میں لکھا ہوا ہے کہ حافظ الا انهم اتهموه سرقة الحدیث " اور اس طرح کتاب رجال الطحاوی یعنی کشف الاستار عن رجال معانی الآثار صفحہ۱۱۴ پر مذکور ہے لہٰذا ایسے شخص کی روایت پر اعتبار کرنا مشکل ہے۔

**ثانیا**:......اس کا استاد یحیٰی بن ادم اس کے متعلق یحیٰی بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ "حجة مالم یخالف من هو فوقه" (یعنی یہ حجت ہے جب تک کہ اپنے سے بڑے کی مخالفت نہ کرے) یعنی وکیع جیسوں کی مخالفت نہ کرے بلکہ یہاں پر تو شعبہ کی مخالفت کی ہے جو کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ سے رفع الیدین کا اثبات نقل کرتے ہیں جیسا کہ بیہقی سنن کبریٰ صفحہ۷۱ ج ۲۔ میں روایت ہے "اخبر نا محمد بن عبدالله الحافظ ثنا ابو جعفر احمد بن عبید الحافظ وابو القاسم عبدالرحمن بن الحسن القاضی الاسدیان بهمدان قا لا ثنا ابراهیم الحسین دیزیل الهمدانی ثنا ادم بن ابی ایاس ثنا شعبة ثنا الحکم قال رایت طاؤسا کبر فرفع یدیه حذو منکبیه عند التکبیر وعند رکوعه وعند رفعه راسه من الرکوع فسالت رجلا من اصحابه فقال انه یحدث به عن ابن عمر عن عمر عن النبی ﷺ قال ابو عبدالله الحافظ فالحدیثان کلاهما محفوظان عن ابن عمر عن عمر عن النبی ﷺ وابن عمر عن النبی ﷺ۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ۔ فعله وروای اباه فعله ورواه عن النبی ﷺ اه" (یعنی حکم کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس کو دیکھا کہ وہ تکبیر کہتے رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اپنے کندھوں کے برابر

ہاتھ اٹھاتے تھے۔ میں نے ان کے مصاحب سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ (طاوس) بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر سے اور وہ عمر سے اور عمر نبی ﷺ سے۔ ابو عبید اللہ الحافظ نے کہا دونوں احادیث صحیح ہیں (محفوظ ہیں) ابن عمر سے اور وہ عمر سے اور عمر نبی ﷺ سے راوی ہے) یہ روایت صحیح ہے جس طرح کہ امام حاکم نے فیصلہ دیا اور امام بیہقی نے اس کی تائید کی ہے۔ چونکہ شعبہ یحییٰ بن آدم سے کئی درجہ زیادہ ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں یحییٰ بن آدم کی روایت معتبر نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں امیر عمر کی اس حدیث پر بھی مولوی صاحب نے اعتراض کیے ہیں جس کے جوابات اپنی جگہ پر آئیں گے۔

**ثالثاً:** ...... زبیر بن عدی اگرچہ فی نفسہ ثقہ ہے۔ لیکن بشر بن حسین جو کہ متروک اور مشہور ضعیف ہے۔ اس نے اس سے کئی غیر ثابت روایات نقل کی ہیں۔ جیسا کہ تہذیب صفحہ ۳۱۷ ج ۳۔ لسان المیزان صفحہ ۲۲ ج ۲۔ بلکہ ابن حبان کتاب المجروحین صفحہ ۱۹۰ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ "یروی عن الزبیر بن عدی نسخة موضوعة ما یکثر حدیث منها اصل اه" لہٰذا پہلے یہ ثبوت ہونا چاہیے کہ یہ روایت ان میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ جب ایسی من گھڑت روایات اس سے مشہور ہوگئی ہیں اور سند میں ایک راوی سرقۃ الحدیث (حدیث کسی دوسرے کی کتاب سے چرا کر اپنی سند لگانا) سے متہم بھی ہوا ہے۔ لہٰذا یہ وجہ بڑی شبہ کی باعث ہے۔

**رابعاً:** ...... ابراھیم نخعی مدلس ہے۔ جس طرح کہ پہلے بیان ہوا؛ اور معنعاً روایت کی ہے۔ لہٰذا ضعیف کے لیے یہ وجہ بھی کافی ہے۔

**خامساً:** ...... محدثین کے نزدیک یہ اثر شاذ ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۷۱ پر لکھتے ہیں کہ "واعترضه الحاکم علی مانقل الزیلعی فی تخریج احادیث الهدایة بانها روایة شاذة لا یعارض بها الاخبار الصحیحة عن طاؤس بن کیسان عن ابن عمر ان عمر کان یرفع یدیه فی الرکوع والرفع منه اه" (یعنی امام کی تخریج کی ہے کیونکہ وہ شاذ ہے لیکن یہ صحیح احادیث کے مخالف نہیں جو کہ طاؤس بن کیسان ابن عمر سے روایت کرتا ہے کہ امیر عمر رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے)

**سادساً:** ...... بلکہ اس روایت کے باطل ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے جو عام اہل علم امیر عمر کو رفع الیدین کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ مثلاً امام بخاری جزء رفع الیدین، امام ترمذی اپنی سنن، امام بیہقی سنن کبریٰ، حافظ ابن عبدالبر التمهید، علامہ سبکی جزء رفع الیدین، حافظ ابن قیم زاد المعاد، علامہ زیلعی نصب الرایہ میں، مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادۃ میں حافظ ابن الملقن البدر المنیر امام نووی شرح المهذب، حافظ ابن سید الناس شرح ترمذی، حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر میں

سیوطی الازھار المتناثرہ وغیرہم کتب میں۔

**سابعاً**: ...... زبیر بن عدی سے امام ثوری بھی روایت کرتے ہیں۔لیکن اس میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ "کان یرفع یدیه فی التکبیر" (یعنی تکبیر کے وقت رفع الیدین کرتے تھے) نصب الرایہ للزیلعی صفحہ ۴۰۵ ج ۱) اس وجہ سے سفیان ثوری اوثق ہے اس کی روایت معتبر کہی جائے گی۔جس میں زائد رفع الیدین کی نفی نہیں ہے۔حاکم نے اس طرح تعلیل کی ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر الدرایہ صفحہ ۸۵۔طبع ھند میں فرماتے ہیں کہ "وقد رواہ الثوری عن الزبیر بن عدی بلفظ کان یرفع یدیه فی التکبیر لیس فیه ثم لا یعود وقد رواہ الثوری وھو المحفوظ اھـ" (اس کو ثوری نے زبیر بن عدی سے روایت کیا ہے کہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہتے) کے وقت رفع الیدین کرتے تھے اور اس میں ثم لا یعود (یعنی دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے) کے الفاظ نہیں ہیں اور تحقیق اس کو ثوری نے روایت کیا ہے) لہٰذا یہ روایت شاذ کہی جائے گی کیونکہ محفوظ کے مقابل شاذ ہوتی ہے (شرح النخبہ صفحہ ۳۹) اسی طرح امام ابو حاتم رازی اور ابو زرعہ رازی کا فیصلہ ہے چنانچہ امام ابن ابی حاتم کتاب العلل الحدیث صفحہ ۹۵ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں "سالت ابی وابا زرعة عن حدیث رواہ یحییٰ بن اٰدم عن الحسن بن عیاش عن ابن ابحر عن الاسود عن عمرانه، کان یرفع یدیه فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود ھل ھو صحیح او یرفعه الحدیث الثوری عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم عن الا سود عن عمر انه ، کان یرفع یدیه فی افتتاح الصلوٰۃ حتی تبلغا منکبیه فقط فقالا سفیان احفظ وقال ابو زرعة ھٰذا اصح یعنی حدیث سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم عن الا سود عن عمر اٰھـ پھر جس روایت کو ائمہ حدیث معلول اور شاذ قرار دیں اس کو مولوی صاحب کس طرح دلیل بناتے ہیں؟ اور صحیح احادیث کے بجائے کس طرح ایسی روایات کا سہارا لیتے ہیں اسی طرح امیر عمر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت بھی ہے جو کہ نصب الرایہ صفحہ ۴۱۵ پر ہے "اخرجه البیھقی فی الخلافیات من طریق ابن وھب اخبرنی حیوۃ بن شریح الحضرمی عن ابی عیسیٰ سلیمان بن کیسان المدنی عن عبداللہ بن القاسم قال بینما الناس یصلون فی مسجد رسول اللہ ﷺ اذا خرج علیھم عمر بن الخطاب فقال اقبلوا علی بوجوھکم اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ التی کان یصلی ویامر بھا فقام مستقبل القبلة ورفع یدیه حتی حاذی بھما منکبیه ثم کبر ثم رکع وکذالك حین رفع فقال للقوم ھٰکذا کان رسول اللہ یصلی بنا اٰھـ (یعنی عبداللہ بن القاسم کہتے ہیں کہ اس دوران جب لوگ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ میری طرف توجہ کرو میں تمہیں وہ نماز پڑھ کر دکھاؤں جو رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے۔ آپ قبلہ کی جانب منہ کر کے کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا پھر تکبیر کہی پھر رکوع کیا اور اسی طرح جب رکوع سے سر اٹھایا ہاتھ اٹھائے۔ پھر قوم سے فرمایا کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے نماز پڑھتے تھے) زیلعی امام ابن دقیق العید سے نقل کرتے ہیں کہ "قال الشیخ ورجال اسنادہ معروفون یعنی اس سند کے سب راوی جانے پہچانے ہیں اور یہاں پر زیلعی نے پوری سند نقل نہیں کی لیکن امام ابن سید الناس المتوفی سنہ ۷۳۴ھ (شذرات الذہب صفحہ ۱۰۸ ج۶۔ ذیل تذکرۃ الحفاظ للعینی مصفحہ ۱۶ طبقات الحفاظ للسیوطی صفحہ ۳۵۰) زیلعی المتوفی سنہ ۷۶۲ھ (مقدمہ نصب الرایہ صفحہ ۸) سے پہلے اس کی پوری سند ذکر ہے اور راویوں کی توثیق بھی کر دی ہے۔ چنانچہ النفح الشذی شرح جامع الترمذی صفحہ ۲۱۷ ج ۱۲۔ المصور میں فرماتے ہیں کہ

وحدیث عمر روی البیہقی فی الخلافیات من جھة ابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمة حدثنی احمد بن الحسن الترمذی ناحجاج بن ابراھیم الا زرق نا عبد اللہ بن وھب القرشی اخبر نی حیوۃ بن شریح الحضرمی عن ابی عیسیٰ سلیمان بن کیسان المدنی عن عبد اللہ بن القاسم الناس بینما یصلون فی مسجد رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم اذ خرج علیھم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقال اقبلوا علی بو جو ھکم اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ التی کان یصلی ویامربھافقام مستقبل القبلة ورفع یدیہ حتی حاذی بھما منکبیہ وکبر ثم غض بصرہ ثم رفع یدیہ حتی حاذی بھما منکبیہ ثم کبر ثم رکع وکذالك حین رفع قال للقیم ھکذا رسول اللہ ﷺ یصلی بنا رواہ عن ابی عبد اللہ الحافظ عن ابی احمد الحسین بن علی بن محمد بن یحییٰ عن ابن خزیمة حجاج بن ابراھیم وثقه ابن ابی حاتم عن ابیه وسلیمان بن کیسان ذکرہ ابن ابی حاتم فقال یروی عن عبد الکریم ابی امیة وعبد اللہ بن القاسم و ھٰرون بن راشد روی عنه حیوۃ ونافع بن یزید وسعید بن ابی ایوب ونعیم بن ابی صالح ولم یذکر من حانه شیئا وعبد اللہ بن القاسم مولی ابی بکر الصدیق رأی عمر وروی عن ابن عباس وجماعة وروی عنه غیر واحد وثقه ابن حبان فرجال اسنادہ موثقون وابن کیسان معروف.

**قارئین:** ...... یہ حدیث واضح صاف الفاظ میں ہے کہ "امیر عمر نے رسول اللہ ﷺ کی یہ نماز پڑھ کر

دکھائی جس طرح آپ جماعت کو پڑھاتے تھے اور اسی طرح پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ ایسی صراحت کے بعد کسی بھی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی سند بالکل واضح ہے۔ امام ابن سید الناس کو سب ثقہ کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے راویوں کا حال بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ امیر عمر سے راوی عبداللہ بن القاسم ہے جو کہ ابو بکر الصدیق کا غلام ہے۔ (تہذیب صفحہ ۳۵۹ ج ۵) اس کو ابن حبان نے ثقات صفحہ ۴۶ ج ۵۔ میں ذکر کیا ہے ان سے راوی سلیمان بن کیسان ابو عیسیٰ التیمی الخراسانی کو بھی ابن حبان نے ثقات صفحہ ۲۹۳ ج ۶۔ میں ذکر کیا ہے اور ان دونوں راویوں کو امام بخاری تاریخ کبیر ترتیب وار صفحہ ۱۷۳ ج ۳ ق ۲۔ اور صفحہ ۱۳۷ ج ۲ ق ۲۔ اور امام ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل ترتیب وار صفحہ ۱۴۰ ج ۲ ق ۲ اور صفحہ ۱۳۷ ج ۲ ق ۱ میں ذکر کیا ہے اور دونوں آئمہ (بخاری اور ابن ابی حاتم) دونوں راویوں (عبداللہ بن القاسم اور سلیمان بن کیسان) پر کسی بھی قسم کا کلام نہیں کیا اور نہ جرح وتعدیل لہٰذا آپ احناف کے قاعدے کے مطابق یہ دونوں راوی ثقہ کہے جائیں گے۔ چنانچہ علامہ ظفر احمد عثانی انہاء السکن صفحہ ۸۸ پر لکھتے ہیں "سکوت ابن ابی حاتم عن الجرح توثیق کسکوت البخاری" (یعنی امام ابن ابی حاتم کا راوی سے جرح سے سکوت اس کی توثیق ہے جس طرح کہ بخاری کا سکوت ثابت ہوا کہ ان دونوں ائمہ کے نزدیک بموجب قاعدہ حنفیہ دونوں راوی ثقہ ہیں اور سلیمان بن کیسان سے راوی حیوۃ بن شریح الحضرمی ابو العباس الحمصی انہیں تقریب میں ثقہ کہا گیا ہے اور انہیں امام ابن معین، یعقوب بن شیبہ اور امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے (تہذیب صفحہ ۷۱ ج ۳) اور حیوۃ سے راوی فقیہ عبداللہ بن وھب القرشی نے اس کے لیے تقریب میں کہتے ہیں کہ ثقہ عابد اور حافظ ہے انہیں ابن معین، ابو زرعہ، ابن حبان، ابن سعد، العجلی، النسائی الساجی وغیرہم ثقہ کہتے ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ "صحیح الحدیث له عقل و دین وصلاح" (یہ صحیح الحدیث اور صاحب عقل و دین وصلاح ہے) اور امام خلیلی فرماتے ہیں کہ ثقہ متفق علیہ (التہذیب صفحہ ۷۲ تا ۷۴ ج ۶) اور ان سے راوی حجاج بن ابراھیم الازرق البغدادی تقریب میں کہتے ہیں کہ ثقہ فاضل اور انہیں ابو حاتم، العجلی، ابن حبان اور ابن یونس ثقہ کہتے ہیں۔ (التہذیب صفحہ ۱۹۶ ج ۲) اس سے راوی احمد بن الحسن ابو الحسن الترمذی جرح وتعدیل کے ائمہ میں سے ہے تقریب میں کہتے ہیں کہ "ثقہ حافظ" ابو حاتم اس کو صدوق کہتے ہیں اور ابن حبان ثقات میں لاتے ہیں اور امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ "احد اوعیة الحدیث" اور امام حاکم فرماتے ہیں کہ "کتب عنه کاف مشائخنا وسألوہ عن علل الحدیث والجرح والتعدیل" (یعنی ان سے ہمارے بہت سے مشائخ نے لکھا اور اس سے علل الحدیث اور جرح وتعدیل کے بارے میں پوچھا) تہذیب صفحہ ۲۴ ج ۱ اور ان سے راوی امام الائمۃ ابن خزیمۃ صاحب الصحیح ہیں۔ جن کی توثیق اتقان، ضبط اور معرفت میں

کوئی شک نہیں ہے۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں صفحہ ۷۲۰ تا ۷۳۱ ج ۲ تک آپ کا مفصل ترجمہ اور حال ذکر کرتے ہیں۔ ابتداء میں لکھتے ہیں کہ "الحافظ الکبیر امام الائمۃ شیخ الاسلام" الخ پھر کہتے ہیں کہ "واشتھر اسمہ وانتھت الیہ الامامۃ والحفظ فی عصرہ فی خراسان" (یعنی آپ کا نام مشہور ہے اور خراسان میں آپ کے زمانہ میں آپ پر امامت اور حافظہ ختم تھا) اور امام ابن حبان سے نقل کرتے ہیں کہ "ما رایت علی وجہ الارض من یحسن صناعۃ السنن ویحفظ الفاظھا الصحاح وزیادا تھا حتی کان السنن کلھا بین عینیہ الامحمد بن اسحق ابن خزیمۃ فقط" (یعنی میں نے روئے زمین پر آپ سے زیادہ سنن کو جاننے والا صحاح کے الفاظ اور زیادات کو یاد رکھنے والا نہیں دیکھا۔ گویا کہ سنن ساری کی ساری آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے سوائے محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے اور نقل کرتے ہیں کہ "سئل عبدالرحمن بن ابی حاتم عن ابن خزیمۃ فقال ویحکم ھو یسال عنا ولا نسئل عنہ ھو امام مقتدی بہ" (یعنی عبدالرحمٰن بن ابی حاتم سے ابن خزیمہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ افسوس ہے کہ وہ تم سے سوال کرتا اور ہم اس سے سوال نہیں کرتے وہ ایسا امام ہے کہ جس کی اقتداء کی جائے) امام ابن سید الناس اپنی کلام کے شروع میں اس طرح کہتے ہیں کہ "وروی البیھقی فی الخلافیات من جھۃ ابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ الخ" (یعنی امام بیہقی نے خلافیات میں ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے روایات کی ہیں) جس سے ظاہر ہے کہ یہ ابن خزیمہ کی کسی کتاب میں روایت ہے۔ جہاں سے بیہقی نے روایت کی ہے۔ اس سے اس حدیث کی اعلیٰ شان ظاہر ہوئی کہ ایک حدیث کے امام اپنی کتاب میں اس کو ایسی سند سے لائے ہیں۔ جس کے سب راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ اور ان میں کوئی علت نہیں۔ جس کے بعد نیچے سند دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن تاہم باقی دو راوی ذکر کرتے ہیں ایک تو حسن بن محمد بن یحییٰ جو کہ ابن خزیمہ سے راوی ہے یہ بھی راویوں میں سے مشہور راوی ہے اور بڑے گھرانے کا ہے۔ امام حاکم کی تاریخ نیساپور کی مختصر للخلیفہ النیساپوری صفحہ ۸۶ پر ان کا ترجمہ ذکر ہوا ہے اور یہ لفظ ہیں کہ من بیت الثروۃ والمروۃ" (یعنی امیر گھرانے کا فرد تھا) اور جن ناموں میں مذکور ہے اس کے شروع میں یہ عنوان ہے "نشرع الآن فی اسامی الذین ادرکتھم ورزقت السماع منھم بنیسابور" (یعنی اب ان لوگوں کے ناموں کا تعارف کرتے ہیں جنھوں نے نیشا بور میں پایا اور سماع کیا) اور ان سے راوی محمد بن عبداللہ الحافظ معروف حاکم ہے حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۰۳۹ ج ۳ سے ۱۰۴۵ ج ۳ تک ان کا بیان ہے اور ابتدا اس طرح کرتے ہیں کہ الحافظ الکبیر امام المحدثین الخ امام خطیب سے ان کی توثیق نقل کرتے ہیں اور حافظ عبدالغافر بن

اسماعیل سے نقل کرتے ہیں کہ "ابو عبداللہ الحاکم هو امام اهل الحدیث فی عصر العارف به حق معرفته" (یعنی ابو عبداللہ الحاکم اہل الحدیث کے اپنے زمانہ میں امام اور حق کی پہچان تھے) اس طرح ابو حازم العبدی سے نقل کرتے ہیں الغرض یہ سند بالکل واضح ہے اور شعبہ والی روایت کو بڑی قوت دیتی ہے اور مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت کے مردود ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے خلافیات للبیہقی ابن خزیمہ والی اس حدیث پر بھی مولوی صاحب نے جو اعتراض کیے ہیں جن کی حقیقت اپنی جگہ واضح کی جائے گی۔ ان شاء اللہ اور پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب کا علم حدیث سے کیا واسطہ ہے اس کے علاوہ امیر عمر رضی اللہ عنہ سے بھی دوسری روایات ہیں جو کہ نصب الرایہ صفحہ ۴۱۶ ج ۱، میں مذکور ہیں۔

نیز اسی روایت میں بھی وہی الفاظ ہیں کہ سوائے تکبیر اولیٰ کے (رفع الیدین نہ کی یعنی یہ روایت بھی ان کے مذہب کے خلاف ہے مولوی صاحب ضرب الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کے کسی بھی راوی پر اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ ہم نے اس کے اس سے زائد جواب لکھے ہیں۔ ضرب الیدین صفحہ ۲۷ سے صفحہ ۴۰ تک دیکھنا چاہیے اور اس میں ہم نے تین راویوں کی روایت پر کلام بھی کی ہے یحییٰ بن آدم ابراھیم نخعی اور زبیر بن عدی پہلے دونوں کو تو مولوی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے۔ پھر کس طرح کہتے ہیں کہ کسی پر بھی کلام نہیں ہوا۔

**ثانیاً**:...... تعلیل صرف سند کے لحاظ سے بھی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ متن کے لحاظ سے بھی کئی علتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً متن میں شذوذ یا ادراج یا قلب یا تصحیف یا نکارت وغیرہ بلکہ کئی بار اسی طرح بھی ہوتا ہے کہ سند سالم ہوتی ہے۔ راوی میں کوئی جرح نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود متن منکر اور شاذ اور کئی علتوں کی وجہ سے معلول ہوتا ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہوتا ہے کہ "صحة السند لا تستلزم صحة المتن" (یعنی سند کی صحت سے لازم نہیں کہ متن بھی صحیح ہو) علامہ لکھنوی الرفع والتکمیل صفحہ ۸۳ پر لکھتے ہیں کہ "قولهم هذا حدیث صحیح او حسن الاسناد دون قولهم هذا حدیث صحیح او حسن لانه قد یقال هذا حدیث صحیح الاسناد ولا یصح الحدیث لکونه شاذا او معللاً اه" اور توضیح الافکار للصنعانی صفحہ ۱۹۵ ج ۱۔ میں حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہیں کہ "من المقرر عندهم انه لا تلازم بین الاسناد والمتن اذ قد یصح السند او یحسن الا جتماع شروطه من الاتصال والعدالة والضبط دون المتن لشذوذ او علة اه" اور صفحہ ۲۳۴ ج ۱ میں لکھتے ہیں "قد یصح الاسناد لثقة رجاله ولا یصح الحدیث لشذوذ او علة اه" (یعنی ثقہ رجال کی وجہ سے سند صحیح ہوتی ہے اور شذوذ یا علت کی وجہ حدیث صحیح نہیں ہوتی) اور علامہ عبدالعزیز پڑھیاروی حنفی کوثر النبی

صفحہ ۷۔ پر لکھتے ہیں کہ "صحة الحديث مستلزمة لصحة الاسناد بلا عكس لجواز ان يكون شاذ او معللاً" اور ہم نے بحمد اللہ ضرب الیدین میں اس روایت پر سند خواہ متن دونوں لحاظ سے اعتراض کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ روایت کسی بھی طرح قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔

**صفحہ ۱۱۱** :...... مولوی صاحب اس میں سے صرف چار اعتراض نقل کر کے ان کے جواب لکھتے ہیں۔ یہاں اعتراض اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "یحییٰ بن آدم کی روایت شعبہ کی روایت کے خلاف ہے" (یعنی جو کہ بیہقی کے حوالہ سے امیر عمر کی روایت گذری) اور اس حدیث کے لیے جواب میں لکھتے ہیں کہ "پہلے میں کہتے ہیں جس شخص سے طاؤس روایت کرتا ہے۔ وہ مجہول ہے" الخ۔

**جواب** :...... مولوی صاحب اگر حدیث کے الفاظ پر غور کرتے تو ایسا جواب ہرگز نہ لکھتے۔ کیونکہ راوی الحکم کہتے ہیں کہ "رايت طائوسا كبّر فرفع يديه حذو منكبيه عند التكبير وعند الركوع وعند رفعه رأسه من الركوع فسالت رجلا من اصحابه فقال انه يحدث عن ابن عمر عن عمر عن النبی ﷺ" اور مولوی صاحب ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ "حکم کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس کو دیکھا تو تکبیر کہی پھر کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے رکوع اور اس سے اُٹھتے ہوئے بھی ہاتھ اُٹھائے پھر ان کے ایک رفیق (نامعلوم) سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ ابن عمر پھر عمر فاروق کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اس وقت اس کے کسی صاحب سے پوچھا جس نے جواب دیا کہ "انه يحدث" یعنی یہ ابن عمر، پھر حضرت عمر کے واسطہ سے الخ یعنی اس کے سامنے یہ جواب دیا ہے جس پر امام طاؤس نے کوئی اعتراض نہیں کیا پھر وہ جواب دینے والا کوئی بھی ہو۔ لیکن امام طاؤس کا اس پر خاموش رہنا اور اعتراض نہ کرنا ظاہر ظہور اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس طرح روایت موصول بن جاتی ہے۔ غیر معروف راوی کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی اس پر اعتماد ہے۔ مولوی صاحب نے یہ اعتراض کر کے اپنی لا علمی کا ثبوت دیا ہے۔ بلکہ حدیث موصول ہے تب ہی تو ائمہ حدیث اس کو صحیح کہتے ہیں۔

**صفحہ ۱۱۲** :...... دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رفع الیدین اس روایت سے کس طرح ثابت ہو سکے گا؟ وہ تو محض راوی ہے آپ کے عمل کی تو یہاں پر بات نہیں ہے۔

**جواب** :...... **اوّلاً**: جب کہ الفاظ ہیں کہ یہ (یعنی طاؤس) ابن عمرؓ کے بعد عمرؓ فاروق کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ سے اس طرح بیان کرتے ہیں تو اس سے صاف واضح ہے کہ سب کا عمل اس طرح تھا اہل بصیرت غور کریں اور مولوی صاحب کی جہالت کو داد دیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

پیدا ہے فقط حلقہ ارباب جنون میں
وہ عقل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شرر سے

**ثانیاً**: ...... نبی اکرم ﷺ سے نقل شدہ بات خود بتاتی ہے کہ یہ آپ کا عمل تھا اس وجہ سے دونوں صحابی باپ بیٹا امیر عمر اور ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اس طرح کہا جائے گا۔ یہ ناممکن ہے بلکہ بدگمانی ہے کہ وہ روایت نقل کریں اور عمل نہ کریں۔ وھو الثالث .

**رابعاً**: ......اگر کہیں کہ عمل نہیں ہے۔ تب بھی روایت کرنا نبی ﷺ کی حدیث بتانا یہ بھی تبلیغ ہے۔ دین کی دعوت ہے۔ پھر یہ تو صرف عمل سے زیادہ ابلغ کہی جائے گی اور رفع الیدین کے لیے بڑی تاکید ہوئی۔

**خامساً**: ......رسول اللہ ﷺ تک سند کا پہنچنا کیا آپ کے عمل کی دلیل نہیں ہے؟ ان کی طرف عمل کی نسبت نہیں ہے؟ اور صحابی پھر قولی حدیث سنیں، نقل کریں اور دوسروں کو بتائیں اور پھر بھی عمل نہ کریں حاشا وکلا۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ اپنے دماغ کا علاج کرائیں وھو السادس .

پھر لکھتے ہیں کہ ''اگر بالفرض یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو بھی حضرت عمر کی اس سے رفع الیدین ثابت نہیں ہوتا۔ اس وقت اس حدیث کو رد کرنے کے لیے اس راوی طاؤس کی حدیث ابو داؤد صفحہ ۱۰۸ کے ساتھ اس کو رد کیا جاتا۔ الخ

**جواب**: ...... **اوّلاً**: یہ روایت خود صحیح نہیں ہے ابو داؤد صفحہ ۱۰۸ پر اس سند کے ساتھ ہے حدثنا قتیبه بن سعید و محمد بن ابان المعنی ''قالا نا النضر بن کثیر یعنی السعدی قال صلی الی جنبی عبداللہ بن طائوس فی مسجد الخیف فکان اذا سجد السجدۃ الاولی فرفع راسه منها رفع یدیه تلقآء وجهه فانکرت ذالك فقلت لو هیب بن خالد فقال له وهیب بن خالد تصنع شیئاً لم ار احدا یصنعه فقال ابن طاؤس رایت ابی یصنعه وقال ابی رایت ابن عباس یصنعه ولاً اعلم الا انه قال کان النبی ﷺ یصنعه اه۔ ''
راوی نضر بن کثیر ثقہ نہیں ہے تقریب میں لکھتے ہیں کہ ضَعِیْفٌ اور امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ ''یروی الموضوعات عن الثقات علی اقلة روایته '' (یعنی ثقات سے موضوع روایت کرتا ہے قلت روایت کی بناء پر) اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ ''عنده مناکیر '' (میزان صفحہ ۲۳۵ ج ۳) (یعنی اس کے پاس منکر روایات ہیں) اور امام ابو حاتم اور امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ ''فِیْهِ نَظْرٌ '' اور علی بن الحسین بن الجنید اور دولابی اور عقیلی نے اس کو ضعیف کہا ہے (التہذیب صفحہ ٤٤٤ ج ۱۰)

**ثانیاً**: ...... یہاں بھی یہ لفظ ہیں کہ ''فقلت لو هیب بن خالد فقال له وهیب بن خالد الخ ''

(یعنی میں نے وھیب سے کہا اس کو وھیب نے کہا) اب مولوی صاحب بتائیں کہ وھیب نے یہ گفتگو عبداللہ بن طاؤس کے ساتھ نضر بن کثیر کے سامنے کی یا بعد میں؟ اگر مولوی صاحب کہیں کہ یہاں مراد ہے کہ سامنے کی تو پھر طاؤس کی بیہقی والی روایت پر سے اعتراض ختم ہوگا اور اگر کہیں کہ پتہ نہیں کہ سامنے ہے یا غائبانہ تو روایت میں شک رہے گا اور اگر کہیں کہ غائبانہ تو اس روایت میں دوسری علت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وھیب بن خالد ناقل بنا اور اس کے لیے تقریب میں لکھا ہوا ہے کہ "تغیر قلیلا باخرہ" اھ تہذیب صفحہ ۱۷۰ ج ۱۱۔ میں ہے کہ "وقال الاجری عن ابی داؤد تغیر وھب بن خالد اھ" اور الکوکب النیرات کے ملحق صفحہ ۴۹۷ میں بھی مذکور ہے لہٰذا یہ روایت صحیح ہے وھو الثالث

**رابعاً:** ...... اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے ساتھ وہ روایت کس طرح رد ہوگی؟ اگر مولوی صاحب اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو پھر چاہے پہلے سجدے سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرے لیکن اس رفع الیدین کا انکار کیوں کرتے ہیں؟

دوسرے اعتراض میں حاکم کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمر کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس طرح منسوب کرتے ہیں'' اس طرح روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے لیکن مولوی صاحب جواب میں لکھتے ہیں ''محض حاکم کے قول سے طحاوی کی صحیح روایت کس طرح رد ہوسکتی ہے؟ جب کہ اس میں صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمر تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع الیدین نہ کرتے تھے۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** صرف حاکم اکیلا نہیں ہے بلکہ امام بیہقی اس کی تائید کرتے ہیں۔

**ثانیاً:** ...... اوپر والے دلائل سے ثابت کیا گیا کہ امام حاکم کا یہ قول صحیح ہے اور روایت کے الفاظ سے اس طرح ظاہر ہے۔

**ثالثاً:** ...... طحاوی والی روایت کے متعلق مفصل بحث گذری کہ یہ معلول سند کے لحاظ سے ضعیف اور متن کے لحاظ سے شاذ اور منکر ہے وہ اس طاؤس والی روایت کے مقابلہ جیسی نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے زائد ہو۔ بلکہ اس صحیح روایت سے ہی وہ رد ہوتی ہے وھو الرابع۔

**صفحہ ۱۱۲:** ...... تیسرا اعتراض اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ''ابراھیم نخعی مدلس ہے'' یہ بالکل حقیقت ہے جس طرح کہ ضرب الیدین صفحہ ۲۹ پر طبقات المدلسین لا بن الحجر وابکار المنن للمبارکپوری ذکر کیا گیا۔ نیز اوپر بحوالہ کتاب التبیین لا بن العجمی صفحہ ۶ سے بھی ذکر کیا گیا اس کا جواب دیتے ہیں کہ ''یہ معمولی عیب ہے۔'' الخ۔

**جواب**:...... **اولاً**: محدثین کے نزدیک یہ جرح ہے جب تک کہ سماع کی تصریح نہ کریں تدریب الراوی صفحہ ۸۰ پر ہے "والصحیح التفصیل فیمارواہ بلفظ محتمل لم یبین فیہ السماع فمر سل لا یقبل وما بین فیہ کسمعت وحدثنا واخبر نا وشبھما فمقبول یحتج بہ وفی الصحیحین وغیر ھما من ھٰذا الضرب کثیر کقتادۃ والسفیانین وغیر ھم کعبد الرزاق والولید بن مسلم لان التدلیس لیس کذبا وانما ھو ضرب من الا بھام وھٰذا الحکم جار کما نص علیہ لشافعی فیمن دلس مرۃ واحدۃ وما کان فی الصحیحین وشبھھما من الکتب الصحیحۃ عن المدلسین بعن فمحمول علیٰ ثبوت السماع لہ ، من جھۃ اخریٰ وانما اختار صاحب الصحیح طریق العنعنۃ علیٰ طریق التصریح بالسماع لکونہٖ علیٰ شرطہ دون ذالك اھم۔"

**ثانیاً**:......تدریب کی علامت سے یہ معلوم ہوا کہ تدلیس ابہام ہے یعنی راوی گرانا یا چھپانا یا اس کے نام یا صفت کو تبدیل کرنے کا امکان رہتا ہے۔ جب تک کہ صفائی نہ ہو۔ تب تک سند میں شبہ رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو ضعیف کہا گیا ہے۔

**ثالثاً**:......ابراہیم نخعی اگر چہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہولیکن حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں اس کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کرتے ہیں۔ اس طبقہ کے راوی کی روایت آپ کے نزدیک معتبر نہیں ہے جیسا کہ نیموی التعلیق الحسن علی آثار السنن صفحہ ۹۷ ج ۱۔ میں ذکر تے ہیں۔

**رابعاً**: ......ابراھیم نخعی کی مرسلات کا یہاں پر ذکر کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی مرسل بھی محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

**خامساً**:...... پڑھنے والے مولوی صاحب کی جہالت کا ملاحظہ کریں جو ارسال اور تدلیس کا فرق نہیں سمجھتے کیونکہ ارسال کرے نہ کرے۔ اس کی مرسل معتبر ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس کا مدلس ہونا دوسری چیز ہے۔ کسی کا استاد سے سماع کی تصریح کرنا حدثنا یا سمعت جیسے الفاظ کہنا اس کے سماع کی دلیل ہے۔ کہ اس کی سب روایات موصول ہوتی ہیں۔ بشرطیکہ وہ مدلس نہ ہو اور اگر مدلس ہوا تو پھر اس کی صرف وہ حدیث قبول ہوگی جس میں سماع کی تصریح ہو نہ کہ دوسری۔ یہ ہے ارسال اور تدلیس میں فرق۔ یہاں پر ابراھیم کا اسود سے سماع ہے یا نہیں اس میں کوئی بحث نہیں۔ لیکن بحث اس میں ہے چونکہ وہ مدلس ہے مگر سماع کی تصریح ہے یا نہیں لیکن اس طرح نظر آتا ہے کہ سماع کی تصریح نہیں کی لہٰذا یہ بھی اصول کے مطابق سند کے ضعیف ہونے کی وجہ ہے۔ وھو السادس.

**سابعاً:** ...... مولوی صاحب نے ابراھیم نخعی کی مرسلات کے متعلق جو احوال نقل کیے ہیں ان کے متعلق بحث اوپر گزر چکی ہے کہ کسی نقل میں مولوی صاحب نے خیانت کی ہے اور کسی کا مطلب نہیں سمجھے تاہم ان کا ان اعتراضات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وھو الثامن.

**تاسعاً:** ...... یہاں پر مولوی صاحب نے جو امام احمد اور دوسروں سے نقل کیا ہے اس کے متعلق بحث گزر چکی ہے لہٰذا یہ عبارتیں مولوی صاحب کے لیے سود مند نہیں ہیں۔

**عاشراً:** ......ان عبارات میں بھی نخعی کی ارسال کی بحث ہے نہ کہ تدلیس کی۔ لہٰذا یہ عبارتیں بحث سے خارج ہیں اور مولوی صاحب کی یہ جہالت ہے جو کہ ارسال اور تدلیس کا فرق نہیں سمجھتے۔

چوتھا اعتراض بحوالہ ضرب الیدین عبارت اس طرح نقل کرتے ہیں کہ روایت شاذ ہے کیونکہ سفیان ثوری، عبدالملک بن بجر سے اوثق ہے۔ لہٰذا اس کی روایت معتبر ہے۔ اس کی تفصیل ضرب الیدین صفحہ ۳۰ پر اس طرح ہے کہ ائمہ حدیث مثلاً شعبہ، سفیان بن عیینہ۔ ابو عاصم النبیل، امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین اور دیگر عام علماء کہتے ہیں کہ سفیان ثوری حدیث کے علم میں مومنوں کا امیر ہے۔ پھر ایسے معتبر راوی کے مقابلے میں نچلے درجے کے راوی کی روایت شاذ اور غیر محفوظ کہلائے گی اور شاذ ضعیف اور مردود حدیث کی قسم ہے کما فی کتب اصول الحدیث۔ الخ۔

مولوی صاحب اس وضاحت کو حذف کر کے جواب میں کہتے ہیں کہ "من عرف الشیء حجة علی من لم یعرفه" ضرب الیدین صفحہ ۱۴ یعنی جو شخص کسی چیز کو جانتا ہے وہ اس پر دلیل ہے جو کہ اس کو نہیں جانتا کہ اس روایت میں عبدالملک اس زیادتی کو جانتا ہے اور یہ لفظ "ثم لا یعود" ہیں اور ان کا مقابل ان کو نہیں جانتا لہٰذا جاننے والے کا قول مقدم ہے۔ الخ

**جواب:** ......سفیان ثوری کے مقابلہ میں عبدالملک بن ابجر کو اعرف کہنا مولوی صاحب کی سینہ زوری ہے۔ کیونکہ جب امیر المومنین فی الحدیث یہ لفظ نقل نہیں کرتے اس سے ابن ابجر کی غلطی اور خطا ظاہر ہوتی ہے۔ اس مقام پر معرفت اور عدم معرفت کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک پختہ راوی اور اعلیٰ طبقہ کے حافظ کا ان الفاظ کو ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل روایت میں یہ لفظ نہ تھے کیونکہ اوثق واحفظ راوی کی روایت مقدم ہوتی ہے۔ "کما تقرر فی الاصول" مولوی صاحب وہ قواعد تو ذکر کرتے ہیں لیکن انہیں یہ علم نہیں ہے کہ کون سا قاعدہ کہاں پر کام آئے گا۔

اور دوسرا جواب مولوی محمد عمر صاحب کے حوالہ سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "ثقہ معتبر راویوں کی زیادتی بالاتفاق قبول ہے۔"

**جواب:** ...... یہ بھی مولوی صاحب کی نادانی ہے۔ جو قانون کو بے محل استعمال کر رہے ہیں۔ کیونکہ ثقہ کی زیادتی کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ راوی کو وہم ہوا ہے کیونکہ ثقہ کی زیادتی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جماعت ثقات ایک روایت نقل کرے اور ان میں سے ایک ثقہ کوئی زیادتی بڑھائے تو اس صورت میں قبول کی جاتی ہے۔ جس طرح کہ اوپر بیان ہوا اور یہاں پر اس طرح نہیں ہے۔ ایک طرف حافظ اور کامل الضبط راوی ہے۔ جسے امیر المومنین فی الحدیث بھی کہا گیا ہے اور دوسری طرف اس سے کم درجے کا راوی ہے۔ لٰہذا اصول حدیث کے مطابق پہلے کی روایت دوسرے سے مقدم ہے۔

**صفحہ ۱۱٤:** ...... تیسرا الزامی جواب اس طرح دیتے ہیں کہ ''اگر سفیان کی حدیث میں یہ زیادتی نہیں ہے تو پھر امیر عمر والی روایت میں بھی رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے''

**جواب:** ...... یہ مولوی صاحب کا الزام بے معنی ہے کیونکہ امیر عمر کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ وکذالک حین رفع''، یعنی رکوع سے اٹھتے وقت بھی اس طرح کیا یعنی جس طرح پہلے کیا بلکہ یہ روایت ابن سید الناس کی شرح ترمذی سے نقل کی گئی ہے اس میں تفصیل کے ساتھ الفاظ اس طرح ہیں ''فقام مستقبل القبلة ورفع يديه حتى حاذى بهما منكبيه وكبر ثم غض بصره ثم رفع يديه حتى حاذى بهما منكبيه ثم كبر ثم ركع وكذالك حين رفع'' (یعنی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا اور تکبیر کہی پھر اپنی آنکھوں کو جھکایا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا پھر تکبیر کہی پھر رکوع کیا اور اسی طرح کیا جب رکوع سے اٹھے) لٰہذا یہ الزام مولوی صاحب کا بے کار ثابت ہوا۔ ایضاً رفع الیدین کے لیے اور بھی کئی روایات ہیں لیکن جملہ ''ثم لم يعد يا لا يعود'' کو مولوی صاحب کسی بھی معتبر طریق سے ثابت نہیں کر سکے۔ ایضاً خود مولوی صاحب بھی اسی روایت کے خلاف ہیں۔ جو وتر کی قنوت میں عیدین کی تکبیر میں رفع الیدین کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ روایت جس کی صحت کے لیے زور لگا رہے ہیں یہ ان کے خلاف ہے پھر دوسرا الزام دیتے ہیں کہ ''ابوحمید الساعدی والی روایت جو بخاری میں ہے اس میں رکوع کے وقت یا اٹھتے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے اس وجہ سے اس قاعدے کے مطابق رفع الیدین نہیں ہے''

**جواب:** ...... **اولاً:** خود امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں یہ حدیث مکمل نقل کی ہے اس طرح ابوداؤد، بیہقی اور دیگر کتب میں بھی مروی ہے۔

**ثانیاً:** ...... سب نقل کرنے والے ثقہ ہیں اور یہاں پر اس طرح نہیں ہے کہ اوثق راوی نقل کرتا ہو اور اس سے کم درجے کا نقل کرنے والا ہو۔ بلکہ نقل کرنے والے سب راوی ثقہ ہیں۔ لٰہذا اس پر ''ثم لا یعود'' والی

روایات قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ...... یہ روایت کسی ایک سند سے نہیں ہے بلکہ امام بخاری جزء رفع الیدین اور ابو داؤد صفحہ ۱۴۔ ۱۵ اور بیہقی صفحہ ۲۷۔ ۳۷ ج ۲۔ بلکہ ابو داؤد میں خود بخاری والے طریق سے بھی مذکور ہے لہٰذا اس روایت کی شان علیحدہ ہے۔

**صفحہ ۱۱۵:** ...... یہ عنوان مقرر کرتے ہیں کہ ''پیر صاحب کی جان بوجھ کر خیانت اور اہل حدیث حضرات کی آنکھوں میں دھول جھونکنا'' یہ صریح بہتان ہے اور تمہاری ہی آنکھوں میں دھول پڑی ہوگی۔ کیونکہ امیر عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت تمہارے مذہب کی کمر توڑنے والی ہے۔ کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنا اور اس کے متعلق امر بھی وارد ہے اور امیر عمر کا عمل بھی مذکور ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ خلفاء راشدین کا بھی یہی عمل تھا اور آگے چل کر ظاہر ہوگا کہ مولوی صاحب نے بے جا حملے کر کے اپنی مضمر بیماری کی خبر دی ہے۔ چنانچہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر جس نماز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور آپ کے فرمان کے مطابق نماز کہہ رہے ہیں۔ جس میں تکبیر اولی کے وقت رفع الیدین کرنا ہے اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہیں ہے پھر اس سے حضرت عمرؓ کا رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کہاں ثابت ہوتا ہے؟

**جواب:** ...... **اوّلاً:** الفاظ صریح طور پر موجود ہیں ''فقام مستقبل القبلة ورفع يديه حذو منكبيه ثم كبر ثم ركع وكذالك حين رفع'' یہ صاف بیان ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ رکوع اور اس سے اٹھنے کی حالت بیان کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع الیدین کر کے پھر رکوع کیا اور پھر کہتے ہیں کہ ''وكذالك حين رفع'' یعنی رکوع سے اٹھتے وقت بھی اس طرح کرتے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت بھی اس طرح کرتے تھے۔

**ثانیاً:** ...... اس طرح لفظ نصب الرایہ میں منقول ہیں اور شرح ترمذی لابن سید الناس میں اس سے بھی واضح لفظ موجود ہیں۔ جس طرح کہ ابھی گزرا ہے۔ ایسی واضح حدیث نے واقعتاً مولوی صاحب کے مذہب میں اندھا پن بکھیر دیا ہے مومن اور متبع السنۃ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آنکھوں کا کوکب ہوتی ہے لیکن مولوی صاحب جیسے متعصبین کی آنکھوں میں تو گویا راکھ پڑ گئی۔ حدیث کے واضح الفاظ جن کا مطلب اور معنی بالکل واضح اور صاف ہے پھر بھی مولوی صاحب کو دوسروں پر الزام لگاتے ہوئے شرم آنی چاہیے خیانت اور غلط ترجمہ تو خود مولوی صاحب کا اپنا شیوہ ہے خود اس روایت کا غلط ترجمہ کیا ہے جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

**صفحہ ۱۱۶:** ...... چنانچہ مولوی صاحب یہ ترجمہ کرتے ہیں "پھر تکبیر اولیٰ کہی" اب بتائیں کہ "اولی "کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟ پھر لکھتے ہیں کہ "اس طرح تکبیر کہی جب رکوع سے اوپر اٹھے" اب قارئین! انصاف کریں کہ مولوی صاحب نے ترجمہ صحیح کیا ہے یا اپنا گھڑا ہے؟ خدارا انصاف کریں رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر کہی جاتی ہے؟ مولوی صاحب کا اپنا اس پر عمل ہے حالانکہ آپ کے بڑے اس جگہ پر اللہ اکبر کی بجائے سمع الله لمن حمده کا حکم دے کر گئے ہیں۔ یہ سارا غلط ترجمہ محض مولوی صاحب نے روایت کا معنی اور مفہوم تبدیل کرنے اور اس میں خیانت کرنے کی خاطر کیا ہے اور ضرب الیدین کے حوالہ سے یہ لفظ نقل کرتے ہیں کہ "قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر رفع الیدین سمیت نماز پڑھائی" اس پر مولوی صاحب کو اعتراض ہے اور اس کو خیانت اور توڑ مروڑ کہتے ہیں اب بصیرت والے انصاف کریں کہ امیر عمرؓ کی حدیث میں نماز کا بیان رفع الیدین سمیت نہیں ہے؟ بلکہ زیلعی اور ابن سید الناس کے نقل کردہ الفاظ میں قارئین کرام غور کریں کہ اس میں تینوں مقامات (افتتاح، رکوع اور بیٹھتے وقت) کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے یا نہیں؟ پھر اس کو خیانت کہنا مولوی صاحب کا خالص جھوٹ اور حدیث کا ظاہر ظہور انکار کرنا ہے اگر واقعتاً ان کی آنکھوں پر دھول پڑی ہے تو حدیث پر ایمان لا کر اپنی آنکھوں کو روشن کریں ورنہ قیامت تک بے بصیرت رہیں گے۔ ﴿مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل) پھر لکھتے ہیں کہ "عربی دان سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ کذالک کا اشارہ تکبیر کی طرف ہے" یہ بھی تمہاری تحریف جھوٹ اور واضح خیانت ہے۔ کیونکہ کذالک کا اشارہ اس سے پہلے جملے کی طرف ہوتا ہے اور اس سے پہلے رفع الیدین مذکور ہے۔ خاص طور ابن سید الناس کی روایت میں لفظ واضح مذکور ہیں۔

**ثانیاً:**...... تکبیر کی طرف اشارہ کہنا بھی غلط ہے کیونکہ رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر نہیں کہنی ہے۔ بلکہ سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ہے۔ قارئین کرام مولوی صاحب سے قسم لے کر پوچھیں کہ رکوع سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے ہیں یا سمع اللہ لمن حمدہ؟ امید ہے کہ ان کی امانت کا پوٹا پھٹ جائے گا۔ مولوی اس طرح سمجھ رہے ہیں کہ گویا کہ وہ ہی ایک دنیا میں عالم ہیں اور دوسرا کوئی جانتا اور سمجھتا نہیں اسی لیے جس طرح چاہے جھوٹ بولتے اور بکواس کرتے پھریں۔ شیخ سعدی نے سچ کہا ہے:

کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار
کہ اورا نہ آرد کسے در شمار

ایک طرف احادیث کا انکار اور جھوٹ کو زور دے کر سچ ثابت کرنا اور دوسرا ترجمہ غلط کرنا اور اس میں خیانت کرنا ایسی تصنیف سے ڈھکے ہوئے مولوی صاحب ہی بہتر تھے۔

زبان در دھان ھنر مند چیست
کلید ے در گنج صاحب ھنر
چوں درسفتہ باشند چہ داند کسے
کہ جو ھر فروش است یا پیلور

لیکن خیانت تو مولوی صاحب بڑوں سے سیکھے ہیں۔ جس طرح کہ بالا میں ان کے ماخذ کتاب نور الصباح کے متعلق ذکر کیا گیا۔

**صفحہ ۱۱۷** :......نویں دلیل بحوالہ طحاوی اور ابن ابی شیبہ علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۶ ج ۱ میں اس طرح ہے "حدثنا وکیع عن ابی بکر بن عبد اللہ بن قطاف النھشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یر فع یدیہ اذا فتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود " اور طحاوی صفحہ ۱۳۲ ج ۱ میں اس طرح مذکور ہے فان ابا بکرۃ قد حدثنا قال حدثنا ابو احمد قال ثنا ابو بکر النھشلی قال ثنا عاصم بن کلیب عن ابیہ فذکرہ ۔"

## سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اثر کی اسنادی حیثیت

**جواب** :...... **اوّلا**: اس روایت کی سند کے دو راویوں میں کلام ہے ایک ابو بکر النھشلی جس کے متعلق تہذیب صفحہ ۴۸ ج ۱۲ میں امام ابن سعد سے منقول ہے کہ "منھم یستضعف" (یعنی ان میں سے ضعیف بھی ہیں) اور جب کہ مولوی صاحب معمولی جرح پر بھی راوی کو مجروح بنائے اور اس کی روایت کو رد کرتے رہتے ہیں تو پھر اس قاعدے کے مطابق اس روایت کو بھی رد کریں اور دوسرا راوی عاصم بن کلیب جس کا تفرد حجت نہیں ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں کہلائے گی مولوی صاحب اس روایت کی تائید میں دو اقوال نقل کرتے ہیں پہلا درایہ ابن حجر کے حوالہ سے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن پوری عبارت نقل نہیں کی ہے عبارت اس طرح سے ہے کہ "ورجالہ ثقات وھو موقوف وقد حکی الدار قطنی فی العلل ان منھم من رفعہ فوھم لکن قال البخاری فی رفع الیدین حدیث عبد اللہ بن ابی رافع عن علی رضی اللہ عنہ اصح ای فی اثبات الرفع اہ (الدرایہ صفحہ ۸۵) یعنی اگر چہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن روایت موقوف ہے۔ لہٰذا مرفوع کے مقابلے جیسی نہیں ہے بلکہ امام دار قطنی اس کے مرفوع ہونے کو وھم سمجھتے ہیں اور بقول امام بخاری علی رضی اللہ عنہ کی جو روایت رفع الیدین کے اثبات کے متعلق ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے۔

**قارئین!** ...... انصاف کریں کہ مولوی صاحب کو حافظ صاحب کی اس عبارت سے کیا فائدہ ملا؟ بلکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ صرف راویوں کے ثقہ ہونے سے حدیث صحیح نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ وہ سب علتوں سے محفوظ ہو۔ کما ترا۔ بلکہ یہاں پر خود ایک ایسا راوی ہے۔ جو اکیلا ہونے کی صورت میں معتبر نہیں ہوسکتا

**ثانیاً:** ......خود حافظ اپنی تقریب میں عاصم بن کلیب کے متعلق کہتے ہیں کہ ''صدوق رمی بالارجاء'' اور مقدمہ میں ان الفاظ کو چوتھے یا پانچویں طبقہ میں شمار کرتا ہے جس کی روایت صرف شہادت کے لیے معتبر ہوسکتی ہے جس طرح کہ علامہ سخاوی نے فتح المغیث صفحہ ۱۵۹ اور لکھنوی نے الرفع والتکمیل صفحہ ۷۷۔ پر ذکر کیا ہے۔

دوسرے نمبر میں مولوی صاحب زیلعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے لیکن خود زیلعی بھی امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ علیؓ سے اثبات والی روایت زیادہ صحیح ہے (نصب الرایۃ صفحہ ۳۰۶ ج ۱) اس کے بعد مولوی صاحب اس روایت کے متعلق چند اعتراض نقل کرتے ہیں پہلا اعتراض عاصم بن کلیب کے تفرد والا ہے وہ اپنی جگہ پر مستحکم ہے۔ اس کا جواب مولوی صاحب کے پاس نہیں ہے ورنہ اس کی شہادت پیش کرتے۔ بلکہ جواب میں اس طرح کہتے ہیں کہ صحاح ستہ عاصم بن کلیب کی روایات سے بھری پڑی ہیں حالانکہ یہ خالص جھوٹ ہے صحیح بخاری میں اس کی کوئی بھی روایت نہیں ہے صرف ایک اثر تعلیقاً لائے ہیں اور مسلم میں اس کی چند روایات ہیں لیکن سب شہادت کے طور پر ہیں حجت کے طور پر نہیں ہیں۔اور باقی چار کتب انہوں نے کوئی ایسی شرائط نہیں لگائی کہ وہ سب احادیث صحیح لائیں گے لہٰذا مولوی صاحب کا یہ جواب بے سود ہے اور روایت غیر ثابت ہوئی۔ بلکہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں کہ ''قال عبدالرحمن بن مهدي ذكرت للثوري حديث النهشلي عن عاصم بن كليب فانكره'' (یعنی عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے ثوری کے سامنے نھشلی کی روایت عاصم بن کلیب سے ذکر کی تو انہوں نے اس کا انکار کیا) پھر جب کہ امام سفیان ثوری اس کو بے اصل کہتے ہیں اور اس کے ثبوت سے انکار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام بخاری بھی موافق ہیں تو ہر ایسی روایت کو مولوی صاحب کس طرح ثابت کر سکتے ہیں؟

دوسرا اعتراض بحوالہ ضرب الیدین اس طرح نقل کرتے ہیں کہ خود علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف عمل ہے پھر علی رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت نقل کرتا ہے جو کہ صحیح اور ثابت ہے۔

**صفحہ ۱۱۸:** ...... پھر اس پر کلام اس طرح کرتے ہیں کہ ''یہ روایت صحیح نہیں ہے اور ہمیں الزام دیتے ہیں کہ دل میں آپ بھی صحیح نہیں کہتے۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی صاحب کو دوسرے کے دل کی خبر کس طرح ہوئی؟ علیم بذات الصدور ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾

تو اس کی شان ہے مولوی صاحب کب عالم الغیب بنے ہیں؟ ہم پورے اعتقاد سے کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح اور ثابت ہے ائمہ حدیث اس کو صحیح کہتے ہیں۔

مولوی صاحب پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ سند کا سلسلہ پورا نہیں ہے۔ ورنہ صحیح کتب میں یہ سند سے کیوں موجود نہیں ہے؟ اور دوسرے اعتراض میں لکھتے ہیں کہ راوی بھی ذکر ہوئے ہیں اور تیسرے اعتراض میں کہتے ہیں کہ سند معلق ہے۔ یہ ہے مولوی صاحب کی علیمت۔ نہ پتہ ہے سند کا نہ راویوں کا اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں ہم نے تو ان کے عظیم زیلعی کے کتاب نصب الرایہ سے نقل کی ہے جس نے دوسری کتب کے حوالے دیئے ہیں اور مختصر سند ذکر ہے پھر یہ اعتراض مولوی صاحب کو زیلعی پر کرنا چاہیے تھا جس نے پوری سند ذکر نہیں کی۔ ہم نے تو ان کے گھر کا حوالہ پیش کیا ہے۔ درحقیقت مولوی صاحب کے لیے یہی کافی تھا۔ لیکن مولوی صاحب نہ احادیث کو مانتا ہے نہ اپنے احناف کو بہر حال حدیث ہم باسند ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۳ طبع ھند میں فرماتے ہیں: حدثنا اسماعیل بن ابی یونس حدثنی عبدالرحمن بن ابی الزناد عن موسی بن عقبة عن عبدلله بن الفضل الهاشمی عن عبدالرحمن بن هر مز الا عرج عن عبید الله بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ کان یرفع یدیه اذا کبر للصلوٰة حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع واذا رفع راسه من الرکوع واذا قام من الرکعتین فعل مثل ذالك اهـ (یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے جب نماز کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور جب دو رکعت کے بعد (تیسری کے لیے) کھڑے ہوتے اسی طرح کرتے تھے) اور امام بخاری اس روایت کو صحیح مانتے ہیں لہٰذا سب سے پہلے یہ روایت لائے ہیں اور شروع رسالہ میں لائے ہیں کہ ”فیما ثبت عن رسول الله ﷺ فیه فعله وروایته عن اصحابه ثم فعل اصحاب النبی ﷺ والتابعین واقتداء السلف بهم فی صحبة الاخبار بعض عن بعض الثقة من الخلف العدول اه“ (یعنی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے آپ کے فعل اور روایت سے اور آپ کے صحابہ سے پھر صحابہ کرام سے تابعین اور سلف صالحین نے لی کیا یہ خبر (عمل) بعض ثقہ نے دوسرے ثقہ راویوں سے اپنے سے پہلے عادل لوگوں سے لی) ثابت ہوا کہ امام بخاری نے اس کتاب میں ان روایات سے استدلال کیا ہے۔ جو ان کے نزدیک صحیح ہیں اور جامع ترمذی صفحہ ۱۷۹ ج ۲۔ میں اس طرح ہے کہ ”حدثنا الحسن بن علی الخلال نا سلیمان بن داؤد الهاشمی نا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن موسی بن

عقبة عن عبدالله بن الفضل عن عبدالرحمن الا عرج عن عبيد الله بن ابى رافع عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ انـه كـان اذا قام الى الصلوٰة المكتوبه رفـع يـديه حذو منكبيه ويصنع ذالك اذا قضى قرائته وارا د ان يركع ويضعه اذا رفع راسـه مـن الـركـوع ولا يرفع يديه فى شى من صلوٰته وهو قاعد فاذا قام من السجد تيـن رفـع يديه كذا لك كبر۔ الحديث " (یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے اور اس طرح سب قرات سے فارغ ہو کر رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اسی طرح کرتے تھے اور نماز میں بیٹھے ہوئے اس طرح نہیں کرتے تھے (رفع الیدین نہ کرتے) تھے اور جب دو رکعت کے بعد تیسری کیلیے کھڑے ہوتے تکبیر کہتے اور ہاتھ اٹھاتے) اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "هـذا حـديث حسن صحيح " یعنی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے پھر فرماتے ہیں کہ "سـمـعـت ابـا اسـمـاعيـل يـعنى الترمذى يقول سمعت سليمان بن داؤد الهاشمى يقول وذكر الحديث فقال هذا عند نا مثل حديث الـزهـرى عن سالم عن ابيه اه" (یعنی میں نے ابواسماعیل یعنی ترمذی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے سلیمان بن داؤد ہاشمی سے سنا وہ کہتے تھے اور حدیث ذکر کی اور کہا کہ یہ ہمارے نزدیک حدیث زہری سالم سے اور وہ اپنے والد سے کی مثل ہے) اور ابوداؤد صفحہ ۱۰۹ پر اس طرح ہے۔ حدثنا الحسن بن على نا سـلـيـمـان بـن داؤد الهـاشـمى نا عبدالرحمن بن ابى الزناد عن موسى بن عقبة عن عبـدالله بن الفضل ابن رفيعة بن الحارث بن عبدالمطلب عن عبدالرحمن الا عرج عـن عبيد الله بن ابى رافع عن على بن ابى طالب عن رسول الله ﷺ انه كان اذا قام الـى الـصـلـوٰة المكتوبة كبرو رفع يديه حذو منكبيه ويضع مثل ذالك اذا قضى قراته واراد ان يـركـع صـنـعـه اذا رفع من الركوع ولا يرفع يديه فى شى من صلوٰته وهو قـاعـد واذا قـام من السجد تين رفع يديه كذالك وكبر الحديث اور امام ابوداؤد نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔ اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔ لہٰذا آپ احناف کے قاعدے کے مطابق یہ حدیث امام ابوداؤد کے نزدیک بھی ثابت اور معتبر کہی جائے گی جس طرح کہ آپ کے ظفر احمد تھانوی نے انھاء السکن صفحہ ۲۳ پر ذکر کیا ہے اور ابن ماجہ صفحہ ۶۲ پر اس طرح کہ "حـدثـنـا الـعـبـاس بـن عـبـدالعظيم العنبرى ثنا سـلـيـمـان بـن داؤد ابو ايوب الهاشمى ثنا عبدالرحمن بن ابى الزناد عن موسى بن عـقبة عن عبدالله بن الفضل عن عبدالرحمن الاعرج عن عبيد الله بن ابى رافع عن

علی بن ابی طالب قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوٰۃ المکتوبۃ کبرو رفع یدیہ حتی یکو ناحذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع فعل مثل ذالك واذا رفع راسہ من الرکوع فعل مثل ذالك واذا قام من السجد تین فعل مثل ذالك اور آپ کے امام طحاوی بھی شرح معانی الآثار صفحہ ۱۳۱ ج ا۔ باب کے آغاز میں حدیث اس طرح لاتے ہیں: ”حدثنا ربیع المؤذن قال ثنا ابن وھب قال اخبر نی عبدالرحمن بن ابی الزناد عن موسی بن عقبۃ عن عبداللہ بن الفضل عن عبدالرحمن الاعرج عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ انہ کان اذا قام الی الصلوٰۃ المکتوبہ کبرو رفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع مثل ذالك اذا قضی قرأتہ اذا اراد ان یرکع ویضعہ اذا فرغ ورفع من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شی من صلوٰتہ وھو قاعد واذا قام من السجد تین رفع یدیہ کذالك وکبر“ (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے اور اسی طرح جب قرأت سے فارغ ہوتے تو کرتے اور اس طرح رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے کرتے تھے اور بیٹھے ہوئے اس طرح نہیں کرتے تھے اور جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے اور تکبیر کہتے) اور طحاوی صاحب نے اس پر کوئی کلام نہیں کی نیز یہ حدیث دارقطنی صفحہ ۲۸۷ ج ا۔ میں یہ حدیث لاکر لکھتے ہیں کہ ”قال الترمذی حدیث حسن صحیح قال الشیخ فی الامام ورایت عن علل الخلال عن اسماعیل بن اسحاق الثقفی قال سئل احمد عن حدیث علی ھذا فقال صحیح اھ“ (یعنی امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے شیخ نے الامام میں کہا ہے کہ میں نے علل الخلال میں دیکھا اسماعیل بن اسحاق ثقفی سے کہتے ہیں کہ احمد سے علی کی اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ صحیح ہے) اسی طرح حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر صفحہ ۲۱۹ ج ا اور الدرایہ صفحہ ۸۶ پر امام احمد سے نقل کرتے ہیں۔

**الغرض:** ......اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ حدیث احمد بن حنبل، بخاری، ابوداؤد ترمذی، خلال سلیمان بن داؤد الھاشمی، ابن دقیق العید، ابن حجر وغیرھم متفق ہیں اور مولوی صاحب کے دونوں سوال رد ہوئے۔ کیونکہ روایت معلق نہیں ہے۔ بلکہ پوری سند سے مذکور ہے اور علم حدیث کے امام اس کو صحیح کہتے ہیں پھر اس کے خلاف یہ علی رضی اللہ عنہ والی روایت کس طرح قبول کی جائے۔ ایک تو یہ فی نفسہٖ صحیح نہیں ہے۔ ائمہ حدیث اس کے ثبوت کا انکار کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ یہ روایت موقوف ہے۔ یہ مرفوع کا مقابلہ کس طرح

کرے گی؟ خود آپ احناف کا بھی یہ قاعدہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ اوپر ابن ہمام کا فیصلہ ذکر کیا گیا۔ تیسرا یہ کہ یہ بات بھی عقلا محال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنا نقل کریں لیکن خود اس کے خلاف عمل کریں ایسی بدگمانی کسی بھی صحابی کے بارے میں رکھنا مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔

**صفحہ ۱۱۹**: ......علی رضی اللہ عنہ والی مرفوع حدیث پر مولوی صاحب دو اعتراض کرتے ہیں ایک یہ کہ علی رضی اللہ عنہ والی حدیث دو سندوں سے آئی ہے۔ ایک کے متعلق لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت موجود ہے اس میں بھی صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین ذکر ہوئی ہے۔

(بخاری شریف صفحہ ۱۱٤ ج۱)

**جواب**: ......مولوی صاحب نے حدیث نقل کرنے میں خیانت کی ہے بخاری صفحہ ۱۱۴ ج ۱۔ کا حوالہ دیا ہے وہاں پر یہ روایت موجود ہے لیکن اس میں تکبیر اولی کے وقت رفع الیدین کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ حدیث کے الفاظ اس طرح سے ہیں: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا غیلان بن جریر عن مطرف قال صلیت انا وعمران بن الحصین صلوٰۃ خلف علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فکان اذا سجد کبر و اذا رفع کبر واذا نھض من الرکعتین کبر فلما سلم اخذ عمران بیدی فقال لقد صلی بنا ھذا صلوٰۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم او قال لقد ذکرنی ھذا صلوٰۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم " (یعنی مطرف کہتے ہیں کہ میں نے اور عمران بن حصین نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ نے سجدہ کیا تکبیر کہی اور جب سر اٹھایا تکبیر کہی اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوئے تکبیر کہی جب سلام پھیرا تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ ہمیں اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی ہے۔ یا کہا کہ تحقیق مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد کروا دی ہے)

**قارئین**: ......اس حدیث کو بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ اس میں تکبیر اولی کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے؟ ہرگز نہیں یہ جملہ مولوی صاحب نے اپنی طرف سے بنا کر بڑھایا ہے۔ دوسروں پر خیانت کا الزام لگایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا اپنا پول کھول دیا ہے یہی حدیث بخاری صفحہ ۱۰۸ ج ۱۔ میں بھی ہے لیکن وہاں پر یہ لفظ نہیں ہیں پھر دوسری روایت اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ایک سند ماجشون والی سند سے ہے۔ اس میں صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے اور امام احمد نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

**جواب**: ......اس روایت کے لیے مولوی صاحب نے کسی بھی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ لیکن ہم اس کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم صفحہ ۶۳۔۱۶۴ ج ۱۔ مع النووی، مسند احمد صفحہ ۹۱۔۹۴۔۱۰۲۔۱۰۳۔ نسائی صفحہ ۱۹۱ ج ۱۔ ابوداؤد صفحہ ۱۱۰ ج ۱، ترمذی صفحہ ۱۷۹ ج ۲، بیہقی صفحہ ۳۲ ج ۲ وغیرھم میں موجود ہے۔ لیکن کسی میں

بھی تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں پر بھی مولوی صاحب نے حدیث میں الفاظ بڑھا کر وضع حدیث کے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ بے گناہ انسان پر خیانت کا الزام لگایا اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ چاک کر کے دنیا میں اس کو ذلیل وخوار کیا کہ یہ لوگ اپنے مذہب کے تعصب میں اس حد تک پہنچے ہوئے ہیں کہ وہ حدیث میں جھوٹے الفاظ ملاتے ہوئے بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

**قارئین!** ...... **اولاً:** مولوی صاحب کا مطلب یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق دوسری دو اسناد ہیں جن میں صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے۔ پھر نہیں ہے۔ یعنی اس کا کہنا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں رفع الیدین رکوع اور اٹھتے وقت مذکور ہے۔ وہ روایت معلول ہے لیکن ان کی یہ مراد پوری نہیں ہوئی اور ان کا حملہ ناکام ہوگیا۔ کیونکہ جن روایات کا سہارا لیا، ان میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ جو کہ نقل کیے ہیں۔ بلکہ اس طرح سے ان کا یہ حیلہ پھانسی کی صورت بن کر ان کی گردن میں پڑ گیا ہے۔ کیونکہ جب ان روایات میں تکبیر اولیٰ کے وقت بھی رفع الیدین نہیں ہے تو پھر مولوی صاحب کے طریقہ تعلیل کے مطابق تکبیر اولیٰ کے وقت بھی رفع الیدین معلول رہی۔ لہٰذا مولوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو اپنے قاعدے کے مطابق تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے۔ وھو الثانی۔

**ثالثاً:** ...... ثابت ہوا کہ یہ روایات تکبیر وغیرہ کے متعلق ہیں۔ رفع الیدین کے مسئلہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ مولوی صاحب جھوٹ اور خیانت سے ان میں الفاظ ملا کر زبردستی سے ان روایات کا اس مسئلہ سے تعلق بنا رہے ہیں۔

**رابعاً:** ...... بلکہ ہر روایت اپنا اپنا مطلب بیان کر رہی ہے۔ ایک میں تکبیروں کا ذکر ہے تو کسی میں دعا استفتاح کا اور کسی میں رفع الیدین کا ذکر ہے۔ مولوی صاحب خود تو شاید کتب دیکھنے کی ہمت نہیں کرتے۔ دیگر رسائل کے پیچھے لگ کر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ الغرض مولوی صاحب کا یہ اعتراض بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دیگا بلکہ ان کی گردن توڑتا ہے دوسرا اعتراض اس طرح نقل کرتے ہیں کہ رفع الیدین والی علی رضی اللہ عنہ والی روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد راوی ہے جس کے متعلق محدثین جرح نقل کرتے ہیں۔

**جواب:** ...... **اولاً:** عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کے لیے صرف جرح نہیں ہے بلکہ توثیق بھی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی، عجلی اور یعقوب بن شیبہ اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ نیز ترمذی نے اس کی کئی احادیث کو صحیح کہا ہے اور ایک جگہ پر اس کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں اور حافظ ابن عدی کہتے ہیں کہ "وھو ممن یکتب حدیثه" (یعنی ان میں سے ہے جس کی احادیث لکھی جاتی ہیں) اور امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ "کان عالما بالقرآن عالما بالاخبار (التهذیب صفحه ۱۷۲۔ ۱۷۳ ج۶) (یعنی قرآن اور اخبار (احادیث) کو جاننے والا تھا) امام

مالک اس کو ثقہ کہتے ہیں (میزان صفحہ ۱۱۱ ج ۲) پھر جب کہ راوی میں مختلف اقوال ہوں تو ایسی صورت میں آپ احناف کے نزدیک یہ راوی حسن الحدیث ہے جس طرح کہ آپ کے شیخ ظفر احمد تھانوی انھاء السکن صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے۔ اور عبارت پہلے گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے حسن ہونے میں کوئی شک نہ رہا۔

**ثانیاً:** ......جنھوں نے ان پر جرح کی ہے ان کا صرف یہ کہنا ہے کہ وہ احادیث ضعیف ہیں جو بغداد میں بیان کی ہیں۔ کیونکہ اس وقت ان کا حافظہ بدل چکا تھا اور جو مدینے میں بیان کی ہیں وہ احادیث صحیح ہیں۔ کیونکہ اس وقت ان کا حافظہ صحیح تھا۔ جس طرح کہ تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی۔ جب مولوی صاحب کے ان اقوال کا جواب لکھا جائے گا۔ جو کہ جرح کرنے والوں سے نقل کیے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہاں پر ان سے راوی سلیمان بن داؤد الھاشمی جو کہ دراصل المدنی ہے لہٰذا یہ روایت ان کی ضعیف روایات میں شمار نہیں ہوگی۔

**ثالثاً:** ......خود حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۱۱۱ ج ۲۔ میں اقوال نقل کرنے کے بعد فیصلہ دیتے ہیں کہ "قلت قد مشاہ جماعة وعدلوہ و کان من الحفاظ المکثرین ولا سیما عن ابیہ وھشام بن عروة حتی قال یحییٰ بن معین ھو اثبت الناس فی ھشام وذکر محمد بن سعد انہ کان مفتیا وقد روی ارباب السنن الاربعة لہ وھو ان شاء اللہ حسن الحال فی الروایة" لہٰذا یہ تحقیق کی صورت میں اس طرح سب اقوال میں تطبیق ہے اور امام ذہبی کے قول سے تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے اس کے بعد مولوی صاحب نے جو جارحین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کی حقیقت ظاہر کی جاتی ہے۔ ❶ امام یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ "حدیث کے ماہر اس سے دلیل نہیں لیتے۔ الخ

**جواب:** ......امام یحییٰ بن معین کا قول علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ آپ سے تعدیل بھی منقول ہے جیسا کہ میزان کی عبارت گزر چکی ہے وہی عبارت تہذیب صفحہ ۱۷۲ ج ۶۔ میں ہے "وقال ابن معین فیما حکاہ الساجی عبدالرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ عن الاعرج عن ابوھریرة حجة اھـ" (یعنی ابن معین کے بارے میں کہا ہے جو ساجی عبدالرحمٰن بن ابی زناد سے وہ اپنے باپ سے اور وہ اعرج اور وہ ابو ہریرہ سے بیان کرے تو حجت ہے) جس کا مطلب یہ ہے وہ کن صورتوں میں تسلیم کرتے ہیں لہٰذا دو اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حافظہ خراب ہونے سے قبل کی روایات جو مدینہ میں بیان کی ہیں وہ حجت اور معتبر ہیں۔ جیسا کہ عنقریب امام علی بن مدینی کی کلام سے معلوم ہوگا۔ ❷ نمبر دو پر مولوی صاحب امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ وہ مضطرب الحدیث ہے۔ حدیث میں گڑبڑ کرتا ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** مضطرب کا یہ ترجمہ ہی غلط ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ان احادیث کی سند یا متن میں اختلاف ہو یہ کوئی جرح نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے انہیں ضعیف کہا جاسکتا ہو۔ یا ان کی روایات کو رد کیا جائے۔ بلکہ اس کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ وہ روایات ترک کی جائیں گی جن میں اختلاف ہو۔ وہ بھی اس شرط سے کہ وہ سب روایات صحت کے اعتبار سے ایک درجہ کی ہوں اور ان میں کسی بھی طور تطبیق دینا ممکن نہ ہو۔ کما تقرر فی اصول الحدیث۔ لیکن اس حدیث کی نہ سند میں اختلاف ہے نہ متن میں اس وجہ سے امام احمد کا یہ قول اس حدیث پر منطبق نہیں ہوگا۔ اس کے لیے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود امام احمد نے علی رضی اللہ عنہ کی رفع الیدین والی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ وھو الثانی۔

**ثالثاً:** ...... اسی جگہ پر امام احمد سے منقول ہے اور ان کی روایات کو صحیح مانتے ہیں "قال ابو طالب عن احمد یروی عنه قلت یحتمل قال نعم وقال ایضاً فیما حکاه الساجی احادیثه صحاح" (یعنی ابو طالب احمد سے بیان کرتے ہیں کہ ان سے روایت لی جائیں گی میں نے کہا کہ ان سے روایات کی جائیں گی تو فرمایا جی ہاں اور کہا کہ جو ساجی سے بیان کی ہیں وہ صحیح ہیں)۔

پھر جب کہ امام احمد ان کی روایات کو صحیح کہہ رہے ہیں تو پھر مولوی صاحب کا اعتراض غلط ہوا۔ ❸ تیسرے نمبر پر امام علی بن مدینی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ہم محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ جرح مبہم ہے۔ لہٰذا تعدیل کے مقابلے میں قبول نہ ہوگی۔ کما ذکره اصحاب الاصول.

**ثانیاً:** ...... ابن المدینی بھی ان کی ان احادیث کو ضعیف کہتا ہے جو کہ ان کا حافظہ خراب ہونے سے بعد کی بغداد میں روایت کی ہیں چنانچہ اسی تہذیب میں اس طرح سے ہے: وقال عبداللہ بن علی بن المدینی عن ابیه ما حدث بالمدینة فهو صحیح وما حدث ببغداد افسده البغدادیون وقال یعقوب بن شیبة سمعت علی بن المدینی یقول حدیثه المدینه مقارب وما حدث به بالعراق فهو مضطرب " (یعنی عبداللہ بن علی بن مدینی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جو مدینہ منورہ میں احادیث بیان کیں وہ صحیح ہیں اور جو بغداد میں بیان کی ہیں اس کو بغدادیوں (اہل بغداد) نے خراب کر دیا اور یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ میں نے علی بن مدینی سے سنا کہتے تھے کہ ان کی احادیث جو مدینہ کی ہیں وہ مقارب ہیں اور جو عراق میں بیان کی ہیں وہ مضطرب ہیں) اور اوپر ذکر ہوا کہ وہ حدیث مدنی ہے۔ عراقی نہیں ہے۔ لہٰذا جرح ان پر منطبق نہیں ہے۔

**ثالثاً:** ...... بلکہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام احمد کا مضطرب کہنے سے مراد بھی وہ روایات ہیں جو عراقی

ہوں نہ کہ مدنی۔

**رابعاً**:...... تہذیب میں یہ الفاظ بھی ہیں "قال علی (ابن المدینی) وقد نظرت فیما رواہ عنہ سلیمان بن داؤد الھاشمی فرأیتھا متقاربہ" (یعنی علی بن مدینی کہتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ جو ان سے سلیمان بن داؤد الھاشمی نے روایت کی ہے میں نے ان کو مقارب دیکھا ہے) اس حدیث کو ان سے سلیمان بن داؤد الھاشمی نقل کرنے والا ہے جیسا کہ ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ کی اسناد میں مذکور ہے۔ لہٰذا امام ابن مدینی کے فیصلے کے مطابق یہ حدیث قابل جرح نہیں ہے۔ ۴ چوتھے نمبر پر امام عبدالرحمٰن بن مہدی سے نقل کرتے ہیں کہ "ان کی احادیث کو غلط سمجھ کر ان پر خط کھینچ دیتا تھا۔"

**جواب**:...... یہاں پر مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ مولوی صاحب بیچارے نے خود تو تہذیب دیکھی نہیں۔ بلکہ رسالہ ازالۃ الرین کی تقلید میں اس طرح نقل کر دیا ہے۔ حالانکہ تہذیب صفحہ ۱۷۲ ج ۶۔ میں امام علی بن مدینی سے اس طرح منقول ہے کہ "ورایت عبدالرحمن بن مھدی یخط علی احادیثہ وکان یقول فی حدیثہ عن مشیختھم فلان وفلان وفلان قال ولقنہ البغدادیون عن فقھائھم" (یعنی میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو دیکھا کہ وہ اسی کی احادیث پر خط کھینچتے تھے اور کہتے تھے اسی کی اس کے اساتذہ فلان، فلان اور فلاں سے کہا ہے اور اس کو بغدادیوں نے اپنے فقہاء کی باتیں یاد کروادیں تھی) ثابت ہوا کہ امام ابن مہدی بھی ان کی ان روایات پر خط کھینچتے تھے۔ یاد کرتے تھے جو عراقی ہوں اور بغداد میں بیان کی ہوں۔ مدنی روایات پر انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ لہٰذا اس روایت کے لیے ان کا قول نقصان دہ نہیں ہے۔ ۵ پانچویں نمبر پر امام نسائی سے نقل کرتے ہیں کہ "اس کی حدیث دلیل کے لائق نہیں ہے۔"

**جواب**:...... ان کے قول سے یہی مراد ہے کہ ان کی عراقی روایات حجت کے قابل نہیں ہے۔ جس طرح کہ ابن المدینی کے قول سے ظاہر ہوا اور اسی طرح تہذیب میں عمرو بن علی اور ساجی سے منقول ہے الغرض جو جروحات مولوی صاحب نے نقل کیں وہ اس روایت پر منطبق نہیں ہوئیں۔ بلکہ ان کا مفہوم کچھ اور ہے جیسا کہ تفصیل گذری۔ لہٰذا یہ روایت صریح دلالت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے رفع الیدین چھوڑنے کے متعلق نقل قطعاً باطل اور مردود ہے اور علی رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ گمان باطل اور مردود اور بکواس ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف عمل کریں اور قاعدہ ہے کہ "المثبت مقدم علی النافی والقول قول من شاھد" (یعنی مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے اور قول شاہد کا صحیح ہوتا ہے) امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں کہ "وروی ابو بکر النھشلی عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علی رضی اللہ

تعالیٰ عنه رفع یدیه فی اول التکبیر ثم لم یعد بعد وحدیث عبید الله هو شاهد فاذا روی رجلان عن محدث قالا احد هما رایته ، فعل وقال الاٰخره لاده فالذی قال رایته ، فعل فهو شاهد والذی قال لم یفعل فلیس هو بشاهد لانه لم یحفظ الفعل وهکذا قال عبد الله بن الزبیر کشاهدین شهد ان لفلان علےٰ فلان الف درهم علیٰ اقراره وشهد اٰخرانه لم یقر بشیءٍ یحمل بقول الشاهدین ویسقط ما سواه وکذالك قال بلال رایت النبی صلے الله علیه وسلم فی الکعبة وقال الفضل ابن عباس الم یصل واخذ الناس بقول بلال لانه شاهد ولم یلتفتوا الیٰ قول من قال لم یصلحین لم یحفظ اه۔

**صفحہ ۱۲۰**: ...... تیسرا اعتراض ضرب الیدین کے حوالہ سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع الیدین کرتے ہوئے بچشم خود آنکھوں سے دیکھیں پر خود نہ کریں یہ بات بالکل غلط ہے'' یہ اعتراض بالکل واضح ہے اس وجہ سے علی رضی اللہ عنہ والے اثر کو امام عثمان بن سعید الدارمی واھی روایت کہتے ہیں (نصب الرایۃ صفحہ ۴۱۳ ج ۱) اور امام شافعی اور بیہقی اس کو غیر ثابت کہتے ہیں (السنن الکبریٰ للبیھقی صفحہ ۸۱ ج ۲) اور اس کا مولوی صاحب ایک جواب دیتے ہیں لیکن نمبر لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''پہلا جواب'' اور بقیہ جواب ان کی جیب میں رہ گئے۔ لکھتے ہیں کہ ''ثابت ہوا کہ جب حضرت علی خود صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ پھر نہیں کرتے تھے تو وہی راوی اس کے خلاف حدیث رسول کس طرح بیان کرے گا؟ اور اس کو کس طرح صحیح کہا جائے گا۔ جب کہ وہی راوی صحابی بھی اس کو صحیح نہیں سمجھتا تب تو اس کے برخلاف عمل کرتا ہے۔''

**جواب**: ...... **اولاً**: مولوی صاحب کی ساری تقریر ان کے بنے ہوئے مفروضات پر ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ محدثین کے فیصلے سے ظاہر ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ کا اثر موقوف، صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ضعیف اور واھی روایت ہے اور آپ کی مرفوع حدیث صحیح اور ثابت ہے۔ مولوی صاحب کی نقل کردہ جروح سے بالکل پاک اور صاف ہے۔ پھر مولوی صاحب کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا۔ وھو الثانی .

**ثالثاً**: ...... اوپر تحقیق کی گئی اس سے ثابت ہوا کہ مرفوع حدیث ثابت اور صحیح ہے اور موقوف اثر غیر ثابت ہے پھر مولوی صاحب کا یہ جواب باطل کہا جائے گا۔ کیونکہ کسی صریح بناء پر نہیں ہے۔ والمبنی علی الباطل .

**رابعاً**: ...... اگر بالفرض قبول کیا جائے۔ کہ یہ اثر صحیح بھی ہے تب بھی یہ قاعدہ مسلم ہے کہ موقوف حدیث

مرفوع کے مقابلے کے لائق نہیں ہوتی۔

**خامساً**:...... عقل والے انصاف کریں کہ مرفوع حدیث سے موقوف اثر معلول یا مجروح ہوتا ہے یا اس کے برعکس موقوف اثر سے مرفوع حدیث معلول یا مجروح ہوگی۔ حاشا وکلا۔ مسلمانوں کے مذہب کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ہر حدیث سے ہر کسی دوسرے کا قول اور عمل رد ہو سکتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث کسی کے قول اور عمل سے رد نہیں ہو سکتی۔ وھو السادس۔

**سابعاً**:...... اسی وجہ سے محدثین نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ اثر ثابت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ صحابی رسول کی شان کے خلاف یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک طرح کا عمل نقل کرے اور خود اس کے خلاف دوسرا عمل کرے گویا کہ یہ اثر روایت خواہ درایت دونوں لحاظ سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''اصول حدیث کا یہ قانون بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صحابی کا ایسا عمل جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو۔ (جس طرح نماز میں رکعات کی تعداد اور طریقہ نماز) یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے یعنی گویا کہ نبی اکرم ﷺ کا عمل ہے۔''

**جواب**:...... **اولاً**: یہ اثر خود صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کی ساری تقریر ہی لغو ہوگئی۔

**ثانیاً**:...... یہاں پر ایسی بات نہیں کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو کیونکہ مولوی صاحب خود مانتے ہیں کہ کئی صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے تو کئی نہیں کرتے تھے۔ پھر اگر کہا جائے کہ یہاں میں پر اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر مولوی صاحب دونوں روایات کو مرفوع قرار دے اور احادیث میں تعارض قرار دے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں اجتہاد کا دخل ہے اور روایت مرفوع نہیں بنے گی۔

**ثالثاً**:...... اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ یہ اثر صحیح اور ثابت ہے اور اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے تب بھی لغایۃ اس کو مرفوع حکماً کہا جائے گا اور علی رضی اللہ عنہ والی مرفوع حدیث صریحا مرفوع ہے اور تعارض کے وقت حکمی مرفوع روایت صریح مرفوع کے مقابلے کے لائق نہیں ہے۔ کما ھو الظاہر۔ امام حازمی کتاب الاعتبار صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں کہ ”الوجه الخامس والعشرون ان یکون احدا لحدیثین منسوبا الی النبی ﷺ نصا وقولا والاخر ینسب الیه استدلالاً واجتهاداً فیکون الاول مرجحاً اھ۔

**رابعاً**:...... جب کہ صریح مرفوع میں رفع الیدین کا اثبات ہے تو پھر اس کے مقابلے میں موقوف کو مرفوع حکمی نہیں کہا جا سکتا الغرض یہ اثر کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہے لیکن اس کا معنی مولوی صاحب اس طرح لکھتے ہیں کہ ''علی رضی اللہ عنہ نماز کی تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ پھر نہیں کرتے تھے'' اگر مولوی صاحب اس روایت کو معتبر سمجھتے ہیں تو پھر خود خواہ اور دوسرے حنفی بھائی اس کے خلاف عمل کیوں کرتے ہیں؟

یعنی تکبیر اولیٰ کے بعد رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟ یعنی قنوت اور عیدین کی تکبیروں میں ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں؟ کیونکہ یہ حالتیں بھی تکبیر اولی کے بعد کی ہیں۔ الغرض مولوی صاحب نے کوئی بھی ایسی حدیث پیش نہیں کی۔ جو کہ صحیح ہو۔ یا رفع الیدین کی نفی کے متعلق صریح ہو۔ بلکہ جو روایات پیش کی ہیں۔ ان کا مذہب ان کے خلاف اور عمل ان کے برعکس ہے۔

دسویں دلیل اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ''کئی صحابی اور تابعی صرف تکبیر اولی کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ پھر نہیں کرتے تھے۔ اس کے لیے نہ کوئی دلیل اور نہ ہی کوئی روایت پیش کرتے ہیں۔ اگر ہوتی تو بیچاری پیش بھی کرتی بلکہ امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وهو قول سفيان الثوری واهل الكوفة (یعنی یہ قول غیر واحد کا ہے اصحاب نبی ﷺ میں سے اور یہی قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے)

**جواب:** ...... **اوّلاً:** یہ کوئی روایت نہیں ہے۔ کسی قول کے لیے کوئی سند نہیں۔ لہٰذا کس طرح قبول کیا جائے اور یہ کس طرح دلیل بن سکتا ہے؟ امام بخاری جو کہ امام ترمذی کے استاد ہیں ان کی کتاب جزء رفع الیدین صفحہ ۱۰ میں سے عبارت گذری کہ سب صحابہ کرامؓ رفع الیدین کرتے تھے۔ عبارت بتلاتی ہے کہ کوئی بھی صحابی رفع الیدین کو چھوڑنے والا نہ تھا یہ عبارت ترمذی کی عبارت سے چند وجوہ کی بنیاد پر مقدم ہے۔

**الاوّل:** ...... امام بخاری ان سے اعلم ہیں لہٰذا ان کا قول مقدم ہے

**الثانی:** ...... وہ اکیلے نہیں ہیں بلکہ آپ کے ساتھ پانچ اور ممتاز ائمہ ہیں یعنی حمیدی، ابن المدینی، ابن معین، احمد بن حنبل، اور اسحاق بن راھویہ یہ سب کہتے ہیں کہ کسی بھی صحابی سے ترک ثابت نہیں ہے۔

**الثالث:** ...... یہ پانچوں جس فیصلے پر متفق ہوں وہ سب محدثین کا فیصلہ ہے۔ کیونکہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ "وهؤلآء اهل العلم من بين اهل زمانهم (یعنی یہ اپنے زمانے کے اہل علم ہیں)۔

**الرابع:** ...... بقول امام بخاری حجاز خواہ عراق کے علماء حدیث اسی فیصلے پر متفق ہیں۔ لہٰذا امام بخاری کا قول مقدم ہوا۔

**ثالثاً:** ...... امام ترمذی کا یہ کہنا بعض روایات کی بناء پر ہے اور عام محدثین کا فیصلہ عدم ثبوت پر مبنی ہے اس طرح دونوں طرف تطبیق ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہوگا کہ اگر چہ بعض صحابہ سے روایات منقول ہیں لیکن وہ درجہ ثبوت سے کم ہیں۔

**رابعاً:** ...... غیر واحد کا ترجمہ کئی صحابی کرنا یہ مولوی صاحب کا خود ساختہ معنی ہے۔ کیونکہ غیر واحد کا اطلاق ایک سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ پھر اگر چہ وہ دو ہی ہوں۔ لہٰذا اکثر کا مولوی صاحب کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

**خامساً**: ......مولوی صاحب نے زور لگا کر دو تین صحابہ کی روایات ذکر کیں لیکن دنیا نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ امام بخاری ثابت کرتے ہیں کہ سب صحابہ رفع الیدین کرتے تھے اور رفع الیدین کے حوالہ سے روایات نقل ہوئیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ حسن بصری، حمید بن ھلال، اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں اور کسی بھی ایک صحابی کی استثناء نہیں کرتے کہ وہ نہیں کرتے تھے ایسی وضاحت کے بعد کسی بھی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ باقی سفیان ثوری، وہ بھی رفع الیدین کا منکر نہ تھا۔ بلکہ وہ خود وکیع اور دوسرے کئی رفع الیدین کی احادیث کو برحق سمجھتے تھے۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۵ پر فرماتے ہیں کہ "وقد رواہ فی ذالك احادیث کثیرة ولم یعتبوا علی من رفع یدیه ولو لا انها حق ما رووا ذلك الاحادیث لانه لیس لاحد ان یقول علی رسول الله ﷺ ما لم یقل ولم یفعل لقول النبی ﷺ من تقول علی مالم اقل فلیتبوا مقعده من النار اور امام ابن عبد البر التمہید صفحہ ۲۹۔ ۲۲۸ ج ۹۔ میں فرماتے ہیں کہ حدثنا عبدالوارث بن سفیان حدثنا قاسم بن اصبغ حدثنا احمد بن زهیر حدثنا محمد بن زید الرفاعی قال حدثنی داؤد بن یحییٰ بن یمان الثقة المامون عن ابن المبارك قال صلیت الیٰ جنب سفیان انا اریدان ارفع یدی اذا رکعت واذارفعت فهممث؟ بترکه وقلت ینهٰنی سفیان ثم قلت شی ادین الله به لا ادعه ففعلت فلم ینهنی اھ" ان کے علاوہ کوفہ میں اور بھی کئی اس کے عامل تھے۔ ایضاً کوفہ والوں پر مولوی صاحب کو خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کوفہ سے دین تبدیل ہونا شروع ہوا ہے چنانچہ اوپر براء بن عازب کی روایت کی بحث میں گذرا کہ یزید بن ابی زیاد جب کوفہ گیا تو کوفیوں نے حدیث کے الفاظ تبدیل کر دیئے پہلے ایک جیسے تھے انہیں تبدیل کر کے دوسرے الفاظ جوڑے گئے اس طرح امام محمد بن نصر المروزی کا قول گذرا کہ کوفہ کے علاوہ باقی سب شہروں کے علماء رفع الیدین کرتے تھے۔ 

**صفحہ ۱۲۱**: ......فائدے کے تحت لکھتے ہیں کہ "کئی صحابہ اور اکثر تابعین کا بھی یہی خیال ہے" الخ

**جواب**: ......اوپر ثابت ہوا کہ سب صحابہ کرام رفع الیدین کرتے تھے۔ کسی سے بھی رفع الیدین چھوڑنا ثابت نہیں ہے اسی طرح عام تابعین بھی اکثر رفع الیدین کرتے تھے۔ جس طرح امام بخاری کی عبارات سے معلوم ہوا اور مولوی صاحب نے پانچ صحابہ کے نام لیے ہیں حالانکہ ان کے متعلق بحث تفصیل سے گزر چکی ہے کہ کسی سے بھی رفع الیدین چھوڑنا نہ مرفوعاً ثابت ہے۔ نہ موقوفاً۔ چنانچہ ابن مسعود کے متعلق بڑی تفصیل سے بیان ہوئی کہ ان سے رفع الیدین چھوڑنے کا کوئی بھی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ آپ سے صحیح اور ثابت

مذہب یہی ہے کہ رفع الیدین کی جائے اس طرح براء بن عازب کے متعلق بھی ثابت کیا گیا کہ ان کی اصل حدیث وہی ہے جس میں رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے بعد میں کوفیوں نے اس روایت میں گڑ بڑ کی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک تو اس کے متعلق مشہور ہے کہ آپ رفع الیدین کو مؤکدہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ نہ کرنے والوں کو پتھر مارتے تھے اور آپ سے مرفوعا خواہ موقوفاً کئی اسناد سے روایات ثابت ہیں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا اور امیر عمر بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ بلکہ اس کے تبلیغ بھی کرتے رہتے تھے۔ جس طرح کہ اوپر گذرا اور علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی گذرا کہ آپ سے رفع الیدین کے اثبات کی روایت ثابت ہے نہ کہ نفی کی۔

**الغرض:**...... یہ فائدہ بھی مولوی صاحب کے لیے بے فائدہ رہا اور فائدہ نمبر دو میں کہتے ہیں کہ ''کئی تابعی بھی صرف تکبیر اولی کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔''

**جواب:**...... **اوّلا:** امام بخاری کے فرمان سے ظاہر ہے کہ بہت سے تابعین کے نام ذکر کر کے کہتے ہیں کہ ''وعدد كثيرة''

**ثانیا:**...... جو نام ذکر کیے ہیں وہ سب تابعی نہیں ہیں مثلاً ابراھیم نخعی تابعی نہیں ہے جس طرح کہ اوپر گذرا۔

**ثالثاً:**...... عبدالرحمٰن بن اسود، علقمہ، ابو اسحاق اور عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کے متعلق جو اثر مروی ہیں ان پر پہلے ہی کلام ہو چکا ہے کہ یہ سنداً ثابت نہیں ہیں لہٰذا یہ فائدہ بھی مولوی صاحب کے لیے کارآمد ثابت نہ ہوا۔

فائدہ نمبر تین:...... میں لکھتے ہیں کہ سفیان ثوری صرف تکبیر اولی کے وقت رفع الیدین کے قائل تھے۔''

**جواب:**...... **اوّلا:** یہ مولوی صاحب کا جھوٹ ہے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سفیان ثوری رفع الیدین کے قائل تھے تب ہی تو عبداللہ بن مبارک کو منع نہ کیا۔

**ثانیاً:**...... امام محمد بن نصر المروزی کا قول ذکر ہوا کہ کوفہ کے علاوہ باقی سب شہروں کے علماء رفع الیدین کے قائل تھے۔ اب اگر مولوی صاحب کی سفیان ثوری کی طرف ذکر کردہ نسبت کو مانا جائے۔ تب بھی دنیا جانتی ہے کہ کوفہ ایک طرف تھا اور باقی دنیا کے شہر دوسری طرف پھر ایسا فائدہ لکھنے کا مولوی صاحب کو کیا فائدہ ہوا یا نقصان؟

فائدہ نمبر چار:...... میں لکھتے ہیں کہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ کوفے والوں کا مسلک یہ ہے کہ صرف تکبیر اولی کے وقت رفع الیدین کے قائل تھے۔

**جواب:**...... **اوّلا:** امام ترمذی کے اس قول اہل الکوفہ سے مراد اکثر طور پر امام ابوحنیفہ اور ان کی جماعت

ہوتی ہے۔ یا اس وقت کے عالم ہوتے ہیں جس طرح کہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۸۔ ۲۰۹۔ پر ذکر ہوا ہے۔

**ثانیاً:**...... اوپر بیان ہوا کہ کوفہ سے ہر بات کا بگاڑ فروغ لیتا رہا ہے۔ لہٰذا اگر کوفیوں کا مذہب رفع الیدین نہ کرنا ہے تو پھر بھی مولوی صاحب کو اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے بعد مولوی صاحب کوفہ والوں کی بڑی فضیلت اور شان بیان کرتے ہیں۔ لیکن دنیا کو علم ہے کہ سارے فتنے یہاں سے اٹھے اور جن صحابہ کے نام لیے ہیں ان میں سے کسی سے بھی رفع الیدین کا ترک ثابت نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر سب صحابہ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

**صفحہ ۱۲۲:**...... تفصیل اس طرح سے ہے کہ جن صحابہ کے نام لیے ہیں مثلاً امیر عمر، ابن مسعود، علی بن ابی طالب، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ان سے تو رفع الیدین کرنا ثابت کی گئی ہے ترک کا کوئی ثبوت نہیں ہے نیز سعد بن ابی وقاص کا بھی ذکر کیا ہے۔

**اوّلاً:**...... ان کا ذکر ابن مسعود والی روایت میں آ چکا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود کا رکوع کے وقت رفع الیدین کی تائید کی ہے اور تطبیق (رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملانے) کا انکار کیا ہے جس کا مطلب یہ کہ وہ رفع الیدین کے قائل تھے بلکہ ان کا کہنا کہ صدق اخی سے ظاہر ہے کہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کا راوی ہے۔ زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۴۱۷ ج ۱۔ میں بحوالہ بیہقی امام حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ رفع الیدین کی روایت کی اثبات والی حدیث روایت کرنے پر عشرہ مبشرہ اتفاق کرنے والے ہیں اور سعد بن ابی وقاص بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ نیز صفحہ ۴۱۸ ج ۱۔ میں امام بیہقی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنے کے متعلق احادیث کے راوی صحابی ذکر کیے ہیں۔ جن میں سے سعد بن ابی وقاص بھی ہیں اور مولوی صاحب نے ابو الدرداء کا نام بھی لیا ہے ان کی اہلیہ ام الدرداء بھی رفع الیدین کرتی تھی۔ چنانچہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں کہ "حدثنا مقاتل ثنا عبداللہ بن المبارك انا اسماعيل حدثنى عبد ربه بن سليمان بن عمير قال رايت ام الدرداء رضى الله تعالىٰ عنها ترفع يديها فى الصلوٰة حذو منكبيها حين تفتح الصلوٰة وحين تركع فاذا قالت سمع الله لمن حمده رفعت يديها وقالت ربنا ولك الحمد اه (یعنی ام درداء رضی اللہ عنہا نماز شروع کرتے وقت اپنے کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتی تھی پھر جب رکوع کرتی ہاتھ اٹھاتی اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتی ہاتھ اٹھاتی اور ربنا لك الحمد بھی کہتی تھی) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے خاوند ابو الدرداء بھی رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ نیز مولوی صاحب نے حذیفۃ بن الیمان، عمار بن یاسر اور سلمان فارسی کے نام ذکر کیے ہیں لیکن کسی سے بھی ترک رفع الیدین کا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ

امام بخاری اور ان کے اساتذہ جو کہ چوٹی کے محدث تھے ان کی تحقیق کے مطابق کسی ایک صحابی سے رفع الیدین چھوڑنا ثابت نہیں ہے بلکہ امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ سب رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''کوفہ کے مشہور تابعین جن سے محدثین نے احادیث لی ہیں (۱) سعید بن جبیر (۲) سفیان ثوری (۳) سفیان بن عیینہ (۴) سفیان بن دینار (۵) علامہ شعبی (۶) زبیر بن عدی (۷) سلیمان بن مہران الاعمش (۸) زھیر بن معاویہ (۹) حجاج بن حسان (۱۰) سالم ابن ابی الجعد وغیرہم جن کا شمار مشکل ہے۔''

## کیا کبار تابعین و تبع تابعین رفع الیدین نہیں کرتے تھے؟

**جواب:** ...... **اولاً:** سعید بن جبیر مشہور امام اور فقیہ ہیں وہ رفع الیدین کے عامل اور قائل تھے۔ جیسا کہ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۳۔ امام ترمذی سنن صفحہ ۳۵ ج ۱ اور امام بیہقی نے صفحہ ۷۵ ج ۲ میں ذکر کیا ہے نیز امام بخاری صفحہ ۱۰۔ پر لکھتے ہیں کہ حدثنا محمد بن یوسف ثنا سفیان عن عبدالملك قال سألت سعید بن جبیر عن رفع الیدین فقال هو شی تزین به صلوٰتك (یعنی عبدالملک کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے رفع الیدین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے ساتھ نماز خوبصورت ہوتی ہے)۔

**ثانیاً:** ...... سفیان ثوری کے متعلق پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ رفع الیدین کے منکر نہ تھے بلکہ قائل تھے۔

**ثالثاً:** ...... سفیان بن عیینہ مشہور امام ہیں وہ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری رفع الیدین صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں کہ ''محمد بن یحییٰ قال ما رأیت احدا من مشائخنا الا یرفع یدیه فی الصلوٰة قال البخاری قلت له سفیان کان یرفع یدیه قال نعم'' (یعنی محمد بن یحییٰ کہتے ہیں میں نے اپنے سب اساتذہ کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا سفیان رفع الیدین کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔)

**رابعاً:** ...... باقی جن کے نام لیے ہیں ان میں سے کسی سے بھی ترک رفع الیدین کا ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی مولوی صاحب کوئی جواب دے سکتے ہیں۔

**خامساً:** ...... زھیر بن معاویہ کا نام لیا ہے لیکن یہ تابعی نہیں ہے اس طرح سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ بھی تابعی نہیں ہیں۔ جس طرح کہ تقریب اور تہذیب سے ظاہر ہے اسی طرح سلیمان بن مہران الاعمش کا بھی کسی صحابی سے سماع نہیں ہے دعوی تو تابعین کے متعلق کرتے ہیں اور ذکر تابعین اور غیر تابعین کا کر جاتے ہیں یہ ان کی علمیت ہے؟

**سادساً:**...... حجاج بن حسان کو کوفی شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ بصری ہے (تقریب و تہذیب صفحہ ۲۰۰ ج ۲)

**سابعاً:**...... اگر تابعی وغیر تابعی، کوفی وغیر کوفی سب کو شمار کرتے ہیں تو پھر امام بخاری نے جزء رفع الیدین اور بیہقی نے سنن میں بہت سے اہل علم ذکر کیے ہیں۔

**ثامناً:** ...... خود کوفہ میں کئی علماء کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ وہ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ مثلاً سعید بن جبیر اور سفیان بن عیینہ جس طرح کہ اوپر ذکر ہوا۔ نیز علی بن مدینی کا قول گذرا کہ "ما رایت احدا من مشائخنا الا یرفع یدیہ یعنی میرے سب اساتذہ رفع الیدین کیا کرتے تھے اوران کے اساتذہ میں سے ابو اسامہ حماد بن اسامہ بھی ہے۔ (تہذیب صفحہ ۳۴۹ ج ۷) اور وہ کوفی ہے (تقریب) نیز امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۲۱۔ پر امام احمد بن حنبل سے ذکر کرتے ہیں کہ "رایت معتمر أ ویحییٰ بن سعید و عبدالرحمن واسماعیل یرفعون ایدیھم عند الرکوع واذا رفعوا رؤسھم" (یعنی میں نے معتمر، یحیٰی بن سعید، عبدالرحمٰن اور اسماعیل کو دیکھا کہ وہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے) سلیمان کوفی ہے (تقریب) ثابت ہوا کہ کوفہ میں بھی کئی علماء رفع الیدین کرتے تھے۔

صفحہ ۱۲۳:...... پھر لکھتے ہیں کہ "ان کے علاوہ امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف، محمد بن حسن الشیبانی، جو کہ اسلامی دنیا کے مانے ہوئے قانون اسلام کے ماہر ہیں کوفہ کے باشندے ہیں۔"

**جواب:**...... **اولاً:** ان تینوں کے متعلق جرح وتعدیل کے ائمہ نے جو ریمارکس دیئے ہیں وہ ذکر ہو چکے ہیں۔ باقی مولوی صاحب کے اعتقاد میں ہم دخل انداز نہیں ہوتے۔

**ثانیاً:**...... اوپر بحوالہ قیام اللیل للمروزی امام احمد بن حنبل کا قول ذکر ہوا کہ امام ابوحنیفہ کو علم حدیث کی کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے۔

**ثالثاً:**...... بیہقی صفحہ ۸۲ ج ۲ میں ہے کہ "حدثنا وکیع عربی عبارت کتاب صفحہ ۳۸۰ پر لابی حنیفۃ اھ تک

## امام عبداللہ بن مبارک اور امام ابوحنیفہ کا رفع الیدین کے متعلق مناظرہ

نیز یہ قصہ جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۱۱ کتاب السنۃ مصنفہ عبداللہ بن احمد بن حنبل صفحہ ۵۹ تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبۃ صفحہ ۶۶ ثقات لابن حبان صفحہ ۱۷ اج ۴ قلمی تاریخ بغداد صفحہ ۴۰۹ ج ۱۳۔ التمھید لابن عبدالبر

صفحہ ۲۲۹ ج ۹ اور نصب الرایہ صفحہ ۱۴۱۷ ج ۱۔ میں مذکور ہے۔ یعنی امام وکیع فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ بن مبارک اور امام ابوحنیفہ دونوں کوفہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن مبارک رکوع اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام ابوحنیفہ نے انہیں کہا کہ میں نے تمہیں دیکھا کہ کئی دفعہ ہاتھوں کو اٹھایا شاید کہ اڑنے کا ارادہ تھا۔ عبداللہ بن مبارک نے ابوحنیفہ کو کہا کہ میں نے بھی تمہیں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا شاید کے تمہارا بھی اڑنے کا ارادہ تھا۔ امام صاحب اس پر خاموش ہوگئے۔

**ناظرین!** ......عبداللہ بن مبارک کے جواب کے بعد امام صاحب کے خاموش رہنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ لاجواب ہوگئے۔ پھر ان کے پیچھے لگنے والے کیا جواب دے سکیں گے اور مولوی صاحب نے بیکار میں کاغذ سیاہ کیئے ہیں اور اس کی حقیقت پڑھنے والوں نے دیکھی اور دوسرا یہ کہ امام صاحب نے حق سمجھ کر قبول کیا یہی شان حق والوں کی ہوتی ہے۔ امام صاحب اگر حق والے تھے تو پھر خاموشی حق کو قبول کرنے کے لیے تھی۔ اب دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب اور ان کے ہم پیالہ بھائی امام صاحب کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ انہیں لاجواب سمجھ کر ان کی توھین قبول کرتے ہیں یا اس کو حق قبول کرنے پر محمول کرتے ہیں۔ پھر جب کہ کوفیوں کے امام نے ہی رفع الیدین کو قبول کیا اور قائل ہوئے تو پھر کون سا دوسرا کوفی ہوگا جس پر مولوی صاحب فخر کریں گے؟ باقی امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے حیدر آباد دکن (ہندوستان) میں ابو الوفاء حنفی کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے صفحہ ۲۰۔ ۲۱ پر رفع الیدین کا مسئلہ ہے لیکن نہ مرفوع حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا اثر۔ فقط ابراھیم نخعی کے اقوال ہیں اسی طرح امام محمد کتاب الآثار صفحہ ۹۱۔ طبع لاھور میں یہ باب مقرر کرتے ہیں کہ "باب افتتاح الصلوٰۃ ورفع الایدی والسجود علی العمامۃ" رفع الیدین کے متعلق اس باب میں فقط ابراھیم نخعی کے اقوال نقل کرتے ہیں اور اس طرح مؤطا محمد صفحہ ۱۷ سے ۷۳ اور کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ (جس کو کتاب الحجج بھی کہا جاتا ہے) صفحہ ۹۶۔ ۹۷۔ پر رفع الیدین نہ کرنے کے متعلق اپنے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی مرفوع حدیث نہیں ہے فقط علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی اثر لاتے ہیں اور دونوں کی سند ضعیف ہے دونوں میں ان کے استاد محمد بن ابان شدید ضعیف ہیں جس طرح کہ میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں ان کا ترجمہ مذکور ہے خود مولوی عبدالحئی لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۵۷ پر اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل سے اس کے متعلق جرح نقل کیں ہیں اور نیز امام محمد دونوں کتابوں میں علی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرا اثر بھی لائے ہیں جو کہ ابو بکر النھشلی

عن عاصم بن کلیب کے واسطہ سے ہے اور اس سند کا ضعیف ہونا بیان ہو چکا ہے اور ایک اثر ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں "حصین عن ابراھیم عن ابن مسعود انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ" اس روایت پر بھی بحث گزر چکی ہے کہ ضعیف ہے کیونکہ حصین متغیر الحفظ ہے اور ابراھیم نخعی کا ابن مسعود سے سماع ثابت نہیں ہے اس وجہ سے روایت ضعیف اور منقطع ہے نیز اس روایت میں افتتاح کے بعد رفع الیدین کا انکار بھی نہیں ہے اس کے علاوہ دونوں کتابوں میں ابراھیم نخعی کے اقوال ہیں یہ ہے امام محمد کی آخری بھاگ دوڑ۔ اس طرح سے کوفہ کے علم کا راز کھل گیا اور اس کی حد معلوم ہوئی اور دوسری طرف اثبات کے لیے مرفوع روایات موجود ہیں۔ جو کہ صحیح اور صریح ثابت ہیں۔ چنانچہ خود امام محمد موطا صفحہ ۶۹ باب افتتاح الصلوٰۃ کے آغاز میں امام مالک سے روایت لاتے ہیں کہ "اخبر نا مالك حدثنا الزهری عن سالم ابن عبدالله بن ان عبد الله بن عمر قال کان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه حذو منکبیه واذا کبر للرکوع رفع یدیه واذا رفع راسه من الرکوع رفع یدیه ثم قال سمع الله لمن حمده ثم قال ربنا لك الحمد" (یعنی عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے جب رکوع کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور سمع الله لمن حمده اور ربنا لك الحمد کہتے تھے) یہ سند مدنی ہے امام مالک مدینے کے امام دار الہجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں زہری مدنی سالم مدنی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدنی ہیں۔

اب ناظرین مدنی سند پر غور کریں کہ سند کتنی صاف اور صحیح ہے اور سب راوی اپنے وقت کے امام ہیں اور متن (حدیث کے الفاظ) واضح صاف اور صریح ہیں اور دوسری طرف اس کے مقابلے میں کوفی روایات پر غور کریں کہ نہ سند صحیح ہے نہ متن واضح ہے اس طرح سے کوفہ والوں کا وزن معلوم کریں اور حق وباطل کا فرق معلوم کریں باقی متعصب کو اگر ایسی وضاحت کے باوجود بھی شرح صدر نہیں ہوتی تو پھر یہ اس کی سعادت ہے کسی اور کا کوئی قصور نہیں ہے کہتے ہیں کہ "اندھے کے لیے تو بس اندھیرا ہے اگر چہ سورج نصف النہار پر ہو۔

پھر لکھتے ہیں کہ "ان سب بزرگوں کا عمل ہمارے لیے دلیل ہے مشعل راہ ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بہترین ہونے کی گواہی دی ہے فرمایا کہ "خیر امتی قرنی ثم الذین یلو نهم الخ"

**جواب:** ...... **اولا:** اس زمانہ میں وہ بھی ہیں جو رفع الیدین کے قائل اور عامل تھے۔ خاص طور پر مولوی صاحب کے ذکر کردہ لوگوں میں سے سعید بن جبیر اور سفیان بن عیینہ بھی ہیں۔ پھر مولوی صاحب رفع

الیدین کے خلاف کیوں لکھتے ہیں اور ان کو مشعل راہ کیوں نہیں بناتے جن کی تائید میں صحیح احادیث بھی ہیں۔

**ثانیاً:** ...... حافظ ابن قیم اعلام الموقعین صفحہ ۳۷۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ "وانظر الی العمل فی زمن رسول الله ﷺ والصحابة خلفه وهم یر فعون ایدیهم فی الصلوٰة فی الرکوع والرفع منه ثم العمل فی زمن الصحابة بعده حتی کان عبدالله بن عمر اذ راٰی من لا یرفعْ یدیه حصبه وهو عمل کان رای عین وجمهور التابعین یعمل به المدینة وغیرها من الامصار کما حکاه البخاری ومحمد بن نصر المروزی وغیرهما ثم صار العمل بخلافه" (یعنی اس عمل کی طرف دیکھو جو رسول اللہ اور صحابہ کرام کے زمانہ اور ان کے بعد لوگوں کے میں تھا کہ وہ نماز میں رفع الیدین کیا کرتے تھے رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے پھر یہی عمل صحابہ کرام کے زمانہ میں تھا یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کرتا تو اس کو کنکریاں مارا کرتے تھے اور یہ عمل ان کا آنکھوں دیکھا ہوا تھا اور جمہور تابعین، مدینہ اور دیگر شہروں میں اس پر عمل پیرا تھے۔ جس طرح کہ امام بخاری اور محمد بن نصر المروزی وغیرھما نے بیان کیا پھر اس کے بعد اس کے خلاف عمل شروع ہوا) ثابت ہوا کہ خیر القرون میں عمل رفع الیدین پر تھا۔ بعد میں اس کے خلاف ہوا۔ اس کے بعد مولوی صاحب یہ عنوان رکھتے ہیں کہ "حضرات غیر مقلدین کے دلائل اور ان کی حقیقت" اس عنوان سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب خود مقلد ہے پھر کس طرح دلیل بازی کرتا ہے اور دوسروں کے دلائل پر اعتراض کرتا ہے اور کس طرح سے تحقیق کرتا ہے؟ حالانکہ تقلید اور تحقیق دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جس طرح کہ پہلے آپ کی شامی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا۔ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین صفحہ ۴۵ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ "لا یجوز الفتوی بالتقلید لانه لیس بعلم والفتوی بغیر علم حرام ولا خلاف بین الناس ان التقلید لیس بعلم وان المقلد لا یطلق علیه اسم العالم وهذا قول اکثر الاصحاب (الحنابلة) وقول جمهور الشافعیة" (تقلید کے ساتھ فتویٰ جائز نہیں کیونکہ تقلید علم نہیں ہے اور بغیر علم کے فتویٰ حرام ہے اور لوگوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مقلد کو عالم نہیں کہا جاسکتا اور یہی قول اکثر اصحاب (حنابلہ) کا ہے اور جمہور شافعیوں کا بھی ہے) اور امام ابن جوزی تلبیس ابلیس صفحہ ۸۱ پر لکھتے ہیں کہ "اعلم ان المقلد علی غیر ثقة فیما قلد فیه وفی التقلید ابطال منفعة العقل لانه انما خلق للتأمل والتدبر وقبیح بمن اعطی شمعة یستضیء بها ان یطفئها ویمشی فی الظلمة واعلم ان عموم اصحاب المذاهب یعظم فی قلوبهم الشخص فیتبعون قوله من غیر تدبر بما قال وهذا عین الضلال؟ لان النظر یبتغی ان

یکون الی القول لا الی القائل، اور امام احمد فرماتے ہیں کہ "انظروا فی امر دینکم فان التقلید لغیر المعصوم عمی للبصیر (المیزان الکبری للشعرانی صفحہ ٦٢ ج ١) (یعنی اپنے دین کے معاملے میں غور سے دیکھو کیونکہ تقلید بصیرت والے کو بھی اندھا کر دیتی ہے) اس وجہ سے سلف صالحین اور ائمہ دین تقلید سے منع کرتے رہے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ "لا یقلدن احدکم دینہ رجلاً" الحدیث رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد للھیثمی صفحہ ١٨٠ ج ١٩) (یعنی اپنے دین کے معاملات میں کسی کی تقلید مت کرنا) چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں کہ کان رسول اللہ ﷺ امام المسلمین وسید العالمین اذا سئل عن شی فلا یجیب حتی یاتیہ الوحی من السمآء فاذا کان رسول رب العالمین لا یجیب الا بالوحی والا لم یجب فمن الجرأۃ العظیمۃ اجابۃ من اجاب برایۃ او قیاس او تقلید من یحسن الظن بہ او عرف اوعادۃ او سیاسۃ او ذوق اوکشف او منام او استحسان او حرص واللہ المستعان علی کل من یبدل دینہ انتھی (ایقاظ ھمم اولی الابصار للفلانی صفحہ ٩٩) (یعنی رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے امام اور جہان والوں کے سردار تھے جب بھی آپ سے سوال کیا جاتا تو آپ اس وقت تک جواب نہ دیتے جب تک کہ آسمان سے وحی نازل نہ ہو جائے اگر وحی آتی تو آپ جواب دیتے ورنہ نہیں یہ کتنی عظیم جرأت ہے کہ کسی شخص کی رائے قیاس کو لیا جائے یا جس کے بارے میں اچھا گمان ہو اس کی تقلید کی جائے جس کو وہ جانتا ہو۔ یا اس کی عبادت، یا سیاست یا ذوق یا کشف یا نیند یا استحسان یا حرص سے آگاہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان پر مدد فرمائے جو دین کو بدل دیتے ہیں) اور امام شافعیؒ کے خاص شاگرد امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی کتاب المختصر کے آغاز میں (علی ھامش کتاب الام صفحہ ٢ ج ١) فرماتے ہیں کہ "اختصرت ھذا الکتاب من علم محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ ومن معنی قولہ لا قربۃ علی من اراد مع اعلامیہ نھیہ عن تقلید وتقلید غیرہ لینظر فیہ لدینہ ویحتاط فیہ لنفسہ وباللہ التوفیق" اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ "لا تقلدنی ولا تقلدن مالکاً ولا الاوزاعی ولا النخعیْ ولا غیرھم وخذ الاحکام من حیث اخذوا اھ (المیزان الکبری للشعرانی صفحہ ٦٢ ج ١) (یعنی نہ میری تقلید کرنا نہ مالک، اوزاعی اور نخعی کی اور نہ کسی اور کی بلکہ وہاں سے احکام (شریعت) لے جہاں سے انہوں نے حاصل کیے اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ "حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی" (المیزان للشعرانی صفحہ ٥٨ ج ١) (یعنی جو شخص میری دلیل نہیں جانتا اس پر میری کلام

سے فتویٰ دینا حرام ہے اور ذکر ہو چکا ہے کہ دلیل معلوم کرنے کے بغیر کسی کا قول لینا تقلید ہے۔ ثابت ہوا کہ امام صاحب خود تقلید سے منع کرتے ہیں اور مقلد کو فتوی دینے سے منع کرتے ہیں۔ پھر مولوی صاحب نے اتنی بڑی کتاب لکھ کر اپنے امام کی مخالفت کیوں کی؟ اور حنفی مذہب کے مشہور امام طحاوی سے منقول ہے کہ "هل يقلد الا عصىٰ او غبى" (لسان الميزان صفحه ۲۸۰ ج ۲) (یعنی تقلید صرف متعصب اور غیر انسان کرتا ہے) اور حنفی مذہب کے شمس الائمۃ سرخسی اپنی کتاب المبسوط جو کہ فقہ حنفی کی مشہور جامع کتاب ہے۔ اس میں کتاب الوقف میں لکھتے ہیں کہ "ولو جاز التقليد كان من مضى من قبل ابى حنيفة مثل الحسن البصرى وابراهيم النخعى رحمهم الله احرىٰ ان يقلدوا" (یعنی اگر تقلید جائز ہوتی تو ان کی جاتی جو ابوحنیفہ سے پہلے حسن بصری ابراھیم نخعی وغیرھم گزر چکے ہیں وہ تقلید کیے جانے کے زیادہ لائق تھے)۔

**الغرض:** ...... اگر مولوی صاحب کو مقلد ہونے پر فخر ہے تو پھر ان کی دلیل بازی کا حال بھی وہ ہے جو کہ قارئین کرام دیکھ چکے ہیں۔ باقی جنہیں غیر مقلدین کہتا ہے یعنی جو تقلید نہیں کرتے۔ بلکہ خداداد علمی صلاحیت سے اپنی تحقیق کر کے دلائل سے حق معلوم کرتے ہیں ان کی دلیل بازی اور جوابات اور اعتراضات کو بھی قارئین نے دیکھا اور معلوم کیا کہ۔

شیر نیستان دیگر ست وشیر قالین دگر

تعجب ہے کہ صحیح احادیث جو کہ اصح الاسانید سے مروی صحیحین کی متفق علیہ یا وہ روایات جنہیں علم حدیث کے امام صحیح مانتے ہیں۔ ان پر مولوی صاحب باوجود مقلد کہلوانے کے اعتراض کرتے ہیں۔ عنقریب معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب نے ان احادیث پر اعتراض کر کے اپنی علمیت کا پردہ چاک کیا ہے کیونکہ پہاڑ سے ٹکرانے والے کا ہی سر پھوٹتا ہے۔ رفع الیدین کی نفی میں مولوی صاحب نے جو روایات پیش کی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں سب ضعیف اور ناکارہ ثابت ہوئیں اپنے خیال کے مطابق دلیلوں کا نمبر دس تک پہنچایا لیکن سب کا حال پڑھنے والوں نے دیکھا۔ اس کے علاوہ کسی بھی روایت میں واضح طور پر رفع الیدین کی نفی نہیں ہے۔ ایک روایت کے علاوہ باقی سب کا مفہوم یہی ہے کہ تکبیر اولی کے بعد باقی نماز میں رفع الیدین نہ کی جائے۔ یہ بات مولوی صاحب کے مذہب کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ احناف وتر کی قنوت میں اور عیدین کی تکبیرات میں رفع الیدین کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں نماز کے اندر ہیں اور تکبیر اولی کے بعد ہیں۔ یہ ہے ان کے استدلال کا حال جو کہ صحیح روایت پیش نہیں کر سکے اور جس کو ذکر کیا ہے وہ ان کے مذہب کے خلاف ہے اور ایک روایت جابر بن سمرہ والی جس کا مفہوم کچھ ہے تو مولوی صاحب پھر حقائق سے آنکھیں بند کر کے سب

محدثین کے خلاف کچھ اور مفہوم لے رہے ہیں آخر مقلد ہیں۔ دسویں دلیل نہ حدیث ہے نہ اثر، صرف کتابی نقل ہے۔ جس کو دلیل کا نام دیا ہے۔ جب مقلد کا استدلال ایسا ہے تو پھر اس کا دفاع اور جواب بھی ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ سب دلائل سے آنکھیں بند کر کے صرف تین دلیلیں لکھی ہیں۔ ان کے جو جواب لکھے ہیں ان میں سے ان کی علمیت کا پتہ پڑھنے والوں کو چل جائے گا، ان شاء اللہ۔

## ابوحمید الساعدی والی روایت

**پہلی دلیل**: ......ابوحمید الساعدی کی حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں ہے کہ دس صحابہ کرام کے درمیان میں ابوحمید الساعدی رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور رفع الیدین کا صریحاً ذکر کرتے ہیں اور سب صحابہ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ واقعتاً آپ اسی طرح نماز پڑھتے تھے یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے اور یہ اجتماع یقیناً نبی ﷺ کی وفات کے بعد ہے اور سب کی تصدیق سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ تا آخر حیات رفع الیدین کرتے رہے۔ ورنہ اگر آپ کبھی بھی چھوڑتے تو اس مجلس میں کوئی نہ کوئی صحابی ضرور بیان کرتا۔ اس سے احناف کا نسخ والا سوال رد ہوگیا ہے اور ائمہ حدیث اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں۔ امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۴ پر اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "سالت ابا عاصم عن حديث عبد الحميد بن جعفر فرفعه قال حدثنى عبدالله بن محمد عنه۔ اه" (یعنی میں نے ابو عاصم سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا جو عبدالحمید بن جعفر سے ہے تو انہوں نے مرفوع قرار دیا اور کہا کہ مجھے عبداللہ بن محمد نے ان سے بیان کی ہے) اور امام ترمذی اپنی سنن صفحہ ۴۰ ج ۱۔ "باب ماجآء فى وصف الصلوٰة" میں یہ حدیث لا کر فرماتے ہیں کہ "هذا حديث حسن صحيح" اور امام ابن حبان اس کو صحیح مانتے ہیں۔ چنانچہ اپنی صحیح صفحہ ۲۵۶ ج ۳ (بترتیب علاؤ الدين الفارسى) اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں اور صفحہ ۲۵۸ پر اس کو محفوظ قرار دیتے ہیں'' امام ابن العربی عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی صفحہ ۹۵ ج ۲۔ میں اس کو حسن کہتے ہیں اور امام ابوداؤد نے بھی اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی۔ بلکہ سکوت کیا ہے اور اس کی تائید میں اور اسناد پیش کی ہیں۔ آپ کے حنفی بھائی علامہ ظفر احمد عثانی تھانوی انھاء السکن صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ "ما سكت عنه ابو داؤد فهو صالح للاحتجاج به" (یعنی جس روایت سے ابوداؤد سکوت فرمائیں وہ قابل حجت ہے) اس کے بعد حافظ منذری، قاضی شوکانی، علامہ سیوطی اور امام نووی کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ احناف کے اصول کے مطابق ابوداؤد کے نزدیک بھی یہ روایت حسن یا صحیح ہے۔ بلکہ جب اس میں کوئی

معقول جرح نہیں ہے اور دیگر محدث بھی اس کو صحیح کہتے ہیں تو پھر اس صورت میں محدثین کے قاعدے کے مطابق ابو داؤد کا سکوت بھی اس کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے اور حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۲۲ ج ۲ (السّلفیہ) میں فرماتے ہیں کہ "وحديث ابی حميد الساعدی وحديث علی بن ابی طالب اخرجهما ابو داؤد وصححهما ابن خزيمه وابن حبان" (یعنی حدیث ابوحمید ساعدی اور حدیث علی بن ابی طالب کو ابو داؤد نے بیان کیا ہے اور اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے) اور علامہ عینی عمدۃ القاری صفحہ ۲۷۷ ج ۵ (المنیریہ) میں ابوحمید الساعدی اور علی رضی اللہ عنہما کی احادیث ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ "واخرج الحديثين ابن خزيمة وابن حبان وصححهما اه" (یعنی ان دونوں احادیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ذکر کیا اور صحیح کہا ہے) اور علامہ علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوۃ صفحہ ۲۶۲ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "وقال النووی اسناده على شرط مسلم ورواه ابن حبان صحيحه ذكره ميرك اه" (یعنی امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرائط پر ہے ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں ذکر کیا یہ بات میرک نے ذکر کی ہے) اور علامہ خطیب تبریزی مشکوۃ باب صفۃ الصلوۃ فصل ثانی میں یہ حدیث لا کر فرماتے ہیں کہ "وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح اه" (یعنی ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے) اور سید انور شاہ کشمیری نیل الفرقدین صفحہ ۲۴ پر کہتے ہیں کہ "رواه ابو داؤد والترمذی وصححه" (یعنی اس کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور صحیح کہا ہے) اور امام بغوی شرح السنۃ صفحہ ۱۳ ج ۳۔ میں بھی امام ترمذی سے صحت نقل کرتے ہیں اور امام ابن حزم المحلی صفحہ ۹۱۔۹۲ ج ۴ میں اس حدیث کو مانتے ہیں چنانچہ چند صحابہ کی احادیث لا کر فرماتے ہیں کہ "فهذه اثارة الظاهرة متواتره عن ابن عمر وابی حميد وابی قتاده ووائل بن حجرو مالك بن الحويرث وانس سواهم من اصحاب رسول الله ﷺ وهذا يوجب يقين العلم" (یعنی یہ اثار ظاہر اور متواتر ہیں ابن عمر، ابوحمید، ابوقتادہ، وائل بن حجر مالک بن حویرث انس اور دیگر اصحاب رسول اللہ ﷺ سے اور یہی علم یقین کو واجب کرتے ہیں) اور امام خطابی معالم السنن شرح ابی داؤد صفحہ ۱۹۴ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح اور حافظ ابن حجر التہذیب اور ابی داؤد صفحہ ۳۰۵ ج ۱۔ فی ذیل مختصر ابی داؤد للمنذری میں فرماتے ہیں کہ "حديث ابی حميد هذا حديث صحيح متلقی بالقبول لا علة له" (یعنی ابو حمید الساعدی کی یہ حدیث صحیح ہے اور سب نے اس کو قبول کیا ہے اس میں کوئی علت نہیں ہے) اور حافظ ابو زرعہ ابن العراقی طرح التثریب صفحہ ۲۶۳ ج ۲۔ میں فرماتے ہیں کہ رواه ابو داؤد والترمذی وابن حبان فی صحيحه وغيرهم وقال الخطابی هو حديث صحيح اه" (یعنی اس کو ابو داؤد

ترمذی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے) امام نووی شرح المھذب صفحہ ۴۴۷ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ "حدیث صحیح رواہ ابو داؤد والترمذی وغیر ھما بالاسانید الصحیحۃ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح اھ" (یعنی یہ حدیث صحیح ہے اس کو ابو داؤد ترمذی وغیرہ نے صحیح اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث حسن صحیح ہے) کچھ آگے چل کر امام بخاری سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں پھر کچھ آگے چل کر امام شافعی سے قول نقل کرتے ہیں کہ "وقد قال فی حدیث ابی حمید وبھذا اقول" اور امام عبدالحق الاشبیلی کتاب الاحکام الکبریٰ صفحہ ۵۷۔ ۵۸ ج ۲ (المصور) میں ابو داؤد اور ترمذی سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں حالانکہ ان کی شرائط مشہور ہیں۔ اپنی کتاب میں وہ حدیث لاتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے جس طرح کہ ترمذی سے اس کا حسن ہونا بھی نقل کرتے ہیں۔ اس طرح حافظ ابن ملقن البدرالمنیر میں فصل رفع الیدین میں اس کو صحیح ثابت کرتے ہیں اور امام بیہقی معرفۃ السنن والآثار میں اس کو صحیح ثابت کرتے ہیں۔

**الغرض:** ...... عام ائمہ حدیث امام شافعی بخاری، ابو داؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، خطابی، بیہقی، ابن حزم، بغوی، نووی، ابن ملقن ابن العربی، ابن القیم، ابن العراقی، التبریزی اور ابن حجر یہ تمام اس حدیث کے صحیح اور ثابت ہونے پر متفق ہیں۔ بلکہ آپ کے احناف بھی اس روایت کو صحیح مانتے ہیں جیسا کہ ملا علی قاری اور کشمیری صاحب سے نقل کیا گیا۔ بلکہ حافظ زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۳۰۹ ج ۱ میں اس کو دلیل بناتے ہیں پھر اتنے محققین کے مقابلے میں کون سا مقلد اٹھے گا اس کو ضعیف کرنے کیلیے۔ مگر ان شاء اللہ تفصیلی جواب سے معلوم ہوگا کہ مقلد تحقیق کے میدان کا مرد نہیں ہے بے چارے مولوی صاحب نے بعض مہربانوں کو خوش کرنے کے لیے اس حدیث کو ضعیف بنانے کی کوشش کی ہے لیکن بے سود ہے۔

**صفحہ ۱۲۴:** ......کل چار جواب ذکر کرتے ہیں۔ پہلا یہ کہ عبدالحمید بن جعفر جس کو سفیان ثوری یحییٰ بن سعید القطان اور نسائی ضعیف کہتے ہیں۔

**جواب:** ...... ان تینوں ائمہ نے آپ کے حنفی ائمہ پر زبردست جرح کی ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ پھر ان کی یہ جرح بھی قبول کریں گے اور جن اسناد میں آپ کے امام ہوں ان کو غیر صحیح کہیں گے اور اگر نہیں پھر اس راوی کو کیوں ضعیف کہتے ہو؟ جو آپ کے ائمہ کے لیے جواب ہوگا وہ یہاں پر بھی ہوگا انصاف کا تقاضا ہے کہ اگر آپ اپنے ائمہ کے حق میں ان کی جرح قبول نہیں کرتے تو پھر ہمیں بھی اجازت دیں کہ ہم اس راوی کے حق میں قبول نہ کریں اور اگر اس راوی کو ان اقوال کی بناء کی پر مجروح کہیں گے تو پھر آپ کے ائمہ بھی مجروح ہوں گے۔ پھر نقصان آپ کو ہوگا۔ کیونکہ آپ کے ائمہ ختم تو آپ کا مذہب بھی ختم، لیکن

ہمارے مسئلے کی بنیاد صرف اس ایک حدیث پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ کئی اور احادیث ہیں اور خود اس حدیث میں صرف ایک عبدالحمید بن جعفر نہیں ہے۔ بلکہ اسی حدیث کی دوسری اور بھی سندیں ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی جرح آپ کے لیے نقصان دہ ہے۔ وھو الثانی

**ثالثاً**:...... ان تینوں ائمہ کی جرح مبہم ہے اور اس کے مقابلے میں کئی ائمہ سے عبدالحمید بن جعفر کی توثیق منقول ہے جس طرح کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ایسی مبہم جرح جو توثیق کے مقابلے میں ہو وہ معتبر نہیں ہوتی چنانچہ حافظ ابن حجر لسان المیزان صفحہ ۱۵ ج ۱۔ میں لکھتے ہیں کہ الصواب التفصیل فان کان الجرح والحالة ھٰذاہ مفسرا قبل والا عمل بالتعدیل وعلیه یحمل قول من قدم التعدیل کالقاضی ابن الطیب الطبری وغیرہ فاما من جھل حاله ، ولم یعلم فیه سوٰی قول امام من ائمة الحدیث انه ، ضعیف او متروك او ساقط اولا یحتج به او نحوذ الك فان القول قوله ولا نطالبه بتفسیر ذالك اذ لو فسرہ کان غیر قادح لمعنعنا جھالة حال ذالك الرجل من الا حتجاج به کیف وقد ضعف فو جه قولھم ان الجرح لا یقبل الا مفسرا ھو من اختلف فی تو ثیقه وتجریحه کما شرحنا یؤیدہ قول ابن عبدالبر من صحت عدالته وثبتت فی العلم امامته وبانت ھمته وعنایته بالعلم لم یلتفت فیه الیٰ قول الا ان یأتی الجارح فی جرحه بینة عادلة یصح بھاجرحه علیٰ طریق الشھادات والعمل بما فیھا من المشاھدة لذالك ما یوجب قبوله۔ "

اور شرح نخبہ صفحہ ۱۱۱ پر ہے کہ والجرح مقدم علی التعدیل و اطلق ذالك جماعة ولکن محله ان صدر مبینا من عارف باسبابه لانه ان کان غیر مفسر لم یقدح فی من ثبتت عدالته وان صدر من غیر عارف بالا سباب لم یعتبر به ایضاً فان خلا المجروح عن التعدیل قبل الجرح فیه مجملا غیر مبین السبب اذا صدر من عارف علی المختار"

اور علامہ ظفر احمد عثمانی حنفی انھا السکن صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں کہ "اذا اجتمع فی الراوی جرح وتعدیل فان کان مبھمین یقدم التعدیل کما قد منا۔ وان کان الجرح مفسر اوالتعدیل مبھما قدم الجرح ھذا ھو الاصح عند الفقھآءِ واصو لیین و نقله الخطیب عن جمھور العلماء اہ " (یعنی جب راوی میں جرح اور تعدیل دونوں ہوں اور دونوں مبہم ہوں تو تعدیل مقدم ہوگی جس طرح کہ ہم نے مقدم کیا ہے اور اگر جرح مفسر اور تعدیل مبہم ہو تو جرح مقدم ہوگی یہی بات فقہاء اور اصولیین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے اس کو خطیب نے جمہور علماء سے نقل کیا ہے)۔

اور عبدالحمید بن جعفر کے متعلق کوئی بھی جرح مفسر کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔ بلکہ کئی ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔لہٰذا ایسی جرح معتبر نہیں ہے۔

**رابعاً**: ......مولوی صاحب نے بڑی خیانت کی ہے انہوں نے تہذیب کا حوالہ دیا ہے حالانکہ اس کتاب میں کئی ائمہ سے توثیقات ہوئی ہیں۔ چنانچہ امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ابن حبان، ابن سعد، ساجی اور ابن نمیر یہ سب انہیں ثقہ کہتے ہیں اور امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ محل الصدق اور ابن عدی کہتے ہیں کہ "ارجو انه لا باس به هو ممن يكتب حديثه" (یعنی مجھے امید ہے کہ ان کی کوئی پرواہ نہیں اور ان میں سے ہے جس کی حدیث لکھی جاسکتی ہے) پھر جس کے حق میں اتنی توثیق وارد ہو اس کے لیے ایسی مبہم جرح کس طرح قبول ہوگی؟

**خامساً**: ......سفیان ثوری کے متعلق مولوی صاحب نے جو نقل کیا ہے اس کی حقیقت اس طرح ہے "قال احمد ليس به باس سمعت يحيىٰ بن سعيد يقول كان سفيان يضعفه من اجل القدر (تهذيب صفحه ١١٢ ج٦) ثابت ہوا کہ امام سفیان ثوری کی عدالت میں کوئی قدح نہیں کرتے بلکہ ایک بدعت کی طرف نسبت کرتے ہیں لیکن اس کی طرف ان کا داعی ہونا ثابت نہیں ہے۔لہٰذا ایسے شخص کی روایت قبول ہے جس طرح کہ اوپر بیان ہوا۔

**سادساً**: ......تہذیب صفحہ۱۱۲ ج٦۔ میں ہے کہ قال ابن المديني عن يحيىٰ بن سعيد كان سفيان يحمل عليه وما ادري ما كان شانه وشانه" ثابت ہوا کہ یحییٰ بن سعید القطان اور ابن المدینی سفیان کی جرح کو کسی شمار میں نہیں لاتے تھے۔

**رابعاً**: ......یحییٰ بن سعید القطان کے متعلق مولوی صاحب نے نقل کیا ہے لیکن اوپر والے قول سے ثابت ہوا کہ امام یحییٰ خود جرح نہیں کرتے بلکہ سفیان سے نقل کرتے ہیں اور اس پر بھی بھروسہ نہیں کرتے۔ بلکہ اسی تہذیب میں یہ الفاظ ہیں "قال ابن ابی خیثمة عن ابن معين كان يحيىٰ بن سعيد يوثقه وكان ثوری يضعفه قلت ما تقول انت قال ليس بحديثه باس وهو صالح" اس قول سے تین باتیں ثابت ہوئیں، ایک تو یحییٰ بن سعید خود عبدالحمید کو ضعیف نہیں کہتے۔ بلکہ ثقہ کہتے ہیں دوسرا یہ کہ یحییٰ بن سعید سفیان کے ساتھ اس جرح میں موافق نہیں ہے۔ تیسری یہ کہ امام یحییٰ بن معین دونوں اقوال کے درمیان میں فیصلہ یہ دیتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے یعنی جرح ثابت نہیں ہے

**ثامناً**: ......امام نسائی سے نقل کرنے میں بھی مولوی صاحب نے خیانت کی ہے۔ کیونکہ صرف ایک قول نقل کیا ہے کہ "ليس بقوی" اور دوسرا قول مولوی صاحب نے نقل نہیں کیا۔ یہ بھی تہذیب میں مذکور ہے کہ

"قال النسائی لیس به باس " لہٰذا دونوں اقوال میں سے راجح وہ قول کہا جائے گا جس میں اس نے توثیق کی ہے کیونکہ یہ دوسرے عام محدثین کے قول کے موافق ہے اور ان کی جرح والا قول توثیق کے مقابلے میں ہے لہٰذا ذکر کردہ قاعدے کے مطابق قابل قبول نہ ہوگا۔

**الحاصل**:......عبدالحمید کے حق میں کوئی بھی جرح ثابت نہیں ہے۔ مولوی صاحب کا یہ اعتراض غلط ثابت ہوا۔ زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۱۴۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "واجاب البیهقی فی کتاب المعرفة فقال اما تضعیفه لعبد الحمید بن جعفر فمردود بان یحییٰ بن معین وثقه فی جمیع الروایات وکذالك احمد بن حنبل واحتج به مسلم فی صحیحه اه" (یعنی امام بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں جواب دیا ہے کہ عبدالحمید بن جعفر کو ضعیف کہنا مردود ہے کیونکہ یحیٰ بن معین نے تمام روایات میں ان کو ثقہ کہا ہے اور اسی طرح احمد بن حنبل نے بھی اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حجت لی ہے) اس کے علاوہ عبدالحمید بن جعفر بھی اکیلا نہیں ہے اس حدیث کی دوسری سندیں بھی ہیں جو امام بخاری نے جزء رفع الیدین صفحہ ۴ اور ابو داؤد صفحہ ۷۔ ۱۰۶ اور بیہقی نے سنن کبری صفحہ ۷۳۔ ۷۲ ج ۲۔ میں ذکر کی ہیں لہٰذا یہ عذر بالکل غلط ہے اور ایک سند بیہقی میں اس طرح سے ہے "اخبرنا ابو حازم الحافظ انبا ابو احمد الحافظ انبأ ابو العباس محمد بن اسحاق الثقفی ثنا عبید الله بن سعیدو محمد بن رافع قالا ثنا ابو عامر عبد الملك بن عمرو ثنا فلیح حدثنی عباس بن سهل قال اجتمع محمد بن مسلمة وابو حمید وابو اسید وسهل بن سعد فذکروا صلوٰة رسول الله ﷺ فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوة رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ قام فکبر ورفع یدیه ثم رفع یدیه حین کبر للرکوع ثم رکع ثم وضع یدیه علی رکبتیه وکان قابض علیهما ووتر یدیه فخاهما عن جنبیه ولم یصب راسه ولم یقنعه ثم رفع یدیه فاستوی قائما حتی اخذ کل عظم مو ضعه ثم سجد وامکن جبهته وانفه الحدیث (یعنی عباس بن سہل کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمۃ، ابوحمید، ابوسید اور سہل بن سعد اکٹھے ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید فرمانے لگے کہ میں تم میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کی نماز کو جاننے والا ہوں۔ بے شک رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور تکبیر کہی۔ پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا جب رکوع کے لیے تکبیر کہی پھر رکوع کیا پھر اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو تھاما اور اپنے ہاتھوں کی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھا اور آپ نے اپنا سر نہ زیادہ اٹھایا اور نہ ہی نیچے کیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا سیدھے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ گیا۔ پھر سجدہ کیا اور اپنی پیشانی اور

ناک کو ٹکایا) یہ حدیث امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں بھی نقل کی ہے "اخبر نا عبدالله بن محمد ثنا عبد الملك بن عمرو ثنا فليح بن سليمان حدثنی عباس بن سهل فذكره" اس روایت میں عبدالحمید بن جعفر نہیں ہے۔ جس سے مولوی صاحب ڈرتے ہیں اور نہ ہی اس میں محمد بن عمرو بن عطاء ہے۔ جس کے لیے اضطراب کا ذکر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اب تو ان کے تمام عذر ختم ہو گئے اسلام کا تقاضا ہے کہ اب قبول کیا جائے۔ دوسرا اعتراض اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "اس کی سند میں اضطراب وگڑ بڑ ہے اس سند کے راوی محمد بن عمرو بن عطاء ایک وقت اس طرح کہتے ہیں کہ میں نے خود حضرت ابو حمید الساعدی سے سنا (ابو داؤد صفحہ ۱۰۲ ج ۱) کبھی کہتے ہیں کہ میں نے عباس بن سہل الساعدی کے واسطہ سے ابو حمید سے یہ حدیث لی ہے۔ (ابو داؤد صفحہ ۱۰۷ سنن کبری صفحہ ۱۰۱ ج ۲)

**الجواب اولاً:**...... پہلی ایک سند کے علاوہ باقی ایک سند ہے جس کو مولوی صاحب دو سندیں شمار کرتے ہیں جیسا کہ ابو داؤد صفحہ ۱۰۷ پر ہے حدثنا علی بن حسين بن ابراهيم نا ابو بدر حدثنی زهير ابو خيثمة ثنا الحسن الحراسانی حدثنی عيسىٰ بن عبدالله بن مالك عن محمد بن عمرو بن عطاء احد بنی مالك عن عباس او عياش بن سهل الساعدی انه كان مجلس كان فيه ابو وكان اصحاب النبی ﷺ وفی المجلس ابوهريرة وابو حميد الساعدی وابو اسيد بهذا الخبر اه" اسی طرح بیہقی صفحہ ۱۰۱ ج ۳ میں ہے۔ یہ ایک ہی راوی یعنی سہل بن سعد الساعدی کا فرزند ہے جس کے متعلق راوی کو شک ہے کہ عباس ہے یا عیاش لیکن صحیح عباس ہے۔ اس میں نہ اضطراب ہے اور نہ گڑ بڑ۔ کیوں کہ محمد بن عمرو بن عطاء خود سماع کی تصریح کرتا ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد میں ہے کہ "سمعت ابا حميد الساعدی فی عشرة من اصحاب رسول الله ﷺ" اور جزء رفع الیدین بخاری صفحہ ۴ پر ہے کہ "قال شهدت ابا حميد فی عشرة من اصحاب النبی ﷺ" یعنی وہ خود اس مجلس میں حاضر تھا۔ پھر ان کے بیٹے سے بھی یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد سہل بن سعد الساعدی بھی اس وقت مجلس میں موجود تھا۔ یہ دراصل روایت کو مزید قوت حاصل ہوتی ہے۔

**ثانیاً:** ...... اگر اختلاف تسلیم کیا جائے۔ تب بھی اصل روایت راجح ہوگی۔ جس میں راوی کی زیادتی نہیں ہے۔ شرح نخبہ صفحہ ۶۲ پر ہے "وان كانت المخالفة بزيادة راو فی اثناء الاسناد ومن لم يزدها اتقن ممن زادها فهذا هو المزيد فی متصل الاسانيد وشرطه ان يقع التصريح بالسماع فی موضع الزيادة والافمتی كان معنعنا مثلاً ترجحت الزيادة" یہاں پر دو

شرطیں مذکور ہیں ایک تو جو راوی سند کے درمیان میں دوسرا راوی نہیں بڑھاتا۔ وہ بڑھانے والے سے پکا اور پختہ ہے۔ دوسرا یہ کہ بڑھانے والے راوی کی سند میں بڑھائے ہوئے راوی سے سماع کی تصریح نہیں ہے۔ بلکہ عن عن سے روایت کی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد صفحہ ۱۰۷۔ ''پر عن محمد بن عمرو بن عطاء احد بني مالك عن عباس او عياش بن سهل الساعدى " الخ۔ اسی طرح بیہقی صفحہ ۱۰۱ ج ۲ میں ہے لہٰذا یہ زیادتی والی روایت مرجوح اور جس روایت کو محمد بن عمرو براہ راست ابوحمید سے نقل کرتے ہیں وہ راجح ہوگی۔ خود امام بیہقی صفحہ ۱۰۳ ج ۲ میں زیادتی والی روایت لاکر فیصلہ دیتے ہیں کہ "والصحيح ان محمد بن عمرو بن عطاء قد شهده من ابى حميد الساعدى " (یعنی صحیح بات یہ ہے کہ محمد بن عمرو بن عطا نے خود ابوحمید الساعدی سے یہ روایت لی ہے) اور حافظ ذہبی المهذب في اختصار سنن الكبير صفحه ٤١ ج٢ میں زیادتی کے بغیر روایت لاتے ہیں۔ جس میں محمد بن عمرو بن عطاء براہ راست ابو حمید سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد عباس بن سہل کے واسطہ سے روایت لاکر فیصلہ دیتے ہیں کہ "والاوّل اصح " (یعنی پہلی زیادہ صحیح ہے) قارئین! بغیر زیادتی والی روایت کا راجح ہونا چند وجوہات کی بناء پر ہے۔

**اوّل**:...... یہ کہ خود ابوحمید کے واسطہ کی تصریح کر کے کہتے ہیں کہ "سمعت ابا حميد" (یعنی میں نے ابوحمید سے سنا) بلکہ حاضر ہونے کی تصریح کر کے کہتے ہیں کہ "شهدت ابا حميد " (یعنی میں ابوحمید کے پاس تھا) جیسا کہ اوپر گذرا وھو الثانی ، والثالث بغیر زیادتی والی روایت کا محمد بن عمرو سے ناقل عبدالحمید بن جعفر ہے جس کی تصدیق ائمہ جرح وتعدیل نے کی ہے۔ کسی کی بھی ان پر جرح ثابت نہیں ہوئی اور زیادتی والی روایت محمد بن عمرو سے نقل کرنے والا عیسی بن عبداللہ بن مالک ہے۔ جو عبدالحمید کے برابر نہیں ہے۔ فقط ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن المدینی نے انہیں مجہول کہا ہے۔ کما فی التہذیب صفحہ ۲۱۷ ج ۸۔ لہٰذا اوثق راوی کی روایت راجح ہوگی۔ اس وجہ سے اضطراب کی صورت نہ رہی شرح نخبہ صفحہ ۶۴ پر ہے۔ "وان كانت المخالفة بابداله اى الراوى ولا مرجح لا حدى الروايتين على الاخرىٰ فهذا هو المضطرب " علامہ علی قاری شرح نخبۃ صفحہ ۱۴۰ میں لکھتے ہیں کہ "واما ان ترجحت احديهما بان يكون راويهما احفظ او اكثر صحبة للمروى عنه فالحكم للراجحة ولا يكون راجح مضطربا " اور مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۴۴ پر ہے۔ المضطرب من الحديث هو الذى تختلف الرواية فيه فيرويه بعضهم على وجه وبعضهم على وجه اخر مخالف له فانما تسميه مضطربا اذا تساوت الروايتان اما اذا ترجحت احدا هما بحيث لا

تقاومها الاخری بان یکون راویها احفظ او اکثر صحبة للمروی عنه او غیر ذالك من وجوه الترجیحات المعتمدة فالحکم للراجحة ولا یطلق علیه حینئذ وصف المضطرب ولا له حکمة " اور یہاں پر دونوں سندوں میں تساوی اور برابری نہیں ہے بلکہ بغیر زیادتی والی تحقیق کے مطابق اور قواعد محدثین تلاش کر کے اس دوسری روایت سے راجح ہے۔ لہٰذا روایت مضطرب نہ کہی جائے گی۔ بلکہ راجح ہی قبول رہے گی اور مرجوح لغایۃ اس کے لیے تائید بنے گی نہ کہ اس کا مقابلہ کرے گے۔

**الغرض:**...... مولوی صاحب کا یہ اعتراض بھی بے کار رہا۔ بے چارے مقلد محدثین کے قواعد کو کیا جانے پھر اس طرح کہلاتے ہیں کہ ''غالباً ان کمزوریوں کی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کو پسند نہیں کیا اور بخاری شریف صفحہ ۱۱۴ ج ا۔ میں جب اسی صحابی ابوحمید الساعدی سے یہ حدیث بیان ہوئی ہے وہاں پر رفع الیدین رکوع کرتے وقت کا بیان نہیں ہے۔

**جواب:**...... **اوّلاً:** امام بخاری نے اپنی کتاب میں سب احادیث ذکر نہیں کیں اور صحیح میں رفع الیدین کے متعلق دو صحابہ ابن عمر اور مالک بن حویرث کی احادیث لائے ہیں اور خود فرماتے ہیں کہ "ما ادخلت فی کتابی الجامع الا ماصح وترکت من الصحاح لحال الطوال " (تاریخ بغداد صفحہ ۹ ج ۲) (یعنی میں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں صرف صحیح احادیث لکھی ہیں اور بہت سی صحیح احادیث طوالت کے ڈر سے رہنے دی ہیں) بلکہ آپ نے صحیح میں "باب الی این یر فع یدیه" میں معلق طور پر لائے ہیں اور رسالہ جزء رفع الیدین میں لا کر اس کی تصحیح کی ہے۔

**ثانیاً:** ...... مولوی صاحب خود اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر بتائیں کہ انہوں نے جو دس دلائل سمجھ کر نقل کیے ہیں کیا ان میں سے کوئی ایک بخاری شریف میں ہے؟ ہرگز نہیں! پھر کون سا ناک لے کر اس قسم کا اعتراض کر رہے ہیں۔ بخاری شریف میں ابوحمید کی حدیث تعلیقا موجود ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صحابہ کی احادیث اس میں موجود ہیں اور تمہارے مذہب کا تو اس میں نشان ہی موجود نہیں۔ وهو الثالث .

**رابعاً:** ...... جب کہ امام بخاری جزء رفع الیدین میں اس حدیث کی تصحیح کر چکے ہیں اور اس سے حجت لیتے ہیں تو پھر مولوی صاحب کا یہ سارا کچھ لکھنا جھوٹ کہا جائے گا۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''خود امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہوتی تو رسالہ رفع الیدین میں اس کو ضرور بیان کرتے۔''

**جواب:**...... یہ مولوی صاحب کا صاف جھوٹ ہے خود شاید کہ جزء رفع الیدین نہیں دیکھا۔ صرف رسائل کو

تلاش کرتے رہے ہیں۔ جس طرح کہ کہا جاتا ہے ..........) بے چارے مقلد پر کیا معیار ہے کیونکہ وہ بے چارہ طفل ہے۔ بحمد للہ یہ روایت چاروں استاد کے ساتھ امام بخاری کے رسالہ میں موجود ہے صفحہ ۴ طبع دھلی، صفحہ ۵۔ ۶ (مطبعہ خیریہ مصر برھامش جزء قراۃ) صفحہ ۵۔ ۶ مطبعہ مقبول عامہ لاھور دیکھنا چاہیے۔ جب مولوی صاحب کو کتب کا کوئی علم نہیں ہے تو پھر خود کو تصنیف کی تکلیف میں ڈال کر خواہ مخواہ ذلیل کیوں کر رہا ہے؟ ہمیں ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ قرآنی فیصلہ ہے کہ ﴿وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ (الحج)

تیسرا نمبر اعتراض:...... یہ کرتے ہیں کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے اور مولانا محمد عمر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ ابن مسعود کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس حدیث اور دوسری احادیث مثبت رفع الیدین میں کوئی بھی منافات اور مخالفت نہیں ہے۔ کیونکہ ان احادیث میں ایک زیادتی آئی ہے جو کہ ابن مسعود کی حدیث میں نہیں ہے اور ثقہ راویوں کی زیادتی بالاتفاق قبول ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ ''چونکہ ابوداؤد اور نسائی کی صحیح حدیث میں سجدے میں رفع الیدین کرنا آیا ہے لہٰذا ابوحمید کی روایت پر بھی یہ زیادتی کرنا بالاتفاق قبول ہے۔''

**جواب:** ...... **اولاً:** اس اعتراض کی بنیاد اس بات پر ہے کہ رفع الیدین کے متعلق جو مثبت احادیث ہیں ان کے راوی ثقہ ہیں اور ان میں ابن مسعود کی حدیث سے جو زائد رفع الیدین ہے۔ وہ ثقہ کی زیادتی ہے لہٰذا بالاتفاق قبول ہے۔ اب ہم مولوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ دل تھام کر بتائیں کہ وہ اس بنیاد کو قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبول کرتے ہیں تو رفع الیدین ثابت ہوا اور مولوی صاحب نے اس کے متعلق جو کاغذ سیاہ کیے ہیں۔ وہ سب ضائع ہوگئے اور صحیح احادیث کو رد کرنے کی کوشش کی۔ وہ بھی باطل ہوئی اور بحث آخری منزل کو پہنچی اور اگر اس بنیاد کو ہی تسلیم نہیں کرتے تو پھر ایسا اعتراض کیوں پیش کیا؟ کیونکہ "البناء علی الباطل باطل۔" وھو الثانی.

**ثالثاً:** ...... جس روایت کا مولوی صاحب نے ابوداؤد اور نسائی کا حوالہ دیا ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے چوتھے اعتراض کے جواب میں نقل کیا جائے گا جہاں پر مولوی صاحب نے سند ذکر کی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ.

**رابعاً:** ...... اگر مولوی صاحب یہ زیادتی قبول کرتے ہیں تو پھر انہیں اصل روایت ابوحمید والی بھی قبول کرنی پڑے گی کیونکہ اگر یہ بھی قابل قبول نہیں ہے تو پھر زیادتی کس چیز کی؟

**الغرض:** ...... یہ اعتراض مولوی صاحب ہی کی گردن میں پڑ گیا جس طرح کہا جاتا ہے کہ ''آئی بالیاں لینے کے لیے اور کان کٹوا گئی۔'' ــــــ

صفحہ ۱۲۵:...... چوتھے اعتراض میں ضرب الیدین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "من عرف الشی حجة علی من لم یعرف" جاننے اور پہنچاننے والوں کا قول اس سے مقدم ہے جو جانتا پہچانتا نہیں۔ پر لکھتے ہیں کہ ابوحمید ساعدی کی اس حدیث سے حضرت ابن عباس کی حدیث مقدم ہے اور حجت ہے۔ کیونکہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سجدہ میں رفع الیدین کو نہیں جانتے لہٰذا جاننے والے کا قول نہ جاننے والے پر حجت ہوا اور مقدم ہوا۔

**جواب:...... اولاً:** ابوحمید کے نہ جاننے کا سوال ہی نہیں ہے بلکہ وہ صحابہ کی مجلس میں صاف انکار کرتے ہیں کہ آپ سجدہ میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے اور مجلس میں سے کوئی بھی صحابی اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ سب صحابہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لہٰذا اس قاعدے کے استعمال کا مولوی صاحب کو کوئی حق نہیں پہنچتا بلکہ یہ ان کی واضح اور کھلی جہالت ہے جو قاعدے کو برمحل ذکر نہیں کیا۔

**ثانیاً:**...... ابوحمید ساعدی کی حدیث بالکل صحیح ہے. جس طرح کے پہلے تحقیق کی گئی اور ائمہ حدیث کے فیصلے نقل کیے گئے اور ابن عباس کی یہ سجدہ والی روایت ضعیف ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ لہٰذا ضعیف روایت کو ہاتھ میں لے کر صحیح حدیث پر حملہ کرنا مقلد کی شان ہی ہوسکتی ہے نہ کہ محقق کی۔

**ثالثاً:**...... علی التقدیر اس روایت کو صحیح مانا جائے۔ تب بھی ابوحمید کی ساری حدیث کے معارض نہ ہوگی۔ صرف ایک جملہ کے معارض ہوگی۔ جس میں سجدے میں رفع الیدین کی نفی ہے۔ لہٰذا تعارض کس چیز کا؟ اور مولوی صاحب ابن عباس کی روایت کو باوجود ضعیف ہونے کے مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ بھی سجدے میں رفع الیدین مقدم سمجھتے ہیں اور رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین سے کس طرح مقدم ہوگی۔ کیونکہ ابن عباس والی روایت میں اس رفع الیدین کی کوئی نفی نہیں ہے لہٰذا اگر اس کو مقدم سمجھتے ہیں تو پھر چاہے سجدے میں بھی رفع الیدین کرے۔ لیکن رفع الیدین کا انکار کس بنیاد پر کرتا ہے؟ وھوالرابع

اس کے بعد ابن عباس کی روایت سجدے میں رفع الیدین کے متعلق اس طرح بحوالہ نسائی صفحہ ۱۱۴ ج ا نقل کرتے ہیں: اخبرنا موسی بن عبدالله بن موسی البصری قال حدثنا النضر بن کثیر ابو سهل بن الا زدی قال صلی الی جنبی عبد الله بن طاؤس بمنی فی مسجد الخیف فکان اذا سجد السجدة الا ولی فرفع راسه منهارفع یدیه تلقاء وجهه فانکرت انا ذالك فقلت لوهیب بن خالد هٰذا یضعه فقال عبدالله بن طاؤس رایت ابی یصنعه وقال ابی رایت ابن عباس یصنعه وقال عبدالله بن عباس رایت رسول الله ﷺ یصنعه .

**جواب:** ...... **اولاً:** اس سند میں نضر بن کثیر ہے۔ جو کہ ضعیف ہے۔ جس طرح کہ تقریب میں لکھا ہوا ہے اور تہذیب صفحہ ۴۴۴ ج ۱۰ میں ہے "قال ابو حاتم شیخ فیه نظر وقال الدار قطنی فیه نظر وقال ابن حبان یروی الموضوعات عن الثقات لا یجوز الا حتجاج به بحال وضعفه علی ابن الحسین والد و لابی والعقیلی وغیر هم" (یعنی ابو حاتم اور دارقطنی کہتے ہیں کہ اس میں گڑ بڑ ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ثقہ سے موضوعات بیان کرتا ہے اس سے حجت لینا جائز نہیں کسی بھی حالت میں اور اس کو علی بن حسین ودولابی اور عقیلی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے) اور میزان صفحہ ۲۳۵ ج ۳۔ میں ہے "وقال البخاری عنده مناکیر اه" (یعنی بخاری فرماتے ہیں کہ اس کے پاس مناکیر ہے) آپ کا حنفی بھائی خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود صفحہ ۴۶۱ ج ۴ میں اس کو ضعیف راوی مانتا ہے۔ ایسے شخص کی روایت پر اعتبار کرنا یا اس کو حجت بنانا بالکل غلط ہے امام بخاری تاریخ صغیر صفحہ ۲۰۵ پر فرماتے ہیں کہ النضر بن کثیر ابو سهل البصری روی عن ابن طائوس فی رفع الایدی وقال مرة اراه ذکره عن النبی ﷺ عنده مناکیر اه" (نضر بن کثیر ابو سہل بصری ابن طاؤس سے روایت کرتا ہے رفع الیدین کے بارے میں اور بعض اوقات بلا واسطہ نبی ﷺ سے اس کے پاس مناکیر ہیں) امام بخاری کی اس کلام سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو اس روایت کا مرفوع ہونا مشکوک ہے دوسرا یہ کہ یہ روایت نضر بن کثیر کی منکر روایات میں سے ہے۔

**ثانیاً:** ...... بقول مولوی صاحب ابوحمید سجدے کے وقت رفع الیدین کو نہیں جانتے اور ابن عباس جانتے ہیں اس وجہ سے ان کی روایت کو مقدم کہتے ہیں۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ابن عباس رکوع اور اس سے سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین کو جانتے تھے یا نہیں؟ اگر جانتے تھے تو پھر یہ بھی ابوحمید کی حدیث کے موافق ہوئے اور اگر نہیں جانتے تو پھر تمہارے فیصلے کے مطابق ابوحمید کی حدیث مقدم کہی جائے گی اگر مولوی صاحب کے دل میں انصاف کا ذرہ ہے تو ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

انصاف ہو کس طرح کہ دل صاف نہیں ہے
دل صاف کس طرح کہ انصاف نہیں ہے

**صفحہ ۱۲۶:** ...... مولوی صاحب اس روایت کے لیے ابوداؤد کے دو حوالے دیتے ہیں لیکن ابوداؤد صفحہ ۱۰۸ میں سند اس طرح ہے "حدثنا قتیبة بن سعید ومحمد بن ابان المعنٰی قالا نا النضر بن کثیر یعنی سعدی قال صلی الی جنبی عبدالله بن طائوس فذکره" اور اس سند میں بھی وہی نضر بن کثیر ہے اور ابوداؤد اور نسائی کی دونوں سندوں کا مدار یہی ایک راوی ہے جس کا سخت ضعیف ہونا

اوپر بیان ہو چکا ہے۔

فرق آنکھوں میں نہیں فرق ہے بینائی میں
عیب بیں عیب ہنر مند ہنر دیکھتے ہیں

**صفحہ ۱۲۷**: ...... لکھتے ہیں کہ ''رکوع میں رفع الیدین کرنے کے لیے ضعیف حدیث پیش کی گئی اس کے جواب میں سجدہ میں رفع الیدین کرنے کے لیے صحیح حدیث پیش کی گئی۔''

**جواب**: ...... **اوّلاً**: مولوی صاحب کا یہ دعوی غلط ثابت ہوا۔ بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ یہ مولوی صاحب کی علیت ہے جو صحیح کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح کہتے ہیں۔

**ثانیاً**: ...... اگر سجدے والی روایت کو مولوی صاحب صحیح مانتے ہیں تو پھر اس کے مطابق عمل کیوں نہیں کرتے اور اپنے متبعین کو اس پر عمل کیوں نہیں کراتے۔ ورنہ خواہ مخواہ لاف زنی سے پرہیز کریں۔

پھر لکھتے ہیں کہ ''سجدہ میں رفع الیدین ثابت ہوا پھر بھی سراسر جھوٹا بہتان حضرات احناف پر لگایا جاتا ہے کہ یہ حدیث کے انکاری ہیں۔''

**جواب**: ...... اگر یہ جھوٹا بہتان ہے تو پھر ابن عباس کی اس روایت کو صحیح مانتے ہوئے بھی اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اگر آپ حقیقت میں حدیث کے انکاری نہیں ہیں تو پھر جس کو صحیح مانتے ہو اس پر عمل کرو۔ ورنہ ہم مجبوراً کہیں گے۔

یوں تو روز کیا کرتے ہیں اقرار وفا
وقت آتا ہے تو صاف مکر جاتے ہیں

پھر بے حجاب ہو کر لکھتا ہے کہ ''اب جواب سجدے میں رفع الیدین نہ کرنے کا غیر مقلد حضرات کی طرف سے دیا جائے گا وہی جواب سجدہ اور رکوع میں رفع الیدین نہ کرنے کا احناف حضرات کی طرف سے ہوگا۔''

**جواب**: ...... ہمارا جواب واضح ہے کہ سجدے والی روایت صحیح نہیں ہے اور اس کا ضعیف ہونا ہم نے بیان کر دیا ہے۔ لیکن مولوی صاحب کیا جواب دیں گے؟ ابو حمید کی روایت کو ضعیف نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جس کو سب محدث صحیح کہیں، اس کے مقابلے میں مولوی صاحب کی کون سنے گا اور خواہ مخواہ اس کو ضعیف کہے گا اور اپنے ہاتھوں سے نہیں اترے گا تو بھی ہمارے پاس دوسری بہت سی احادیث ہیں۔ لہٰذا یہ جواب مولوی صاحب کی طرف سے نہیں بنے گا۔

**الغرض**: ...... مولوی صاحب کے سب اعتراض رد کیے گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابو حمید والی روایت ان سے سلامت رہی اور امام ابن خزیمہ اپنی صحیح صفحہ ۲۹۸ ج ۱۔ میں ابو حمید کی حدیث لا کر فرماتے ہیں کہ

"سمعت محمد بن یحییٰ (الذھلی) یقول من سمع ھذا الحدیث ثم لم یرفع یدیه یعنی اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع فصلوٰته ناقصة" یعنی جس نے ابوحمید کی یہ حدیث سننے کے بعد رفع الیدین نہ کی، رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اس کی نماز ناقص ہے۔

دوسری دلیل بخاری کے حوالہ سے ابن عمر کی روایت ذکر کرتے ہیں؛ یہ حدیث یہ ہے کہ جس کی صحت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم دونوں اس کو ذکر کرنے پر متفق ہیں۔ ایسی متفق علیہ روایت صحیح حدیث کی پہلی قسم ہے۔ چنانچہ تدریب الراوی صفحہ ۳۷ میں ہے "الصحیح اقسام متفاوتة بحسب تمکنه من شروط الصحة وعدمه اعلٰها ما اتفق علیه البخاری ومسلم" (یعنی صحیح کی درجات کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہیں جو کہ شروط صحت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ وہ قسم ہے جس پر بخاری ومسلم متفق ہو) نیز صفحہ ۴۱ میں ہے کہ "وقد قال امام الحرمین لو حلف الانسان بطلاق امراته انما فی الصحیحین مما حکما بصحته من قول النبی صلی الله علیه وسلم لما الزمته الطلاق لا جماع المسلمین علی صحته اه" (یعنی اگر کوئی انسان قسم اٹھائے کہ میری بیوی کو طلاق ہے اگر بخاری ومسلم میں تمام احادیث رسول ﷺ حکمی لحاظ سے صحیح نہ ہوں تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ مسلمانوں کا ان کی صحت پر اجماع ہے) نیز یہ روایت اس سند سے ہے۔"الزھری عن سالم عن ابیه" اور حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۲۱ قلمی میں فرماتے ہیں کہ "قال البردیجی اجمع اھل النقل علی صحة حدیث الزھری عن سالم عن ابیه اھ" (یعنی البردیجی کہتے ہیں کہ اہل نقل کا اجماع ہے کہ حدیث زہری عن سالم عن ابیہ صحیح ہے) ثابت ہوا کہ اس کی سند کی صحت پر اجماع ہے اور امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں کہ "سمعت ابا الولید الفقیه غیر مرة (یقول سمعت محمد بن سلیمٰن بن خالد المیدانی) یقول سمعت اسحاق بن ابراھیم الحنظلی یقول اصح الا سانید الزھری عن سالم عن ابیه" (یعنی میں نے ابوالولید فقیہ سے کئی بار سنا (وہ کہتے تھے میں نے محمد بن سلیمان بن خالد المیدانی سے سنا) وہ کہتے تھے میں نے محمد بن سلیمان بن خالد المیدانی) سے سنا وہ کہتے تھے میں نے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی سے سنا وہ کہتے تھے کہ سب سے زیادہ صحیح سند جو زہری سالم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کریں) نیز امام ترمذی صفحہ ۳۵ ج۱۔ میں فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عمر حسن صحیح، (یعنی ابن عمر کی حدیث حسن صحیح درجہ کی ہے) اور امام عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ قد ثبت حدیث من یرفع وذکر حدیث الزھری عن سالم عن ابیه" (یعنی رفع الیدین کرنے کی حدیث ثابت ہے اور انہوں حدیث زہری جو سالم اور وہ اپنے باپ سے بیان

کرتے ہیں ذکر کی) نیز اس حدیث کو ائمہ ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود اور ابن عوانہ سب اپنی اپنی صحیح میں اس روایت کو لائے ہیں اور امام ابن خزیمہ صفحہ ۲۹۴ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ "سمعت المخذومی یقول ای اسناد اصح من ھذا اہ" سمعت محمد بن یحییٰ یحکی عن علی بن عبداللہ قال قال سفیان ھذا الا سناد مثل ھذہ الاستوانۃ اہ (یعنی میں نے مخزومی سے سناوہ کہتے تھے کہ اس سند سے زیادہ کوئی صحیح نہیں میں نے محمد بن یحییٰ سے سناوہ بیان کرتے تھے علی بن عبداللہ کہتے ہیں کہ سفیان نے کہا کہ یہ سند اس ستون کے طرح مضبوط ہے) اور حافظ ابن الملقن البدر المنیر میں رفع الیدین کی فصل میں لکھتے ہیں کہ "وقال البیھقی فی خلافیاتہ روی الحاکم ابو عبداللہ عن ابی الحسن بن عدد عن عثمان بن سعید الدارمی قال سمعت علی بن المدینی یقول فی حدیث سفیان ھٰذا عن الزھری عن سالم عن النبی ﷺ قال سفیان حفظتہ عن الزھری کما انک ھٰھُنا قال علی بن المدینی ھٰذا الحدیث عندی حجۃ علی الخلق علیٰ کل من سمعہ فعلیہ ان یعمل بہ لانہ لیس فی اسنادہ شی قال علی بن المدینی لم ازل اعمل بہ منذ انا صبی قال الدارمی وبہٖ نأخذ قال ابو الحسن وبہ نأخذ وقال الحاکم وبہٖ نأخذ قال البیھقی وبہ نأخذ اہ" (یعنی امام بیہقی خلافیات میں کہتے ہیں کہ حاکم ابو عبداللہ نے روایت کیا ابو الحسن بن عدد سے انہوں نے عثمان بن سعید دارمی سے کہتے ہیں کہ میں نے علی بن مدینی سے سناوہ سفیان کی حدیث کے بارے میں کہتے تھے یہ زہری سے اور وہ سالم اور وہ نبی ﷺ سے۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے جس طرح یہاں پر کہتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک مخلوق پر حجت ہے جو بھی سنے اس پر عمل ضرور کرے کیونکہ اس کی سند میں کسی بھی قسم کی گڑ بڑ نہیں ہے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں سن طفل سے ہی اس حدیث پر عمل پیرا ہوں۔ دارمی ابو الحسن حاکم اور بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم اس کو لیں گے) اور امام بغوی شرح السنۃ صفحہ ۲۰ ج ۳۔ میں فرماتے ہیں کہ "ھذا حدیث متفق علی صحتہٖ اھ" (یعنی اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے) نیز امام شافعی کتاب الام صفحہ ۹۰ ج ۱۔ میں اس حدیث کو صحیح اور ثابت کہتے ہیں اور امام احمد ابن عمر کی حدیث اور اس کے ساتھ دوسری احادیث کے لیے کہتے ہیں کہ "ھذہِ الا حادیث اقوی واکثر" (مختصر طبقات الحنابل للنابلسی صفحہ ۱۷۵) (یعنی رفع الیدین کی احادیث قوی اور اکثر ہیں) اور امام خطابی صفحہ ۱۹۳ ج ۱۔ میں اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں اور صفحہ ۱۹۲ پر فرماتے ہیں کہ "فذھب الشافعی واحمد اسحاق الی ارفعھما الی المنکبین علی حدیث ابن عمر وابی حمید الساعدی وھو مذھب مالک بن انس اھ (یعنی شافعی

احمد اور اسحٰق کا مذہب ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے ابن عمر اور ابوحمید الساعدی کی حدیث کی وجہ سے اور یہی مذہب مالک بن انس کا ہے) ثابت ہوا کہ یہ سب ائمہ ابن عمر اور ابوحمید کی احادیث کو صحیح مانتے ہیں۔ تب تو اس کے مطابق مذہب اختیار کیا ہے اور امام بیہقی امام حاکم سے اس کی صحت نقل کرتے ہیں (نصب الرایہ صفحہ ۴۰۴ ج ۱) اور حافظ ابن عبدالبر التمہید صفحہ ۲۱۹ ج ۹ میں امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز تابعی سے بھی اس کی صحت نقل کرتے ہیں "قال عمر بن عبدالعزیز فی ذالك سالم قد حفظ عن ابیه" نیز فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عمر المذکور فی هذا الباب (وهو حدیث ثابت لا مطعن فیه عن احد" (یعنی عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ سالم نے اپنے والد سے یہ حفظ کیا۔ نیز ابن عمر کی اس باب میں حدیث مذکور ہے اور اس حدیث میں کوئی طعن نہیں اور یہ ثابت ہے) اور صفحہ ۲۱۳ ج ۹ میں فرماتے ہیں کہ "وروی ابن وهب والولید بن مسلم وسعید بن ابی مریم واشهب وابو المصعب عن مالك انه کان یرفع یدیه علی حدیث ابن عمر هذا الی ان مات فالله اعلم وبهذا قال الاوزاعی وسفیان بن عیینة والشافعی وجماعة اهل الحدیث وهو قول احمد بن حنبل وابی عبید وابی اسحاق بن راهویه وابو ثور وابن المبارك وابی جعفر محمد بن جریر الطبری اه" (یعنی امام مالک سے ابن وھب ولید بن مسلم سعید بن ابی مریم اشھب اور ابومصعب نے روایت کیا کہ وہ ابن عمر کی اس حدیث کی وجہ سے رفع الیدین کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے یہی بات اوزاعی، سفیان بن عیینہ، شافعی، جماعت اہل حدیث نے کہی ہے اور یہ ہی قول احمد بن حنبل، ابوعبید، ابو اسحاق بن راھویہ، ابوثور، ابن مبارک اور ابوجعفر محمد بن جریر الطبری کا ہے) یہ سب ائمہ ابن عمر کی حدیث کے مطابق رفع الیدین کیا کرتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ یہ سب ائمہ اس حدیث کو صحیح اور ثابت کہتے تھے۔ نیز بیہقی سنن کبری صفحہ ۴۷ ج ۲۔ میں امام حاکم سے تصحیح نقل کرتے ہیں اور صفحہ ۴۷ کے ذیل میں ابن ترکمانی حنفی الجوھر النقیہ میں حافظ ابن دقیق العید اور امام احمد سے ابن عمر کی روایت کا محفوظ ہونا نقل کرتے ہیں اور امام ابن جوزی کتاب الموضوعات صفحہ ۹۷ ج ۲ اور کتاب التحقیق صفحہ ۴۹ ج ۱۔ المصور میں اس کو صحیح کہتے ہیں۔

**الغرض:**......سلف صالحین اور ائمہ قدماء سب کے سب اسی حدیث کے صحیح ہونے پر متفق ہیں باقی متاخرین تو عام طرح سے اس کی صحت پر متفق ہیں۔ مثلاً نووی شرح مھذب میں ابن تیمیہ منھاج السنة اور اختیارات العلمیه میں ابن قیم زاد المعاد، المنار المنیف اور تھذیب، سنن ابی داؤد میں ابن الملقن البدر المنیر میں، ابن سید الناس شرح جامع ترمذی میں ابن دقیق العید الالمام میں، عبدالحق

اشبیلی الاحکام الکبری میں، شمس الدین ابن عبدالھادی المحرر فی الحدیث میں ، الذھبی فی اختصار السنن الکبری میں ابن العربی شرح الترمذی میں ،قرطبی اپنی تفسیر (سورۃ الکوثر) میں مجد الدین الفیروز آبادی سفرالسعادۃ صفحہ ۱٤ میں اور حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر اور الدرایۃ میں، السیوطی تنویر الحوالك صفحہ ٤٧ ج ۱ میں۔ زرقانی شرح المؤطا صفحہ ۱۵۸ ج ۱ شوکانی نیل الاوطار میں وغیرھم۔ بلکہ کئی حنفی علماء نے بھی اس کو صحیح مانا ہے۔ چنانچہ آپ کا مجتھد فی المذھب ابن ھمام فتح القدیر صفحہ ۲۱۸ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں کہ فاذا ثبت عند الرکوع والرفع منه وجب القبول به وقد ثبت وھو ما اخرجه الستة عن الزھری عن سالم عن ابیه عن عبداللہ بن عمر اھ " (یعنی جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرنا آپ ﷺ سے ثابت ہے تو اس کو قبول کرنا واجب ہے اور یہ کتب ستہ سے ثابت ہے جو کہ انہوں نے بواسطہ زہری عن سالم عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمر بیان کیا ہے) اور ابن حزم سے تصحیح پہلی ابوحمید والی حدیث کے بیان میں نقل کی گئی ہے اور امام ابوالید الباجی المنتقی شرح المؤطا صفحہ ۲٤۲ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ "وھو حدیث صحیح متفق علی صحته" امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۵ پر فرماتے ہیں کہ امام سفیان ثوری اور امام وکیع بھی رفع الیدین کی احادیث (جن میں ابن عمر کی حدیث بھی ہے) کو حق سمجھتے تھے اور سید انور شاہ کشمیری فیض الباری صفحہ ۲۵۸ ج ۲۔ میں احناف کے مشہور عالم مفسر ابوبکر الجصاص الرازی سے نقل کرتے ہیں کہ ان المسئلة اذا وردت فیھا الاحادیث الصحاح من الجانبین فالخلاف فیھا لا یکون الا فی الاختیار سیما اذا کانت کثیرة الوقوع وعد منھا الترجیح فی الاذان وافرادالا قامة والجھر بالتسمیة ورفع الیدین اھ " ثابت ہوا کہ رفع الیدین کے اثبات کی احادیث جن میں سرفہرست ابن عمر کی حدیث ہے انہیں ابوبکر الجصاص صحیح مانتا ہے علامہ ابن نجیم بحر الرائق شرح کنز الدقائق صفحہ ۲٤۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ "والقدر المحقق بعد ذالك کله ثبوت روایة کل من الامرین عنه علیه الصلوٰة والسلام الرفع عند الرکوع کما رواہ الآئمة الستة فی کتبھم عن ابن عمر الخ اسی طرح ملا علی قاری مرقاۃ صفحہ ۲۵٦ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ "اسناد صحیح " اور علامہ عبدالحی لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۷۰ پر لکھتے ہیں کہ "الثابت عن ابن عمر بالاسانید الصحیحة ھوانه کان یرفع عند الافتتاح وعند الرفع من الرکوع و عند الرکوع فیما رواہ مرفوعاً (یعنی ابن عمر سے صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ آپ افتتاح نماز اور رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع الیدین کیا کرتے تھے جو کہ آپ سے مرفوعا مروی ہے) اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دھلوی شرح سفر السعادۃ صفحہ ٦۵ پر بھی اس حدیث

کو صحیح مانتے ہیں اور امام ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ ............؟ سید انور شاہ کشمیری نیل الفرقدین صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں کہ "اما حدیث ابن عمر ابن عمر فھو حجۃ کما ذکر عن ابن المدینی" (یعنی ابن عمر کی حدیث حجت ہے جس طرح کہ ابن مدینی سے نقل کیا گیا ہے) نیز العرف الشذی صفحہ ۱۳۳ میں بھی اس کو صحیح مانتے ہیں اور علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجھود صفحہ ۴۰۲ ج ۴ میں اس کو محفوظ کہتے ہیں اور شیخ رشید احمد گنگوھی الکوکب الدری علی جامع الترمذی صفحہ ۱۳۱ ج ۱ میں اس کو صحیح مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "غایۃ ما یلزم من حدیث عبداللہ بن عمر ان النبی ﷺ رفع یدیه قبل الرکوع وبعده وقد عرفت انا لا ننکر وھو لا یضرنا وما ذکره البخاری من روایات الرفع فصحتھا مسلمۃ" (یعنی عبداللہ بن عمر کی حدیث کی غایت جو لازم آتی ہے بے شک نبی ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو رکوع سے قبل اور بعد اٹھائے اور آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ ہم اس کا انکار نہیں کرتے اور یہ ہمیں نقصان دہ نہیں جو بخاری نے رفع الیدین کی روایات کو ذکر کیا ہے ان کی صحت مسلمہ ہے) اور علامہ محمد عابد السندھی المواھب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ صفحہ ۲۶۱ ج ۱ (المصور) میں اس حدیث کو صحیح ثابت کرتے ہیں اس طرح مخدوم محمد ھاشم سندھی اپنے رسالہ کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین میں بھی اس کو صحیح مانتے ہیں اور ان کے فرزند مخدوم عبداللطیف ذب ذبابات الدراسات صفحہ ۵۹۳ ج ۱ میں لکھتے ہیں۔ قد تحقق وثبت حدیث ابن عمر ھذا حتی قال ابن المدینی فیه وغیره ماقال ورواه عنه کثیر من الثقات ولم یوجد به خدشۃ فی تحمله اه" (یعنی تحقیق سے ابن عمر کی یہ حدیث ثابت ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ ابن مدینی نے اس کے بارے جو کہا ہے اور ان سے بہت سے ثقہ راویوں نے روایت کی اور اس کو لینے میں کوئی خدشہ نہیں ہے) خود امام طحاوی شرح معانی الآ ثار میں یہ حدیث لائے ہیں اور کسی بھی قسم کی جرح نہیں کی۔ بلکہ اس حدیث کی شان اعلیٰ ہے۔ ابن عمر سے لے کر نیچے ان کا راوی سالم پھر زہری پھر سفیان پھر علی ابن المدینی پھر عثمان الدارمی پھر ابوالحسن پھر حاکم پھر بیہقی پھر زہری سے مالک پھر شافعی پھر احمد بن حنبل اور ابوثور الکلبی اور بقی بن مخلد اور امام احمد سے ابوبکر الاثرم۔ نیز زہری سے اوزاعی پھر یحییٰ بن سعید القطان پھر مسدد پھر ابوعوانہ پھر ابن عدی پھر طبرانی پھر اسماعیلی اور طبرانی سے ابونعیم اور ابن عدی سے ابوحمزۃ السہمی دونوں سے خطیب اور سفیان سے عبدالرحمٰن بن مہدی اور ان سے اسحاق بن راھویہ اور ابن المدینی۔ دونوں سے بخاری ان سے ترمذی۔ نیز مالک اور سفیان بن عیینہ سے ابن وھب۔ پھر یحییٰ بن یحییٰ اللیثی ان سے ابن المدینی اور شافعی سے ربیع بن سلیمان ان سے اسلم بن عبدالعزیز الخشنی۔ نیز شافعی سے ابوابراھیم المزنی ان سے قاسم بن محمد بن قاسم۔ نیز اسحاق بن راھویہ سے ابن خزیمہ ان سے ابن حبان ان سے حاکم پھر بیہقی،

سفیان سے ابن ابی شیبہ ان سے بقی بن مخلد پھر محمد بن عبدالسلام الخشنی پھر قاسم بن اصبغ پھر ابن عبدالبر پھر ابن حزم پھر ابوعبداللہ الحمیدی اور زہری سے معمر اور ابن جریج اور عبید اللہ بن عمر۔ ان سے عبدالرزاق ان سے احمد نیز ابن جریج سے اسماعیل بن علیہ ان سے حماد بن زید پھر محمد بن فضل عارم السدوسی پھر ذہلی پھر محمد بن نصر المروزی۔ نیز سفیان سے حمیدی ان سے بخاری اور ذہلی۔ نیز ابن علیہ سے ابن وھب، امام شافعی احمد، یحییٰ بن معین، ابن المدینی اور اسحاق بن راھو یہ نیز حماد بن زید سے ابو داؤد الطیالسی اور ان سے عارم، احمد بن حنبل۔ ذہلی اور ابن المدینی۔ نیز اوزاعی، ابن جریج اور مالک سے عبداللہ بن المبارک اور ان سے عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ القطان، اسحاق بن راھو یہ، اور یحییٰ بن معین، اور احمد اور مسدد سے ابو داؤد اور ان سے ترمذی، ان کے فرزند عبداللہ، ابوعوانہ اور بقی بن مخلد اور عبید اللہ بن ابی داؤد سے دار قطنی، ان سے حاکم، ابونعیم اصفہانی اور ابوحمزہ السلمی۔ حاکم سے بیہقی باقی دو سے خطیب۔ امام احمد سے ان کے فرزند عبداللہ ان سے ابوبکر القطیعی ان سے حاکم۔ نیز قطیعی سے ابن المذہب الحسن بن علی التیمی ان سے عبداللہ ابن محمد بن الحصین ان سے ابن جوزی۔ نیز سفیان سے صدقہ بن الفضل ان سے بخاری اور مروزی، نیز ابوداؤد سے ابو بکر ابن داسہ ان سے خطابی، ان سے حاکم۔ نیز ربیع بن سلیمان سے امام ابن جریر ان سے طبرانی پھر ابونعیم پھر خطیب۔ نیز طبرانی کے بعد حاکم پھر بیہقی۔ نیز سالم سے ایوب سختیانی ان سے حماد بن زید ان سے عارم۔

**الـغـرض**: ...... مشرق سے مغرب تک یہ روایت مشہور ہے اور یہ سب راوی اس حدیث کے مطابق قائل وعامل تھے۔ کئی کا ذکر اوپر آ چکا ہے باقی کے لیے "جزء رفع الیدین للبخاری، سنن کبریٰ للبیھقی، مصنف ابن ابی شیبه، طبقات المحدثین باصبهان لا بی الشیخ، حلیة الاولیآء لا بی نعیم جذوة المقتبس للحمیدی، التمھید اور الاستذکار لابن عبدالبر اور التحقیق لا بن جوزی وغیرہ کتب دیکھنی چاہئیں۔ ثابت ہوا کہ ابن عمر کی یہ حدیث روایت کے لحاظ سے متواتر ہے اور ہر زمانے میں اس کے راوی اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔

لہٰذا عملی لحاظ سے متواتر اور مشہور ہے یہ تو فقط ان کے فرزند سالم کے طریق سے ہے لیکن اور بھی طرق ہیں جو آگے چل کر بیان ہوں گے۔ محدثین کے نزدیک اس حدیث کی اتنی بڑی شان ہے فتح المغیث للسخاوی صفحہ ۳۲۳ میں ہے "وصلی رجل ممن یکتب الحدیث بجنب ابن مھدی فلم یرفع فلما سلم قال له الم تکتب عن ابن عیینة حدیث الزھری عن سالم عن ابیه ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه فی کل تکبیرة قال نعم۔ قال فما ذا تقول لربك اذا لقیك فی ترکك لھٰذا عدم استعمال اه" (ایک آدمی نے ابن مہدی کے برابر میں نماز پڑھی جو کہ احادیث لکھتا تھا اور

اس نے رفع الیدین نہ کی تو ابن مہدی نے فرمایا کہ کیا تو نے ابن عیینہ سے زہری کی حدیث بواسطہ سالم عن ابیہ نبی ﷺ ہر تکبیر میں رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ کہنے لگا جی ہاں تو ابن مہدی نے کہا کہ اس حدیث کو چھوڑنے پر قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دے گا؟) یعنی ابن عمر والی حدیث اتنی یقینی ہے کہ اس کا معلوم ہو جانے یا سننے کے بعد اس پر عمل نہیں کرتا اور رفع الیدین چھوڑ دیتا ہے تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہوگا اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ پھر ایسی یقینی روایت پر حملہ کرتے ہوئے مولوی صاحب کو کچھ خیال آنا چاہیے تھا لیکن چونکہ انہیں اپنی علمیت ظاہر کرنی تھی۔

**صفحہ ۱۲۸:** ...... چنانچہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''اس حدیث پر محدثین کے اعتراض'' یہ ان کا سفید جھوٹ ہے جان بوجھ کر بھٹکے ہیں۔ کسی بھی محدث نے اس پر اعتراض نہیں کیا جس طرح کہ آگے چل کر تفصیل سے معلوم ہوگا۔ لکھتے ہیں کہ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عمر کا قول ہے مرفوع حدیث حضور اکرم ﷺ کا عمل نہیں ہے۔

## ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت متواتر ہے

**الجواب اوّلاً:** یہ ایسا واضح اور سفید جھوٹ بولا ہے جس کو ایک ادنیٰ علم والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ امام ابو داؤد نے سالم کے طریق کے لیے یہ الفاظ نہیں کہے۔ بلکہ نافع کے طریق کے لیے کہے ہیں ابو داؤد صفحہ ۱۰۴ باب رفع الیدین میں سب سے پہلے سالم کی حدیث اس طرح لائے ہیں۔ ''حدثنا احمد بن حنبل ثنا سفیان عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا استفتح الصلوٰة رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین'' (یعنی سالم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ لیکن سجدوں میں نہیں کرتے تھے) ان سے سالم کی حدیث دوسری سند سے لاتے ہیں اس کے بعد سات سندوں سے وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرتے ہیں اس کے بعد چھ سندوں سے ابو حمید کی حدیث لاتے ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیر کی روایت لاتے ہیں پھر ابن عباس سے روایت لاتے ہیں۔ ان سب روایات سے تین صفحات درمیان میں چھوڑ کر صفحہ ۱۰۸ پر نافع کی روایت اس طرح لاتے ہیں ''حدثنا نصر بن علی انا عبدالا علی نا عبید الله عن نافع عن ابن عمر انه کان اذا دخل فی الصلوٰة کبر ورفع یدیه واذا رکع قال سمع الله لمن حمده واذا

قام من الرکعتین رفع یدیه ویرفع ذالك الی رسول الله ﷺ قال ابو داؤد والصحیح قول ابن عمر لیس بمرفوع " (یعنی نافع ابن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ وہ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف مرفوع بیان کرتے ابو داؤد کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ ابن عمر کا قول مرفوع نہیں ہے) اب ناظرین انصاف کریں کہ ابو داؤد نے سالم والی روایت کے لیے یہ الفاظ کہے ہیں یا نافع والی روایت کے لیے؟ مولوی صاحب خود سالم کی روایت اس طرح نقل کرتے ہیں کہ عن سالم بن عبدالله عن عبدالله بن عمر قال رایت رسول الله ﷺ الحدیث" اور ترجمہ بھی خود لکھتے ہیں کہ "حضرت سالم بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا الخ (تحفة الحدیث صفحه ۱۲۷) پھر کہتے ہیں کہ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ "والصحیح قول ابن عمر لیس بمرفوع" اب قارئین اللہ تعالیٰ کو گواہ جان کر انصاف کریں کہ مولوی صاحب نے حیاء کی حدود کو پھلانگ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر حملہ کیا ہے۔ ایک سند کی کلام دوسری سند پر چسپاں کی ہے۔ نہ مرنے کا خوف ہے نہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا اس طرح سے مولوی صاحب نے ایک بڑے محدث امام ابو داؤد کی طرف بھی جھوٹی نسبت کی ہے۔ جو وہ نافع والی سند کے لیے کہہ رہے ہیں تو پھر مولوی صاحب بہتان لگا رہے ہیں کہ انہوں نے سالم کی روایت کے لیے اس طرح کہا ہے یہ بھی فیصلہ قیامت کے روز ہوگا۔ امام ابو داؤد کا ہاتھ ہوگا اور مولوی صاحب کی گردن ہوگی۔

عجب مزا ہو محشر میں کہ ہم کریں شکوہ
تم منتوں سے کہو کہ چپ رہو خدا کے لئے

قیامت کا منظر نہایت تکلیف دہ ہے کیونکہ اس وقت ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی۔ پھر مفلس اور کنگال بنا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا وهو الثانی.

**ثالثاً:** ...... یہاں پر مولوی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ساتھ ظلم کیا ہے اس طرح محدث ابو داؤد کے ساتھ ظلم کیا ہے اور مذہب اہل حدیث سے بھی ظلم کیا ہے۔ یہ اتنے سارے ظلم قیامت کے دن اپنا رنگ دکھائیں گے۔ نیز نقل میں خیانت کی ہے دیدہ دانستہ دھوکہ کیا ہے بخاری اور مسلم کی حدیث میں خیانت، منافقت کی خصلت بتائی گئی ہے اور قیامت کے روز دھوکہ کرنے والے کے لیے نشانی کے طور پر جھنڈا گاڑا جائے گا۔ صحیحین کی روایت میں ہے "لکل غادر لواء یعرف به یوم القیامة " اور مسلم

کی حدیث میں ہے "لکل غادر لواء عند استه یوم القیمة (الجامع الصغیر للسیوطی صفحه ۱۲۵ ج۲) وھو الرابع.

**خامساً**:...... امام ابوداؤد کے اس فیصلے پر کہ نافع کی روایت مرفوع نہیں ہے۔ امام بخاری اس کے خلاف ہے وہ اس کو مرفوع کہتے ہیں اور امام بخاری کا فیصلہ مقدم ہے جس کی کئی وجوہ ہیں۔

**اول**:...... یہ کہ امام بخاری ابوداؤد سے اعلم ہے اور آپ کی تحقیق وتنقید مقدم ہے خود عینی حنفی عمدۃ القاری کے مقدمہ میں صاف فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی تنقید کے صحیح اور معتبر ہونے میں کبھی بھی دو شخصوں نے اختلاف نہیں کیا۔

**الثانی**: ...... یہ تو نافع والی روایت امام بخاری اپنی صحیح صفحہ ۱۰۲ ج ۱۔ میں لائے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "حدثنا عیاش بن الولید قال ثنا عبد الا علی قال حدثنا عبید الله عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوٰة کبر ورفع یدیه واذا رکع رفع یدیه واذا قال سمع الله لمن حمده رفع یدیه واذا قام من الرکعتین رفع یدیه ذالك ابن عمر الی النبی ﷺ" پھر جب کہ یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے تو پھر اعلیٰ درجے کی صحیح کہی جائے گی۔ سیوطی نے تدریب الراوی صفحہ ۳۷۔ پر صحیح حدیث کے سات درجات بتائے ہیں جن میں پہلا درجہ اس کا ہے جو صحیحین میں ہو۔ دوسرا درجہ اس کا ہے جو صرف بخاری میں ہو۔ تیسرا درجہ اس کا ہے جو صرف مسلم میں ہو۔ چوتھا جو بخاری و مسلم کی شرائط پر ہو اور دوسری کتب میں ہو۔ پانچواں جو صرف بخاری کی شرط پر ہو۔ چھٹا جو صرف مسلم کی شرط پر ہو۔ ساتواں جو ان دونوں کے علاوہ دوسروں کے نزدیک صحیح ہو۔

**اب قارئین!** ...... انصاف کریں کہ یہ نافع والی روایت دوسرے درجے میں ہے۔ اس کے بعد دیگر پانچ درجات ہیں۔

**الثالث**: ...... صحیح بخاری کو امت نے قبول کیا ہے اور اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ لہٰذا اس میں نافع کی حدیث کا مرفوع ہونا۔ اس کے معتبر ہونے کے لیے کافی ہے۔

**والرابع**: ...... امام دارقطنی جو کہ تعلیل کے فن میں ماہر اور حاذق ہیں ان کی کتاب العلل بے مثال ہے اور اس کا مطالعہ کرنے سے دہشت محسوس ہوتی ہے جیسا کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۹۹۴ ج ۳۔ میں لکھا ہے اس امام موصوف نے کتاب العلل میں امام بخاری کے فیصلے کی تائید کی ہے اور مرفوع حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ جس طرح کہ فتح الباری صفحہ ۲۲۲ ج ۲ اور عمدۃ القاری للعینی صفحہ ۲۷۷ ج ۵ (منیری) میں ذکر کیا ہے اس وجہ سے امام بخاری کا قول امام دارقطنی کی تائید سے مزید قوی ہوگیا۔

**الخامس:** ...... اصول حدیث اور مصطلح کا قاعدہ بھی امام بخاری کی تائید میں ہے۔ کیونکہ جس روایت کے مرفوع یا موقوف ہونے میں ثقہ راویوں کا اختلاف ہوتا ہے تو مرفوع روایت کرنے والے کی بات کو تسلیم کیا جاتا ہے جس طرح کہ حافظ عراقی الفیۃ الحدیث صفحہ ۳۱ اور مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۴۰ اور امام ابو بکر الخطیب البغدادی الکفایہ صفحہ ۴۱۷ پر فرماتے ہیں کہ "اختلاف الروایتین فی الرفع والوقف لا یؤثر فی الحدیث ضعفآء لجواز ان یکون الصحابی یسند الحدیث مرۃ و یرفعه الی النبی ﷺ و یذکرہ مرۃ اخری علیٰ سبیل التقویٰ ولا یرفعه فحفظ الحدیث عنه علی وجهین اہ" اور سخاوی کی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث صفحہ ۷۲ پر ہے "لان راویه مثبت وغیرہ ساکت ولو کان نافیا فالمثبت مقدم علیه لانه علم ما خفی علیه والثانی ان الحکم لمن وقف حکاہ الخطیب ایضاً عن اکثر اصحاب الحدیث اہ۔"

**السادس:** ...... یہ قاعدہ بھی مسلم ہے کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے بشرطیکہ اصل روایت کے منافی نہ ہو اور راوی کا وھم نہ ہو۔ یہاں پر دونوں باتیں ہی نہیں ہیں لہٰذا جن راویوں نے مرفوع روایت کیا ہے ان کی زیادتی مقبول ہے اور یہ قاعدہ بھی امام بخاری کے قول کو ترجیح دیتا ہے۔ آپ کے پیشوا عینی نے عمدۃ القاری صفحہ ۲۷۷ ج ۵ میں اس کو صحیح مانا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "ومیل البخاری الیٰ رفعه فلذالك اخرج هٰذا الحدیث وفیه ورفع ذالك ابن عمر ویؤیدہ ما رواہ ابو داؤد حدثنا عثمان بن ابی شیبة ومحمد بن عبید المحارب قالا حدثنا محمد بن فضیل عن عاصم ابن کلیب عن محارب بن دثار عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ اذا قام من الرکعتین کبر ورفع یدیه وصححه البخاری فی کتاب رفع الیدین ویقوی ذالك ایضا! حدیث ابی حمید الساعدی اخرجه ، ابو داؤد مطولاً وفیه ثم اذا قام من الرکعتین کبر ورفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه کما کبر عند افتتاح الصلوٰۃ وکذالك اخرج ابو داؤد من حدیث علی رضی اللہ عنہ وفیه واذا قام من السجدتین رفع یدیه کذالك کبر و اخرج الحدیثین ابن خزیمة وابن حبان وصححاهما اہ" (امام بخاری اسکے مرفوع ہونے کی طرف مائل ہوئے ہیں اسی لیے اس حدیث کو تخریج کیا ہے اور اس میں ہے کہ ابن عمر نے رفع الیدین کی اور اس کی تائید ابو داؤد کی روایت کرتی ہے جسے بیان کیا عثمان بن ابی شیبہ اور محمد بن عبید المحاربی نے دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن فضیل نے عاصم بن کلیب سے انہوں نے محارب بن دثار سے انہوں نے ابن عمر سے بیان کیا کہ نبی ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے تھے۔ اس کو بخاری نے کتاب جزء

رفع الیدین میں صحیح کہا ہے۔ اس کو ابوحمید الساعدی کی حدیث تقویت دیتی ہے جس کو ابو داؤد نے مفصل روایت کیا ہے اس میں ہے کہ پھر جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے حتی کہ دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے۔ جس طرح کہ نماز کے شروع میں تکبیر کہتے تھے اور اسی طرح روایت کیا ہے ابو داؤد نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس میں ہے کہ جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی اور رفع الیدین کی۔ ان دونوں روایات کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بیان کیا اور صحیح کہا ہے)

مولوی صاحب امام ابو داؤد کی تفصیل دو طریقوں سے بیان کرتے ہیں پہلے میں لکھتے ہیں کہ ''اس سند کے راوی عبید اللہ سے ان کے دو شاگرد ایک بقیہ دوسرا ثقفی جب روایت کرتے ہیں تو (دونوں ثقہ راوی ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں) بقیہ راوی اس کو مرفوع یعنی ابن عمر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے۔ جب کہ دوسرا ثقفی اس کو حضرت عبد اللہ بن عمر کا عمل بیان کرتا ہے اور یہ بعد والا صحیح ہے۔''

**جواب**: ...... **اوّلاً**: جب دونوں راویوں کو مولوی صاحب ثقہ جانتے ہیں تو پھر انہیں ثقہ کی زیادتی بھی ماننی پڑے گی قاعدے کے مطابق مرفوع حدیث صحیح ہوتی ہے چنانچہ حافظ عراقی الفیۃ الحدیث صفحہ ۱۵۲ پر فرماتے ہیں کہ "ان الاصح الحکم للرفع ولو من واحد فی ذا وذا کما حکموا۔"

**ثانیاً**: ...... دونوں راویوں کو مولوی صاحب ثقہ مانتے ہیں حالانکہ بقیہ بن ولید مدلس ہے اور ثقفی جس کا نام عبد الوھاب بن عبد المجید ہے اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا مگر بقیہ کی روایت کو ترجیح ہے۔ کیونکہ وہ متغیر الحفظ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے سماع کی تصریح کی ہو۔ اگر نہیں تو بھی اس کے دوسرے راوی متابع ہیں اور دوسری کئی روایات اس روایت کی تائید میں ہیں۔ جس طرح کہ عینی صاحب کی کلام میں گذرا اور جس کا حافظہ خراب ہو اس کی روایت اگرچہ وہ سماع کی تصریح کرے یا نہ ہر حالت میں ضعیف شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا بقیہ کی روایت راجح کہی جائے گی۔

**ثالثاً**: ...... بقیہ کا متابع عبد الاعلیٰ السامی بھی ہے اور وہ مشہور ثقہ ہے (تقریب) اس کی روایت بخاری میں ہے۔

**رابعاً**: ...... اس کی متابعت میں دو اور سندیں بھی ہیں۔ جس طرح کہ امام بخاری صفحہ ۱۰۲ ج ۱۔ میں عبد الاعلی والی روایت لاتے ہیں پھر کہتے ہیں "ورواہ حماد بن سلمۃ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورواہ ابن طھمان عن ایوب وموسی بن عقبۃ مختصراً" اور حماد بن سلمہ کی روایت امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۲ پر لائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "حدثنا موسیٰ بن اسماعیل ثنا حماد بن سلمۃ عن ایوب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا کبر رفع

يـديـه واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع " (یعنی بے شک رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے رفع الیدین کرتے اور اسی طرح جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع الیدین کرتے تھے) اور ابن طھمان یعنی ابراہیم بن طھمان کی روایت بیہقی صفحہ ۷۰۔۱۷ج ۲۔ میں ہے کہ "اخبـرنـا ابـو الحسن مـحـمـد بـن الحسين العلوى انبأ ا حمد بن محمد بن الحسن الحافظ ثنا احمد بن يـوسف السـلـمـى ثـنا عمر بن عبدالله بن رزين السلمى ابو العباس ثنا ابراهيم بن طهمان عن ايوب بن ابى تميمة وموسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر انه كان ير فع يـديـه حين يفتتح الصلوٰة واذا ركع واذا استوى قائما من الركوع حذو منكبيه ويقول كان رسول الله ﷺ يفعل ذالك " (یعنی ابن عمر رفع الیدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سیدھے کھڑے ہوتے ہاتھ کندھوں کے برابر اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے) ان متابعات کی وجہ سے بقیہ کی حدیث راجح ہوگی۔

**خامساً**:......امام بخاری بھی اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے تو اس کو قوت دینے کے لیے متابعات ذکر کرتے ہیں۔

**سادساً**: ......دراصل امام ابو داؤد اپنی کلام میں ساری روایت کے مرفوع ہونے کو غیر صحیح نہیں کہتے بلکہ آخری حصے "اذا قـام مـن الـركـعتين رفع يديه " (یعنی جب دو رکعتوں کے بعد اٹھتے تو رفع الیدین کرتے تھے) اس کو مرفوع مانتے ہیں۔ چنانچہ عبارت اس طرح سے ہے "وروى بـقـية اوله عن عبيد الـلـه واسـنـده وزرواه الثـقفى عن عبيد الله او قفه على ابن عمر وقال فيه اذا قام من الـركـعتيـن يرفعهما الى ثد ييهما وهذا الصحيح اه " یہ روایت جزء رفع الیدین صفحہ ۱۵ پر بھی موجود ہے ثابت ہوا کہ ابو داؤد بقیہ اور ثقفی کا اختلاف سارے متن میں نہیں کہتے ، بلکہ آخری جملے میں کہتے ہیں یعنی پہلے تین مقامات (تکبیر تحریمہ ، رکوع ، اور اس سے اٹھتے وقت) میں رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے نقل کرنے میں متفق ہیں اور دونوں مرفوع نقل کرتے ہیں۔ فقط چوتھے مقام پر دو رکعتوں کے بعد اٹھتے وقت رفع الیدین کے متعلق بقیہ مرفوع کرتا ہے اور ثقفی ابن عمر پر موقوف کہتا ہے۔ یہ مولوی صاحب کی سوء فہمی ہے جو کہتا ہے کہ ابو داؤد پوری روایت کو مرفوع نہیں مانتے یہ ان کی غلط نسبت ہے خود آپ کا حنفی بھائی خلیل احمد سہارنپوری بھی اس طرح کہتا ہے۔ چنانچہ بذل المجہود صفحہ ۲۶۲ ج ۴ میں لکھتا ہے کہ "قـال ابـو داؤد روى البـقـية اولـه اى اول الحديث من غير ذكر رفع اليدين اذا قام من الركعتين عـن عبيد الله واسنده اى رفعه الى النبى ﷺ وحاصله ان المرفوع من هذا الحديث

حدیث بقية هو رفع اليدين فی التحريمة والركوع والرفع منه واما فی القيام من الركعتين فانه ليس بمر فوع ورواه الحديث المتقدم الثقفی ای عبدالوهاب عن عبيد الله اخرجه البخاری فی جزء رفع اليدين اوقفه علی ابن عمر وقال فيه ای ذكر الثقفی فی الحديث اذا قام من الركعتين ير فعهما الی ثدييهما وهذا ای الذی رواه الثقفی موقوفا وهو الصحيح قائل هذا الكلام المؤلف ابو داؤد اه"

(یعنی ابو داوٗد فرماتے ہیں کہ بقیہ نے اس کا یعنی حدیث کا پہلا حصہ روایت کیا ہے اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے۔ یہ عبید اللہ سے بیان کیا اور اس کو نبی ﷺ تک مرفوع کہا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس اس حدیث مرفوع بقیہ کی حدیث ہے وہ تکبیر تحریمہ رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین ہے اور دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے وقت وہ مرفوع نہیں ہے گزشتہ حدیث کو ثقفی نے یعنی عبدالوھاب نے عبید اللہ سے روایت کیا ہے۔ اس کو بخاری نے جزء رفع الیدین میں بیان کیا اور ابن عمر پر موقوف کہا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں ثقفی نے ذکر کیا ہے کہ جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو سینے تک اٹھاتے اور یہ جس کو ثقفی نے روایت کیا ہے موقوف ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ بات کہنے والے مؤلف ابو داوٗد ہیں) اسی طرح دیگر شروحات جس طرح کہ عون المعبود صفحہ ۲۷۰ ج ۱ اور المنهل لعذب المورود صفحہ ۱۴۷ ج ۵۔ میں ہے مولوی صاحب کہ یہ اندھی سوچ ہے کہ انہوں نے ابو داوٗد کی عبارت کا غلط مفہوم لیا ہے خود ابو داوٗد کا حاشیہ دیکھ کر سمجھتے تو اس قدر فحش غلطی نہ کرتے کیونکہ وہاں پر بھی لکھا ہوا ہے کہ "وحاصله ان المرفوع هذا الحديث حديث بقية هو رفع اليدين فی التحريمة والركوع والرفع منه۔ واما فی القيام من الركعتين ليس بمر فوع" (یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث میں مرفوع بقیہ کی حدیث ہے وہ تکبیر تحریمہ رکوع اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرتا ہے اور دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے ہوئے رفع الیدین کرنا مرفوع نہیں ہے)۔

**الغرض:**......اوپر تحقیق سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ پہلا ٹکڑا "اذا قام من الركعتين رفع يديه" بھی مرفوع اور صحیح ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کا کوئی بھی عذر نہیں چل سکتا۔ لیکن اگر مولوی صاحب اس حصے کو غیر مرفوع سمجھتے ہیں تو باقی تین مقامات پر رفع الیدین کرنے کا قائل تو بنے۔ کیونکہ اس کے مرفوع ہونے میں دونوں راوی (بقیہ اور ثقفی) متفق ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ کسی کے لیے ترجیح کی ضرورت ہے۔ وهو السابع.

**ثامناً:**......اس عبارت سے بھی مولوی صاحب کو نقصان ہوا۔ کیونکہ تین مقامات پر رفع الیدین ثابت ہو چکا

ہے باقی چوتھا مقام اگر چہ اس کے متعلق بھی مرفوع کو ترجیح حاصل ہے جس طرح کہ گذرا اور علامہ سندھی فتح ابو داؤد شرح ابو داؤد صفحہ ۱۲۲ قلمی میں لکھتے ہیں کہ "ثم الراجح عند کثیر من المحققین عند التعارض الوقف والرفع ترجیح الرفع اذ ھو زیادۃ ثقۃ والتوفیق ممکن اھ۔ تاہم ہمارے لیے چوتھے مقام پر اور بھی روایات رفع الیدین کے لیے موجود ہیں۔ جن کا ذکر علامہ عینی کی عبارت میں گزر چکا ہے۔

اور دوسری جانب مولوی صاحب تفصیل کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس روایت کے راوی لیث ابن سعید، امام مالک، ایوب اور ابن جریج اسے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تصور نہیں کرتے۔ صرف ایک ہی حماد بن سلمہ، ابو ایوب سے اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں۔

**الجواب:**...... **اولا**: یہاں پر بھی مولوی صاحب نے ترجمہ نقل کیا ہے مگر خیانت کی ہے۔ کیونکہ ابو داؤد کی عبارت اس طرح ہے۔ رواہ اللیث بن سعد ومالك وایوب وابن جریج موقوفاً واسندہ حماد بن سلمۃ وحدہ عن ایوب (لم یذکر ایوب ومالك الرفع اذا قام من السجدتین) اھ" اب خط کشیدہ عبارت پر غور کریں، مولوی صاحب نے غور و فکر کر کے کسی اسکیم تحت اور کسی اور کے فہم کی تقلید کرتے ہوئے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا۔ کیونکہ اس قول سے قطعی فیصلہ ہو جاتا کہ راویوں کا مجادلہ صرف اسی آخری جملہ یعنی مقام رابعہ "(دو رکعتوں سے اٹھتے وقت) میں ہے۔ ایک وہ ہیں جو مرفوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک رسد کرتے ہیں اور دوسرے موقوف نقل کرتے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل کہتے ہیں۔ بقیہ تین مقام پر رفع الیدین کرنا عمل رسول کہنے پر متفق ہیں۔ امام ابو داؤد یہی اختلاف بتلا رہے ہیں۔ مکمل عبارت سے مولوی صاحب کی تمام تمنائیں وصل رماد ہو جاتی ہیں۔

**ثانیا**:...... حماد بن سلمہ ثقہ ہے اس لیے اس کی زیادتی واجب القبول ہے۔ کیونکہ اوروں کی روایات کے منافی نہیں ہے۔

**ثالثا**:...... بذات خود ابو داؤد کی کتاب سے اس طرح مظہر ہوا۔

**الغرض**: ...... مولوی صاحب کا اعتراض غلط ثابت ہوا اور ابو داؤد کی عبارت کا غلط ترجمہ پیش کیا۔ اس کے بعد ہم ایک اور نقطہ کی بات بین کرتے ہیں کہ امام بخاری نافع والی روایت مرفوعاً جو صحیح میں لائے ہیں۔ جس میں مقام رابعہ پر رفع الیدین کرنے کا بیان ہے اور ابھی قارئین پڑھ آئے ہوں گے اس میں نہ تو "بقیہ" ہے۔ نہ ہی "ثقفی" نہ حماد بن سلمہ، نہ ایوب نہ لیث نہ مالک اور نہ ہی ابن جریج ہے۔

وہ سند اخریٰ ہے۔ یعنی امام بخاری عیاش بن ولید سے نقل کرتا ہے وہ عبدالاعلیٰ السامی سے وہ عبید اللہ سے وہ

نافع سے پھر امام بخاری، حماد بن سلمہ اور ابراھیم بن طہمان کی روایات معلقاً بطور شاہد لائے ہیں۔ خود امام ابو داؤد صفحہ ۱۰۸ پر اسی سند سے روایت لائے ہیں۔ قال حدثنا نضر بن علی انا عبد الاعلیٰ نا عبید الله عن نافع عن ابن عمر انه كان اذا دخل فی الصلاة كبر و رفع يديه و اذا ركع قال سمع الله لمن حمد و اذا قام من الركعتين رفع يديه ويرفع ذالك الى رسول الله ﷺ. اس کے متعلق ابو داؤد نے کوئی کلام نہیں کیا۔ بلکہ عبید اللہ کے تلمیذ "بقیہ" اور "ثقفی" کا اختلاف بیّن کرتے ہیں۔ حماد اور دوسروں کا اختلاف نقل کرتے ہیں مگر عبید اللہ سے اس روایت کے ناقل یہ نہیں ہیں۔ بلکہ عبد الاعلیٰ السامی ناقل ہے۔ پھر عبدالاعلیٰ کی روایت میں ابو داؤد، بخاری سے مختلف فیہ نہیں ہے۔ لہٰذا اصل روایت یہ ہے۔ جسے امام بخاری نے اپنی صحیح کے لیے منتخب فرمایا اور ابو داؤد نے تو ان سے پہلے نقل فرمایا۔ بقیہ اور اسناد بھی اگر چہ صحیح ثابت ہوئیں۔ گر مولوی صاحب انہیں درست تسلیم نہیں کرتا تب بھی اصل روایت کے لیے شاہد بن سکتی ہیں اور ایوب سے مرفوع بیان کرنے میں حماد بن سلمہ ایک نہیں ہے۔ بلکہ ابراہیم بن طہمان بھی ان کے ساتھ شاہد ہے۔ جیسا کہ ابھی بیہقی کی سند ذکر ہوئی اور اس سند سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود ایوب السختیانی۔ نافع سے ناقل واحد نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ موسیٰ بن عقبہ بھی متابعت کرتا ہے اور نافع سے ناقل ہے۔ اس لیے مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ابو داؤد کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مرفوع نہیں ہے غلط ثابت ہوا کیونکہ عدم فہم کی بنا پر ہے۔ بلکہ نافع کی روایت کو شہرت حاصل ہے۔ کیونکہ اس کی مرفوع روایت کے ناقل پانچ ہیں۔

پہلا عبید اللہ بن عمر، جس کے لیے تقریب میں لکھتے ہیں کہ "ثقہ" "ثبت" قدمه احمد بن صالح علیٰ مالك فی نافع وقد مه ابن معين فی القاسم عن عائشة عن الزهری عن عروة عنها۔ پھر اگر چہ مالک نافع سے موقوفاً نقل کرتے ہیں۔ مگر عبید اللہ اس کو مرفوع نقل کرتے ہیں۔ اس لیے اس کی روایت مقدم ہوگی۔ اسی نقطہ کی بنا پر امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے "فما ادق النظر واحسن الفكر" دوسرا امام ایوب ابن ابی تمیمہ سختیانی جس کے لیے تقریب میں نقل کرتے ہیں کہ ثقه ثبت حجة من كبار الفقهاء العباد. نیز امام شعبہ انہیں سید الفقہاء کہتے ہیں اور امام احمد انہیں مالک سے مقدم قرار دیتے ہیں (تہذیب صفحہ ۹۹۔ ۳۹۸ ج ۱) یہ وجہ بھی ان کی ترجیح کا باعث ہے اور تیسرا: امام موسیٰ بن عقبہ جس کے لیے تقریب میں راقم ہیں: ثقة فقيه امام فی المغازی

**چوتھا**: ...... امام صالح بن کیسان المدنی ہے جس کے لیے تقریب میں راقم ہیں۔ مؤدّب ولد عمر بن عبدالعزیز ثقہ ثبت فقیہ۔ اس کی حدیث تاریخ بغداد صفحہ ۳۹۴ ج ۷۔ میں ہے۔

**پانچواں:** ...... امام جرح وتعدیل یحییٰ ابن سعید القطان جس کے لیے تقریب میں راقم ہیں کہ ''ثقہ، متقن حافظ امام قدوۃ اس کی مروی اخبار اصبہان لابی نعیم صفحہ ۲۷۸ ج ۱۔ میں ہے اور عبید اللہ سے عبدالاعلیٰ السامی یہ بھی ثقہ ہے کما فی التقریب اور ان سے راوی عیاش بن الولید بصری اور نصر ابن علی الجھضمی ثقہ ہے۔ کما فی التقریب اور پہلے سے ناقل امام بخاری اور دوسرے سے امام ابو داؤد ہے اور ایوب السختیانی سے دو راوی ہیں۔ حماد بن سلمہ اور ابراہیم بن طہمان دونوں کو تقریب میں ثقہ کہا گیا ہے اور حماد بن سلمہ سے راوی عفان بن مسلم ہے۔ اس کے لیے تقریب میں ثقہ ثبت کہا گیا ہے اور ان سے راوی محمد بن اسحاق الصنعانی ہے جس کو ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۵۷۳ ج ۲۔ میں الحافظ الحجہ محدث بغداد کہتے ہیں اور امام دار قطنی ''ثقہ وفوق ثقہ'' نقل کرتے ہیں اور تقریب میں ثقہ، ثبت راقم ہے اور ان سے ناقل امام ابو العباس محمد بن یعقوب ان کے لیے ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۶۰ ج ۳۔ میں کہتے ہیں کہ "الامام المفید الثقة محدث الشرق اور امام حاکم سے ناقل ہیں کہ "بلغنا انه ثقة صدوق اور ان سے ناقل ابو عبداللہ الحافظ الحاکم صاحب المستدرک ہے۔ ان سے ناقل خود امام بیہقی ہے اور ابراہیم بن طہمان سے راوی عمر بن رزین السلمی ہے۔ جس کے لیے تقریب میں کہتے ہیں: صدوق ان سے راوی احمد بن یوسف السلمی ہے۔ جسے تقریب میں کہتے ہیں کہ "حافظ ثقةٌ" ان سے ناقل احمد ابن محمد بن الحسن الحافظ ہے۔ یعنی ابو حامد ابن الشرقی ان کے لیے ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۳۱ ج ۳۔ میں کہتے ہیں کہ الامام الحافظ الحجة کان فرید عصره حفظاً واتقاناً ومعرفةً وقد نظر الیه امام الائمة ابن خزیمة مرة فقال حیاة ابی حامد تحجز بین الناس وبین الکذب علیٰ رسول اللہ ﷺ وقال الدار قطنی ثقه مامون وقال الخطیب ثبت حافظ متقن اور ان سے ناقل ابو الحسن محمد بن الحسین العلوی ہے۔ ان کے لیے ذہبی العبر فی خبر من غبر صفحہ ۷۶ ج ۳۔ میں کہتے ہیں کہ شیخ الاشراف کان سید انبیاء صالحاً اھ۔ اور ان سے ناقل خود امام بیہقی ہے اور موسیٰ بن عقبہ کی وہی سند ہے ان سے ابراہیم بن طہمان، ان سے عمر بن عبداللہ بن رزین السلمی، آگے وہی سند بیہقی تک۔ صالح بن کیسان سے اسماعیل عیاش، جس کے لیے تقریب میں کہتے ہیں کہ "صدوق فی روایته عن اهل بلده مختلط فی غیرهم" تاہم شاہدی کے لیے کارگر ہے۔ ان سے راوی الحسن بن عرفۃ بغدادی ہے۔ جسے تقریب میں ثقہ کہتے ہیں اور ان سے راوی حسین بن یحییٰ بن عباس القطان ہے۔ جسے ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۴۷ ج ۳۔ میں کہتے ہیں "مسند بغداد الثقة" ان سے راوی ھلال بن محمد بن جعفر الحفار ہے۔ اس کو تاریخ بغداد صفحہ ۷۵ ج ۱۴ اور العبر للذہبی صفحہ ۱۱۸ ج ۳ اور شذرات الذھب صفحہ ۲۰۱ ج ۳۔ میں صدوق کہا گیا ہے اور ان سے راوی خود امام

خطیب بغدادی ہے اور امام یحییٰ بن سعید القطان سے راوی امام عبید اللہ بن ادریس ہے جس کے لیے تقریب میں کہتے ہیں کہ ثقہ عابدٌ ان سے راوی سعید بن عقبہ ہے۔ یہ ابوعثمان الجزاز الرازی نہیں جو مشہور کذاب ہے۔ بلکہ یہ اور سعید بن عنبسہ ہے جس کے متعلق امام ابن حبان کتاب الثقات صفحہ ۸۹۵ ج ۴ قلمی میں بیان کرتے ہیں اور ان سے ہی عبداللہ بن ادریس کا تلمیذ کہا ہے۔ اس طرح لسان المیزان صفحہ ۱۴۰ ج ۳۔ میں بھی ہے اور اس دوسرے کے شیخ میں عبداللہ بن ادریس بیان شدہ نہیں ہے۔ اس لیے اس مقام پر یہی راوی ہے جسے ابن حبان ثقہ کہتے ہیں اور ان سے راوی ابوعلی الحسن بن محمد الدارکی ہے۔ جس کے لیے حافظ ابونعیم اخبار اصبہان صفحہ ۲۶۸ ج ۱۔ میں اس کا ترجمہ کیا ہے (اور رفع الیدین متعلق حدیث ذکر کی ہے) اور وہ کہتے ہیں کہ ثقہ صدوق صاحب کتاب ا ھ اور ذہبی العبر صفحہ ۱۷۰ ج ۲ اور ابن العمادی شذرات الذھب صفحہ ۲۷۵ ج ۲۔ میں محدث اصبہان کہتے ہیں کہ ان سے راوی قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراهیم العسال ہے جس کے لیے ذہبی تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۸۶ ج ۳۔ میں کہتے ہیں کہ "الحافظ العلامة قال ابن مردويه كان احدا الائمة فى علم الحديث فهما واتقاناً وامانة وقال النقاش لم نرمثله فى الاتقان والحفظ وقال ابو بكر بن ابى على ثقة مامون وهو الكبير فى الحفظ والاتقاق " اور ان سے راوی خود حافظ ابونعیم اصبہانی ہے۔

**الحاصل**:...... اس روایت نافع کو عظیم اہمیت حاصل ہے۔

اعتراض ثانی کے لیے یہ عنوان قائم کرتے ہیں ''اعتراض امام مالک'' مگر یہ بھی اکمال کذب ہے۔ اس حدیث پر امام مالک نے کوئی اعتراض ہی نہیں کیا جیسا کہ بیان تقدم ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ: پھر راقم ہیں کہ اس حدیث کو حضرت سالم رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے رفیق خاص جب ان سے یہ روایت کرتے ہیں تو آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور دونوں معروف تابعی اور عظیم بزرگ ہیں۔ حضرت سالم انہیں مرفوع نقل کرتے ہیں تو حضرت نافع اسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل تصور کرتے ہیں۔ (بخاری شریف)

اس لیے مشہور قول امام مالک یہی ہے کہ رفع الیدین رکوع کرتے اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت نہیں ہے۔ چونکہ نماز میں اصل اور بنیادی چیز یہی ہے کہ بنماز تحرک سے اجتناب کیا جائے۔ (زرقانی شرح موطا امام مالک)

**جواب**:...... **اولاً**: سالم اور نافع دونوں کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں روایات اپنے اپنے مقام پر صحیح اور مرفوع ہیں اور دونوں کو شہرت حاصل ہے۔ جس طرح مقام بالا میں ان کی اسناد بیان

کی گئی ہیں۔

**ثانیاً:** ...... جس سے اختلافی صورت نقل کی گئی ہے۔ بموجب ان کے حصہ آخر یعنی مقام رابعہ (بعد رکعات ثانیہ) میں رفع الیدین متعلق ہے۔ بقیہ تین مقام پر کوئی اختلاف نہیں ہے جس طرح خود امام ابو داؤد کے کلام سے ظاہر ہے۔

**ثالثاً:** ...... یہ ہے مولوی صاحب کا جھوٹ کہ بخاری میں نافع ابن عمر کا عمل تصور کرتا ہے۔ حالانکہ بخاری پیش نظر ہے اس میں روایت نافع صریحاً مرفوع ہے۔ جس طرح بالا میں ذکر ہوا۔

مولوی صاحب کو خوف خدا نہیں۔ کمربستہ ہو کر جھوٹ کہے جا رہا ہے۔

**رابعاً:** ...... امام مالک کی طرف مولوی صاحب کی یہ نسبت غلط ہے۔ کیونکہ مندرجہ بالا میں التمہید کے حوالے سے بیان ہوا۔ کہ امام مالک کے پانچ تلامذہ۔ ۱۔ عبداللہ بن وہب مصری ۲۔ ولید بن مسلم الدمشقی ۳۔ اشھب بن عبدالعزیز مصری ۴۔ ابو المصعب المدنی ۵۔ سعید بن ابی مریم مصری، یہ ان سے ناقل ہیں کہ امام موصوف تاوفات رفع الیدین کرتے رہے۔ نیز التمہید صفحہ ۲۲۳۔۲۲۲ ج ۹۔ (مغرب) میں ہے: "حدثنا عبدالوارث ابن سفیان حدثنا قاسم بن اصبغ حدثنا ابو عبیدة بن احمد حدثنا یونس بن عبدالاعلی حدثنا اشھب بن عبدالعزیز قال صحبت مالك بن انس قبل موته فما مات الا وهو رفع یدیه فقیل لیونس وصف اشھب رفع الیدین عن مالك قال سئل اشھب عنه ، غیر مرة فکان یقول یرفع یدیه اذا احرم واذا اراد ان یرکع واذا قال سمع الله لمن حمده قال یونس حدثنی ابن وھب قال صحبت مالك فی طریق الحج فلما کان بموضع ذکره یونس وفت زاقتی من ناقته فقلت یا ابا عبد الله کیف یرفع المصلی یدیه فی الصلوٰة فقال وعن ھٰذا تسئلنی ما احب ان اسمعه منك ثم قال اذا احرم واذا اراد ان یرکع واذا قال سمع الله لمن حمده قال ابو عبید سمعت ھٰذا من یونس غیر مرة حدثنا احمد بن محمد حدثنا وھب بن میسرة حدثنا ابن وضاح قال حدثنا ابو الطاھر احمد بن عمر قال حدثنا ابن وھب قال رایت مالك بن انس یرفع یدیه فی کل خفض ورفع اوقال قلما خفض ولم تزل تلك صلوٰة اھ

اب مولوی صاحب یہ عبارت بار بار پڑھ کے دیکھیں پھر آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ امام مالک کا منہج کیا تھا اور کیا کہہ رہے ہیں خود؟ وہ تو تا حیات عامل رفع الیدین رہے۔ بلکہ اسکے متعلق سائل پر ناراض ہوتے ہیں کہ ایسا معروف مسئلہ سوال کرنے یا ریب کے لائق نہیں ہے نیز ابن وھب اور ابو المصعب کی روایات جزوۃ

المقتبس لابی عبید اللہ الحمیدی صفحہ ۱۳۰، صفحہ ۲۱۴، صفحہ ۲۵۵ اور بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اندلس للضبی صفحہ ۱۸۵، صفحہ ۲۹۶، صفحہ ۴۹۱ میں بھی باسناد مروی ہیں۔

**خامساً**: ......گر بالفرض تسلیم کیا جائے نافع اور سالم کا اختلاف ہے تب بھی قول سالم راجح ہوگا۔ کیونکہ مندرجہ بالا قاعدہ بیان ہوا کہ "الحکم لمن رفع" یعنی جس روایت کو مرفوع بیان کیا گیا ہے اور سالم معروف ثقہ راویوں میں سے ہے۔ تقریب میں قائل ہیں کہ "احد الفقہآء السبعة وکان ثبتا عابداً فاضلا وکان یشبهه بابیه فی الهدیٰ والسمت اھ" یقیناً ایسے شخص کی زیادتی مقبول ہے۔ وهو السادس.

**وسابعاً**: ......خود آپ کے احناف نے فیصلہ دیا ہے کہ روایت سالم راجح ہے چنانچہ آپ کا زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۴۰۷ ج ۱۔ میں ابن عبدالبر سے ناقل ہے کہ "قال ابن عبدالبر فی التمهید هٰذا الحدیث احد الا حادیث الاربعة التی رفعها سالم عن ابیه عن النبی ﷺ ووقفها نافع عن ابن عمر فمنها ماجعله من قول ابن عمرو منها ما جعله عن ابن عمر عن عمرو القول فیها قول سالم ولیلتفت الناس فیها الیٰ نافع اھ۔" اور اسی طرح عینی حنفی بھی عمدۃ القاری صفحہ ۲۷۵ ج ۵۔ میں ابن عبدالبر سے ناقل ہے۔ نیز علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۶۹ میں راقم کہ "والقول فیها قول سالم" عبارت ابن عبدالبر سے معلوم ہوا کہ رجال عالم نافع کی روایت موقوف کی طرف کوئی دھیان نہیں دھرتے۔ کیونکہ جب خود نافع سے بسند صحیح تمام رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں اور نہ انقطاع سند اور نہ علت ثانیہ ہے ان سے بھی موافق سالم مرفوع روایت منقول ہے تو پھر یہ روایت لی جائے گی۔ جس میں دونوں متفق ہیں۔ وهو الثامن.

**وتاسعاً**: ......مندرجہ بالا کفایۃ الخطیب سے نقل کیا گیا کہ جب اک ہی راوی سے حدیث مرفوع وموقوف دونوں طرح مروی ہوں تو یہ روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ راوی بسا اوقات مرفوع بیان کرتا ہے، تو کبھی بطور فتویٰ بتاتا اور عامل ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں اپنے مقام پر درست ہیں۔ بلکہ اس سے تو حدیث کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے اور ثابت ہوا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے ہی رفع الیدین نقل کرتے ہیں اور خود اس پر عامل تھے۔ جیسا کہ ''سونے پے سہاگہ''

**وهو العاشر والحادی عشر**: ......مولوی صاحب یہ عذر ثانیہ پیش کرتے ہیں کہ ''محفوظ حرکات نماز ہو'' پھر بوقت قنوت وتر اور تکبیر عیدین میں کیوں نہیں محفوظ حرکات صلاۃ رکھتا؟ بلکہ یہ تو بے انتہا جرأت وبدمروّتی ہے جو فعل رسول اللہ ﷺ کو تحرک اور اطمینان صلوٰۃ کے منافی تصور کرتا ہے۔ وهو الثانی عشر۔

**والثالث عشر:**...... بالا میں بیان ہو چکا کہ رفع الیدین خود اطمینان اور خضوع صلوٰۃ کی علامت ہے اور لکھنوی صاحب التعلیق الممجد صفحہ ۹۶ میں راقم ہے کہ "رفع الیدین عن افتتاح وغیرہ خضوع واسکانة وابتهال وتعظیم لله واتباع سنة نبیه ﷺ"

**والرابع عشر:**...... مولوی اپنی فقہ سے آشنا تو ہولے کہ خشیت الصلوٰۃ کس طرح مبین کرتے ہیں۔ شامی صفحہ ۱۴۵ ج ۱۔ میں ہے "قال مشائخنا من صلیٰ فی کمه جرو تجوز صلوٰته" اور اس کے ھامش پر درمختیار میں ہے۔ "ولا صلٰة حامله ولو کبیرا" یعنی صغیر یا کبیر کلب کو اٹھا کر نماز پڑھی جائے تب بھی ہو جائے گی۔ فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۶۵ ج ۱۔ میں ہے: "قبلة المصلی امراته بدون شهوه لا تفسد صلوٰته" (مصلیٰ غیر شہوت کے اپنی زوجہ کو بوسہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی) اور فتاویٰ عالمگیر صفحہ ۱۰۳ ج ۱۔ میں ہے "وان کتب علیٰ الهواءِ او علیٰ بدنه شیئاً لا یستبین لا تفسد وان کثر. فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۶۴ ج ۱۔ میں ہے: ولو نظر الیٰ فرج المطلقة طلاقا رجعیاً عن شهوة یصیر مراجعاً ولا تفسد صلواته فی روایة اھ"

اس کا ترجمہ خود مولوی صاحب کرتے ہیں یہ تمام امور مولوی صاحب کے ہاں خشوع کے ہیں اس لیے انہیں محفوظ نماز رکھنا لازم نہیں ہے۔

آپ ہی جو کریں آپ ہی پوچھیں مجھ سے<br>
یہ تو فرمایئے آج طبیعت کیسی ہے

**صفحہ ۱۲۹:**...... اعتراض ثالثہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ "درج بالا محدثین ابو داؤد اور امام مالک کی تحقیق سے علم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کا رفع الیدین کرنا یقینی نہیں ہے"

**جواب:**...... **اولاً:** روایت ابن عمر، سالم کے طرق سے کئی اسناد سے ذکر کی گئی اور طرق نافع سے چار، پانچ طرق سے ذکر کی گئی۔ اس کے علاوہ اور بھی طرق ہیں۔ نیز ابن عمر کے علاوہ اور کئی صحابہ سے حدیثیں بیان ہوئی ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ پھر مولوی صاحب اسے یقینی نہ کہے تو پھر اس کے ایمان کے یقینی نہ ہونے کی دلیل ہے۔

**ثانیاً:**...... حدیث رفع الیدین دوسرے علماء کے علاوہ خود آپ کے کئی حنفی بھی متواتر تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ درج بالا حوالہ جات گذرے اور سید انور شاہ کاشمیری کی کتاب نیل الفرقدین صفحہ ۲۲۔ سے عبارت گذری کہ "لیعلم ان الرفع متواتر اسنادا وعملا لا یشك فیه ولم ینسخ ولا حرف منه اھ۔" اور خبر متواتر علم یقینی ہے۔ جس طرح اس بات پر تمام متفق ہیں۔ پھر بھی مولوی صاحب کا غیر یقینی کہنا گویا کہ

اپنے ہی خاندان سے نکلے جا رہے ہیں۔

**ثالثاً:** ...... صحیحین کی متفق علیہ روایت بھی مفید بر علم یقینی ہے۔ جیسا کہ نخبہ صفحہ ۱۸، ۱۹ اور مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۱۴ وغیرھا میں مذکور ہے۔

**رابعاً:** ...... امام عبداللہ بن مبارک تبع تابعی جسے آپ کے بڑوں نے حنفی شمار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "کانی انظر النبی ﷺ وھو یر فع یدیہ فی الصلوٰۃ لکثرۃ الاحادیث وجودۃ الاسانید (بیھقی صفحہ ۷۷ ج ۲) یعنی رفع الیدین کے متعلق ایسی بے شمار احادیث ہیں اور ان کی اسناد حسن اور صحیح ہیں۔ گویا کہ میں آپ ﷺ کو نماز میں رفع الیدین دیکھ رہا ہوں۔

**ناظرین:** ...... اب انصاف کریں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا یقینی بات ہوگی؟ مولوی صاحب کے اپنے عقیدے میں کج ہے اس لیے اتنی ساری احادیث کے ہوتے ہوئے بھی یقین نہیں کرتے۔

**خامساً:** ...... امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ "سمعت ابا جعفر احمد بن اسحاق بن بھلول یقول واملاہ علینا املاءً قال کان مذھبی مذھب اھل العراق رایت النبی ﷺ فی النوم یصلی فرایتہ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم اذا رکع ثم اذا رفع راسہ من الرکوع"

**ناظرین:** ...... یہ تھے مسلمہ عقیدہ والے مسلمان جنھوں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر ایمان لائے اور عراقیوں اور کوفیوں کا مذہب ترک کیا۔ مگر مولوی صاحب کا حال یہ ہے جو رفع الیدین کے متعلق بدر اللیل کی مانند احادیث دمک رہی ہیں۔ تب بھی کہتے ہیں یقینی نہیں ہیں۔

صدق سبحانہ وتعالیٰ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (التوبہ)

**سادساً:** ...... درج بالا حافظ ابن قیم کی عبارت بیان ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے اتنی روایات ہیں۔ گویا کہ انہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ بات بھی مولوی صاحب کے وھم کو رد کرتی ہے

**سابعاً:** ...... امام ابو داوٗد السجستانی مسائل الامام احمد صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں کہ "سمعت احمد قیل لہ رجل سمع ھٰذہ الاحادیث عن النبی ﷺ ثم لا یرفع ھو تام الصلوٰۃ؟ قال تمام الصلوٰۃ لا ادری و لکن ھو عندی فی نفسہ منقوص۔" نیز احمد بن شاکر امام موصوف سے نقل کرتے ہیں "اذا لم یرفع یدیہ یعنی فی الصلوٰۃ فھو ناقص الصلوٰۃ (الطبقات الحنابلۃ للقاضی ابی الحسین محمد بن ابی یعلی صفحہ ۴۸ ج ۱ اور مختصر طبقات الحنابلۃ للنابلسی صفحہ ۲۵).

ثابت ہوا کہ امام احمد رفع الیدین کے ثبوت کو یقینی تصور کرتے ہیں۔ بلکہ حافظ ابن عبدالبر الاستذ کار صفحہ ۱۷۶ ج ۲ میں بیان کرتے ہیں کہ "وقیل لا حمد بن حنبل یرفع المصلی عند الرکوع وقال نعم ومن یشك فی ذالك اھ" ثابت ہوا کہ خیر القرون میں ان کے متعلق مسلمانوں کو کوئی ریب نہیں ہے۔ بلکہ یقین ہے۔ وھو الثامن

**وتاسعاً:**...... درج بالا امام مالک سے تمہید کے حوالہ سے بیان ہوا کہ ان سے رفع الیدین کے متعلق پوچھا گیا تو ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ "وعن ھٰذا تسلنی ما احب ان اسمعه منك" یعنی ایسے معروف مسئلے کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہو۔ تجھ جیسے آدمی سے میں ایسا سوال سننا گوارہ نہیں کرتا۔ ثابت ہوا کہ امام مالک کو رفع الیدین کے متعلق کوئی بھی شک نہ تھا لیکن مولوی صاحب کو اس وقت شک ہو پڑا ہے۔ اب عاقل لوگ مولوی صاحب کے ریب پر دھیان دھریں۔ یا ائمہ حدیث عبداللہ بن مبارک۔ امام دار الہجرہ مالک بن انس، امام السنہ احمد بن حنبل وغیرھم کے یقین پر معتمد ہوتے۔

**عاشراً:**...... درج بالا صحیح ابن خزیمہ صفحہ ۲۹۸ ج ۱۔ سے امام محمد بن یحیٰ الذھلی کا قول نقل کیا گیا تو جس شخص نے ابوحمید الساعدی والی حدیث سماع کی پھر رفع الیدین نہیں کیا، تو اس کی نماز خداج ہے۔ امام عبدالرحمٰن مہدی کا قول بھی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سماع کے بعد جو شخص رفع الیدین نہیں کرتا اس سے قیامت کے دن دریافت کیا جائے گا۔ نیز امام ابوالشیخ اصبہانی طبقات المدلسین لاصبہان صفحہ ۹۶ ج ۱۔ قلمی میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ "انبأ نا اسحاق بن احمد قال سمعت رسته یقول سمعت ابن مهدی یقول وقیل له ان اباداؤد (الطیالسی) لا یرفع یدیه باصبهان اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع قال فسألنی عن ذالك فقلت یر فعهما جمیعا تحت ثیا به فقال بئس ما صنع الا یظهر فیراه الناس فیقتدوا به ." ثابت ہوا کہ تمام محدثین کے ہاں رفع الیدین کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے۔ جو جزء رفع الیدین کے نام سے معروف ہے۔ نیز امام محمد بن نصر المروزی اور امام ابوبکر نے بھی کتب لکھی ہیں۔ جیسے ابن عبدالبر نے الاستذ کار صفحہ ۱۲۵ ج ۲۔ میں ذکر کیا ہے اسی طرح امام ابونعیم اصبہانی نے بھی کتاب لکھی ہے۔ جیسا کہ ابوسعد السمعانی التحبیر فی المعجم الکبیر صفحہ ۱۷۹ ، ۱۸۲ میں بیان کیا ہے اس کے متاخرین میں تقی الدین السبکی جس کا رسالہ مصر اور ھندستان میں چھپا ہے۔

اور حافظ ابن قیم جیسے حافظ ابن رجب ذیل طبقات الحنابلہ صفحہ ۴۵۰ ج ۲۔ میں ذکر کیا ہے نیز امام نووی جیسا کہ خود اپنی کتاب شرح المهذب صفحہ ۳۹۹ ج ۳ راقم ہے کہ "وارجو ان اجمع فیه کتاباً

مستقلاً اھ" ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہوا کہ آپ رفع الیدین نا کرنے والے کو کنکریاں مارتے تھے اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رفع الیدین کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "انه يكتب فى كل اشارة يشير ها الرجل بيد يه فى الصلوٰة بكل اصبع حسنة او درجة رواه الطبرانى واسناده حسن" (مجمع الزوائد صفحه ۱۰۳ ج ۱) نیز محمد بن سیرین تابعی فرماتے ہیں کہ "هو من تمام الصلوٰة" (جزء رفع اليدين للبخاری صفحه ۱۰) ثابت ہوا کہ رفع الیدین کا ثبوت نہایت ہی یقینی ہے۔ مولوی صاحب نے غیر یقینی کہہ کر سنت کریمہ پر یلغار کی ہے۔ جس کا جواب خدا کے ہاں خود دیں گے۔ پھر کہتے ہیں کہ ''امام مالک اسی شک کی بنا پر رفع الیدین کے قائل نہ تھے'' حالانکہ یہ پورا جھوٹ واضح ہو چکا ہے۔ مولوی صاحب کا بنایا ہوا بڑا نقارہ پھٹ پڑا۔ بلکہ ثابت ہوا کہ امام مالک اس کے قائل وعامل اور اسے یقینی تصور کرتے تھے۔ اس پے ریب کرنے والے پر ناراض ہوتے تھے؛ پھر یہ حدیث لکھتے ہیں: "دع ما يريبك الى ما يريبك" اس کے مطابق فیصلہ سہل ہے کہ ایک طرف احادیث صحیحہ کثیر تعداد میں رفع الیدین کو ثابت کرتی ہیں اور انہیں محدثین خواہ فقہاء مذاہب اربعہ متواتر تسلیم کرتے ہیں اور دوسری جانب رفع الیدین کی نفی میں کوئی صحیح روایت ثابت ہی نہیں۔ جیسا کہ بالا میں تفصیل سے بیان ہوا۔ اب قارئین انصاف کریں کس جانب معاملہ یقینی اور قطعی ہے اور کس جانب ظن، گمان، شک اور ریب ہے؟ ایسی دمک کے بعد بھی اگر چمگادڑ دن کو نہ دیکھ سکے تو اس میں قصور اسی کا ہے نہ کہ کسی اور کا۔

**چوتھا اعتراض:** ...... یہ تحریر کرتے ہیں کہ ''اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ امام مالک نے مدینہ میں نماز پڑھتے کئی تابعین کو دیکھا ہے، اب وہ رفع الیدین کرتے تھے یا نہیں؟

**جواب:** ......گر وہ کرتے تھے تو امام مالک بھی ضرور کرتے اور اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ مدینہ یا اس وقت کے تابعی جنھوں نے صحابہ کو دیکھا اور حضور اکرم ﷺ کے مدینہ کے رھواسی تھے۔ وہ بھی رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ اس لیے امام مالک کا بھی یہی ظن ہے کہ مدینہ کے رھواسیوں کا عمل معتبر ہے اور امام مالک بھی حجت ہے کیونکہ مدینہ کے علماء کے قول وعمل کو زیادہ جانتے ہیں اور مدینہ کے علماء جب اس حدیث کو معتبر نہیں جانتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ''دال میں کالا'' ضرور ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** مولوی صاحب نے اس مقام پر واضح حقیقت کا انکار کیا ہے امام مالک کا درج بالا میں ذکر کیا گیا اور ان کی متعدد روایات سے انہیں کا قول وعمل بیان کیا گیا۔ اس طرح مدینے کے عام علماء تابعین اور تبع تابعین رفع الیدین کرتے تھے۔ جیسا کہ امام بخاری کے جزء رفع الیدین سے ظاہر ہوا اور چند حوالہ جات ان سے ذکر کیے گئے تاہم مولوی صاحب کے اپنے گھر کی نقل پیش کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ ان حوالہ

جات کے بعد ان کی الغوزہ مغلق ہو جائے گی۔

مذہب حنفیہ کا امام مجتہد محمد بن حسن الشیبانی کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ صفحہ ۹۴ ج ا میں فرماتے ہیں کہ ”وقال اهل المدينة يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوٰة واذا كبر للركوع واذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذالك ايضاً وقال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد فيرفع يديه فى هٰذا كله حذو منكبيه وقالوا لا يفعل ذالك فى السجود وروه ذالك عن ابن عمر“ اب مولوی صاحب یہ عبارت پڑھیں اور اپنے چہیتوں اور اپنے ہم نواؤں کو پڑھائیں پھر فیصلہ دیں کہ خود ایک طرح کہتے ہیں اور ان کے مذہب کا امام اور طرح کہتا ہے دونوں باتوں میں کس کو سچا اور کس کو کذب کہیں گے۔ دراصل اس عبارت نے مولوی صاحب کی دعواؤں کی گردن کاٹ دی اور ان کا یہ کہنا کہ امام مالک یا اہل مدینے کا مذہب رفع الیدین کرنا نہ تھا تو مدینہ والوں کا مذہب تو رفع الیدین کرنا ہے اور اس بارے میں ان کی دلیل خاص ابن عمر کی حدیث ہے پھر جب کہ مدینہ والے ابن عمر کی حدیث کو معتمد تسلیم کرتے ہیں اور حجت مانتے ہیں تو خود بھی اس کو معتبر تسلیم کرے اور جبکہ مدینہ والوں کا مذہب رفع الیدین کرنا ہے نہ کہ ترک کرنا تو مولوی صاحب کو بھی یہی مذہب اختیار کرنا چاہیے کیونکہ خود کہہ چکے ہیں کہ ”مدینہ کے رہواسیوں کا عمل زیادہ معتبر ہے“ اور نیز درج بالا میں امام مالک کا صحیح مذہب رفع الیدین کرنا ثابت ہوا۔ اس لیے مولوی صاحب کو انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ خود کہیں کہ ”امام مالک بھی حجت ہے۔ کیونکہ وہ مدینہ کے علماء کے قول و عمل کو زیادہ جانتے ہیں“ پھر مولوی صاحب کو چاہیے کہ مذہب امام مالک دیکھ علماء مدینہ کی طرف غلط نسبت نہ کرے۔

**صفحہ ۱۲۰**: ...... پانچواں اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ”مالک بن حویرث کی حدیث میں بین السجد تین رفع الیدین ثابت ہے۔“

## مالک بن حویرث کی سجدہ میں رفع الیدین کرنے والی روایت پر مکمل بحث

**جواب**: ...... **اولاً**: یہاں بحث حدیث ابن عمر کے متعلق چل رہی ہے۔ اس میں حدیث مالک بن حویرث کس طرح وصل کرتے ہو؟ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما تو صاف اور اپنے مطلب میں واضح ہے مولوی کو چاہیے تھا کہ اصل مالک بن حویرث کی صحیحین میں ذکر شدہ حدیث لاتے۔ جس میں صرف تین مقام پر رفع الیدین کا ذکر ہے سجدے کا بیان نہیں۔ اس کے لانے کے بعد پھر اعتراض کرتے۔ لیکن کیا کیا جائے! یہ عالموں کا کام ہے۔ بیچارے مقلدوں کے اعتراض ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ”كل اناء ينضح بما فيه“ وهو الثانى“

**ثالثاً:** ...... جو حدیث مالک بن حویرث مولوی صاحب نے نقل کی ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا بلکہ اس کی صحیح حدیث میں سجدہ یا بین السجدتین رفع الیدین کا بیان نہیں ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں مروی ہے۔

**رابعاً:** ...... بلکہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں تو سجدہ کرنے خواہ بین السجدتین رفع الیدین کی نفی ہے۔ اس لیے اس پر اعتراض بے معنی ہے۔

**خامساً:** ...... آپ کے امام محمد کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مدینہ والوں کا عمل یہی ہے کہ سجدہ میں رفع الیدین نہ کی جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "وقالوا لا یفعل ذالك فی السجود." اس لیے مولوی صاحب اپنی تحریر کے مطابق مدینہ والوں کے فیصلہ کو قبول کرتے اور ایسے اعتراض کو واپس لیتے وھو السادس.

**وسابعاً:** ...... جب کہ مدینہ والے سجدہ میں رفع الیدین کے قائل نہیں ہیں۔ اس سے سمجھنا چاہیے کہ علماء مدینہ جب اس حدیث کو معتبر تصور نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ''دال میں کالا ضرور ہے'' جیسے خود مولوی صاحب نے لکھا ہے۔

**ثامناً:** ......اگر مولوی صاحب اس زیادتی کو معتبر سمجھتے ہیں تو اس مقام پر بھی بھلے رفع الیدین کریں۔ مگر رکوع کرتے اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین سے کیوں منع کرتے ہیں؟ یا اس سے انکار کرے۔

**خامساً:** ...... جب کہ وہاں پر بھی مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جاننے والا نہ جاننے والے سے معتبر ہے تو یہ قاعدہ بھی ان کی گردن میں پڑتا ہے کیونکہ خود اس پر عامل کیوں نہیں؟

**عاشراً:** ...... جب کہ رکوع اور اس سے سیدھے ہوتے وقت اثبات رفع الیدین پر دونوں احادیث متفق ہیں۔ انہیں نہیں لیتا۔ بلکہ جس مسئلے میں دونوں میں اختلاف ہے اس میں ایک کو اپنی چاہت مطابق لیتا ہے یہ بھی کوئی انصاف ہے؟۔

اس کے بعد سجدہ والی روایت بحوالہ نسائی اس سند سے ذکر کرتا ہے "اخبرنا محمد بن المثنیٰ قال حدثنا معاذ بن ھشام قال حدثنی ابی عن قتادۃ عن نضر بن عاصم عن مالك بن الحویرث۔ الحدیث۔ اس سند میں قتادہ مدلس ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں گذرا۔ نیز تہذیب صفحہ ۳۵۵ ج ۸۔ طبقات المدلسین لا بن حجر صفحہ ۱۴۔ التبیین فی اسماء المدلسین صفحہ ۱۴ وغیرھم دیکھنی چاہئیں اور یہاں معنعنا روایت کرتا ہے۔ لہٰذا روایت ضعیف کہی جائے گی۔ جب تک سماع کی تصریح نہ کرے بلکہ تہذیب میں اس طرح بھی ہے "قال ابو داؤد الطیالسی عن شعبة قال کان قتادۃ اذا جاء ما سمع قال حدثنا واذا جاء مالم یسمع قال فلان اھ" جس طرح یہاں "حدثنا" نہیں کہتا

بلکہ عن نضر بن عاصم کہتا ہے لہٰذا سماع نہیں ہے اور انقطاع کا شبہ بھی ہے۔ وھو الثانی

**ثالثاً:**...... ابن عمر کی حدیث جس میں سجدوں میں رفع الیدین کی نفی ہے۔ لہٰذا یہ روایت بمع ضعیف ہونے کے صحیح کے مخالف ہے۔ لہٰذا منکر ہوئی۔

**رابعاً:**...... مالک بن حویرث کی روایت دوسری سند سے بھی ہے جس میں سجدہ میں رفع الیدین کا بیان نہیں ہے چنانچہ بخاری صفحہ ۱۰۲ ج ۱۔ میں ہے: "حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد بن عبدالله عن خالد عن ابی قلابة انه رای مالك بن الحويرث اذا صلىٰ كبرو رفع يديه واذا اراد ان يركع رفع يديه واذا رفع راسه من الركوع رفع يديه وحدث ان رسول الله ﷺ صنع هٰكذا۔" نیز صحیح مسلم صفحہ ۱۰۸ ج ۱۔ مع النووی میں یہ حدیث ہے کہ "حدثنا يحيىٰ بن يحيىٰ قال انا خالد بن عبدالله عن خالد عن ابی قلابة انه راٰی مالك بن الحويرث اذا صلىٰ۔ الحديث" اور صحیح ابن خزیمہ صفحہ ۲۹۵ ج ۲۔ میں ہے "انا ابو بشر الواسطی انا خالد يعنی ابن عبدالله عن خالد وهو الحذاء عن ابی قلابة انه رای مالك بن الحويرث اذا صلی۔ الحديث" نیز صحیح ابوعوانہ صفحہ ۹۴ ج ۲ میں ہے "حدثنا مسلم بن الحجاج قال ثنا يحيىٰ بن يحيىٰ قال ثنا خالد بن عبدالله عن خالد عن ابی قلابة انه رای مالك بن الحويرث۔ الحديث"

نیز صحیح ابن حبان صفحہ ۲۶۵ ج ۳ (بترتیب الفارسی) میں ہے "اخبرنا شباب بن صاح بواسط قال حدثنا وهب بن بقية قال اخبرنا خالد عن ابی قلابة انه رای مالك بن الحويرث۔ الحديث" اس طرح بیہقی صفحہ ۷۱ ج ۲۔ میں بھی موجود ہے۔

**ناظرین:** ...... مالک بن حویرث کی یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے اور ایسی روایت صحیح کی اعلیٰ قسم میں سے ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ نیز اور صحیح کتب بھی ان سے ناقل ہیں۔ لہٰذا اس کے مقابلے میں قتادہ کی تدلیس شدہ روایت کس طرح قبول ہوگی؟

**خامساً:**...... خود قتادہ یہی حدیث سماع تصریح سے بھی لائے ہیں۔ لیکن اس میں سجدہ میں رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے۔ باقی تین مقام (تکبیر اولیٰ، رکوع اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت) رفع الیدین کا ذکر ہے۔ چنانچہ سنن نسائی صفحہ ۸۹ ج ۱۔ باب رفع الیدین حیال الاذنین میں ہے "اخبرنا محمد بن عبدالاعلى حدثنا خالد حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت نضر ابن عاصم عن مالك بن الحويرث وكان من اصحاب النبی ﷺ ان رسول الله ﷺ كان اذا صلىٰ رفع يديه

حین یکبر حیال اذنیہ واذا اراد ان یرکع واذا رفع راسہ من الرکوع۔ نیز صفحہ ۱۰۵ ج ۱ باب رفع الیدین حذو فروع الا ذنین عند الرفع من الرکوع اخبر نا اسماعیل بن مسعود حدثنا یزید وھو ابن زریع حدثنا سعید عن قتادۃ عن نضر بن عاصم انہ حدثھم عن مالک بن الحویرث انہ رای النبی ﷺ یرفع یدیہ اذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع حتٰی یحاذی بھما فروع اذنیہ۔ " اب قارئین غور فرمائیں کہ قتادہ راوی مدلس ہے اور جس سند میں سماع کی تصریح کرتا ہے اور "سمعت" یا "حدثنا" کہتا ہے تو وہاں سجدے میں رفع الیدین کا ذکر نہیں کرتا اور جس مقام پر سماع کی تصریح نہیں کرتا "عن نضر بن عاصم" کہتا ہے تو اس میں سجدہ کرتے رفع الیدین کا ذکر کرتا ہے۔ لہٰذا محدثین کے متفق علیہ قاعدہ کے مطابق قتادہ کی وہ حدیث صحیح کہی جائے گی۔ جس میں سجدہ میں رفع الیدین کا بیان نہیں ہے اور جس میں سجدہ میں رفع الیدین کا بیان ہے۔ وہ صحیح تصور نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ "عن" سے روایت کرتا ہے۔

**سادساً:** ...... قتادہ سے ایسی بھی روایت ملتی ہے۔ جس میں وہ نضر بن عاصم سے "عن" سے روایت کرتا ہے لیکن اس میں بمقام سجدہ رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم صفحہ ۱۶۸ ج ۱۔ مع النووی میں ہے "حدثنی ابو کامل الحجدری قال نا ابو عوانۃ عن قتادۃ عن نضر بن عاصم عن مالک بن الحویرث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا کبر رفع یدیہ حتٰی یحاذی بھما اذنیہ واذا رکع رفع یدیہ حتٰی یحاذی بھما اذنیہ واذا رفع راسہ من الرکوع فقال سمع اللہ لمن حمدہ فعل مثل ذالک۔ نیز مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ ۱۷۶ میں ہے۔ حدثنا شعبۃ عن قتادۃ عن نضر بن عاصم عن مالک بن الحویرث قال کان النبی ﷺ یرفع یدیہ اذا افتتح الصلٰوۃ واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع ۔ " نیز یہ حدیث سنن النسائی صفحہ ۸۹۔۱۰۳ ج ۱۔ سنن ابی داؤد صفحہ ۱۰۹ ج ۱۔ ابن ماجہ صفحہ ۶۲، مسند احمد صفحہ ۴۳۶ ج ۳ اور صفحہ ۵۳ ج ۵۔ سنن الدارمی صفحہ ۲۲۹ ج ۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۳۴ ج ۱۔ ابوعوانہ صفحہ ۹۴ ج ۲، صحیح ابن حبان صفحہ ۲۵۵ ج ۳۔ (ترتیب الفارسی) دارقطنی صفحہ ۲۹۲ ج ۱۔ بیہقی صفحہ ۷۱ ج ۲۔ معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم صفحہ ۲۱۸ ج ۲ (قلمی) وغیرہ کتب میں ہے۔

اب قارئین توجہ مرکوز رکھیں کہ قتادہ کی دونوں روایات معنعنا ہیں۔ ایک میں بوقت سجدہ رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے اور دوسری میں ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ پہلی راجح ہے۔

**لوجوہ الاول:** ...... یہ روایت اُس روایت کے موافق ہے جس میں قتادہ سماع کی تصریح کرتا ہے۔

**الثانی:** ...... علاوہ قتادہ کے دوسری سند جو بخاری وغیرہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس سے بھی موافق ہے۔

**الثالث:** ...... یہ صحیح مسلم کی روایت ہے یعنی تصحیح کا طبقہ ثالث ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ لہٰذا وہ روایت اس سے طبقہ میں کئی گنا کم ہے۔

**سابعاً:** ...... حدیث مالک بن حویرث کا راوی خود تین مقام پر رفع الیدین کرتے تھے۔ لیکن سجدہ میں رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۱۲ میں ہے کہ "حدثنا محمود قال ابن علية انا خالد ان ابا قلابة كان يرفع يديه اذا ركع واذا رفع راسه من الركوع وكان اذا سجد بدأ بركبتيه وكان اذا قام ارم على يديه قال وكان يطمئن فى الركعة الا ولى ثم يقوم وذكر عن مالك بن الحويرث ﷺ ." ثابت ہوا کہ اصل روایت میں سجدہ میں جاتے رفع الیدین کا بیان نہیں ہے ورنہ مالک بن حویرث ضرور اس کے مطابق کرتا۔

**ثامناً:** ...... اگر سینہ آزمائی سے اس حدیث کو صحیح کہے گا تب بھی آپ کے اصول کے مطابق یہ روایت منسوخ ہوگی۔ کیونکہ راوی اپنی مروی کے خلاف عامل ہے۔ ایسی روایت آپ کے ہاں منسوخ ہوتی ہے۔ جیسا کہ نور الانوار وغیرہ اصول فقہ کی کتب سے بیان کیا گیا۔

**تاسعاً:** ...... ابو قلابہ تابعی مالک بن حویرث سے اس حدیث کے راوی ہیں۔ جیسا کہ بخاری ومسلم کی اسناد سے معلوم ہوا اور ان کا عمل بھی یہی ہے کہ صرف تین مقامات پر رفع الیدین کرتے تھے اور بوقت سجدہ ان سے مروی نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ تابعین تک مسلسل عمل سجدہ میں رفع الیدین نہ کرنا ہے لہٰذا مولوی صاحب کی پیش کردہ روایت کے ضعیف ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

**عاشراً:** ...... ائمہ محدثین سند میں رفع الیدین والی روایت کو صحیح نہیں کہتے۔ چنانچہ مختصر طبقات الحنابلہ للنابلسی صفحہ ۱۷۵ میں ہے "قال حنبل سمعت ابا عبدالله وساله رجل عن رفع اليدين فى الصلوٰة فقال يروى عن رسول الله ﷺ من غير وجه وعن اصحابه انهم فعلوه اذا افتتح واذا اراد ان يركع واذا رفع راسه من الركوع قلت له فبين السجد تين قال لا قلت فاذا اراد ان ينحط ساجدا قال لا فقال له عباس العنبرى يا ابا عبدالله ليس يروى عن النبى ﷺ انه فعله قال هذه الا حاديث اقوى واكثر۔" کلام امام احمد سے ظاہر ہوا کہ سجدہ میں رفع الیدین کی نفی والی روایات کثیر ہیں اور اقویٰ ہیں۔ سجدہ میں اثبات والی روایات اس کے مقابلہ جیسی نہیں ہیں۔ اس طرح امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۱۵۔ ۱۶۔ میں ان احادیث کو محفوظ کہتے ہیں۔ جن میں سجدہ کی حالت میں رفع الیدین کی نفی ہے۔

**حاصل کلام:** ...... یہ روایت کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اور ضعیف روایت کا سہارا لیکر صحیح پر حملہ کرنا سخت

نادانی ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ "الراجح لا یعل بالمرجوح والضعیف ولا یؤثر فی الصحیح"

**صفحہ ۱۳۱:** ......راقم ہیں "یہ حدیث سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے کیونکہ خود بخاری شریف اور مسلم شریف کی اسناد میں یہی راوی ہیں۔

بخاری شریف۔ مسلم شریف صفحہ ۱۹۸ گویا کہ یہ حدیث خود بخاری اور مسلم کی حدیث ہے۔

**جواب:** ...... **اولاً:** مولوی صاحب نے یہاں پر پاؤں باندھ کر کذب بولا ہے۔ کیونکہ اسی سند کے تمام راوی بخاری و مسلم کے نہیں ہیں۔ چنانچہ اسی سند میں ایک راوی نضر بن عاصم لیثی ہے۔ جو صحیح بخاری کا راوی ہے ہی نہیں چنانچہ تقریب اور تہذیب کے رموز سے ظاہر ہے کہ اس میں بخاری کے لیے کوئی اشارہ نہیں دیا ہوا۔ اس طرح امام ابن القیسرانی کتاب الجمع بین رجال الصحیحین صفحہ ۵۳۱ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اسے صرف مسلم کا راوی شمار کیا ہے اور بخاری کے راویوں میں اس کا شمار نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح علامہ عفیف کارونی کا بخاری کے راویوں کے متعلق کتاب مقاصد التنقیح ہے مگر ان میں اس کا بیان نہیں۔

**ثانیاً:** ...... یہ بات غلط ہے کہ بخاری و مسلم کے راویوں سے دوسری کتب میں حدیث موجود ہے اگر ہوتی تو ایسا مقام ملتا، کیونکہ صحیحین کو "تلقی الامة بالقبول" حاصل ہے یعنی امت نے اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔ ایسا مقام کسی اور کتاب کو نہیں۔

**ثالثاً:** ......سند میں قتادہ مدلس ہے اور اس کی معنعن قبول نہیں ہوتی۔ مگر صحیحین میں اگر مدلس کی مروی ہے تو وہ "محمول علی السماع" ہوتی ہے یعنی اور اسناد میں سماع کی تصریح ہوتی ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔ لہٰذا دوسری کتب کی روایات صحیحین کے مساوی نہیں ہیں۔

**رابعاً:** ......صحیح مسلم میں نصر بن عاصم کی روایات ہیں۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ اس میں نضر بن عاصم کی مالک بن حویرث سے رفع الیدین کے متعلق جو حدیث ہے اس میں سجدہ کرتے رفع الیدین کا ذکر نہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ سہارا بیکار رہوا۔ بلکہ جب امام مسلم اپنی صحیح میں نضر بن عاصم کی یہ روایت لائے ہیں۔ جس میں سجدہ کرتے رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ امام مسلم مالک بن الحویرث کی قتادہ عن نضر بن عاصم کے واسطہ سے تحقیق، و تفتیش کر کے یہ حدیث لائے ہیں۔ جو صحیح اور سالم ہے۔ جس میں ضعف یا شبہ ہے اسی نہیں لائے۔ اس کا امتیازی مقام بخاری، مسلم کو حاصل ہے۔ نسائی اور دوسری کتب کے لیے یہ شرط نہیں ہے وھو الخامس.

پھر لکھتے ہیں کہ "حافظ ابن حجر اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اصح ما وقفت علیه

من الاحادیث فی الرفع فی السجود ما رواہ النسائی الخ "

**جواب:** ...... **اولاً:** اس سے مراد صحیح لینا جہالت اور اصطلاح محدثین سے لاعلمی کی دلیل ہے۔ بلکہ حافظ صاحب کی عبارت کا مطلب یہ ہے، کہ سجدہ میں رفع الیدین کے متعلق جو روایات ہیں ان روایات میں یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ پھر جب کہ یہ بھی ضعیف ثابت ہوئی بقیہ تو ضعف میں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ عام طرح محدثین یہ لفظ اس روایت کے متعلق کہتے ہیں جو اور روایات سے قدر حسن ہو یا اس سے ضعف میں کم ہو۔

**وھو الثانی والثالث:** ...... مولوی صاحب والا معنی اس وقت ہوگا جب یہ اور تمام روایات صحیح ہوں۔ لیکن جب کہ وہ صحیح نہیں ہیں اور ہر روایت مجروح ہے پھر یہ معنی نہیں لیا جاسکتا۔ بلکہ مراد ہے کہ اوروں سے ضعف میں کم ہے۔ لیکن اور قرائن کی بناء پر بلکل ضعیف ہو جاتی ہیں۔

**رابعاً:** ...... تدریب الراوی صفحہ ۲۴ میں ہے۔ "مما یناسب ھذہ المسئلة اصح الاحادیث المقیدة کقولھم اصح شی فی الباب کذا وھٰذا یوجد فی جامع الترمذی کثیرا وفی تاریخ البخاری وغیر ھما وقال المصنف (النووی) فی الاذکار لا یلزم من ھذہ العبارہ صحة الحدیث فانھم یقولون ھذا اصح ماجاء فی الباب وان کان ضعیفا ومراد ھما رجحه اواقله ضعفا ذکر ذالك عقب قول الدار قطنی اصح شی فی فضائل السور فضل قل ھو اللہ احد واصح شی فی فضائل الصلوٰة فضل صلاة التسبیح ."

**خامسا:** ...... ابو داؤد اپنی سند سے کتاب الطلاق باب البتة میں ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وھٰذا اصح من حدیث ابن جریج " اس کی شرح میں حافظ ابن قیم تہذیب السنن صفحہ ۱۳۴ ج ۳ (فی ذیل مختصر سنن ابی داؤد للمنذری) میں فرماتے ہیں: "ان ابا داوٗد لم یحکم بصحته وانما قال بعد روایته ھذا اصح من حدیث ابن جریج انه طلق امراته ثلاثا لانھم اھل بیته وھم اعلم بقصیتھم وحدیثھم وھذا لایدل علی ان الحدیث عندہ صحیح فان حدیث ابن جریج ضعیف وھذا ضعیف ایضاً فھوا صح الضعیفین عندہ وکثیرا ما یطلق اھل الحدیث ھذہ العبارة علی ارجح الحدیثین الضعیفین وھو کثیر فی کلام المتقدمین ولو لم یکن اصطلاحا لھم لم تدل اللغة علی اطلاق الصحة علیه فانك تقول لا حد المریضین ھذا اصح من ھذا ولایدل علی انه صحیح مطلقا واللہ اعلم الخ " ان عبارتوں کے بعد معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نے حافظ ابن حجر کی عبارت کا غلط مفہوم لیا ہے۔ ورنہ یہ ہی فرماتے ہیں کہ

"اصح ما وفقت علیه" یعنی سجدہ میں رفع الیدین متعلق میں نے روایات دیکھی ہیں ان میں سے یہ اصح ہے یعنی اقل ضعفاً ہیں۔ بنسبت اور کے اس کا ضعف کم ہے۔ کیونکہ ثابت ہوا کہ یہ بھی ضعیف ہے۔

**وھو السادس**: ...... اتنی وضاحت ہوتے ہوئے بھی مولوی صاحب دباؤ دے رہیں کہ "یہ حدیث بالکل صحیح گویا کہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے۔

**اولاً**: ...... یہ ان کا کذب اور دھوکا ہے۔

**ثانیاً**: ...... اگر اس طرح ہے تو خود اس کے قائل کیوں نہیں ہوتے۔ جب صحیح تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کے مطابق عمل کیوں نہیں کرتے؟

**ثالثاً**: ...... مولوی صاحب نے جو حدیث مالک بن حویرث نقل کی ہے۔ اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ "حضور اکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو رفع الیدین کرتے تھے اور رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ایسا کرتے تھے اور جب سجدہ اول سے سر مبارک اٹھاتے تو اسی طرح رفع الیدین کرتے تھے (تحفة الحدیث صفحه ۱۳) اس حدیث میں چار مقام پر رفع الیدین کرنے کا بیان ہے۔ افتتاح نماز، رکوع کرنے، رکوع سے اٹھتے اور سجدہ اول سے سر اٹھاتے، ہم پہلے تین مقام پر رفع الیدین کے قائل ہیں۔ جب کہ مولوی صاحب اس حدیث کو صحیح اور بخاری ومسلم کی حدیث کے مساوی تصور کرتے ہیں۔ پھر ان کے فیصلہ کے مطابق ہمارا رفع الیدین تو ثابت ہوا۔ وللہ الحمد

رہا چوتھا مقام تو ہم چونکہ اس حدیث کے صحیح ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ درج بالا میں تحقیق پیش کی گئی۔ لہٰذا ہم اس کے پابند نہیں۔ لیکن مولوی صاحب جب اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو پھر خود ان چار مقام پر رفع الیدین کرنے کا پابند ہوں گے ورنہ خود اپنی پھانسی میں پھنسا۔

الجھا ہے پاؤں یار کی زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!

ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ہم جس رفع الیدین کے قائل ہیں اس کا ثبوت کثیر احادیث کے علاوہ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا۔ جسے مولوی صاحب صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ وھو الرابع

**خامساً**: ...... اس کے لیے مثال سمجھنی چاہیے کہ ایک مدعی قاضی کے سامنے دعویٰ پیش کرتا ہے کہ فلاں آدمی کے ہاں میرے تین کپڑے امانت رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن مجھے نہیں دیتا۔ فیصلہ کر کے مجھے کپڑے دلائے جائیں۔ قاضی مدعی علیہ کو بلوا کر اس سے دریافت کرتا ہے وہ جواب میں کہتا ہے جناب اعلیٰ یہ جھوٹ کہتا ہے میرے ہاں اس کے تین کپڑے نہیں ہیں۔ بلکہ چار ہیں۔

اب قارئین انصاف کریں کہ قاضی صاحب کیا انصاف کریں گے؟ یعنی یہ کہ اس کے تین کپڑے ثابت ہوئے وہ اک دم واپس لوٹائے بقیہ چوتھا کپڑا یقیناً اس کا تیرے پاس ہے۔ تو اس کے لوٹانے کا بھی تو پابند ہے۔ امید ہے کہ مولوی صاحب کے ہاں بھی اک ایسا مقدمہ آئے گا تو خود بھی ایسا ہی فیصلہ کرے گا۔ یہاں بھی صورت اسی کے مشابہ ہے۔ ہماری دعویٰ یہ ہے کہ رفع الیدین تکبیر اولیٰ، رکوع کرنے اور رکوع سے سیدھے ہوتے تین مقام پر ثابت اور سنت ہے اور مدعیٰ علیہ (مولوی صاحب) پہلے تو کہتا رہا کہ اس طرح رفع الیدین ثابت نہیں ہے اور پورا دباؤ اس پر رہا اور پھر اب بیان دیتے ہیں کہ رفع الیدین تین مقام پر نہیں بلکہ چار مقام پر صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ تین مقام وہ جو آپ کہتے ہو۔ چوتھا مقام سجدہ اولیٰ سے اٹھتے وقت۔ اس مقدمہ کے متعلق مدعی اور مدعیٰ علیہ کے بیانات کو عوام کی عدالت کے پیش نظر رکھتے ہیں اور طالب انصاف ہے۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
میرے بزرگ منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

پھر رقم کرتے ہیں کہ (جو جواب سجدہ میں رفع الیدین نہ کرنے کا غیر مقلد حضرات دیں گے وہی جواب رکوع میں رفع الیدین نہ کرنے کا اہل السنّت والجماعت حضرات کی طرف سے ہوگا)

**جواب**: ...... ہماری طرف سے جواب واضح ہے کہ جو حدیث صحیح ہے ہم اس پر عامل ہیں۔ جو صحیح نہیں ہم اس پر عامل نہیں لیکن یہ جواب مولوی صاحب کی طرف سے کس طرح ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کہا ہی نہیں جاسکتا کہ رکوع کرتے اور سیدھے ہوتے وقت کے لیے کوئی صحیح حدیث ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی جرات تو ان کے بڑوں کو نہیں ہوئی تو پھر مولوی صاحب کو کس طرح ہوگی؟

**ثانیاً**: ......لیکن اگر ان سے سوال ہو کہ جس حدیث کو آپ صحیح تصور کرتے ہیں اس پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ ابن عمر اور ابو حمید یا وائل رضی اللہ عنہ کی احادیث کو تو صحیح نہیں مانتے تو بھلے اس پر عمل نہ کریں۔ مگر جسے صحیح تصور کرتے ہیں اس پر عمل کرنے سے آپ کو کون سی چیز مانع ہے؟ تو پھر اس کے لیے مولوی صاحب کا کیا جواب ہوگا؟ یہی کہ "ثم نکسوا علیٰ رؤوسھم"

**ثالثاً**: ...... ہمارا جواب ثانیہ یہ ہے کہ تین مقام پر رفع الیدین کرنے کے ثبوت میں دونوں فریق (ہم اور مولوی صاحب) متفق ہیں۔

اور چوتھے مقام پر اختلاف ہے۔ پھر متفق علیہ بات پر عمل لازم ہے باقی مختلف فیہ عمل صرف اس پر لازم ہے۔ جو ان کا قائل ہو مولوی صاحب ایسی بات کر کے خود پھنس گئے ہیں جو بات کر کے اس پر نہیں ٹکتا۔

ہزاروں خوبیوں کے ساتھ تم میں یہ برائی ہے
تیرے وعدوں کو جھوٹا ظالم !بیشتر ہم نے پایا

**رابعاً**:......مولوی صاحب نے جہاں خودکو اہل سنت کہلوایا ہے۔جس کی معنی ہے سنت والا۔اب مولوی صاحب سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ ''سنت کس کی مراد لیتے ہیں۔اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد لیتے ہیں تو پھر آپ کی سنت واسوہ مبارک تو کتب احادیث میں واضح ہے۔ان کے دیکھے بغیر معلوم نہ ہو سکے گا پھر مولوی صاحب کا اہل سنت ہونا یا کہلوانا اہل حدیث ہونے یا کہلوانے سے پہلے نہ ہو سکے گا۔ جب تک حدیث والا نہ ہوگا تب تک سنت والا کس طرح ہوگا؟ اہل حدیث پر مولوی صاحب کو چڑ ہے مگر اہل سنت کہلوانے میں فخر کرتے ہیں۔''آپ نہ دیدہ موزہ کشیدہ'' یعنی پانی سے پہلے ہی کپڑے اتار کر کھڑا ہے۔ ابھی اہل حدیث نہیں ہوا ہے۔ پہلے ہی اہل سنت ہوتے ہیں۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔

**خامساً**:......شیخ عبدالقادر جیلانی جسے مولوی صاحب صفحہ ۱۲۶ میں ان القاب سے یاد کرتے ہیں ''حضرت پیران پیر قطب الاقطاب سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ اپنی معروف کتاب غنیۃ الطالبین صفحہ ۷۵ ج ۱۔ میں اہل سنت کے عقائد بیان کرتے صفحہ ۸۰ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں (فصل) واعلم ان لاهل البدع علامات يعرفون بها فعلامة اهل البدعة الوقيعة فى اهل الاثر وعلامة الزنادقة تسميتهم اهل الاثر بالحشوية ويريدون ابطال الآثار وعلامة القدرية تسميتهم اهل الاثر مجبرة وعلامة الجهمية تسميتهم اهل السنة مشبهة وعلامة الرافضة تسميتهم اهل الاثر ناصبية وكل ذالك عصبية وغياظ لا هل السنة ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحديث ولا يلتصق بهم مالقبهم به اهل البدع كما لم يلتصق بالنبى ﷺ تسمية كفار مكة ساحرا وشاعرا ومجنونا ومفتونا وكا هنا ولم يكن اسمه عند الله وعند ملائكة وعند انسه وجنه وسائر خلقه الا رسولا انبيا بريا من العاهات كلها انظر كيف ضربوا لك الا مثال فضلوا فلايستطيعون سبيلا۔هذا آخر ما الفنافى باب معرفة الصانع والا عتقاد على مذهب اهل السنة والجماعة على الاختصار والقدرة الخ .'' سید صاحب کی اس عبارت سے چند امور ظاہر ہوتے ہیں۔

**الاول**:......اہل حدیث ہی اہل سنت ہیں۔

**الثانی**:......اہل سنت کا نام صرف اہل حدیث ہی ہے۔

**الثالث**:......اہلحدیث کو دوسرے القاب دینے والے اہل بدع ہیں۔

اور اب مولوی صاحب اور ان کے ہمنوا اہل حدیث کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں یا انہیں کئی انواع کے القاب دیتے ہیں۔ وہ سوچ کے بتائیں کہ جن بدعتیوں کے فرقوں کا بیان سید صاحب نے کیا ہے اس میں سے کس فرقہ میں خود کو شمار کرتے ہیں؟ وھو الرابع

**والخامس:** ...... اہل الحدیث سے عداوت اہل بدعہ کی علامت خاص ہے۔ اس طرح احمد بن سنان کا قول ہے کہ "لیس فی الدنیا مبتدع الا ھو یبغض أھل الحدیث" اور امام احمد اہل حدیث سے عداوت رکھنے والے کو زندیق کہتے ہیں۔ اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ "علامۃ اھل البدع الوقیعۃ فی اھل الاثر (عقیدۃ السلف للامام ابی عثمان الصابونی صفحہ ٦٤ تا ٦٦)

**والسادس:** ...... اہل حدیث سے دشمنی تعصب کی علامت ہے اہل حدیث کو کئی انواع کے القاب دینے کی مثال اس طرح ہے۔ جیسے مشرک رسول اللہ ﷺ کو کئی انواع القاب دیتے تھے مثلاً ساحر، شاعر، مجنون، مفتون، خائن وغیرہ حالانکہ آپ کا لقب مبارک رسول و نبی ہے۔ اس طرح ان کا لقب اہل حدیث ہی ہے مگر اہل بدعہ انہیں کئی انواع کے لقب دیتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ مولوی صاحب اپنے قطب الاقطاب کی بات تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟

پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "جب مولوی صاحب اور پیر صاحب کا ارشاد ہے کہ مثبت احادیث (جن میں سجدہ میں رفع الیدین کا بیان ہے) اور بوقت رکوع رفع الیدین کی احادیث ان میں قانون سے مخالفت اور منافات نہیں ہے تو پھر ابن عمر کی حدیث سے مالک بن حویرث کی حدیث کو کس طرح رد کر سکتے ہیں؟ جب کہ مخالفت ہی نہیں۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** اس روایت کو اس پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ ابن مسعود کی روایت صریحاً رکوع اور راس سے سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین کا انکار یا نفی نہیں بلکہ ایسا مفہوم ہے جس سے علماء حنفیہ نفی تصور کرتے ہیں اور اسی تصور پر بڑے اعتراض ہیں۔ لہٰذا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صریح نہیں ہے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں زیادتی ہے۔ لہٰذا مولانا عمر صاحب "المثبت مقدم علی النافی" کے قاعدہ کے مطابق اس کو مقدم کرتے ہیں۔ مگر اس مقام پر اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ مالک بن حویرث کی روایت جو مولوی صاحب نے ذکر کی ہے اس میں سجدہ میں رفع الیدین کرنے کا واضح بیان ہے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں سجدہ میں رفع الیدین کی واضح نفی ہے۔ اس میں ظاہراً تعارض ہے۔ لہٰذا یہ قیاس صحیح نہیں ہے؛

**ثانیاً:** ...... حدیث ابن عمر صحیح ہے اور جو مالک بن حویرث سے مولوی صاحب نے نقل کی ہے وہ ضعیف ہے۔ کما تقدم، لہٰذا صحیح مقدم ہوگی۔

**ثالثاً:**......خود مالک بن حویرث کی حدیث سند صحیحہ کا ساتھ جس میں سجدہ میں رفع الیدین کا ذکر نہیں لہٰذا صحیح مقدم ہوگی۔

**رابعاً:** ......حدیث ابن مسعود کو مولانا عمر صاحب ضعیف شمار کرتا ہے اور پھر مثبت نفی پر مقدم اس صورت میں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض اس کو صحیح تسلیم کیا جائے تب بھی دونوں میں منافات نہیں ہے۔ بلکہ مثبت منفی پر مقدم ہے۔ مگر اس مقام پر مولوی صاحب کی پیش کردہ حدیث مالک بن حویرث ہم صحیح تسلیم نہیں کرتے لہٰذا یہاں وہ قانون کام نہ آئے گا۔

یہ بھی مولوی صاحب کا اپنا ذوق ہے۔ خود دونوں کو صحیح کہے اور قاعدہ بھی لگائے۔

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر
دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہاں کی سیر

**خامساً:** ......گر مولوی صاحب حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ قانون مثبت نفی سے مقدم ہے، تب بھی وہاں جاری کرتے ہیں۔ پھر خود کیوں نہیں اس کے مطابق عمل کرتے؟

**صفحہ ۱۳۲:** ......ضرب الیدین کے حوالہ سے قاعدہ نقل کرتے ہیں ”جس دلیل سے مخالف کے دلیل کو رد کیا جائے وہ دلیل زیادہ مضبوط وقوی ہو اور یہاں اس کے برعکس ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث ماہرین کے ہاں ریب والی ہے۔ (جس طرح ابو داؤد اور مالک کے بیان سے ثابت ہے) اور حدیث مالک بن حویرث صحیح اور یقینی ہے شک والی سے یقینی کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔“

**جواب:**...... **اولاً:** اس مقام پر ہم نے نسخ کا دعویٰ ہی نہیں کیا ہے۔ لہٰذا یا تو مولوی صاحب نے ضرب الیدین کی عبارت ہی نہیں سمجھی یا گر سمجھی ہے تو پھر غلط بحث کی ہے۔ یہ معارضہ اس مقام پر ٹھیک نہیں ہے۔

**ثانیاً:**......مولوی صاحب نے خلاف حقیقت لکھا ہے۔ کیونکہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں کسی محدث کو شک نہیں ہے بلکہ مولوی صاحب کے اپنے ایمان میں شک ہے ابو داؤد اور امام مالک کی طرف جو نسبت کی ہے وہ جھوٹی ثابت ہوئی۔ جیسا کہ درج بالا میں بیان ہوا۔ مولوی صاحب کی یہی تو کم فہمی ہے کہ صحیحین کی حدیث جسے امام ابن المدینی حجت علی الحق کہے۔ اسے شکی کہے اور جو روایت کئی وجوہات سے ضعیف ثابت ہوا سے صحیح اور یقینی کہے۔ ایسی کوئی اور اندھی سمجھ:

الٹی سمجھ کسی کو ہر گز خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ بد ادا نہ دے

بلکہ درج بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے لہٰذا ضرب الیدین میں بیان شدہ قاعدہ اپنے

مقام پر ٹھیک ہے۔ خود آپ کا حنفی زیلعی نصب الرایہ صفحہ ۳۹۲ ج ۱۔ میں بیان شدہ ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب کی حدیث مالک بن حویرث اس مقام کی نہیں ہے۔ کہ حدیث ابن عمر کا مقابلہ کر سکے۔ وھو الثالث۔ پھر مولوی صاحب اک اعتراض نقل کرتے ہیں ''بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع میں اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین حضور اکرم ﷺ کی عمر آخر تک قائم رہی'' یہ حدیث آپ کے بھائی زیلعی حنفی نے نصب الرایہ صفحہ ۴۰۹ ج ۱۔ میں بیان کی ہے۔ اسی کے جواب میں مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے اس کی سند میں عصمہ بن محمد انصاری ہے جس کے لیے امام ابن معین کہتے ہیں کہ کذاب تھا جھوٹی احادیث روایت کرتا تھا۔

**جواب**: ...... عصمہ بن محمد دو راوی ہیں۔ ایک وہ جس پر محدثین نے سخت جرح کی ہے اور کذاب وغیرہ کہا ہے۔ دوسرا راوی ثقہ ہے جسے امام ابن حبان نے کتاب الثقات صفحہ ۱۸۹ ج ۴ (قلمی) میں بیان کیا ہے۔ اب پہلے مولوی صاحب فیصلہ کرے کہ اس سند میں ان دونوں راویوں میں سے کون ہے۔ جسے ثقہ کہا گیا ہے۔ یا جسے کذاب کہا گیا ہے اور دونوں میں سے ایک کو معین کرنے کے لیے کیا دلیل ہے۔ مولوی صاحب کو ایسا ثبوت پیش کرنے کے لیے کوئی صورت نہیں بلکہ اس کے خلاف ہمارے ہاں دلیل موجود ہے کیونکہ امام بیہقی نے اس روایت کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ چنانچہ کتاب الخلافیات میں یہ روایت لا کر پھر فرماتا ہے کہ "ھذہ تدل علی خطأ الروایہ التی عن مجاھد" (مختصر الخلافیات صفحہ ۷۶ ج ۱۔ المصور) اور اس طرح حافظ ابن حجر الدرایہ صفحہ ۱۵۳ ج ۱۔ میں ذکر ہے اور زیلعی نصب الرایہ اور امام ابن دقیق العید سے نقل کرتا ہے کہ "یزیل ھذا التوھم" یعنی اس عبارت کا خلاصہ کہ اس روایت میں دلیل ہے کہ جو مجاہد سے نقل کی جائے کہ میں نے ابن عمر کو دیکھا اس نے رفع الیدین نہیں کی یہ روایت خطا اور غلط ہے اور نیز بعض کا وہم اس روایت کے بارے میں کہ رفع الیدین منسوخ ہے غلط ہے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ائمہ حدیث بیہقی، ابن دقیق العید اور ابن حجر وغیرہ اس حدیث کو دلیل اور بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ اگر ایسا کذاب راوی اس روایت میں ہوتا تو کبھی بھی ایسی روایت کو بطور دلیل پیش نہ کیا جاتا بلکہ بطور دلیل لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سند میں عصمہ بن محمد وہ ہے جو ثقہ اور معتبر ہے۔ بلکہ زیلعی آپ کے حنفی مذہب کے پیشوا بھی اس روایت پر ایسا اعتراض نہیں کرتے۔

حالانکہ عام طرح روایات میں ضعف ہوتا ہے تو زیلعی اسے واضح کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں اگر کذاب راوی ہوتا تو ضرور بیان کرتے۔ حالانکہ ابن دقیق العید سے ناقل بھی ہے کہ وہ اس سے دلیل لیتے ہیں اور رفع الیدین کو منسوخ کہنے والے وہم کو اسی روایت سے رد کرتے ہیں۔ پھر بھی زیلعی اس پر کوئی اعتراض نہیں

کرتے۔نہیں تو انہیں کہنا چاہیے تھا کہ کذاب راوی کی حدیث کو بطور دلیل یا کسی کے وہم وگمان کو رد کرنے کے لیے پیش نہیں کیا جاسکتا۔لیکن بالکل سکوت اختیار کرتا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ زیلعی نے اس سند میں عصمہ بن محمد کو وہی تصور کیا جسے ثقہ کہا گیا ہے۔نہ کہ اسے جسے کذاب کہا گیا ہے۔حالانکہ خودسند بھی دیکھی ہے ابن دقیق العید کے حوالہ سے نقل بھی کی ہے پھر بھی اعتراض نہیں کیا ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ ہے۔ کذاب نہیں ہے۔وھو الثانی

**الغرض**: ......اس روایت کے متعلق مولوی صاحب کی یلغارنا کام ثابت ہوئی بلکہ یہ روایت مولوی صاحب اور اس کے ہم نواؤں کی سازش زائل کردیتی ہے یعنی رفع الیدین نہ منسوخ ہے اور نہ ترک شدہ ہے اور نہ ہی منع کردہ ہے۔بلکہ آپ ﷺ کی سنت دائمی ہے۔

**صفحہ ۱۳۳**: ......دلیل ثالث رفع الیدین کے اثبات میں بحوالہ نسائی وابوداؤد حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں۔

**ناظرین**: ...... یہ روایت ابوداؤد صفحہ ۱۰۵ میں اس سند سے ہے "حدثنا مسدد نابشر ابن المفضل عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الی صلاۃ رسول الله ﷺ کیف یصلی قال فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فکبر فرفع یدیه حتی حاذتا اذنیه ثم اخذ شماله بیمینه فلما اراد ان یرکع رفعهما مثل ذالك ثم وضع یدیه علی رکبتیه فلما رفع راسه من الرکوع رفعهما مثل ذالك فلما سجد وضع یدیه بذالك المنزل من بین یدیه ثم جلس فافترش رجله الیسری ووضع یده الیسری علی فخذه الیسری وحدمرفقه الایمن علی فخذ الیمنی وقبض ثنتین وحلق حلقة ورایته یقول هکذا وحلق بشر الابهام والوسطیٰ واشار بالسبابة ۔" یہ ہے روایت جس کے کچھ حصہ کا مولوی صاحب نے ترجمہ بھی کیا ہے۔یہ سند معتبر ہے کیونکہ ابوداؤد کا شیخ مسدد اور اس کا شیخ بشر بن مفضل دونوں ثقہ ہیں۔کما فی التقریب اور عاصم بن کلیب کو خود مولوی صاحب نے صفحہ ۹۱۔۹۲۔ میں ثقہ اور حجت ثابت کیا ہے۔تحقیق محدثین مطابق اس کی یہ حدیث حجت ہے۔کیونکہ محدث صرف اس کے لیے یہ کہتے ہیں کہ "لا یحتج به اذا انفرد" یعنی جس روایت میں وہ منفرد ہو وہ حجت نہ ہوگی۔لیکن الحمدللہ یہاں وہ منفرد نہیں ہے۔اس کی اور بھی اسناد ہیں۔جن میں عاصم بن کلیب کے علاوہ دوسرے راوی بھی ہیں۔مثلاً سنن نسائی صفحہ ۱۰۵ج ۱۔میں ہے "قال اخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبد الله بن المبارك حدثنی علقمة بن وائل حدثنی ابی قال صلیت خلف رسول الله ﷺ فرایته

یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا رکع واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ ھکذا واشار قیس الی نحو الاذنین." اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور تقریب میں مذکور ہیں۔ یہ روایت امام بخاری جزء رفع الیدین صفحہ ۵ میں بھی لائے ہیں۔"قال حدثنا ابو نعیم الفضل بن دکین انبأ قیس بن سلیم العنبری فذکرہ" ان کے علاوہ دوسرا طرق مسلم وغیرہ میں ہے۔ جس کا بیان ان شاء اللہ پیش نظر ہوگا۔ لہٰذا اصل روایت صحیح سند سے ہے اور روایت عاصم بن کلیب اس کی تائید سے حجت بن جاتی ہے۔

**ثالثاً:** ...... عاصم بن کلیب سے کئی راوی اس حدیث کے ناقل ہیں جیسا کہ مسند احمد صفحہ ۲۱۶ ج ۴۔ میں ہے "قال حدثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل الحضرمی قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فکبر حین دخل ورفع یدیہ وحین اراد ان یرکع رفع یدیہ وحین رفع راسہ من الرکوع رفع یدیہ۔ الحدیث." نیز جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۷ میں بھی ہے "قال حدثنا مسلم بن ابراھیم ثنا شعبۃ ثنا عاصم بن کلیب فذکرہ" شعبہ اپنے شیخ سے صرف وہی حدیث لاتے ہیں۔ جو صحیح ہوتی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۳۰۰ ج ۱۔ (السلفیہ) میں بیان کیا ہے جیسا کہ اوپر عبارت گزری لہٰذا عاصم کی یہ حدیث بالکل صحیح اور قابل حجت ہے اس حدیث پر مولوی صاحب کوئی جرح تو نہیں کرتے۔ بلکہ جواب میں لکھتا ہے کہ یہ حدیث کا نصف ہے۔ مکمل حدیث میں سجدہ ورفع الیدین موجود ہے اس پر خود عمل نہیں کرتے۔"

**جواب:** ...... **اولاً:** یہ مولوی صاحب کا سفید جھوٹ ہے ہم نے مکمل حدیث ابوداؤد سے نقل کی ہے۔ اس میں سجدہ میں رفع الیدین کا بیان نہیں۔ کتاب ابوداؤد مفقود دنیا نہیں ہوئی۔ متعدد بار چھپی ہے اکثر ہر مدرسہ اور کتب خانہ پر موجود ہے۔ مولوی کھول کر خود پڑھ لے اگر خود نہ پڑھ سکے تو اوروں سے پڑھا کر آشنا ہولیں۔ کہ جو حدیث وائل کی خود نقل کی ہے۔ یعنی ان الفاظ کے ساتھ صلیت مع رسول اللہ ﷺ فقام رسول اللہ ﷺ الحدیث" دیکھیے کہ اس میں سجدہ کرتے رفع الیدین کا بیان ہے؟ ہرگز نہیں۔

**ثانیاً:** ...... یہ دوسری حدیث ہے جس میں سجدہ میں رفع الیدین کا ذکر ہے جس پر کلام ان شاء اللہ آئے گا دونوں احادیث کے جدا ہونے کے لیے بڑی دلیل یہ ہے کہ مولوی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: "فاستقبل القبلۃ" اور خود مولوی صاحب ترجمہ میں لکھتا ہے کہ "آپ نے اس طرح نماز پڑھائی کہ قبلہ کے سامنے ہوکر کھڑے ہوئے اور کانوں کے برابر رفع الیدین کیا" الخ اور جس روایت میں سجدہ میں رفع الیدین کرنے کا بیان ہے۔ اس میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا قطعاً ذکر نہیں ہے۔

**ناظرین**:...... ابو داؤد کی کتاب دیکھ کر اس کی تصدیق کریں۔

**ثالثاً**:...... دونوں اسناد جدا ہیں۔

**رابعاً**:...... اس حدیث میں الفاظ ہیں کہ ''فقام رسول اللہ ﷺ اور سجدہ والی روایت میں ہے کہ ''فکان اذا کبر'' لہٰذا اسی روایت سے اس حدیث کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے ابو داؤد کے حوالہ سے جو روایت وائل ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ''واذا رفع راسه من السجود ایضاً رفع یدیه'' مگر اسی روایت کی ابو داؤد تعلیل کرتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابو داؤد صفحہ ۱۰۵ ج ۱۔ میں اس روایت کے بعد یہ الفاظ ہیں ''قال ابو داؤد روی هٰذا الحدیث همام عن ابن جحادة ولم یذکر الرفع مع الرفع من السجود۔''

**ناظرین**:...... ہمام بن یحییٰ کی حدیث مسلم صفحہ ۱۷۳ ج ۱۔ مع النووی میں موجود ہے۔ ''قال حدثنا زهیر بن حرب قال نا عفان قال نا همام قال نا محمد بن جحادة قال حدثنی عبدالجبار بن وائل عن علقمة بن وائل ومولی لهم انهما حدثاه عن ابیه وائل بن حجر انه رای النبی ﷺ رفع یدیه حین دخل فی الصلوٰة کبر وصف حیال اذنیه ثم التحف بثوبه ثم وضع یده الیمنی علی الیسری فلما اراد ان یرکع اخرج یدیه من الثوب ثم رفعهما ثم کبر فرکع فلما قال سمع الله لمن حمده رفع یدیه فلما سجد سجد بین کفیه'' الخ اس حدیث میں سجدے میں رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے اور یہ حدیث مسند احمد صفحہ ۳۱۷ ج ۴ میں بھی ہے ''قال حدثنا عفان قال ثنا همام قال ثنا محمد بن جحادة فذکره نیز صحیح ابوعوانہ صفحہ ۹۷ ج ۲ میں ہے قال معاویة بن صالح ومحمد بن اسماعیل السائغ وعثمان بن خرزاذ الصغانی قالوا ثنا عفان ثنا همام به'' اور بیہقی صفحہ ۷۱ ج ۲ میں بھی ہے قال اخبر نا ابو الحسین بن بشران ببغداد انبا ابو جعفر محمد بن عمرو الرزاز ثنا جعفر بن محمد بن شاکر ثنا عفان به۔''

**ناظرین**:...... محمد بن جحادہ سے دو راوی ہیں۔ اک عبدالوارث بن سعید دوسرا ہمام بن یحییٰ۔ پہلا سجدہ میں رفع الیدین کا ذکر کرتا ہے دوسرا نہیں کرتا۔ اس صورت میں ذکر نہ کرنے والے (ہمام بن یحییٰ) کی روایت کو بھی چند وجوہات کی بنا پر ترجیح ہوگی۔

**الاول**:...... خود امام ابو داؤد نے عبدالوارث کی روایت کی تعلیل کی ہے۔ کسی دوسرے محدث نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

**الثانی:** ...... بیشمار روایات میں سجدہ میں رفع الیدین کرنے کی نفی ہے۔ مثلاً ابن عمر کی مشہور حدیث، ابوحمید الساعدی کی حدیث میں دس صحابہ کی تائید وشہادت ہے اور علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جس پر درج بالا میں بحث گذری اور حدیث ابوموسیٰ اشعری جو دارقطنی اور بیہقی میں ہے۔ لہٰذا محمد بن جحادہ کی یہ روایت معتبر ہوگی۔ جو دوسری احادیث کے مخالف نہ ہو۔

**الثالث:** ...... خود عبدالوارث بن سعید بھی یہ روایت سجدہ میں رفع الیدین کے علاوہ روایت کرتا ہے صحیح ابن حبان صفحہ ۲۵۴ ج ۳۔ (بترتیب الفارسی) میں ہے "اخبرنا ابو یعلیٰ قال حدثنا ابراھیم بن الحجاج الشامی قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا محمد بن جحادة قال حدثنا عبدالجبار بن وائل بن حجر قال کنت غلاما لا اعقل صلاة ابی فحدثنی وائل بن علقمة عن وائل بن حجر قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فکان اذا دخل فی الصف رفع یدیه وکبر ثم التحف فادخل یده فی ثوبه فاخذ شماله بیمینه فاذا اراد ان یرکع اخرج یدیه ورفعهما وکبر ثم رکع فاذا رفع راسه من الرکوع رفع یدیه فکبر فسجد ثم وضع وجهه بین کفیه قال ابن جحادة فذکرت ذالك للحسن بن ابی الحسن فقال هی صلوٰة رسول اللہ ﷺ فعله من فعله وترکه من ترکه." ترجمہ وہی ہے جو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے۔ صرف سجدہ میں رفع الیدین کا بیان نہیں ہے۔ پھر جبکہ عبدالوارث اپنی روایت میں سجدہ کا ذکر نہیں کرتا۔ لہٰذا وائل کی صحیح حدیث یہی ہے جو سجدہ میں رفع الیدین کے بیان سے عاری ہے۔

**الرابع:** ...... امام مسلم اپنی صحیح میں محمد بن جحادہ کی یہ حدیث لائے ہیں۔ جو ھمام کے طریق سے ہے۔ لہٰذا وہی راجح ہوگی اور اسی کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اندراج کیا ہے۔ وھو الخامس

**ثانیاً:** ...... اگر مولوی صاحب اسی کو صحیح مانتے ہیں تو خود اس کے مطابق عمل کرے اور بقیہ تین مقام پر رفع الیدین مولوی صاحب کے فیصلہ کے مطابق ثابت ہوئی والحمد للہ تعالیٰ

**صفحہ ۱۳۴:** ...... مولوی صاحب عنوان رکھتے ہیں کہ "لوہار کی چوٹ" لیکن بات تو کر بیٹھے مگر چوٹ اپنا ہی سر پھوڑے گی۔

پڑا کبھی مولوی کو محدثین سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

تحریر کرتے ہیں کہ "دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین ہے۔ اس کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ تین صحابہ سے تین صحیح احادیث پیش کی گئیں۔ جو طبقہ ثانیہ (ابو داؤد، نسائی وغیرہ) کی کتب صحیحہ طبقہ اولیٰ بخاری و مسلم کی اسناد سے بیان کی گئی ہیں''

**جواب:** ...... **اولاً:** ان تینوں احادیث کے متعلق مفصل بحث گزر چکی کہ تینوں صحابہ کرام (ابن عباس، مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہم) سے کوئی حدیث صحیح سنداً ثابت نہیں ہے۔ بلکہ روایات صحیحہ وہ ہیں جن میں سجدہ کے وقت رفع الیدین کا بیان نہیں ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کا مکمل مضمون اسی بنیاد پر بندھا ہے۔ پھر جب وہ بنیاد ہی منہدم ہوگئی تو پھر مولوی صاحب کی پوری تقریر ''ھباء منثورا'' ہوگئی۔

ہمہ امید آمدی وہمہ حرمان رفتی

**ثانیاً:** ...... مولوی صاحب کی یہ بات بھی جھوٹی ثابت کی گئی کہ جو روایات سجدہ میں رفع الیدین متعلق نقل کی ہیں وہ بخاری و مسلم کی اسناد سے ہیں بلکہ خود بخاری و مسلم کی احادیث میں سجدہ میں رفع الیدین کی نفی ہے۔ ''ذالك مبلغهم من العلم'' مولوی صاحب کا علم یہاں پر چل کر مکمل ہوا۔ کہہ رہا ہے جو نشاں اس کا نہیں ملتا۔

پھر تحریر کرتے ہیں کہ ''اب غیر مقلد حضرات کی طرف سے جو بھی دلیل پیش کی جائے گی جس میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے رفع الیدین ہوگی تو ان میں ان احادیث صحیحہ کے ساتھ ان کے تسلیم شدہ قانون کے مطابق سجدہ میں رفع الیدین کی زیادتی کی جائے گی۔ جس طرح اوپر اس کے تین نمونے پیش کیے گئے''

**جواب:** ...... **اولاً:** جب کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔

**ثانیاً:** ...... بلکہ صحیح روایات میں سجدہ کے وقت رفع الیدین کی نفی ہے۔

**ثالثاً:** ...... جو نمونے پیش کیے ہیں ان پر خود ہی عمل نہیں کرتا۔ اس طرح اپنی بٹی ہوئی رسی میں خود اٹکا ہے۔

پھر تحریر کرتے ہیں کہ ''اب اگر سجدہ میں رفع الیدین کے علاوہ غیر مقلد کی نماز صحیح ہے تو احناف حضرات کی نماز بھی سجدہ اور رکوع میں بغیر رفع الیدین کے صحیح ہوگی۔''

**جواب:** ...... یہ قیاس باطل اور غلط ہے۔ کیونکہ محدثین سجدہ میں رفع الیدین والی روایات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا انہیں یہ الزام نہیں جکڑ سکتا۔ بلکہ یہ الزام آپ احناف کی گردنوں میں ہے۔ کیونکہ آپ دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ یہ روایات صحیح ہیں جن میں رکوع اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین کے ساتھ سجدہ میں بھی رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ نہ پہلی دو جگہوں پر رفع الیدین کرتے ہو اور نہ بوقت سجدہ۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ ''المرءُ یؤخذ باقرارہ'' یعنی ہر شخص کی پکڑ اپنے اقرار پر ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ کے اقرار کے مطابق آپ کی نماز کس طرح ہوگی؟ اور ہم جس قدر صحیح مانتے ہیں۔ اس مطابق ہم رفع الیدین

کرتے ہیں۔لہٰذا ہم پر یہ اعتراض نہیں ہوتا۔

**الحاصل**: ...... ہماری نماز میں کوئی خرابی نہیں۔لیکن مولوی صاحب اور اس کے ہمنواؤں کی نماز کا نہ سر ہے نہ پاؤں۔

پھر رقم کرتے ہیں کہ ''گر بمقام رکوع رفع الیدین نہ کرنے سے حضور اکرم ﷺ کا انکار ہے تو سجدہ میں رفع الیدین نہ کرنے سے بھی حضور اکرم ﷺ کا انکار ہے۔

**جواب**: ...... **اولاً**: یہ الزام بھی ہم پر وارد نہیں ہوتا۔کیونکہ ہماری تحقیق مطابق سجدہ میں رفع الیدین ثابت نہیں۔اس لیے یہاں انکار یا اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ مولوی صاحب جب ان روایات کو صحیح مانتا ہے۔پھر بھی ان پر عمل نہیں کرتا۔اس لیے خود ہی اس الزام کا ملزم ہے۔گویا کہ چوٹ لگاتے آلہ ہاتھ سے چھوٹ کر اپنی گردن میں آ لگا۔

**ثانیاً**: ...... یہ جو مولوی صاحب نے الزام دیا ہے۔وہ ہماری کتاب ضرب الیدین کی بنا پر ہے۔حالانکہ اس میں ہم نے اس طرح نہیں لکھا ہے کہ صرف رفع الیدین نہ کرنے سے رسول اللہ ﷺ کا انکار لازم آتا ہے۔بلکہ ضرب الیدین کتاب کے سرورق پر اس طرح لکھا ہے کہ ''ضرب الیدین علیٰ منکری رفع الیدین'' سے عار خود نبی کریم ﷺ کا انکار'' یعنی یہ حکم اس کے لیے جو رفع الیدین کا انکار یا عار کرے۔باقی رفع الیدین نہ کرنے کے اور سبب بھی ہو سکتے ہیں۔مثلاً بزدلی، سستی وغیرہ۔

**ثالثاً**: ...... البتہ مولوی صاحب نے رفع الیدین کو گھوڑوں کی دمیں کہہ کر سنت نبوی (ﷺ) کی توہین کی ہے جس سے ظاہر ہے کہ اسے سنت سے عار ہے۔

**رابعاً**: ...... ہمارا مقصد اس رفع الیدین کے متعلق ہے جس قدر ثابت ہے مگر مولوی صاحب سجدہ میں رفع الیدین ثابت تسلیم کر کے پھر بھی عمل نہیں کرتے لہٰذا اس کو دونوں سے عار ہے۔

**صفحہ ۱۳۵**: ...... راقم ہیں کہ ''اگر احناف حضرات بوقت رکوع رفع الیدین ثابت نہیں کرتے تو ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کا فتویٰ درست ہے تو سجدہ میں رفع الیدین نہ کرنے کے سبب غیر مقلد حضرات کے پیچھے کس طرح درست ہوگی؟

**جواب**: ...... اس کے لیے وہی جواب ہے جو اوپر گذرا۔

**ثانیاً**: ...... اس الزام کے ملزم خود ہیں۔کیونکہ خود دونوں مقام پر رفع الیدین کے نہ قائل ہیں نہ عامل نہ رکوع کرتے نہ اٹھتے اور نہ ہی سجدہ میں لہٰذا اپنے ہی فتویٰ کے مطابق ان کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی۔

آپ ہی خود اپنے جو رو جفا کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

پھر لکھتے ہیں کہ ''جو جواب سجدہ میں رفع الیدین نہ کرنے کے متعلق غیر مقلد حضرات دیں گے۔ وہی جواب سجدہ اور رکوع میں رفع الیدین نہ کرنے کا احناف حضرات کا ہوگا''

**جواب:**...... **اولا:** ہمیں جواب دینے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ سجدہ کی کیفیت میں رفع الیدین کی کوئی روایت صحیح ہی نہیں۔ بلکہ گر آپ سے سوال ہو کہ جس صورت میں آپ انہیں صحیح مانتے ہیں تو پھر اس کے مطابق کیوں نہیں عمل کرتے تو پھر آپ کا کیا جواب ہوگا؟ وھو الثانی

**ثالثا:**...... گر خواہ مخواہ ہم سے ہی جواب طلب کرتے ہیں تو ہمارا جواب واضح ہے کہ سجدہ میں رفع الیدین اس لیے نہیں کرتے کہ اس کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ہے تو پھر کیا آپ بھی یہی جواب دو گے کہ رکوع اور سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین متعلق حدیث ثابت نہیں ہے؟ ''حاشاوکلا'' کیونکہ کتب صحیحہ میں متفق علیہ روایات موجود ہیں۔ بلکہ درج بالا میں ثابت ہوا کہ ابن عمر کی روایت ثبوت رفع الیدین میں باجماع محدثین صحیح ہے۔ پھر کس طرح مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو جواب آپ کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا؟ اس کے بعد عنوان باندھتے ہیں کہ: ''بحث کا خلاصہ'' حالانکہ صحیح خلاصہ بحث وہی ہے کہ رفع الیدین کے متعلق چار مقام تکبیر اولیٰ رکوع اور رکوع سے اٹھتے اور بعد دو رکعات کے اٹھتے وقت کتنی ہی صحیح احادیث موجود ہیں۔ جن کی صحت کا خود احناف نے بھی اعتراف کیا ہے اور جو مولوی صاحب ترک رفع الیدین متعلق دلائل پیش کیے وہ تمام ضعیف روایات اور نا ثابت بلکہ خود مولوی صاحب کے اپنے مذہب کے خلاف اور جو سجدہ کے متعلق روایات ذکر کیں وہ بھی تمام معلول اور ضعیف ثابت ہوئیں۔ تا ہم ان کے لیے جدا روایات نہیں ہیں۔ بلکہ یہی ہیں۔ جن میں رکوع اور رکوع سے اٹھنے کا بھی بیان ہے اور مولوی صاحب محدثین کے قواعد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں بالکل صحیح کہتے ہیں۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ رکوع اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین ثابت نہیں ہے۔ نیز دلائل دیگر ثابت کرتا ہے کہ بعد تکبیر اولیٰ بھی رفع الیدین کا قائل ہے مثلاً قنوت وتر میں اور تکبیرات عیدین میں۔

اب قارئین انصاف کریں کہ کس کا طریقہ مبنی علی الانصاف ہے مسلک محدثین جو احادیث صحیحہ پر عمل ضروری سمجھتے ہیں اور غیر صحیح سے اجتناب کرتے ہیں۔ یا مولوی صاحب جس کا مؤقف ہی نہیں۔ ایک طرف صحیح احادیث کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح کہتا ہے تو دوسری طرف جنہیں صحیح مانتا ہے ان کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ نیز اک جانب کہتا ہے کہ رفع الیدین تکبیر اولیٰ کے غیر ثابت نہیں ہے۔ نہ کی جائے اور سنت نہیں ہے اور دوسری

طرف کہہ رہا ہے کہ یہ تینوں احادیث (ابن عباس، مالک بن حویرث اور وائل بن حجر) جن میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت افتتاح نماز اور رکوع کرتے اور رکوع سے سیدھے ہوتے اور سجدہ میں رفع الیدین کرتے تھے اور یہ بالکل صحیح اور ثابت ہیں۔ ایسے تناقض اور تضاد والے کلام کو کوئی بھی باشعور انسان صحیح یا قابل قبول نہ تصور کریگا۔ اس کے بعد مولوی صاحب کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا بھی تجزیہ کیا جاتا ہے۔

تحریر کرتے ہیں کہ ''اہلحدیث کے دلائل خود اپنے ہی قانون سے غلط ہوگئے''

**جواب:** ...... **اولاً:** ان تمام باتوں کو احسن انداز سے رد کیا گیا کہ محدثین کے قاعدہ کے مطابق اثبات کے تمام دلائل قوی اور اعلیٰ طبقہ کے ہیں اور نفی کے دلائل نہ صحیح ہیں اور نہ ہی ثبوب دعویٰ کے لیے صریح ہیں۔

**ثانیا:** ...... یہ بھی ثابت کیا گیا کہ محدثین کے قوانین سے مولوی صاحب نے جھپٹے مارنے کی تگ ودو کی مگر بے انتہائی ناکامی حاصل ہوئی۔ بلکہ کئی مقامات پر قانون کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکا اور انہیں غلط استعمال کیا ہے۔

**ثالثاً:** ...... چند ایسے قوانین محدثین کی طرف منسوب کیے ہیں جن کا ان کی کتب سے پتا ہی نہیں چلتا۔ حالانکہ قانون ان کے خلاف مذکور ہیں ''کما تقدم'' پھر رقم کرتے ہیں کہ ''سجدہ رفع الیدین ثابت ہوئی اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا''

**جواب:** ...... حالانکہ خود دعویٰ کیا ہے کہ تکبیر اولیٰ کے بعد سلام تک رفع الیدین ہے ہی نہیں۔ پھر جو شخص خود اپنے کلام کو جھوٹا کہے اس کی مزید تردید کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ جو عمارت خود بنائی اسے خود منہدم کر بیٹھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ ''اس وقت حضرات اہل حدیث یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ تاریخ آگے پیچھے ہے''

**جواب:** ...... ہمیں اسے ثابت کرنے کی کیا ضرورت؟ کیونکہ تاریخ کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب دونوں جانب کی متضاد روایات صحت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ومساوی ہوں۔

**اولاً:** ...... یہاں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اثبات کی روایات اپنی معنی میں واضح اور روشن ہیں کہ رکوع اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین کیا جائے اور کرنا سنت ہے اور نفی کی روایات جو مولوی صاحب نے بیان کی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صریح نہیں اور کسی میں ایسی وضاحت نہیں کہ رکوع یا اس سے سیدھے ہوتے رفع الیدین نہ کی جائے لہٰذا تضاد اور اختلاف کا کوئی تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔

**ثانیاً:** ...... مرتبہ میں بھی برابر یا مساوی نہ ہوں۔ درج بالا تفصیل اور مدلل تقریر سے ثابت کیا گیا کہ رفع الیدین کے اثبات کی احادیث باجماع محدثین اور احناف صحیح اور حجت ہیں اور نفی متعلق، جو مولوی صاحب نے روایات نقل کی ہیں وہ باتفاق محدثین ضعیف اور ناثابت ہیں۔ پھر جب صحت میں دونوں مساوی نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں تضاد ہے تو پھر مقدم ومؤخر تاریخ معلوم کرنے کی کیا ضرورت؟

**ثالثاً:**...... آ گے چل کر مولوی صاحب رفع الیدین کو منسوخ کہتے ہیں کیا اسے کوئی تاریخ معلوم ہوئی ہے؟

الغرض:...... اس کی دونوں باتیں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ پس خود ہی فیصلہ کرے کہ کیا جھوٹ ہے؟

پھر لکھتے ہیں کہ: مسئلہ کے حل کے لیے عمیق نظر سے جائزہ لیا جا رہا ہے تو یہ حقائق نظر آتے ہیں'' حالانکہ جو حقائق تھے وہ ہم نے بیان کر دیے لیکن جو مولوی صاحب نے نقل کیے ہیں وہ حقائق دراصل سخائف بلکہ اپنے لیے ہی مصائب ہیں۔

جیسا کہ ان شاء اللہ بیان ہوگا۔ مجموعی ''چھ'' حقائق بیان کرتا ہے۔

**حقیقت اولیٰ:**......اس طرح تحریر کرتا ہے ''ابتداء اسلام میں کئی اشیاء نماز میں موجود تھیں پھر آہستہ آہستہ ان سے منع کر دیا گیا۔'' الخ

**جواب:** ...... **اولاً:** جن اشیاء کی نہی ہے۔ ان کا احادیث میں صریحاً بیان ہے رفع الیدین کی منع متعلق ایسی صراحت مولوی اوران کے ہمنوا تا قیامت نہیں دکھا سکتے۔

**ثانیاً:**......مولوی صاحب نے یہاں نماز میں بات چیت کی مثال دی ہے اس کے لیے صریحاً قرآنی آیت نازل ہوئی جس مولوی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے۔ یعنی ﴿ قُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (البقرہ) مگر رفع الیدین کے لیے ایسی منع کب آئی ایسا ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ ورنہ ان کا یہ لکھنا بیکار کہا جائے گا۔

**ثالثاً:** ...... کلام کرنا نماز کے منافی اور خلاف خشوع ہے۔ لہٰذا اس کے لیے نہی کی حاجت تھی وہ آئی۔ لیکن رفع الیدین خشوع کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ عین خشوع اور زینت ہے۔ جیسا کہ درج بالا میں گذرا اس کے لیے حسنات حاصل ہونے کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان ہوئی۔ نیز خود آپ کے لکھنوی صاحب سے بھی نقل کیا گیا کہ رفع الیدین نماز کی زینت، خشوع اور خضوع ہے۔ پھر اس کے لیے منع کیونکر آئے گی؟

**رابعاً:**...... بلکہ احکام شرعیہ آہستہ آہستہ نازل ہوتے رہے اور واضح ہوتے رہے۔ اس سے خود ظاہر ہے کہ رفع الیدین آخری فعل ہے کیونکہ وہ نماز کی زینت ہے اور اس سے ہاتھوں کی عبادت اور خشوع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نماز ناقص رہتی ہے اور اس کے شروع ہونے کے بعد نماز زینت اور خشوع کے لحاظ سے مکمل ہوگئی لہٰذا رفع الیدین آخری فعل ہے۔

**خامساً:**...... گفتگو نماز کا فعل نہیں ہے بلکہ خارج از فعل ہے اور رفع الیدین نماز میں ہونے والا فعل ہے۔ اس سے خارج نہیں ہے اسی لیے کہ احناف بھی نماز کے اندر بعض اوقات رفع الیدین کرتے ہیں۔ مثلاً: زائد تکبیرات عیدین اور وتر میں بوقت قنوت پڑھتے۔ لہٰذا دونوں افعال کا ایک دوسرے پر قیاس درست نہیں

ہے۔ مولوی صاحب کو تو اپنے گھر کے قواعد کا ہی پتا نہیں ہے۔

**الحاصل:**...... یہ حقیقت نہیں بلکہ مولوی صاحب کی فضیحت ہے ”ونسال الله العافية “

**حقیقت ثانیہ:**...... اس طرح کہتے ہیں کہ اسی طرح ہر اک تکبیر کہتے وقت رفع الیدین بھی صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ میں موجود ہے“

**جواب:**...... جس حدیث کا مولوی صاحب نے حوالہ دیا ہے وہ ابن ماجہ صفحہ ٦٦ میں اس طرح ہے ”حدثنا ایوب بن محمد الهاشمی ثنا عمر بن رباح عن عبدالله بن طاؤس عن ابیه عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ كان یر فع یدیه عند کل تکبیرة “ یہ روایت انتہائی درجہ کی ضعیف اور گری ہوئی ہے۔ اس کی سند میں راوی عمر بن رباح حد درجہ کا گرا ہوا ہے تقریب میں ہے کہ ”متـــروك وكذبه بعضهم “ اور اس طرح نسائی اور دار قطنی اس کو متروک کہتے ہیں اور امام بخاری عمرو بن علی الفلاس سے نقل کرتا ہے کہ وہ دجال ہے۔ اور ابو احمد الحاکم کہتے ہیں کہ ”ذاهب الحديث“ اور ابن عدی کہتا ہے کہ ”يروى عن ابن طائوس البواطيل مالا يتابعه احد عليه الضعف بين فی حديثه (یہ روایت ابن طاؤس سے ہے) اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ ”یــروی الــمــوضــوعــات عن الثقات كتب حديثه الاعلى التعجب “ اور عقیلی فرماتے ہیں کہ ”منكر الحديث “ اور ساجی فرماتے ہیں کہ ”يحدث ببواطيل ومنا كير“ (تهذيب صفحه ٤٤٨ ج٧) ایسے کی روایت کسی کام کی نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی حقیقت نہیں لیکن ان کی زبردست ہزیمت ہے۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما خود ہر تکبیر میں رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ مسنون مقامات پر کرتے تھے۔ جیسا کہ جــزء رفـع الـيـديـن للبخـاری صـفـحـه ٦ ـ ٧ ـ ٨ ـ ١٣ میں روایات مذکور ہیں۔ نیز مصنف عبدالرزاق صفحہ ٦٩ ج ٢ نیز مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ٢٣٥ ج١ اور مسائل احمد بن حنبل لعبداللہ صفحہ ٧٥۔ میں یہ روایت مروی ہے۔

**صفحہ ١٣٦:**...... **حقیقت ثالثہ:** لکھتے ہیں کہ ”اسی طرح سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے سلام یا اشارہ کرنا موجود تھے۔ جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے۔“

**جواب:**...... **اولاً:** درج بالا میں بیان ہوا ہے کہ ”یہ اشارات مسنون رفع الیدین کی مانند نہ تھے۔ بلکہ یہ اشارات ادھر اُدھر دائیں بائیں ہوتے ہیں۔ تبھی تو رسول اللہ نے ان اشارات کو سرکش گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی مسنون رفع الیدین میں ہاتھ دائیں بائیں نہیں لیکن سیدھے اوپر جاتے ہیں۔ لہٰذا اس مثال کا مضمون کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

**ثانیا:**...... ان اشارات کی منع تو ہے۔ حکم ہوا کہ ”اسكنوا فی الصلوٰة “ اور مسنون رفع الیدین تو خود

سکون ہے۔ جیسا کہ لکھنوی کی عبارت سے ثابت ہوا۔ اس کا یوم النھار کی مانند قولاً خواہ فعلاً ثبوت موجود ہے جسے مولوی صاحب حقیقت کہہ رہا ہے وہ تو باعث خجالت ہے۔

**چوتھی حقیقت:** ...... یہ لکھتے ہیں کہ: ''سجدہ میں رفع الیدین کرنے کے لیے بالکل صحیح احادیث موجود ہیں جن میں ذرا برابر شک نہیں ہے ان کے امثال ثلٰثہ بیان ہو چکی ہیں''

**جواب:** ...... **اولاً:** ان تین روایات کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ ان تین صحابہ کرام کی جو صحیح اور سالم احادیث ہیں۔ ان میں سجدہ کے وقت رفع الیدین مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا یہ سوال متعدد بار رد ہو چکا ہے۔ مولوی صاحب خواہ مخواہ ورق سیاہ کر رہے ہیں۔

**ثانیاً:** ...... اگر یہ روایات بقول مولوی صاحب صحیح ہیں؛ جن میں ذرہ مثل ریب نہیں ہے تو پھر ناظرین غور کریں کہ ان میں صرف رفع الیدین سجدہ میں نہیں ہے بلکہ رکوع اور اس سے سیدھے ہوتے وقت بھی ہے تو پھر اسے بے ثبوت کیوں کہتا ہے۔ بلکہ اس طرح اسی کے فیصلہ کے مطابق رکوع اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین ایسی صحیح احادیث سے ثابت ہے جن میں ذرہ مثل بھی شک نہیں ہے۔ اہل حدیث جب سجدہ میں رفع الیدین نہیں کرتے تو اس لیے کہتے ہیں کہ سجدہ کے متعلق روایات صحیح نہیں ہیں۔ لیکن جب تم صحیح کہتے ہو تو ان میں رکوع سے سیدھے ہوتے رفع الیدین کا ذکر ہے پھر تم کیوں نہیں کرتے؟ پھر رقم کرتا ہے کہ ''اس پر کئی اہل حدیث کا عمل بھی ثابت ہے''

**جواب:** ...... **اولاً:** اکثر نہیں بعض قائل ہیں۔ مگر اہلحدیث کے قاعدہ مطابق کسی کا عمل حجت نہیں ہے۔ حجت صرف عمل رسول ﷺ ہے۔ پھر جو بھی آپ سے صحیح سنداً ثابت ہوگا اس پر عمل کرنا ہے۔ پھر وہ احادیث جن کے متعلق کہتا ہے کہ بالکل صحیح ہیں جن میں ذرہ برابر شک نہیں ہے یہ حقیقت نہیں لیکن مولوی صاحب کے لیے زحمت بنجائیں۔ گر صحیح کہتا ہے تو عمل کرنا ضروری ہے۔ گر عمل کرتا ہے تو اپنی حقیقت سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے گا اور عمل نہیں کرتا تو یہ طرز منافقت ہے۔ کہ مسلم بھی کہلاتا ہے حدیث کو صحیح بھی مانتا ہے۔ پھر بھی نہیں کرتا اور اگر صحیح نہیں مانتا تو اپنا اعتراض ہی منہدم کیے جاتا ہے تمام محنت پر پانی پھر جاتا ہے جنہوں نے کتاب چھپوانے کے لیے خرچ کیا ان کا اجر ضایع بقیہ ایصال ثواب وہ تو پتا نہیں کس ڈاک خانہ کے ڈبے میں گیا۔

پڑھے ہیں عشق کا دفتر الف، ب، ت، ہم نہ سیکھے
نہ تختی ہاتھ میں پکڑی نہ ہم چھونا قلم سیکھے
فقط اس عشق کے دفتر میں ہم نام صنم سیکھے
ہوائے عشق واُلفت ہم نے کچھ اپنی قسم سیکھے

ہمیشہ جان کھوتے ہیں مگر کھونا نہیں آتا
قیامت ہے کہ روتے ہیں مگر رونا نہیں آتا

**حقیقت خامسہ**: ...... یہ تحریر کرتا ہے ''رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کی بحث بھی پیش کی گئی۔''

**جواب**: ...... یہ حقیقت ہے یا کہاوت جس کا حل مولوی صاحب کو خود نہیں آتا۔ قارئین نے مولوی صاحب کی کتاب پڑھی۔ ہم نے اس کا جائزہ لیا اس کو بھی دیکھا۔

**خلاصہ بحث**: ...... یہ نکلا کہ اثبات احادیث خود احناف بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں اور نفی کی روایات مولوی صاحب نے نقل کیں لیکن کوئی ایک بھی صحیح ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ ضعیف اور غیر محفوظ ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے اور پھر واضح طور پر رکوع اور اس سے اوپر اٹھتے وقت رفع الیدین کی نفی بھی نہیں کرتے ان ضعیف روایات کے الفاظ بھی یہ ہیں۔ کہ تکبیر اولیٰ کے بعد نماز میں رفع الیدین نہ تھی مگر جن احادیث میں جن اوقات میں رفع الیدین کا ثبوت ملتا ہے ان کا انکار نہیں ہے۔ کیونکہ عام خاص کو متناول نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص عام سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ نیز خود بھی اس کے خلاف ہے۔ کہ تکبیر اولیٰ کے بعد رفع الیدین کا قائل ہے۔ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ یا تو خود مولوی صاحب کو ان روایات پر اعتماد نہیں ہے۔ تب ہی تو ان کے خلاف عمل کرتا ہے یا اسے حدیث کی پرواہ نہیں ہے صرف دوسروں کو جواب کے لیے نقل کرتا ہے مناظرہ اور مناقشہ کے لیے خاص روایت لاتا ہے۔ مگر خود اپنی ہی فقہ کا تابع ہے۔ اس کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ خدارا انصاف کریں کہ یہی حقیقت ہے۔ یا مذہبی عصبیت اور ناجائز حمیت "ان اللہ لا یهدی کید الخائنین"

**حقیقت سادسہ**: ...... اس طرح رقم کرتے ہیں کہ ''مسئلہ رفع الیدین کے متعلق ابتداء رسالہ میں احادیث پیش کی گئیں، جن سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کی اور پھر ہاتھ نہیں اٹھائے۔''

**الجواب**: ...... **اولاً**: یہ جھوٹ اچھی طرح واضح ہوچکا ہے۔ ان میں کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔

**ثانیاً**: ...... مولوی صاحب ابھی حقیقت نمبر ۴ میں تسلیم کر چکے ہیں کہ ''سجدہ میں رفع الیدین کے تعلق تین احادیث صحیح رقم ہیں۔ جن میں ذرہ مثل بھی ریب نہیں ہے'' (جن میں رکوع اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع الیدین مذکور ہے) اور پھر یہاں صاف انکار کرتا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے'' یہاں ظاہر ظہور اس کی کلام میں تناقص ہے۔ اپنی ہی بیان بازی سے دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا۔ والحمد للہ

**ثالثاً**: ...... جب علم حدیث کے ماہرین اور ناقدین کا فیصلہ ہے کہ رفع الیدین کثیر احادیث سے ثابت ہے اور امام بخاری جزء لرفع الیدین پہلے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث لاتے ہیں پھر صفحہ ۴ میں ابن عمر کی حدیث اور صفحہ ۷ میں وائل بن حجر کی حدیث لاکر فرماتے ہیں کہ "قال البخاری ویروی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ وعن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ وعن عبید بن عمیر عن ابیه عن النبی ﷺ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ وعن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ کان یرفع یدیه عند الرکوع واذا رفع راسه قال البخاری وفیها ذکر کفایة لمن یفهمه ان شاء الله تعالیٰ ۔" نیز ان ائمہ نقاد کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ ترک رفع الیدین متعلق کوئی بھی روایت ثابت نہیں ہے۔ پھر ان کے مد مقابل مولوی صاحب کے فیصلہ کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ خاص طرح جب ائمہ حدیث کا فیصلہ کئی دلائل سے مدلل اور محقق ہے جیسا کہ درج بالا میں گذرا

**وهو الرابع**: ...... پھر رقم کرتا ہے کہ "ان تمام امثال سے یہ نتائج ظاہر ہوئے کہ رفع الیدین کو نماز سے آہستہ آہستہ ترک کیا گیا۔ الخ

**جواب**: ...... **اولاً**: مولوی صاحب نے کتنی تو تاریکی پھیلائی ہے۔ کیا بے اصل روایات سے اصل روایات رد ہونگیں؟ یا ضعیف سے یا صحیح مجہول سے منسوخ ہونگیں؟ ہرگز نہیں "واللہ" نہیں۔

**ثانیاً**: ...... اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ دونوں اطراف کی روایات (جن میں تکبیر اولیٰ کے بعد رفع الیدین کی نفی ہے اور جن میں رکوع اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت صریحاً رفع الیدین کا ذکر ہے) صحیح تسلیم کی جائیں تب بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک نے اپنے وقت کا حال کا بیان کیا ہے جیسا کہ رکوع اور رکوع سے سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین شروع نہ ہوئی تھی کچھ نے یہ حال بیان کیا ہے اور جب بوقت رکوع اور سیدھے ہوتے وقت رفع الیدین شروع ہوئی۔ دوسرے نے یہ حال نقل کیا پھر منسوخ تو ترک والی روایت ہوئی اور اس پر عمل ترک کیا گیا۔ بلکہ آہستہ آہستہ رفع الیدین مکمل کی گئی تو پھر اس صورت میں مولوی صاحب کیا جواب دیں گے؟ کیونکہ یہ حقیقت مولوی صاحب جیسوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔ عبرت حاصل کریں۔ عرصہ نبوی (ﷺ) میں بناء شریعت مکمل ہوئی۔ ہمیشہ آہستہ امور معین ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا آہستہ آہستہ رفع الیدین ثابت اور مستحکم ہوتی گئی۔ اس کے لیے کس طرح کہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ترک کی گئی؟ حقیقت کے خلاف ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ "آخر میں صرف بوقت تکبیر اولیٰ رفع الیدین ہے۔"

**جواب**: ...... **اولاً**: قارئین نے دیکھا کہ نہ شاہد پیش کیا نہ ہی کوئی گواہ۔ نہ ہی کوئی اصل صرف گپے ہی مارتے چلتے بنے ہیں۔

**ثانیاً:**......خود آپ کے احناف منسوخ کہنے کے منکر ہیں۔ بلکہ منسوخ کہنے والوں کا رد کرتے ہیں چنانچہ علامہ لکھنوی التعلیق الممجد صفحہ ۷۱ میں راقم ہے کہ "ان ثبوته عن النبی ﷺ اکثر وارجح واما دعوىٰ نسخه کما صدر عن الطحاوی مغتراً بحسن الظن بالصحابة التارکین وابن الهمام والعینی وغیر هم من اصحابنا فلیست بمبرهن بما یشفی العلیل ویروی الغلیل" اور علامہ سید انور شاہ کشمیری نیل الفرقدین صفحہ ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ "لیعلم ان الرفع متواتر اسناد او عملا لا یشك فیه ولم ینسخ ولا حرف منه الخ.

**ثالثا:**......امام ابن جوزی کی منسوخ احادیث کے متعلق کتاب ہے بنام اخبار اہل الرسوخ فی الفقه والتحدیث بمقدار المنسوخ من الحدیث'' جس میں جملہ پچیس روایات لاتے ہیں جنہیں اہل علم منسوخ کہتے ہیں۔ لیکن ان میں رفع الیدین کی حدیث نہیں ہے اور امام ابن الجوزی اس کتاب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ "فمن سمع بخبر یدعیٰ علیه النسخ ولیس هذا الکتاب فلیعلم وهاء تلك الدعویٰ.

**رابعا:**......مولوی صاحب درج بالا میں رفع الیدین کو گھوڑوں کی دمیں کہہ کر آئے ہیں جس کا مطلب کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین (معاذ اللہ) قطعاً نہیں کرتے تھے اور یہاں پھر منسوخ ہونے کی دعویٰ کرتے ہیں جس کا مطلب کہ آپ ﷺ نے کچھ وقت کی ہے۔ کیونکہ منسوخ وہ کام ہوتا ہے جو پہلے موجود ہو ورنہ نسخ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس طرح مولوی صاحب کے دونوں دعویٰ ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ان کا ہی قاعدہ "اذا تعارضا تساقطتا" موجب دونوں دعوے مہمل ٹھرے بلکہ اس طرح مولوی صاحب رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوے ہیں۔ کیونکہ آپ کا فعل اگر چہ ان کے خیال کے مطابق قلیل وقت رہا۔ انہیں گھوڑوں کی دمیں کہہ کر آپ کی سنت کی توھین کا مرتکب ہوا ہے۔ وهو الخامس.

**سادساً:**......ناسخ کے لیے شرط ہے کہ منسوخ سے اقویٰ ہو۔ چنانچہ نصب الرایہ صفحہ ۳۹۲ ج ۱ میں ہے "ان من شرط الناسخ ان یکون اقویٰ من المنسوخ به" اور دنیا آشنا ہے کہ رفع الیدین کے اثبات کی روایات اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں اور اعلیٰ طبقہ والی کتب میں مروی ہیں۔ ان کے طبقہ جیسی روایت نہ مولوی صاحب نے پیش کی ہے اور نہ اس کے بڑے پیش کر سکتے ہیں۔ پھر کس طرح ان روایات کو منسوخ کہتا ہے بلکہ ناسخ کا تو وجود ہی نہیں ہے۔ پھر منسوخ سے کس طرح روشناس ہوا جائے۔ وهو السابع

**وثامناً:**......اثبات رفع الیدین کے راوی مالک بن حویرث بھی ہے جس کی روایت بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ وغیرہ کتب میں ہے اور وہی مالک بن حویرث جلسہ استراحت کی حدیث بھی نقل کرتے ہیں۔

جو حدیث صحاح ستہ یعنی چھ ہی کتب میں مروی ہے مگر چونکہ مذہب حنفیہ میں جلسہ استراحت نہیں ہے۔ لہٰذا علماء حنفیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ "محمول علی حالة الکبر "یعنی آپ ﷺ کبرسن کے سبب اسطرح کرتے تھے لیکن یہ فعل نماز نہیں ہے اور اس کے لیے دلیل پیش کرتے ہیں کہ مالک بن حویرث رسول اللہ ﷺ کے ہاں آخری عمر میں آئے۔ پھر جب آخری عمر میں آئے تو پھر رفع الیدین بھی آخر عمر میں ثابت ہوئی۔ پھر منسوخ کی دعویٰ کس طرح صحیح ہوگی؟ علامہ ابوالحسن سندی (جسے آپ کے احناف اپنا شمار کرتے ہیں) حاشیہ ابن ماجہ صفحہ ۲۸۲ ج ۱۔ میں فرماتے ہیں "واما قول من قال ان ذالك الحديث ناسخ رفع غير تكبيرة الا فتتاح فهو قول بلا دليل بل لو فرض فى الباب نسخ فيكون الا مر بعكس ماقالوا أولى مما قالوا فان مالك بن الحويرث ووائل بن حجر من رواة الرفع ممن صلى مع النبى ﷺ آخر عمر ه فر وايتهما الرفع عند الركوع والرفع منه دليل على تاخر الرفع وبطلان دعوىٰ نسخه فان كان هناك نسخ فينبغى ان يكون المنسوخ ترك الرفع كيف وقدروى مالك هكذا جلسة الا ستراحة فحملوها على انها كانت فى آخر عمره فى سن الكبرفهى ليس مما فعلها النبى ﷺ قصدا فلا يكون سنة وهذا يقتضى ان لا يكون الرفع الذى رواه ثانيا منسوخا لكونه آخر عمره عندهم فالقول بانه منسوخ قريب من التنا قض وقد قال ﷺ لمالك واصحابه صلوا كما رايتمونى اصلى وبالجملة فاقرب القول باستناذ الامرين والرفع اقوى واكثر ." نیز اس طرح فتح الودود شرح ابی داؤد صفحہ ۱۲۲ قلمی میں بھی فرمایا ہے اور صفحہ ۱۳۳ میں فرماتے ہیں کہ "والعجب انهم يحملون جلسة الاستراحة على انها كانت فى آخر عمره ثم يقولون انما رواه مالك بن الحويرث من رفع الدين عند الركوع مع جلسة الاستراحة منسوخ وكيف يكون منسوخا اذا كان فى آخر عمره والله تعالىٰ اعلم ."جب کہ احناف کی اس بحث میں تناقض ہے۔ پھر یا تو جلسہ کے قائل ہوں یا رفع الیدین کو منسوخ نہ کہیں۔ بلکہ سن آخر کا عمل تصور کریں۔

وهو التاسع

**وعاشراً:**...... رفع الیدین کے راوی وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں سن آخر میں آئے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کا یہی عمل آخر عمر تک رہا۔ علامہ ابوالحسن سندی فتح الودود صفحہ ۱۲۲ (قلمی) میں فرماتے ہیں کہ "ومالك بن الحويرث وائل بن حجر ممن يصلى مع النبى ﷺ خر عمره فروايتهما الرفع دليل علىٰ بقائه وبطلان دعوىٰ نسخه۔

**والحادی عشر:**...... علامہ سندھی کی درج بالا عبارت سے یہ بھی واضح ہوا کہ اس باب میں گر نسخ تسلیم کیا تب بھی ترک رفع الیدین کا نسخ ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ آخر عمر میں آپ سے رفع الیدین کرنا ثابت ہے لیکن رفع الیدین کا منسوخ ہونا قطعاً مردود ہے۔

**والثانی عشر:**...... ابوحمید ساعدی کی حدیث جس میں وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد دس صحابہ کے اجماع کا ذکر ہے۔ وہ اس دعویٰ نسخ کی گردن توڑ دیتی ہے۔ کیونکہ ان کی بیان شدہ ترتیب نماز پر صحابہ نے اتفاق کیا ہے اور کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا اگر کسی وقت ترک کر جاتا تو کوئی نہ کوئی صحابی اعتراض کرتا۔

**والثالث عشر:**...... انس بن مالک آخری دس سال آپ ﷺ کی زندگی میں خادم رہے۔ وہ بھی رفع الیدین کرنا نقل کرتے ہیں نہ کہ ترک پھر اگر خود ترک کرتے تو آپ کے خادم کو پہلے علم ہوتا۔ گر انہیں پتا نہ چلا تو کوفہ والوں کو کہاں سے آشنائی حاصل ہوئی اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن ماجہ اور جزء رفع الیدین للبخاری وغیرھما میں مذکور ہے۔

**والرابع عشر:**...... ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بھی رفع الیدین کرنے کے راوی ہیں، جو رسول اللہ ﷺ سے سفر خواہ حضر میں ساتھ رہے اور لوگ اپنے کام کاج پر جاتے تھے مگر یہ ہر لمحہ حاضر مجلس رہتے تھے۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین ہی نقل کرتے ہیں نہ کہ ترک اور ان کی جزء رفع الیدین للبخاری، مسند احمد ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، مسند الشامیین للطبرانی وغیرہ میں مروی ہے پھر تو ابوہریرہ سے بھی نسخ معلوم نہ ہوا۔ لیکن کوفہ کے ٹھیکیداروں کو کہاں سے معلوم ہوا۔

**والخامس عشر:**...... صاحب ہدایہ تکبیر اولیٰ والی رفع الیدین کو ہی دائمی عمل رسول کہتا ہے اور زیلعی صاحب نصب الرایہ صفحہ ۹۔۳۰۸ ج ۲۔ میں اس کے لیے بطور دلیل ابن عمر، ابوحمید ساعدی اور علی رضی اللہ عنہم کی احادیث ذکر کرتا ہے۔ حالانکہ اس میں بوقت رکوع اور سیدھے ہوتے رفع الیدین کا ذکر بھی ہے۔ ثابت ہوا کہ زیلعی کی تحقیق مطابق بھی رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل ہے۔

**والسادس عشر:**...... مولوی صاحب یا اس کے ہمنواؤں نے منسوخ رفع الیدین کا دعویٰ کر کے یہ تسلیم کیا کہ عمل رسول اللہ ﷺ تو رفع الیدین تھا۔ گویا کہ اصل رفع الیدین پر ہم خواہ مولوی کے ہمنوا سب متفق ہیں اب مولوی صاحب پر لازم ہے کہ اپنی دعویٰ نسخ کے لیے ثبوت پیش کرے۔ کہ رفع الیدین کب منسوخ ہوئی۔ کس تاریخ، کس ماہ، کس سال، ان شاء اللہ قیامت تک مولوی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ ایسے ثبوت کے بغیر ایسا دعویٰ لائق سماع نہیں۔

**والسابع عشر:**...... رفع الیدین کی احادیث ''کان یرفع'' کے الفاظ سے آئی ہیں اور مضارع پر ''کانَ

داخل ہونے سے ماضی استمراری کی معنی بنتی ہے؛ جیسا کہ علماء ''صرف'' نے بیان کیا ہے لہٰذا اسے منسوخ نہیں کہا جاسکتا اس کے لیے کوئی صریح دلیل چاہیے۔ وھو مفقود۔

**والثامن عشر:**...... نسخ کے لیے شرط ہے کہ دونوں جانب تاریخ معلوم ہو کہ تاریخ کے لحاظ سے کون سا حکم پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا ایسا ثبوت مولوی صاحب کے بس سے باہر ہے۔ ایسے ثبوت کے علاوہ کسی حدیث کو منسوخ کہنا قطعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ نسخ کی معنی ہے "ارتفاع الحکم" یعنی اس دلیل کا کوئی حکم نہیں۔ لہٰذا یہ کس کو حق نہیں ہے۔ کہ بلا وجہ خوش فہمی کی بنا پر کسی حدیث کے حکم کو مہمل کہے۔

**والتاسع عشر:** ...... تاریخ نہ معلوم ہونے کی صورت میں ترجیح کی صورت ہے۔ شرح النخبۃ صفحہ ۴۷ میں ہے کہ "وان لم یعرف التاریخ فلا یخلوا ما ان یمکن ترجیح احدا ھما علی الآخر بوجہ من وجوہ الترجیح المتعلقۃ بالمتن اوبالا سناد اولا فان امکن الترجیح تمین المصیر الیہ والا فلا" اور اس مقام پر رفع الیدین کے اثبات کو ترجیح ہے نہ نفی کو۔

لوجوہ الاول:...... اثبات کی کئی صحیح روایات ہیں نفی کی کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔

الثانی:...... اثبات کی روایات تواتر سے موصول ہوئی ہیں اور نفی کی روایات اس طبقہ کی نہیں ہیں۔

الثالث:...... روایات اثبات صحیحین کی متفق علیہ ہیں۔ بخلاف ان کی نفی کی روایات کے ان میں سے کوئی بھی صحیحین میں سے کسی ایک میں نہیں ہے۔

الرابع:...... صرف ابن عمر کی روایت کے اتنے طرق ہیں۔ کہ نفی کی تمام روایات بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہوسکتیں۔

الخامس:...... روایات اثبات صریح اپنی معنی میں واضح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع اور رکوع سے سیدھے ہوتے رفع الیدین کرتے تھے اور ان کی مخالف روایات میں ''رفع الیدین عند الرکوع والرفع منہ'' کی نفی کی ''ہلکی سی بُک'' نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اور بھی احتمال رہتے ہیں۔ جیسا کہ درج بالا میں گذرا۔

السادس:...... روایات اثبات میں کوئی تخصیص یا استثناء نہیں اور نفی کی روایات میں خود احناف کے ہاں تخصیص مذکور ہے۔ کہ وہ قنوت وتر اور تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرتے تھے۔ باقی محدثین کے لحاظ سے تخصیص واضح ہے۔ کیونکہ رفع الیدین کے متعلق صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں۔ لہٰذا یہ رفع الیدین ان بن حویرث خاص ہونے کے لیے بالطریق الاولیٰ مستحق ہے۔ وھو السابع

عمر ۹ ن:...... قاعدہ ہے کہ مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے۔

صفر مع:...... نفی کی روایات میں علی تقدیر الصحۃ'' راوی کا نسیان بھی ہوسکتا ہے۔ وہ احتمال کثیر الوقوع ہے۔

والعاشر:...... اثبات والی روایات کو قولی روایات کی بھی تائید حاصل ہے اور رسول اللہ ﷺ کا امر موجود ہے لہٰذا ان ہی روایات کو ترجیح ہوگی۔ ''تلک عشرۃ کاملۃ''

والحادی عشر:...... نفی کی روایات میں علیٰ تقدیر الصحۃ یہ بیان نہیں کہ یہ ترک کب تھا۔ کچھ وقت معین تک یا آخر وفات تک بخلاف مثبت احادیث کو ایسی وضاحت حاصل ہے چنانچہ اک حدیث میں یہ الفاظ ہیں ''فما زالت تلك صلوٰته حتیٰ لقی الله'' ان وجوہات کی بنا پر علامہ لکھنوی حنفی التعلیق المجد صفحہ ۷۱ میں کہتے ہیں کہ ''ان ثبوته عن النبی ﷺ اکثر وارجح'' اور شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ ''والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت'' اور علامہ سندھی حاشیہ ابن ماجہ صفحہ ۲۸۲ ج ۱۔ میں تحریر کرتا ہے کہ ''والرفع اقویٰ واکثر والموفی للعشرین''

ہم مولوی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ دعویٰ کہ رفع الیدین منسوخ شدہ ہے! آپ کے امام ابوحنیفہ جس کے آپ مقلد ہو اس نے کیا ہے؟ ایسا ثبوت آپ کے ہاں یا آپ کے کسی بڑے کے ہاں ہے تو واضح کریں ''فان لم تفعلوا ولن تفعلوا'' تو آپ کو ایسی دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ امام صاحب کے متعلق آپ کے بڑے اس مسئلہ متعلق ایک مناظرہ امام اوزاعی سے ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ہمام فتح القدیر صفحہ ۲۱۹ ج ۱۔ میں اور دوسروں نے بیان کیا ہے۔ لیکن اس میں بھی امام صاحب نے اسطرح نہیں کہا ہے۔ کہ رفع الیدین کی احادیث منسوخ ہیں۔ جس کا مطلب کے اس کے منسوخ ہونے کا علم بھی امام صاحب کو نہیں تھا اور ان کی تحقیق منسوخ نہیں ہے پھر آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ امام صاحب سے بھی آپ کا علم بڑھ گیا کیا؟ اور اگر اس کے مذہب کی تائید کر رہے ہو تو پھر کیا ہی تائید کرتے ہو۔ درج بالا میں تفصیل سے معلوم ہوا کہ تائید کرتے ہو یا مذہب کا بنیاد نصب کرتے ہو۔ مقلدین کی تائید ایسی ہی ہوتی ہے۔

**الحاصل**:...... مولوی صاحب نے جو رفع الیدین کے متعلق کہا ہے۔ اس کا جواب تفصیل سے لکھا گیا امید ہے کہ قارئین کے لیے کافی وشافی ہوگا۔ ''والله یهدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم.''

ناظرین:...... مولوی صاحب نے اس مقام پر رفع الیدین کے اثبات متعلق تین احادیث ابوحمید ساعدی، وائل بن حجر، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی احادیث ذکر کی ہیں۔ اس طرح قارئین کو تاثر یہ دیتا ہے کہ اس کے متعلق یہ تین ہی روایات ہیں حالانکہ یہ واضح ناانصافی ہے رفع الیدین کے متعلق متعدد احادیث ہیں۔ طویل تفصیل کے بجائے صرف آپ ہی کے کعبہ قبلہ سید انور شاہ کشمیری کا قول نقل کرتے ہیں۔ جو آب احسن انداز سے پردہ چاک کرتا ہے۔ شاہ صاحب فیض الباری صفحہ ۲۵۷ ج ۲۔ میں ف

ان الاحادیث الصحاح فی الرفع تبلغ الی خمسة عشر وان سلك

ثبوت کے

فالی ثلاثة وعشرین ولنا حدیث ابن مسعود ومرسل آخر فی التخریج للزیلعی فقد ثبت الامران عندی ثبوتا لامردله الافی الاختیار ولیس فی الجواز فما فی الکبیر شرح المنیة والبدائع انه مکروه تحریما متروك عندی نعم ان کان عند هما نقل من صاحب المذهب فهما معذوران والا فالقول بالکراهة "فی مسألة متواترة بین الصحابة رضی اللہ عنہم شدید عندی ."

الاولیٰ:...... احادیث صحیحہ رفع الیدین متعلق بقول شاہ صاحب پندرہ ہیں۔

الثانی:...... اور جن روایات میں کلام ہے وہ بھی ان کے ساتھ ملصق کی جائیں تو مجموعی "تیس" ہونگیں۔

الثالث:...... بقول شاہ صاحب آپ کے لیے صرف ابن مسعود کی ایک حدیث ہے۔ جس کا مطلب کہ شاہ صاحب بقیہ روایات کو مسلم نہیں مانتا۔ بقیہ ابن مسعود کی روایت کی حقیقت درج بالا میں بیان کی گئی۔

الرابع:...... دوسری روایت شاہ صاحب مرسل قرار دیتا ہے اور مرسل روایت اصول حدیث مطابق قطعاً معتبر نہیں۔

الخامس:...... شاہ صاحب کے اس فیصلہ سے ہی مسئلہ ترجیح واضح ہوگیا۔

السادس:...... بقول شاہ صاحب احناف کے ہاں ترک رفع الیدین مختار اور افضل ہے۔ مگر اسے ناجائز نہیں کہتے۔ اس سے مولوی صاحب کا نسخ والا ڈھونگ بھی ختم ہوگیا۔ کیونکہ منسوخ پر عمل ناجائز اور حرام ہوتا ہے۔

السابع:...... شاہ صاحب کے قول کے مطابق رفع الیدین کو مکروہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

الثامن:...... بعض احناف نے رفع الیدین کو مکروہ کہا ہے۔ شاہ صاحب نے ان پر رد کیا ہے۔

التاسع:...... اس کے لیے شاہ صاحب یہ دلیل دیتے ہیں کہ رفع الیدین صحابہ کا متواتر عمل رہا ہے ایسے عمل کو مکروہ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ ایسے عمل کو مکروہ کہنا میرے نزدیک بڑے دکھ وغم کی بات ہے وھو العاشر .

دل کے پھپولے سے جل گیا ہے سینہ
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

**ناظرین**:...... گذشتہ مضمون میں ۱۔ ابوبکر صدیق ۲۔ عمر فاروق ۳۔ علی المرتضیٰ ۴۔ عبداللہ بن زبیر ۵۔ مالک بن حویرث ۶۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث گذریں اور مولوی صاحب نے چند ۷۔ ابوحمید ساعدی ۸۔ ابن عمر ۹۔ وائل بن حجر کی روایات نقل کیں۔ نو صحابہ کی احادیث نقل نہیں کیں ہیں ۱۰۔ ابوہریرہ کی حدیث ابوداؤد صفحہ ۱۰۸ پر مروی ہے "حدثنا عبدالملك بن شعیب بن اللیث حدثنی ابی عن جدی عن

یحییٰ بن ایوب عن عبدالملك بن عبدالعزیز بن جریج عن ابن شهاب عن ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام عن ابی هریرة انه قال کان النبی ﷺ اذا کبر للصلوٰة جعل یدیه حذو منکبیه واذا رکع فعل مثل ذالك اذا رفع للسجود فعل مثل ذالك واذا قام من الرکعتین فصل مثل ذالك." نیز ابن ماجہ صفحہ ٦٢ میں دوسری سند سے مذکور ہے۔ اس طرح مسند الشامیین للطبرانی صفحہ ١٧٢ قلمی میں پھر دوسری سند سے مذکور ہے ١١۔ انس بن مالک کی روایت ابن ماجہ صفحہ ٦٢ پر ہے اور ١٢۔ ابو موسیٰ اشعری کی روایت دار قطنی صفحہ ٢٩٢ ج١۔ میں مذکور ہے اور ١٣۔ براء بن عازب کی روایت بیہقی صفحہ ٧٧ ج٢ میں ہے اس کے غیر دوسری کئی روایات ہیں۔ اسی لیے اہل علم اس کے تواتر کے قائل ہیں اور بحمد للہ مسئلہ رفع الیدین اختتام پذیر ہوا۔





## ”مقالات راشدیہ“ اور صاحب مقالات

تعریفات کے لائق اللہ رب العالمین کی ذات بابرکت کہ جو انسان سے وہ کام لے لیتی ہے جو انسان کی سوچ میں بھی نہیں ہوتے اور درود وسلام پیارے پیغمبر جناب محمد مصطفی ﷺ کی ذات بابرکت پر۔

اللہ رب العالمین نے اپنا دین نازل فرمایا اسے مکمل فرمایا اور پھر اسکے دفاع اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اٹھایا کیونکہ یہ ایک عالمگیر مذہب ہے اور رہتی دنیا تک اس دین نے اپنی منزل من اللہ حالت میں باقی رہنا ہے۔ جہاں اس دین کو اللہ رب العالمین نے کتابی صورت میں محفوظ فرمایا ہے۔ وہیں اللہ رب العالمین نے اس دین کو سینہ بہ سینہ اور تعامل امت کی صورت میں محفوظ فرمایا ہے اور ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نابغہ روزگار ہستیاں اور ناس من امتی ظاهرين على الحق کا مصداق اس دنیا میں بھیجیں جنہوں نے ”لا يضرهم من خذلهم او خالفهم“ کی عملی تفسیر بن کر اس دین کی حفاظت کی۔ اور اپنی زندگی اس دین سے مکھیاں اڑانے اور ان کا کام تمام کرنے میں بسر کر دی۔

انہیں ہستیوں میں میرے ممدوح محبوب استاذ الاساتذہ علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ موصوف کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں آپ عربی کے اس مقولے کا مصداق تھے۔ ”خلق الله لحفاظة دينه“ آپ واقعی شیخ العرب والعجم اسم بامسمّی تھے۔ زیر نظر کتاب مقالات راشدیہ جلد 6 اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ درحقیقت یہ جلد شاہ صاحب کی کتاب ” تمييز الطيب من الخبيث“ کا اردو ترجمہ ہے۔ احناف کے ایک متعصب اور نام نہاد عالم مولوی عبدالخالق میمن نے تحفۃ الحدیث کے نام سے کتاب لکھی جس میں مسئلہ سورہ فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین، وتر اور نماز تراویح کے متعلق اپنے بودے دلائل اور ذہنی اختراع سے لوگوں کے ذہنوں کو سنت سے ہٹانے کی مذموم سعی کی تو علامہ بدیع الدین شاہ الراشدیؒ نے انکی اس کتاب کا علمی تعاقب کر کے مولوی صاحب کے ذکر کردہ بودے دلائل کا شیرازہ بکھیر دیا اور لوگوں کو یہ بتا دیا کہ ”ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی“ اور جس صاف ستھری تصویر کو دھندلا کرنے کی مذموم سعی کی گئی تھی اسکو واضح کیا۔ اور جہاں جہاں ”لا تقربوا الصلاة“ کا مفہوم لیکر ” وانتم سكارى“ کو چھوڑنے کی قبیح روش اپنائی گئی تو اس روش کو روند کے رکھ دیا۔ اور ایسے عدوان دین کیلئے پیغام چھوڑا کہ:

خون دل دیکر نکھاریں گے رخ برق گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

آخر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ استاد محمد شیخ افتخار احمد الازہری اور جملہ معاونین اور ناشر کی اس اونیٰ سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کیلئے اسے مشعل راہ بنا کر توشہ آخرت بنائے۔ آمین

راشد حسن صوفی (پیرانی)
مدرس جامعہ بحر العلوم السلفیہ میر پور خاص سندھ

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
042 37321865

E-Mail: nomania2000@hotmail.com



M 35